تفسیر نعیمی
مفسر
صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی
ناشر
نعیمی کتب خانہ
مفتی احمد یار خان روڈ چوک پاکستان، گجرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
پنجتن پاک
محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
حضرت صدیق اکبر ○ حضرت فاروق اعظم ○ حضرت عثمان غنی ○ حضرت مولیٰ علی
محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
حضرت جبرائیل علیہ السلام ○ حضرت میکائیل علیہ السلام ○ حضرت اسرافیل علیہ السلام ○ حضرت عزرائیل علیہ السلام
محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
حضرت مولیٰ علی ○ حضرت فاطمہ ○ حضرت امام حسن ○ حضرت امام حسین

اَشرفُ التَّفاسِیر
تفسیرِ نعیمی
پارہ نمبر 12
مُفسِّر
صاجزادہ مُفتی اقتدار احمد خان نعیمی
ناشر
نعیمی کتب خانہ
مُفتی احمد یار خان روڈ
چوک پاکستان، گجرات،

کتاب تفسیر پارہ نمبر 12
مصنف صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی ر
ناشر نعیمی کتب خانہ مفتی احمد یار خان روڈ، گجرات
تعداد گیارہ سو
سال اشاعت 2004
ہدیہ

تقسیم کار

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7220479-7221953
فیکس نمبر:۔042-7238010
9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون:۔7225085
14۔انفال پلازہ، اردو بازار، کراچی
Email:- zquran@brain.net.pk

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ بارھواں

۳

نام کتاب ــــــــــــــ تفسیر نعیمی پارہ بارھواں

نام مصنف ــــــــــــــ صاحبزادہ اقتدار احمد خاں نعیمی قادری

مطبوعہ ــــــــــــــ اے کے زیڈ پرنٹرز لاہور فون ۲۲۴۱۰۸

ایڈیشن ــــــــــــــ پہلا ۱۹۸۴ء ۱۴۰۴ھ تعداد گیارہ سو

ملنے کا پتہ : نعیمی کتب خانہ گجرات پاکستان

حضرت اعلیٰ حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور صاحبزادہ اقتدار احمد خان کی تمام

کتابیں ملنے کا پتہ

نعیمی کتب خانہ گجرات

قیمت :

سید فاضل شاہ انور قلمکار گجرات

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ

اور نہیں ہے جاندار میں زمین مگر پر اللہ رزق اس کا اور جانتا ہے

اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو اور جانتا

مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦﴾

ٹھکانہ اس کا اور آخری مقام اس کا سب کچھ ایک صاف کتاب بیان کرنے والی

ہے کہ کہاں ٹھہرے گا اور کہاں سپرد ہو گا سب کچھ ایک صاف بیان کرنیوالی کتاب میں ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پہلے فرمایا گیا تھا عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ دلوں کی باتیں جاننے والا۔ یہ ایک عظیم دعویٰ تھا اس آیت کریمہ میں ایک نئے دعوے کی شکل میں اس دعوے کی دلیل پیش کی جارہی ہے کہ وہ اپنی تمام زمینی مخلوق کو جو کروڑوں کی تعداد میں ہے۔ حاجت و ضرورت کے مطابق رزق دے رہا ہے۔ جو جانتا نہ ہو وہ قلبی۔ خیالی۔ جسمانی ضروریات سے کس طرح واقف ہو سکتا ہے۔ اور کس طرح دے سکتا ہے۔ پہلے جاننا ہوتا ہے پھر دینا اس لئے پہلے اس آیت کا ذکر کیا بعد میں عطا کیا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں زمانہ حال کے جاننے کا ذکر تھا اس آیت میں مستقر اور مستودع کا ذکر فرما کر زمانہ استقبال میں جاننے کا ذکر فرمایا جس سے کمالِ علم ثابت ہوا۔ ماضی کا علم زیادہ کمال نہیں ہوتا کہ وہ تاریخ اور گفت وشنید سے بھی جانا جا سکتا ہے۔ اس لئے اس کا ذکر نہ فرمایا۔ تیسرا تعلق۔ پہلے فرمایا گیا تھا کہ بعض انسان بعض موقعوں پر اللہ سے چھپنا چاہتے ہیں۔ جو محض فاسد گمان تھا اب بتایا جارہا ہے کہ وہ اللہ کریم تو زمین کی اندرونی مخلوق کیڑوں مکوڑوں کو بھی جانتا ہے۔ بھلا انسان اس سے کس طرح پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔ اسی لئے فِي الْأَرْضِ فرمایا گیا عَلَى الْأَرْضِ نہ کہا گیا۔ اور یہ بدیہی امر ہے کہ رازق کے لئے مرزوق کا جاننا ضروری۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے مرزوق کا ذکر کیا گیا بعد میں عطاء رزق سے اپنی رزاقیت کا۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر نحوی وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ ۔ واؤ سر جملہ ہے ما نافیہ مِنْ استغراقیہ صلہ کا ہے دَآبَّۃٌ دَبَّ یَدِبُّ دَبِیْبٌ سے مشتق ہے بمعنی روندنا۔ زمین اکھیڑنا۔ اسی سے ہے دَبَّابَہ بمعنی ٹینک موجودہ دور میں ٹریکٹر کو بھی دبابہ کہتے ہیں۔ ریچھ کو دُبٌّ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ پیر ٹیکتا چلتا ہے۔ لغت کے لحاظ سے ہر زمینی جانور کو دابہ کہتے ہیں۔ خواہ ہوائی پرندے ہوں یا کیڑے مکوڑے یا دریائی جانور بجز مچھلی۔ کہ دیگر دریائی تو پانی سے باہر بھی جیتے زندہ رہتے ہیں مگر مچھلی خشکی پر قطعاً نہیں رہ سکتی۔ اصطلاح کے اعتبار سے دابہ صرف خشکی کے چوپایوں کو کہتے

ہیں۔ اور عرف عام میں دابہ فقط گھوڑے کو کہتے ہیں۔ یہاں لغوی معنیٰ مراد ہے اس لئے دَابَّةٍ نکرہ نفی کے تحت ہے تاکہ سب جاندار زمینی مخلوق کو شامل ہو جائے فی ظرفیۃ کا ہے بعض نے کہا فی بمعنیٰ علیٰ ہے۔ مگر یہ درست نہیں کیونکہ عمومیت کے منافی ہے جبکہ سابقہ نکرہ عمومیت کو چاہتا ہے۔ اَلْاَرْضُ الف لام۔ استغراقی ہے جس سے تحت الثریٰ بھی شامل ہو گیا۔ اَرْضُ لفظاً مونث ہے اس کی تصغیر اُرَیْضَۃٌ ہے۔ اس کا لغوی ترجمہ خوش منظر ہے اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا الاحرف استثنائے سابقہ نفی کو توڑا۔ یہاں اِلَّا لٰکِنْ کے معنیٰ میں ہے جس سے استدراک پیدا ہوا اور عطف بھی جیسے کہ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّہِ الْاَعْلٰی۔ میں اِلَّا لکن کے معنیٰ میں ہے (الانصاف اول ص ۲۲۹) قواعد نحویہ کے مطابق اِلَّا نو معنیٰ میں مستعمل ہے جن میں سے ایک بمعنیٰ لٰکِن ہوتا ہے۔ (غریب القرآن) علیٰ۔ اپنے معنیٰ میں ہے بعض نے کہا کہ علیٰ بمعنیٰ من ہے یعنی اللہ کی طرف سے (صاوی) رزق مضاف ھا ضمیر مضاف الیہ کا مرجع دابہ ہے رزق کا اصل معنیٰ ہے نفع والی چیز۔ خواہ غذائی ہو یا دیگر مستعملہ اشیاء اصطلاحاً خوراک کو ہی رزق کہا جاتا ہے۔ یہاں لغوی اصلی معنیٰ مراد ہیں یہ عبارت اصل میں اسطرح ہے اَلَّا رِزْقُھَا عَلَی اللّٰہِ۔ عَلَی اللّٰہِ کے تقدم سے حصر کا فائدہ ہوا وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّھَا وَمُسْتَوْدَعَھَا واؤ عاطفہ ہے جس سے علم الٰہیہ کی دوسری دلیل ثابت ہوئی مُسْتَقَرٌّ۔ استقرار سے مشتق صیغہ اسم مفعول بمعنیٰ ظرف یعنی ٹھہرنے قرار پکڑنے کی جگہ ھا ضمیر کا مرجع دَابَّۃٍ۔ واؤ عاطفہ مُسْتَوْدَعَھَا ودیعت سے بنا ہے۔ بمعنیٰ امانت رکھی ہوئی۔ مراد قبر ہے کُلٌّ فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ۔ کُلٌّ۔ کُلٌّ۔ موجبہ کلیہ کا سور ہے بقاعدہ نحویہ مبتدا ہے۔ فی ظرفیت کا ہے۔ کتٰب بمعنیٰ مکتوب ہے یا بمعنیٰ لکھنے کی جگہ۔ مراد لوح محفوظ ہے۔ مُبِیْنٍ بَیِّنٌ سے اسم فاعل ہے یعنی بیان کرنے والی۔ صفت ہے کتاب کی۔ تفسیر عالمانہ۔ ۱ وَمَا مِنْ دَابَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا۔ اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔ یہاں نادان لوگوں کے لئے علوم الٰہیہ کی ایک برہان پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم قانون کلیہ بھی بتایا جا رہا ہے۔ جس سے ایک مکمل ضابطہ حیات کا سبق ملتا ہے۔ کیونکہ انسان توکل علی اللہ کے ساتھ کامیاب اور پرسکون زندگی گذار سکتا ہے۔ اگرچہ یہاں رزق کی نسبت مخلوق کے خاص طبقے کی طرف کی گئی ہے مگر باری تعالےٰ تمام جان دار بے جان۔ کنکر۔ پتھر۔ لکڑی۔ لوہا زمین۔ آسمان۔ آبی۔ خشکی۔ ہوائی۔ فضائی۔ انسان جنات ملائکہ کیڑے مکوڑے سب کا رازق ہے۔ اس آیت میں صرف دابہ یعنی جاندار مخلوق کا ذکر بقول مفسرین دو وجہ سے کیا یا اس لئے کہ اگرچہ رب تعالیٰ سب کو رزق عطا فرماتا ہے مگر انسان صرف جاندار کی غذا وغیرہ کو دیکھ سکتا ہے۔ اور انسان ہی کو بتانا مقصود ہے اس لئے دابہ کا خصوصیت سے ذکر فرمایا (نور العرفان) یہی توجیہ زیادہ صحیح ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ رزق یعنی غذا وغیرہ کا محتاج صرف جاندار ہے۔ اس لئے دابۃ کا ذکر کیا گیا۔ مگر یہ بات صحیح نہیں۔ اس لئے کہ ہر مخلوق رزق کی محتاج ہے۔ یہ علیٰحدہ بات ہے کہ مختلف مخلوق کا رزق مختلف نوعیت کا ہوتا ہے۔ جن میں بعض کا عقل انسانی میں آسکتا ہے بعض کا نہیں حدیث پاک میں آتا ہے۔ ملائکہ کی غذا تسبیح ہے۔ جنات کی غذا کا ذکر بھی احادیث سے ثابت ہے۔ چرند پرند کا رزق بھی بعض حیثیت میں عقل

انسانی کے فہم سے وراء ہے۔ نباتات درخت وغیرہ بھی رزق پاتے ہیں۔ پتھر اور آگ کا کیڑا بھی رزق پاتا ہے مگر یہ سب فہم سے وراء ہے۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قلب پاک میں ایک دفعہ یونہی اسی قسم کا خیال گزرا وحی آئی اے موسیٰ قریبی پتھر پر لاٹھی مارو آپ نے ایک چھوٹی چٹان پر عصا مارا وہ ٹوٹ گیا اس میں ایک چھوٹا پتھر نکلا حکم ہوا اس چھوٹے پتھر کو مارو اس کو مارا تو اس میں سے بہت چھوٹا پتھر نکلا پھر حکم ہوا۔ پھر مارا تو بہت چھوٹا پتھر نکلا حکم الٰہی ہوا کہ اس کو توڑو جب اس کو توڑا تو اس میں ایک ننھا سا کیڑا تھا جس کے منہ میں اس کی کچھ غذا تھی اور اس کا منہ بھی کچھ پڑھ رہا تھا حضرت موسیٰ نے کان لگائے تو اپنی زبان میں کہہ رہا تھا۔ پاک ہے وہ رازق جو مجھ کو دیکھتا ہے اور میری عرض سنتا ہے اور میری جگہ پہنچاتا ہے اور مجھے یاد رکھتا ہے بھولتا نہیں۔ اللہ اکبر۔ بس اسی کے لائق ہے رزاقیت کائنات۔ دابۃ میں بجز مچھلی تمام مخلوق حیوانی شامل ہے۔ کیونکہ وہ زمین پر چل سکتے ہیں۔ صحیح تر یہ ہے کہ جنات بھی دابۃ میں شامل ہیں۔ علیٰ۔ کا حرف اصطلاح شریعت میں وجوب کے لئے آتا ہے۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ مگر وجوب ۲ دو قسم کا ہے۔ ایک یہ کہ کوئی شخص کسی دوسرے پر واجب کرے۔ جیسے کہ عبادت۔ اتباع۔ اطاعت اور بدلہ۔ فرمانبرداری اور بدلہ۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ یا دیگر حکام کی طرف سے دیگر بندوں پر واجب ہوتے ہیں۔ شرعاً اس کا تارک گنہگار ہے۔ واجب کی دوسری قسم یہ ہے۔ خود اپنی ذات پر محض کرم سے لازم کی جائے۔ اس کے ترک یا کمی پر گناہ نہیں نہ مواخذہ۔ یہاں علیٰ سے یہی وجوب مراد ہے۔ خیال رہے کہ جب وجوب کی نسبت رب تعالیٰ کیطرف ہوگی تو مطلب ہوگا کہ اس کا خلاف ممکن نہیں۔ یعنی لازم (منجد) بعض نے کہا کہ علیٰ بمعنیٰ من ہے۔ اور علی اللہ کا مطلب ہے من اللہ یعنی اللہ کی طرف سے (معانی التنزیل خازن) مگر یہ درست نہیں کیونکہ منْ سمت بتاتا ہے اور رزق کی ظاہری سمتیں مخلوق کی طرف ہیں۔ کہ ظاہراً ہر شخص اپنے فعل سے رزق حاصل کر رہا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس کو جو وسائط عطا فرمائے انہی واسطوں سے رزق حاصل کرنے کا مکلف ہے۔ اور انہی ذریعوں کی طرف سے ان کو رزق ملتا ہے۔ چنانچہ انسان کو عقل اور مضبوط اعضا دیئے جس سے دوڑ بھاگ کر خود رزق مہیا کریں جانوروں پرندوں چرندوں کو صرف اعضا دیئے کہ ان کا رزق بکھرا ہے صرف اٹھانا ان کا اپنا کام ہے۔ دوڑیں بھاگیں اور رزق لائیں کھائیں۔ حجر شجر کو بھاگنے دوڑنے کی طاقت بھی نہ بخشی تو ان کا رزق بذریعہ پانی ہوا خود ان کے پاس پہنچتا ہے۔ یہ سب سمتیں ہی ہیں ان طرفوں سے رزق آتے ہیں۔ پس علیٰ کو اپنے معنیٰ میں رکھنے سے جو جامعیت اور اظہار شان ہوتی ہے۔ وہ بمعنیٰ منْ کرنے سے نہیں یہی وجہ ہے کہ شرعاً یہ کہنا جائز ہے کہ مجھ کو فلاں طرف سے یہ رزق ملا۔ مگر یہ کہنا منع ہے۔ کہ فلاں انسان کے ذمہ کرم پر میرا رزق واجب ہے۔ وجوب کریمانہ کی نسبت رزق مخلوق تو صرف اللہ کریم پر ہے۔ مگر محض کرم سے نہ کہ حق سے۔ کیونکہ وجوب حقی جس کا ابھی پہلے ذکر کیا وہ کسی کا اللہ پر نہیں ہے۔ اس شرعی قانون سے بعض لوگوں نے دھوکا کھاتے ہوئے کہا کہ دعا میں بحق فلاں کہنا منع ہے۔ حالانکہ۔ یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ وہاں حق سے مراد ہے طفیل یا صدقہ

(مجمع البحار) اس لئے شیخ سعدی نے فرمایا۔ الٰہی بحق بنی فاطمہ۔ کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ (بوستان ص؟) بعض وظائف میں اس طرح کے الفاظ شامل ہوتے ہیں بحق۔ کٓھٰیٰعٓصٓ ۔ بحقِ طٰہٰ۔ یٰسٓ رزقنا۔ رزق کا معنیٰ ہے نفع دینے والی چیز (منجد ص۲۶) اس لغوی معنیٰ کے لحاظ سے صرف حلال چیز ہی رزق کہلا سکتی ہے نہ کہ حرام روزی غذا وغیرہ اس لئے کہ حرام غذا خواہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ نظر آئے نقصان ہی دیتی ہے۔ ظاہراً اگرچہ فائدہ نظر آتا ہو مگر باطناً سراسر نقصان ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ حرام روزی مثل دیمک کے ہے کہ جس طرح دیمک زدہ لکڑی اوپر سے بہت صاف ستھری لگتی ہے مگر اندر سے کھوکھلی ناکارہ۔ آگ کے قابل رہ جاتی ہے۔ اسی طرح حرام زدہ جسم اوپر سے اگرچہ تندرست توانا دکھتا ہو مگر باطن میں بزدل۔ سست۔ کند۔ بے نور۔ بے رونق جرأت وہمت سے مفقود ہو کر رہ جاتا ہے۔ نہ دنیوی عزت وجاہ کے لائق نہ دینی مصرف کا فقط۔ نار جہنم کا ایندھن ہوتا ہے۔ حرام رزق۔ ابلیس اور ابلیسی ساتھیوں کی طرف سے ملتا ہے۔ بجز انسان کے اور کسی مخلوق کی روزی حرام نہیں۔ انسان کا اپنا فعل ہے جو اس کی روزی حرام ہوتی ہے ورنہ رب کریم تو اپنے بندوں کو صرف حلال روزی سے ہی نوازتا ہے جس طرح کہ رزق میں۔ حلال غذا۔ حلال لباس۔ اور حلال رہائش وغیرہ سب شامل ہیں۔ اسی طرح حرام روزی میں بھی یہ تینوں چیزیں شامل ہوتی ہیں وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہر جاندار کی رہائش گاہ کو اور اس کی قبر کو۔ یعنی یہی نہیں کہ سب کو رزق دیتا بلکہ سب کے رہنے سہنے چلنے پھرنے ابتدا۔ انتہا۔ موت۔ حیات۔ حشر نشر۔ رہائش دنیوی اور قبر کو بھی جانتا ہے۔ اس لئے کہ فریاد رس اور حاجت روا اور مشکل کشا کے لئے۔ محتاج اور فریادی سے ہر طرح باخبر ہونا ضروری ہے ورنہ فریاد رسی ناممکن کہ نہ ربوبیت اس کے بغیر ہو سکے نہ رحمت۔ یہ قول بھی درست ہو سکتا ہے کہ مستقر سے مراد والدہ کا پیٹ اور مستودع سے زمین کا پیٹ مراد ہو۔ بعض نے کہا کہ مستقر سے مراد عالم ارواح اور مستودع سے مراد عالم برزخ ہے۔ بعض نے کہا کہ مستقر سے باپ کی پشت مراد ہے اور مستودع سے ماں کا پیٹ۔ مگر جمہور قول یہ ہے کہ مستقر سے مراد دنیاوی زندگی ہے اور مستودع سے قبر و برزخ کی زندگی۔ اور یہی درست تر ہے۔ اس لئے کہ ھا ضمیر کا مرجع دابۃ یعنی جاندار مخلوق ہے۔ اور جاندار دابۃ صرف روح یا نطفے کو نہیں کہا جاتا بلکہ روح مع الجسم کو جاندار کہتے ہیں خواہ دنیاوی حیات میں ہو جو عارضی ٹھکانہ ہے یا اخروی زندگی جو دائمی امانت ہے۔ بہرحال رب تعالیٰ ہر ذرے سے خبردار اور جاننے والا ہے۔ یہی نہیں کہ صرف وہی علم رکھتا ہے بلکہ رب کریم اپنے خصوصی بندوں کو بھی بتانے کی مرضی رکھتا ہے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ یہ تمام علوم وحقائق ومعارف بڑی کتاب میں لکھے ہیں اور وہ کتاب بھی خفیہ یا پوشیدہ۔ یا غیر بیّن نہیں۔ بلکہ مبین ہے۔ اس طرح کہ انبیاء اولیاء۔ عارفین۔ اور ملائکہ کو بیان کرنیوالی سب کچھ بتلانے والی جتنا کسی کا نور بصیرت زیادہ ہوا اتنا ہی لوح محفوظ سے علم حاصل ہوگا اے بندو یہ سب کچھ تمہارا ہی لئے لکھا گیا ہے تو تم اپنے اندر قوت ایمان پیدا کرو تاکہ تم بھی لوح محفوظ پر نظر کر سکوں اور اولیاء کاملین کے گروہ میں داخل ہو جس

کے متعلق کہا گیا ہے کہ شعر لوح محفوظ است پیش اولیاء تمام مفسرین کا متفقہ قول ہے کہ کتب سے مراد یہاں لوح محفوظ ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ**۔ شریعت و طریقت پر کامیابی سے چلنے کے لئے، توکل علی اللہ سب سے بڑی عبادت ہے۔ اس کے بغیر کوئی مسلمان فلاحیت سے ہمکنار نہیں ہو سکتا اسی لئے بہت اہتمام سے عطائے رزق کا ذکر فرمایا کیونکہ رزق ہی ایک ایسی چیز ہے جس کا انسان اور دیگر مخلوق ہر وقت حاجت مند ہے۔ بڑی سے بڑی مخلوق اس کے بغیر لاغر و کمزور ہے۔ **دوسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو لوح محفوظ کا علم عطا فرماتا ہے اور اولیاء اللہ کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔ لوح محفوظ ہاں البتہ کسی کو تمام لوح محفوظ کا علم کسی کو بعض کا۔ جتنی جتنی درجہ بدرجہ قوت نگاہ ہو۔ اتنی اتنی نظر لوح محفوظ پر ہوتی ہے۔ سارے لوح محفوظ پر نگاہ اور لوح محفوظ کا سارا علم صرف محبوب اکبر حبیب اعظم محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا ہوا یہ فائدہ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ لکھنے کے دو ہی مقصد ہو سکتے ہیں۔ یا تو اپنی یادداشت کے لئے لکھا جاتا ہے یا کسی کو بتانے کے لئے۔ لکھنے والا تو باری تعالیٰ ہے کہ کُنْ فَیَکُوْنُ سے سب کچھ ہو گیا۔ بھول چوک کا یہاں احتمال ہی نہیں لہٰذا پہلا خیال شان باری کے خلاف ہے۔ و ناممکن۔ پس دوسرا احتمال ثابت ہو گیا۔ ورنہ لکھنا بیکار رہ جائے گا۔ اور باطل و بیکار سے وہ پاک و منزہ ہے اس لئے عقلاً نقلاً ثابت ہوا کوئی ذات مخلوق میں ایسی بھی ہے جس کو تمام لوح محفوظ کی لکھی باتوں کا کُلّی علم ہے وہ ذات پاک بجز محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کون ہو سکتا ہے۔ اسی کو علم غیب کُلّی کہتے ہیں۔ جس کو چھپایا جاتا ہے وہ لکھا نہیں جاتا۔ اور پھر آخر چھپانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اسرار صرف اغیار سے چھپاتے جاتے ہیں ہمراز سے نہیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑتے ہیں **پہلا اعتراض** آپ نے تفسیر میں فرمایا کہ رزق صرف حلال روزی کو کہتے ہیں حالانکہ احادیث کی ماثورہ دعاؤں میں اس طرح کی دعائیں بھی شامل ہیں۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ رِزْقًا حَلَالًا۔ اور تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ رزق صرف نفع بخش چیز کو کہتے ہیں حالانکہ دعا اس طرح بھی منقول ہے اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ رِزْقًا نَافِعًا غَیْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَیْرَ اٰجِلٍ۔ پہلی دعا کا ترجمہ اے اللہ ہم کو حلال رزق دے۔ اور۔ اے اللہ ہم کو نفع والا رزق دے نہ کہ نقصان والا۔ جلدی عطا فرما نہ کہ دیر سے۔ اس قسم کی دعاؤں سے ثابت ہوتا ہے رزق حرام بھی ہوتا ہے اور غیر نافع بھی۔ ورنہ رزق کو موصوف کر کے حلال اور نافع کی صفت سے مقیّد کرنا کیونکر ہے۔ مقیّد اسی کو کیا جاتا جس میں اور بھی احتمال ہو۔ **جواب** آپ کی پیش کردہ ہر دو روایات حدیث شریفہ کی کسی کتاب میں مجھ کو نہ ملیں۔ نہ جامع صغیر میں نہ کسی فہرست الحدیث میں۔ ہاں البتہ اگر کسی بزرگ کی منقولہ دعاؤں میں اس طرح کے الفاظ ملتے ہیں تو یہ محض تاکید کے لئے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ نہ ہر صفت قید کے لئے ہوتی ہے اور نہ ہر قید سے غیر کا احتمال۔ بلکہ صفت کبھی تو اظہار شان کے لئے آتی ہے۔ کبھی تاکید کے لئے۔ کبھی مقیّد کرنے کے لئے۔ جیسے اللہ تعالیٰ۔ تعالیٰ صفت

ہے لفظ اللہ کی جگہ نہ قید ہے نہ تاکید فقط اظہارِ شان مقصود ہے۔ اس لئے کہ اللہ واحد ہی ہے کسی دوسرے کا احتمال بھی نہیں اور جیسے کہ قَمَرًا مُّنِیْرًا چمکتا چاند۔ یہاں لفظِ مُنیر صرف تاکیدی صفت ہے کیونکہ غیر مُنیر کوئی چاند دوسرا ہوتا ہی نہیں اور جیسے کہ جَاءَ زَیْدٌ عَالِمٌ عالم زید آیا۔ یہاں لفظِ عالم صفتِ قید ہے۔ اس لئے کہ بہت سے غیر عالم زید دنیا میں موجود ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ رزقاً حلالاً میں فقط تاکیدی صفت ہے اسی طرح رزقًا نافعًا میں بھی۔ لہذا رزق کی دوسری قسم ثابت نہیں ہوئی رزق نافع اور حلال ہی ہوتا ہے۔ **دوسرا اعتراض** آیت میں فی الارض کیوں کہا گیا علی الارض کیوں نہ کہا گیا۔ حالانکہ لفظ دابۃ کی مناسبت۔ عقلاً۔ نقلاً۔ اصطلاحًا۔ عرفًا علیٰ فرمانے میں تھی۔ جواب مسائل الرازی کے صفحہ ۱۳۲ پر محمد بن ابوبکر رازی ؒ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ فی بمعنیٰ علیٰ ہے جیسا کہ قرآن پاک میں چند جگہ اور بھی اسی طرح آیا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں کہ عمومیت ولغوی معنیٰ کے خلاف ہے۔ دابۃ کا لغوی معنیٰ بہت عام ہے جیسا کہ تفسیر میں ہم نے عرض کیا۔ لہٰی اصطلاح تو وہ ما وشما کی بنائی ہوئی ہے۔ قرآن پاک اس کا تابع نہیں۔ ان کا دوسرا جواب یہ ہے فی اپنے اصلی معنیٰ ظرفیت کے لئے ہی ہے۔ اس سے عمومیت ثابت کرنا مقصود ہے۔ اور لفظ دابۃ کی لغوی مناسبت سے یہ جواب درست ہے۔ **تیسرا اعتراض** رزق کے لئے صرف دابہ کا کیوں ذکر کیا گیا۔ حالانکہ پرندے بھی اسی اللہ سے رزق پاتے ہیں۔ جواب اس کا ایک جواب تو تفسیر میں عرض کیا گیا کہ پرندے بھی لغتاً دابہ ہی ہیں دوسری آیت میں پرندوں کا علیٰحدہ ذکر کرنا فقط نوعیت کی تفریق کے لئے ہے۔ دوسرا جواب مسائل الرازی نے یہ دیا کہ دابۃ یعنی چرندے درندے کیڑے مکوڑے جسامت اور کثرت میں پرندوں سے زیادہ ہیں اور انسان کا واسطہ زیادہ چرندوں سے پڑتا ہے اس لئے ان کا ذکر اہتمام سے کیا گیا۔ **چوتھا اعتراض** ۔ یہاں مامن دابۃ کیوں فرمایا گیا۔ مخلوق کہہ دیا جاتا۔ جواب ظاہری معنیٰ اور اصطلاح میں حقیر و کمزور اور بہت ہی چھوٹی مخلوق کو دابہ کہا جاتا ہے اس لئے یہ بتایا گیا کہ جو ذات اتنی حقیر و چھوٹی ذریت کو بھی رزق ہر آن دیتا ہے بھلا تم کو کیوں نہ دے گا اور تم سے کیونکر غافل رہ سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ ۔ شریعت کی وادی ہو یا معرفت کی گھاٹی ہر مومن کے لئے سب سے بہتر زادِ راہ توکل علی اللہ ہے۔ کہ اس کے بغیر کسی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ کسی حالت کسی مقام۔ کسی زمانے میں کسی کام میں لگا ہو۔ تصور باطنی یہی ہو کہ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ ہر ذریت کا رزق روحانی وجسمانی اللہ ہی کے ذمہ کرم پر ہے کہ بعض مخلوق کو فقط جسمانی رزق عطا ہوا۔ بعض کو فقط روحانی۔ بعض کو دونوں۔ بعض کو کم۔ بعض کو زیادہ پھر جس طرح مخلوق الٰہی مختلف ان کے جسمانی رزق مختلف اسی طرح اس قاسم رزق نے عجب شان کبریائی سے اپنی تمام مخلوق میں روحانی رزق بھی بحیثیت لیاقت تقسیم فرمایا پس جس کو رزق روحانی سے حصہ ملا وہ علماء۔ اولیاء۔ صلحاء۔ عرفا اور مقربین میں شامل ہوا اور جس کو فقط جسمانی رزق ملا اور روحانی وعرفانی رزق سے محروم رہا وہ خبثا اور زندیقین اور گستاخوں۔ موذیوں میں شمار ہوا۔ یہ مدارج صرف انسانوں ہی کو نہ ملے۔ بلکہ شجر۔ حجر اور درندوں چرندوں

پرندوں۔ وحشرات الارض کو بھی عطا ہوتے۔ چنانچہ عرائسُ البیان نے فرمایا کہ ظاہر کا رزق اشباہ کے لئے ہے اور مشاہدے کا رزق روح کے لئے ہے وصل الٰہی کا رزق اسرار کے لئے۔ خوف الٰہی کا رزق نفس کے لئے ہے۔ رغبت اور شوق کا رزق عقل کے لئے ہے۔ قرب ربانی کا رزق قلب کے لئے ہے۔ ملائکہ کا رزق خوف اور ذکر ہے۔ جنات کا رزق جھڑک اور وعید ہے۔ حیوان کا رزق روح عنصری ہے۔ کیڑے مکوڑوں کا رزق تسبیح الٰہیہ کے خطرات و الہامات ہیں۔ درندوں کا رزق عظیم افعال کے لئے اندھیروں میں خود کو مبتلا کرنا ہے۔ پرندوں کا رزق خوشی۔ اور ذکر نفی اثبات یعنی تہلیل کرنا رزق انسانی وہ ہے جس سے اس کے روح و جسم کو بقا ہے۔ وہ فیض افعال روح فعل نور صفۃ و شہود ہیں۔ رزق معدہ حلال غذا ہے جس سے بقا عناصر اربعہ ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ موذی۔ انسان ہو یا جانور اس کو صرف رزق جسمانی دیا جاتا ہے۔ اس کی روح مردہ ہے۔ انسانوں میں تمام کافر۔ ظالم موذی ہیں۔ حشرات میں۔ چوہا۔ بچھو۔ سانپ۔ گرگٹ مکھی۔ مچھر۔ بھڑ وغیرہ موذی ہیں۔ درندوں میں بھیڑیا۔ گیدڑ۔ بندر۔ ریچھ۔ چیتا وغیرہ موذی ہیں۔ پرندوں میں۔ کوا۔ چیل اُلّو موذی ہیں۔ جنات میں۔ بھوت۔ چڑیل۔ بدروح۔ دیو۔ شیطان موذی ہیں۔ احجار میں۔ غیر پہاڑ۔ استنجا گاہ۔ پلید مقامات۔ خطرناک جنگل۔ بے فائدہ بنجر زمین موذی ہے اشجار میں جھاڑی۔ تھور کا درخت ایک بزرگ نے فرمایا کہ جس طرح جنات اور انسانوں میں سنی وہابی ہوتے ہیں اسی طرح شجر حجر میں بھی سنی ہیں اور بعض گستاخ وہابی ہیں چنانچہ یہ موذی شجر حجر فہرست وہابیہ میں شامل مستعمل چیزوں میں ٹوٹا برتن۔ ناپاک لباس۔ خراب بھسا کھانا موذی ہے ان کو شریعت میں خبیث کہا گیا۔ ان کو رزق روحانی یعنی تسبیح و ذکر اللہ میسر نہیں ہوتا۔ مخلوق میں جن کو صرف رزق روحانی سے نوازا گیا وہ ملائکہ ہے اور جن کو دونوں رزقوں سے نوازا گیا وہ انسانوں میں انبیاء کرام۔ اولیاء اللہ۔ علماء صلحاء۔ مومن متقی ہیں۔ پرندوں میں۔ ہدہد۔ مور۔ کبوتر۔ بلبل۔ باز عقاب۔ شاہین وغیرہ ہیں۔ چرندوں میں ہرنے انسانوں کے گھریلو جانور۔ شیر۔ دریائی تمام جانور۔ شجرات میں بیری انار اور ہر قسم کا جڑی بوٹی بیل۔ پھل پھول دار۔ حشرات میں شہد کی مکھی۔ چیونٹی۔ تتلی۔ جگنو اور خوبصورت کیڑے۔ آسمانی اور گھریلو مکڑی وغیرہ احجار میں۔ احد پہاڑ۔ سرسبز اور معدنی پہاڑ۔ کوہ طور۔ صفا۔ مروہ۔ چشمہ دار پتھر لعل۔ یاقوت۔ ہیرے وغیرہ۔ ان کو رب کریم کی طرف سے رزق روحانی ملا۔ یہی قرب الٰہی کی معرفت حاصل کرنے والے ہیں۔ یہ مرزوق جسمانی و روحانی کہاں بھی کسی حالت میں ہوں ان کو اللہ تعالیٰ ہی رزق سے نوازتا ہے۔ کیونکہ وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ہر ایک کے سیر اور سکونت کو جانتا ہے۔ اس سے کچھ پوشیدہ نہیں وہ جانتا ہے کہ ارواح کا مستقر انوار ذات ہیں قلوب کا مستقر انوار صفات ہیں عقول کا مستقر انوار افعال ہیں۔ روحِ مخلوق کا مستودع مکاشفات ہیں۔ قلوب کا مستودع مشاہدات ہیں۔ عقول حیوانیہ کا مستودع عبادات ہیں۔ آیات الٰہیہ میں تدبر ایمانی سے سیر کرنا مستقر ہے اور مجاہدات کی قبریں مستودع۔ اہل معرفت کے نزدیک عقل کا مستقر ذکر الٰہی ہے اور مستودع فکر ذات ہے۔ قلب کا مستقر

محبت ہے اور مستودع معرفت ہے۔ روح کا مستقر توحید ہے اور مستودع فنا فی اللہ ہے۔ تمام مخلوق کا مستقر عدم ہے اور مستودع انوار قدیم ہیں۔ ظاہر اسلام مستقر ہے۔ باطنی ایمان مستودع ہے۔ عابدین کا مستقر مسجد ہے عارفین کا مستقر تجلیات الٰہی کا مشاہدہ گاہ۔ قلب مومن مستودع معرفت ہے کہ اس میں معرفت ودیعت رکھی گئی۔ اللہ جانتا ہے ان کے مستقر و مستودع کو اور اس کے پیارے بندے بھی اس کی عطا سے جانتے ہیں کیونکہ کُلٌّ فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ کائنات کی ہر چیز لوح محفوظ میں لکھی ہے جس کو صفائی قلب سے ہی دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی کا عکس قلب مومن میں جلوہ گر ہے۔ سلطان باہوؒ نے فرمایا۔ رباعی

دل دریا سمندروں ڈونگا کون دلاں دیاں جانے ہو — وِچے بیڑے وِچے جھیڑے۔ وِچے ونج مہانے ہُو
چوداں طبق دلے دے اندر تنبو وانگو تانے ہُو — باہو جس نے قلب پچھاتا اوسے رب پچھاتا ہُو

چار اشیاء کبھی نہیں بدلتیں ۱۔ رزق ۲۔ عمر ۳۔ موت ۴۔ سعادت یا شقاوت۔ حضرت امام عالی مقام امام حسین کی تلوار شریف پر چار کلمات کندہ تھے۔ ۱۔ اَلرِّزْقُ مَقْسُوْمٌ ۲۔ وَالْحَرِیْصُ مَحْرُوْمٌ ۳۔ وَالْبَخِیْلُ مَذْمُوْمٌ ۴۔ وَالْحَاسِدُ مَغْمُوْمٌ ترجمہ ۱۔ رزق ازل میں بانٹ دیا گیا ۲۔ لالچی ہمیشہ محروم ہے ۳۔ کنجوس ذلیل رہتا ہے۔ حاسد ہمیشہ جلتا بھنتا رہتا ہے۔ عوام کا توکل اسباب کو اختیار کرنا حرام سے بچنا اور خواص کا توکل ترک اسباب و متوجہ الی اللہ ہونا (روح البیان) ابن جوزی کا صوفیاء کے بعض خصوصی افعال کو تلبیس ابلیس کہنا ان کی نادانی ہے۔ (واللہ اعلم)

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ

اور وہ۔ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو میں چھ دنوں

اور وہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو چھ دن میں بنایا

وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ

اور تھا عرش اس کا پر پانی تاکہ آزمائے تم کو کون تم میں زیادہ اچھا ہے

اور اس کا عرش پانی پر تھا کہ تمہیں آزمائے تم میں کس کا کام اچھا ہے

عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ

عمل میں اور اگر تم کہو بے شک تم اٹھائے ہوئے ہو سے بعد موت البتہ

اور اگر تم فرماؤ کہ بے شک تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے

لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿٧﴾

کہیں گے وہ جو کافر ہوئے نہیں مگر یہ جادو ظاہر ظہور

تو کافر ضرور کہیں گے کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو ہے

وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَعْدُودَةٍ

اور البتہ اگر دیر کریں ہم سے ان عذاب میں طرف مدت گنی ہوئی البتہ

اور اگر ہم ان سے عذاب کچھ گنتی کی مدت تک ہٹا دیں۔

لَيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۗ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا

کہیں گے کس نے روکا اس عذاب کو۔ خبردار دن آئے گا ان کو نہیں پھیرا ہوا

تو ضرور کہیں گے کس چیز نے روکا ہے سن لو جس دن ان پر آئے گا ان سے

عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٨﴾

ان اور گھیرے گا کو ان وہ تھے وہ کا اس مذاق کرتے

پھیرا نہ جائے گا اور انہیں گھیرے گا وہی عذاب جس کی ہنسی اڑاتے تھے

تعلق

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں اللہ تعالےٰ کے علم کی یہ دلیل پیش کی تھی کہ وہ اللہ تمام مرزوقین کے حالات مقامات عارضی۔ دائمی کو جانتا ہے۔ اس آیت پاک میں اس کے علم کی دوسری دلیل پیش کی جارہی ہے کہ وہ تمام مرزوق پر مکمل قدرت رکھتا ہے کیونکہ خالق کائنات ہے اور اب بتایا جارہا ہے کہ تمام مرزوقات اس کے مقدورات ہیں۔ **دوسرا تعلق**۔ پہلی آیت میں بتایا گیا تھا۔ وہ اللہ ہر جاندار کو رزق عطا فرماتا ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ رزق دینے کا مقصد یہ ہے کہ آزمائے کون اچھے عمل والا ہے کون برے۔ کون اس کا رزق لے کر بطور احسان مندی بذریعہ عبادت و ریاضت شکر کرتا ہے۔ کون منکر گستاخ ہوکر۔ ناشکری کرتا ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ کریم انسانوں وغیرہ کے مستقر یعنی مسکون رہنے کی جگہوں کو جانتا ہے۔ اب اس آیت کریمہ میں ان کی گھریلو گفتگو۔ کا تذکرہ کیا جارہا ہے جو خفیہ طور پر اپنے مسکون میں بیٹھ کر کرتے ہیں۔ کہ جب موت زندگی کا ذکر کیا جاتے تو اس کو جادو سمجھتے ہیں۔ اور اپنوں کو اس طرح سمجھا بجھا دیتے ہیں کہ یہ سب جادو کی باتیں ہیں اور جب عذاب میں دیر ہو تو آپس میں مذاقیہ طنزیہ گفتگو

کر کے مائل بہ اسلام کفار کو ورغلاتے ہیں **چوتھا تعلق** - پچھلی آیت میں تمام جان والوں کے رزق کا ذکر تھا - اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ عطاء رزق کفار کو اس دھوکے میں نہ رکھے کہ وہ بہت اچھے ہیں - نہ اس خیال میں سرمست رہیں کہ ان کو یہ رزق ہمیشہ ہی ملتا رہے گا - بلکہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ یہی عذاب شدید ان کو گھیرے گا - جس کا مذاق اڑاتے ہیں -

شانِ نزول ایک دفعہ اہل یمن نے اور ابی رزین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ تمام مخلوق سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا آپ نے فرمایا بس اللہ ہی تھا اور کچھ نہ تھا - نہ پانی نہ ہوا نہ عرش پھر عرض کی کہ عرش کہاں تھا - تب یہ آیت نازل ہوئیں - (کبیر - خازن)

تفسیر نحوی وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ______

واؤ سرجملہ تعلیلیہ ہے - اس کو استینافیہ بھی کہتے ہیں - ماسبق کی علت بیان فرمانے کے لئے مستعمل ہوئی - ھُوَ ضمیر مرفوع متصل نے الذی موصول کو مضبوط کیا - ہر دو کا مرجع رب کریم ہے - خَلَقَ ماضی مطلق خَلْقٌ سے مشتق ہے - مطلق پیدائش کو شامل ہے خواہ اوّلی ایجاد ہو یا ثانوی یہاں ایجاد مراد ہے لہٰذا خلق بَدَءَ کے معنیٰ میں ہوسکتا ہے - اَلسَّمٰوٰتِ - الف لام عہد ذہنی ہے - سَمٰوٰتِ سَمَاءٌ کی جمع ہے جو دراصل سَمَاءٌ تھا - سات معنیٰ میں مشترک ہے یہاں بمعنیٰ محیط کرّہ ہے جس کی تعداد سات ہے اس کی حقیقت اللہ رسول جانتے ہیں - واؤ عاطفہ ہے اَلْاَرْضَ میں الف لام عہد خارجی ہے - لفظی مؤنث ہے علامت تانیث پوشیدہ ہے - تین معنیٰ میں مشترک ہے ۱ کرۂ خاک ۲ سلطنت ۳ کھیتی - یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں - فی ظرفیت مجازی زمانی کے لئے ہے - سِتَّةِ اَیَّامٍ - مرکب اضافی ہے - لفظ ستۃ مونث ہے مذکر کے لئے - سُدُسٌ بولا جاتا ہے - چھ کے لئے مستعمل ہے اَیَّام جمع یوم کی بمعنیٰ روشن دن - مجازی معنیٰ ہیں مطلق وقت - یہاں عموم مجاز مراد ہے وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ واؤ حالیہ کَانَ تامہ ماضی بعید ہے - عَرْشُهٗ مرکب اضافی ہے - اضافت ملکیت کی ہے - ہٗ کا مرجع ذاتِ باری ہے - عرش کے حقیقی معنیٰ ہیں تخت - یہاں یہی مراد ہے - مجازی تین معنیٰ ہیں ۱ سلطنت ۲ قدرت ۳ بنیاد - علیٰ صرف چھ معنیٰ میں مشترک ہے یہاں جمہور قول ہے - استعلا کے لئے - بعض نے کہا بمعنیٰ مع ہے - یعنی عرش پانی کے ساتھ تھا - الماء میں الف لام عہد خارجی ہے - مَاءٌ دراصل مَوَهٌ تھا بوجہ ثقل ماہٌ کیا گیا پھر ماءٌ ہوا بمعنیٰ پتلی شی یا رونق یہاں پہلے حقیقی معنیٰ مراد ہیں - مراد سمندر ہے یعنی مظروف نہ کہ ظرف لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا - لام تعلیلیہ ہے - یَبْلُوَ مضارع کو زبر دیا - بَلْوٌ یا بَلَاءٌ سے مشتق ہے - بمعنیٰ آزمائش اور امتحان کرنا - تجربہ کرنا بھی اس کا معنیٰ ہے مگر یہاں نہیں مراد ہو سکتے کہ محال بالذات ہے - کُمْ سے مراد سارے جن وانس ہیں اَیُّكُمْ - اَیٌّ استفہامیہ بھی ہوتا ہے موصولہ بھی یہاں استفہامیہ ہے یہ کُمْ ضمیر جمع مذکر پہلے کُمْ کے مثل عام ہے - مونث کو بھی تبعاً شامل ہے - اَحْسَنُ

حُسْنٌ کا اسم تفضیل ہے۔ عَمَلًا اسم مصدر یہ ہے حالت زبری ہے بوجہ تمیز کے عمل اس کام کو کہا جاتا ہے جو محنت سے کیا جائے اور فعل وہ کام ہے جس میں محنت مشقت نہ ہو خواہ فعل ہی تھوڑا ہو یا فاعل کو محسوس نہ ہو اسی لئے فعل کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف جائز ہے عمل کی نسبت منع۔ عمل عام ہے قلب و قالب کے کام کو۔

وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ۔ واؤ سر جملہ (استینافیہ) ان حرف شرط قُلْتَ سے نبی کریم بھی مراد ہو سکتے ہیں اور عام مومن بھی۔ اِنَّكُمْ۔ اِنَّ حرف تشبیہ تاکید اور شدتِ کلام و یقینیت کے لئے ہے۔ کُمْ سے مراد صرف مخاطب کفار ہیں۔ مَبْعُوْثُوْنَ اسم مفعول کا صیغہ جمع ہے۔ بعث سے مشتق ہے بمعنیٰ بعد موت زندہ کیا جانا پانچ معنیٰ میں مشترک ہے یہاں مِنْ۔ زائدہ تاکید کے لئے ہے سولہ معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے بَعْدِ کے دو معنیٰ ہیں۔ ۱ ہلاک ہونا ۲ تراخی۔ یہاں دونوں معنیٰ ہو سکتے ہیں۔ الموت۔ الف لام عہد خارجی ہے۔ مراد مرنا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے منتقل ہونا لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۔ لامِ کے ہے۔ جملہ جزا ہے۔ یقولون مضارع بمعنیٰ حال ہے۔ بعض نے کہا بمعنیٰ مستقبل ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر ہے فاعل ہے۔ ماقبل فعل کا۔ كَفَرُوْا پورا جملہ صلہ ہے کُفر سے مشتق ہے اس کے حقیقی معنیٰ ہیں انکار کرنا۔ مجازی معنیٰ ناشکری۔ اور اصطلاحی معنیٰ ہیں انکارِ اسلامیات یہاں یہی معنیٰ مراد ہیں۔ شرک بھی شامل ہے۔ اِنْ آٹھ معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے مگر یہاں نافیہ ہے اور اس کی نفی مثل ما نافیہ کے ہوتی ہے نہ کہ لم یا لن کی طرح۔ یہاں نفی ہونا اِلَّا کی وجہ سے ہے۔ هٰذَا اسم اشارہ قریب کے لئے ہے مذکر ہے۔ اس کا مونث هٰذِهٖ ہوتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس کا مشار الیہ محذوف قرآن کریم ہے۔ اِلَّا۔ حرف استثناء نے سابقہ نفی توڑی مستثنیٰ مِنْهُ۔ شَیْءٌ پوشیدہ ہے اس لئے۔ سِحْرٌ۔ مستثنیٰ مفرغ ہے۔ دراصل اس طرح تھا۔ نہیں یہ قرآن کچھ بھی مگر جادو کھلا۔ سِحْرٌ خود مصدر ہے بمعنیٰ اسم جادو۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے۔ دل پر چوٹ لگانی۔ خواہ ظاہری زخم یا باطنی عشق و محبت۔ اسی لئے دلکش چیز کو بھی جادو کہا جاتا ہے۔ اصطلاحی ترجمہ ہے۔ دھوکہ۔ فریب۔ امام رازی علیہ الرحمت نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ باطل۔ دونوں معنیٰ درست ہو سکتے ہیں کیونکہ جادو دلکش بھی ہوتا ہے اور دھوکہ بھی اور باطل بھی۔ مبین۔ بَيَّنَ کا اسم فاعل ہے۔ یہ متعدی بھی ہوتا ہے اور لازم بھی یہاں لازم ہے۔ اعلیٰحضرت کا ترجمہ اسی طرف راغب ہے وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ۔ واؤ سر جملہ لَئِنْ کے لام میں۔ پہلے لَئِنْ قُلْتَ کی طرح دو احتمال ہیں ایک یہ کہ قسمیہ ہے۔ دوسرے یہ کہ تاکیدیہ ہے۔ ان حرف شرط پہلی صورت میں جملہ شرطیہ نہیں بنتا بلکہ قسم اور جواب قسم۔ دوسری صورت میں جب کہ لام تاکیدیہ ہو یہ جملہ شرط اور اگلا جملہ جزا ہے۔ اَخَّرْنَا اَخَّرَ مہموز الفاء سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ پیچھے کرنا خواہ مکانی یا زمانی۔ یہاں زمانی تاخیر مراد ہے یہ تین معنیٰ میں مستعمل ہے۔ ۱ بعید میں کرنا ۲ ملتوی رکھنا ۳ مہلت دینا۔ یہاں تینوں معنیٰ بن سکتے ہیں مگر آخری معنیٰ زیادہ مناسب ہیں۔ جمع متکلم کا صیغہ لیکن مراد اللہ تعالیٰ۔ بلحاظ فصاحت کلام عَنْهُمْ۔ عن حرف جار میں دو احتمال ہیں ۱ عن بمعنیٰ من ہے تب اَخَّرْنَا متعدی بیک مفعول ہو گا ۲ زائدہ۔ تب متعدی بدو مفعول ایک مفعول عنھم

اور دوسرا اَلْعَذَابَ۔ اَلْعَذَابُ میں الف لام عہدِ ذہنی ہے عذاب بمعنیٰ اُخروی سزا اِلیٰ حرف جر بیانِ انتہا کے لئے آتا ہے۔ اس کے علاوہ آٹھ غیر اصلی معنیٰ میں بھی مستعمل ہے۔ اُمَّۃٍ۔ کا اصلی لغوی ترجمہ ہے۔ گروہ خواہ چھوٹا خواہ بڑا۔ دیگر چھ مجازی معنیٰ میں بھی مستعمل ہے۔ جن میں سے ایک ہے۔ مُدَّت۔ وہی یہاں مراد ہے۔ اُمت کا لفظی معنیٰ چند افراد۔ وہ افراد خواہ انسانی ہوں یا حیوانی۔ مکانی ہوں یا زمانی۔ زمانی افراد دن ہیں وہی یہاں مراد ہیں۔ جس طرح کے چند انسان ایک امت چند حیوان ایک امت اسی طرح چند دن بھی ایک امت ہوتے چونکہ لفظ اُمَّت قلیل کثیر کو عام تھا۔ اس لئے مَعْدُوْدَۃٍ فرما کر قِلَّت کی تاکید فرما دی۔ معدودۃٍ عَدَدٌ بمعنی گنتی کرنا سے مشتق ہے ایک دو تین چار۔ کو عدد کہنا بمعنیٰ اسم مفعول ہے۔ ہر وہ چیز جس کو جلدی بلا تکلّف گنا جا سکے وہ عربی میں معدود (یعنی چند) کہلاتی ہے لَیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُہٗ ط یہ جملہ۔ لَئِنْ اَخَّرْنَا۔ کا یا جواب قسم ہے یا جواب شرط۔ یعنی جزا۔ لام تاکید یا نونِ تاکید ثقیلہ فعل مضارع جمع مذکر معروف۔ اس کا فاعل ھم ضمیر جمع غائب اس کا مرجع تمام کافر۔ مَا موصولہ استفہامیہ ہے یَحْبِسُہٗ حَبْسٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ جبراً روکنا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر ھُوَ اس کا مرجع ما ہے۔ ظاہر ضمیر مفعول بہ ہے۔ یہ پورا جملہ مقولہ ہے قول کا اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْھِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْھُمْ۔ اَلَا پانچ معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے یہاں بمعنیٰ حقاً ہے یعنی یہ بات بالکل حق اور یقینی ہے۔ یوم سے مراد مطلق وقت ہے اور یہ ظرف ہے یاتیہم کا ظرف میں تقدم متفقًا جائز ہے۔ تفسیر صادی نے فرمایا۔ اصل عبارت اس طرح تھی اَلَا لَیْسَ ھُوَ مَصْرُوْفًا عَنْھُمْ یَوْمَ یَاْتِیْھِمُ الْعَذَابُ۔ اس طرح ترکیب نحوی بالکل بدل جائے گی یاتی آتیٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ دور سے آنا لازم ہوتا ہے۔ لَیْسَ فعل ناقصہ ہے ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم ہے۔ مَصْرُوْفًا صَرْفٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ پھیرنا۔ موڑنا۔ عن۔ بمعنیٰ من ہے ھم کا مرجع وہی مذاق کرنے والے کافر ہیں۔ یہ پورا جملہ اسمیہ لیس کی خبر ہے۔ وَحَاقَ بِھِمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ۔ حَاقَ فعل ماضی حَوْقٌ سے مشتق ہے باب مطرد کا پہلا ہے ماضی بمعنیٰ مستقبل ہے بعض نے کہا کہ حق تھا اصل میں حق سے خفت کرنے کے لئے حاق ہوا۔ جیسے کہ زَلَّ سے زَالَ ذَمَّ سے ذَامَ ہو جاتا ہے۔ (معانی) واؤ عاطفہ ہے۔ حوقٌ کا لغوی ترجمہ ہے۔ وسط میں کرنا۔ جو چیز کسی کو گھیرتی ہے وہ گویا وسط میں کرتی ہے یعنی ہر طرف عذاب نے گھیراؤ کرنا ہے۔ کہ مجرم بھاگ نہ سکے۔ ب زائدہ ھم ضمیر مفعول بہ کہ وجے میں ہو کر متعلق ہے حَاقَ کا سا اسم موصول فاعل ہے۔ یہ اکثر اصلاً غیر عقل کے لئے مستعمل ہے۔ کانو فعل تامّہ ہے بمعنیٰ ماضی بعید۔ بہٖ ب زائدہ کا مرجع ما ہے یَسْتَھْزِءُوْنَ ھَزْءٌ سے مشتق اس سے استہزاء استفعال کا مصدر بنا۔ ھزؤٌ یا ھزیٌ کا لغوی ترجمہ ہے توڑنا۔ مذاق بھی چونکہ متکلم کی بات توڑنا ہے اس لئے اس کو استہزا کہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ۔ اور وہ اللہ وہ قدرت والا ہے کہ جس نے چھ دن کی قلیل مدت میں اتنے بڑے بڑے آسمان و زمین ایجاد فرمائے۔ اس جگہ تین

طرح اظہار قدرت عجیبہ ہے اولاً اس طرح کہ اتنی بڑی و بلند اشیاء صرف چھ دن کی معمولی مدت میں پیدا فرما دے دو دن میں آسمان دو دن میں تمام زمینیں اور دو دن میں آسمان و زمین کی تمام مخلوق۔ بعض نے کہا کہ پہلا دن اتوار تھا آخری دن جمعہ (بیان) مگر صحیح تر یہ ہے کہ اس وقت موجودہ ایام نہ تھے کیونکہ ان کا تعلق سورج اور فضاء زمین سے ہے اور یہ اس وقت نہ تھیں۔ بلکہ مطلق وقت مراد ہے جس کی مقدار موجودہ چھ دن کے برابر تھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ اس دن کی ایک ہزار سال مدت تھی۔ تو گویا چھ ہزار سال مدت ہوئی مگر یہ قول منشاء قدرت کے مطابق نہیں مقصود تو یہ بتانا ہے کہ اتنی بڑی مخلوق اتنی تھوڑی مدت میں پیدا فرمائی جبکہ دنیا کا بڑے سے بڑا صناع کاریگر چھوٹی چیز بنانے میں بھی خاصا وقت لگاتا ہے۔ دوسرے اس طرح کہ دنیا بھر کے موجد یا کارندے صرف نقشہ یا ڈھانچہ بدل کر صناعی کا تمغہ حاصل کرتے ہیں کہ لوہے پیتل سے اشیاء ایجاد کر دیں مگر لوہا۔ پیتل نہ بنا سکے۔ خالق وہ ہے جو اصل مادے کو پیدا فرما کر ان سے مختلف ڈھانچے پیدا فرماتا ہے۔ اسی لئے وہی معبود اور خالق کہلانے کے لائق ہے کسی اور کو خالق کہنا جائز نہیں نہ ہی اس کے سوا کسی اور کو معبود سمجھنا جائز۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا اِنِّیٓ اَخۡلُقُ لَكُمۡ میں تمہارے لئے پرندہ پیدا کروں گا مگر ساتھ ہی مِنَ الطِّیۡنِ فرما کر اپنی خالقیت کا انکار کر دیا کہ میں خالق نہیں ہو سکتا کیونکہ خالق وہ ہے جس کی بناوٹ۔ صناعی کاریگری میں کسی دوسرے کی کوئی چیز شامل نہ ہو۔ تیسرے اس طرح کہ دنیاوی ایجادات میں کافی سے زیادہ کمیاں کمزوریاں۔ اور ضرورت کی چیزیں رہ جاتی ہیں جو بعد میں پوری ہوتی رہتی ہیں۔ جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ اول اول چیزیں کیسی گھٹیا اور غیر مکمل ایجاد ہوئیں پھر جس جس طرح دماغ نے کروٹیں لیں ایجادات عالم زیادہ مفید۔ مضبوط اور خوشنما ہوتی چلی گئیں۔ مگر شان قدرت کیسی عظیم و رطۂ حیرت میں ڈالنے والی ہے کہ اولین خلقت بھی ایسی مکمل۔ مفید۔ مضبوط اور خوشنما ہے کہ کسی زیادتی کی ضرورت نہیں۔ نہ ہی تبدیلی کی حاجت روز اول میں آسمان جیسے بنے ابد الآباد تک ویسے ہی رہیں گے۔ بعض احمق انگریز مورخین نے اپنے دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) میں لکھا انسان پہلے بندر نما تھا پھر کچھ بدلا یہاں تک کہ خوبصورت انسان بن گیا۔ اور اپنی اس بیہودہ بات کی تائید میں خود ساختہ تصویریں بھی چھاپ ڈالیں۔ مگر یہ سب غلط ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام بہت خوبصورت تھے شب معراج میں نماز معراج اور مختلف آسمانوں پر از آدم تا عیسیٰ علیہم السلام کی ملاقات ہونے میں دیگر بے شمار حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی تھی نبی کریم پہلی انسانی ایجاد بھی ملاحظہ فرما کر ان جیسے کم عقل مورخین انگریز وغیرہ کو بتا دیں کہ تم تو اپنی اختراع اور ذہنی تصورات کی بات کر کے اس کو حقیقت کا لبادا پہنا دیتے ہو۔ اور میں خالق کی تمام مخلوق آنکھوں دیکھ کر کہتا ہوں کہ اس میں اول۔ آخر۔ ظاہر۔ باطن نہ کچھ کمی ہے نہ کمزوری۔ بلکہ پہلا انسان آج کے انسان سے زیادہ قوی دراز۔ مضبوط اور مکمل تھا یہی وجہ ہے کہ نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے

بعض انبیاء مثلاً حضرت آدم حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت یوسف حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی شکلیں بنا کر ہم شکل صحابہ کی نشان دہی بھی فرما دی تاکہ پتہ لگے کہ ابتدا و انتہا میں انسانی بناوٹ میں تو فرق ہو سکتا ہے۔ مگر مصنوعات خالق میں یہ بات نہیں۔ آسمانوں کی طرح زمینیں بھی سات ہیں لیکن نوعیت میں فرق آسمان علیحدہ علیحدہ سات ہیں جن کا فاصلہ مطابق حدیث پاک پانچ سو سال کی مسافت تیز اونٹ کی تیز رفتار سے۔ پہلا آسمان موج مکفوف یعنی منجمد جھاگ کا بنا ہے یہ فلک القمر ہے بعد موت ارواح مومنین یہیں پر رکھی جاتی ہیں۔ جن کا تعلق اجساد سے قائم رہتا ہے۔ دوسرا آسمان سفید موتی کا ہے۔ وہ عالم ارواح ہے اور یہی فلک عطارد ہے۔ تیسرا آسمان لوہے کا بنا ہے۔ فلک زہرہ ہے اور ارواح زاہدین کا ٹھکانا۔ چوتھا آسمان پیتل کا ہے۔ یہی سورج کا فلک ہے۔ اور عارفین کی ارواح کا ٹھکانہ پانچواں آسمان۔ تانبے کا ہے۔ اور مریخ کا فلک یہی ہے۔ ارواح انبیاء کرام کا عالم بھی ہے۔ چھٹا آسمان چاندی کا ہے۔ مشتری کا فلک اور مقام رسل علیہم السلام یہی ہے۔ ساتواں آسمان سونے سے بنا ہے وہ زحل کا مدار ہے اور اولی العزم رسول جن کا نام قرآن کریم میں مذکور ہیں ان کا مقام ہے۔ اس سے اوپر اتنے ہی فاصلے پر کرسی ہے جو مقام مرسلین اور کتب سماوی ہے۔ اس سے اوپر اتنے ہی فاصلے پر عرش ہے جو مقام روح مصطفےٰ ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم السلام یہیں قضاء وقدر۔ وعد۔ وعید۔ امر۔ نہی و احکام الٰہیہ کا مصدر ہے۔ (روح البیان) زمین بھی سات ہیں۔ مگر قرآن کریم میں اکثر اس کو واحد اس لئے لایا گیا کہ ان میں فاصلہ نہیں بلکہ مثل پیاز کے چھلکے کے ہے۔ بعض نے فرمایا کہ زمین اپنے خطوں کے لحاظ سے سات ہے چنانچہ اس طرح تقسیم کی گئی۔ ۱ مغرب ۲ مشرق ۳ شمال ۴ جنوب ۵ جنگل و دلدل ۶ بستی آبادی ۷ بحری۔ تو گویا کہ پہلی تقسیم عمودی۔ عموقی اور گہرائی کے لحاظ سے اس طرح بنی ۱ مٹی۔ پھر ۲ ریت ۳ پھر پتھر ۴ علاقہ سرد ۵ پھر علاقہ معتدل ۶ پھر علاقہ گرم ۷ پھر علاقہ سیاہ جس کو تحت الثریٰ کہا جاتا ہے۔ اور دوسری تقسیم باعتبار سطحی ہے۔ اسرائیلی روایت میں ہے کہ زمینیں بھی اسی طرح فاصلے سے ہیں جس طرح سات آسمان مگر یہ غلط ہے۔ یہودیوں کی بناوٹ۔ سائنسدانوں کی طرح ہیں اسرائیلی روایات بھی اکثر خود ساختہ اور جھوٹی ہوتی ہیں۔ سمٰوات میں خود آسمان اور تمام آسمانی مخلوق شامل ہے۔ اسی طرح ارض میں زمین اور تمام زمینی مخلوق شامل ہے۔ مخلوق میں سب سے نیچے پانی ہے۔ اور سب سے اوپر عرش اعظم ہے۔ یہ اب ہے۔ مگر پہلے۔ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ اور اس کا عرش پانی پر تھا۔ یا اس طرح کہ عرش اعظم پانی پر رکھا تھا۔ بیچ میں کوئی خلا نہ تھا۔ اس صورت میں علیٰ فوقیت مکانی کے لئے ہوگا اور ان فلاسفۂ اسلام کا قول درست ہوگا جو یہ کہتے ہیں کہ پانی پہلے پیدا ہوا پھر عرش اعظم۔ اور دونوں سے پہلے ہوا تھی پھر جب آسمان و زمین کو پیدا فرمایا تب پانی کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا ایک حصہ عرش اعظم سے ملحق نیچے رکھا اور دوسرے حصے کو زمین کے نیچے والی جگہ میں پہنچایا۔ گویا کہ پانی کی جگہ تبدیل ہوتی عرش اعظم اور نصف پانی وہیں

اپنی جگہ قائم رہا۔ (روح المعانی) پانی کی خلقت اس طرح ہوئی کہ رب کریم نے سبز موتی پیدا فرمایا اس پر اپنی تجلی وارد فرمائی تو وہ پانی بن گیا (معانی بیان خازن) پانی کو ہوا پر رکھا گیا۔ اور پانی پر عرش کو۔ اور یا اس طرح کہ عرش اپنی جگہ تھا جس جگہ اب ہے اور پانی بھی موجودہ جگہ تھا درمیان میں کچھ نہ تھا۔ پانی کے اوپر صرف عرش تھا باقی سب خلا ہی خلا تھا۔ پہلے عرش بنا پھر ہوا پھر پانی۔ اور حرف علیٰ فوقیت زمانی کے لئے ہے یعنی عرش اعظم پانی سے پہلے تھا اس طرح کہ سب سے پہلے نور محمدی پیدا فرمایا پھر اسی سے اس کے لئے عرش بنایا گیا۔ جب عرش کو قرب الٰہی نصیب ہوا تو اس کا خشیۂ ذات سے پسینہ بہا وہ پانی بن گیا۔ اس کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ہوا پیدا فرمائی۔ پھر پانی پر تجلی ذات وارد ہوئی تو اس میں جوش پیدا ہوا جس سے دھواں اور جھاگ بنا۔ دھوئیں سے سات آسمان۔ جھاگ سے زمین۔ جھاگ کی گرمی سے پہاڑ اور دھاتیں پیدا ہوئیں۔ دھوئیں کو مختلف دھاتوں میں شکل دے کر آسمانوں کو مزین فرمایا۔ اور ان آسمانوں کا حصہ پوشیدہ رکھا گیا مگر ہر آسمان سے سیارے ظاہر فرما کر نشان قدرت قائم کیا گیا اور اسی سے آسمانوں کی اصلیت کا بھی پتہ لگا (صاوی) یہ سب کچھ بندوں سے اس لئے چھپایا گیا۔ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۔ تاکہ آزمائے کہ کون تم میں سے زیادہ اچھے عمل کرنے والا ہے۔ کہ نہ تو سائنسی دنیا میں جا کر خود ساختہ سچی جھوٹی قیاس آرائیاں کرے بلکہ فلکیات اور تمام خلقت کائنات میں قرآن وحدیث وفرمودات اسلام کے نقطۂ نگاہ کو ہی تسلیم کرے۔ اور نہ مثل فلاسفۂ قدیم کے مخلوق عالم میں غور وتفکر سے خلاقِ عالَم کا منکر ہو کر دھریہ بنے۔ بلکہ ان آسمان زمین چاند سورج پہاڑ اور ان کے معدنیات وغیرہ میں تدبر کرکے۔ شکر خدا واتباع نبی کرو۔ اور ان چیزوں کو اپنی دینی ایمانی اعمال کا ذریعہ اور رب تعالیٰ کی مخلوق سے جو چیز بھی ایجاد کرو وہ اسی اطاعت اور اس کے ممنوعات سے بچنے میں صرف کرو کہ یہ سب کچھ تمہارے ہی فائدے کیلئے ہے نہ اس میں زمین وآسمان کا فائدہ نہ خالق کا۔ اسی لئے اے انسان یہ سب کچھ تیرے قبضے میں دیا گیا اب تیری سلطنت کا نیا آغاز ہوتا ہے۔ تمہاری آزمائش ہوگی کہ کون اس خلافت الٰہیہ کی صحیح ذمہ داری اٹھاتا ہے کون غلط کون کس مخلوق سے کیا سلوک کرتا ہے۔ کون اچھے عمل کرکے محسن۔ مخلص منصف بنتا ہے کون اللہ کی مخلوق سے برا برتاؤ کرکے ظالم۔ کافر۔ سرکش بنتا ہے۔ جو سرکش ظالم ہوا اس کے لئے بعد موت اٹھنا اور عذاب چکھنا ہے۔ کیونکہ یہ آسمان زمین بیکار بے فائدہ نہیں بنائے گئے اے پیارے حبیب یہ کافر سمجھتے ہیں کہ شاید یہ دنیا یوں ہی کھیلنے۔ کھانے اور سرمستی کے لئے بنی ہے اور اسی طرح ہمیشہ رہے گی۔ اسی لئے وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ اگر کہو تم کہ بے شک اسے کافرو تم اٹھائے جاؤ گے بعد موت تو کہیں گے کافر کہ یہ باتیں تو نری جادو ہیں۔ یا یہ اُٹھنا یا قرآن۔ یا نبی کریم کی خبریں۔ یا معجزات بالکل جادو ہیں یا مشابہ جادو کہ وہ بھی باطل ہے اور (معاذ اللہ) یہ بھی۔ کہ اوپر سے تو بہت فصاحت بلاغت اور دل دھلا دینے والا ہے لیکن باطن کچھ حقیقت نہیں۔ یہ آیت گویا کہ پہلی عبارت لِيَبْلُوَكُمْ کا تتمہ

ہے۔ کہ آسمان وزمین کی پیدائش کا مقصد تو امتحان و آزمائش انسان و جنات ہے اور آزمائش کے لئے دو موقعوں کی ضرورت ہے۔ ایک موقعہ تیاری کا اور ایک امتحان گاہ کا۔ تیاری کے لئے تو یہ دنیا کی زندگی عطا ہوئی۔ امتحان کے لئے بعد موت اٹھنا لازم ورنہ امتحان لینے دینے کا موقعہ کون سا ہوگا۔ اس عبارت میں اشارۃً کفار کی حماقت بھی ثابت ہوتی ہے کہ کافر اس بات کے اقراری تھے اور مانتے تھے کہ زمین و آسمان کا خالق رب تعالیٰ ہی ہے اور پہلی ہی مرتبہ محض اپنے ذاتی علم سے سب کو پیدا کر دیا حالانکہ یہ بہت مشکل کام ہے۔ اس مشکل ترین کام کو قدرت الٰہی سے مانتے تھے جیسا کہ دیگر آیت میں لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ کے الفاظ میں ان کا اقرار مذکور مگر دوبارہ پیدا کرنے کو نہ مانتے تھے حالانکہ دوبارہ نقل آسان ہوتی ہے۔ یہ معمولی بات ان کی سمجھ سے دور تھی۔ اس لئے اس کو جادو کہہ دیتے تھے۔ اور حالانکہ زمین آسمان کی پیدائش۔ وحشر نشر آپس میں سبب مسبب یا علت معلول ہیں کہ ایک کا انکار دوسرے کا انکار ہے کہ نتیجے کا منکر صغریٰ کبریٰ کا منکر ہوتا ہے (کبیر۔ تفسیر الحدیث۔ ابن کثیر) اور اپنی حماقت پر یہ کفار اتنے مضبوط ہو چکے ہیں اور حقانیت اسلام کے انکار پر اتنے شدید کے موعودہ عذاب کو جلدی مانگتے ہیں۔ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ . لَیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُهٗ . اور اگر ہم ان سے عذاب کو پیچھے رکھیں۔ ان کے مطالبے پر پہلے نہ لائیں کچھ دن بعد وقت مقررہ پر لانا چاہیں تو کہنے لگتے ہیں۔ کس نے روک لیا عذاب کو۔ یہ جملہ ان کفار کے جھٹلاتے انکار کرنے کی دوسری صورت ہے انکار کے دو ہی طریقے ہوتے ہیں ۱۔ اپنوں کے سامنے اور ۲۔ مخالف کے سامنے۔ اپنوں کے سامنے تو سنجیدہ بن کر قسمیں کھا کر انکار کیا جاتا ہے اور مخالف کے سامنے مذاق اڑا کر کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی ہر دو طرح کفار کا انکار بتایا جا رہا ہے۔ پہلا طرز عمل اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ میں لام قسم اور جواب قسم سے ثابت ہے کہ اپنوں کو اسلام سے روکنے کے لئے قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ نبی کریم کی باتیں نری جادو ہیں۔ دوسرا طرز عمل یہ بیان ہوا کہ مسلمانوں کے پاس آکر مذاق و ہنسی سے پوچھتے ہیں کہ بڑے عذاب عذاب کہتے پھرتے ہو تمہارا عذاب کس نے روک لیا اس کو یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی عذاب وغیرہ کچھ نہیں صرف ڈراؤنی باتیں ہیں اور مذاق کے ساتھ ساتھ یہ مقصد بھی تھا کہ مائل بہ اسلام کفار کی ڈھارس بنا کر اور اپنی دیدہ دلیری بتا کر اسلام سے روک سکیں۔ عذاب سے مراد۔ عذاب جنگ۔ عذاب موت۔ عذاب قبر۔ عذاب آخرت بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ مفسرین نے بتایا صحیح تر یہ ہے کہ عذاب دنیا جنگ وغیرہ یا موت کے بعد قبر کا عذاب مراد ہے۔ کہ یہ عذاب عبرت ہے۔ اور روش کلام سے عبرت ہی منشا ثابت ہوتا ہے۔ اسی لئے کفار کو بتلایا جا رہا اور مسلمانوں کو جواب سمجھایا جا رہا ہے کہ اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ اے کافرو منکرو تم بھی سمجھ لو اور اے کفر کے سوال استہزا سے پریشان حال مسلمانو۔ تم بھی سنو اور جواب دو کہ خبردار جس دن عذاب آجائے گا ان کے پاس تو نہیں ہے پھیرا ہوا ان سے اور ہر طرف سے ان کافروں کو گھیر لے گا وہی عذاب جس کا مذاق اڑاتے تھے۔ اس طرح کہ اس وقت نہ ان کا اپنا اسلام کی طرف پھر آنا عذاب کو پھیرے نہ ہی

کوئی نبی۔ ولی۔ اللہ کا پیارا۔ اس عذاب کے پھرنے کی دعا یا سفارش فرماتے۔ بے یار و مددگار۔ اسی طرح عذاب میں گھرے پڑے رہیں گے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں یَسْتَعْجِلُوْنَ تھا۔ کیونکہ کفار مَا یَحْبِسُہٗ کہہ کر عذاب جلدی مانگتے تھے مگر یَسْتَہْزِءُوْنَ فرما کر مطالبے کا طریقہ بھی بتا دیا کہ ان کا مطالبہ خبر حاصل کرنے کے لئے یا بچنے کے ارادے سے نہ تھا بلکہ محض مذاق کرنا تھا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ انسان کو چاہیئے کہ کسی کام میں جلد بازی نہ کرے بلکہ حسب طاقت غور و فکر کر کے آہستہ آہستہ بتدریج کام سرانجام دے۔ دیکھو رب تعالیٰ قادر وقیوم ہونے کے باوجود اپنے افعال کے لئے چھ دن مدت بیان فرماتا ہے۔ انسان کو جلد بازی میں ہمیشہ خسارہ ہے۔ اسی طرح وقت آنے پر دیر کرنا بھی نقصان کا باعث ہے۔ **دوسرا فائدہ**۔ زیادہ قسمیں کھانا کفار کا طریقہ ہے مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیئے۔ اس طرح لوگ اس کو جھوٹا سمجھنے لگتے ہیں یہ فائدہ لَیَقُوْلُنَّ کے لام قسمیہ سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ تمام مخلوق انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے اب انسان کا فرض ہے کہ اس کو صحیح طرح استعمال کرے اور اس سے پورا پورا دینی دنیاوی فائدہ حاصل کرے ہر وہ کام جو دین کے ارادے سے کیا جائے وہ عمل حسن ہے۔ اور دینی وہ کام ہے جو شریعت مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تحت ہو۔ یہ فائدہ لِیَبْلُوَکُمْ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** اللہ تعالیٰ کا عرش پہلے پانی پر کیوں رکھا گیا اور یہاں اس کا کیوں اظہار فرمایا گیا کہ آسمان زمین کی پیدائش سے پہلے ایسا تھا۔

جواب چند وجہ سے اظہار قدرت کاملہ کے لئے۔ پہلی وجہ یہ کہ عرش اعظم ساتوں زمین آسمان سے کئی سو گنا بڑا ہے اس کے باوجود پانی پر ٹھہرائے رکھنا حیرت ناک قدرت ہے۔ لہٰذا اس کی اس قدرت کو بھی تسلیم کرو کہ اتنے بغیر ستون اتنے بڑے بڑے آسمان و زمین کو ٹھہرا لیا۔ دوسری وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پانی جیسی نرم اور پتلی شے کو تلاطم بغیر کسی سہارے کے قائم رکھا حالانکہ یہ بہت مشکل کام ہے۔ تو اس سے آسان فعل پر وہ رب کریم بدرجہ اولیٰ قادر ہے تیسری وجہ یہ کہ اب بھی عرش اعظم کو آسمانوں سے اونچا ٹھہرایا ہوا ہے۔ بغیر کسی ستون کے پانی کا سہارا تو پہلے تھا اب نہیں جب اتنے بڑے عرش کو جس کے سامنے سات آسمان مثل سات کنکریوں کے ہیں وہ اللہ ٹھہرانے پر قادر ہے تو آسمان و زمین پر اس کی قدرت کیوں نہ ہوگی۔ **دوسرا اعتراض**۔ روایات میں آتا ہے کہ کسی نے آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آسمان زمین سے پہلے رب تعالیٰ کہاں تھا فرمایا نبی کریم نے کہ عماء یعنی بادلوں میں تھا اس کے اوپر بھی ہوا اور نیچے بھی ہوا اس روایت سے جہاں اللہ کا محاط ہونا ثابت ہوتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ سب سے پہلے ہوا پیدا ہوئی۔ اسی بنا پر بعض فلاسفہ قدیم نے ہوا کو قدیم مان کر شرک کا ارتکاب کیا **جواب** یہ روایت ضعیف بلکہ موضوع ہے۔ اصلاً یہ عبارت اسرائیلی اختراع ہے۔ مشہور روایت وہ ہے جو

ن نزول میں بیان کی گئی تیسرا اعتراض لِیَبْلُوَکُمْ کا لام تعلیلیہ ثابت کر رہا ہے کہ آسمان وغیرہ کی پیدائش صرف
ابسد اور امتحان کے لئے ہو حالانکہ امتحان صرف مُکَلَّف سے ہوتا ہے۔ لیکن خلقتِ زمین و آسمان سے غیر مکلّفین کو
فائدہ ہے۔ اور بجز امتحان آسمان و زمین کے بے شمار فوائد ہیں پھر علّتی حصر کیوں کیا گیا **جواب**! اصل مخلوق ذی عقل
مخاطَب مکلّفین ہی ہیں باقی سب نفع مند تابع ہیں اور جتنے بھی فائدے آسمان و زمین سے حاصل وہ سب مکلّفین کے
لئے ہی ہیں اور ان کو حاصل کرنے کے طریقوں سے ہی امتحان ہوتا ہے۔ **چوتھا اعتراض** امتحان تو وہ لیتا ہے جو بے
علم ناواقف ہو۔ رب تعالیٰ تو ہر شے سے علیم و خبیر ہے۔ پھر قرآن نے اس کو بے علم کیوں ثابت کیا (آریہ۔ ہندو)
جواب! یہ امتحان بندے کے علم کے لحاظ سے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے اللہ تعالیٰ تو ہر بندے کے اچھے برے اعمال
سے خبردار انجام و نتیجے کا علم رکھنے والا ہے کون کامیاب کون ناکام سب کچھ جانتا ہے بروز قیامت بندوں کا حساب
بندوں کے علم کے مطابق امتحان ہے جیسا کہ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ تَتَّقُوْنَ ۔ وغیرہ کے احتمالی صیغے بھی بندوں کے
علم کی نسبت سے فرماتے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی ہے **پانچواں اعتراض** جادو تو فعلی چیز ہے۔ قول کو جادو کیوں
کر کہا گیا لَئِنْ قُلْتَ کو کفار نے سحر مبین کہا جس کو بلا تردید نقل فرمایا گیا۔ یہ بات حقیقت سے ہٹی ہوئی معلوم ہوتی
ہے (موجودہ فلسفی) **جواب** اس کی تین وجہ ہیں پہلی یہ کہ جادو سے مراد دھوکہ ہے اور دھوکہ قول سے بھی ہوتا
ہے۔ یہاں اصلی جادو مراد نہیں۔ بلکہ یہ تشبیہ ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ قول کو جادو نہ کہا گیا۔ بلکہ اس قول کے مقولے
کو جادو کہا گیا اور وہ مقولہ بعد موت اٹھنا ہے اور وہ فعل ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ سحر بمعنیٰ باطل ہے۔ اور مطلب یہ
ہے کہ کفار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پاک کو باطل اور جھوٹ کہا۔ بعض نے فرمایا کہ کفار نے قرآن پاک
کو بطورِ طعن جادو کہا۔ اور قرآنِ کریم میں بعد موت اٹھنے کا قانون مذکور ہے اور اصل میں طعن کرنا فرع میں طعن
ہے۔ **چھٹا اعتراض** عذاب سے کون سا عذاب۔ دنیاوی یا اُخروی۔ اگر دنیاوی مراد ہے تو وہ آیا ہی نہیں تاخیر
تاخیر کا اور یَوْمَ یَاْتِیْھِمْ کا مطلب کیا ہوا اور اگر اُخروی مراد ہے تو جنگِ بدر کی سزا کس شمار میں ہے اور دنیاوی
عذاب تو عبرت بن سکتا ہے اُخروی عذاب عبرت نہیں بن سکتا۔ **جواب**! صحیح تر یہ ہے کہ اُخروی قبر و حشر کا عذاب
مراد ہے۔ اور عبرت دلانا مقصود نہیں بلکہ ہلاک کرنا مقصود ہے عبرت کے لئے یہ خبر دینا کافی ہے۔ اور پھر عذاب آ
جانے کے بعد عبرت پکڑنا مُعَذَّب کے لئے بیکار ہے۔ عذاب سے عبرت تو آئندہ نسلوں کو ہی ہو سکتی ہے۔ نہ مسلمانوں
کو نہ عذاب میں گرفتار کفار کو کیونکہ مسلمان تو پہلے ہی مومن متقی ہیں اور معذّب کفار عبرت لے ہی نہیں سکتے۔
ساتواں اعتراض۔ فعل حَاقَ۔ ماضی ہے۔ جس میں گذشتہ کی خبر ہوتی ہے حالانکہ عذاب تو آئندہ مستقبل میں
آئے گا۔ موت کی شکل میں ہو یا قیامت کی۔ یہاں مضارع کا صیغہ چاہیئے تھا **جواب** اس کے دو جواب ہیں۔
پہلا یہ کہ ماضی اپنے اصل معنیٰ میں ہی ہے اور یہاں گذشتہ زمانہ بطورِ تمثیل فرمایا تاکہ حکم یقینی حتمی ہو کر مضبوط

ہو جاتے۔ جیسا کہ ہر یقینی آنے والی چیز کو ماضی تعبیر کر دیا جاتا ہے گویا کہ وہ آ ہی گیا۔ اسی طرح یہاں فرمایا گیا کہ اے کافرو وہ عذاب اتنا یقینی ہے گویا کہ وَحَاقَ بِہِم اس نے کفار کو گھیر ہی لیا۔ اس سے قیامت یا موت کے بہت قریب ہونے کا بھی فائدہ حاصل ہوا۔ دوسرا جواب یہ کہ یہاں ماضی بمعنی مضارع ہے۔ یعنی حَاقَ بمعنی یَحِیْقُ ہے۔ (بیان بمعانی) خیال رہے کہ جس طرح مضارع کا صیغہ چار جگہ بمعنی ماضی ہوتا ہے چنانچہ فارسی شعر اس طرح ہے۔

معنی ماضی۔ مضارع می دہد در چار جا ٭ در محلِ خطبۂ و تعریف و شرطِ اندر دعا

اسی طرح ماضی بھی چند جگہ بمعنی مضارع آجاتا ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے آٹھواں اعتراض۔ امتحان تو مومن۔ کافر سب کا ہے۔ کیونکہ قانون امر بالطاعۃ اور نہی بالعصیات ہر دو کا ہے۔ مگر اَیُّکُم سے خطاب اور احسن عمل کے الفاظ سے صرف مسلمان ہی مراد ہوتے ہیں۔ چاہیئے تھا کہ اَیُّھُم بھی کہا جاتا اور وَاَقْبَحُ عَمَلًا بھی کہا جاتا۔ تاکہ سب فریق شامل ہو جاتے۔ جواب یہ جملہ عام مخصوص البعض ہے۔ مراد سب ہیں مگر خطاب صرف مسلمانوں کو اسی طرح امتحان تو ہر عمل کا ہوگا مگر ذکر صرف اچھے عمل کا اس لئے کیا گیا کہ پتہ لگے کہ اللہ کے محبوب کون لوگ اور کون سے عمل ہیں۔ (مسائل الرازی)

تفسیر صوفیانہ

اور وہی اللہ وہ ہے جس ذات پاک نے آسمان روحانیت قویہ کو پیدا کیا۔ اور وہ سات ہیں۔ ۱ روح سیرانی ۲ روح مقامی ۳ روح نوری ۴ روح ناری ۵ روح سفلی ۶ روح اعلیٰ ۷ روح الارواح اور زمین جسد خاکی کو صلب کے پانی سے بطن مادر میں چھ زمانوں میں پیدا کیا جو ایک قلیل مدت ہے کہ کم از کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ نو یا چوبیس ماہ اور یہ زمین ظاہر میں ایک ہے۔ اور اس کا عرش یعنی قلب مومن مادۂ جسدی اور تدابیر الٰہیہ کے پانی پر تھا۔ یا وہ اللہ وہ ہے جس نے عالم جسدی کو چھ جہتوں میں پیدا کیا جب کہ اس کا وہ عرش جو عقل اول ہے خفا کے پانی پر تھا۔ یہ سب خلقت اس لئے ہوئی کہ تم میں سے شقی سعید کو آزماتے اور لوگوں کے اعمال نافعہ و ناقصہ ظاہر ہوں۔ اولاً رب تعالیٰ نے جوہر ھیولانیہ پیدا کیا اس پر عین جلال سے توجہ کی تو وہ پگھل کر تین حصے ہوا حصہ حیا۔ حصہ ماء حصہ نار۔ حالانکہ اس وقت عرش پر زمانہ نہ تھا فقط ذات ہی ذات تھی۔ (ابن عربی شیخ اکبر) روح البیان نے تاویلات نجمیہ سے فرمایا۔ کہ ابتلاء و امتحان دو قسم کا ہے ۱ نیک بختوں کا ۲ بدبختوں کا نیک بخت کا امتحان بلاء حسن ہے۔ کیونکہ عبد سعید آسمان زمین اور ان کی اشیاء کے فوائد کو مقصد اصلی نہیں سمجھتا بلکہ وہ ان چیزوں کو ذریعہ قرب بارگاہ مولیٰ عزوجل و رفیق اعلیٰ بناتا ہے اور سو اللہ کو اذن اللہ سے اور امر اللہ ونہی اللہ سے وسیلۂ قرب بنا لیتا ہے اور اسی کو حصول کمال کا ذریعہ سمجھتا ہے یہی۔ اَحْسَنُ عَمَلًا ہے اور بدبخت دنیا دنیا اور اس کی چیز کو مقصد اصلی سمجھ لیتا ہے۔ شہوتوں لذتوں کی دنیا میں اتنا غافل ہوتا ہے کہ نار حرص میں گر جاتا ہے یہی اس کی ناکامی و امتحان ہے۔ بندے پانچ قسم کے ہیں۔ ایک وہ کہ جس کی زبانی اور جنانی دونوں جیسے اَذْقَنَا کی دونوں نہیں دنیا داری

کی ہوں۔ یہ شخص بدنیت کہلاتا ہے۔ دوسرا وہ کہ زبانی نیت بھی اور قلبی نیت بھی ذات خدا ہو یہ شخص مقرب الی اللہ ہوتا ہے۔ تیسرا وہ شخص جس کی زبانی جنانی قلبی نیت آخرت ہی ہو۔ وہ شخص ابرار سے ہے۔ چوتھا وہ شخص جس کی زبانی نیت آخرت کی ہو۔ جنانی یعنی قلبی نیت دنیا پر ہو وہ شقی کہلاتا ہے پانچواں شخص وہ ہے جس کی زبانی نیت دنیا ہو کہ ظاہراً دنیا دار ہی نظر آتا ہو مگر نیت جنانی توجہ الی اللہ ہو۔ وہ شخص صاحب اسرار کہلاتا ہے۔ شقی اور بدنیت ہی کو کافر عشق و معرفت کہا جاتا ہے۔ اے پیارے حبیب صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم یہ بدنصیب ازلی وہ لوگ ہیں کہ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ اگر ان منکرین اسرار الٰہیہ سے آپ کہیں کہ موت قلبی کے بعد تم پھر اپنا انجام دیکھنے کے لئے اٹھائے جاؤ گے اور لے طالب دنیا منزل حقیقیہ کو چھوڑ کر مرنے والو تم نے ایک دن اپنی شقاوت کا حال دیکھنا ہے۔ تو البتہ یہ منکر معرفت اور کافر حقیقت کہیں گے۔ یہ لطائف انوار۔ محض کھلا جادو ہے اور ہم یہ ہلاکت و شرمندگی و عذاب کا دن کبھی نہ دیکھیں گے۔ یہ دراصل اپنی ان باتوں سے اپنی ضد کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی بدنصیبی چھپانا چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ اگر ہم ان کفار اسرار سے عذاب محروی کچھ مہلت کے لئے موخر کر دیں تو اہل معرفت و صوفیا کا مذاق اڑاتے ہوتے کہتے ہیں کس چیز نے روک دیا تمہاری وعید کو۔ ہم نے اپنے پیاروں سے فرمایا کہ ان کو سنا دو اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ ۔ سن لو اے جلد باز و کہ جب وہ قبض کا عذاب آجاتے گا پھر نہ لوٹے گا۔ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۔ اور ایسا گھیرے گا ان کو کہ پھر کبھی شہوات دنیا سے نکل ہی نہ سکیں گے پھر وہ عکس نار غفلت ان پر وارد ہو گا جس کا مذاق کرتے تھے پھر وہ فارین اِلَی اللہِ میں کبھی شامل نہ ہوسکیں گے اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْفَارِّيْنَ اِلَيْكَ وَالْحَاضِرِيْنَ لَدَيْكَ ۔ جو اس سے محروم وہ شقی ازلی۔ اور جس نے یہ منزل پالی وہی ابتلاء عظیم میں کامران ہوا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ
ور البتہ اگر چکھایا ہم نے انسان کو طرف سے اپنے رحمۃ پھر چھین لیا ہم نے سے اس
اور اگر ہم آدمی کو اپنی کسی رحمت کا مزہ دیں پھر اسے اس سے چھین لیں ضرور وہ
لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ
بیشک وہ البتہ مایوس ہے ناشکرا ہے اور البتہ اگر چکھائیں ہم نے اسکو نعمتیں بعد مصیبت پہنچی
بڑا ناامید ناشکرا ہے اور اگر ہم اسے نعمت کا مزہ دیں اس مصیبت کے بعد جو اسے پہنچی

لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ⑩

اس کو البتہ کہے گا چلی گئیں برائیاں سے مجھ ۔ بیشک وہ اترانے والا فخر کرنے والا

تو ضرور کہے گا کہ برائیاں مجھ سے دور ہوئیں بیشک وہ خوش ہونے والا بڑائی مارنے والا ہے

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ

مگر وہ لوگ صبر کیا جنہوں نے اور عمل کیئے اچھے ۔ یہی وہ لوگ ہیں بیٹے ان

مگر جنہوں نے صبر کیا اور اچھے کام کیے ان کے لیئے

مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑪

بخشش ہے اور اجر بڑا

بخشش اور بڑا ثواب ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں بتایا گیا تھا کہ یہ کافر کتنے احمق ہیں کہ ہماری طاقت والی بااختیار مخلوق یعنی انبیاء کرام سے مقابلے پر اتر آتے ہیں کبھی ان کی باتوں کو جادو کہتے ہیں۔ کبھی ان کا مذاق اڑاتے ہیں یہ سب ان کی تکبرانہ حرکتیں ہیں تکبر اس کو زیبا ہے جو طاقت ور ہے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ کافر اتنے کمزور دل ہیں کہ ایک حالت پر ان کو قرار ہی نہیں۔ جھٹ میں خوش جھٹ میں مایوس۔ کبھی فخریہ اکڑتے ہیں اور کبھی مایوسی و بد دلی کی ذلت میں ان کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں۔ طاقت ور کو استقامت اور مضبوط ارادی ہوتی مگر کمزور شخص ایک حالت پر ثابت قدم نہیں رہتا۔

دوسرا تعلق۔ پہلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اگرچہ ہم بعض مدت میں کفار سے عذاب کو موخر کر دیں مگر پھر بھی آخر ایک نہ ایک دن ایسا عذاب آنا ضروری ہے جو ان کو ہمیشہ کے لئے گھیر لے۔ اب فرمایا جا رہا کہ آخر یہ عذاب کا آنا کیوں ضروری ہے اس لئے کہ خود سر اور بزدل اور مغرور کافر ہیں اگر ان کو رحمت پہنچے اور پھر چھن جاتے تو ناشکرے۔ مایوس ہوتے ہیں اور اگر نعمت باقی رہے تو متکبر و سرکشی سے فخر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی کفر کی نشانی ہے۔ مومن ہمیشہ صابر یا شاکر ہوتا ہے۔ **تیسرا تعلق** پہلی آیت میں ارشاد ہوا تھا باری تعالیٰ باوجود قادر قیوم ہونے کے اپنے افعال آہستہ اور بتدریج فرماتا ہے جو عین حکمت کے تحت ہوتے ہیں۔ چھ دن میں زمین آسمان بناتے پہلے۔ کچھ بنایا۔ پھر کچھ۔ پھر کچھ۔ جس سے ثابت ہو گیا تھا کہ یہ قانون فطرت ہے کہ جب جس کا وقت ہو گا موقع کے لحاظ سے وہی چیز پیدا کی جائے گی۔ کسی کی جلد بازی اس کی فطرت کو نہیں بدل سکتی یہاں تک کہ عذاب بھی وقت مقررہ پر ہی آئے گا۔ اب بتایا

جارہا ہے کہ کون اس فطرت کو تسلیم کر کے صابر و شاکر بنتے ہوئے راضی برضا رہتے ہیں - اور کون ناشکرے بے صبرے مایوس ہو جاتے ہیں اور رحمت الٰہیہ پا کر سرکش و مغرور ہوتے ہیں نزول یہ آیت عبداللہ بن امیہ مخزومی کے بارے میں نازل ہوئی وہی مسلمانوں کے سامنے ایسی متکبرانہ گفتگو کرتا تھا - (مواہب)

تفسیر نحوی

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ۔ واؤ سیر جملہ لام قسمیہ حسب سابق - اِنْ حرف شرط اَذَقْنَا ماضی مطلق جمع متکلم ذَوْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ تھوڑا مزہ لینا - باب اِفعال اصل میں تھا اَذْوَقْنَا بوجہ ثقل واؤ گرا کر فتحہ ماقبل کو دیا اَلْاِنْسَانُ میں الف لام عہد خارجی ہے اور وہی انسان مراد ہے جن کا ذکر پچھلی آیات میں چلا آرہا ہے یعنی کافر بعض نے کہا الف لام استغراقی ہے اور مراد عام انسان ہے خواہ کافر یا مومن مگر اول قول زیادہ مدلل ہے جیسا کہ تفسیر عالمانہ میں بتایا جاتے گا - انسان نَسِیٌ سے مشتق ہے - بمعنیٰ بھولنا مِنَّا مِنْ حرف جر الی کے معنیٰ میں ہے نا ضمیر متکلم رحمۃ سے یہاں مراد دنیوی راحت آرام ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۔ ثُمَّ - تراخی کے لئے ہے جس نے اَذَقْنَا کی انتہا کو بیان کیا - نزعنا ماضی کا صیغہ جمع متکلم نزعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جبراً قوت لگا کر چھیننا - ھا ضمیر سے مراد رحمت - مِنْ میں تین قول ہیں یا یہ کہ مِنْ تعلیلیہ ہے اور یہی صحیح تر ہے یا یہ کہ مِنْ بمعنیٰ عَنْ ہے یا یہ کہ مِنْ نَزَعْنٰهَا کا صلہ ہے - ہٗ کا مرجع انسان ہے اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ اِنَّ حرف تحقیق ہٗ کا مرجع انسان اِنَّ کا اسم ہے لام تاکید یہ یَئُوْسٌ بروزن فعول مبالغے کا صفت مشبّہ بمعنیٰ بہت سخت مایوسی والا کفور بھی بروزن فعول ہے - بمعنیٰ سخت ناشکری والا وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ ۔ واؤ استئنافیہ - لام حسب سابق قسمیہ اِنْ شرطیہ اَذَقْنٰهُ کا فاعل ذات باری تعالیٰ ہٗ کا مرجع وہی کافر انسان نَعْمَآءَ نعمت کی جمع ہے نِعَمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بلا عوض اچھی اور زیادہ چیز - اسی سے ہے اِنعام بمعنیٰ کسی اچھے کام کرنے والے کو خوشی میں کچھ دینا مگر نعمت اس سے عام ہے کوئی اچھا کام کرے نہ کرے - بَعْدَ اسم ظرف ہے ظروف ستّہ میں سے ایک ہے تاخیر زمانی - مکانی - جسمانی سب کے لئے آتا ہے یہاں زمانی مراد ہے ضَرَّآءَ ضَرٌّ سے مشتق ہے ضَآرٌّ کا مونث ہے بمعنیٰ تکلیف دینے والی چیز مَسَّتْ مونث کا صیغہ مَسٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ آہستہ سے لگنا - ہٗ کا مرجع وہی کافر انسان ہے لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۔ لام تاکید یہ ہے یہ لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ کا صیغہ ہے - ذَہَبَ فعل ماضی ذَہْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ہٹ جانا - چلا جانا - دور ہو جانا - یہاں یہ تیسرے معنیٰ مراد ہے - السیئات میں الف لام استغراقی ہے - یہ سَیِّئٌ کی جمع ہے - یا سَيِّئَةٌ کی اس کے تین معنیٰ ۱ برائی ۲ برے کام کی سزا ۳ مصیبت یہاں تیسرے معنیٰ مراد ہیں عَنْ حرف جار - اس میں متعدی کے معنیٰ پیدا ہوتے ہیں یاءِ متکلم کا مرجع وہی کافر انسان اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ پہلا جملہ جواب قسم ہے اور یہ جملہ اسمیہ جواب قسم کی علت ہے یا مسبب ہے اِنَّ حرف تحقیق ہٗ اس کا اسم

لام تاکیدیہ بمعنیٰ البتہ فَرِحٌ فَارِحٌ کے معنی ایں ہے مبالغے کے لئے فارح کو فرح سے تحویل کیا گیا یہ لازم ہوتا ہے متعدی کبھی نہیں ہوتا اس کو اصلاً برائی کے لئے لایا جاتا ہے۔ اگر اچھائی کے لئے ہو تو کوئی قید لگانا ضروری ہے (معانی) بعض نحویوں نے کہا یہ لفظ فَرِحٌ ہے بروزن لطس فَرِحٌ سے مشتق ہے اس کا معنیٰ ہے اپنے پر خوش ہونا۔ یا غرور کرنا۔ یعنی خود کو سب سے اچھا سمجھنا۔ فَخُورٌ بروزن فعول صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ فَخْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ تکبر یہ صرف برائی کے لئے آتا ہے یہاں فَرِحٌ فَخُورٌ کا معنیٰ ہے اترانے والا مغرور اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ اِلَّا حرف استثنا ہے اور اس سے استثنا منقطع ہی بنتا ہے اس لئے کہ الانسان میں الف لام عہدی ہے جس سے مراد صرف کافر ہیں مومن اس میں داخل ہی نہیں اس لئے استثنا منقطع ہے اگر الف لام استغراقی یا جنسی ہو تو مستثنیٰ متصل ہوگا۔ جیساکہ تفسیر معانی۔ وبیان نے کہا اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع کے لئے ہے اس کا صلہ اگلا پورا جملہ صَبَرُوْا ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر صَبْرٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ مضبوطی سے برداشت کرنا یا قائم رہنا یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں کیونکہ پہلے مصائب کا ذکر ہے۔ واؤ عاطفہ ہے بعض نے کہا تفسیریہ ہے عَمِلُوْا ماضی جمع مذکر کا صیغہ ہے مگر عمومی معنیٰ ہیں جس میں عورتیں بھی شامل ہیں عَمَلٌ سے مشتق ہے۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے محنت سے کام کرنا۔ یہاں مراد ہے نیک کام اَلصّٰلِحٰتِ الف لام استغراقی ہے صالحات صالحۃ کی جمع صَالِحٌ کا اسم فاعل ہے مؤنث ہے غیر ذوی العقول مذکر کے لئے مستعمل ہے عَمِلُوْا کا مفعول بہ ہے۔ صالح اس کام کو کہتے ہیں جو خوبصورت اور کھرا ہو۔ اس میں کھوٹ نہ ہو اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ ہے اس کا مشار الیہ اَلَّذِیْنَ ہے یہ معنیٰ جمع ہے اس کا واحد ذٰلِكَ یا ذاک ہے قریب۔ بعید دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ ہمیشہ ماقبل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لَهُمْ لام حرف جر نفع کے لئے ہے ھُم کا مرجع الَّذِیْنَ مَغْفِرَةٌ مصدر میمی ہے غَفْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ حاصل مصدر۔ باعتبار لغت سات معنیٰ ہیں ۱؎ ڈھانکنا ۲؎ مٹا دینا ۳؎ رد کرنا ۴؎ محفوظ رکھنا ۵؎ بچانا ۶؎ بخش دینا ۷؎ معاف کرنا۔ یہاں بخش دینا مراد ہے۔ مغفرۃ کا معنیٰ ہوگا بخشش۔ واؤ عاطفہ یا تفسیریہ ہے اَجْرٌ کا معنیٰ ہے بدلہ۔ كَبِيْرٌ صفت ہے اَجْرٌ کی کُبْرٌ سے بنا صفت مشبہ بناتے مبالغہ یعنی ہمیشہ زیادہ اور بڑا رہنے والا۔ اس کی حقیقت باری تعالیٰ جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۔ اور اگر البتہ چکھائیں ہم انسان کو اپنے پاس سے عیش و آرام پھر چھین لیں ہم اس کو اسی کی حماقت سے بے شک وہ البتہ سخت مایوس ناشکرا ہے۔ اس آیت میں کافر کی عظیم نشانی بتائی جارہی ہے۔ یہ بات ظاہر و لازم ہے کہ اس دنیا میں بلا امتیاز ہر کسی کو رنج و راحت کا حاصل ہونا ہے مگر کافر کا وطیرہ ہے کہ عیش و عشرت کو اپنے کسب پہ محمول کرتا ہے اور رنج و تکلیف کو زمانے کی گردش کی طرف پھیر دیتا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے مومن جانتا ہے کہ ہر دور رنج و راحت باری تعالیٰ کی طرف سے عین حکمت کے مطابق بر وقت ہیں۔ لہذا

کافر رنج وتکلیف میں انتہائی مایوس بزدل پریشان ہوجاتا ہے اور پچھلے عیش وآرام کو یکسر بھول جاتا ہے۔ مگر مومن نہ ماضی کو فراموش کرتا ہے نہ مستقبل سے بے خبر اس کی وجہ یہ ہے کہ پیارے آقا محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم ہی ایسی ہے کہ جس سے ہر مرحلہ پر ڈھارس بندھی رہتی ہے۔ اس لئے کہ تمام ادیان عالم میں اسلام یعنی فرمودات مصطفےٰ کی یہ شان ہے کہ ہر چیز ہر عمل کا بیان واضح کردیا گیا ہے۔ دوسرے دینوں میں۔ ہر عمل کے انجام سے بے خبری ہے۔ فطرتی امر ہے کہ انسان کسی بات تین وجہ سے مانتا ہے۔ یا خوف سے یا ذوق سے یا شوق سے۔ دیکھو حاکم کی بات رعایا مانتی ہے مگر خوف سے والدین کی یا اولاد کی بات مانی جاتی ہے مگر ذوق سے۔ مرید پیر کی یا دوست دوست کی بات مانتا ہے صرف شوق سے۔ لہٰذا خوف اور ذوق اور شوق سے منوانے کے لئے پہلے حاکم و عامر کا تعارف ضروری جب تک تعارف نہ ہوگا نہ خوف پیدا ہوگا نہ ذوق نہ شوق۔ جب کسی کام کے انجام کا بھی پتہ ہو اور مہربان حاکم کی مہربانی کا بھی۔ تو بندہ کبھی مایوسی سے ہمکنار نہیں ہوتا اسلام اور تعلیم محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہی ایک ایسی خوبی ہے جو اس دین کو اور مومن بندوں کو تمام سے بالاتر کئے ہوئے ہیں۔ مومن کیوں مایوس نہیں ہوتا مگر اسلئے کہ جانتا ہے اللہ رحمٰن ورحیم ہے اور انجام کار جنت ہے اسلام ہی ہے جس نے بتایا کہ صبر میں بھی رب کے انعام ہیں اور شکر میں بھی مومن کو معلوم ہے کہ دولت کا آنا جانا۔ صبر و شکر کی لذتوں سے آشنا کرکے عشق کے مرتبے کو عطا فرماتا ہے مگر کافر ان لذتوں سے بے بہرہ وعیش وعشرت میں بیوقوف اور رنج وتکلیف میں مایوس وناشکرا ہوجاتا ہے۔ کیونکہ اس کے پاس ابتدا تو ہوتی ہے انتہا نہیں۔ اعمال تو ہوتے ہیں انجام نہیں وہ دنیا میں محض جانوروں اور بہروں گونگوں کی طرح زندگی گذار دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّیْ ؕ اور البتہ اگر ہم اس کو نعمتیں چکھائیں ان مصیبتوں کے بعد جو پہنچی اس کو تو کہتا ہے چلی گئیں برائیاں تکلیفیں مجھے۔ یہاں انسان کی امتزاجی اتار چڑھاؤ کا ذکر ہے کہ انسان کسی حالت میں مطمئن نہیں ہوتا یہ عشق مصطفےٰ ہی کا کرشمہ ہے کہ انسان ہر حالت میں شاکر بن جاتا ہے ورنہ انسانی اپنی ذاتی حالت وہی ناشکری بے صبری کی ہے جو یہاں مذکور ہوئی اس آیت پاک میں اس حالت کا ذکر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ لوگوں کو اسلام اور محمد مصطفےٰ کی قدر معلوم ہو حضرت والد علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ شعر

فیض نے تیرے یا نبی کردیا مجھ کو کیا سے کیا
ورنہ دھرا ہوا تھا کیا مٹی بھر اس غبار میں

یہ انسانی پریشانیاں اس بنا پر ہیں کہ انسانی مزاج کے چار عنصر ہیں ۱۔ آگ ۲۔ مٹی ۳۔ پانی ۴۔ ہوا اور ان چاروں میں افراتفری ہے ایمان نے پانچواں عنصر نور کا عطا کیا۔ جو سب پر غالب رہتا ہے۔ اور یہی مومن کافر میں فرق کر دیتا ہے۔ اس آیت میں ذوق اور مَسّ دو چیزوں کا ذکر ہوا اور یہ دونوں چیزیں بالکل ابتدائی ہیں یعنی لذت میں ابتدائی چیز

ذوق ہے اور تکلیف میں ابتدائی مرحلہ مساس ہے گویا کہ انسانی کمزوری و اضطرابی حالت یہاں تک ہے کہ ذوق اور مساس کی برداشت نہیں جو دنیا میں اکثر ہوتی ہیں تو اخروی سزا کو کیسے قبول کرنے کے لئے تیار ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اے انسانو بہتر ہے کہ دامنِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پناہ لے کر اطمینان کی زندگی بسر کرو۔ نعماء سے وہ چیزیں مراد ہیں جن کا اثر انسان کی ظاہری زندگی پر پڑتا ہو۔ یَقُوْلَنَّ سے کافر کی ذہنی کیفیت کا اظہار ہے کہ کافر انسان کا ذہن کسی حالت میں بھی اور خاص کر عیش و عشرت میں اپنے پاک پروردگار کی طرف نہیں رجوع کرتا نہ اپنے مالکِ حقیقی کی طرف خیال کرتا ہے اسی لئے شکر کا خیال تک نہیں آتا بلکہ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ۔ بے شک وہ غرور سے اِترانے والا خود کو بڑا سمجھنے والا۔ یہ بھی اصلاً کافر کی صفات ہیں اُن کی دیکھا دیکھی بعض جاہل کم عقل مسلمان بھی ایسے ہی غرور و تکبر اور بحالت غربت بے صبری و ناشکری میں مبتلا ہو کر بعض وقت معاذ اللہ رب تعالیٰ کی گستاخی پر اتر آتا ہے۔ یہ ہی حرکتیں عذاب کو دعوت دیتی ہیں کیونکہ یہ سراسر کفر کی نشانیاں ہیں مومن و کافر میں یہ عظیم فرق ہے۔ اب تک کفار کی ذہنی نشانیاں بتائی گئیں کیونکہ صراحتاً کافر ذکر نہ تھا لفظِ انسان میں جنسِ انسان کا شبہ پڑ سکتا تھا جیسا کہ بعض معترضوں کو ہوا اِس شبہ کو توڑنے کے لئے فرمایا گیا اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ط اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ۔ ہاں وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور عمل کئے نیک یہی ہیں وہ لوگ جن کے لئے بخشش اور بہت بڑا ثواب ہے۔ اِلَّا استثناء منقطع کے لئے ہے۔ صرف شبہ کو دور کرنے کے لئے ارشاد ہوا۔ اگر متصل ہو تو مطلب ہے کافر کی اصلی حالت وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی اگرچہ جاہل مسلمان بھی ناسمجھی میں ایسی بے صبری وغیرہ کر بیٹھتے ہیں مگر یہ ان کی بری صحبت کا نتیجہ ہوتا ہے نہ کہ فطرت۔ مومن کی فطری اور اصلی حالت یہ ہے جو یہاں مذکور ہے۔ یہاں مومن کی تین صفات اور تین انعامات کا ذکر ہوا صَبَرُوْا جس کے شرعی معنیٰ ہیں کسی سچی حقیقی بات پر قائم ہو جانا۔ اور تقدیر پر راضی برضا رہنا بخلاف کافر کے کہ وہ زمانے کی گردش میں فلکیات اور ستاروں کی گردش پر ایمان لے آتے ہیں حالانکہ ستاروں کی گردش مؤثرِ حقیقی نہیں وہ صرف ایک علامت ہے جیسا کہ سورج کی آمد کی علامت مشرق کی سرخی ہے۔ مؤثرِ حقیقی باری تعالیٰ ہے۔ گویا کہ کافر تقدیر کا منکر ہو کر حرکتِ سیارگان پر ایمان لاتا ہے مگر مومن ستاروں کی گردش کو محض ایک علامت سمجھتا ہے۔ مسئلہ: فقہاء کرام فرماتے ہیں علم النجوم سیکھنا اور نجومی بننا اس سے علامات لینے جائز ہیں مگر اس پر کامل یقینی ایمان لانا یا ستارے کو مؤثر سمجھنا کفر ہے۔ خیال رہے علم نجوم سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام نے ایجاد کیا (روح البیان) اور علم جفر حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ دونوں علم بڑے مفید ہیں بشرطیکہ تقدیر پر صابر شاکر رہے۔ صبر مومن کا امتیازی نشان ہے۔ صبر کی نشانی نیک اعمال ہے بے علمی بھی بدعملی کی طرح بے صبری ہے۔ اس لئے دوسرا نشان عَمِلُوْا فرمایا۔ عمل عام ہے اچھے برے کام کو۔ مگر صبر پر عطف سے تخصیص پیدا ہو گئی۔ یعنی ایمان والے عمل جو شرعاً جائز ہوں۔ خواہ عبادت ہو یا ذاتی اغراض جیسے کھانا پینا تجارت وغیرہ۔ کہ یہ

کام اگرچہ سب انسانوں کے لئے جائز مگر ان میں تیسری نشانی الصّٰلِحٰتِ مومن کی تیسری علامت یہ ہے کہ اس کے کام اس طریقے سے ہوتے ہیں کہ اس کے عام جائز کام عبادت اور نیکیوں میں شمار ہو جاتے ہیں یعنی مومن کا کھانا پینا سونا جاگنا چلنا پھرنا۔ معاملات لین دین تجارت وغیرہ ایسی خوشی اسلوبی اور مرضیٔ مولیٰ کے مطابق ہوتے ہیں کہ اس کے ہر صبر پہ مغفرت ہر عمل پر اجر اور ہر نیکی پر کبیر ثواب و درجہ انعام ملتا ہے یہ بات کافر کو میسر نہیں اگرچہ وہ بھی بہت سے جائز کام کر جاتا ہے کیوں کہ وہاں نہ صبر ہے نہ صالحیت نہ نیت خیر نہ شکر۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو توفیق خیر عطا فرمائے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے۔ **پہلا فائدہ**۔ اس آیۂ کریمہ سے مسلمانوں کو ایک سبق اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ ناشکرے بے صبرے مایوس متکبر انسان کو پسند نہیں فرماتا **دوسرا فائدہ** اس آیت پاک سے یہ پتہ لگا کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر چیز ہر انسان کو مفید ہی ہو بلکہ ایک ہی چیز ایک ہی وقت میں ایک کے لئے مفید تو دوسرے کے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ دیکھو امیری غریبی کافر کے لئے نقصان دہ کہ وہ ان دونوں سے عذاب اور جہنم ہی کماتا ہے مگر مومن کے لئے غریبی بھی رحمت کہ صابر بنتا ہے اور امیری بھی رحمت کہ شاکر بنتا ہے۔ چیز ایک ہی مزاج مختلف۔ شعر

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

تیسرا فائدہ اصطلاحات قرآنیہ کے مطابق لفظ انسان سے مراد اکثر صرف کافر ہوتے ہیں ان میں مومن شامل نہیں یہ فائدہ اِلَّا منقطع سے حاصل ہوا اسی طرح لفظ مومنین و متقین سے صرف مسلمان امت مراد ہوتی ہے۔ نہ کہ انبیاء کرام باری تعالیٰ جَلَّ مَجْدُہٗ کبھی بھی انبیاء کرام کے لئے عام خطاب نہیں فرماتا جیسا کہ اصلوب قرآن مجید سے ظاہر ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں **پہلا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ اَذَقْنٰہُ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت کیا اور مَسَّتْہُ کو اپنی طرف نسبت نہ کیا حالانکہ ہر چیز کا مؤثر حقیقی باری تعالیٰ ہی ہے۔ **جواب** اس کی چند وجہ۔ ایک یہ کہ اصل مقصود انسان کو نعمت پہنچانا ہے تکلیف ایک عارضہ ہے۔ اور اصل مقصود افضل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی نسبت باری تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی۔ دوسری یہ کہ عطیہ باری تعالیٰ بلا استحقاق اور بلا معاوضہ ہوتا ہے۔ تنگی تکلیف بندے کی اپنی لغزش کوتاہی سے اس لئے اَذَقْنٰہُ کی نسبت اپنی طرف فرمائی مَسَّتْہُ کی نسبت خود تکلیف کی طرف تیسری وجہ یہ کہ اللہ کریم اپنے تمام بندوں کو دنیا و آخرت کا آرام پہنچانا چاہتا ہے۔ اسی لئے اسلام جیسا آرام دہ دین پیدا فرمایا اور نبی کریم جیسا رحمت عالمین پیدا فرمایا مگر انسان سرکش جب ان سے روگردانی کرتا ہے تو طرح طرح کی مصیبتیں اٹھاتا ہے۔ دامن حبیب اور گوشۂ اسلام چونکہ محض کریم

کے کرم سے میسر ہوتا ہے اور اس سے فرار اپنے نفس امارہ کی ورغلاہٹوں سے اس لئے اَذَقۡنٰہُ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اور مَسَّتۡهُ کی نسبت فَتۡنَاہُ کی طرف ہوئی **دوسرا اعتراض** آپ کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ انسان سے مراد صرف کافر ہیں اور صرف کافر ہی مایوس اور ناشکرا ہوتا ہے۔ حالانکہ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے مسلمان بھی ایسی نازیبا حرکتیں کر بیٹھتے ہیں جس سے مایوسی بے صبری ناشکری ظاہر ہوتی رہے۔ **جواب** ۔ اصلاً تو یہ تینوں باتیں مایوسی بے صبری وغیرہ کافر کی ہی عادتیں ہیں مگر صحبتِ بد اور فسق وفجور میں مبتلا ہونے کی بنا پر بعض دفعہ بے وقوف مسلمان بھی بے صبری ناشکری کر بیٹھتا ہے لیکن یہ اس کی اصلیت نہیں ہوتی اس کے باوجود مسلمان گناہ گار ہی کیوں نہ ہو بے صبرا یا ناشکرا تو ہو سکتا ہے مگر مایوس ہرگز نہیں ہوتا کیونکہ اس کا انجام پر اعتقاد اور یقین کامل ہوتا ہے اور اسلام کی تعلیم ہی ایسی ہے کہ مسلمان سے مایوسی ناممکن۔ عام مسلمان کی بے صبری اس کی جلد بازی کی بنا پر ہوتی ہے اور ناشکری غفلت اور حماقت کی بنا پر۔

تفسیر صوفیانہ جس طرح کہ کائنات کی ہر چیز کا ظاہر و باطن ہے اسی طرح قرآن کریم کا بھی ظاہر و باطن ہے ظاہر کو علماءِ شریعت جانتے ہیں اور باطن کو صوفیاء راہِ طریقت۔ یہی وجہ ہے کہ ہر آیت میں شریعت کے مفسر کچھ تفسیر کرتے ہیں اور طریقت کے مفسر کچھ اور چنانچہ اس آیت مطہرہ میں علماء کے نزدیک انسان سے مراد کافر ہے مگر صوفیاء کے نزدیک انسان سے مراد وہ مسلمان ہے جس نے وادیِ معرفت میں پہلا قدم رکھا ہو اور منزلِ عشق ومستی کا مرید ہو ایسے ہی ناواقف نووارد کی یہ شان ہے کہ وَلَئِنۡ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً ثُمَّ نَزَعۡنٰهَا مِنۡهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـئُوۡسٌ كَفُوۡرٌ ۔ اور اگر ہم ایسے ہی انسان کو اپنے کرم سے بعض مقاماتِ الٰہیہ اور مشاہداتِ ربانیہ کے انوار کی لذت چکھا دیں پھر عین اپنی حکمت سے اُس سے یہ انکشاف ہٹالیں اور اسرار چھپا لیں تو بجائے اس کے کہ آئندہ کی امید رکھے اور منعم حقیقیہ سے لو لگاتے اور ہر حال میں ہم پر ہی توکل کرے مگر وہ ابلیس لعین کی طرح مایوس اور ناشکرا ہو کر دور وادیِ فنا میں ڈوب جاتا ہے۔ حالانکہ اس کے لئے لائق تھا کہ فقر وَغِنٰی مِنۡکَ وَرِضَا ۔ حضرت دوحنی میں مثلِ آدم علیہ السلام ہم پر ہی بھروسہ رکھے جاتا ہم میں مشغول رہتا اور قبض میں دعائیں کرتا اور حجاباتِ معرفت میں استغفار۔ اِن ظلمات میں اپنی کوتاہیوں پر غور کرتا کہ یہ سب بلا اسی کی وجہ سے ہے۔ مگر یہ نالائق تو کسی حال میں بھی کارسازِ حقیقی کی طرف نہیں دوڑتا یہاں ذرا رحمت چھیننے سے مایوسی اور ناشکری اختیار کی وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ نَعۡمَآءَ بَعۡدَ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّىۡ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوۡرٌ ۔ اور البتہ اگر ہم فراق کی اِس تنگی کے بعد وصل کی نعمت سے دوبارہ بہرہ ور اور لذت اندوز کر دیں محرومی ومردودی کے بعد پھر شرابِ محبت کا مزہ چکھا دیں تو پھر بشری ہیجان واضطراب غالب آجاتا ہے اور مقام لذت عَلِیّہ سے حالاتِ سفلیہ کی طرف گر جاتا ہے۔ اور کم ظرفوں کی طرح عوام کے سامنے فخریہ اور مغرورانہ کلام ولباس وعادات

اختیار کر لیتا ہے۔ اسرار کو ظاہر کرتا پھرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ شاید یہ نعمت وصل ہمیشہ رہے گی اور مہجوری کا زمانہ اب نہیں آئے گا بلکہ لباس صوفیانہ کو دنیا پرستی کے لئے دام تزویر بنانا چاہتا ہے۔ اور اسی حماقت پر فخر کرتا ہے حالانکہ نہیں جانتا کہ منزل سے پھسل چکا ہے۔ یہی وہ بدنصیب انسان ہے جو فرحت ایمانی کو چھوڑ کر فرحت غافلین میں مشغول ہوا کہ نعمت پر فخر کیا اور نعمت والے کو بھلا دیا فرحت ایمانی وہ ہے کہ مُنعِم حقیقی کی طلب اس کی عطا سے زیادہ ہو اور اس کی عطا کی طلب اپنی ذات سے زیادہ پیاری۔ یہ نعمت ان کو نصیب ہوتی ہے جن کی شان ہے اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے تقرب و تنزل۔ قبض و بسط ترقی و ہبوط۔ نور و ظلمت۔ حجاب و انکشاف میں صبر جمیل کیا اور سب کچھ کو صنعت قدیر سمجھا اور حالت لذت سرمدی میں ایسا مست ہوئے کہ اضطراب و فخر کا ہوش ہی نہیں رہا۔ بس استقامت شریعت کے سہارے وادی معرفت میں خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے اعمال صالحہ کرتے رہے اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ کَبِیۡرٌ۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ظہور نفس امارہ کے گناہوں سے مغفرت ہے اور عقل و نفس کی لغزشوں سے بخشش ہے اور حجابات مہجوری سے بچا کر قبولیت کے مرتبے میں چھپانا ہے۔ اور انکشافات تجلیات سرمدی کا اجر کبیر ہے اور صفات قدسیہ و افعال جلیہ و دارالجنان خلد بریں کا بڑا ثواب ہے (روح البیان۔ ابن عربی) متلاشی حق پر واضح ہے کہ شریعت دن کو ملتی ہے اور طریقت رات کو شریعت کی شاہراہیں دشوار ہیں اور طریقت کی گھاٹیاں ان دونوں کے حصول میں نہ جلد بازی کرنی چاہیئے نہ مایوسی نہ اضطراب نہ فخر و تکبر۔ کہ یہ حرکات سب سے بڑی رکاوٹ اور شان مسلم کے خلاف شریعت کے اعمال صالحہ سے ادب و اخلاق ملتا ہے اور طریقت کے اعمال صالحہ سے عشق اللہ و رسول۔ اور یہی سب سے بڑا اجر کبیر ہے۔ شریعت کے اعمال پنجگانہ نماز ہے اور طریقت کی نماز نماز تہجد۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعۡضَ مَا يُوۡحٰۤى اِلَيۡكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدۡرُكَ
پس شاید تم چھوڑنے والے ہو بعض اس کو جو وحی کی جاتی ہے طرف آپ کی اور تنگ ہونے والا
تو کیا جو وحی تمہاری طرف ہوتی ہے اس میں سے کچھ تم چھوڑ دو گے اور اس پر دل تنگ ہوگے
اَنۡ يَّقُوۡلُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ كَنۡزٌ اَوۡ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ
ہے اس سے آپ کا سینہ یہ کہ کہتے ہیں وہ کیوں نہ اتارا گیا پر اس خزانہ یا آیا ساتھ اس کے
اس بنا پر وہ کہتے ہیں ان کے ساتھ کوئی خزانہ کیوں نہیں اترا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ آتا

أَنْتَ نَذِيرٌ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيلٌ ﴿١٢﴾ أَمْ يَقُولُونَ

فرشتہ فقط تم ڈرانے والے ہو اور اللہ ہی ہر چیز کا محافظ یا کہتے ہیں وہ گھڑ لیا

تم تو ڈر سنانے والے ہو اور اللہ ہر چیز پر محافظ ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے

افْتَرٰىهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوا

اسنے اس قرآن کو۔ فرما دیجئے۔ تم بھی لے آؤ دس سورتیں مثل اس کی بنائی ہوئی اور

اسے جی سے بنالیا۔ تم فرماؤ کہ تم ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا

مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٣﴾

بلاؤ جس کو چاہو طاقت رکھتے ہو تم سے مقابل اللہ اگر ہو تم سچے

جو مل سکیں سب کو بلا لو اگر تم سچے ہو

تعلق اس آیہ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں کفار کے متکبرانہ کردار وگفتگو کا ذکر تھا اس آیت میں غرور کے نتیجے کا عملی ثبوت پیش کیا جا رہا ہے کہ اسلام لانے میں طرح طرح کے بہانے بازیاں اور قسم قسم کے مطالبات ان کے غرور کی وجہ سے ہیں **دوسرا تعلق** پہلے بتایا گیا کہ کافر اتنا ناشکرا اور بے صبرا ہے کہ کسی حال میں اپنے رب سے بھی راضی نہیں ہوتا اب بتایا جا رہا ہے کہ اے پیارے آپ دل تنگ نہ ہوں اور کافروں کی بیہودہ باتوں پر دھیان نہ دیں بلکہ تبلیغ کئے جاؤ۔

شانِ نزول وَلَئِنْ اَذَقْنَا سے لے کر فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ تک عبد اللہ بن امیہ مخزومی کے بارے میں نازل ہوئی وہ نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا تھا کہ اگر آپ سچے رسول ہیں اور آپ کا خدا ہر چیز پر قادر ہے تو آپ کو خزانے کیوں نہیں دیتا اور آپ کے ساتھ فرشتے کیوں نہیں آتے جو آپ کی نبوت کی گواہی دیں تب یہ آیات نازل ہوئیں۔

تفسیرِ نحوی فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ ۔ حرفِ فا ماقبل کے بیانِ اندیشہ کے لئے ہے لَعَلَّ دو معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے یہاں تین معنیٰ میں مراد لیا جا سکتا ہے ۱۔ یا یہ کہ امید کے لئے ہو اور یہی زیادہ مشہور ہے۔ اس معنیٰ میں دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ سننے والے کافروں کی امید مراد ہو دوسرے یہ کہ مخاطب کی امید مراد ہو تیسرا احتمال نہیں نکل سکتا۔ یا لفظِ لَعَلَّ استفہام انکاری کے لئے ہو یعنی شاید تم

چھوڑنے والے ہو۔ مطلب ہے کہ نہیں چھوڑنے والے ہو ۳ تیسرے یہ کہ لفظ لَعَلَّ دوری اور ناممکن کے لئے ہو تب معنیٰ اس جملے کے یہ ہوں گے کہ تم نہیں چھوڑ سکتے۔ کَ ضمیر واحد مذکر کا مرجع یا نبی کریم ہیں یا عام مبلغ تارِکٌ اسم فاعل بمعنیٰ مستقبل ہے ترکٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مہمل کرنا بیکار کرنا غافل ہو جانا۔ بَعْضَ پورا جملہ مرکب اضافی ہو کر تَارِكٌ کا مفعول بہ ہے مَا اسم موصول مضاف الیہ ہے یُوْحٰی مضارع مجہول وَحْیٌ سے مشتق ہے مراد آیات قرآنیہ و احکام اسلامیہ ہیں اِلٰی حرف جر بمعنیٰ قرب مکانی كَ میں وہی دو احتمال ہیں جو پہلے کَ ضمیر میں تھے وَضَائِقٌ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ یَّقُوْلُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ كَنْزٌ واؤ عاطفہ ہے ضَائِقٌ اسم فاعل ضَیْقٌ اجوف یائی سے بنا بمعنیٰ دل کی پریشانی تَارِكٌ پر عطف ہے۔ دراصل ضَیِّقٌ بروزن سَیِّدٌ تھا بوجہ حدوث کے اسم فاعل سے بدل گیا۔ یہ عام قاعدہ ہے بِ بعضیت کی ہے ہٗ ضمیر واحد مذکر کا مرجع بَعْضَ مَا یُوْحٰی ہے۔ صَدْرُ میں ۲ دو احتمال ہیں پہلا یہ کہ ضَائِقٌ کا فاعل ہو دوسرا یہ کہ تَارِكٌ معطوف علیہ ہو کر خبر مقدم ہو اور صَدْرُ مبتدا مؤخر۔ بعض نے فرمایا کہ ضَائِقٌ کی واؤ حالیہ ہے کیونکہ غیر متوقع شی پر عطف جائز نہیں ہوتا۔ کَ ضمیر واحد مذکر حاضر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ اَنْ ناصبہ مصدریہ ہے یَقُوْلُوْا مضارع معروف بمعنیٰ ماضی جمع مذکر غائب صیغہ ہے یَقُوْلُوْنَ تھا نون اعرابی اَنْ ناصبہ کی وجہ سے گر گئی اس کا فاعل سردارانِ قریش اور دیگر کفار مکہ ہیں لَوْلَآ ایک لفظ ہے حرفِ تحضیض ہے اس کے بعد فعل آنا لازم ہوتا ہے اس لئے اُنْزِلَ ماضی مجہول بولا گیا نَزْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ اوپر سے نیچے آنا یہاں بمعنیٰ اُعْطِیَ یعنی کیوں نہیں عطا فرمایا گیا عَلَیْهِ عَلٰی حرفِ جر بمعنیٰ فوقیت یہاں مع کے معنیٰ میں ہے كَنْزٌ اس خزانے کو کہتے ہیں جو خام شکل میں کانوں سے نکلتا ہے جس کی اصلی حقیقت اور صورت سب سے پوشیدہ رہتی ہے جب تک کان میں رہے کنز مخفی کہلاتا ہے۔ باہر نکل کر كَنْزٌ کہلاتا ہے صاف ہو کر مخزن کہلاتا ہے كَنْزٌ اُنْزِلَ کا نائب فاعل ہے۔ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ۔ اَوْ حرفِ عطف ہے جس نے اگلے جملے کو یَقُوْلُوْا کا مقولہ دوم بنا دیا جَآءَ فعل ماضی مَعَ ظرفیت کا ہے مَلَكٌ لام کے زبر سے فرشتے کو کہتے ہیں جن کا ظہور صرف انبیاء کے لئے ہوتا ہے اور انہی کے پاس ظاہراً آتے ہیں اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِیْرٌ اِنَّمَا ایک لفظ ہے جس سے حصر پیدا ہوتا ہے اس کا آسان ترجمہ ہے فقط اَنْتَ سے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے۔ نذیر صفت مشبہ کا صیغہ ہے بمعنیٰ ہر حالت میں ڈر سنانے والا وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ واؤ عاطفہ بیانیہ لفظ اللہ اسم ذاتی باری تعالیٰ کا ہے علیٰ حرفِ جر غالبیت کے لئے ہے کل موجبہ کلیہ کا سُوْر ہے جس نے تمام مخلوق کو شامل کر لیا شَیْءٍ مضاف الیہ نے تخصیص پیدا کر دی شی بروزن غَیْبٌ مَشِیْئَۃٌ اسم مفعول کے معنیٰ میں ہے وَكِیْلٌ وَكْلٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ حفاظت کرنا ہر طرح سے اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ۔ اَمْ حروف غیر عاملہ سے ہے جس کے معنیٰ کیا اور یا دونوں آتے ہیں یہاں بمعنیٰ کیا ہے۔ جس سے فقرہ استفہامیہ یقینیہ بن گیا۔ اَمْ ۲ دو قسم کا ہے ۱ اَمْ متصلہ ۲ اَمْ منقطعہ اسی کو منفصلہ بھی کہتے ہیں۔ اگر اس کا ماقبل مابعد سے ملا ہوا اور سوال چند چیزوں میں ایک کے بارے ہو تو متصلہ ورنہ منقطعہ یہاں اَمْ

منقطعہ منفصلہ ہے۔ متّصلہ کا ترجمہ ہوتا ہے یا منقطعہ کا ترجمہ ہوتا ہے کیا ابن قُشَیری نے کہا یہ اَمْ متّصلہ ہے اس کے معنیٰ ہیں یا۔ اور یہاں عبارتِ ماقبل پوشیدہ ہے (معانی) یقولون فعل مضارع استفہام عنہ ہے۔ چونکہ یہ قول کافر اکثر بلکہ اب تک کہتے ہیں اس لئے اس پورے جملے کا نام ہوا استفہامِ یقینیہ۔ معلومیہ جس چیز کے ہونے کا سائل کو علم ہو پھر اس کا سوال کیا جائے تو اس کو استفہامِ یقینیہ یا معلومیہ کہا جاتا ہے۔ اِفْتَرٰا باب افتعال سے ہے اس کے معنیٰ ہیں خوب سوچ سمجھ کر بات بنائی جو سراسر جھوٹ ہو (منجد عربی ص ۶۱۲) ہٗ کا مرجع قرآن مجید کی آیات ہیں قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ قُلْ صیغہ امر ہے جس میں امر نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ فَاْتُوْا فَ جزائیہ پہلے جملے کی جزا یہ اگلا جملہ ہے اَتُوْ اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لانا اِئْتُوْا امر ہے جمع مذکر حاضر کا صیغہ خطاب کفار کو ہے۔ بِ حرفِ جر بیانیہ یا زائدہ ہے بعض نے کہا یہ بِ بعضیت کی ہے مگر یہ غلط ہے عَشْرٌ بمعنیٰ دس وجوہِ اعراب میں یہ اگرچہ جمع مذکر سالم کی مثل ہے مگر جمع نہیں مگر اس کی تمیز جمع ہی آتی ہے۔ سُوَرٍ جمع ہے سورت کی جو تمیز یا صفت ہے عَشْر کی مِثْلِهٖ مِثْلُ لفظاً واحد ہے صفت ہے سُوَر جمع کی اگرچہ جمع کی صفت بھی جمع ہوتی ہے مگر لفظِ مثل میں یہ مطابقت شرط نہیں اس لئے کہ مثل چند قسم کا ہے۔ مثل فی الافراد۔ مثل فی النّوع۔ فی الجنس۔ فی الجزء۔ فی الکل۔ فی الجمع۔ فی التشبیہ۔ یہاں مثل فی الافراد مراد ہے نہ کہ جمع اس لئے وحدت ہی درست ہے بعض نے کہا یہاں قدر پوشیدہ ہے وہ واحد ہے اس لئے اس کی صفت مثل بھی واحد ہے بعض نے کہا مِثْل سُوَر کی صفت نہیں بلکہ عشر کی صفت ہے اور عشر لفظاً واحد اس لئے مثل بھی واحد ہ ضمیر واحد کا مرجع قرآن مجید ہے مُفْتَرَیٰتٍ سُوَر کی دوسری صفت ہے اِفْتِرَاءٌ سے مشتق ہے۔ اسم مفعول جمع مونث ہے۔ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔

واؤ عاطفہ ما بعد کا جملہ معطوف ہے اُدْعُوْا امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے خطاب کفارِ مکہ سے ہے باب نَصَرَ یَنْصُرُ ہے مادہ دَعْوٌ بمعنیٰ دعوت دینا ہے مِثَال واوِی۔ مَنْ اسم موصول مفول بہ ہے اُدْعُوْا کا اِسْتَطَعْتُمْ بابِ استفعال کا ماضی مُطْلَق جمع حاضر کا صیغہ ہے۔ یہ پورا جملہ صِلہ ہے مَنْ کا مِنْ زائدہ دُوْنِ بمعنیٰ مقابل یا سِوا دونوں ہو سکتے ہیں دونِ مضاف ہے لفظِ اللہ مضاف الیہ اِنْ حرفِ شرط ما بعد کا جملہ شرطِ موخر ہے اُدْعُوْا جزاءِ مقدم ہے۔ کُنْتُمْ فعل ناقصہ جمع کا صیغہ خطاب کفار کو ہے اسم پوشیدہ ضمیر اَنْتُمْ ہے اور اس کی خبر صٰدِقِیْنَ جمع ہے صادق (معنیٰ سچا) کی صَدَقَ کا اسم فاعل ہے۔

تفسیر عالمانہ اس آیت میں خطاب سراسر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ اے پیارے حبیب شاید تم وحی قرآنی کے بعض ان حصوں کو چھوڑ دوگے جن میں کفار کے بتوں کی برائی آئی ہے کفار نے کہا تھا کہ ہم کو وہ آیتیں نہ سنایا کرو جن میں ہمارے بتوں کی برائی ہے۔ کسی نے کہا کہ یہ قرآن مجید ہم کو منظور نہیں۔ دوسرا قرآن لاؤ کیونکہ اس میں بتوں کی برائی ہے۔ اور کفار نے آپس میں مشورہ کیا کہ نبی کریم کو اپنے ایمانوں کا اتنا یقین دلاؤ

اور اتنا مجبور کر دو تاکہ وہ ہمارے ایمان کی لالچ میں ایسی آیتیں سنانا چھوڑ دیں اور بعض کفار نے غلط قسم کے مطالبات کرنے شروع کر دیئے جس سے نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے درست نہ ہونے سے غمزدہ رہتے باری تعالےٰ نے کفار کو سنانے کے لئے فرمایا لَعَلَّكَ تَارِكٌ کافر سمجھے بیٹھے ہیں کہ شاید آپ ہمارے مطالبے مان کر بعض آیات کی تبلیغ چھوڑ دیں گے حالانکہ یہ محال بالغیر ہے کیونکہ انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں اور عصمت کے معنیٰ ہیں عیب نہ کر سکنا انبیاء کو کسی عیب کی طاقت ہی نہیں ہوتی (نسیم الریاض۔ شفا۔ شرح تجرید) انبیاء نہ گناہ کرتے ہیں نہ کر سکتے ہیں جیسے کہ فرشتے یہ لفظِ لَعَلَّ کفار کی ترجّی کے لئے آیا ہے ورنہ نبی کریم علیہ السّلام بتوں کی برائی کس طرح ترک کر سکتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو وہ آیات بھی صاف صاف بیان فرما دیں جس میں خود اپنی ذات پاک کو کچھ تنبیہ اور ظاہراً جھڑک تھی مثلاً عَبَسَ وَتَوَلّٰی وغیرہ۔ حالانکہ دیکھا گیا ہے کہ انسان وہ بات کبھی ظاہر نہیں کرتا جس میں اس کی ہیٹی ہوتی ہو لیکن پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے کہ آپ نے تبلیغ میں ذرا کمی نہ کی۔ ہاں کفار کے بیہودہ مطالبوں سے آپ کی دل تنگی ضرور ہوتی تھی۔ صدر سے مراد دل ہے۔ کیونکہ یہ باتیں تبلیغ میں رکاوٹ پیدا کرتی کرتی تھیں۔ تبلیغِ وحی نبی کریم کی روحانی غذا تھی جس طرح تبلیغ فرما کر شرحِ صدر ہوتا تھا اسی طرح تبلیغی رکاوٹوں سے ضیقِ صدر ہوتا تھا۔ اسی تنگی کا ذکر رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ اگر آپ اللہ کے حبیب ہیں پیارے ہیں تو آپ کے پاس خزانے کیوں نہیں اترتے یا آپ اکیلے ہی مارے مارے پھرتے ہیں تکلیفیں سہتے پھرتے ہیں آپ کی تصدیق کے لئے آپ کے ساتھ فرشتے کیوں نازل نہیں ہوتے۔ ان تمام باتوں کا جواب یہ ہی ہے کہ آپ صرف کفار کو ڈر سنانے والے ہیں اور اللہ تعالےٰ ہر چیز کا ذمہ دار ہے۔ دل چاہتا ہے تم ایمان لاؤ ورنہ خود مختار ہو۔ ہمارے نبی تمہارے بیہودہ مطالبے پورے کرنے کے لئے نہیں آئے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کوئی بات نہیں مانتے تو کہنے لگتے ہیں کہ یہ قرآن تو اُن کا اپنا بنایا ہوا ہے۔ اس کا جواب تو بہت آسان ہے کہ فرماؤ اُن سے اگر یہ کلام انسانی ساختہ ہے تو تم بھی اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر دکھا دو اور ہمارے نبی تو اکیلے ہی کلام سناتے ہیں تم کو کھلی اجازت ہے کہ جتنی طاقت رکھتے ہو دنیا بھر کے عربی دان اہلِ لسان فصیح بلیغ منطقی فلسفی اللہ کے سوا بلا لو اور سب مل کر سوچ سمجھ کر ایسے کلام جیسا بناؤ پھر تمہاری سچائی کا پتہ لگے گا۔ یہ آیت مکے مکرمہ میں نازل ہوئیں یہاں دس سورتیں لانے کا مطالبہ اور چیلنج دیا گیا مگر کسی کی کیا مجال تھی کہ اس مطالبے کو پورا کرتا۔ تو یہ بتانے کے لئے کہ دس سورتیں تم کیا بنا سکتے ہو تم تو اس جیسی ایک سورت بھی نہیں دکھا سکتے۔ لہٰذا مدینے منورہ میں جو پہلی سورت نازل ہوئی سورۂ بقرہ وہاں تیئیسویں آیت میں فرمایا کہ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ اچھا ایک ہی سورۃ بنا لاؤ۔ اور پھر کفار کو یہاں تک ڈھیل دی کہ سورتیں انتہائی چھوٹی کر دیں۔ تاکہ درازیٔ سورت کا بہانہ بھی نہ کر سکیں۔ مگر تمام دنیا کے کفار آج تک دو لفظی سورت بھی نہ بنا سکے۔ یہ کلام خداوندی کا معجزہ ہے جو تا قیامت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ فائدہ من دون اللہ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات اس آیت کریمہ پر چند اعتراض وارد ہوتے ہیں ان کے جواب ملاحظہ ہوں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا ہے لَعَلَّكَ لفظ لعل ترجی اور امید کے لئے آتا ہے جس میں شک اور احتمال ہے رب تعالیٰ شک سے پاک ہے۔ اور یہ جملہ مثل شکایت سے ہے۔ جیسے استاد شاگرد سے یا آقا غلام سے یا حاکم محکوم سے یا محبوب حبیب سے شکایت کرتا ہے۔ شکایت کرنا اللہ کی شان کے خلاف ہے۔ **جواب**۔ اس کے چند جواب تفسیر میں گذر گئے جن کا خلاصہ یہ کہ یہ ترجی کفار کی نسبت سے ہے یعنی وہ اس امید میں لگے بیٹھے ہیں اور اگر اس کی نسبت کفار کی طرف نہ کی جائے تو مطلب یہ ہے کہ فرض محال ایسا ہو تو کفار کو سمجھ لینا چاہیئے کہ نبی کریم صرف نذیر ہیں اور یا یہ کلام محض تسلی کے لئے ہے مگر پہلا جواب درست ہے **دوسرا اعتراض** اللہ تعالیٰ نے یہاں ضَآئِقٌ فرمایا زیادہ مناسب یہ تھا کہ ضَيِّقٌ فعل ماضی فرمایا جاتا۔ تاکہ صدرک اس کا صحیح فاعل بن جاتا جملہ فعلیہ مضبوط اور حتمی ہوتا ہے اس کا زمانہ مقرر ہوتا ہے اسم فاعل میں کوئی حتمی زمانہ نہیں ہوتا **جواب**! اس لئے ضَآئِقٌ فرمایا تاکہ پتہ لگے کہ یہ تنگی دل حتمی یقینی اور مضبوط یا دائمی نہیں بلکہ عارضی اور غیر ثابت ہے۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک جتنا کشادہ ہے اور کائناتِ عالم میں جتنے فسیح و فراخ دل ہیں مخلوق میں ایسا حوصلہ مند کوئی نہیں یہ نبی پاک کے سینۂ مبارکہ کی کشادگی اور فراخ دلی ہی کا نتیجہ ہے کہ وہابی جیسے گستاخ بھی زندہ بچے چلے آرہے ہیں۔ دنیا میں جتنے دشمن نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں کسی کے نہ ہوتے مگر پھر بھی سب پر اظہار رحمت ہی ہے۔ قربان جاؤں ایسے رحیم کریم فراخ سینے پر صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ

تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ۔ یعنی تم بھی اسے کا فرو اس جیسی دس بناوٹی سورتیں لے آؤ۔ گویا کہ تسلیم کر لیا کہ یہ بناوٹی ہیں کیونکہ مثلیت تو تب ہی مکمل درست ہو سکتی ہے۔ بہتر یہ تھا کہ کہا جاتا کہ اس کی مثل نہ لاؤ بلکہ تم اصل رب کا کلام لاؤ اس طرح مفتریات کہنے سے قرآن کریم کے افترا کا خطرہ گذرتا ہے حالانکہ قرآن پاک افترا نہیں ہے **جواب** مثلیت سے مراد جنسی یا نوعی تشبیہ نہیں ہے بلکہ صفتی وصفی مثلیت مراد ہے یعنی فصاحت و بلاغت میں مثل مقصد یہ ہے کہ اگر ہمارے محبوب نے ایسا فصیح و بلیغ کلام خود بنا لیا ہے تو اس کی مثل فصیح کلام تم بھی بنا لو یا مطلب یہ ہے کہ جس کو تم اپنے گمان میں بناوٹی کلام کہہ رہے ہو تو اسی جیسی بناوٹی تم بھی پیش کر دو اس مطلب سے یہ مثلیت جنسی بھی ہو سکتی ہے۔ **چوتھا اعتراض** قرآن کریم میں رب تعالیٰ نے دنیا بھر کے معترضین مخالفین کو چار مرتبہ اس چیز کا چیلنج فرمایا کہ اے قرآن پاک کو انسانی اور غیر خدائی کلام کہنے والو تم اس جیسا کلام بنا کر دکھاؤ۔ پہلا چیلنج اور دعوتِ مقابلہ پورے قرآن کے متعلق ہے اور صاف صاف سب جنات اور انسانوں کو ہے خواہ عربی ہو عجمی ہوں فصیح ہوں یا بلیغ۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا پ ۱۵ سورۃ الاسرا آیت ۸۸ ترجمہ فرما دیجئے کہ اگر سب کائنات کے انسان اور جنات جمع ہو جائیں اس بات پر کہ اس قرآن کی مثل لے آئیں تو کبھی اس کی مثل نہیں لا سکتے اگرچہ یہ سب ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔ دنیا بھر نے یہ چیلنج سنا مگر کسی نے قبول نہیں کیا۔ تو رب تعالیٰ نے دوسرا چیلنج دیا جس میں پورے قرآن مجید بنانے کا نہیں صرف دس سورتیں بنانے کی دعوتِ مقابلہ ہے جو یہیں مذکورہ آیات میں ہے۔ مگر کسی نے اس کو بھی قبول نہیں کیا۔ جب انسانی طاقتوں نے اس کی جرأت نہ کی تو تیسری مرتبہ صرف ایک ہی بڑی سورت بنا کر دکھلانے کا چیلنج دیا جیسا کہ پارہ گیارہ سورۂ یونس ۱۰ آیت ۳۸ میں ہے قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ. ترجمہ اے پیارے نبی ان منکرین کلامِ الٰہیہ سے فرما دو کہ اچھا پورا قرآن نہ سہی دس سورتیں نہ سہی صرف ایک بڑی سورت ہی اس جیسی بنا کر دکھا دو۔ مگر دنیا جانتی ہے کہ کسی بھی کافر نے یہ چیلنج بھی قبول کرنے کی ہمت نہ کی یہ تینوں چیلنج مکی زندگی پاک میں خود نبی کریم کی زبانی دلوائے گئے۔ جب یہ سارے شور مچانے والے کافر بڑی سورت لانے سے بھی عاجز رہ گئے تو چوتھی بار مدنی زندگی میں منکروں کو قرآن پاک کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل بنانے کا چیلنج دیا گیا۔ چنانچہ پہلے پارے سورۂ بقرہ آیت ۲۳ میں فرمایا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ یعنی چھوٹی سی سورت اس کی مثل بنا کر دکھا دو۔ قرآن کریم میں سب سے چھوٹی سورت وَالْعَصْر اور کوثر ہے مگر اس چیلنج کو بھی کوئی قبول نہ کر سکا۔ مِنْ مِّثْلِهٖ میں حرف مِنْ بعضیت کا ہے جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ چھوٹی سورت مراد ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ آخر اہل عرب اتنے بڑے بڑے شاعر فصیح بلیغ علماء عرب گذرے تو انہوں نے اس چیلنج کو قبول کیوں نہ کیا۔ یہ راز کیا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ چیلنج پوشیدہ رہے۔ بلکہ زمین کے کونے کونے میں مشہور طوفان کی لہروں میں سمندر کی تہوں۔ دشت و بیابان میں قرآن مجید پہنچا جن و انس نے سنا۔ **جواب** : سائل کے سوال کے آخری شق یعنی مِنْ مِّثْلِهٖ میں مِنْ بعضیت کا بھی ہو سکتا ہے مگر اکثر مفسرین اِس کو مِن بیانیہ کہتے ہیں اور مِثْلِهٖ کی ضمیر واحد غائب کا مرجع ذات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تب مطلب یہ بنتا ہے کہ قرآن مجید کی کوئی سورت خواہ چھوٹی خواہ بڑی اس جیسی ذات کی مثل سے بنوا کر لاؤ یعنی دنیا بھر میں نہ تم کو قرآن مجید جیسا کلام ملے گا اور نہ محمد مصطفےٰ جیسی ذات ملے گی۔ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تفسیر عشاق کے نزدیک زیادہ پسند ہے اور قواعد سے بھی قریب تر ہے مِنْ کو تبعیضیہ مان کر پھر چھوٹی سورت مراد لینا بقواعدِ نحویہ بعید ہے۔ ہاں البتہ سورۃ کی تنوین کو قلت کی تنوین مان کر پھر چھوٹی سورت مراد لی جا سکتی ہے لیکن پھر سائل کی پیش کردہ ترتیب درست نہ ہو گی بلکہ تینوں جگہ چھوٹی سورتیں ماننی پڑیں گی۔ یہ تو سائل کے طرزِ سوال پر جرح تھی مگر کسی اہلِ عرب عالمِ فاضل کا اس چیلنج کو قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی عبارت میں چار خصوصیات ایسی ہیں جس کی وجہ سے کوئی انسان جن یا فرشتہ اس جیسا کلام نہیں بنا سکتا۔ ۱ خصوصیت

یہ کہ اس میں عظیم فصاحت ہے جس تک ذہنِ انسانی کی رسائی نہیں ۔۲ اس کی بلاغت بے مثل ہے ۔۳ تیسری خصوصیت غیبی خبریں یہ خبریں بجز رب تعالیٰ کوئی نہیں دے سکتا۔ چوتھی خصوصیت الفاظ کا بے مثل ربط۔ اور تعلق ہے۔ یہاں تک کہ حروفِ ابجد کے لحاظ سے بھی ایسا حیران کن ربط ہے کہ پہلی آیت سے لے کر آخری آیت تک تسلسل جڑتا چلا گیا ہے اور جہاں جو لفظ ہے وہ ایسا مناسب ہے کہ اگر ایک حرف بھی وہاں سے تبدیل کر دیا جائے تو وہ ربط ٹوٹ جائے گا کلام بنانا تو درکنار اس ربط کو سمجھنے میں عقولِ عقلا متحیر ہیں یہ سب باتیں وہی اہلِ عرب سمجھتے تھے اس لئے جرأت نہیں کرتے تھے کہ کچھ عبارت اس کے مقابلے میں بنائیں اور یہ گہرائی باریکی تو اہلِ زبان ہی جان سکتا ہے۔ عجمی گنوار کو کیا پتہ لگے مثلاً صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں بسم اللہ شریف قرآن مجید کی چابی اور مفتاح ہے صوفیاءِ کرام نے یہ بات اپنے تصوف کے اعتبار سے کی ہوگی یا غالباً کن اسرار سے واقف ہو کر انہوں نے یہ فرمایا مگر اسی فرمان کا سہارا لے کر ہمارے دور کے مفکرین نے ایک نئی تحقیق پیش فرمائی چنانچہ لکھتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ظاہری حروف انیس ۱۹ ہیں۔ جب ہم نے زیادہ غور کیا تو سارے قرآن مجید میں بسم اللہ کے الفاظ کو انیس ۱۹ ہی کے گھیرے میں پایا۔ بعض ۱۹ کے عدد میں بعض ۱۹ کے ضرب میں۔

لفظ اسم سارے قرآن مجید میں انیس ۱۹ دفعہ آیا ہے۔ دوسرا لفظ اللہ جو کل چھبیس سو اٹھانوے ۲۶۹۸ دفعہ آیا اور ضرب دینے اور تقسیم کرنے سے ۱۹ پر پورا ہو گیا تیسرا لفظ رحمٰن ہے یہ بھی ۵۷ دفعہ آیا انیس کو ۳ سے ضرب دینے سے صحیح ہوا۔ اسی طرح رحیم ۱۱۴ دفعہ ہے لیکن انیس کو چھ سے ضرب دیا تو ۱۱۴ ہوتے یہ کتنا عجیب اتفاق ہے۔ ایسا رابطہ کتنے بڑے حساب دانی بلکہ قدرت کے عظیم شاہکار اور صفتِ الٰہی ہونے کی غمازی کرتا ہے۔ اسی چیز نے کفر کی دنیا میں فتنہ ڈال دیا اور کوئی بھی اس کی مثل سورت نہ بنا سکا۔ اور یہ بات خود قرآن مجید نے بھی اشارۃً بتا دی ہے۔ چنانچہ سورۃِ مدثر میں اس بات کا ذکر فرما کر کہ کافر اس کلام الٰہی کو بشر کا کلام کہتے ہیں پھر فرمایا عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ - اس پر انیس ۱۹ کی حکومت ہے پھر فرمایا وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور ان کی اس تعداد کو ہم نے کافروں کے لئے ایک بڑی آزمائش ہی بنایا ہے۔ ان آیات سے انیس کے عدد کی اہمیت قرآن کریم نے بتائی۔ علماءِ جعفر بتلاتے ہیں۔ کہ انیس کی پندرہ خصوصیات ایسی ہیں جو بیک وقت کسی عدد کی نہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انیس خود برابر تقسیم نہیں ہوتا۔ دوسری یہ کہ انیس میں اول آخر عدد اصلی جمع ہے۔ ۹ آخری اکائی ہے اور ایک پہلی اکائی۔ اگر دنیاءِ کفر صرف بسم اللہ شریف میں غور کر لے تو واضح ہو جاتے کہ یہ انسانی کلام نہیں۔ بھلا کس انسان میں طاقت ہے کہ پہلے سے سوچ کر اپنے ذہن میں تیاری کر لے کہ میں نے اتنی بڑی اتنی ضخیم کتاب بنانی ہے جس کا پہلا جملہ ساری کتاب پر محیط ہوگا۔ خاص کر آقا صلی اللہ علیہ وسلم جن کی زندگی پاک اہلِ مکہ کے سامنے گزری کسی سے حساب اور علم ریاضی نہ سیکھا۔ سب وحی الٰہی صحابہ کے سامنے آئی جن میں منافق اور نکتہ چین عیب جُو نقاد عربی دان بھی پاس ہی ہوتے تھے اور نہ ہی بسم اللہ شریف اور قرآن مجید کے اس رابطے کو اتفاقی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ اتفاق ایک یا دو مرتبہ ہو سکتا ہے زیادہ مرتبہ نہیں۔ یہاں تو ہر لفظ ہی ۱۹ پر

مطابق ہے۔ اسم بھی رحمٰن رحیم بھی لفظ اللہ بھی ایک یا دو لفظ تو کسی بھی مصنف کے مطابقت دکھا سکتے ہیں مگر تمام الفاظ کی یہ حالت ہونا ناممکن ہے۔ بس ماننا پڑے گا کہ یہ قدرت کی صفت کاملہ اور معجزہ احمد مجتبیٰ ہے جو تا قیامت ظاہر و باہر ہے اور خود قرآن کریم نے فرمایا یہ حکمتوں والی کتاب ہے۔ یعنی اس کی حکمتیں ہر شخص پر ظاہر ہوتی رہیں گی۔ صرف عربی بنانے کا ہی چیلنج نہیں دیا گیا ہے۔ کوئی اس مقابلے کو قبول کرنے والا ایسی حکمتیں بھی تو لے کر آتے سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام سورۃ عَلَقْ کی وحی لے کر آتے یہ سورت اسی ترتیب سے انیسویں سورت ہے۔ دوسری وحی میں سورتِ قلم کی چند آیات لے کر آئے سورۃ علق میں انیس آیتیں ہیں۔ تیسری بار سورت مزمل کی چند آیات وحی آئی۔ چوتھی وحی مُدثّر کی تیس آیات ہیں۔ اسی کی تیسویں آیت میں انیس کا ذکر ہے اس کے بعد بسم اللہ شریف نازل ہوئی اس کے حروف انیس ہیں عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ میں ھا ضمیر ہے اس کا مرجع مُضمر ہے۔ مفسرین فرماتے جہنم کے چوکیدار منتظم مراد لئے ہیں۔ لیکن اگر اس سے بسم اللہ شریف کے انیس حروف مراد لئے جائیں تب بھی روا ہے۔ انیس[19] سورتیں ایسی ہیں جن کی ابتدا حروف مقطعات سے ہوتی ہے۔ صرف تدبر کی ضرورت ہے پتہ لگ جاتا ہے کہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف نہایت پیچیدہ طریقے سے سجایا گیا ہے۔ اس طرح مناسب ترتیب سے حروف کا اجتماع ذہن انسانی سے ناممکن ہے۔ عربی حروف ۲۸ ہیں جن کا آدھا چودہ ہے۔ حروف مقطعات بھی چودہ۔ مثلاً ا۔ ل۔ م۔ ط۔ س۔ ح۔ ر۔ ص ع۔ ن۔ ک۔ ق۔ ی۔ ان کے مجموعے بھی چودہ ہیں۔ گویا کہ چودہ حرف۔ چودہ مجموعے اور انتیس سورتیں۔ کل ستاون[57] ہوئے ان کو تین سے تقسیم کرو تو ۱۹ رہے۔ اشارہ ہے کہ بسم اللہ شریف ہی محیط ہے۔ یہ تو ہوا بسم اللہ شریف کا سارے قرآن مجید سے تعلق۔ اب دوسرے حرفوں کو دیکھئے۔ ایک حرف ق ہے۔ سورتِ شوریٰ اور سورتِ ق دونوں کے ابتدا میں ق ہے۔ ۱ عٓسٓقٓ ۲ قٓ حیران کن بات یہ ہے کہ سورۂ شوریٰ میں حرف ق ستاون مرتبہ ہے اور سورۂ ق میں بھی اور ۵۷ تین دفعہ ۱۹ پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ اور دونوں سورتوں کے قاف کو جوڑو تو ایک سو چودہ[114] بنتے ہیں۔ انیس[19] کو چھ سے ضرب دو تو ایک سو چودہ بنتے ہیں اور قرآن مجید کی سب سورتیں ۱۱۴ ہیں اس سے ثابت ہوا کہ اے انسانوں تمہارے لئے ق یعنی قرآن ایک سو چودہ[114] سورتوں میں ہے نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ کون سی یکتا ذات ہے جس نے قرآن مجید کی ایسی شاندار تحریر فرمائی کہ جو اس میں ہی اس کی بے مثلیت ثابت کر رہی ہے ان باریکیوں سے کون جرأت کرے کہ اس کی مثل لے کر آتے۔ کس نے دونوں سورتوں کے حرفِ ق کو تعدادِ سُوَرْ کے برابر کر کے صفتِ خدا کے ساتھ ساتھ ہی قرآنِ پاک کو معجزۂ مصطفےٰ بھی بنا دیا۔ پھر جس طرح انیس حرفی بسم اللہ شریف قرآن کریم کی ہر سورت ہر آیت میں جلوہ گر ہے اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ رب تعالیٰ نے قرآن پاک کا جو حرف جہاں رکھا اِس طرح سے عین مناسب رکھا کہ اگر ذرہ برابر اس حرف کو آگے پیچھے کر دیا جاتے تو نظامِ کلام درہم برہم ہو جاتے اس کی مثال اس طرح سمجھئے کہ سورۂ قاف کی آیت ۱۳ اس طرح ہے وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ۔

قرآن مجید میں بارہ جگہ آیا ہے قوم لوط مگر یہاں آیا ہے اِخْوَانُ لوطٍ - یہ ایسے ہی اتفاقیہ نہیں لکھا گیا بلکہ نہایت دانائی سے یہ سمجھ بوجھ اور علم و حکمت سے ایسا کیا گیا ہے کیونکہ اگر یہاں بھی اخوان کے بجائے قوم ہوتا تو اس سورت قاف میں ایک قاف بڑھ جاتا اور ساون کے بجائے اٹھاون ق ہوتے اور ۱۹ سے ضرب نہ دیئے جا سکتے - اسی طرح دونوں سورتوں شوریٰ اور ق کے حروف ق کی تعداد ۱۱۵ ہو جاتی اور انیس کا نظام ٹکڑے ہو جاتا اور ظاہراً ق بالکل بے معنیٰ ہو جاتا - معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے ایک حرف کے زیادہ یا کم کرنے سے کتنا فرق پڑتا ہے پورا حسابِ قرآنی ختم ہو کر رہ جاتا ہے - کفارِ عالم کے علاوہ کتنے کم عقل ہیں وہ شیعہ رافضی جو یہ بکتے اور کہتے پھرتے ہیں کہ صحابہ نے قرآن مجید کی آیتیں بدل دیں - خدا کے بندو کچھ ہوش سے کام لو آیتیں تو در کنار اس کا تو ایک حرف نہیں بدلا جا سکتا - جیسا کہ اس تحقیق و تدبّر سے ثابت ہوا اسی طرح حرف نون ہے سورۃ القلم اسی سے شروع ہوتی ہے اس سورت قلم میں اس کی تعداد ایک سو تینتیس ہے - ۱۹ کو سات سے ضرب دو تو ۱۳۳ حاصل ہوتے ہیں - اسی طرح حرف صاد - سورت ص کے شروع میں ص آتا ہے - سورۃ فرقان - سورۃ مریم بھی اسی حرف سے شروع ہوتی ہے - ان تینوں سورتوں میں ص کا حرف ۱۵۲ مرتبہ آیا - ۱۹ کو آٹھ سے ضرب دو تو ایک سو باون بنتے ہیں - ایسے ہی سورۃ اعراف جو المص سے شروع ہوتی ہے اس کی آیت ۶۹ میں لفظ بَصْطَۃً ہے جو در اصل بَسْطَۃً تھا موافقت کے لئے س کو ص سے بدلا گیا - سات قرأتوں میں ص ہی ہے ایک قرأت میں س ہے - اس لئے مشہور قرأت ص ہی ہے اس جگہ ص آنے سے ص کی تعداد اس سورت میں ۱۵۲ ہوئی ورنہ ۱۵۱ ہوتا - اب اندازہ ہو گیا یہاں سے ص ہٹانا گڑبڑ پیدا کر دے گا ثابت ہوا کہ ہر لفظ ہر حرف اپنی جگہ انتہائی مفید ہے - اور کسی کی جرأت نہیں جو اس کے لفظوں میں تبدیلی کر دے - اور یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ قرآن مجید صرف عربیوں کے لئے نہیں بلکہ ہر ایک انسان عربی عجمی کے لئے ہے - کیونکہ کلام اللہ کا یہ لفظی معجزہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور کوئی شخص اس کی مثل بنانے کی جرأت نہیں کر سکتا سورۃ طٰہٰ میں - ط - ہ - کی مجموعی تعداد تین سو چھیالیس ہے - جب انیس کو اٹھارہ سے ضرب دیا تو ۳۴۶ ہوتے - حرف طا چار سورتوں کے اول میں آیا ہے - اور حرف ھا سورۃ مریم اور طٰہٰ کے اول میں آتا ہے - جب ہم نے ان سورتوں کے ط اور ہ کو جمع کیا تو مجموعہ ہوا پانچ سو نواسی - اس کو انیس سے ضرب کیا تو ۳۱ ضرب ۱۹ ہوا - اسی طرح - سورت شعرا - نمل - قصص - یٰسٓ - احقاف میں س کی اور حرف ی کی گنتی کریں تو ان کا مجموعہ ہو گا ۹۶۹ ہے - اور جب ۱۹ کو ۵۱ سے ضرب دیا تو ۹۶۹ ہو گئے کیسا تعجب خیز اور حیران کن رابطہ ہے کہ ایک حرف کم نہیں ہو سکتا نہ ایک زاید اور ہر جگہ بسم اللہ شریف کی جلوہ گری ہے - ماننا پڑے گا کہ لفظ قُلْ ھُوَ اللہ جہاں لکھا وہیں مناسب ہے - اللہ الصمد جہاں لکھا گیا وہیں درست ہے ذرا آگے پیچھے کیا تو غلط ہوا - یہ تو وہ تحقیق ہے جو ہم جیسے عجمیوں کو بھی نظر آ جاتی ہے اہلِ عرب نے نا معلوم اس سے بڑھ کر کون کون سی معجزانہ

عبارت دیکھی تھی جس سے وہ اس کی مثل لانے سے قاصر ہے اور قاصر ہیں۔ بہر حال ماننا پڑے گا کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ اس کی مثل نہ ہوا ہے اور نہ کسی سے ہو سکے گا۔ یہ ایک ادنیٰ تحقیق ہے جو آپ کے سامنے پیش کی گئی۔ ورنہ اس کا تو ہر نقطہ معجزہ ہے اور تا قیامت باقی ہے کیونکہ نبی کریم تا قیامت باقی ہیں۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

ایک بزرگ نے فرمایا کہ بسم اللہ شریف میں توحید باری کا اشارہ ہے۔ کہ اس کے حرف ۱۹ یعنی نو اور ایک ہیں جب اُن کو جوڑا جائے تو ایک اور نو مل کر دس ہو جاتے ہیں۔ اور دس کا صفر بیکار ہے تو اس کو علیحدہ کیا جائے تو ایک اَحد ہوا یہی توحید الٰہی ہے کہ اُس کو واحد مانو۔

تفسیر صوفیانہ

جِبلّت اور فطرت انسانی ہے کہ جب اس کی بات کو تسلیم کیا جائے اور خوشی کا اظہار مخاطبین سے ظاہر ہو تو متکلم کی خوشی دوچند ہو جاتی ہے اور اس کا سینہ مسرت سے کھل جاتا ہے اور اس کو تکلّم کا ایسا لطف آتا ہے کہ وہ سامعین کو جوہر علمی سے نوازتا ہے۔ اور متکلم کی لذت سے مخاطَب کی لذت پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متکلم خواہ کسی مقام پر ہو۔ استاد ہو یا مبلغ واعظ مرشد ہو یا حاکم وقت ہر شخص اس بات کا متمنی ہوتا ہے یہی وہ لذت ہے جس سے وعظ و نصیحت استادی شاگردی پیری مریدی کی سچی تبلیغ آسان تر ہوتی چلی جاتی ہے اگر مبلغ اور مرشد وہادی کو یہ چیزیں میسر نہ آئیں تو ایسی دل تنگی ہوتی ہے کہ بڑے بلند حوصلے والے ہی اس میدان میں ٹھہر سکتے ہیں۔ اس میدان میں سب سے بلند حوصلہ انبیاء کرام کا ہے ہزاروں دشمنوں میں چاروں طرف سے گھر کر بھی تبلیغ اسلام سے منہ نہ موڑا اور اپنے پرایوں میں بھی پوری سچی تبلیغ فرمائی۔ اور سب سے زیادہ تبلیغی دشواری کا سامنا تو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا کہ ایسی پیاری رحمت بھری سچی تعلیم کے مقابلے میں ہزاروں دشمن ہیں اور بجائے غور و فکر کرنے کے الٹے الٹے مذاق اور بیہودہ مطالبے کر کے دل تنگی اور گھبراہٹ کا سامان پیدا کرتے ہیں اور بجز پروردگار عالم کوئی تشفی و تسلی کرنے والا نہیں ایسے مرحلے کہ ہزاروں بہادروں کے حوصلے پست ہو جائیں مگر محمد ہیں کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی ان حالات میں دل تنگی اور غمگینی و افسوس لازمی امر تھا۔ جس کو دور کرنے کے لئے یہ تسلی آمیز کلام فرمایا گیا کہ اے پیارے حبیب تم تو فقط معرفت الٰہی سے دور ہونے والوں کو انجام کار سے ڈرانے والے۔ اور جو لذت عشق الٰہی سے بے خبر ہیں ان کو جگانے والے ہو جاگنا اور قریب آنا تو ان بدنصیبوں کا اپنا کام ہے۔ پھر یہ اتنے بے وقوف بن جاتے ہیں کہ کلام الٰہی کو بناوٹی کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ خالق و مخلوق کی چیزوں میں واضح فرق یہ ہے کہ جس کی مثل بن سکے وہ مخلوق کی چیز ہے اور جس کی مثل نہ بن سکے وہ خالق کائنات جَلَّ مجدہٗ کی پیدا کردہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء کی مثل کوئی نہیں بنا سکتا تو کلام تو بدرجہ اولیٰ بے مثل ہے۔ اس کی مثل کوئی کس طرح بنا سکتا ہے۔ اگر اب بھی نہیں مانتے تو مقابلہ کر کے

دیکھ لو۔ اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر دکھادو۔ بے شک اللہ تعالےٰ اپنے حبیب کی ہر چیز پر وکیل و محافظ ہے تم اپنے سارے مددگاروں کو بھی بلالو اور جتنی تم میں طاقت ہے زور لگالو۔ مگر میرے حبیب کی کسی چیز کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اے پیارے ان کو کھلے دل عام چیلنج کر دو۔ بہرحال آپ کفار کو ڈراتے رہیں جو ڈر جائیں گے ان سے ہم حجاب باطنی کے پردے کھول کر ان کو وادی قرب میں لے آئیں گے اور وہ عشق و معرفت کے مزے پائیں گے۔ لیکن جو بے باک اور نڈر متکبر مغرور بنے رہیں گے تو ان پر آپ کی تبلیغ و حجت پوری ہو جائے گی

فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ
تو اگر نہ جواب دیں وہ کافر کی تمہاری بات تو جان لو فقط نازل کیا گیا ہے علم اللہ
تو اے مسلمانو اگر وہ تمہاری اس بات کا جواب نہ دے سکیں تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کے علم ہی سے اترا ہے
وَاَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ
اور یہ کہ نہیں معبود مگر وہ پس کیا تم ماننے والے ہو جو شخص ہو
اور یہ کہ اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں تو کیا اب تم مانو گے جو
کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا نُوَفِّ اِلَیْھِمْ
چاہتا زندگی دنیوی اور اس کی زینت ہم پورا دیں گے طرف ان کی
دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتا ہو ہم اس میں ان کا پورا پھل دے دیں گے
اَعْمَالَھُمْ فِیْھَا وَھُمْ فِیْھَا لَا یُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِکَ
عمل ان کے میں اس دنیا اور وہ میں اس نہ کم کیے جائیں گے یہی ہیں
اور اس میں کمی نہ دیں گے یہ ہیں وہ
الَّذِیْنَ لَیْسَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا
وہ لوگ نہیں ہے لیے ان کے بیچ آخرت مگر آگ اور برباد گیا وہ جو
جن کے لیے آخرت میں کچھ نہیں مگر آگ اور اکارت گیا جو

صَنَعُوْا فِیْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

کیا انہوں نے میں اس اور مٹ گئے وہ جو تھے وہ کرتے

کچھ وہاں کرتے تھے اور نابود ہو گئے جو ان کے عمل تھے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات کریمہ میں اُن کے مطالبات اور کفریہ دعووں کا ذکر تھا کہ معاذ اللہ یہ قرآن کریم انسانی بناوٹ ہے۔ اُن کو چیلنج دیا گیا تھا کہ تم بھی اس جیسی بناوٹ کر کے دکھا دو اب اِن آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ کبھی بھی اس مقابلے میں نہیں آسکیں گے لہٰذا اے مسلمانو تم ثابت قدم رہو اور اے خوش بختو تم دامنِ محبوب سے لپٹے رہو۔ ان کو چھوڑ دو جو چاہیں کہتے پھریں **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں کفار سے فرمایا گیا تھا کہ اپنے جھوٹے معبودوں پنڈتوں پادریوں کو بلا لو اور ان سے کہو کہ ہماری مدد کرو ہمیں کچھ عربی کلام بنا دو تاکہ ہم قرآن پاک کا مقابلہ کریں اب فرمایا جا رہا ہے کہ بُت اور دیگر معبودِ باطل اور پنڈت پادری تمہاری دعوت کو قبول نہ کریں اور تمہاری ساری امیدیں خاک میں مل جائیں تو اب بھی بندے بن جاؤ اور جان لو کہ یہ قرآن کریم اللہی کے علم سے نازل ہو رہا ہے۔ اور وہی سچا معبود ہے جس کی طرف محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں۔ خیریت اسی میں ہے کہ مسلمان ہو جاؤ کیا تیار ہو تم۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ کے پاس آسمانی دفینہ اور کثیر مال کیوں نہیں یہ مطالبہ ان کی دنیا پرستی اور دنیوی رغبت و خواہش کا مظہر تھا کیونکہ دنیا دار ہمیشہ اور ہر طرف دنیا ہی دیکھنا چاہتا ہے۔ دنیا دار انبیاء اولیاء کے پاس بھی دنیا ہی دیکھنا چاہتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ دنیا ہی اور مال دولت ہی کامیابی اور سچائی کی دلیل ہے ان کی خواہش تھی کہ نبی کے دروازے سے بھی ہم کو دنیا کا مال ہی ملے۔ اب اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اے بیوقوفو نبی پاک صاحب لولاک کے دروازے سے دنیوی حقیر ذلیل مال کی خواہش رکھتے ہو۔ ارے وہاں سے تو ایمان۔ عرفان۔ ایقان۔ بلکہ خود رحمت رحمٰن کی چاہت اور خواہش کرو ہاں اگر تم دنیا اور اس کی زینت کا ہی ارادہ لئے بیٹھے ہو تو ہم تم کو اپنے نبی کے ہی واسطے سے تم کو دنیا میں ہی حساب چکا دیں گے آخرت میں پھر کچھ نہ ملے گا۔ **شان نزول**۔ ان آیات کا شانِ نزول وہی ہے جو پچھلی آیات کا تھا۔

تفسیر نحوی فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فِ تعقیبیہ اِنْ حرف شرط ہے مگر نون پوشیدہ ہے اس لئے کہ علم تجوید کے مطابق نون حرف شمسیہ ہے اس کے بعد جب لام وغیرہ آتے تو شد لازم اور نون پوشیدہ ہو جاتی ہے لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا کا مادہ جَوْبٌ ہے بمعنیٰ دعوت قبول کرنا۔ جواب دینا باب استفعال کا نفی بِلَمْ اور مطلب ہے کہ خوب غور فکر بھاگ دوڑ کے بعد تھک ہار کر چیلنج قبول نہ کریں۔ عربی کی تین نفیوں کا فائدہ یہ ہے کہ نفی بِلا مطلق نفی ہے

جس میں دانستہ اور بھول کر دونوں طرح نفی ہو سکتی ہے مۓ نفی بلم دانستہ نفی کے لئے ہی مستعمل ہے۔ لَمْ یفعل یعنی سمجھ سوچ کر نہ کیا مۓ نفی بلن تاکیدی نفی کے لئے ہے لَکُمْ۔ لام مفعولیت کا ہے کُم ضمیر جمع حاضر کا مرجع یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا مسلمان یا کفار فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ ف سببیہ ہے اِعْلَمُوْا امر حاضر عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ یقین کرلو اُنْزِلَ فعل ماضی مجہول کتب سماوی کی صفت ہے۔ اِنَّمَا میں ما کافّہ ہے اور حرف مُشَبَّہ سے مل کر کلمۂ حصر بن گیا اسکا حصر اُنْزِلَ میں ہے یا بِعِلْمِ اللّٰہِ میں یعنی یہ قرآن مجید نازل ہی کیا گیا ہے یا مطلب ہے اس کے نزول کو اللہ ہی جانتا ہے مسلمانوں کا کام صرف یقین کرنا ہے وَاَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ واؤ عطف کی ہے اور فَاعْلَمُوْا کی دوسری جز ہے اَنْ مُخَفَّفَہ ہے اَنَّ مُشَدَّدَہ سے اس کی ضمیر شان محذوف ہے دراصل تھا اَنَّہٗ۔ لَآ نافیہ ہے یہاں اَنْ کی نون ضمیر شان کی وجہ سے ظاہر ہے اِلٰہ سے مراد صفت اِلٰہ ہے یعنی عبادت کے لائق۔ اِلَّا حرف استثنا بمعنیٰ غیر اور ھُوَ ضمیر غائب بھی ہے جس کا مرجع اللہ اسم ذاتی ہے اور ھُوَ خود اسم ذات بھی ہے۔ لفظ ھُوَ فرما کر صرف لیاقت عبادت کی طرف اشارہ ہے لفظ اللہ جامع صفات ہے وہ یہاں ارشاد نہ فرمایا گیا فَھَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ فا عاطفہ سببیہ۔ ھَلْ حرف استفہام اَنْتُمْ کا مرجع یا مسلمان تو مراد ہے قائم رہو گے؟ یا کفار تو مراد مسلمان بن جاؤ گے۔ مُسْلِمُوْنَ اسم فاعل سَلْمٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ مسلمان ہونا۔ مان لینا۔ جھک جانا۔ سلامت رہنا۔ یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا۔ مَنْ اسم موصول عام ہے ہر انسان کو یہ جملہ نیا ہے یہ لفظ مَنْ یہاں شرطیہ ہے یہ جملہ شرط ہے۔ کان فعل تامّہ۔ یُرِیْدُ علیحدہ جملہ کَانَ کا مفعول بہ ہے۔ یُرِیْدُ فعل مضارع اِرَادَۃٌ سے مشتق ہے۔ افعال قلوب میں سے ہے الحیٰوۃ الف لام جنسی ہے حیٰوۃ موصوف ہے دنیا کی طرف دنیا ادنیٰ اسم تفضیل کا مؤنث ہے لغواً۔ ذلیل۔ قریب۔ اصطلاحی لحاظ سے یہ جہان۔ واؤ عاطفہ ہے زِیْنَتَھَا زینت سے مراد مال و دولت عزت اولاد نرینہ۔ ھَا کا مرجع دنیا یا حیٰوۃ الدنیا نُوَفِّ اِلَیْھِمْ اَعْمَالَھُمْ۔ نُوَفِّ دراصل نُوَفِّیْ تھا جمع متکلم کا صیغہ اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ جملہ سابقہ شرط کی جزا ہے۔ اسی لئے حالت جزم میں ہو کر لام کلمہ یا مضمومہ حذف ہو گیا نُوَفِّ بمعنیٰ نُوَصِّلُ ہے یعنی ہم پہنچائیں گے اور یہ فعل متعدی بالیٰ ہے اِلٰی حرف جر بمعنیٰ انتہا ھُمْ سے مراد وہ بدنیت عامل ہے۔ اَعْمَال جمع ہے عمل کی۔ بمعنیٰ بدلہ ہے مجازاً سبب بول کر مسبب مراد لیا ہے فِیْھَا حرف فی جارّہ ظرفیت کے لئے ہے ھَا کا مرجع دنیا ہے حیٰوۃ نہیں ہو سکتا کہ حیاۃ ظرف نہیں وَھُمْ فِیْھَا لَا یُبْخَسُوْنَ واؤ عاطفہ ہے ھُمْ کا مرجع وہ ہی ریا کار عامل یا منافق۔ فی ظرفیت کا ہے ھا کا مرجع یا تو عمل ہیں یا دنیا لَا یُبْخَسُوْنَ بَخْسٌ کا مضارع مجہول ہے۔ نائب فاعل وہی بدنیت لوگ۔ بَخْسٌ کا لغوی معنیٰ کسی بدلے میں کمی کرنا۔ بدلہ پورا نہ دینا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ اُولٰٓئِکَ۔ اسم اشارہ اس کا مشار الیہ وہی لوگ ہیں جو اچھے اعمال سے اس دنیا کے طالب ہیں اور جن کو ان کے اچھے عملوں کا بدلہ دنیا میں ہی مل جائے گا۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر کے لئے آتا ہے اس کا صلہ اگلی عبارت۔ لَیْسَ فعل ناقصہ اس کا اسم ھُوَ ضمیر پوشیدہ ہے

ما اور لا کی نفی غیر استغراقی ہوتی ہے۔ اس میں کچھ تھوڑا بہت ثابت ہو جاتا ہے۔ مگر لیس کی نفی استغراقی ہے یعنی بالکل نہیں نہ بھول کر نہ دھوکے سے نہ رحم سے لَھُمْ لام استحقاقیہ ہے۔ یعنی وہ مستحق ہی نہیں۔ ھُمْ کا مرجع وہی ریا کار طالبِ دنیا فِیْ ظرفیہ ہے آخرت سے مراد یوم حساب اور یہ ظرفِ زمان ہے۔ اگر میدان محشر مراد ہو تو ظرف مکان ہوگا۔ اِلَّا حرفِ استثنا بمعنیٰ غیر ہے یا مستثنا مفرغ ہے نار سے مراد وادیٔ جہنم خواہ زمہریر ہو یا اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ یا بھڑکتی آگ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا واؤ عاطفہ ہے۔ حَبِطَ بابِ سَمِعَ یَسْمَعُ کا ماضی معروف ہے حَبْطٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ بے فائدہ یا نقصان دہ۔ مَا مصدریہ ہے یا موصولہ صَنَعُوْا صَنْعٌ سے مشتق افعالِ جوارح میں سے ہے بمعنیٰ بنانا فِیْهَا یا متعلق ہے حَبِطَ کے تو مطلب ہوگا کہ آخرت میں برباد ہوگا اور اگر فِیْهَا کا تعلق صَنَعُوْا سے ہو تو مطلب ہے کہ دنیا میں ہی بے فائدہ۔ برباد۔ ھَا کا مرجع پہلی صورت میں آخرت دوسری صورت میں دنیا وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ واؤ عاطفہ بَاطِلٌ بَطَلَ کا اسم فاعل ہے بمعنیٰ بے فائدہ۔ غلط۔ نقصان دہ۔ کمزور۔ جھوٹ۔ فانی۔ خراب۔ بیکار۔ مذاق بہادر۔ برباد کرنا۔ فاشی بدمعاشی یہاں صرف پہلے معنیٰ بنتے ہیں اور لفظ باطل حَبِطَ کی تاکید ہے۔ مَا موصولہ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ماضی استمراری۔ بَاطِلٌ خبرِ مقدم ہے اور مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ مبتدا مؤخر لفظاً مرفوع ایک قرأت میں باطلاً ہے۔ مفعول مقدم ہو کر۔

تفسیر عالمانہ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ۔ تو اگر اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم وہ بیہودہ مطالبے کرنے والے کفار تمہاری چیلنج کا جواب نہ دے سکیں تو بتا دو کہ یہ کلام پاک صرف اللہ ہی کے علم سے نازل کیا گیا ہے یا اے مسلمانو۔ یا اے کفار اگر وہ تمہارے حمایتی بت اور پادری پنڈت اس چیلنج کے سامنے نہ آسکیں اور تمہاری دعوت نہ منظور کریں تو سمجھ لو کہ یہ کلام اللہ ہی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اس عبارت میں یہ تینوں احتمال ہیں پہلے احتمال کے اعتبار سے لَکُمْ اور فَاعْلَمُوْا کی جمعیت تعظیم کے لئے ہے جیسا کہ اس آیت میں یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ اِن دونوں آیتوں میں رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حبیب کریم کا ادبِ گفتگو سکھایا۔ خیال رہے کہ بارگاہِ ربِّ کریم اور بارگاہِ نبوی میں خطاب کی تعظیم جداگانہ ہے خدا تعالیٰ کی توحید کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو ہمیشہ واحد کے صیغہ سے خطاب کرو۔ یہی اس بارگاہ کا ادب ہے۔ وہاں تُو اور وُہ کہہ کر پکارنا ہی عینِ توحیدی ایمان ہے اسی لئے کسی نبی صحابی ولی نے جمع حاضر یا غائب کے صیغے سے اُس ذات پاک کا ذکر نہ کیا۔ بلکہ تُو اور وہ سے تکلم کیا کہ یہ اس کی شانِ وحدت اور اظہارِ توحید ہے۔ تاکہ مسلمانوں کی عام گفتگو اور دعاؤں میں بھی توحید باری تعالیٰ ظاہر ہوتی رہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر بزرگوں کا ادب یہ ہے کہ اُن کو آپ جناب کہہ کر خطاب کرو اُن کے لئے جمع کے صیغے بولو جیسا کہ اِن آیات سے ثابت ہے اِس سے آج کل کے توحیدی ماڈل کے وہابی عبرت پکڑیں جو اللہ واحد کو تم اور آپ جیسے شرکیہ لفظ بولتے ہیں اور نبی کریم کو تو وغیرہ واحد کے صیغے سے خطاب کرتے

تک محض اپنی گستاخی ظاہر کرنے کے لئے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں لکم وغیرہ میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔ اور جمہور نے فرمایا کہ یہاں خطاب کفار سے ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ اے کافرو جن بتوں کو تم معبود سمجھتے ہیں اور جن پر تم کو بہت بھروسہ ہے وہ تمہاری اس فریاد کو نہ پہنچیں اور تمہیں اس چیلنج کی شکست سے نہ بچائیں تو سمجھ لو کہ یہ کلام اللہ کے علم کے ساتھ ہے اور اس میں صرف وضاحت ظاہری اور بلاغت لفظی ہی نہیں بلکہ علم الٰہیہ کے ہزارہا اسرار ہیں یہ کلام صرف بلاغت کا رسالہ ہی نہیں بلکہ علم و عرفان کا گنجینہ اور تم کو اس چیلنج میں صرف ظاہری کلام کا مقابلہ ہی نہیں بلکہ ایسی دس سورتیں لانی ہیں جو علم الٰہی کا اس جیسا خزانہ ہو۔ اور ایسا مقابلہ کرنے کے لئے تمہارے جب وہ بت وغیرہ تیار نہ ہوں تو سمجھداری سے کام لینا اور جان لینا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور ساتھ یہ سمجھ لینا کہ تمہارے معبود باطل ہیں وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اور وہی صاحب کلام ہی سچا معبود ہے محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف اپنی زبان پاک سے سنانے والے ہیں تو کیا اس شکست باطلاں کے بعد بھی تم حقیقی معبود پر ایمان لے آؤ گے۔ ہمارا یہ سمجھانا فقط تمہاری خیر خواہی کی بنا پر ہے اگر تم نے اب بھی اپنا رویہ نہ بدلا تو یاد رکھو مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ۔ کہ جو شخص دنیوی زندگی اور اس کی عیش عشرت کا ارادہ کر کے اچھے کام کرے ہم اس کو اس کے اعمال کا بدلہ صرف دنیا میں ہی پورا دے دیں گے اور ذرا کمی نہ کئے جائیں گے۔ اس میں مراد آخرت کے منکر کفار ہیں یعنی یہ کافر جو بھی کام کرتے جس میں کچھ ظاہری اچھائی کا پہلو نکلتا ہو مثلاً سڑکیں پل گلیاں بنانا یا غرباء کو کھانا دینا خیرات کرنا جیسا کہ ہندوؤں سے سنا گیا ہے تو ان کا بدلہ دنیا میں ان کو مل جاتا ہے اور یہ کفار کی دنیوی زیب و زینت اسی چیز کا نتیجہ ہے۔ گویا کہ دنیا میں امیر ہونا آخرت کی بدنصیبی کا نشان ہے بعض نے فرمایا کہ اس میں سب ریاکار شامل ہیں خواہ مسلمان ہوں یا کافر یہود و نصاریٰ یعنی جو شخص بھی کوئی نیکی لوگوں کو دکھانے کے لئے کرے اس کا بدلہ صرف دنیا میں ملے گا اس لئے کہ نیکی تو اللہ رسول کو دکھانے کے لئے اور ان کی رضا کے لئے ہوتی ہے اور اللہ رسول کی نظر کرم کا دارومدار آخرت پر ہے۔ جب کسی نے نماز روزے سے دنیا کا دکھلاوا کرنا ہے اور اپنی شہرت کا طالب بنتا ہے تو گویا وہ نیکی کی نسبت دنیوی انسانوں کی طرح کر رہا ہے اور درپردہ وہ معبود حقیقی سے علیحدہ ہو کر ان کو ہی معبود بنلاتے بیٹھا ہے۔ جن کو اپنی نیکیاں دکھا رہا ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ چونکہ ہر طرح رحیم و کریم ہی ہے باوجود اس شرک خفی کے پھر بھی ان کے یہ اچھے عمل بالکل برباد نہیں فرماتا بلکہ ان کی حسب منشاء ان کو دنیوی عزتوں سے نواز دیتا ہے اور یہ بھی اس کا لطف ہے ورنہ یہاں بھی اگر ایسے بیوقوف کو رسوائیاں ہی ملتیں تو کون روکنے والا تھا اسی لئے ارشاد ہوا نُوَفِّ ہم اس کو پورا اجر دے دیتے ہیں اور پھر ذرہ کم نہیں بلکہ بہت کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں ان قاریوں عالموں کے سخت ترین عذاب کا ذکر ہے جو دنیا کو دکھانے کیلئے پڑھتے پڑھاتے ہیں یہ بات ظاہر ہے کہ حیٰوۃ دنیا میں۔ دنیوی عیش و عشرت نیک کاروں کو بھی مل جاتی ہے اور ریاکاروں منافقوں کو بھی۔ مگر فرق یہ ہے

کہ یہی دولت عزت مومن مخلص کو بطورِ انعام اور شاباش ملتی ہے ۔ جیسے گندم کی نیت سے کھیت میں محنت کرنے والے کسان کو بھی گندم ملتی ہے اور بھوسہ بھی کہ گندم اس کا اجر ہے اور بھوسہ اس کا مزید انعام مگر ریا کار کو صرف بھوسہ ملتا ہے جس نے کہ خراب وقت میں خراب زمین میں بیج ڈالا تو اللہ تعالےٰ نے اس کا کھیت تو لگا دیا مگر اس میں دانا نہ لگایا اور سب کھیت مثل بھوسہ جانوروں کی خوراک بنا - اسی طرح دکھلاوا اور دنیا کی عزت چاہنے والے خراب طریقے اور خراب نیت سے نیکی کا بیج بوتے ہیں تو ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ یہی وہ احمق لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں صرف دوزخ ہی ہے اور برباد ہو گئے جو کچھ بھی انہوں نے اچھے عمل کئے اور باطل ہے جو وہ کرتے رہتے تھے اس لئے کہ اُن کی ہمتیں ۔ کوششیں ۔ نماز ۔ روزے ۔ وعظ تقریریں ۔ پیری مریدی ۔ چلّے ۔ وظیفے ۔ بھاگ دوڑ ۔ خیر خیرات سب کچھ دنیا کمانے کے لئے تھا ۔ حقیر چیز کی ہمت کی جائے تو حقارت ہی ملے گی ۔ بیکار چیز میں کوششیں صرف کی جائیں تو بیکاری ہی ہاتھ آتے گی ۔ باطل میں رغبت کرو گے تو ہر چیز باطل ہی ہو گی چوراہے پر ہانڈی پھینکو گے تو چکنا چور ہی ہو گی ۔ سرمایہ قیمتی کو رستوں میں ڈالو گے تو لوٹا ہی جاتے گا ۔ فنا میں گھسو گے تو فنا ہی ہو جاؤ گے ۔ یہ تو ضابطۂ فطرت ہے ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد ۔ اب کسے شکوہ کس کی شکایت ۔ لہٰذا اے بندو ابھی وقت ہے سانسیں باقی ہیں اُن کی ہی پناہ میں آجاؤ جن کو پناہِ کائنات بنایا گیا اُسی کے دامنِ عافیت میں نیکیوں کے بیج ڈال دو جس کی زندہ زمین نے ہزاروں غوثیت و قطبیت ایسے پھول کھلاتے کہ ابد الاباد تک باقی ہیں نہ باطل ہوں نہ فانی لیکن جو ان سے رابطہ توڑ لیتے ہیں تو بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ اُن کے سب اچھے کام باطل ہو جاتے ہیں جو وہ کرتے رہتے تھے ۔

فائدے اس آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ۔ **پہلا فائدہ** کائناتِ عالم میں اللہ تعالیٰ کی چیزوں کا مقابلہ کوئی شخص نہیں کر سکتا یہاں تک کہ اگر ہزار علم بھی کوئی انسان جانتا ہو اور سینکڑوں قسم کی ایجادات کا ماہر ہو تب بھی پرندے کا ایک پر بھی نہیں بنا سکتا یہ بھی ایک عظیم فرق ہے جو مصنوعاتِ خالق و مخلوق میں ہے یہی وجہ ہے کہ کلامِ مجید کی ایک چھوٹی سورت کا بھی کوئی لفظی مقابلہ نہ کر سکا نہ آج تک اس چیلنج کے قبول کرنے میں کسی انسان کو ہمت ہوئی بھلا رسولِ کریم کا مقابلہ کوئی کیونکر کر سکتا ہے **دوسرا فائدہ** لفظ حَیٰوۃ حیٰوۃ سے مشتق ہے فلسفی کہتے ہیں کہ زندگی نام ہے روح مع الجسد کا مگر علماءِ علمِ عقائد والے فرماتے ہیں زندگی یعنی حیات نام ہے اِصلاحِ مقصد کا یعنی مقصد کو درست کر سکے روح مَعَ الْجَسَدْ ہو یا نہ ہو ۔ اسی معنیٰ سے صفت باری تعالےٰ ہے حَیٌّ قَیُّوْمٌ ورنہ اللہ کریم جسم اور روح سے پاک ہے ۔ حیٰوۃِ دنیا سے مراد اس جہان کی زندگی نہیں بلکہ دنیا یعنی گھٹیا ذلیل زندگی مراد ہے لالچ ۔ حسد ۔ بغض ۔ سرکشی ۔ شرک ۔ کفر ۔ منافقت ۔ ریا کاری ۔ دھوکہ دہی ۔ غضب طلب ۔ جاہ و حشم یہ زندگی حیاتِ دنیا ہے اس کے مرید دنیا دار بد نیت لوگ ہوتے ہیں اسی جہان میں مخلص مومن کی

زندگی۔ حیات طیبہ ہوتی ہے اور یہ دونوں زندگیاں خود بخود حاصل نہیں ہوتیں بلکہ بندے کے اپنے ارادے سے یہ فائدہ یُرِیْدُ کے جملے سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** اللہ تعالےٰ کسی پر ظلم نہیں فرماتا باری تعالےٰ جس طرح کذب سے پاک اور سبحان ہے اسی طرح ظلم سے بھی پاک ہے۔ سخت ترین دشمن کافر کو بھی اس کے دنیوی ظاہری اچھے کاموں کا اجر دیتا ہے۔ تو مومن مخلص کے اعمال کس طرح برباد ہو سکتے ہیں۔ شعر

دوستاں را کجا کنی محروم　　　تو کہ با دشمنان نظر داری

ہاں البتہ دنیا کے عمل چونکہ مضبوط نہیں ہوتے اس لئے آخرت تک باقی نہیں رہ سکتے یہ اعمال اور عامل کا قصور ہے نہ کہ اُس کی عطا کا۔

اعتراضات اس آیت کریمہ پر چند اعتراض پڑھتے ہیں۔ جن کے جواب یہ ہیں۔ **پہلا اعتراض** اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا قُلْ فَأْتُوا وہاں واحد حاضر امر کا صیغہ ہے جس سے معلوم ہوا تھا کہ خطاب شخصِ واحد کو ہے اب فرمایا گیا لَکُمْ جمع کی ضمیر ارشاد ہوئی۔ جس سے پتہ لگ رہا ہے کہ خطاب بہت لوگوں کو ہے۔ یہ بات فصاحت کے خلاف ہے ان میں مطابقت کیوں کر ہو سکتی ہے (موجودہ عیسائی) **جواب**۔ اس کا جواب تفسیر میں دیا گیا کہ یہ کلام یا تو اللہ تعالےٰ کا تکلم ہے تب یہ لَکُمْ کی ضمیر کا مرجع نبی کریم ہیں۔ اور لَکُمْ جمع تعظیم کے لئے ہے اور اگر یہ تکلم نبی کریم کا ہے اور یہ سارا جملہ اسی قل کا مقولہ بن رہا ہے تب لَکُمْ کا مرجع کُفّار ہیں۔ پہلی توجیہ میں اَوّلاً قُلْ واحد فرما کر مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معین کر کے بعدہٗ کُمْ جمع سے ثابت کیا کہ تعظیم آپ کی ہی مقصود ہے اگر وہاں اور یہاں قولوا کہا جاتا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخاطب ہونے میں تردد پیدا ہو جاتا اور لَکُمْ کی تعظیم حتماً ثابت نہ ہوتی۔ یہ وجہ ہے کہ وہاں قل اور یہاں لَکُمْ فرمانے میں **دوسرا اعتراض** اس آیت میں پہلے فرمایا گیا وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا جس کا معنیٰ ہے کہ باطل ہو گیا جو انہوں نے عمل کیا پھر آگے فرمایا گیا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ جب حَبِطَ کا معنٰی بھی باطل ہونا ہے تو دوبارہ بَاطِلٌ فرمانا عبث ہے تحصیلِ حاصل ہے جو محال ہے۔ تاکید بھی نہیں بن سکتی کیونکہ تاکید مؤکد کا ایک ہونا شرط ہے حالانکہ وہاں صَنَعُوْا ہے اور یہاں يَعْمَلُوْنَ **جواب**! مخلص اور ریا کار کے اعمال میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ مخلص کے اعمال جسماً قلباً لساناً ایک ہی رخ پر ہوتے ہیں مگر ریا کار کے اعمل کے دو رخ ہوتے ہیں جسم کے اور زبان کے۔ جسماً وہ مخلوق کے سامنے ہوتا ہے زبان سے اللہ تعالےٰ کے حضور حاضر ہوتا ہے اور قلب سے دنیا کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اس کا کوئی عمل بھی یکطرفہ للّٰہی نہیں ہوتا۔ اس لئے پہلے حَبِطَ فرما کر عمل کی بربادی کا ذکر کیا گیا بعدہٗ اس کی ریاکاری اور منافقت اور فریب کارانہ چال کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا بَاطِلٌ مَّا كَانُوْا فرمایا ریا کار کا منشا یہ ہوتا ہے کہ باغباں بھی خوش رہے۔ راضی رہے صیاد بھی۔ یعنی رند کا رند رہوں ہاتھ سے جنت بھی نہ جاتے۔ اس لئے دو لفظ فرماتے گئے کہ حَبِطَ ان کے افعالِ خیر برباد۔ وَبٰطِلٌ ان کی نیتیں

برباد۔ حَبِطَ یعنی دنیا میں ہی خراب کہ کوئی ان پر اعتبار نہیں کرتا۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ہم کو حاجی نمازی سخی عالم۔ قاری سیاستدان۔ لیڈر۔ پیر کہا جاتے مگر خلوص و عقیدت سے کوئی نہیں کہتا ہاں دنیا مل جاتی ہے۔ بَاطِلٌ آخرت کی بربادی۔ اسی لئے یہاں مَاکَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ماضی استمراری کا صیغہ استعمال کیا گیا۔

تیسرا اعتراض پہلے فرمایا گیا کہ ہم ان کے اعمال کا بدلہ پورا دیں گے لَا یُبْخَسُوْنَ بالکل کمی نہ ہوگی اب فرمایا جا رہا ہے۔ وَحَبِطَ وَبَاطِلٌ برباد ہوتے اور باطل ہیں۔ جو چیز بالکل برباد ہو اس کا اجر کیسا اور جس کا اجر ہو وہ برباد کیسے؟ یہاں تعارض معلوم ہوتا ہے جواب کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ بدلے کا مطلب ہے عارضی قابلِ فنا چیز مل جاتی ہے۔ اور بربادی و بطلان سے مراد ہے۔ اصل مقصد اعمال کا بجزائے دائمی اخروی لذات وانعامات کا نہ ملنا آم کا درخت لگا کر پتے شاخیں لکڑی حاصل ہو آم نہ ملیں تو گویا مالی کی محنت برباد ہے۔ گندم پودے بڑے بڑے ہو جائیں مگر دانے لگیں تو جس طرح کسان کی محنت برباد ہے اسی طرح ریاکاری کے اخروی اعمالِ خیر سے دنیا تو مل جاتے مگر جنت اور رضاءِ الٰہی نہ ملے تو گویا عمل اور محنت برباد ہی ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ ذات جل مجدہٗ سبحان ہے اور اللہ جل شانہٗ کے چار گروہ ہیں دو گروہ جماعت ملائکہ اور جماعت انبیاء۔ کرام معصوم ہیں تیسرا گروہ علماء ربانی مامون ہیں چوتھا گروہ اولیاء عظام ومخلصین محفوظ ہیں جب ان میں سے کوئی قوانینِ ربانیہ ومشاہداتِ الٰہیہ کی بات کرتا ہے تو گروہ شیطانی اس کو اپنی عقل کی میزانِ باطل میں تولنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب وہ متشابہات مقطعات ان کی ناقص عقل میں نہیں آتے تو انکار کر دیتے ہیں تب ان خاصوں کو الہام ربانی سے خطاب ہوتا ہے کہ ان کو دعوت غرقابی دو تا کہ بحرِ انوار کا پتہ لگ سکے اگر وہ گروہ تمہاری دعوت نہ قبول کر سکیں تو بتا دو کہ واردات نازلہ ذات وحدت ہی کے نور علم سے ہے اور دریائے عشق میں غوطہ زن کے لئے ہر سمت وہی جلوہ آشکار ہے اس کے سوا کچھ موجود نہیں وہی ذات اتم ہے۔ لفظ ہو اسم تام ہے (روح البیان) تو کیا تم اس کو مانتے ہو کہ لا معبود الا ھو لا مقصود الا ھو لا موجود الا ھو۔ اگر مسلمان بنتے ہو تو تم حیات طیبہ کے طالب ہو۔ لیکن جس نے عرفان کا راستہ بھی حیات دنیا کے لئے پکڑا اور اپنی محنت مشقت سے و اعمال صالحہ سے بھی جاہ وحشم و ریاکاری کا ارادہ کیا حظِ نفسانیہ کا خواہش مند ہوا وصالِ تجلیاتِ ورغبتِ معرفت نہ رکھی تو لذاتِ نفسانیہ کے پورا حصہ ہم دے دیں گے لیکن عالمِ لاہوت کے مشاہدات سے بالکل محجوب ہوگا۔ علماءِ کرام کے نزدیک ریا لوگوں کے لئے عمل ہے صوفیا کے نزدیک ترک عمل لوگوں کی رضا کے لئے ریا ہے۔ زاہدِ رضاءِ حق کا علانیہ عمل بھی ریا نہیں۔ لہٰذا لوگوں کی وجہ سے ترکِ عمل گناہ ہے ریا کا تعلق قلب غافل سے ہے محض خیالِ ریا ریا نہیں کہ اس پر قابو نہیں۔ جس بندۂ مومن کے اعمال محض رضاءِ الٰہی کے لئے ہوں دولت دنیا صرف بقاءِ جسم کے لئے تلاش کرے اس کو ہم حیٰوۃِ طیبہ عطا کرتے ہیں جس کی نشانی یہ ہے کہ دنیا اور دنیا

والے اس کے خدام بن جاتے ہیں۔ یہ لوگ دنیوی زندگی کے طالب نہیں ہوتے ریا کاروں کو شرف آخرت سے محرومی ہے اس لئے کہ وہ آخر تک حسد کی نار میں جلتے رہتے ہیں اور ان کا سب کیا دھرا برباد ہو جاتا ہے۔ دنیا میں ان کا بدلہ کم نہ ہوگا اس لئے کہ جب اعمال قلبیہ کو بشکل نفسانیہ بنایا اور پلیدی نفس سے ملوث کر لیا تو یہ حظ نفس کی گندگی ان کو پوری دی جاتے گی اور وہ بے وقوف یہ گندگی لے کر پھولے ہی نہیں سماتے یہی وہ لوگ ہیں جن کو آخرت امر میں محرومی و حجابی قلب کی آگ ہی ملتی ہے تفسیر عرائس نے فرمایا کہ حیاۃ دنیا اتباع شہوات اور ارتکاب خواہشات ہے اور موت سے غفلت ہے حرام حلال سے بے پرواہی کرنا ہے کہ طَالِبُ الدُّنْیَا کِلَابٌ ہیں وطالب العقبیٰ مسعود ہیں۔ جو عمل کئے وہ باطل ہو گئے کہ دنیا میں دنیا کے لئے کئے۔ فرمایا آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ الاعمال بالنیات عمل کا مدار نیت پر ہے۔ اور ارشاد ہوا لِکُلِّ امْرِءٍ مَا نَوٰی ۔ ہر شخص کے لئے وہی ہے جو نیت کرے (تفسیر ابن عربی) روح البیان نے فرمایا کہ اعمال اگرچہ حق ہوں مگر جب غیر اللہ کے لئے کئے جائیں تو باطل ہیں۔ اس لئے کہ وہ عمل حق سے طلب غیر کرتا ہے اور طلب غیر مشرب صوفیا میں باطل لہٰذا عمل و مطلوبِ عمل ہر دو باطل۔ جس عمل کا وجود ذات باری سے جدا ہو وہ کالعدم ہے اور عدم باطل ہے جب عارف کامل کے اعمال وجود ذات سے واصل ہوتے ہیں تو مثلِ مشاہدۂ ذات ہے۔ شریعت کی نماز یہ ہے کہ نمازی کو خدا دیکھے اور معرفت کی نماز یہ ہے کہ نمازی خدا تعالےٰ کو دیکھے ماسوا کو نہ دیکھے۔ عارف مبتدی جب مقامات قرب کا وصل کرتا ہے تو اس کو ماسوا اللہ ہر چیز باطل نظر آتی ہے اور شہود خلق سے حجابِ حق میں آجاتا ہے۔ جہاں لغزش کا احتمال ہوتا ہے۔ پھر جب عرفان کامل نصیب ہوتا ہے تو خالق و مخلوق کو آن واحد میں مشاہدہ کر لیتا ہے پھر لغزش کا احتمال نہیں رہتا اور اس کے اعمال باطل نہیں ہوتے اور اس کو عباد مخلصین میں شمولیت نصیب ہوتی ہے۔ یا اللہ مجھ کو بھی یہ مقام عطا فرما اور قال کو حال بنا۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ
کیا پس جو شخص ہو اوپر دلیل طرف سے رب اپنے اور آگے اس کے پاس گواہ طرف
تو کیا وہ جو اپنے رب کیطرف سے روشن دلیل پر ہو اور اس پر اللہ کی طرف سے گواہ آئے
مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ
سے اس کی اور سے پہلے اس کے کتاب موسیٰ علیہ السلام کی امام اور رحمت یہی لوگ ایمان لاتے
اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت وہ اس پر

يُؤْمِنُونَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ

ہیں اس پر اور جو کفر کرے اسکا جماعتوں سے تو آگ ٹھکانہ ہے اس کا پس نہ ہو تو

ایمان لاتے ہیں اور جو اس کا منکر ہو سارے گروہوں میں تو آگ اس کا

مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

شک اس سے بیشک وہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے

وعدہ ہے تو اے سننے والے تجھے کچھ اس میں شک نہ ہو بیشک وہ حق ہے تیرے

رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ

اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں رکھتے اور اس سے بڑھ کر

رب کی طرف سے لیکن بہت آدمی ایمان نہیں رکھتے اور اس سے بڑھ کر ظالم

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى

ظالم کون جو اللہ پر جھوٹے باندھے وہ اپنے رب کے حضور پیش کیے جائیں

کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے وہ اپنے رب کے حضور پیش کیے

رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ

گے اور گواہ کہیں گے یہ ہی ہیں وہ لوگ جھوٹ بولا جنہوں نے اپنے رب پر

جائیں گے اور گواہ کہیں گے یہ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾

خبردار لعنت ہے اللہ کی پر ظالموں

ارے ظالموں پر خدا کی لعنت

تعلق ان آیت کریمہ کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں ذکر ہوا کہ کفار دنیا کی زندگی اور وہیں کا عیش و عشرت چاہتے ہیں اور دنیوی دولت و زینت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ بے وقوفو اصل دولت اور انعام دنیوی مال و جاہت نہیں بلکہ اصل الٰہ روشن دلیل اور عقل سلیم

ہے جو محض رب تعالیٰ کے کرم سے دستیاب ہوتا ہے دوسرا تعلق پچھلی آیات میں کفار کے عمل و عقیدے کا ذکر ہوا کہ ان کا عقیدہ ہے ان کے جھوٹے معبود بت۔ پنڈت پادری وغیرہ ان کے سفارشی ہیں لہٰذا دنیا میں جو چاہو عیش عشرت حرام حلال کر لو یہ بت ہم کو بچالیں گے کیونکہ اللہ کے اوتار ہیں اللہ نے ہی ان کو ہمارے سفارشی بنایا ہے۔ اس آیت کریمہ میں ان کے اس عقیدے اور اس کے بل بوتے پر ان کے باطل اعمال کو رد فرمایا جارہا ہے کہ یہ سب کچھ ان کا افترٰی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو خالق تعالیٰ پر افترٰی بنائے۔ اور جھوٹ بولے تیسرا تعلق پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کافر لوگ نبی کریم کی نبوت اور کلام پاک کے کلام الٰہی ہونے کو نہیں مانتے تھے لہٰذا قرآن پاک کی ثبوتِ حقانیت کے لئے تو اس کی مثل دس سورتوں کا مطالبہ فرماکر ان کا منہ بند فرمادیا تھا اب مَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ فرماکر بتایا جارہا ہے کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معجزات اور بیّنات الٰہیہ رکھتے ہیں اور جو اس شان کا مالک ہو وہ نبی ہی ہوتا ہے۔

شانِ نزول کفارِ مکہ اور کچھ یہودی کہتے پھرتے تھے کہ جو مسلمان ہو جاتے ہیں وہ بیوقوف ہیں اور دین موسوی کے منکر ہیں یہود کی باتیں اس وقت ہوئیں جب چند یہودی مسلمان ہو گئے تب یہ آیات اَفَمَنْ كَانَ سے لے کر مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ تک نازل ہوئیں۔

تفسیر نحوی اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ الف یعنی ہمزہ استفہام کی ہے۔ مَنْ موصولہ ہے كَانَ فعل ناقصہ سے تامہ عَلٰى حرف جر بمعنی بَيِّنَةٍ بَيِّنٌ سے مشتق ہے آخری ھا مبالغہ کی ہے اور تنوین (دو زبریں) تعظیمی ہے یعنی بہت ہی بڑی دلیل مِنْ ظرفیہ ہے بمعنی قِبَلْ رَبِّہٖ۔ رب یعنی اللہ تعالیٰ ہ ضمیر واحد مذکر کا مرجع مَنْ ہے۔ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى يَتْلُوْ مضارع واحد مذکر تَلْیٌ سے مشتق ہے بمعنی پیروی کرنا پیچھے آنا۔ تلاوت قرآن کریم کو تلاوت اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ بھی اتباع کے لئے پڑھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی کتاب کے پڑھنے کو تلاوت کہنا ناجائز ہے۔ ہُ کا مرجع مَنْ ہے۔ شاھدٌ بمعنی گواہ ایک قرأت شَہِدٌ بغیر الف ہے مِنْ حرف جار بمعنی طرف ہُ ضمیر واحد مذکر کا مرجع ذات رب ہے۔ واؤ عاطفہ ہے مِنْ تبعیضیہ جارہ ہے قَبْلِ ظرفِ زمان ہ کا مرجع بَيِّنَةٌ ہے یا مَنْ ہے یہ جار مجرور حال ہے کتاب کا (صاوی) کتاب سے مراد توراۃ یہ مرفوع ہے بوجہ مبتدا ایک قرأت میں منصوب ہے کہ عطف ہے يَتْلُوْهُ کے ہُ ضمیر مفعول بہ پر۔ بہرحال مضاف ہے لفظِ موسٰی مضاف الیہ ہے۔ اِمَامًا یعنی قابلِ اطاعت واقتدا یعنی ہمیشہ فائدے مند یہ دونوں حال ہیں کتب موسٰی کے اس لئے منصوب ہیں۔ تنوین دونوں میں تعظیم کی ہے اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ۔ اسم موصول مراد اس سے بیّنہ والے يُؤْمِنُوْنَ۔ پورا جملہ صلہ ہے بِهٖ میں ضمیر کا مرجع قرآن مجید اور کتاب موسٰی وغیرہ ہیں وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ۔ واؤ عاطفہ ہے مَنْ موصولہ شرطیہ ہے يَكْفُرْ کو جزم دیا بِهٖ میں با جارہ بمعنی مفعولیت ہ کا مرجع قرآن کریم وغیرہ کتب سماوی مِنْ حرفِ جر بعضیت کے لئے

احزاب جمع ہے حزب کی بمعنی گروہ فا جزائیہ مَنْ یَّکْفُرْ کا سارا جملہ شرط اور یہ سارا جزا نار بمعنی آگ مراد وادی جہنم مَوْعِدُہٗ اسم ظرف یعنی وعدے کی جگہ ہٗ کا مرجع مَنْ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ف تعقیبیہ لَا تَكُ اصل میں تَكُوْنُ تھا فعل نہی ہے صیغہ مذکر حاضر نون مجزومہ تخفیف کے لئے حذف ہوئی اور واؤ پہلے ہی گر گئی تھی جب نہی کا جزم آیا۔ فِيْ جارہ مِرْيَةٍ میم کے کسرے سے اور ایک قرأت میں میم کے پیش سے مُرْيَةٍ ہے مصدر میمی ہے رَيْبٌ سے مشتق ہے۔ مِنْهُ کا مرجع قرآن پاک ہے۔ اور پورے جملے کا مخاطب عام مسلمان ہے۔ جیسا کہ اعلیٰحضرت کے ترجمے سے ظاہر یہی صاوی و معانی نے کہا اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ اِنَّ حرفِ تحقیق ہٗ کا مرجع قرآن پاک یعنی بَيِّنَةٌ الْحَقُّ مرفوع ہے کیونکہ خبر ہے اِنَّ کی الف لام عہد ذہنی حق سے مراد نہایت سچائی۔ مِنْ ظرفیہ بمعنی طرف سے رب سے مراد اللہ تعالیٰ کَ ضمیر حاضر کا مرجع عام مسلمان۔ لٰكِنَّ حرفِ تحقیق مشبہ بالفعل اِستدراکیہ دفع شک کے لئے۔ اَكْثَرَ اسم تفضیل بمعنی کثرت کُلّ کا جز النَّاسِ الف لام عہد خارجی ناس سے مراد کافر لوگ لا یومنون مضارع جمع یہ جملہ فعلیہ خبر ہے لٰكِنَّ کی۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ واؤ سر جملہ یعنی نیا جملہ شروع ہوا ہے مَنْ موصولہ استفہام انکاری اور تعجب کے لئے ہے۔ اَظْلَمُ اسم تفضیل متعدی مِنْ جارّہ سے افتری باب افتعال کا ماضی مطلق فَرْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے علیٰ بمعنی مع كذبًا اسم فاعل ہے فاعلیت کا الف گر گیا اس کے عوض آخر میں تنوین آئی منصوب بوجہ مفعول بہ ہے اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ۔ اُولٰٓئِكَ اسم موصول مراد مَنْ اَظْلَمُ ہے۔ يُعْرَضُوْنَ فعل مضارع مجہول علیٰ حرفِ جر بمعنی عِنْدَ یعنی نزدیک یا سامنے رب بمعنی دنیا کا مربی ھم سے مراد کفار وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ واؤ عاطفہ ہے یقول فعل مستقبل ہے الف لام عہدی ہے الاشہاد جمع ہے شاھد کی بمعنی گواہ مراد ملائکہ ہیں هٰٓؤُلَآءِ اسم موصول ہے مراد کافر ہیں اور یہ جملہ یقول کا مقولہ ہے اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے دونوں تابع متبوع ہیں پہلا موصول حصر کے لئے ہے دوسرا صلہ کے لئے كَذَبُوْا ماضی مطلق جمع کا صیغہ مراد کفار ہیں یہ جملہ صلہ ہے عَلٰى نِسْبِيَہ ہے رَبِّهِمْ۔ رَبّ بمعنی اللہ پالنے والا دنیوی زندگی میں ھِمْ سے مراد وہی ظالم کافر ہیں اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔ اَلَا حرفِ تنبیہ ہے لعنۃ بمعنی رحمت سے دوری یہ فعل خصوصی ہے اللہ کے لئے۔ لفظ اللہ مضاف الیہ ہے اور اضافۃ فاعلی ہے بمعنی فَوْقَ الظّٰلِمِيْنَ میں الف لام استغراقی ہے۔ یا عہد ذہنی۔

تفسیر عالمانہ

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً۔ کیا پس وہ شخص جو ہو دلیل پر اپنے رب کی طرف سے اور آئے گواہ اسی کی طرف سے اور اس سے پہلے حضرت موسیٰ کی کتاب بھی امام اور رحمت ہو چکی ہو۔ یہاں حق و باطل کا بہت شاندار طریقے سے مقابلہ کیا جا رہا ہے کہ ایک وہ گروہ ہے جو دنیا کی ہر چیز کو للچائی نظروں سے دیکھ رہا ہے اس کو صرف مطلب پرستی آتی ہے وہ اپنے عیش ہی ڈھونڈھتا ہے اس کی عقل سلیم پر نفسانیت کا غلبہ ہے اس کو دنیا پرستی نے اندھا کر دیا ہے اور دوسرا وہ ہے کہ جب

اس کی نظریں اٹھتی ہیں تو ہر طرف مشاہدات انوار کے پرتو نظر آتے ہیں جب وہ پیارا انسان کامل اپنی مخمور عشق الٰہی والی آنکھیں بلند کرتا ہے تو ہر ورقے دفتر معرفت کردگار ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص ساری کائنات سے پہلے ہی تجلیات الٰہی کا نظارہ کر چکا ہو اس کے لئے کوئی چیز غیب نہ رہی ہو۔ ایمان بالغیب کی اس کو کیا ضرورت اور یہ سب مشاہدے اسی کے رب کی طرف سے ہوں۔ اور پھر اس کے پاس خود اپنی حقانیت کے گواہ بھی ہوں۔ خواہ اس کے ساتھی ہوں یا رب کا آخری کلام یا سابقہ انبیاء کی امتوں میں سے اس کے امتی بن کر گواہی دے رہے ہوں یا انجیل و زبور ہو جس کا لفظ اس کی تصدیق کرتا ہو خواہ درند و چرند پرند ہوں جو عالم دھر کے سامنے اس کی تصدیق کر رہے ہو۔ خواہ دشمن کی زبان ہی اس کی سچائی کی گواہی دے رہی ہو۔ خواہ خود اس کا اپنا وجود ہی اس کے لئے گواہ ہو۔ کہ جو بھی عقل و عشق سے بصارت و بصیرت سے صرف ایک نظر اس کو دیکھ لے اس کو اس جسم اطہر میں تجلیات نظر آجائیں اور پھر اس سے پہلے والی عظیم کتاب تورات جس کو اے یہود و نصاریٰ تم مانتے ہو تمہارے نبی موسیٰ پر آئی جو اپنی قوم کی امام اور رحمت تھی وہ بھی اس ہستی کی تائید کر رہی ہو بھلا ایسا شخص اللہ پر ایمان لانے سے کب علیحدہ ہو سکتا ہے اتنی کھلی نشانیوں اور تائیدی گواہیوں کے باوجود تو کوئی ضدی ہٹ دھرم ہی منکر ہو سکتا ہے۔ رہے عقل والے تو اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ یہ لوگ یقیناً ایمان لے آتے ہیں اس ذات پر مفسرین کے نزدیک بَيِّنَةٍ سے مراد ذات پاک محمد مصطفےٰ ہے اور من سے مراد بھی خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور شاہد میں چند قول ہیں یا اس سے مراد نبی کریم کی زبان ہے۔ جس کے متحیر العقول فصیح و بلیغ کلام نے اقوام عالم پر ثابت کر دیا کہ یہ زبان معجزہ ہے۔ اور معجزہ تو دلیل نبوت ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ زبان خود گواہ نبوت بن گئی یا اس سے مراد سابقہ امتوں کے مسلمان ہونے والے جن کا ایمان لانا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی تھی یا مراد حضرت علی ہیں کہ آپ نے بچپن میں کلمہ پڑھ کر نبوت کی گواہی دی یا حضرت خدیجہ کہ گھر والے کم ہی مانتے ہیں آپ نے سب سے پہلے کلمہ پڑھ کر گواہی دی کہ یہ وہ ذات والا صفات ہے کہ جس کی گھریلو زندگی بھی ایسی ہے کہ اس کو نبی مانا جاتے یا چرند و پرند و شجر و حجر کی نعت گوئی و خدمت بر آری آپ کی نبوت کی کھلی گواہی ہے۔ کتاب موسےٰ سے مراد توریت ہے جس کے لفظ لفظ میں پیارے آقا کی نعت خوانی ہے گواہ سے مراد قرآن پاک بھی ہو سکتا ہے جو سراسر نبی کریم کا معجزہ ہے۔ فرمایا یہ جا رہا ہے کہ اتنے کھلے دلائل نبوت کے ہوتے ہوئے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۔ انسانی قوموں میں سے اب بھی جو اس نبی یا اس دین و قانون کا کفر کرے گا تو جہنم ہی اس کا مقام وعدہ ہے۔ احزاب جمع ہے حزب کی مراد سارے کافر گروہ ہیں بعض نے کہا اہل مکہ مراد ہیں۔ جہنم کے ایک سو تیں نام ہیں جن میں ایک نام نار ہے اور موعدہ بھی اس کے ناموں میں شامل ہے کفار چونکہ اپنی دنیا پرستی کی وجہ سے بے عقل بے بصیرت ہو چکے ہیں وہ کفر کی طرف ہی آئیں گے مگر اے عقل اور دانش والے صاحب بصیرت انسان۔ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۔

تو اس میں شک کرنے والا نہ ہونا کیونکہ یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے۔ یعنی یقینی ہے۔ لہٰذا ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ کفار کو دائمی جہنم نہ دی جاتے اور نیکوں کو جنت خلود نہ ملے۔ بلکہ یہ دونوں اپنے اپنے ٹھکانے پر ضرور جائیں گے لہٰذا آج ہی دامن مصطفےٰ پکڑلو صلی اللہ علیہ وسلم وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ لیکن اکثر لوگ یعنی کفار ایمان نہیں لاتے یا اس لئے کہ کم عقل ہیں یا اس لئے کہ ان کا غور و فکر دنیا کی طرف لگا ہوا ہے آخرت کیطرف خیال ہی نہیں آتا یا اس لئے کہ متکبر مغرور ہیں اہل علم یعنی علماء صوفیاء کے پاس بیٹھنا ان کی سننا اپنی توہین سمجھتے ہیں حالانکہ رب تعالیٰ کی باتیں تو ان ہی اللہ والوں کے پاس ہیں خزانے نور کے تو یہی لئے بیٹھے یہ علماء فقراء رب کے خزانچی ہیں۔ علم و حکمت دانش و عقل سب کچھ انہی کے دامن میں ہے جہلا یہ سمجھتے ہیں کہ عالم اور صوفی بے وقوف ہیں۔ خود کو بڑا عقل والا سمجھتے ہیں یہ ان کی غلط فہمی ہے اور اپنی اسی غلط فہمی سے طرح طرح کی جھوٹی اور غلط باتیں اللہ کی طرف لگاتے ہیں حالانکہ قرآن کریم کے اس فیصلے کو نہیں دیکھتے کہ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۔ اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اپنے سچے اللہ پر جھوٹا افترٰی باندھے۔ یعنی یا تو اس طرح کہ عقیدہ بنائے کہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے معاذ اللہ اور یا اس طرح کہ اپنے پاس سے بات بنا کر کہے کہ اللہ نے یہ فرمایا ہے۔ حالانکہ جانتا ہو کہ میں جھوٹا ہوں۔ فرمایا کہ اس سے زیادہ بدبخت ظالم کوئی نہیں یہاں ہر قسم کا بدبخت جھوٹ باندھنے والا مراد ہے خواہ دیوبندی کی طرح مولوی پرستی کرے یا بدعتی لوگوں کی طرح پیر پرستی۔ اس طرح کہ اپنے مولویوں کو انبیاء عظام سے زیادہ مقام دے دے جیسے کہ دیوبندی لوگ کرتے ہیں (ارواح ثلاثہ) یا اولیاء اللہ کے لئے ناجائز کرامات بناتا پھرے۔ خیال رہے کہ اپنی طرف جھوٹ لگانا کذب ہے اور کسی کی طرف جھوٹ لگانا یا بنا کر افتراء ہے۔ آج یہ لوگ افتراء کر لیں ان کو ڈھیل ہے لیکن ایک زمانہ آنے والا ہے جبکہ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ یہ لوگ اپنے رب کی بارگاہ عدالت میں پیش کئے جائیں گے اس طرح کہ ان کی تمام بدعملیاں افتراء جھوٹ وغیرہ ان کے ساتھ ہوں گے اور عجیب پریشانی ذلت و رسوائی ہوگی۔ وہاں سے نہ بچ سکیں گے نہ انکار کر سکیں گے کیونکہ اگر انکار کریں تو وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۔ اور گواہ کہیں گے یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا یا وہ فرشتے جو ان کے اعمال پر ہمیشہ حاضر رہے یعنی کراماً کاتبین۔ یا خود ان کے اعضاء ہی ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ یا ان کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور یا میدان محشر میں ان کی رسوائی ذلت کی گرفتاری دیکھ کر آس پاس کھڑے نیک لوگ یہ کہیں گے اس طرح ان پر آوازے کسے جائیں گے تو اور ذلت ہوگی۔ بس اب ایک ہی آس لگی ہو گی کہ شاید رب تعالیٰ رحم فرمادے۔ مگر وہاں سے بھی فیصلہ آجاتے گا اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۔ خبردار ظالم پر اللہ کی لعنت ہی ہے اس لئے کہ آج اس کی طرف آسیں باندھتے ہو۔ جب اس کے رسول اس کے پیغامبر تم کو سمجھانے گئے ہر طرح پیار و محبت سے سمجھایا تب تم نے سخت تکبر کیا ان کی گستاخیاں کیں دنیا میں کفار کی تین

خصلتیں ہیں ۱۔ شدت حرص دنیا کا عیش و دولت ۲۔ انکار نبوت یعنی نبی علیہ السلام کے فیضان و اختیار کا انکار اور نبی سے ناامیدی ۳۔ بتوں سے امیدیں۔ اور یہ تینوں جرم ناقابل معافی ہیں اس لئے دائمی لعنت کا فیصلہ کیا گیا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** ساری دنیا کا ایمان بالغیب ہے مگر نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان بالشہادہ ہے یہ فائدہ عَلٰی بَیِّنَۃٍ سے حاصل ہوا جو ہستی پاک ایمان میں بھی بے مثل ہو بھلا اس کی ذات کا ہم مثل کون ہو سکتا ہے **دوسرا فائدہ** پچھلی کتب آسمانیہ میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی تذکرہ اور نعت خوانی تھی اور انبیاء سابقین علیہم السلام نے جس طرح ان کتب سے توحید باری کی تبلیغ فرمائی تو لازماً ہمارے آقا کی نعت گوئی اور سیرت پاک کی تبلیغ بھی فرمائی۔ اور یہی مقصد باری تعالیٰ بھی ہے ورنہ ان کتب میں نبی پاک کا ذکر رکھنے کا مقصد کیا ہے۔ **تیسرا فائدہ** چونکہ انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے اس لئے ان کو نہی کا خطاب نہیں ہوتا بظاہر جو نہی انبیاء کی طرف متوجہ نظر آتی ہو وہاں درحقیقت اُمت مخاطب ہوتی ہے نہ کہ نبی اکرم سے یہ فائدہ فَلَا تَكُ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** سب سے بڑا گناہ جھوٹ بولنا اور جھوٹ باندھنا ہے اور جو اس گناہ کا مرتکب ہو وہ بدترین مجرم ہے۔ وہ لوگ عبرت پکڑیں جو جھوٹی کرامتیں اور بناوٹی روایتیں بناتے رہتے ہیں خاص کر دین میں بناوٹ وافترا بہت بری عادت ہے کہ یہی فرقہ پرستی کا باعث ہے۔ یہ فائدہ مَنْ اَظْلَمُ سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** اللہ رسول کی کریمی و رحیمی ہے کہ دنیا میں ہی انسانوں کو آئندہ حالات اور اخروی عذابوں۔ ذلتوں۔ رسوائیوں سے آگاہ کر دیا گیا ہے تاکہ انسان عقل و ہوش کر کے دنیا میں ہی راہ راست حاصل کرے۔ یہ فائدہ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات اس جگہ چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** اللہ تعالیٰ مکان سے پاک نہیں بلکہ جگہ اور مکان کی اس کو ضرورت ہے کرسی و عرش اعظم اپنے بیٹھنے کے لئے بنایا دیکھو یہاں فرمایا گیا يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ۔ اپنے رب کے قریب پیش کئے جائیں گے معلوم ہوا کہ رب کسی جگہ میں ہو گا جہاں مجرموں کو لے جایا جائے گا (معتزلی و ابن تیمیہ وہابی) **جواب** تفسیر رازی نے اس کا یہ جواب دیا کہ یعرضون کا یہ مطلب ہے کہ رب کی مقرر کردہ حساب کے لئے جگہ یعنی میدان محشر میں ان کو لے جایا جانا مراد ہے علیٰ مجازی معنیٰ میں ہے بمعنیٰ عِنْدَ نہیں جس طرح کچہری وغیرہ حکومت کی مقرر کردہ جگہ ہوتی ہے تو وہاں حکومت کے علاقے میں حکومت کے روبرو آنا ہوتا ہے۔ ایسے ہی یہاں بھی یا مراد ہے ملائکہ اور انبیاء کے پاس گرفتار شدہ پیش ہونا رب کے حضور پیش ہونا ہے لہٰذا اس سے لازم نہیں آتا کہ رب وہاں سامنے کسی جگہ میں ہو **دوسرا اعتراض** اگر یہاں ملائکہ کے سامنے پیش ہونا ہے تو گواہ سے کون مراد

ہے وَیَقُوْلُ الْاَشْھَادُ ۔ گواہ کہیں گے حالانکہ تفاسیر میں گواہ سے مراد ملائکہ ہیں۔ جواب ! ملائکہ بہت سی قسم کے ہیں اعمال لکھنے والے اور ہیں میدان محشر میں گرفتار کر کے پہچاننے والے اور۔ گواہ سے مراد اگر ملائکہ ہی لئے جائیں تو کراماً کاتبین ملائکہ مراد ہیں۔ کہ یہ بھی وہاں ہی ہوں گے جہاں عدالتِ الٰہیہ قائم ہوگی تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا اَلْاَشْھَادُ یہ لفظی اور معنوی جمع مکسّر ہے۔ اس کی واحد کیا جواب اگر اشہاد سے مراد ملائکہ ہوں تو اس کا واحد شاہد ہے۔ جیسے صاحب کی جمع اصحاب اور ناصر کی جمع انصار اور اگر مراد انبیاء کرام ہوں تو اس کا واحد شہید ہے۔ شریف کی جمع اشراف قرآن کریم نے انبیاء کرام کو شہید ہی اکثر فرمایا جبکہ بطور گواہ مذکور فرمایا۔ جیساکہ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَھِیْدًا اور جیسے کہ وَجِئْنَابِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَھِیْدًا ۔ اور بقاعدۂ نحوی شاہد اور شہید دونوں کی جمع اشہاد آجاتی ہے۔ چوتھا اعتراض یہاں فرمایا گیا فَلَاتَکُ فِیْ مِرْیَۃٍ یہ فعل نہی ہے اور خطاب نبی کریم کو ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء کرام کو بھی گناہوں سے روکا جاتا ہے تب رکتے ہیں۔ باوجود اس کے وہ معصوم ہوتے ہیں لہٰذا یہ کہنا درست ہوا کہ انبیاء کرام گناہ کر سکتے ہیں۔ مگر کرتے نہیں اور یہی عصمت انبیاء کی تعریف ہے۔ کیونکہ دین میں شک کرنا گناہ کبیرہ ہے جس سے نبی کو روکا گیا۔ روکا اس کو جاتا ہے جس کے ارتکاب کا اندیشہ ہو ورنہ تحصیلِ حاصل ہوگا (بعض جاہل نام نہاد بریلوی) جواب تمام مفسّرین فرماتے ہیں کہ یہ نہی عام مسلمانوں کو ہے نہ کہ نبی کریم کو۔ اور عصمت کی تعریف تمام اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ گناہ پر قادر نہ ہو۔ جیسے کہ فرشتے۔ عصمتِ ملائکہ اور عصمت انبیاء ایک قسم کی ہے۔ یعنی عدم اسی لئے قرآن پاک کی کوئی نہی انبیاء کی طرف نہیں لوٹتی۔

تفسیر صوفیانہ

اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَیَتْلُوْہُ شَاھِدٌ مِّنْہُ وَمِنْ قَبْلِہٖ کِتٰبُ مُوْسٰٓی اِمَامًا وَّرَحْمَۃً اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ ۔ اے عالم ناسوت کے بھٹکتے مسافرو۔ اس دنیاء دون میں دو قسم کے انسان ہیں ایک وہ جن کا ذکر پہلے ہوا وہ اغیار ہیں دوسرا گروہ ابرار کا تم دونوں کو ایک طرح کا یا ابرار کو احقار سمجھتے ہو مگر مقام عبرت ہے۔ سوچو تو جو شخص اپنے رب کی معرفت ولایت قدرت کرامت کا مشاہدہ کرنے والا ہو اس کی مثل وہ کس طرح ہو سکتا ہے جو گمراہیوں جہالتوں کی نچی تہوں میں پڑا ہو۔ جب عارف حق تعالیٰ کا اپنے قلب روح اور عقل سلیم اور سرِ وحدت سے مشاہدہ کر لیتا ہے تو انوار جمال اسی طرح اس سے قریب ہو جاتے ہیں کہ ہر عضو میں سرایت کرتے ہیں۔ اور اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ ہر شخص کو اس کے چہرے میں اللہ کا نور جھلکتا نظر آتا ہے۔ یہ نور ہی اس کی حقانیت پر شاہد اور گواہ ہے یہ گواہ ہر اپنے پرائے کو نظر آتا ہے۔ بَیِّنَۃ بصیرتِ معرفت ہے اور شاہد چہرے کا نور ہے۔ بَیِّنَۃ کلامِ معرفت ہے اور شاہد قرآن مجید اور حدیث پاک ہے۔ بَیِّنَۃ اسرارِ قلبی ہیں شاہد۔ امور غیبیہ ہیں بَیِّنَۃ علم حقیقت ہے اور شاہد علم شریعت ہے۔ جو شخص اس مقام ترقی پر پہنچتا ہے۔ عینِ حقیقی سے غیبی اسرار و قلبی انوار دیکھتا ہے اور اس کا مشاہدہ اس کی بصیرت پر غالب اس کی بصیرت اس کے یقین پر۔ اس کا یقین اس

اس کے عقیدے پر عقیدہ اس کی عقل اس کے نفس پر غالب ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی خواہشات نفسانیہ اس کے اسرارِ غیبیہ پر غلبہ نہیں کر سکتے نہ ہی اس کے راہِ معرفت میں رکاوٹ بن سکتے ہیں اور نفس شیطانی کی ظلمت انوارِ قرب کے مقابل نہیں آسکتے کیونکہ نفس اور اس کی خواہشیں باطل اور فانی ہیں۔ ظلمتیوں کو بقا نہیں۔ جس کو انوارِ معرفت سے نوازا گیا وہ جہالتوں کی ظلمتوں میں پھنس گیا۔ اس کا نفس اس کی عقل پر اس کی عقل اس کی بصیرت پر اس کی بصیرت اس کے یقین پر اس کا یقین اس کے مشاہدے پر غالب ہوتا ہے۔ اس کے مکاشفے کے بعد اعمال کی کتاب ہے جس کا ورود پہلے ہے جو منزلِ الہیات کا پیشوا ہے اور نوازشاتِ ربّانی کی رحمت ہے جن پر یہ انعام ہیں حقیقتِ حال کا اُن ہی کو پتہ ہے۔ ہدایاتِ مرشد پر وہی ایمان لاتے ہیں نوافل وریاضات کی لذت وہی پاتے ہیں ذکرِ قلبی کے مومن وہی ہیں۔ جس کے پاس برہانِ عقلی اور وجدانِ کشفی کے یقین کا بتیّہ ہے اور یقینِ محکم کا شاہد ہے اور کتابِ قلبی کا موتی ہے جو فرعونِ نفس کے مقابل ہے۔ جس نے اس قلبِ ایمانی کو امام بنا لیا۔ اور خود کو اس امام کا مقتدی بنایا کہ تلاشِ حق میں اسی کے پیچھے چلا اس نے رحمتِ رحیم کا تزکیہ پایا۔ یہی گروہ مقدسہ ومبارکہ حقیقتِ سری پر ایمان لاتا ہے۔ قرآن مجید اسی لئے نازل ہوا کہ فرق کرے اہلِ قہر واہلِ لطف میں۔ زمین پر اہلِ لطف نیرِ تاباں ہے اور اہلِ قہر ظلمتوں کے بھبوکے ہیں۔ عاروں میں خار ہیں عارفوں پھول ہیں۔ اہلِ لطف کے لئے شاہدِ کشف ہے۔ لیکن وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ۔ جو بے خبر کورِ چشم اہلِ لطف کے حالات بحرِ فنا کے بقا کا کفر کرتا ہے۔ شیطانی حزبوں سے اور نفسانی ٹولوں سے پس ہجر کی آگ فراق کی جلن اور دوری کی گرمی اس کا دائمی ٹھکانہ کبھی منزلِ مراد کو نہیں پہنچ سکتا۔ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ اے ریبیت و یقینیت کے برزخ میں حیران کھڑے لوگو یا اے اہلِ لطف والے پیارو اِن اہلِ واردات یا واردات کی طرف سے کسی شک میں نہ رہنا یہ تمہارے ربِ جلیل کی طرف سے عینِ حق ہے۔ کسی کے لئے علم الیقین ہے کسی کے لئے حق الیقین ہے کسی کے لئے عینُ الیقین ہے۔ اور اکثر لوگ جو قید مذلّت میں ہیں ازل سے ہی جن پر قید کا پرتو نہ پڑا وہ اہلِ قرب کی لذت سے منکر ہیں۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔ جن پر ربِ کریم اپنے اسرارِ غیبیہ ظاہر فرماتا ہے کہ چہرے سے ہی ان کے درجات کی گواہی ملتی رہتی ہے وہ خود عالمِ ابصار میں مدعی نہیں ہوتے لیکن جنہوں مکر وفریب کے جال بچھائے وہر قسم کا دعویٰ کرتے کبھی فقط زبان سے کبھی جبّہ و دستار سے کبھی اہلِ ذوق و طلب سے کبھی اغیار سے۔ ان سے بڑھ کر ظالم کون ہے کہ انہوں نے اپنے لئے مقامِ قدس وولایۃ ربانی کا افترا باندھا۔ اللہ پر ادر ارادہ محض یہ ہے کہ اہلِ دنیا کا رخ اپنی طرف پھر جائے جس سے پیٹ کی آگ بھرے اور نفسِ امارہ کی خواہشات پوری ہوں مفتری وہ ہے جو کہے کہ اللہ مجھ کو سعادتِ ازلی بخشی ہے حالانکہ وہ نفس

رذیل کا بندہ ہو عالم سفلی میں رہ کر باتیں مقام علیا کی کرے۔ جب یہی لوگ مقام قہر پر پہنچائے جائیں گے تو ان ہی کا قلب مقہور۔ اور روح مجبور۔ یا اہل قرب کے مشاہدین۔ ان مغلوبین وہم و نفس و شیطان کے بارے گواہی دیں گے کہ یہی وہ فریبی ہیں جنہوں نے سیادت کا لباس پہن کر مکر کی تسبیحیں پکڑ کر ان مکاشفات و بحر انوار کی تیراکی کا جھوٹا دعویٰ کیا جو حاصل نہ تھا۔ یہ ہے ان کی رسوائی کا دن جب کہ ان کی حضوری اہل حق کی موجودگی میں مشہد حق میں ہو گی۔ تب کہا جائے گا۔ خبردار لعنت ہے یعنی ہجر و فراق کی دوری ہے ان بدبخت ریا کار ظالموں کے لئے۔ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس نے اللہ پر غیریت کا افترا باندھا۔ اور کہا کہ اللہ اپنے نبیوں ولیوں سے دور ہے۔ اور اللہ کے ساتھ غیر کو ملایا۔ یہی لوگ جب محجوبین اور محرومین کے گروہ میں شامل کئے جائیں گے تب اہل وحدت ان کے خلاف شرک باطنی کی گواہی دیں گے۔ پھر یہ لوگ بدنصیب حجاب اور فراق کی دوری میں رہیں گے۔ کیونکہ انہوں نے جو کیا وہ محض دعویٰ تھا شعر

ایں مدعیاں در طلبش بے خبرانند
کانرا کہ خبر شد خبرش باز نہ آمد

ترجمہ ہمیشہ دعویدار بے خبر ہوتا ہے۔ جس کو اس کی خبر ہو گئی پھر اس کی خبر دنیا والوں کو نہیں ہوتی علماء شریعت فرماتے ہیں یہ آیات کفار کے لئے ہیں جنہوں نے دینیات میں اللہ پر افترا کیا صوفیاء معرفت فرماتے ہیں کہ یہ آیات ان فریب کاروں کے بارے میں ہے جنہوں نے مشائخ کا لباس پہنا اور جنہوں نے روحانیت میں فریب کیا۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَ

وہ لوگ روکتے ہیں سے راستے اللہ کے اور تلاش کرتے ہیں اس میں ٹیڑھ اور

جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں اور

هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ⑲ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ

وہ ساتھ آخرت ہی کافر ہیں یہ لوگ نہیں ہیں عاجز کرنے والے زمین میں

وہی آخرت کے منکر ہیں وہ تھکانے والے نہیں

فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ

اور نہیں ہے لئے ان کے سے مقابل اللہ سے کوئی ولی دیوں

زمین میں اور نہ اللہ سے جدا ان کے کوئی حمایتی

يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ

سے دو گنا کیا جائے گا ان کے عذاب نہیں طاقت رکھتے سننے کی

انہیں عذاب پر عذاب ہو گا وہ نہ سن سکتے تھے

وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿۲۰﴾ أُولٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ

اور نہیں تھے وہ دیکھتے یہی لوگ ہیں گھاٹے میں رکھا انہوں نے جانوں کو اپنی

اور نہ دیکھتے وہی ہیں جنہوں نے اپنی جانیں گھاٹے میں ڈالیں

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۱﴾

اور گمراہ ہوئیں سے ان جو وہ گھڑتے تھے

اور ان سے کھوئی گئیں جو باتیں جوڑتے تھے

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیات میں ظالمین پر لعنت کا ذکر تھا مگر لعنت اور ظلم کی تعریف نہیں بتائی گئی تھی۔ تو ان آیات میں اولاً ظلم کی تعریف اور ظالم ہونے کی وجہ بتائی گئی کہ اسلام سے لوگوں کو روکنا اور اسلام میں نئی راہیں اور من مرضی کی گنجائشیں نکالنا ظلم ہے اور انکار قیامت گویا لعنت ہے۔ دوسرا تعلق کفار میں چودہ صفاتِ ذمیم ہیں جن میں سے چار کا ذکر پچھلی آیات میں کیا گیا تھا دس بری صفتوں کا ذکر اب کیا جارہا ہے تیسرا تعلق پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار بہت ہی جھوٹی باتیں افترا کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے کفار لوگوں کو اسلام سے روکنے میں کچھ کامیاب ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کی وہ کثرت نہیں ہوتی جس کی صحابہ کو توقع تھی اس سے بعض حساس لوگ اندیشہ کرتے تھے کہ شاید اسلامی قوت کمزور نہ پڑ جائے جس طرح افواہوں سے سلطنتوں کی دفاعی قوتوں پر اثر پڑتا ہے اب ان آیات میں اس خدشے کو دور کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ دنیوی سلطنتوں پر اسلامی شہنشاہی کو قیاس نہ کرو۔ یہ کافر لوگ ہزار افترا کرلیں وسوسے ڈالیں لوگوں کو ورغلائیں مگر اسلام والوں کو عاجز نہیں کر سکتے۔

تفسیر نحوی اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے جمع مذکر کے لئے آتا ہے يَصُدُّوْنَ مضارع معروف جمع ہے صَدٌّ سے مشتق عَنْ حرف جر یہاں تجاوز زوالی کے لئے آیا ہے۔ حرف عن نحات کوفہ کے نزدیک سات معنی میں مستعمل ہے یہاں بمعنی تجاوز ہے اور تجاوز کی دوسری قسم یعنی طلب زوال۔ سبیل سُبُلٌ سے مشتق ہے بمعنی خلا۔ یعنی رکاوٹ

نہ ہو۔ یہاں بوجہ نسبت الٰہیہ راہ شریعت یعنی دین اسلام مراد ہے۔ واؤ عاطفہ ہے۔ یَبْغُوْنَ مضارع جمع ہے۔ بغیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنیٰ تلاش کرنا خواہش کرنا کسی کی برائی کو چاہنا بغیٌ ہے اچھائی کو چاہنا طلبٌ ہے اسی سے ہے بغاوت۔ ھَا ضمیر مونث کا مرجع سبیل ہے حالت نصب میں ہے بوجہ ظرفیت۔ عِوَجًا مصدر ہے بمعنیٰ جھکنا۔ راستے سے ہٹنا۔ ٹیڑھا ہونا۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں اس کا زبر بوجہ مفعول ہے اور تنوین عوض کی ہے۔ واؤ تفسیریہ یا حالیہ ہے۔ ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے با بمعنیٰ علیٰ ہے یا بمعنیٰ عن طلب زوال ہے آخرت سے مراد حشر نشر۔ ھُم ضمیر جمع کی تکرار حصر کے لئے ہے کٰفِرُوْنَ اسم فاعل جمع کُفْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ کفر اصلاحی اُولٰٓئِكَ لَمْ یَكُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِیَآءَ۔ پہلا جملہ صلہ موصول ہوکر مبتدا کے درجے میں تھا اُولٰٓئِكَ اسم موصول صلے سے مل کر خبریت کے درجے میں ہوا لَمْ یَكُوْنُوْا۔ كَوْنٌ کا فعل ناقصہ بمعنیٰ صَارَ پورا جملہ آئندہ۔ صلہ ہے موصول کا۔ معجزین اسم فاعل جمع کا صیغہ باب افعال سے ہے خبر ہے فعل ناقصہ کی اس لئے حالتِ زیر میں ہے۔ فی بمعنیٰ علیٰ واؤ عاطفہ ہے وَمَا كَانَ ماضی مطلق منفی ہے لَهُمْ میں لام حرف جر نفع یا ملکیت کا ہے ھم کا مرجع اُولٰٓئِكَ ہے مِنْ جارٌ کا۔ زائدہ ہے۔ دُوْن بمعنیٰ مقابل مضاف ہے لفظ اللہ مضاف الیہ۔ دون اسم ظرف مضاف ہے اسم اللہ کی طرف من حرفِ جر زائدہ ہے استغراقِ نفی کا فائدہ دیا۔ اولیاء جمع ولی کی ہے یا باعتبار افراد کافرین کے یا باعتبار معبودانِ باطلہ کے اولیاء غیر منصرف ہے بیانِ حال کے لئے ہے یُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوْا یَسْتَطِیْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا یُبْصِرُوْنَ۔ یہ جملہ مستانفہ یا بددعائیہ ہے۔ یُضٰعَفُ مضارع مجہول بابِ مُفَاعَلَةٌ سے ایک قرأت یُضَعَّفُ باب تفعیل سے ہے ضعف سے مشتق ہے بمعنیٰ کسی چیز کا خواہ مخواہ بڑھنا ڈبل ہونا۔ خواہ فائدے مند خواہ نقصان دہ اسی سے ہے ضعیفی کمزوری۔ لام نفع کا ہے ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع اُولٰٓئِكَ ہے عذاب عَذْبٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ عیش و آرام دور ہونا یہاں اُخروی سزا مراد ہے مَا كَانُوْا یَسْتَطِیْعُوْنَ۔ ماضی استمراری منفی ہے طَوْعٌ سے مشتق ہے باب استفعال ہے بمعنیٰ ایسی بے رغبتی کہ جس سے طاقت ہی نہ رہے السَّمْعُ۔ مصدر بمعنیٰ اسم آلہ یعنی کان سے سننا۔ واؤ عاطفہ مَا كَانُوْا یُبْصِرُوْنَ یہ بھی ماضی استمراری منفی ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ...... اُولٰٓئِكَ اسم موصول ہے خَسِرُوْا باب سَمِعَ کا ماضی ہے پورا جملہ صلہ ہے اسی سے ہے خُسْرَانٌ بمعنیٰ گھاٹا یہ متعدی بیک مفعول ہے اَنْفُسَهُمْ جمع ہے نفس کی ھُمْ ضمیر مضاف الیہ ہے نفس کے چار معنیٰ نفس اَمّارہ۔ نفس مطمئنہ۔ نفس لوّامہ۔ نفس ذات یعنی روح مع الجسد۔ یہاں یہ آخری معنیٰ مراد ہیں۔ واؤ عاطفہ ہے۔ ضَلَّ ماضی مطلق بابِ نَصَرَ کا ضَلٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ خود گم ہونا (یعنی گمراہی) یا اس سے کچھ گم ہونا یہاں دونوں معنیٰ بن سکتے ہیں مگر دوسرے زیادہ مناسب ہیں عَنْ مجاوزتِ زوالی کے لئے ہے۔ مَا

مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ماضی استمراری منفی ہے۔ باب افتعال سے ہے۔ مادہ فری ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۔ کفار کی دوسری شرارت یہ ہے لوگوں کو روکتے ہیں اللہ کے راستے سے یعنی اس کے دین اور اس کی اطاعت سے نبی کریم کے دامن رحمت میں پناہ لینے سے اور سچے دین کو سمجھتے ہیں کہ یہ ٹیڑھا راہ ہے۔ حالانکہ آخرۃ قیامت کے منکر تو خود ہی ہیں۔ خود کافر ہیں مگر کہتے دوسروں کو ہیں۔ لفظ سبیل مونث سماعی ہے اور يَبْغُوْنَ کا مطلب ہے چاہتے ہیں ان کی قلبی مرض یہ ہے کہ ہمارا برا دین لوگ مان لیں اور اللہ کا سچا دین چھوڑ دیں۔ اور ان کی یہ شرارتیں نادانی میں نہیں بلکہ جان بوجھ کر يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۔ بَغْوٌ ۔ یا بغیٌ کا معنیٰ ہے مطالبہ کرتے ہیں خواہش رکھتے ہیں اس سے پہلے کفار کی چار شرارتیں بیان ہوئیں۔ یہاں تین شرارتوں کا ذکر ہے۔ يَصُدُّوْنَ يَبْغُوْنَ ۔ يَصِفُوْنَ ھم ضمیر کا دوبارہ آنا تاکید کے لئے ہے۔ یعنی کافر وہی ہیں۔ یہ ساتویں شرارت ہے کہ جنبیوں کے سامنے اسلام کا غلط نقشہ پیش کرتے ہیں پھر خود ہی شبہات پیدا کر کے غیروں کو متنفر کرتے ہیں۔ گویا کہ ان کو ہمت ہی نہیں ہے کہ صحیح بات بتا کر پھر اعتراض کریں يَبْغُوْنَ بول کر يَصِفُوْنَ مراد لیا گیا۔ اس طرح مسبب بول کر سبب مراد لیا۔ کہ ان کی خواہش سبب تھی اور اسلام کو غلطی سے موصوف کرنا مسبب تھا۔ ھُمْ کی تکرار سے ان کی سختیٔ کفر کا پتہ لگا کہ کافر تو اور بھی ہیں مگر اتنے تیز ضدی ہٹ دھرم اور کوئی نہیں۔ یہ کفار اپنی ان شرارتوں میں ہر طریقے سے ایڑی چوٹی کا زور لگتے ہیں اور سمجھتے بوجھتے لوگوں کو اس لئے گمراہ کرتے ہیں کہ وہ خود گمراہ ہیں۔ اپنی سرداری حکومت مال و دولت دھونس طاقت سب کچھ لگا دیتے ہیں اس کے باوجود اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۔ یہ لوگ اللہ کو عذاب دینے سے جبراً نہیں روک سکتے یا اس طرح کہ ملائکہ عذاب سے مقابلہ کریں یا اس طرح کہ بھاگ جائیں یا اس طرح کہ عذاب کو روک سکیں ساری زمین میں کہیں بچاؤ نہیں اور پھر اللہ کے مقابلے میں ان کا کوئی مددگار نہیں ہو سکتا۔ یہاں کفار کی کمزوری کا اظہار ہے کہ شرارتیں اتنی کرتے ہیں مگر کمزوری کا یہ حال ہے کہ جب عذاب آیا تو ایک سیکنڈ ایک انچ آگے پیچھے تاخیر نہیں کر سکتے بچنا تو درکنار ہاں ڈھیل ہے جب تک ہے بلکہ یہ ڈھیل بھی ان کی بدنصیبی ہے کہ اس سے عذاب دائمی کی نشان دہی ہوتی ہے فِي الْاَرْضِ کی قید اس لئے لگائی کہ زمین میں ہی ان کی سرداری حکومت۔ طاقت وقوت ہے۔ یہاں ہر طرح سے طاقت استعمال کر سکتے ہیں تو جب یہاں حالت یہ ہے آخرت میں تو بیچاروں کے پاس کچھ بھی نہ ہوگا۔ ارض سے یا تمام زمین مراد ہے کہ سارے کا فر مل کر بھی اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے یا اس کے فرشتوں سے پناہ نہیں لے سکتے یا مراد ہے ان کا اپنا حکومتی علاقہ کہ یہاں تمہارے پاس فوج لشکر ہتھیار سب کچھ ہے مگر پھر بھی کچھ نہیں کر سکتے لفظ مَا كَانَ سے یا دنیا کی زندگی تذکرہ بمعنیٰ مال ہے اور یا یہ کلام آخرت میں ہوگا کہ ان کو کوئی مددگار

نہ تھا۔ دنیا میں تو ذلت و رسوائی کا عذاب آئے گا مگر آخرت میں يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۔ دگنا مارا جائے گا ان کو عذاب کیونکہ وہ خود بھی گمراہ تھے اور لوگوں کو گمراہ بھی کرتے تھے نہ وہ حق سننے کی ہمت رکھتے تھے نہ وہ اللہ تعالےٰ کی نشانیوں کو دیکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ جملہ نیا ہے جس نے کفار کی شرارتوں کا نتیجہ بیان فرمایا۔ ان آیات میں رب تعالیٰ نے کفار کی گیارہ حالتیں بیان فرمائیں کچھ تو ان کے مجرمانہ اعمال کی اور کچھ اس کے نتیجے کی ۱؎ وہ افترا کرنے والے ہیں ۲؎ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں انکی ذلت آمیز حاضری ۳؎ ان کو دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ہوگی ۴؎ عنداللہ ملعون ہونا ۵؎ اللہ کے دین سے روکنا ۶؎ دین میں شبہے ڈالنا اور یہ چاہنا کہ ہم دین کی طرف نہ جھکیں دین ہمارے لئے جھک جائے۔ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۷؎ آخرت کے منکر کافر ۸؎ اللہ تعالےٰ کے عذاب سے نہ بچ سکنے والے لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اعجاز يُعْجِزُ عاجز کرنے کے معنیٰ ہیں کسی کو اس کے عمل و ارادے سے روکنا باز رکھنا ۹؎ ان کا کوئی مددگار نہ ہونا جو ان کو عذاب الہٰی سے بچائے جب یہ حالت صرف کفار کی ہوئی تو ثابت ہوا کہ مومنین کے مددگار ہیں جو ان کو عذاب سے بچالیں۔ یہ مددگار خود رب کریم کے اپنے ہیں نہ کہ مقابل ۱۰؎ ایسے کفار پر عذاب کا دگنا ہونا ۱۱؎ یہ کفار حق سننے کی ہمت نہیں رکھتے کیونکہ اپنے جرموں کا ان کو پتہ ہے اور اللہ کی نشانیوں پر غور نہیں کرتے۔ (تفسیر کبیر و سراج المنیر) کفار کی ان ہی حرکات کی بنا پر ان کی حالت یہ ہوئی کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۔ دنیا میں یہی لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنی اس تجارت میں اپنے آپ کو گھاٹے میں رکھا اور سب برباد ہوئے ان کے وہ شرارت آمیز اعمال فریب کاریاں اور جس طرح سے بھی وہ افترا باندھتے تھے۔ کہ دنیا میں آکر اللہ کو چھوڑا بتوں کو معبود بنایا۔ انبیاء سے دور رہے۔ شیطان کے قریب ہوتے۔ عبادت الہٰی کے بدلے میں جھوٹے معبودوں کی عبادت خرید لی ہدایت سے منہ موڑا گمراہی حاصل کی۔ متاع دنیا پر ایسا فخر کیا کہ متاع آخرت کی پرواہ نہ کی۔ جنت کو بیچا۔ جہنم کو خریدا۔ حق سننے کی ہمت نہ۔ اور اللہ کی نشانیو۔ خود اپنے نفسوں میں غور کرنے سے نفرت کی۔ تھوڑے پہ پھول بیٹھے۔ زیادہ سے ہٹ گئے۔ خَسِرُوْا۔ خُسْرَانٌ سے بنا ہے جس کے معنیٰ فنا کرنا بالکل ختم کرنا۔ اَنْفُسَهُمْ کا مطلب ہے کہ اپنے نفسوں یعنی جسموں روحوں کا مقصد حیات فنا کر دیا۔ روح المعانی نے فرمایا کہ یہاں لفظ سعادت یا لفظ راحت پوشیدہ ہے۔ دراصل تھا سَعَادَةَ اَنْفُسِهِمْ یا رَاحَةَ اَنْفُسِهِمْ۔ مدعیٰ یہ ہے کہ کفار کے جسمانی روحانی صرف ڈھانچے رہ گئے ہیں۔ فائدے کی چیز ختم ہوگئی گویا کہ صرف چھلکے ہیں۔ پس جیسے کہ کوئی شخص بازار میں جاکر اپنا مال دولت روپیہ پیسہ خرچ کرے اور چھلکے کوڑے کے ڈھیر زیادہ سمجھ کر خریدتا رہے یا سڑے جیسی ترکاری محض اس لئے خریدے کہ یہ دیکھنے میں زیادہ ہے سستی ہے۔ آسانی سے مل جاتی ہے۔ تو وہ بیوقوف گھاٹے میں رہا مال اور رقم بھی خرچ ہوگئی ہاتھ کیا آیا۔ بوجھ۔ بدبو۔ بے نفع چیزیں۔ اسی طرح کفار نے متاع

دنیا کے لیے حیات دنیا جیسے قیمتی سرمائے کو خرچ کر ڈالا فنا کر دیا اور حاصل کیا کیا۔ بے کار دنیا بے نفع بلکہ نقصان دہ اعمال۔ جن باتوں کو یہ بہت کچھ سمجھے رہے وہ سب برباد اور ضائع ہوا کسی کا کچھ نہ بگڑا اپنا ہی خسارہ ہوا جو سمجھے بیٹھے تھے کہ ہمارے بت ہماری شفاعت کریں گے وہ سب غلط نکلا۔ اور شرمندہ ہو کر دنیا سے گئے (کبیر، معانی روح۔ جمل۔ خازن۔ مظہری۔ صاوی۔ تفسیر الحدیث۔ مدارک۔ ابن کثیر۔ تنزیل۔ تاویل)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** جو لوگ اسلام میں اپنی من مانیاں کرنا چاہتے ہیں وہ مثل کفار کے ہیں۔ کیونکہ اسلام کے اصول و فروع کی پابندی نہ کرنا بلکہ اسلام میں غلط تاویلیں توڑ مروڑ۔ اپنے مطلب کے لئے تحریفیں کرنا کفار کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ یَبۡغُوۡنَهَا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** اللہ کے ذکر اور ذکر کی مجلسوں سے روکنا ان کو برا کہنا اور نیکوں کے پاس یا ان کے مزارات کے پاس جانے سے روکنا بھی کفار کا سا کام ہے یہ فائدہ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فرمانے سے حاصل ہوا لہٰذا جو لوگ محفل میلاد۔ جلوس میلاد اور اذان سے پہلے یا بعد درود شریف سے روکتے ہیں وہ یا جو لوگ بعد جماعت نماز بلند ذکر اللہ سے منع کرتے ہیں اور بہانہ نماز کا بتاتے ہیں وہ سب غلطی پر ہیں وہ اس آیت سے عبرت حاصل کریں **تیسرا فائدہ** ایمان والوں کے مددگار بحمدہ تعالیٰ دنیا میں بھی ہیں اور آخرت میں بھی قبر میں بھی ہیں حشر میں بھی۔ ہاں کفار کا مددگار کوئی نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ سے دشمنی رکھتے ہوئے پھر مددگاروں کی مدد سے آس لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ فائدہ لَھُمۡ اور مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ اصل سے نفی نقیض میں ثبوت ہوتا ہے (منطق) اور علّت بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے (علم اصول) **چوتھا فائدہ** خوش قسمتی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ عطا فرمائے اور شرح صدر کی دولت عطا فرمائے ورنہ صرف کتابیں یا قرآن و حدیث پڑھ لینا کوئی دلیل سعادت نہیں۔ صرف الفاظ کو جان لینا کمال نہیں معنیٰ و اسرار کی دولت ملنا خوش نصیبی ہے۔ یہ فائدہ مَا کَانُوۡا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ السَّمۡعَ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو کفار سب کچھ سنتے تھے کانوں کی سماعت رکھتے تھے۔ بہرے نہ تھے مگر فرمایا گیا کہ وہ سننے کی طاقت نہ رکھتے تھے کیوں؟ اس لئے کہ وہ صرف الفاظ سنتے تھے اس کے اسرار ان کے حواس باطنہ قبول نہ کر سکتے تھے۔ آج بھی ہر فرقہ قرآن لئے پھر رہا ہے مگر گمراہ ہے صرف اس لئے کہ الفاظ میں الجھے بیٹھے ہیں معانی و اسرار تک رسائی نہیں۔ یہ نعمت تو صاحب اسرار مشفق دلدار سے ملتی ہے۔ شعر

صد کتاب و صد ورق در نار کن
روئے دل را جانب دلدار کن

پانچواں فائدہ اللہ تعالےٰ جَلَّ مَجۡدَہٗ کا ہی کرم ہوتا ہے تب بندے کو دین کی صحیح سمجھ آتی ہے ورنہ۔ عربی دانی منطق دانی۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ عقل و خرد سب دھری رہ جاتی ہیں یہ فائدہ مَا کَانُوۡا یُبۡصِرُوۡنَ سے حاصل ہوا۔ رب تعالےٰ نے بعد صحابہ کرام سب سے زیادہ دین کی سمجھ امام اعظم ابو حنیفہ رح کو عطا فرمائی پھر غوث اعظم عبدالقادر جیلانی

کو عطا فرمائی کہ وہاں شریعت کامل یہاں طریقت کامل۔ **چھٹا فائدہ** دین کے مقابل انسان جو کچھ چاہے کرے جو چاہے بنائے۔ اللہ رسول کی راہ سے ہٹ کر ساری محنتیں سارے اعمال برباد و بیکار ہیں یہ فائدہ وَضَلَّ عَنْهُمْ (الخ) سے حاصل ہوا لہٰذا بے دین فرقوں کی ریاضتیں پڑھنا پڑھانا۔ مدرسے مسجدیں بنانا وعظ تقریریں تبلیغیں کرتے پھرنا سب بیکار ہیں۔

اعتراضات

اس جگہ چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ۔ ان کو عذاب دگنا دیا جائے گا حالانکہ قرآن پاک کی دوسری آیات سے ثابت ہے کہ دگنا ہونا نیکیوں کے اجر و ثواب سے مخصوص ہے۔ گناہوں کے عذاب کے متعلق رب تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا۔ جو گناہ لے کر آیا تو اس کا عذاب ایک گناہ کا اس کی مثل یعنی ایک ہی ہوگا۔ معلوم ہوا کہ عذاب دگنا نہیں ہوگا اِس آیت اور اُس آیت میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ **جواب**۔ تفسیر صاوی نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہاں گناہ بھی دو ہیں ایک گمراہ ہونا دوسرا گمراہ کرنا لہٰذا دو گناہوں کے دوگنا عذاب ہوئے نہ کہ ایک گناہ کے دوگنا عذاب معترض کی پیش کردہ آیت میں ایک گناہ کا ذکر ہے لہٰذا تعارض نہ ہوا۔ مگر میں اس کا جواب اس طرح دیتا ہوں کہ یہاں دگنا ہونے کا مطلب عددی دگنا نہیں کہ ایک بار پھر دوسری بار۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہوگا ایک ہی بار خواہ کتنا ہی دراز ہو مگر ہوگا شدید۔ مثلاً ایک آدمی کسی کو چپت مارے مگر نرم طریقے سے دوسرے آدمی کو سخت زور سے چپت مارے تو عدد میں دونوں چپت برابر ہیں مگر شدت میں دوسرا پہلے سے دگنا ہے۔ یہی مطلب پیش کردہ آیت کا ہے کہ فرمایا اِلَّا مِثْلَهَا یعنی جیسا گناہ ویسا عذاب اگر گناہ ڈبل اور زیادہ نقصان دہ نوعیت کا ہے تو عذاب بھی اس کی مثل شدید ڈبل ہوگا تو يُضٰعَفُ کا مطلب دوگنا کے بجائے ڈبل کر لیا جائے تو اعتراض ختم ہو جاتا ہے۔ ہمارے علاقے میں میدہ کی ڈبل روٹی بنائی جاتی ہے ہوتی وہ ایک ہی ہے مگر موٹی ہوتی ہے اس لئے اس کو ڈبل روٹی کہہ دیتے ہیں۔ ایسے ہی یہاں ہے کہ عذاب ایک ہی ہوگا مگر شدید ہوگا۔ معترض کی پیش کردہ آیت کے لفظ مِثْلَهَا سے اور ہماری اس تقریر سے تعارض ختم ہو گیا بعض نے جواب دیا کہ دگنا سے مراد دائمی اور مسلسل عذاب ہے مگر یہ جواب کمزور ہے کیونکہ دائمی عذاب تو سب قسم کے کفار کو ہے۔ لیکن خصوصی طور پر يُضٰعَفُ فرمایا گیا۔

دوسرا اعتراض آیت میں فرمایا گیا مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ۔ کفار سننے کی طاقت نہیں رکھتے حالانکہ وہ کان والے تھے آپس کی بولیاں گفتگو سنتے سنا تے تھے اور اگر سمع سے سمجھنا مراد لیا جائے تب ٹھیک نہیں کیونکہ وہ عربی دان تھے بھلا عربی عبارت کو کیوں نہ سمجھیں۔ **جواب**۔ تفسیر کبیر نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ قدرت نے انسان کی سماعت میں تین قوتیں رکھی ہیں ایک ظاہری جس کو حواسِ خمسہ میں قوتِ سامعہ کہتے ہیں یہ ہر جاندار کو حاصل ہے۔ دو قوتیں باطنی ہیں ۱۔ قوتِ فہم ۲۔ قوتِ ادراک قوت فہم سے انسان زبان سمجھتا ہے اور ترجمہ کا معنی

جان لیتا ہے قوت ادراک سے انسان اس بات کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جب تینوں قوتیں موجود تب انسان نے قبول کرتا ہے۔ جب ایک قوت بھی ختم ہو جاتے گی تو کلام سننا سنانا بیکار ہو جائے گا۔ اور وہ سننا نہ سننے کے برابر ہوگا۔ کفار کے پاس قوتِ سامعہ اور فاہم تو تھی مگر قوتِ درک وتوجہ نہ تھی اس لئے وہ کسی اچھی چیز کو قبول نہ کرتے تھے اور یہ قوت درک صرف ایمانی لحاظ سے ناپید تھی نہ کہ دنیوی لحاظ سے۔ **تیسرا اعتراض** آپ نے تفسیر میں فرمایا کہ کفار کے سب کام برباد بے نفع ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی محنت سے دولت ان کی سیاست سے ملک وسلطنت ان کی عقل سے عزت ان کو بخوبی مل جاتی ہے تو یہ پھر بے نفع کیونکر ہوئے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں دیا گیا کہ یہ نفع دنیوی ہے جو مثل کوڑے اور چھلکوں کے ہے اصل دائمی مقصود حیات والا نفع نہ ملا۔

تفسیر صوفیانہ

اَلَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَیَبْغُوْنَہَا عِوَجًا۔ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ۔ اُولٰٓئِکَ لَمْ یَکُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۔ یہ دام فریب بچھانے والے ظالم لوگ مجاز کو حقیقت، ابلیسیت کو روحانیت نار کو نور ظلمت کو روشنی کا نام دے کر بھولے بھالے طالبانِ حق کو اپنے گھیرے میں لے کر اللہ کی راہِ طریقت سے روکتے ہیں۔ اور ناآشناؤں کو منزل سے بھٹکانے کے لئے ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ جس راہ کی آواز دے کر جس منزلِ آخری پر پہنچانے کا وعدہ کر رہے ہیں اس کے سرے سے منکر و کافر ہیں۔ قوتِ ولی اختیارِ انبیاءِ کرام عقائدِ ایمانیہ مکاشفاتِ غیبیہ کے سرے سے منکر ہیں۔ اولیاء اللہ کا لباس محض دھوکہ دینے کے لئے اختیار کیا ہے۔ وظائفِ سفلیہ کو کرامات کا نام دیا ہے۔ مشائخ ربانی کی دشمنی میں مشائخ بنے ہیں توحید سرمدی سے روکتے ہیں اور مستانِ الٰہیہ کو کجی سے موصوف کرتے ہیں۔ لیکن تمام جال و فریب لگالیں مگر اللہ کے ولیوں کو عاجز نہیں کر سکتے اپنی حکومت اور علاقے میں بھی بادشاہت وقوت کے باوجود ولی کی طاقت نہیں چھین سکتے۔ کیوں کہ اولیاء اللہ کو استقامت کا نصیبہ میسر ہے۔ ان محروموں کا حیلہ اللہ کے پیاروں پر نہیں چل سکتا۔ کیونکہ یہ لوگ دنیا میں حق سے محجوب ہیں اور آخرت میں حجابِ اکبر میں رہیں گے۔ حجاب انوار صرف انہی کے لئے ہے۔ نہ کہ اہلِ ادیانِ صدق کے لئے وَمَا کَانَ لَھُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ اَوْلِیَآءَ یُضٰعَفُ لَھُمُ الْعَذَابُ مَا کَانُوْا یَسْتَطِیْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا کَانُوْا یُبْصِرُوْنَ ۔ ان اہل حجاب کے لئے۔ اللہ کے آستانہ قدس کو چھوڑ کر۔ کوئی راہ نمائے ہدایت نہیں۔ ان پر ہزاروں حجابات کا دگنا چوگنا عذاب نارِ فراق ہے۔ کیونکہ انہوں نے مشاہدات عالم کو ظاہری آنکھوں سے تو دیکھا مگر چشم روحانی کو کھلنے نہ دیا بصارت ظاہری کو کھولا بصیرت باطنی سے دور رہے اور خطاب حق یعنی قرآن حدیث کو ظاہری کانوں سے سنا دل کے کانوں سے نہ سنا سماعت باطنی کو ناکارہ کر دیا یہ ہی دنیا میں عذاب باطنی ہے۔ یہ بڑے نقصان کی دلیل ہے اگر یہ اپنے ظاہر کو چھوڑ کر روح وقلب کی طرف متوجہ رہتے تو ذرے ذرے میں نورِ ازلی کے جلوے آشکارا

ہونے کیونکہ۔

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقِ دفتریست معرفتِ کردگار

جس صاحبِ نظر کو ہوش مندی سرمدی حاصل ہوئی اس کی فراست میں ہر پتہ معرفتِ الٰہی کا دفتر ہے مگر جس کی آنکھیں ازل کی پھوٹی ہیں اس کے لئے پتہ محض گھاس ہے۔ ایسے بدبخت کو انوارِ قربت کا حصہ نہیں ملتا۔ نہ صدیقین نہ عارفین سے شناسائی ہو اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ۔ دنیاءِ فانی میں تو چند دن عیش کے مل گئے لیکن آخرت میں یہی لوگ ہیں جنہوں نے سخت نقصان پہنچایا اپنی جانوں کو بعض نے کہا کہ جسم کو انہوں نے آرام پہنچا لیا مگر روح وقلب کو ذلت کے نقصان میں رکھا۔ اور آخرت میں وہ فریب کاری جبۂ دستار جس کا افترا باندھے تھے اور جھوٹے ہو کر سچوں کا نقشہ باندھتے اور سچوں کی بدنامی کرتے تھے اپنی بدکرداری سے وہ سب لُٹے غائب ہو گئیں بعض نے کہا کہ جسم وظاہر پر جس ولایت وغوثیت کو سجاتے تھے اور جھوٹے مدّعی بنتے تھے۔ اُن کی روح میں وہ چیزیں غائب تھیں۔ ظاہر اُجلا چونکہ چاندنی میں تھے مگر روح فسق وگناہ کی ظلمتوں میں بھٹک رہی تھی جس دابۂ ناسوتی پر وہ سوار رہتا تھا۔ مگر قلب وضمیر کی شرمندگی کے دلدل میں پھنسا رہتا تھا۔ ان کے دعوے روح کی سرزمین میں نظر نہ آتے تھے وہاں سے غائب تھے اور گمراہی جہالت کا راج رہا کرتا تھا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں جس نے دینِ خودی کا سودا کر دیا دنیا کے بدلے۔ اور حظِّ نفس کی خاطر مدّعی مع اللہ ہوا ریاست کی طلب میں اور زہد وشیخوخیت لذّتِ دنیا کے لئے اختیار کی وہ زبانِ اولیاء اللہ میں ملعونِ ازلی اور راندۂ درگاہ ہے۔ نفس کی منزل سعادت تھی اس نے نفس کو بھٹکا کر اس پر ظلم کیا پس مستحقِ لعنت ہوا۔ (روح البیان۔ عرائس البیان۔ ابن عربی)

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ

یقیناً بیشک وہ میں آخرت وہی نقصان والے زیادہ | بے شک

خواہ مخواہ وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان میں ہیں | بے شک

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ

وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے نیک اور جھک گئے طرف اپنے رب کی

جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور اپنے رب کی طرف رجوع

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾

یہی لوگ والے ہیں جنت کے وہ بیں اس ہمیشہ رہنے والے

لائے وہ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ

مثال دو فریقوں کی جیسے کہ اندھا اور بہرا اور جیسے دیکھنے والا اور سننے

دونوں فریق کا حال ایسا ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا اور دوسرا دیکھتا اور سنتا

هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

والا کیا دونوں برابر ہیں مثال میں۔ کیا پس نہیں نصیحت لیتے تم اور البتہ بیشک بھیجا

کیا ان دونوں کا حال ایک سا ہے تو کیا تم دھیان نہیں کرتے اور بے شک ہم نے

نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾

ہم نے نوح علیہ السلام کو طرف قوم ان کی بیشک میں لیے تمہارے ڈرانے والا ہوں کھلا

نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ میں تمہارے لیے صریح ڈر سنانے والا ہوں

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں ظالموں پر لعنت کا ذکر تھا اب اس لعنت کے نقصان کا ذکر ہے۔ کہ وہ گھاٹے ہی گھاٹے میں ہیں **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں دنیا کی ایک قوم یعنی کفار اور ان کے اعمال انجام کا تذکرہ ہوا اور فرمایا گیا تھا کافر کا کوئی ولی شفیع مددگار نہیں اب اس جہان کی دوسری قوم یعنی مسلمان اور ان کے اعمال و افعال و انجام بالخیر کا ذکر ہے اور فرمایا جارہا ہے کہ کوئی احمق یہ نہ سمجھ لے کہ مسلمانوں کا بھی ولی مددگار کوئی نہیں بلکہ ان کے بے شمار شفیع و مددگار ہیں۔ **تیسرا تعلق** کافر و مومن کا فرق بتانے کے بعد۔ اب وجہ فرق بتایا جارہا ہے کہ مومن سمیع و بصیر ہیں اس لئے ایمان لے آتے ہیں حق سن لیتے۔ انوار کلام الٰہی دیکھ لیتے ہیں۔ جس سبب سے خدا و غیر خدا کے کلام میں فرق جان لیتے ہیں مگر کافر اندھے بہرے ہیں نہ وہ حق سنتے ہیں نہ انوار تجلیات دیکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ قرآن کریم کیا جانیں **چوتھا تعلق** پہلے ان کافروں کا تذکرہ فرمایا گیا جن کو تھوڑی مدت تبلیغ کی گئی جیسے مکے کے کافر۔ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ ہو جاتے تھے آپ کی تسلی کے لئے اس کے بعد نوح علیہ السلام کا ذکر کیا گیا

کہ اے پیارے حبیب نوح علیہ السلام نے تو ان کفار اندھے بہروں کو ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرمائی پھر بھی ایمان نہ لائے۔

تفسیر نحوی

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۔ لا نفی کا جَرَمَ میں سات اقوال ہیں مگر صحیح قول وہ ہے جو اتقان میں امام سیوطی نے فرمایا کہ جَرَمَ اسم ہے اور لا نفی جنس ہے بمعنی لَابُدَّ یہ لفظ قرآن کریم میں پانچ جگہ آیا ہے یہ پہلی جگہ ہے جَرَمَ سے پہلے لا اور بعد میں اَنَّ لازم ہے۔ حرف مشبہ پورا جملہ اسمیہ بن کر خبر ہے لاء نفی جنس کی ھم ضمیر جمع اسم اَنَّ ہے فی ظرفیہ آخرت سے مراد قیامت ہے ھُمْ ضمیر حصر کے لئے ہے بمعنی ہی الاخسرون الف لام بمعنی اَلَّذِیْنَ ہے اسمی ہے اَخْسَرُوْنَ اسم تفضیل جمع ہے خَسَّ سے مشتق ہے بمعنی اصل پونجی کا ہی نقصان ہو جائے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ یہ جملہ مستانفہ ہے اِنَّ بکہم ہذہ ۔ بوجہ ابتدا اَلَّذِیْنَ جمع اسم موصول اٰمَنُوْا فعل ماضی اس کا صلہ۔ واؤ عطف کی عَمِلُوْا یہ جملہ گویا نتیجہ ہے اَلصّٰلِحٰتِ الف لام استغراقی یعنی تمام اعمال نیک ہوں نہ کہ بعض واؤ عاطفہ اور جملہ نتیجہ اَخْبَتُوْا اَخْبَتُ سے مشتق ہے بمعنی ہمہ تن مشغول ایک ہی دُھن سوار ہونا باب افعال کا ماضی مطلق معروف جمع ہے الٰی انتہاء غایت کے لئے ہے رَبِّهِمْ رب سے مراد اللہ کریم۔ ھُمْ کا مرجع اٰمَنُوْا کا فاعل اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ. اُولٰٓئِكَ اسم موصول ہے دراصل اولاء تھا کاف زائدہ ہے اس کا اشارہ مومنین مذکورین کی طرف ہے اصحاب جمع ہے صاحب کی بمعنی والا مضاف ہے جنت کی طرف اَلْجَنَّةَ الف لام عہدِ ذہنی مراد عرش اعظم کے پاس جنت دائمی ہے۔ جو زمین و آسمان سے پہلے مخلوق ہوئی ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع اُولٰٓئِكَ ہے مبتدا ہے فِيْهَا۔ فی ظرفیہ ھا کا مرجع جنت خٰلِدُوْنَ اسم فاعل جمع باب نَصَرَ سے ہے فِيْهَا اس کا ظرف مقدم ہے خلود سے مشتق ہے بمعنی بہت دراز مدت رہنا۔ یہاں مراد دوام ہے مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ. مَثَلُ مِثْلٌ سے مشتق ہے بمعنی مشابہت اَلْفَرِيْقَيْنِ الف لام عہد خارجی ہے فریقین تثنیہ ہے فریق کی بمعنی مخالف ساتھی کاف تشبیہ کا ہے الاعمٰی الف لام عہدی ہے اَعْمٰی اسم تفضیل عَمٰی سے مشتق ہے بمعنی سیاہ بادل چھانا خواہ آسمان پر خواہ آنکھوں پر خواہ دل پر یہاں آخری معنی مراد ہیں۔ اعمٰی یعنی بہت ہی اندھیرے والا۔ اسی وجہ سے اندھے کو اعمٰی کہتے ہیں۔ اصم صَمَمٌ سے مشتق بمعنی ڈاٹ لگا کر روکنا۔ یہاں کان کو ڈاٹ لگنا مراد ہے یا دل کو وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۔ واؤ عاطفہ بَصِیْرٌ بَصَرٌ سے بنا ہے بروزنِ کریم بمعنی بہت دیر تک دیکھنے والا۔ واؤ عاطفہ الف لام عہدی سمیع بھی صفت مشبہ ہے بمعنی بہت دیر تک سننے والا اگر یہ اللہ کی صفت ہو تو مراد ہے ہمیشہ سے ہمیشہ تک دیکھنے سننے والا ھَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا۔ یہ جملہ استفہامِ انکاری ہے۔ ھَلْ لفظِ سوالیہ ہے يَسْتَوِيٰنِ مضارع معروف تثنیہ ہے۔ اس کا فاعل ھُمَا کا مرجع فریقین ہے باب استفعال ہے سَوِیٌّ سے بنا ہے اسی سے ہے سَوَآءٌ۔ مَثَلًا یا تمیز ہے

یا مفعول فیہ ہے یا مفعول لہٗ اسی لئے زبر ہے اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ یہ جملہ بھی استفہام انکاری اور تعلیلیہ ھمزہ سوال تعقیبہ لَاتَذَکَّرُوْنَ مضارع منفی باب تفعیل سے دراصل تتذکرون تھا ایک تا خفت کے لئے گر گئی۔ خطاب کفار سے ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ۔ واؤ ابتدائیہ لام کئے قد حرف تحقیق اَرْسَلْنَا باب افعال متعدی بیک مفعول صیغہ جمع متکلم نَا کا مرجع ذاتِ باری تعالیٰ نُوْحًا لفظ نُوْحٌ نوح سے مشتق ہے مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت نوحہ کرنے والے اِلٰی حرف جر انتہاءِ غایت کے لئے قوم سے مراد اُمتِ دعوت یا برادری رشتے دار ہٗ کا مرجع حضرت نوح اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۔ اِنَّ حرف مشبہ سے پہلے قال پوشیدہ ہے کیونکہ اس کے ظاہری مقولے میں یا متکلم قال کا قرینہ ہے لہٰذا تخفیف کے لئے پوشیدگی جائز ہوئی اِنَّ کا مکسور ہونا قال کی وجہ سے ہے۔ یاءَ لامِ جارہ کُمْ ضمیر حاضر جمع کا مرجع قوم ہے نذیر مبالغ کا صیغہ ہے نَذْرٌ سے مشتق ہے بمعنی مستقبل سے ڈرانا مُبِیْنٌ اسم فاعل ہے باب افعال کا بَیْنٌ سے بنا ہے۔ بمعنی صاف صاف کھلا کھلا بیان بغیر ایچ پیچ۔

تفسیرِ عالمانہ

لَاجَرَمَ اَنَّھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ۔ اس آیت کی تین نحوی ترکیبوں کی بناء پر اس کی تین تفسیریں ہوں گی ۱۔ نہیں نفع دیا ان کو ان کی سیاسی چالبازی شرارتوں اور کفریہ عقیدوں نے اور لازم ہو گیا کہ بیشک وہ آخرت میں بھی گھاٹے والے ہیں۔ یہ ترکیب سیبویہ نحوی کی ہے ۲۔ ان کے دنیوی گھاٹے سے یہ بات حاصل ہوئی کہ آخرت میں گھاٹا ہے ان کو ۳۔ ضروری ہے یہ کہ ان کو قیامت میں گھاٹا ہو اور یہ بات بالکل بدیہی اور آسان سمجھ میں آنے والی ہے کہ جو کسان کھیتی بیجنے والا ہے وہ تو کٹائی کے وقت باعزت طریقے سے بہت کچھ حاصل کرے گا لیکن جو اپنی عیش و عشرت میں مگن رہا۔ زمین بیکار چھوڑی رکھی وہ بجز ذلت و گھاٹے کے کیا لیگا ضحاک سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ زھد کیا ہے فرمایا کہ جو قبر اور عذاب کو نہ بھولے اور زینتِ دنیا کو ترک کرے وہ زاھد ہے یہاں اَلْاَخْسَرُوْنَ اسم تفضیل جمع فرما کر دوسروں کے خسران سے فرق کر دیا کہ دیگر کافر یا فاسق تو گھاٹے میں ہوتے ہیں لیکن یہ بہت زیادہ گھاٹے والے کہ دوسروں کو صرف عذاب ان کو ذلت بھی عذاب بھی اور سختی بھی۔ گویا کہ کمیت و کیفیت دونوں طرح عذاب زیادہ اس لئے دوسرے کفار خسران میں اور یہ اخسر (تفسیر کبیر معانی جمل۔ بیان) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّھِمْ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَنَّۃِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ۔ ہاں وہ لوگ جو اللہ کے تمام واجبات پر مکمل بے چون چرا ایمان لاتے اور شریعت و طریقت پر پورا عمل کیا جو بھی اس کے امر تھے ان کو کیا نہی اور ممنوعات سے باز رہے حکم ربانی کے سامنے جھک گئے کوئی شبہ اندیشہ اعتراض سوال نہ کیا یہ لوگ ابتدا سے جنتی ہیں وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے اِخْبَات کا معنیٰ ہے مثل گھریلو سدھائے جانور کے کان جھکا کر مالک کی ماننا۔ اپنی کسی لیاقت کو یاد نہ رکھنا یہی مومن کی شان ہے کہ خواہ کتنا بڑا ذہین و علیم ہو۔ جب رسول اللہ کی بات آجائے تو فوراً عاجز ہو کر جھک جاتے

خواہ وہ بات چھوٹے سے سنے یا بڑے سے مخالف سے سنے یا موافق سے اور یہ لوگ صرف ساکنین جنت نہ ہوں گے بلکہ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ یعنی جنت کے مالک ہوں گے۔ یہ انعام ان کو اس لئے ملا کہ انہوں نے اپنے اندر چار خصلتیں پیدا کیں ۱؎ انہوں نے ہمارے کلام کی تصدیق کی ۲؎ انہوں نے ہماری آیتوں اور اپنے وجود میں بصیرت سے غور کیا ۳؎ انہوں نے نفسانی و شیطانی کج بحثی کو چھوڑ کر ہمارے فرمان پر ایک دم خود کو جھکا دیا۔ اور ہماری ہر نرمی گرمی برداشت کی ۴؎ انہوں نے ہم سے سچا عشق کیا اور ہم پر کامل اطمینان و بھروسہ کیا اور انہوں نے عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے اعمالِ جوارح اور اَخۡبَتُوۡا سے افعال قلب سب کچھ ہمارے لئے کیا کہ ان کا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا شادی وخوشی رسم و رواج سب ہماری مرضی کے مطابق ہوئے کسی کام میں بھی کسی غیر کا راستہ نہ پکڑا نہ عروج کے طالب ہوئے نہ شبہات میں پھنسے مثل نرم زمین کے ہوگئے نہ اس میں دلدل ہوتی ہے نہ سپاٹ سختی تو ہم اور ہماری سب چیزیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی ہوگئیں۔ جس طرح ہم دشمنوں کو عذاب دیتے اسی طرح ہم اپنے دوستوں کو انعام بھی دیتے ہیں دوست دشمن برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ مَثَلُ الۡفَرِیۡقَیۡنِ کَالۡاَعۡمٰی وَالۡاَصَمِّ وَالۡبَصِیۡرِ وَالسَّمِیۡعِ ؕ هَلۡ یَسۡتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ۔ (اے سننے والو) تم کو کتنا تعجب ہوگا کہ دنیا میں دو ہی تو گروہ ہیں۔ ایک طرح کی مخلوق ہے ایک طرح رہتے بستے ہیں مگر ایک ٹولہ اندھا اور بہرا ہے اور دوسرا دیکھنے والا سننے والا ہے بھلا کیا یہ دونوں گروہ حال اور صفت میں ایک مثال برابر ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں تو پھر تم کیوں نہیں نصیحت پکڑتے۔ لفظ مثلاً کا حقیقی معنی ہوتا ہے کسی کو کسی کی صفات یا حالات کے جزئیاً ایک جیسے ہونے کی بنا پر تشبیہ دینا۔ مگر مجازاً یہ لفظ تعجب کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے یہاں اسی طرح ہے۔ اندھا اور بہرا یہ دو ذاتیں نہیں بلکہ دو صفتیں اور یہ عطف ذاتی نہیں بلکہ صفاتی یعنی ذات اور شخص ایک ہو اور اس میں یہ دونوں حالتیں ہیں کہ اندھا بھی ہے اور بہرا بھی۔ اسی طرح بصیر وسمیع بھی عطف صفاتی ہے یعنی ایک شخص میں دونوں صفتیں ہیں۔ اس جگہ خطاب مکے کے کافروں سے ہے کہ جب کافر اندھا بھی ہے بہرا بھی۔ جسمانی طور پر کوئی چاہتا ہے کہ میں اندھا اور بہرا ہو جاؤں ہرگز نہیں اس لئے کہ یہ سخت مصیبت اور ہلاکت ہے کیونکہ صرف اندھے کو آواز دے کر بچایا جا سکتا ہے۔ اور صرف بہرے کو اشارہ کر کے۔ مگر ہر دو عیب والے کا بچنا بہت دشوار۔ ان آیات میں کفار کی تین مزید صفات بیان فرمائیں پہلی یہ کہ انہوں نے اپنے آپ کو خود گھاٹے میں رکھا۔ دوسری یہ کہ ان کی تمام سیاست بیکار گئی دین تو گیا ہی تھا۔ دنیا بھی ہاتھ نہ آئی تیسری یہ کہ اخروی نقصان و عذاب شدید انہوں نے یقینی خرید لیا۔ یہ حالتیں ان کی کیوں ہوئیں اس لئے کہ یہ دنیا میں دل کے اندھے بہرے ہو گئے۔ تو اے موجودہ کافرو منکرو تم کیوں عبرت نہیں پکڑتے۔ ہم نے ایسا ہی نہیں کہہ دیا کہ وہ سابقہ کفار اندھے اور بہرے تھے بلکہ ان کے اندھے بہرے ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖۤ ۫ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ اور قسمیہ بات ہے کہ البتہ بے شک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا فرمایا

نوح نے بے شک میں تم کو ظاہر ظہور آخرت سے ڈرانے اور جہنم سے بچانے والا ہوں۔ دنیا میں پہلے صاحب شریعت نبی حضرت نوح ہیں ان کو نوح اس لئے کہا گیا کہ یہ اللہ کے حضور بہت رونے والے آہیں بھرنے والے تھے یعنی نوحہ کرنے والے یہ لقب ہی ان کا نام ہو گیا۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے نوح یعنی حضرت شاکر ابن ملک ابن متوشلخ ابن ادریس علیہما السلام ان کا مادری نام شاکر ہے۔ چالیس سال کی عمر میں ان کو تبلیغ نبوت کی اجازت ملی۔ نوسو پچاس ۹۵۰ سال انہوں نے تبلیغ فرمائی کُل عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی اس طرح ان کی زندگی تین حصوں میں تقسیم ہوتی ہے پہلے چالیس سال عملی تبلیغ میں قولی تبلیغ کی اجازت نہیں ملی تھی۔ دوسرا دور نوسو پچاس سال طوفان سے پہلے قولی وایمانی تبلیغ کا تیسرا دور بعد طوفان ساٹھ سال عبادت وریاضت کی تبلیغ کا۔ دمشق میں رہائش تھی اس کے قریبی گاؤں کوفہ میں مزار ہے۔ اس وقت اس بستی کا نام کوفہ نہ تھا بلکہ کرک تھا یہیں کے تندور سے طوفانی پانی نکلا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے تشریف لانے کے ایک ہزار چھ سو بیالیس سال بعد نوح علیہ السلام پیدا ہوئے بعض مفسرین نے فرمایا کہ آپ کا مدفن قدس کے اس غار میں ہے جس میں حضرت ابراہیم کی والدہ نے حضرت ابراہیم کو چھپا کر رکھا تھا اگرچہ بعض اقوال میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رونے کے کچھ خطائی اسباب لکھے ہیں لیکن اصل وجہ خوفِ خدا وعشق الٰہی کا جذبہ ہی بکاء انبیاء کرام کا سبب ہوتا ہے۔ جیسا کہ صاف دل حضرات پر مخفی نہیں (از روح البیان مع زیادت) بتایا یہ جا رہا ہے کہ اے موجودہ کافرو منکرو۔ ایک دو نہیں بلکہ یکے بعد دیگرے ہم نے بہت پیغمبر اپنی اپنی قوم کے پاس بھیجے مگر وہ ایسے اندھے بہرے ہوئے کہ انہوں نے نہ کلام حق سنا نہ انبیاء کرام کے اشارے اور معجزات سمجھے تو یہ عذاب شدید سے بچے کس طرح جسمانی اندھے بہرے کو پھر اٹھا کر بھی بچا لیا جاتا ہے مگر یہ تو روحانی قلبی اندھے بہرے اور ہر نبی کی قوم میں زیادہ تر ایسے ہی اندھے بہرے ہوتے تھے اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا۔ ہاں کچھ ایسے بھی خوش نصیب ہوتے تھے جو روحانی آنکھ کان والے ہوتے جن کے دل روشن سینے پاک قلب منور تھے وہ سمیع بھی ہوئے کہ اور بصیر بھی دونوں برابر کس طرح ہو سکتے تھے لہٰذا ایک کو عذاب شدید دوسرے کو انعام عظیم یقیناً عطا ہوا ہم نے صاف صاف بتا دیا تو اب تم کیوں نصیحت نہیں پکڑتے (کبیر۔ معانی۔ بیان۔ صاوی۔ جمل مدارک۔ ابن کثیر سراج منیر) تفسیر خازن نے کہا کہ حضرت نوح کی عمر ایک ہزار چار سو پچاس سال ہوئی طوفان کے بعد دو سو پچاس سال ٹھہرے۔ واللہ اَعْلَمُ۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** دنیا آخرت کا نمونہ ہے جو چاہتا ہے کہ اپنا انجام اور اخروی زندگی معلوم کرے اس کو چاہیئے کہ اِس زندگی پر غور کرے اگر یہ زندگی دینی لحاظ سے خراب ہے۔ عیش پرستی۔ دین سے غفلت۔ اعمال صالحہ سے سستی علماء اولیاء سے دوری نفرت سے زندگی گزر رہی ہے بس سمجھ لے کہ اخروی زندگی بھی عذاب والی ہے۔ یہ فائدہ لَا جَرَمَ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** علماء پر

اعتراض کرنا۔ مسائل دینیہ میں کج بحثی کرنا نہ ماننے کے لئے قوانین اسلامیہ کی حکمتیں پوچھنا اور اپنی عقلیں دوڑانا کہ یہ کیوں اور یہ کیسے۔ ایسا کیوں نہ ہوا۔ یہ کفار کے طریقے ہیں مومن دینی باتوں میں کج بحثی نہیں کرتا بلکہ اللہ رسول کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کردیتا ہے یہ فائدہ وَاَخْبَتُوْٓا فرمانے سے حاصل ہوا۔ آج جاہل سے جاہل انسان جسے منہ دھونے کا طریقہ نہ آتا ہو وہ بھی علماء سے ہر مسئلہ پر بحث کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے بلکہ فی زمانہ جہلاء کے لئے علماء سے بحث کرنا اور ان کی تذلیل کرنا ایک فخریہ فیشن بن گیا۔ یہی بے علم لوگ جب ڈاکٹر مستری ترخان۔ کسان کی باتیں سنتے ہیں تو بے چون وچرا سر جھکا کر مان لیتے ہیں مگر جب عالم دین کوئی مسئلہ بتائے تو شیر دلیر بن بن کر بحث مباحثے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اس جگہ یہی فرمایا جارہا ہے کہ یہ کام مومن کا نہیں۔ لہٰذا آج کل کے فیشن زدہ مسلمان اس سے عبرت پکڑیں۔ عالم سے عالم بحث کرتا ہوا اچھا معلوم ہوتا ہے نہ کہ جاہل **تیسرا فائدہ** جو لوگ اللہ رسول کی نہ سنیں علماء اولیاء کی نہ مانیں قانون قرآن مجید کو نہ اپنائیں حدیث و قرآن کے امر و نہی کی پرواہ نہ کریں وہ خواہ کتنے ہی پڑھے لکھے دانشور اور ذہین وعقل وبصارت والے ہوں مگر اللہ تعالےٰ کے نزدیک اندھے بہرے ہیں۔ اور جو شخص دنیوی اعتبار سے کم عقل بے پڑھا ہو۔ مگر اللہ رسول کی مانے سچے دین اسلام کی پیروی کرے اولیاء انبیاء علماء کا ادب احترام کرے وہ اللہ کی بارگاہ کا قابلِ احترام اور سمیع و بصیر ہے یہ فائدہ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ فرمانے سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** انبیاء کرام اور ان کی اتباع میں اولیاء اللہ کبھی دنیا کی مصیبتوں تکلیفوں پر نہیں روتے نہ پریشان ہوتے ہیں نہ ان کو دنیوی غم فکر ہوتا ہے نہ ان کو کسی وقت بھی اپنی جان کا خوف ہوتا ہے بلکہ ان کا رونا آنکھیں بھرنا خوفِ خدا اور عشقِ الٰہی میں ہوتا ہے بخلاف دنیا پرست کے کہ وہ دنیا کے لئے روتا پریشان ہوتا ہے یہ فائدہ نوحا۔ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** اس آیت میں اندھے بہرے کا ذکر پہلے کیا گیا اور سمیع و بصیر کا ذکر بعد میں ہوا۔ حالانکہ سمیع و بصیر اچھوں کی صفت ہے اور اچھوں کا ذکر پہلے ہونا چاہیئے۔ بروں کا بعد میں۔ جیسا کہ قرآن پاک کا طریقہ ہے **جواب** اس کا جواب تفسیر میں اس طرح دیا گیا کہ یہاں کثرت کا لحاظ رکھا گیا چونکہ اندھے بہرے زیادہ۔ نیک لوگ سمیع و بصیر کم ہیں اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا دوسرے یہ کہ برے پہلے سے تھے نیک بعد میں تبلیغ نبوت سے ہوتے اس لئے پہلوں کا ذکر پہلے ہوا بعد والوں کا بعد میں تیسرے یہ کہ برے خود بنتے ہیں اور نیک صحبتِ انبیاء علیہم السلام اور اُن کی تبلیغ سے اور تبلیغ ہوتی ہی اس کو ہے جو برا ہو تو پہلے لوگ بہرے بنتے ہیں تب اُن کے پاس انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوتے ہیں تو اندھوں بہروں کا پہلے ذکر کرکے ان کی پہلی حالت کی طرف اشارہ کیا اور سمجھایا کہ نبی سے علیحدہ ہو کر کوئی نیک اور سمیع بصیر نہیں ہو سکتا خواہ کتنا ہی عقل والا بنے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ. کہ مومن اپنے

رب کی بات پر بلا سوچے سمجھے جھک جاتا ہے اپنی عقل کا دخل نہیں دیتا اس فعل کو ایمان و مومن کی اچھی نشانی بتائی گئی۔ مگر ایک جگہ ارشاد ہے لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّعُمْیَانًا ۔ مومن کسی چیز پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے یعنی ہر بات کو عقل سے پرکھ کر مانتے ہیں اور عقل کا دخل دیتے ہیں آیات میں تعارض ہے۔ جواب یہاں اخبات ہے وہاں خرّ ہے۔ اخبات کے معنی ہیں۔ جھکنا رکوع کرنا۔ بھروسہ کرنا۔ اور خرّ کے معنی ہیں۔ گر پڑنا۔ جھکنے رکوع کرنے اور بھروسے میں کسی سمت اور شخصیت کی حاجت ہے۔ گرنے میں خود اپنی ذات کا تعلق ہے کسی سمت کی ضرورت نہیں معترض کی پیش کردہ آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مومن لوگ اللہ کی آیات احکام وغیرہ سن کر خود ہی اس پر نہیں گر پڑتے کہ اپنی عقلوں سے کریدنا شروع کر دیں اور بے علمی میں غلط مطلب تفسیر بالرائے کر کے اسی کو دین بنالیں جیسا کہ طریقہ جہلا ہے بلکہ سچے مومن بندے ان آیات کو اولیاء علما مجتہدین کے پاس یا صحابہ کرام بارگاہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آتے ہیں اور ان سے اس کا مطلب معانی پوچھ کر پھر عمل کرتے ہیں۔ یعنی تقلید شخصی کا ثبوت ملا۔ اور یہاں اَخْبَتُوْا فرما کر بتایا جا رہا ہے کہ جب ان آیاتِ الٰہیہ کا مطلب معانی مقصد علماء ربانی بتادیں تو پھر کچھ کج بحثی ہٹ دھرمی اور حیل و حجت نہیں کرتے بلکہ فوراً جھک جاتے ہیں اور اسی طرف رجوع کر لیتے ہیں اور بھروسہ کر کے عمل پیرا ہو جاتے ہیں گویا کہ نبی ولی عالم کی طرف جھکنا ان کی طرف جانا ان کی بات پر بھروسہ کرنا اللہ کی طرف ہی جھکنا اور رجوع کرنا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۔ دنیا، انسانیت آخرت کا نمونہ ہے۔ عالم ناسوت عبرت گاہ اقوام ہے ناسوت سے لاہوت کا پتہ ملتا ہے یہاں اسی ڈیوٹی کے لئے حیات عارضی ملی ہے جو مشقت کرے گا کامیاب و کامران ہوگا۔ لیکن جو سستی کاہلی اور خواب غفلت میں وقت گنوائے گا۔ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۔ یقیناً وہ ہی آخرت میں سخت گھاٹے والے ہیں کہ مقام ابتدا میں عیش کیا اور مقام انتہا جب کہ بازار طریقت بند ہونے لگا اور خلوت خانہ جلوہ گاہ میں حاضری کا وقت آیا تو وصل کے تحفے سے ہاتھ خالی پایا بلکہ اصل مال ہی گم پایا۔ یہی اصلی خسارہ ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخْبَتُوْا اِلٰی رَبِّهِمْ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۔ بے شک جن لوگوں نے ایمان سرمدی حاصل کیا یقینی اور غیبی اسرار کو مانا اور جن پیاروں نے مقام عشق پر پہنچ کر توبہ۔ زہد۔ انابت۔ عبادت۔ صبر۔ شکر۔ محض لقاء الٰہی اور قرب ذات کے لئے سالک راہ کے طریقے پر یہ اعمال صالحہ کئے اور اہل سلوک کے مدارج پر رہے اور متوجہ الی اللہ ہو کر خود کو جھکا لیا اور شوق و ذوق سے اس کی طرف بکمال اطمینان رجوع کیا۔ اسی لذت بقا کے لئے فنا سے منقطع ہو گئے وہی جنت قلب والے ہیں ان ہی کے قالب فنا میں بقا کے باغ لگے ہیں اور بقا کے باغ میں انوار کے پھول و پھل لگے ہیں جن پر کبھی فنا نہیں۔ یہ مجذوب عشق اور سالک فقر ہمیشہ ان انوار و تجلیات میں رہنے والے ہیں رضاء رب کریم

کے چمن سدابہار سے کوئی بھی ان کو نکالنے والا نہیں کیونکہ وہ غیبی وعدوں پر یقین سے ایمان لائے رویتِ الٰہی کی جو صفت انہوں نے سنی تھی اور اپنی محنت کوشش سے اس طرح قربِ حق کے لئے نیک عمل کئے۔ صفائی ذکر سے ان کے باطن پاک ہو گئے اور تدبر و تفکر سے اپنے رب کی طرف رجوع لائے سلطانِ کبریا کے انوار میں اپنے کو ایسا فنا کیا کہ اپنی باطنی بصارتوں سے ان تجلیات کو دیکھ لیا۔ یہ وہ ہی ہیں جن کو فنا کے بعد بقا ملی اور اصحابِ مشاہدہ بن گئے اور اب نورِ قدیم سے ایسی قوت نصیب ہوئی کہ فنا کے نقصان سے نکل گئے۔ محو کی طرف سعی کی توفضلِ الٰہیہ نے اصحاب صحو بنا دیا شاہ کرمانی نے فرمایا۔ جنت یعنی توجہ اور رجوع تین قسم کا ہے ؎ ۱ گناہوں کی کثرت سے توبہ کی قبولیت کے لئے مایوسی کا غم ؎ ۲ شاہدِ ذات کو پردۂ فراق کا خوف رہے یہی غم اور خوف سبب رجوع ہوتا ہے ؎ ۳ صفت عدل کی بنا پر ہر وقت کوتاہیوں لغزشوں پر عقوبت و سزا کا خطرہ۔ یہ سب خطرے صاحب ایمان اولیاء کو میسر ہیں۔ بعض صوفیاء نے فرمایا خشیتِ خداوندی سے دل کو دائمی انکسار میں رکھنا اخبات ہے اور مخبتون کی علامت یہ ہے کہ تقدیر ازلی کے جاری ہو جانے کے غم میں پگھلتے رہتے ہیں کہ نہ معلوم یہ استعانتِ برتری بند ہو یا باقی رہے جس نے بلاءِ دنیا اور قبر کو یاد رکھا زینت کو ترک کیا اور زمانہ بقاء میں فنا کا انشاء اختیار کیا اور مستقبل کا غم نہ کیا خود کو مُردا سمجھا وہی مُخبِت ہے جو طلب مولیٰ میں نکلا اور اعمالِ صالحہ سے مطلوب تک وصل پایا وہی دیدار کی جنت والے ہیں اور ہمیشہ اس طلب کی لذت میں رہنے والے ہیں۔ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۔ دارِ فنا میں دو گروہ شروع سے چلے آرہے ہیں ایک اندھا بہرا اور دوسرا سننے دیکھنے والا۔ اہل شریعت کے نزدیک یہ دونوں گروہ جسمانی بیمار اور تندرست ہیں مگر اہل باطن کے نزدیک اندھا وہ ہے جو حق کو حق نہ دیکھے اور باطل کو باطل نہ سمجھے بلکہ اندھی بصارت سے حق کو باطل اور باطل کو حق دیکھے اسی طرح بہرا وہ ہے جو باطل آواز کو حق جانے اور صوت حق کو باطل سنے۔ بصیر و سمیع وہ ہے جو حق کو حق سمجھے اور اس کی اتباع کرے باطل کو باطل دیکھے سنے اور بچے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ سمیع و بصیر وہ ہے جو وحدت الوجود کی وادی میں پہنچ کر نہر ذوق میں غوطہ زن ہو کر اللہ سے اللہ کی سنے۔ غیر کی نہ سنے اور اسی کی طرف دیکھے ہر غیر سے نظریں ہٹا لے۔ اندھا اور بہرا وہ ہے۔ جو اس وادیٔ معرفت سے دور خواہشات کے پردے میں طغیانی کے جال میں پھنسا کنارے پر کھڑا ہے نہ رب کی سن سکتا ہے کیونکہ دور ہے نہ اس کی طرف دیکھ سکتا ہے کیونکہ پردے میں ہے۔ بعض نے فرمایا جو حدود الٰہیہ کے اندر رہے وہ بصیر و سمیع ہے جو حدود سے باہر ہو جائے اندھا بہرا ہے کہ ارتکاب صغیرہ کبیرہ کے دلدل میں پھنسا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ جس کو اس دائمی محبت کا راستہ مل گیا۔ اور بدنصیب ہے دوسرا گروہ جس کی آنکھ اندھی اور معرفت کے کان بہرے ہیں وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۔ ہر دو گروہ کی یہ جزا و سزا ان کی اپنی عملی کوشش کی بنا پر ہے ورنہ ہم نے تو البتہ بے شک نوحِ روح کو اس کی قومِ قلب کی طرف بھیج ہی دیا اور ہر فرد بشر کی نوحِ روح نے اپنی قومِ قلب سے کہا کہ اے نفس امارہ کے قلعے میں رہنے والے دل اور

بدن فانی کے مقید قلب بے شک میں روح نوحہ کناں تمہارے لئے نذیر ہوں کہ ظاہر ظہور تم کو شہوات دنیا اور درکات آخرت سے ڈرانے والی ہوں اے قلب کے سمیع و بصیر۔ تیری رغبت الی اللہ فی اللہ ہو۔ تاکہ مع اللہ ہو جائے۔ ہر روح دردِ فراق میں نوحہ کناں ہے اسی لئے نوح روح ہے۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ

یہ کہ نہ عبادت کرو تم مگر اللہ کی بے شک میں ڈرتا ہوں پر تم عذاب سے دن

کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو بے شک میں تم پر ایک مصیبت والے دن کے عذاب سے

اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ

دردناک تو کہا سرداروں نے ان لوگوں کے جو کافر ہوئے سے قوم ان کی نہیں دیکھتے ہم

ڈرتا ہوں تو اس کی قوم کے سردار جو کافر تھے بولے ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی

اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ

تجھ کو مگر بشر مثل ہماری اور نہیں دیکھتے ہم تجھ کو کہ اتباع کی کسی نے تیری مگر ان ہی نے

دیکھتے ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کسی نے کی ہو مگر ہمارے کمینوں

اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ

جو ہمارے کمینے ہیں ایک دم اور نہیں دیکھتے ہم لیئے تمہارے اپنے پر کوئی سے

نے سرسری نظر سے اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں پاتے بلکہ

بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ

فضیلت بلکہ گمان کرتے ہیں ہم تم کو جھوٹا فرمایا اے قوم میری رائے دو تم اگر ہوں میں پر دلیل

ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں بولا اے میری قوم بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے

عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ اٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ

سے رب اپنے اور دے وہ مجھ کو رحمت سے پاس اپنے تو نابینائی ڈالی گئی پر تم

رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت

عَلَيْكُمْ ط اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

کیا ہم لازم کر دیں گے وہ رحمت تم کو حالانکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو

بخشی تو تم اس سے اندھے رہے کیا ہم اسے تمہارے گلے چپیٹ دیں اور تم بیزار ہو

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ نوح علیہ السلام نذیر بھی ہیں اور مبین بھی اب ان ہر دو القاب کا مقصد بیان کیا جا رہا ہے۔ کہ مبین ہیں مومنوں کے لئے کہ اللہ ہی کی عبادت میں عمریں گذار دو اور نذیر ہیں کفار کے لئے کہ اگر کفر پر ہی مرے تو دردناک عذاب قبر و حشر میں ملے گا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ اور کفار کی بے توجہی اور نہ ماننے کا ذکر تھا۔ اور پھر انسان پر رب تعالیٰ کے کرم و انعام کا ذکر تھا اور انسانوں کی نافرمانیوں کا تذکرہ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے پیارے حبیب۔ آپ سے پہلے بہت رسولان عظام نے کفار کو تبلیغ فرمائی اور سب کی تبلیغ ہی توحید و رسالت کی تھی۔ مگر کفار نابہنجار نے ان پیاروں سے بھی ایسی ہی بے رخی و تکبرانہ روش اختیار کی۔ ان انبیاء میں سب سے پہلے نوح علیہ السلام کو یہ بے رخی برداشت کرنی پڑی۔

تفسیر نحوی اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۔ اَلَّا دراصل اَنْ لَا تھا بوقت ادا نون لام میں پوشیدہ ہو گیا کیونکہ حرف نون ذلقیہ ہے اور حرف لام بھی ذلقیہ ہے اور جب دوسرے حرف ذلقیہ سے مل کر آئے تو پہلا حرف دوسرے میں مدغم ہو کر چھپ جاتا ہے۔ اَنْ مصدریہ زائدہ ہے لا نہی کا ہے تعبدوا عَبْدٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی کسی کو خدا سمجھ کر اطاعت کرنا عبادت کہلاتا ہے اِلَّا حرف استثناء نے ماقبل نہی کو توڑ کر امر پیدا کیا اللہ اسم ذاتی ہے معبود حقیقی کا اِنِّیْ یہ جملہ استینافیہ ہے شروع کلام کی وجہ سے اِنَّ آیا یاءِ متکلم ضمیر کا مرجع نوح ہیں اَخَافُ خَوْفٌ سے مشتق ہے بمعنی پریشانی عذاب سے مراد خدائی سزا یوم بمعنی زمانہ الیم اَلَمٌ سے مشتق ہے بروزن کریم صیغہ صفت مشبہ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ۔ ف تعقیبیہ ہے قال جواب ہے پہلے مقولے کا۔ الف لام تعظیمی ہے۔ مَلَاٌ مصدر میمی بمعنی مفعول ہے۔ لغوی لحاظ سے بمعنی بھرا ہوا یعنی رعب ہیبت اور غرور و تمکنت سے بھرے ہوئے لوگ اصطلاحاً بڑے سرداروں کا گروہ اَلَّذِيْنَ جمع موصول نے مَلَاٌ کے عموم کو ختم کر دیا كَفَرُوْا کا پورا جملہ صلہ ہے مِنْ بعضیت کا ہے قوم بمعنی رشتے دار مَا نَرٰى۔ ماضی کا مَا نافیہ خلاف قانون مضارع جمع متکلم پر آیا کَ ضمیر واحد حاضر متصل کا مرجع حضرت نوح ہیں اِلَّا حرف استثناء نے سابقہ ماقبل کی نفی توڑ کر مابعد کا ثبوت پیش کیا بَشَرًا بَشَرٌ سے مشتق ہے بمعنی ظاہری جسم مِّثْلَنَا مثل کے معنی مشابہت منصوب ہے اور نا سے مراد ہیں گروہ کفر وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ۔ واؤ عاطفہ ہے پہلے مَا نَرٰی

پر عطف ہے نَرَا جمع متکلم ہے بمعنیٰ آنکھ سے دیکھنا اور پہلا مانری قلبی عقلی دیکھنا مراد ہے کہ ضمیر کا مرجع حضرت نوح ہیں
اتَّبَعَكَ یہ جملہ فعلیہ حال ہے ماقبل فعل کا الّا حرف استثنا بمعنیٰ غیرَ ہے الذین اسم موصول محل ثبوت میں آیا ہم ضمیر
صلہ ہے اَرَاذِلُ جمع ہے رذیل کی اسم تفضیل جمع ہے۔ رذیل کی جمع ارذلون بھی آتی ہے مگر اراذل جمع مکسر لانے کا مقصد
کثرت رذالت ہے یعنی بہت ذلیل لوگ جمع سالم افراد کی جمع ہے مگر جمع تکسیر میں جمعیت کے ساتھ ساتھ وصف کی شدّت بھی
ہوتی ہے بعض نے کہا یہ جمع الجمع ہے یعنی اراذل جمع ہے اَرْذُل کی اور ارذل جمع ہے رَذْل کی۔ مگر یہ خلاف قیاس ہے۔
اراذل سے مراد گھٹیا بے عقل لوگ نا کا مرجع مَلَأٌ ہے بَادِیَ بَدُوٌّ یا بَدْءٌ سے مشتق ہے بَدُوٌّ کے معنیٰ سرسری نظر
بغیر غور و فکر بَدْءٌ کے معنیٰ ہیں پہلی نظر الرَّاْیِ بمعنیٰ نظر وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ۔
یہ جملہ نتیجیہ ہے واؤ سرجملہ مانافیہ نَرَا مضارع جمع متکلم اس کا مرجع مَلَأٌ ہے لام ملکیت کا ہے کُمْ ضمیر کا مرجع امتی اور
نبی سب ہیں علیٰ فوقیت میں اپنے اصلی معنیٰ پر ہے۔ نا ضمیر جمع متکلم کا مرجع مَلَأٌ ہے مِن حرف جر تبعیضیہ ہے فضل
بمعنیٰ دینوی دولت طاقت سرداری وغیرہ بل حرف عطف ہے بمعنیٰ اِنَّ اور تبدیلِ غرض کے لئے ہے نَظُنُّكُمْ۔ نَظُنُّ
ظَنٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ گمان۔ وہم۔ یقین۔ یہاں بمعنیٰ یقین ہے کیونکہ بل بمعنیٰ اِنَّ ہے کُمْ کا مرجع وہی مسلمان ہیں
كٰذِبِيْنَ جمع اسم فاعل ہے كَاذِبٌ کی کذبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ حقیقت کے خلاف دکھانا یا کہنا کاذبین میں انکا فرون
نے سب کو شامل کیا کہ حضرت نوح خود کو نبی مانکر اور امتی آپکو نبی کہہ کر اور نبی مان کر کاذب ہوئے قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى
بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ ؕ قال کا فاعل حضرت نوح ہیں اگلا جملہ قال کا مقولہ ہے یا حرف ندا
قریب و بعید دونوں کے لئے آتا ہے یہاں یاءِ متکلم پوشیدہ کی گئی تخفیف کے لئے اَرَءَيْتُمْ یہ جملہ سوالیہ ہے مخاطب
کافر ہیں اِنْ حرف شرط کُنتُ فعل تامہ ہے فاعل نوح ہیں علیٰ بمعنیٰ مع ہے بَيِّنَة بَيِّنٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ روشنی
ظاہر وضاحت کی محتاجی نہ ہو۔ مِنْ بمعنیٰ طرف سے رَبِّیْ خالق و معبود حقیقی واؤ عاطفہ آتانی آتا ماضی مطلق اَتیٌ
سے مشتق ہے بمعنیٰ دور سے دینا بغیر طلب دینا اور عطا بمعنیٰ قریب سے دینا طلب سے دینا نون وقایہ ہے۔
یعنی بچانے والے نون اس نون نے اٰتا کے آخری الف اور یاءِ متکلم کے کسرے کو بچا لیا رحمۃ بمعنیٰ ہر طرح ہر وقت
فائدے مند چیز یہاں مراد نبوت ہے کہ وہ بھی ہر طرح ہر وقت فائدے مند ہی ہے مِنْ بمعنیٰ طرف سے عند اسم ظرف ہے
یہ پانچ معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے ۱۔ زمان ۲۔ مکان ۳۔ سامنے خواہ کتنی ہی دور ہو اسی کو حضور کہتے ہیں ۴۔ مد مقابل
اسی سے عنید ہے بمعنیٰ باغی سرکش ۵۔ ملکیت یا مقبوضہ ۶۔ قرب جسمانی خواہ سامنے یا پیچھے یا دائیں بائیں۔ اسی کو
قرب مکانی بھی کہتے ہیں یہاں یہی مراد ہیں ہٖ کا مرجع ذات باری تعالیٰ ہے فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ۔ ف تعقیبیہ یا جزائیہ
ہے عُمِّيَتْ باب تفعیل کا ماضی مجہول ہے عَمًى ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنیٰ اندھا ہونا۔ اندھا کیا جانا۔
یہاں قلب و شعور ہوش و خرد کا اندھا کیا جانا مراد ہے۔ علیٰ اپنے اصل معنیٰ یعنی فوقیت کے لئے ہے کُمْ سے مراد تمام

نافرمان قوم نوح ہے اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ یہ جملہ استفہام انکاری ہے ا ہمزہ سوالیہ بمعنی کیا یہ جملہ جواب شرط کے قائم مقام ہے جو پہلے اَرَءَيْتُمْ میں گذری۔ بعض نے کہا یہ عبارت ان کُنْتُ کا مفعول بہ ہے۔ مگر میرے نزدیک پہلا قول قرین قیاس ہے نُلْزِمُ فعل مستقبل معروف باب افعال متعدی بدو مفعول کُمُوْ ضمیر جمع مذکر حاضر اپنی اصلی شکل میں ہے واوٗ واوٗ وصیلہ نہیں جیساکہ بعض حُنفا نے کہا بلکہ اصلیہ ہے کثرت استعمال کی وجہ سے تخفیف کے لئے گر گئی تھی اب یہاں آ گئی واپس ہوکر۔ ھا ضمیر مونث کا مرجع رحمت ہے۔ واوٗ حالیہ ہے۔ انتم ضمیر جمع حاضر کے مخاطبین کفار ہیں۔ کُمْ اور اَنْتُمْ دونوں ضمیریں جمع مذکر حاضر ہیں مگر پہلی متصل ہے اور اَنْتُمْ منفصل ہیں لام مفعولیت ہے كٰرِهُوْنَ اسم فاعل جمع کا صیغہ بمعنی خال کُرْهٌ سے مشتق ہے بمعنی نفرت۔

تفسیر عالمانہ

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۔ میں تمہارے لئے نذیر اس لئے ہوں کہ نہ عبادت کرو تم مگر اللہ واحد کی اگر تم نے میری بات نہ مانی اور بت پرستی شراب فحاشی سے باز نہ آئے تو بے شک میں خوف کرتا ہوں تم پر ایک دن دردناک عذاب کا یا دردناک خطرناک دن کے عذاب کا۔ یہ جملہ بیان ہے نذیر ہونے کا خوف بمعنی پریشانی اور غم اندیشہ الیم یا یوم کی صفت ہے تب پہلا ترجمہ ہے یا عذاب کی صفت ہے تب زیر پڑھنا حق جوار ہے الیم بمعنی مُؤلَم ہو تو بندے کی صفت ہے اور بمعنی مُؤلِم ہو تو اللہ کی صفت ہے نوح علیہ السلام کو جب تبلیغ کی اجازت ملی اور آپ نے پہلی تبلیغ فرمائی تو اس دن ان کی عید کا دن تھا حضرت نوح نے سب لوگوں کو وہاں عید گاہ میں اس طرح جمع پایا کہ شراب پی رہے ہیں کچھ بتوں کی پوجا میں مشغول ہیں اور نوجوان امراء ہر طرف ظاہر ظہور بے پردہ کتوں کی طرح زناکاری میں مشغول ہیں تب آپ نے یہ تبلیغ فرمائی تَعْبُدُوْا عَبَدَ سے مشتق ہے جس کا مطلب معبود سمجھ کر حکم ماننا لہٰذا اس میں پوری شریعت کے حکم شامل ہیں۔ عبادت صرف سجدہ ریزی کا نام نہیں (روح البیان۔ کبیر۔ معانی۔ خازن) قوم نوح علیہ السلام نے اپنے پہلے چار بزرگوں کے نام پر چار پتھر کے بت بناتے ہوتے تھے ۱ وُدّ ۲ سواع ۳ یعوق ۴ نسر۔ ان میں تین بت مذکر کی شکل میں تھے اور نسر بت عورت کی تصویر میں تھا۔ اولاً شیطان نے ان انسانوں کی تصویریں بناکر ان کو دیں بعدہٗ پرستش پر چلایا تو اس طرح پہلی مرتبہ دنیاء انسانیت میں غیر خدا کی پوجا شروع ہوئی۔ جب حضرت نوح نے کفار کی عید گاہ میں پہلی دفعہ ایسا لخراش واقعہ دیکھا تو آپ نے تبلیغ دین کے سلسلے میں ان کے خلاف اس طرح آواز اٹھائی اور بدکاری۔ پست اخلاق سے روکا۔ لفظ یوم چونکہ نکرہ موصوفہ ہے اس لئے عام ہے اس بات کو کہ عذاب دنیا ہو طوفانی شکل میں یا عذاب آخرت ہو جہنم کی صورت میں۔ جب عذاب مطلق سے ڈرایا تو سب لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے اور بڑے لوگ ان کے نمائندہ حیثیت سے پیش ہوتے فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۔ تو کہا ان لوگوں کے سرداروں امیروں رعب ڈالنے والوں نے جو کافر تھے حضرت

نوح کی قوم میں کہ ہم تو آپ کو اپنے جیسا ہی کھاتا پیتا چلتا پھرتا سوتا جاگتا دیکھتے ہیں سب کچھ ہماری طرح کرتے ہو صرف فرق اتنا ہے۔ہماری مجلسوں میلوں عیدوں میں شامل نہیں ہم سے دور۔ دور رہتے ہو بھلا ایسا شخص نبی ہو سکتا ہے۔ اور ہم نے آپ کی سابقہ زندگی میں یہی دیکھا ہے کہ آپ کے پاس گھٹیا قسم کے ذلیل لوگ۔ مزدور غریب بیوقوف لوگ ہی آتے جاتے اور مجلسوں کی رونق بنے رہتے ہیں۔کسی امیر۔ رئیس سردار قوم کو آپ کے پاس آتے آپ کی مانتے نہیں دیکھا۔ آتے جاتے گزرتے ہماری اچٹتی نگاہیں تو یہی دیکھتی ہیں۔ یا ہمارے دل ہی محسوس کرتے ہیں کہ جن تیلی موچیوں جلاہوں کو ہم اپنی جوتیوں میں بھی نہیں بیٹھنے دیتے آپ ان پر بڑی شفقت کی نظر رکھتے ہیں۔ یا یہ کہ ان رذیلوں نے آپ کی اتباع بادی الرای یعنی بلاسوچے سمجھے کرلی اس لئے کہ ان کے پاس سوچنے والی عقل ہی نہیں۔عقل وخرد والے ہم ہیں۔ہماری عقل کہتی ہے کہ ہم آخر آپ کو کیوں مانیں جبکہ حالت یہ ہے کہ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۔ ہم کوئی ایسی فضیلت بھی آپ سب میں نہیں دیکھتے جس سے لازم آتے کہ ہم آپ کی اتباع کریں نہ آپ لوگوں کے مال ہم سے زیادہ ہے نہ طاقت ہے نہ عقل وخرد ہے جس سے ہم کو پتہ اور ثبوت ملے کہ واقعی آپ لوگ ٹھیک راستے پر ہیں۔ ان باتوں کو سوچتے ہوتے ہم کو یقین ہوچلا ہے کہ آپ لوگ جھوٹے ہیں کہ آپ خود دعوئے نبوت میں اور وہ غریب عوام آپ کی تصدیق میں جھوٹے ہیں یہ تھا پہلا مقابلانہ مجادلانہ مناظرانہ قومِ نوح کا کلام اور گفتگو۔تبلیغ کو سن کر قوم نے نہ ماننے کے لئے تین عذر اور شبہے پیش کئے پہلا یہ کہ نبوت اور خدائی پیغامبری اور دعویدار انسان نہیں ہوسکتا یا فرشتہ ہوسکتا یا جنات سے ہو یا عجیب مخلوق ہو۔جو ہم میں ہی پیدا ہوا پلا بڑھا۔ وہ کس طرح نبی ہوسکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ۔نبی کے پاس تو بڑے اونچے لوگ ہونے چاہئیں جس سے وہ قوت حاصل کرے اور خدائی تبلیغ کو بزور سرداری چلاتے اور چونکہ سرداروں کی دوستی کے لئے۔سرداری۔ دولت۔قوت۔چوہدراہٹ ہونا ضروری ہے۔ اس لئے انہوں نے تیسرا شبہ پیش کیا کہ تم لوگوں کے پاس نہ مال و دولت ہے نہ سرداری کی قوت و طاقت ہے پھر کیوں اپنے کو اس لائق سمجھ رہے ہو کہ ساری جہان تمہاری اتباع کرے جس کے پاس یہ تین حیثیتیں ہوں۔ وہ قابل اتباع نبی ہوسکتا ہے۔ اگر اللہ نے نبی بھیجنا ہوتا تو ہم میں سے کوئی رئیس قوم یا سردار ہوتا۔ یا کوئی فرشتہ آتا تمہارے پاس یہ بڑائیاں نہیں لہٰذا تم اپنے دعوے اور تصدیق میں جھوٹے ہو مَلَأُ سے مراد دولت و طاقت سے بھرے ہوتے لوگ۔ بَشَرًا سے مراد ظاہری گوشت پوست کے جسم والے تمثل سے ظاہری مشابہت مراد ہے۔ اَرَاذِلُ جمع ہے رذیل کی مراد مزدور پیشہ لوگ تیلی نائی موچی وغیرہ۔ فضل سے مراد دنیوی زیادتی ہے مال و دولت قوت سرداری وغیرہ اس مناظرے کے وقت ایسی حالت تھی کہ تمام کفار بڑے چھوٹے نوجوان بوڑھے گھیرا ڈال کر کھڑے ہوتے اور مغرور متکبر رئیس لوگ محض حضرت نوح کو پریشان کرنے شکست دینے اور تبلیغ بند کردینے کے لئے ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ تینوں باتیں مختلف رؤسا امرا کی ہیں (تفسیر کبیر۔ صاوی جمل خازن۔ مدارک مظہری۔سراج منیر۔ مقباس) نوح

علیہ السلام تنہا ہیں یہاں شان نبوت کا اور قوت نبوت کا پتہ چلتا ہے۔کہ جانتے ہیں کہ کفر کی سب قوتیں مخالفت میں جمع ہو گئی ہیں مگر بے انتہا دلیری نہایت اطمینان عجیب تمکنت ہے کہ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَاَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِہٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْکُمْ اَنُلْزِمُکُمُوْھَا وَاَنْتُمْ لَھَا کٰرِھُوْنَ ۔ حضرت نوح نے کافر قوم کا انتہائی احمقانہ جاہلانہ متکبرانہ بے باکانہ۔گستاخانہ کلام سن کر بہت ہی نرمی اور محبت سے ایسا جامع مانع فصیح بلیغ جواب فرمایا کہ جس کی مختصر عبارت سے کفار کے تینوں شبہوں کا جواب ہو گیا۔ فرمایا اے میری قوم۔ کتنا محبت کا کلام ہے کہ دشمن کو پیار سے اپنا فرما رہے ہیں۔ تم دل کی گہرائیوں سے سوچو اور پھر مجھے بتاؤ۔ کہ اگر میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے عظیم ایمانی روشنی کے ساتھ ہوں جس سے مجھ کو پتہ لگ گیا ہو کہ تمہاری بدکاری بد اعمالی کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ اور یقیناً اللہ نے مجھ کو نبوت عطا کی ہو کیونکہ عطاء نبوت کا معیار وہ نہیں جو تم نے سمجھا کہ فرشتہ ہو یا رئیس قوم ہو۔ سردار ہو۔ جابر حاکم ہو۔ پھر وہ نبوت تم پر پوشیدہ کر دی گئی ہو تاکہ تمہارا ایمان بالغیب رہے۔ پھر ضروری نہیں کہ ہر چیز تم کو دکھائی جائے۔ بہت سی اشیاء تم نہیں دیکھتے۔ مگر مانتے ہو۔ تو نبوت کو بھی بن دیکھے مانو۔ بہت سی چیزیں دکھائی نہیں دیتیں محسوس کر کے مان لی جاتی ہیں پھول کی خوشبو۔ ہوا کی موجودگی وغیرہ تو میری نبوت بھی اگرچہ تم سے پوشیدہ ہے۔ مگر میرا کردار میرے عمل۔ میری زندگی کا خاکہ میرا بچپن۔ جوانی۔ بڑھاپے کی دہلیز تمہارے سامنے ہے تم نے صرف میرے کھانے اور بشریت کو دیکھا میرے باطن کی دلکشی کو نہ دیکھا کیونکہ وہ پوشیدہ ہے تو کم از کم اس بے مثل زندگی سے باطنی کیفیات کو محسوس کرتے ہوئے مان لو کہ میں نبی ہوں اور میری تبلیغ سچی ہے۔ اگر تم نے میری ساری زندگی میں میرا کوئی عیب دیکھا ہو تو بھرے مجمع میں بیان کر دو اور اگر تمہارے قلب جانتے ہیں اور یقیناً جانتے ہیں کہ اس کو میری زندگی کا ہر لمحہ تم میں بے مثل ہے تو میری دعوت قبول کر کے بندۂ خدا بن جاؤ۔ ہم کو بڑے سرداروں۔ طاقت ور برادری۔ سرداری اور حکومت کی کیا ضرورت ہے۔ ہم نے تو پیار محبت سے سمجھانا۔ دین کو بزور شمشیر نہیں سمجھایا جاتا وہ تو اخلاق کریمانہ سے پھیلتا ہے۔ بھلا ہم محبت دین والے آپ لوگوں پر جبر کریں گے ہم پر بس تبلیغ فرض ہے جو ہم کرتے رہیں گے ہم تم کو اپنا پیارا ہی سمجھیں گے اگرچہ تم ہم سے اور ہمارے سچے دین سے نفرت ہی کرو ہمیں مال و دولت کی بھی ضرورت نہیں تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ غریبوں کو دولت سے پھنسایا ہے۔ یا اس لئے کہ تم لے اگر ماننا ہے تو قلبی محبت سے مانو ہماری ریج درجھ اور مال و دولت سے مرعوب ہو کر نہ مانو۔ چڑھتے سورج کے سلامی نہ بنو۔ تم ہماری مفلسی غریبی کی بنا پر ہم سے کراہت کرتے ہو تو کئے جاؤ ہم تم کو صرف بتائیں گے اگر تم دین سے کراہت کرتے ہو تو ہم جبر اور قوت نہ دکھائیں گے۔ لہٰذا اے کافرو تم نے جو نبوت کے لئے تین چیزیں لازم سمجھی ہیں وہ غلط ہے۔ نبی کو نہ مال کی ضرورت ہے۔ نہ سرداری کی۔ نبوت رحمت ہے۔ تبلیغ شفقت و پیار ہے۔ غریب کو تم لوگوں کے پاس سے یہ چیزیں نہیں ملتیں اس لئے محبت کے بھوکے غریب عوام میرے دامن عافیت میں آجاتے ہیں اور جو محبت و شفقت

انسان انسان کو دے سکتا ہے وہ فرشتہ نہیں دے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی رحیم شفیق کے روپ میں کامل انسان ہوتا ہے

فائدے اس آیت کریمہ میں چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** سچے دین کا قانون یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ اور اتباع نبی علیہ السلام کی ہو۔ اور کسی کو معبود سمجھ کر اس کا حکم ماننا عبادت ہے۔ نبی سمجھ کر بات ماننا اتباع ہے۔ پیر استاد۔ حاکم۔ ماں۔ باپ سمجھ کر بات ماننا اطاعت ہے لہٰذا نبی ولی کی بات ماننا اُن کے حکم شریعت سمجھنا شرک نہیں۔ اسی طرح تقلید بھی شرک نہیں یہ فائدہ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اور اتَّبَعَكَ سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** کافر ہمیشہ ظاہر کو دیکھتا ہے مومن باطن کو۔ کافر سمجھتا ہے کہ مومن بیوقوف ہے حالانکہ حقیقتاً مومن ہی اہل عقل اور صاحب بصیرت ہے اور اس نے اصلیت کو دیکھ کر پالیا۔ یہی وجہ ہے کہ کافر نبی کو دیکھ کر گمراہ ہوا مومن صحابی بنا۔ یہ فائدہ بَادِیَ الرَّاْیِ اور نَظُنُّكُمْ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** قوم میں نبی سب سے زیادہ دلیر اور جرأت مند ہوتا ہے اور ساتھ ہی نہایت رحیم کریم و شفیق بھی۔ اگر قوم کی طرف سے اذیت برداشت کریں تو ان کی رحم دلی ہے نہ کہ کمزوری۔ یہ فائدہ قَالَ یٰقَوْمِ۔ کی تفسیر سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** کافر کو نبی کی اصلیت نہیں دکھائی جاتی نہ اسرار بتائے جاتے ہیں۔ یہ نعمتیں مومن کو میسر ہیں یہ فائدہ عُمِّیَتْ میں عَلَیْكُمْ کی قید سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** آپ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح کی یہ پہلی تبلیغ تھی اور آیت سے پتہ لگ رہا ہے کہ اس گفتگو سے پہلے بھی لوگ آپ کے متبع ہو چکے تھے اور غریب عوام آپ پر ایمان لا چکے تھے یہ اختلاف کیونکر ہے۔ جواب اس آیت میں قولی تبلیغ کا ذکر ہے جو دعوت ایمان کی شکل میں وعظ و نصیحت کے طریقے پر شروع فرمائی گئی جس سے امراء و سرداران کفر کو مائل بہ اسلام کرنے کے لئے ہوئی۔ غریب عوام کا آپ پر پہلے ہی ایمان لے آنا اور آپ کے حکم پر چل کر عبادات میں مشغول ہونا آپ کی عملی پاکیزہ زندگی دیکھ کر متاثر ہوکر تھا۔ گویا کہ اللہ کے نبی کی عملی تبلیغ بچپن سے شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے روشن دل خود بخود مائل ہو جاتے ہیں صدیق اکبر کی روشن دلی کی کیا شان ہے وہ تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عملی تبلیغ سے شکم والدہ میں متاثر ہو چکے تھے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ تم پر نبوت چھپائی گئی۔ سوال یہ ہے کہ نبوت کیوں چھپائی گئی جس کا اقرار کرانا تھا وہ ظاہر ہونا چاہیئے تھا۔ اور اگر چھپائی گئی تو انکار پر عتاب کیوں؟ (آریہ ہندو) **جواب** اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں دو طاقتیں پیدا کی ہیں۔ بصارت اور بصیرت۔ بصارت سے دنیا کی ظاہری چیزیں نظر آتی ہیں بصارت ان کو دیکھنے کے لئے بنی ہے ہزاروں چیزیں ایسی ہیں جس کو بصارت نہیں دیکھ سکتی جن کو حواس اربعہ سے جانا جاتا ہے اسی طرح عالم اسرار کی چیزیں بصارت سے نظر نہیں آتیں اس کے لئے رب نے قوتِ بصیرت عطا کی ہے۔ نبوت عالم اسرار کی چیز ہے۔ کافر چاہتا ہے کہ بصیرت سے نبوت نظر آتے۔ فرمایا گیا عُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ تم صرف بصارت کے پیچھے پڑے ہو تم پر یہ پوشیدہ ہے اگر نبوت دیکھنا چاہتے ہو تو قوتِ بصیرت کو استعمال کرو اور چونکہ تم نے قوتِ بصیرت کو استعمال نہ

کیا لہٰذا تم پر عتاب وعذاب ہے **تیسرا اعتراض** پھر عَلَیْکُمْ کی قید کیوں لگائی بصارت تو سب کی یکساں ہے مومن ہو یا کافر جب مومن کی بصارت سے نبوت پوشیدہ تو عَلَیْکُمْ کہنا غلط ہوا **جواب** جب انسان بصیرت سے ہر چیز کو دیکھنے کا عادی بن جاتا ہے تو بصارت بصیرت کے تابع ہو جاتی اور صاحب بصیرت کی بصارت یعنی آنکھ بھی وہ چیزیں دیکھ لیتی ہے جو محض بصارت والوں کو نظر نہیں آتیں جن فرشتے لوح وقلم پوشیدہ مگر صاحب بصیرت آنکھ سے سب کچھ دیکھ لیتا ہے۔ لہٰذا کافر و مومن کی بصارت میں فرق ہوا۔ مومن کی بصارت سے نبوت واسرار پوشیدہ نہیں بلکہ ع۔ لوح محفوظ است پیش اولیا۔ پس علیکم کی قید بالکل درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ. نوح روح نے اپنی قلب قوم کے پاس پہنچ کر ہمارا یہ پیغام سنایا کہ اے میری قوم بدن۔ نفس اور قلب دنیا اور اس کی خواہشات کی عبادت نہ کرو۔ نہ دنیا کے لئے پوجو اور نہ آخرت کے لئے نہ وہاں کے درجات کے حصول اور درکات کے خوف سے عبادت کرو بلکہ صرف اپنے خالق مالک کی خوشنودی کے لئے۔ نہ لقاء الٰہی کے لئے۔ کیونکہ اصل رضاء رب کریم ہے ع

لقاء دوست چہ خواہی رضائے دوست طلب

جب بندے کی عبادت معلول اور علت غیر اللہ ہو تو وہ اللہ کی عبادت نہیں۔ بجز رضا کے سب کچھ مقصود غیریت ہے۔ اہل شریعت کی عبادت طلب ثواب وخوف عقاب سے ہے مگر صوفیا کی عبادت رضاء یار سے ہے۔ اہل معرفت کو رغبت ایمان اور زھد وطاعت جو مع اللہ یا فی اللہ نہ ہو نافع نہیں۔ کیونکہ اصل ایمان رضاء الٰہی ہے۔ جب وہ راضی تو ثواب وعقاب کا خیال بیکار بلکہ پھر ہی خوف و خوشی گناہ حجاب کبیرہ ہے فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ. روح نوح کی پاکیزہ گفتگو سن کر نفس امارہ جو بدنی سردار بنا ہوا تھا اس نے جواباً کفر کرتے ہوئے کہا اے روح تو ہم جیسی ہو کر ہم کو سمجھا رہی ہے ہم تجھ کو اپنا ہی ایک بشری حصہ سمجھتے ہیں۔ یہ بیہودہ جواب اس لئے ہے کہ نفس اور اس کی طبیعت سفلی ہے اور روح اور اس کی طبیعت علوی ہے۔ اعلیٰ ہر شے کو اعلیٰ سمجھ کر اعلیٰ کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے اور سفلی یعنی کمینہ گھٹیا ادنیٰ۔ اپنی خستہ طبعی کی وجہ سے ہر شے کو اپنی مثل ذلیل سمجھتا ہے اس لئے وہ خود ذلالت میں رہ کر اعلیٰ کو بھی اپنی طرف لانے کی خواہش رکھتا ہے۔ اسی لئے کفار کو نبوت کا اعلیٰ مقام کبھی نظر نہیں آتا بلکہ دنیوی نظر سے ہی دیکھتے ہوئے کبھی بشر مثل کبھی ساحر کبھی مجنون سمجھتے ہیں یہ سب نفس کے بندے ہیں۔ اے روح یہ اعضاء بدن جو تیرے کہنے پر چل رہے ہیں یہ سب ہم میں ذلیل ہیں عقل اور فقر سے کورے تیرے سامنے مسحور ہو چکے ہیں اصلیت سے بے خبر ہیں صوفیا فرماتے ہیں بدن انسانی شہر ہے اس کے اعضا اس شہر لدنی کے عاجز و مغلوب ساکنین ہیں۔ نفس اس پر حکومت کرنا چاہتا مگر روح امر ربی ہے جو اعضاء خاکی کو شریعت کے اعمال کی طرف لاتی ہے اور کامیاب ہوتی ہے کیونکہ اس کی قوت سے

زیادہ ہے۔ نفس امارہ اپنی کمینگی کی وجہ سے روح کی دعوت کو قبول نہیں کرتا بلکہ کفر کرتے ہوئے اغراض فاسدہ کی طرف لاتا ہے۔ یہ ہی کام نفس پرستوں کا ہے۔ یہ بدبخت شقاوت ازلیہ کے پردوں میں ہیں اسی لئے انوارِ جمالِ انبیاء سے بے بصر ہیں اگر کبھی انبیاء کے حال کا ذرہ بھی دیکھ لیں تو حسرت شوق میں مرجائیں۔ انہوں نے ارواح قدس کی قوت کو نہ جانا ان کو عالم جبروت اور سیر ملکوت کا پتہ نہیں۔ ان کے پاس حقیقت بینی اور معرفت و ادراک کی قلت ہے۔ اسی لئے صرف ہیکل بشری کو دیکھ سکتے ہیں بغیر تفکر سے دیکھنے والا عقل کے حجاب میں ہے۔ نفس چاہتا ہے کہ اعضائے بدن میرے کہنے پر چل کر ظلم اور گناہ کریں مگر یہ اعضا جب روح کے حکم پر چل کر نہ کسی کو ستاتے ظلم کرتے ہیں نہ وادی تکبر میں جاتے ہیں بلکہ مسکین بنے شریعت و زہد میں مشغول رہتے ہیں اور اسی کو راہ عافیت سمجھتے ہیں تب نفس اور نفس کے بندے کہتے ہیں بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِيْنَ اے روح اور اس کے تابعدار و ہم تم کو جھوٹا خیال کرتے ہیں یہ عافیت کے دعوے سب جھوٹے ہیں وہ راستہ درست نہیں جس پر تم چل رہے ہو۔ وہاں عزت نہیں عزت تو دولت و سرداری میں ہے۔ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَاَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ .... مالک عقل و عشق نے کہا کہ اے نفس پرستو کچھ غور کرو کہ اگر میں اپنے رب تعالے کی عنایات و عطیات والا ہوں میرے پاس علم لاہوتی اور رحمت کاملہ کا سرمایہ ہو۔ تم کو عقل ملی ہے۔ سوچنا واجب ہے۔ نبوت مافوق العقل و فطرت ہے اسی طرح مقام روح بھی مافوق العقل و خرد ہے اگر تم پر ظاہریت کا پردہ ہے جس سے باطن تک تمہاری رسائی نہیں نہ تم اس کی خواہش کرتے ہو بلکہ نفرت کے دلدل میں پڑے ہو۔ اس لئے کہ اندھاپا تم پر ڈال دیا گیا ہے ہم اندھوں اور متنفروں پر دیدارِ حق کس طرح اجاگر کر سکتے ہیں۔ یہاں تو طلب صادقہ اور ارادۂ کاملہ والے ہی چل سکتے ہیں۔ جس کی خواہش ہے وہ روحِ شوق کی اتباع تزکیۂ نفس کرے تاکہ انوارِ عقیدت ظاہر ہوں اور مقامِ قبولیت حاصل ہو۔

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى

اور اے قوم میری نہیں مانگتا میں تم سے پر اس دولت نہیں ہے اجر میرا مگر پر اللہ

اور اے قوم میں تم سے کچھ اس پر مال نہیں مانگتا میرا اجر تو اللہ ہی پر ہے

اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ

اور نہیں میں سے ہٹانیوالوں ان لوگوں کو جو ایمان لائے بے شک وہ مومن

اور میں مسلمانوں کو دور کرنے والا نہیں بے شک وہ اپنے رب سے

وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ

ملنے والے ہیں رب اپنے سے اور لیکن دیکھتا ہوں تم کو قوم کہ جاہل ہو تم اور اے میری قوم کون مدد

ملنے والے ہیں لیکن میں تم کو نرے جاہل لوگ پاتا ہوں اور اے قوم مجھے اللہ سے کون

مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾

کرے گا میری مقابل سے اللہ کے اگر چھوڑا میں نے ان کو کیا پس نہیں نصیحت لیتے تم

بچائے گا اگر میں انہیں دور کروں گا تو کیا تمہیں دھیان نہیں

تعلق

ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں کفار کے تین وہموں کا ذکر کیا گیا تھا کہ نمبر ا نبی علیہم السلام ہم جیسے بشر ہوتے ہیں ۲ ان کی اتباع غریب اور بیوقوف لوگ کرتے ہیں۔ ۳ انبیاء کو عوام پر کچھ فضیلت نہیں ہوتی۔ ان وہموں کی بنا پر ان کفار کا خیال ہو سکتا تھا کہ شاید نوح علیہ السلام نے ضروریات زندگی پورا کرنے اور دولت حاصل کرنے کیلئے یہ چکر چلایا۔ اب اس خیال کو رد کرنے کے لئے ان آیات میں لَآ اَسْئَلُكُمْ سے ان کی تردید کی جا رہی ہے اور اپنی صفائی و وضاحت **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں دنیا پرستوں کی کیفیت و عادت بیان کی گئی تھی کہ وہ غریبوں عاجزوں مسکینوں سے نفرت کرتے ہیں اب سیرت پاک انبیاء کرام کا تذکرہ ہے کہ وہ سب سے عاجزوں مسکینوں کو گلے لگاتے ہیں یہ ثبوت ان کی دنیا سے بے رغبتی بے لالچی کا ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں دنیا پرستوں کی حالت بیان ہوئی کہ ان کو دولت و عزت دنیا پر بھروسہ اور گھمنڈ ہوتا ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ انبیاء کرام اور ایمان والوں کو فقط اللہ کا خوف اور اسی کا توکل ہوتا ہے۔ یہی ان کی کامیابی کا راز ہے۔

تفسیر نحوی

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ واؤ عاطفہ ہے اور پہلے مقولے پر عطف ہے یا حرف ندا قریب و بعید دونوں کے لئے آتا ہے یہاں قرب کے لیے ہے جیسے کہ پہلے قوم سے مراد امت دعوت خواہ رشتے دار ہوں یا شہر والے اس کا کسرہ یاء متکلم کا قرینہ ہے لَآ اَسْئَلُكُمْ مضارع منفی کُمْ اس کا مفعول بہ عَلٰی حرف جر سببیہ ہے ہٖ کا مرجع تبلیغ مَالًا اسم جامد ہے مفعول دوم ہے لَآ اَسْئَلُ کا اِنْ آٹھ معنی میں مستعمل ہے شرطیہ۔ نافیہ۔ تاکید۔ بمعنی لیکن۔ اذا کے معنی ہیں بمعنی قَدْ۔ مِمَّا اِذَا کے معنی ہیں یعنی تعلیلیہ تاکیدیہ جب حرف اِنْ کے بعد اِلَّا آجائے اور درمیان میں پورا جملہ نہ ہو تو وہ اِنْ نافیہ ہوتا ہے۔ چونکہ شرط نفی کے قریب ہوتی ہے اور اِلَّا نفی اور شرط دونوں کے مخالف ہے اس لئے اِنْ نفی کے معنی ہو کر اِلَّا سے ٹوٹتی ہے بدیں وجہ اِلَّا کا ماقبل اِنْ نفی کا معنی دیتا ہے۔ اسی معنی میں اِنْ یہاں مستعمل ہے۔ اَجْرِيَ مرکب

اضافی یہاں یاءِ متکلم کو اس لئے باقی رکھا تاکہ اگلی ہمزہ مکسورہ کا ثقل دور ہو یٰقَوْمِ میں یہ بات نہ تھی وہاں خود یاءِ متکلم سے ثقل تھا۔ اِلَّا حرفِ استثناء بمعنٰی لکن علیٰ لزوم کے لئے اللہ ذاتی نام ہے رب کریم کا صحیح تر یہ ہے کہ لفظ جامد ہے۔ واؤ عاطفہ ہے معطوف علیہ یٰقَوْمِ کا پورا جملہ ہے مَا نفی کا ہے حرف عاملہ ہے انا ضمیر متکلم اس کا اسم ہے۔ ضمیر کا مرجع حضرت نوح با زائدہ ہے یا بیانیہ۔ زائدہ وہ ہوتا ہے جو حکم نہ لگا سکے عمل بہر حال کرے گا طارد اسم فاعل طردٌ سے مشتق ہے بمعنٰی دور کرنے والا اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر کے لئے ہے مفعول بہ ہے طارد کا اٰمَنُوْٓا پورا جملہ فعلیہ بن کر صلہ ہے اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ واؤ سرجملہ لٰکِنَّ حرفِ مشبہ استدراک کے لئے یاءِ متکلم اس کا اسم منصوب اَرٰی پورا جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے اَرٰی رویت سے مشتق ہے بمعنٰی سمجھنا عقل سے دیکھنا کُمْ سے مراد کفار ہیں قوماً سے مراد وہی جہلا سردار تَجْهَلُوْنَ مضارع معروف جہل سے مشتق ہے۔ بمعنٰی ضدی بے علم۔ ظلم کرنا حق مارنا۔ بدسلوکی کرنا۔ نادانی سے بنا وٹی جہل بنے رہنا یہ سب معنٰی بن سکتے ہیں یہاں آخری معنٰی زیادہ موزوں ہیں۔ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ واؤ عاطفہ ہے یہ تیسرا مقولہ ہے قال کا یَا قَوْمِ دراصل قَوْمِیْ تھا یاءِ متکلم کو گرا دیا تخفیف کے لئے مَنْ موصولہ تھی اس سارے اگلے جملے کو سوالیہ بنا دیا لفظ مَنْ صرف عقل والوں کے لئے مستعمل ہے بخلاف مَا موصولہ کے کہ وہ بوقت ضرورت ہر دو کیلئے ہے یَنْصُرُ مضارع معروف نَصْرٌ سے مشتق ہے اس سے مراد وہ مدد ہے جو مشکلات کو دور کر لے سے ہو عَوْنٌ وہ مدد جو کچھ دے کر کی جائے فَتْحٌ وہ مدد جو دشمن کے مقابل کی جائے ظَهْرٌ۔ وہ مدد جو کسی کو قوت دے کر کی جائے نِیْ نون وقایہ یاءِ متکلم یَنْصُرُ کا مفعول بہ ہے مِنْ حرف جر تقابل کے لئے لفظ اللہ ذاتی نام ہے مجرور ہو کر متعلق ہے یَنْصُرُ کا اِنْ حرف شرط یہ اگلا جملہ شرطیہ اس کی جزا مَنْ يَّنْصُرُ کا جملہ مقدم ہے طَرَدْتُّ واحد متکلم ضمیر کا مرجع حضرت نوح طَرْدٌ بمعنٰی دور کرنا سے مشتق ہے ھُمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع فقرا مومنین ہیں۔ اَ یہ ہمزہ استفہام انکاری کے لئے فَ تعقیبیہ ہے لَا تَذَكَّرُوْنَ مضارع معروف منفی ہے بمعنٰی حال ذِکْرٌ سے مشتق بمعنٰی نصیحت پکڑنا۔ غور کرنا۔ یاد کرنا یہاں غور کرنا مراد ہے باب تفعّل طلب کے لئے ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کفار کے تین شبہوں کا پہلے مختص الفاظ اور نوعیت سے دیا اب انکے چوتھے قلبی اندیشے کا جواب دیتے ہوئے فرمایا اے میری قوم میں رسالت کی یا اپنی اس کارکردگی پر تمسے کوئی اجرت مال و دولت نہیں مانگوں گا۔ کہ تم سمجھو کہ شاید مسلمان ہوگئے تو ہم کو ایمانی ٹیکس دینا پڑے گا یا یہ مال جمع کرنے کے لئے ایسی تبلیغ کر رہے ہیں نہیں ہرگز نہیں ہم کو مال کی کوئی خواہش کوئی ضرورت نہیں ہم تو تم کو سچی راہ پر دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ رہا اس محنت کا اجر تو وہ صرف اللہ تعالےٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔ اسی سے امید یقینی ہے کہ وہ ہم کو اچھا اجر عطا فرمائے گا لہٰذا ادھر سے مطمئن ہو جاؤ۔ تمہاری دولت کو کوئی نہیں چھیڑے گا اور بھرا اے لوگو تم ہم کو اجرت دے کیا سکتے ہو۔ ہم تم کو بذریعہ ایمان

حیات جاودانی دی ہے اور تم بجز فانی چیز کے کیا دے سکتے ہو۔ اجرت تو بحیثیت کام کے ہوتی۔ اسی لئے ہماری اجرت سوائے رب کے کوئی نہیں دے سکتا جب چیز جاودانی ہے تو اجرت بھی جاودانی ہونی چاہیئے۔ اس آیت میں قوم نوح کے پہلے تین شبہات کا جواب دیا گیا مگر دوسری نوعیت کے کہ اسے کا فروقوم نے کہا کہ آپ ہم جیسے بشر ہیں۔ تم لوگوں نے ہم کو اپنے جیسا سمجھا اگر ہم تمہاری مثل ہوتے تو مال و دولت کے حریص دنیا پرست عیش میں پڑے ہوتے۔ ہم بھی ہر وقت دنیا میں مشغول رہ کر مال جمع کر سکتے تھے۔ مگر ہم کو ان اشیاء کی خواہش نہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ ہم تمہاری مثل نہیں۔ تم کو اس پر بھی اعتراض ہے کہ غریب مفلس عوام ہم پر ایمان کیوں لاتے اور ہم نے ان کو اپنے سینے سے کیوں لگا لیا۔ تو یاد رکھو کہ چونکہ ہم کو مال دنیا کی کوئی حاجت نہیں ہم تو صرف رب کریم کے دروازے پر جھکنا اور جھکانا چاہتے ہیں لہٰذا وہی ہم کو پیارا ہے جو رب کا بندہ بن جاتے خواہ غریب ہو یا امیر۔ اگر ہم لوگ مال کے طالب ہوتے تو سب سے پہلے امرا کے دروازے کھٹکھٹاتے اور ان کو اپنا بنانے کی کوشش کرتے۔ جیسا کہ جھوٹے مدعیوں کا طریقہ ہے۔ ہم بھی غریبوں کو پاس نہ آنے دیتے کہ ان سے کیا ملنا ہے بلکہ اور پلے سے کھلانا پڑتا ہے ہمارا نمونہ کردار ہی بتا رہا ہے کہ لَا اَسْـَٔلُكُمْ مَالًا تمہارا فاسد اور غلط خیال ہے کہ نبی کو دولت مند ہونا چاہیئے اور دنیوی فضیلتوں والا ہونا چاہیئے کیونکہ انبیاء کرام کو جو فضیلتیں رب تعالیٰ کی طرف سے ملی ہیں اس کے سامنے دنیا کی ہر چیز ہر فضیلت ہیچ ہے نہ ہم کو پہلے مال کی حاجت تھی نہ اب ہے۔ آئندہ اگر تم مسلمان ہو گئے تو بھی تم سے مال نہ مانگیں گے۔ میری یہ مشقتیں اور محنتیں اور تمہاری یہ زبان درازیاں طعنے بازیاں اس لئے برداشت نہیں کر رہا ہوں کہ تم سے کوئی لالچ ہے بلکہ میرا اجر تو اللہ کے پاس ہے۔ لہٰذا چونکہ میں لالچی نہیں اسی لئے کسی دولت مند کا مجھ کو خوف نہیں نہ کسی کے دباؤ میں آنے والا ہوں نہ تمہاری ناجائز بات مانوں گا اگر تم غریب عوام مخلص مومنوں سے نفرت کرتے ہوتے یہ کہو کہ میں ان کو اپنے دامن سے دور کر دوں تو یہ خواہش فضول ہے کیونکہ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْاؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۔ اور میں ہرگز ہٹانے والا نہیں اپنے ان پیارے مخلص مومنوں کو جو سب کچھ چھوڑ کر تمہاری دشمنی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر تن من دھن کی بازی لگا کر میرے اور صرف میرے ہو گئے۔ مومن ہوتے صحابی ہو اور اللہ کے سچے بندوں میں اپنا نام لکھایا نبی کا آستانہ ہی تو ان ٹھکرائے ہوؤں ٹوٹے دلوں کا سہارا ہے۔ اور نبی کی آنکھوں کی ٹھنڈک تو یہی غریب مزدور محنت کش مومنین ہیں ان کے بارے تم کہتے ہو کہ میں ان کو اپنے قرب سے ہٹا دوں کیسا غلط مطالبہ ہے تم جیسے ہزاروں ان پر قربان کر دوں گا چھوڑ دوں گا مگر انکو اپنے قرب سے دور نہ کروں گا اور پھر وہ بھی تو مجھ سے دور نہیں ہونا چاہتے وہ تو کہتے ہیں کہ شعر

تم تو جس خاک کو چاہو وہ بنے بندۂ پاک
ہم نبی کس کو بنائیں جو خفا تم ہو جاؤ

ان کا قرب میرے لئے باعث شرم نہیں بلکہ باعث فخر ہے۔ شعر

نظر کردن بدرویشاں منافی بزرگی نیست
سلیماں باچناں حشمت نظرھا بود باموش

(روح البیان) میری اس محبت وشفقت و پیار نے ان کو اس معراج پر پہنچایا کہ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ۔ اپنے رب سے دنیا میں روحانی اور آخرت میں جسمانی طور پر قرب حضوری کے ساتھ ملنے والے ہیں جس کو اللہ تعالےٰ دور نہ کرے میں کس طرح دور کروں۔ ہاں البتہ ایسے بیہودہ متکبرانہ مطالبے کر کے تم اپنی ہی جہالت ثابت کر رہے ہو کہ ان پیاروں سے نفرت ہے اور دنیا پرستی سے محبت ہے تم کو تو چاہیئے کہ ان کے دل جیت لو ان سے دعائیں کراؤ کہ یہ رب کے پیارے بن چکے ہیں جو نعمتیں ان کو ملی ہیں وہ تم بھی پالو اور دنیا و آخرت کے خوش قسمت بن جاؤ مگر تم بجائے سعادت کے راہ پر آنے اور اپنی ان چرب زبانیوں سے اور زیادہ گمراہی میں جا رہے ہو میں سمجھ گیا کہ تم نری جاہل قوم ہو۔ یہ ہے نبی کی دلیری بے خوفی سرکش امراء دشمنوں کے سامنے کیسی سخت گیر گفتگو فرما رہے ہیں اور یہ ہے تبلیغ کا سچا طریقہ کہ مجرم سے پیار ہے اور پیارے پر لطف خطاب سے یا قوم کہہ کر اظہار محبت فرما رہے ہیں کہ اے لوگو تم میرے ہو میرے ہو کر کدھر بھٹک رہے ہو۔ آؤ میرے پاس میرا دامن عافیت کھلا ہوا ہے۔ یہاں دنیا و آخرت کا آرام ہے۔ مگر جرم سے نفرت ہے کہ جہالت کی گندگی دور کرو۔ گویا کہ یہ سخت گفتگو زخم کا نشتر ہے اور یٰقَوْمِ زخم کا مرہم تم پر جہالت کے پردے پڑے ہوتے ہیں لہٰذا تم اللہ کی عظمت اس کی راحیت کی لذت اس کی وحدانیت کا قرب نہیں پا سکتے۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں تم کو صرف طعنے باز اور غریبوں کو ستانے والی متکبر اور مغرور قوم سمجھتا ہوں جہالت کا معنیٰ ستانا اور مذاق کرنا بھی ہے۔ بس یہی وجہ ہے کہ تم کو ہدایت سعادت نصیب نہیں ہوتی۔ تم دنیا کے مردار خور مومنین شمع رسالت کے پروانے۔ پروانہ شمع پر قربان تو ہو جاتا ہے تڑپ کر جان تو دے دیتا ہے مگر اپنے محبوب شمع کی جدائی گوارا نہیں کرتا۔ تو سمجھ لو کہ تمہارا یہ مطالبہ کتنا ظالمانہ جاہلانہ ہے اگر خدا نخواستہ میں تمہاری بات مان کر ان محبوبوں پیاروں مخلص مومنوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیتا ہوں جن کو تم محض ضد۔ عناد۔ غرور دولت۔ غلیظ قابل نفرت سمجھتے ہو تو۔ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ اے میری قوم مجھ کو ذرا یہ سمجھاؤ کہ یہ مومنین تو میری محبت کی بنا پر قرب الٰہی میں آ گئے۔ اب اگر تمہارے مطالبے کی بنا پر ان کو میں دھتکار دوں یا تمہاری خاطر مجلس سے ان پروانوں کو ہٹا دوں تو کیا مجھ کو تین طرح نقصان نہ ہوگا؛ ایک یہ کہ اگر یہ درد فراق میں روتے ہوئے اللہ سے میری عاشقانہ محبوبانہ شکایت کر دیں اور اللہ ان ٹوٹے دلوں فریادیوں کی فریاد کی بنا پر مجھ پر عتاب فرمائے تو کون میری طرف سے صفائی پیش کرے گا اور کون میری رب تعالےٰ کے حضور مدد کرے گا دوسرا یہ کہ تم تو میرے بنے نہیں ابھی بننے کا وعدہ ہی کر رہے ہو اور وہ بھی ہزار شرطوں نخروں

کے ساتھ۔ ان کو میں دور کردوں تم پھر بھی نہ مانو اور میرے نہ بنو اور تیے بھی تو ساری عمر مطالبے ہی کر کر کے دین کو کھیل بنا دیا۔ تو پھر بس اللہ کے دین کی مدد کے لئے سچے مخلص کہاں سے پاؤں گا تیسرے یہ کہ تم کافر ہو۔ وہ سچے مومن۔ خدائی قانون ہے کہ کافر فاسق کی ذلت اہانت واجب ہے مومن مخلص کی عزت وتکریم و شفقت واجب تمہارے اس مطالبے کے تسلیم کرنے میں۔ تمہارے لئے ان کو نکالنا۔ تمہاری یعنی کفر کی عزت ہو گی اور مومن کی ذلت حالانکہ یہ سراسر لغزش اور خطا ہے ان باتوں میں تم لوگ غور کیوں نہیں اور ایسا کیوں نہیں کرتے کہ بغیر مطالبے کے مومن بن کر بارگاہ حاضرین میں شامل ہو جاؤ اور خود ہی نصیحت پکڑ لو اور پھر دیکھو یہ غریب عوام مخلص مومن ہونے کی وجہ سے تمہارے کس طرح مددگار اور دست وبازو بنتے ہیں۔ ان سے محبت کرکے ان کو اپنے سینے سے لگا کے تو دیکھو۔ حدیث پاک میں ہے کہ فقرا و مساکین سے محبت انبیاء مرسلین کے اخلاق ہیں اور ان کی مجلسوں سے نفرت ان سے بغض منافقوں کے اخلاق ہیں (روح البیان۔ کبیر۔ معانی۔ صاوی۔ مدارک مظہری۔ تفسیر الحدیث۔ خازن۔ جلالین سراج منیر) یہ آیت حضرت نوح کی سابقہ سخت گفتگو کی وجہ بیان کر رہی ہے سوالیہ طریقہ پر اشارہ یہی ہے کہ تم لوگ دولت کے نشے میں عقل سے کام نہیں لیتے نرے جاہل بنے پھرتے ہو۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** بے غرض بے لالچ انسان ہمیشہ قوم میں عزت کا مقام حاصل کرتا ہے۔ دنیا کی بے رغبتی سے تین کمال حاصل ہوتے ۱۔ بہادری ۲۔ قوم میں عزت وقار ۳۔ فتح مندی۔ یہ فائدہ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ فرمانے کے بعد نوح علیہ السلام کی دلیرانہ سخت گیر گفتگو سے حاصل ہوا۔ کہ پہلے آپ نے اپنی بے غرض مال دنیا سے بے رغبتی کا ذکر فرما کر ان کی سرزنش کی جس کا ایسا رعب پڑا کہ کفار باوجود قوت وطاقت اور جتھے کے۔ کڑوی کسیلی باتیں سنتے رہے مگر کوئی نازیبا حرکت کی جرأت نہ پا سکے۔

دوسرا فائدہ اس واقعہ سے مبلغین اسلام اور علماء کرام کو نصیحت اور طریقے تبلیغ سیکھنا چاہیئے کہ انبیاء کرام کے نقش قدم پر چل کر علماء کو دنیا سے بے رغبتی چاہیئے اور امراء کی مجلسوں صحبتوں سے پرہیز چاہیئے۔ دیکھو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے۔ سب مطالبے کرنے والوں کی مجلس اور صحبت کو ٹھکرا کر غریب مومنوں کی صحبت ومجلس کو پسند فرمایا **تیسرا فائدہ** باری تعالیٰ رب العزت کو اپنے پیارے حبیب کی دلجوئی بہت محبوب ہے دیکھو حضرت نوح اور انبیاء کرام سابقین کے واقعات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کر آپ کی تسلی فرمائی جا رہی ہے۔ کہ اے حبیب یہ کفار مکہ آپ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ غریب مومنوں کو اپنی مجلس سے ہٹا تب ہم آپ کے پاس آئیں گے۔ آپ ان کے اس مطالبے سے نہ رنجیدہ ہوں نہ مانیں۔ یہ کفار کا پرانا طریقہ ہے ایسے ہی مطالبے قوم نوح کے کفار نے بھی کئے تھے **چوتھا فائدہ** اللہ رسول کی بارگاہ میں مخلص مومن بہت پیارا ہے اگرچہ سادا ہو غریب ہو کافر اگرچہ خوبصورت امیر لائق چرب زبان ہو مگر وہ قابل نفرت اور جاہل ہے۔ یہ فائدہ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ سے حاصل ہوا

پانچواں فائدہ سچی مجلسیں ایمانی محفلیں ہمیشہ مسکینوں غریبوں سے سجتی بنتی ہیں اور سچے آدمی کی نشانی یہ ہے کہ غریبوں کے دل اس کی طرف جھکتے ہیں۔ جھوٹے نبی۔ جھوٹے انسان کی محفلوں میں اوّلاً امراء کا جھگٹا ہوتا ہے۔ دیکھو مرزا غلام قادیانی اور غلام احمد پرویز لاہوری چکڑالوی کی محفلیں جھوٹے لوگ ہمیشہ اُمراء پرست ہوتے ہیں خدا سے دور ہوتے ہیں۔ مگر غریب خدا کے پیارے جلدی بن جاتے ہیں یہ فائدہ اِنَّھُمۡ مُلٰقُوۡا رَبِّھِمۡ سے حاصل ہوا چھٹا فائدہ تبلیغ ہمیشہ نرم اور محبت کے کلام سے چاہیئے مگر کفر کی پردہ پوشی نہ چاہیئے ان کے پورے عیوب بیان کر دیے جاہیئے۔ کلام میٹھا ہو۔ بارعب ہو۔ لجاجت ہچکچاہٹ نہ ہو۔ یہ فائدہ یٰقَوۡمِ۔ اور اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** کفار نے تو حضرت نوح سے مال مانگنے نہ مانگنے کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ یا ان کی غریبی مسکینی پر کوئی طعن نہ تھا۔ پھر حضرت نوح نے لَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ کیوں فرمایا **جواب** تفسیر میں بتادیا گیا کہ اگرچہ بظاہر ظہور ان کی تین ہی گستاخیاں تھیں ۱ اپنے جیسا بشر سمجھنا ۲ رذیلوں کیوں کو پاس بٹھانے کو برا جاننا ۳ کوئی خاص بزرگی فضیلت نبی میں نہ سمجھنا۔ مگر ان حرکتوں سے ان کے قلبی خدشے کا شبہ ہو رہا تھا کہ شاید اپنے جیسا بشر اس لئے سمجھ رہے ہو کہ بشریت متقاضی ہے مال دنیا کی لہٰذا یہ دنیوی غریبی کی بنا پر ایسا نہ کرتے ہوں اور معاذ اللہ دنیا کمانے کے لئے نبوت کا ڈھونگ رچایا ہو۔ اس قلبی خدشے کو دور کرنے کے لئے آپ نے فرمادیا۔ لَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ یہ دل سے فکر نکال دو کہ میں تم سے کچھ مانگوں گا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مالدار آدمی دنیا کا بہت حریص ہوتا ہے۔ دنیا کی یہ حرص ہی اس کو آخرت کے کاموں سے روکے رکھتی ہے۔ تو ان کو سمجھایا گیا تم اپنی دولت کی فکر نہ کرو ہم تم سے مال کا کوئی مطالبہ نہ کریں گے نہ ہمیں حاجت ہے۔ ہم تم کو صرف یہ کہیں گے۔ شعر

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو ۔۔۔ چاہو تو جہازوں پہ اڑو چرخ پہ جھولو
پر ایک سخن بندۂ مسکیں کی رکھو یاد ۔۔۔ اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

دوسرا اعتراض یہ کیا بات ہے کہ حضرت نوح کے اس فرمان میں ہے وَیٰقَوۡمِ۔ واؤ ابتدائیہ کے ساتھ مگر اس کے بعد قول حضرت ھود کا نقل ہوا وہاں صرف یٰقَوۡمِ ہے واؤ نہیں ہے۔ اس فرق بیان کی وجہ کیا ہے۔ نحوی لحاظ سے واؤ نہ ہونے سے کیا فرق پڑ سکتا ہے۔ **جواب** محمد بن ابی بکر رازی نے اس کا جواب یہ دیا کہ حضرت نوح اور حضرت ھود دونوں کے کلاموں میں لَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ علیہ ہے۔ اور علیہ کی ضمیر واحد مذکر غائب لوٹ رہی ہے۔ تبلیغ رسالت کی طرف ہی یعنی میں تبلیغ رسالت پر تم سے مال نہیں مانگتا۔ مگر چونکہ کفار قوم کی گفتگو کے بعد حضرت نوح نے لَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ سے پہلے ایک جملہ اور فرمایا قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ (الخ) پھر بعد میں لَاۤ اَسۡـَٔلُ (الخ) فرمایا اس لئے واؤ ابتدائیہ لائی گئی تاکہ فاصلہ ثابت رہے۔ مگر حضرت ھود کا قول مسلسل ہے بیچ میں کفار کا قول پھر اپنا قول کا فاصلہ کوئی نہیں ہے۔ نوح علیہ السلام نے پہلے تبلیغ کی پھر کفار نے بات کی پھر نوح علیہ السلام نے جواباً بات کی۔ اس طرح یہاں فاصلہ ہے۔ جہاں

کلام غیر سے فاصلہ ہو گا وہاں واؤ ابتدائیہ ضرور ہو گی۔ جہاں فاصلہ نہ ہو گا واؤ نہ ہو گی۔ یہ وجہ فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ۔ نوحِ روح نے فرمایا اے میری قوم نفس اور نفس کے ساتھیو قلب اور قلب کے باسیو بدن اور بدن کے ساکنو۔ میں تم سے اس دعوت منزل شوق اور ہدایت الٰہیہ کی تبلیغ پر۔ تمہاری خواہشات کی دولت نہیں مانگتا تمہارا یہ مال فانی ہے مجھ کو بقا کی طلب ہے۔ نہ تمہارے دار فانی کی سرداری کا حاجت مند۔ کہ یہ ظلمات کی وادی ہے۔ میری منزل بقا ہے۔ بھلا بلبل باغ جناں۔ گندگی کے کیڑے سے کیا مطالبہ کر سکتی ہے۔ کرم خاکی شاہین فضا کو کیا دے سکتا ہے میں گلستان اجر کا حاجتمند ہوں۔ مجھے انوار قرب کی حاجت ہے اور یہ اجر صرف اللہ تعالیٰ ادا کر سکتا ہے لہٰذا میرا اجر صرف اللہ ہی کے ذمہ کرم پر ہے۔ وہی روح کو جلا بخشتا ہے۔ پس متنبہ رہو کہ مجھ کو تم سے کچھ غرض و طلب نہیں۔ کیونکہ روح معظم کو فانی دنیا سے کچھ غرض نہیں ہوتی اور جو لوگ صاحب عقل سلیم اور دعوت حق کے مومن ہوتے ہیں میں ان کو دار بقا کے راہ سے اور وادی عمل و خیر سے دور کرنے والا نہیں۔ میں تو وصل کے لئے ہوں فصل نہیں چاہتا۔ وصل کے طالبوں کو میں بیگانا نہیں چاہتا کیونکہ وہ اہل قرب ہیں۔ منزل حق کے راہی ہیں۔ جو لوگ اپنے رب سے ملنے والے ہوں وہ اس کے پیارے ہیں وہی مقصود کائنات ہوتے ہیں۔ ان کے لئے اس عالم میں بھی مشاہدات قرب اور ملاقات انوار ہوتا ہے جن کو رب تعالیٰ نے اپنی نظر جمال سے نوازا اور مقام قدس کی بلندیوں پہ بٹھا دیا اور اپنے کلام کو سننے کی لذت بخشی۔ اور صفات کی معرفت عطا کی اور اعمال کو قبول کیا اور بقا کی چادر لم یزل کا لباس دیا ان کو دور کر کے کون ہٹا سکتا۔ اے نفس خبیثہ تو ان اعضاء ممنونہ کی مسکینیت۔ اور راہ طریقت کا انکسار مت دیکھ اور دنیا کی بے رغبتی اور پھٹے لباس ظاہری سے نکمے عقل بے نور نہ سمجھ شعر

خاکساران جہاں رابحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

ظاہر میں یہ لوگ ہی عالم ملکوت کے برجوں کے کبوتر ہیں اور عالم جبروت کی معراجوں کے شاہین ہیں۔ ان ہی کے پاس دولت علم لدنی ہے۔ تم اے نفسانی لوگو خود کو علم والے سمجھتے ہو حالانکہ وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ۔ اور لیکن میں تم منکروں کا فروں کو جاہلوں میں سے سمجھتا ہوں کیونکہ تم نے نعمت ناسوتی کا کفران کیا۔ نہ اعمال صالحہ کو اختیار کیا اور نہ لقاء الٰہیہ کو پہچانا اور حصول خواہشات دنیا میں عقل و عمر گزار دی۔ کم عقلی کو عقل اور خسارے کو نفع کا نام دیا۔ یہی جہالت تامہ ہے۔ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ نوح روح نے قوم نفس سے کہا اے میری قوم۔ کون بچائے گا تجھ کو اور مجھ کو اگر میں نے اور تو نے اعضاء بدنیہ کو اعمال ظاہری سے روکا اللہ کی عبادت اور اطاعت رسول میں نہ لگایا۔ اللہ کی پکڑ اس کے قہر حجاب و عذاب فراق سے۔ کیونکہ صرف ایمان باطنی کافی نہیں ہے جیسا کہ فلاسفہ اور اہل دنیا سمجھتے ہیں کہ صرف ایمان ہی کافی ہے اعمال کی ضرورت نہیں مگر اہل حقیقت و طریقت فرماتے ہیں کہ

باطن کا عنوان ہے۔ جب اعمال ظاہری نصیب ہوتے ہیں تو باطن اخلاق حمیدہ کے زیور سے مزین ہوتا ہے۔ اور قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اعمال ظاہری سے ہی معرفت کی منزل باطنی نصیب ہوتی ہے فرمایا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے کسی کا ایمان درست نہیں جب تک کہ قلب درست نہ ہو اور قلب درست نہیں ہوتا جب تک کہ زبان درست نہ ہو اور زبان درست نہیں جب تک کہ اعمال درست نہ ہوں۔ یعنی ارکان شریعت پر پورا عامل نہ ہو۔ سیر باطن میدان شریعت سے شروع ہوتا ہے۔ طبیعت میں ظلمتیں ہیں شریعت میں نور ہیں۔ انبیاء اولیاء علماء صوفیاء ظلمت سے نکال کر نور میں لاتے ہیں۔ روح سعید اسی منزل کی راہنما ہے۔ مگر نفس اُلّو جو اندھیرے کو پسند کرتا ہے۔ اے نفس پرستو تم اس بات کو یاد نہیں رکھتے اور روح کی نصیحتیں نہیں لیتے۔ اللہ تعالٰی اپنے بندوں پر غالب وقاھر ہے۔ اس کے راہ کے مسافروں کو ستانا۔ روکنا اس کے عذاب کا واجب کرنا ہے۔ تم اس سے نصیحت نہیں پکڑتے تقاضاء قدرت کو نہیں جانتے اور یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ جو اس دنیا میں ظالم و جاہل بن کر رہا اس پر قرب جمال کا رزق حرام۔ وہ ان لذتوں سے محروم رہے گا۔ اس کو وادی فنا کی ٹھوکروں کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح حق چار قسم کے ہیں اسی طرح محرومی حق بھی چار قسم کے ہیں ۱۔ ظلم کی وجہ سے محرومی ۲۔ مظلومیت کی وجہ سے محرومی ۳۔ قہر کی وجہ سے محرومی ۴۔ حجاب کی وجہ سے محرومی۔ جو تماشہ گاہ عالم میں۔ دریا سے ہٹ گیا۔ اور ساتھیوں کو ہٹالے گیا وہ چاروں محرومیوں میں بھٹکے گا۔ مگر جس کی روح ھابیلی نفس قابیل پر غالب آئی اور زیر کر لیا یہاں تک کہ فراق کی نار سے وصل کی زکوٰۃ ادا کر کے تزکیہ حاصل کیا اس لئے وہ متذکرین کی جماعت میں شامل و شاغل ہو کر ظلمت اور ظلم سے بچا۔ اور انوار کی محافلِ قدسیہ میں جگہ پائی۔ اَللّٰھُمَّ اَذِقْنَا ہٰذَا۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ
اور نہیں کہتا میں کو تم پاس میرے خزانے ہیں اللہ کے اور نہیں یہ کہ جانتا
اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب
الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ
ہوں میں غیب اور نہیں کہتا میں کہ بیشک میں فرشتہ ہوں اور نہیں کہتا میں کہ ان لوگوں جن کو ذلیل
جان لیتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور میں انہیں نہیں کہتا جن کو تمہاری

تزدری اعینکم لن یؤتیھم اللہ خیرا ط اللہ اعلم

کہتی ہیں نگاہیں تمہاری ہرگز نہیں دے گا ان کو اللہ بھلائی اللہ زیادہ جاننے والا ہے

نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں کہ ہرگز انہیں اللہ کوئی بھلائی نہ دے گا اللہ خوب جانتا ہے جو

بما فی انفسھم ج انی اذا لمن الظلمین ﴿۳۱﴾ قالوا

اور سے اس میں دلوں ان کے بے شک میں تب تو البتہ سے ظالموں بولے سب سردار اے

ان کے دلوں میں ہے ایسا کروں تو ضرور میں ظالموں میں ہوں بولے

ینوح قد جدلتنا فاکثرت جدالنا فاتنا بما

نوح بے شک جھگڑا کیا تو نے ہم سے پس زیادہ کیا تو نے جھگڑا ہمارا پس لے آتو ہمارے پاس

اے نوح تم ہم سے جھگڑے اور بہت ہی جھگڑے تو لے آؤ جس کا ہمیں وعدہ دیرہے

تعدنا ان کنت من الصدقین ﴿۳۲﴾

اس کو وعدہ کیا تو نے ہم سے جس کا اگر ہے تو سے سچوں

ہو اگر تم سچے ہو۔

تعلق

ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں کفار کے تخیلات کو رد کرتے ہوئے دو باتیں ارشاد ہوئی تھیں۔ جن سے ایک گمان فاسد کو باطل کیا گیا تھا۔ ان آیات میں باقی وہموں کو رد کیا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق کفار نے کہا تھا کہ اے نوح غریبوں کو اپنے پاس سے ہٹا دو تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے پچھلی آیات میں نوح علیہ السلام نے ان کے اس مطالبے کو رد فرمایا تھا۔ اب ان آیات میں اس کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔ کہ جن کو تم ذلیل و بے وقار سمجھتے ہو وہی سب سے دین کے کارآمد ہوسکتے ہیں اور انہی کو سب سے زیادہ توفیق خیر ملے تیسرا تعلق! پچھلی آیات میں کفار کی بیہودہ اور فضول باتوں کو توڑتے ہوئے نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر تھا کہ اگر ایمان و نصیحت لینی ہے تو بغیر مطالبہ خشوع اور عاجزی کرتے آؤ اب فرمایا جا رہا ہے کہ کافروں کی حالت دیکھو کہ وہ اتنی اچھی تبلیغ فائدہ مند دعوت بہترین مشورے کو جھگڑے کا نام دے رہے ہیں۔

تفسیر نحوی

ولا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب --- واؤ عاطفہ لا اقول مضارع متکلم منفی یہ قول اس کا مقولہ اگلا پورا جملہ لفظ غیب تک ہے لکم کا لام حرف جار

تخصیص کے لئے ہے بمعنیٰ عن یعنی صرف تم سے نہیں کہتا لام بیس معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے۔ کُمْ ضمیر جمع سے مراد کفار ہیں عِنْدَ اسم ظرف مکانی کے لئے ہے مرکب اضافی مضاف الیہ یاءِ متکلم ہے خزائن جمع منتھی ہے خزانے کی مراد کثرت مال دنیا ہے جس کی وجہ سے انسان کو سرداری کی اور اپنی سچی جھوٹی بات منوانے کی طبعاً خواہش ہوتی ہے۔ مرکب اضافی لفظ اللہ مضاف الیہ ہے یعنی وہ دولت جو اللہ کریم نے دی ہو بغیر کسی محنت مشقت کے واؤ عاطفہ لا اعلم کا پورا جملہ سابقہ مقولے پر معطوف ہے لَا أَعْلَمُ مضارع متکلم منفی متعدی بیک مفعول ہے الغیب الف لام جنسی ہے کیوں کہ غیب واحد ہے اور خلاف کوئی قرینہ نہیں اصلی الف لام جنسی ہی ہوتا ہے جو بغیر قرینہ آتا ہے باقی اقسام کسی قرینے سے آتے ہیں۔ غیب ہر وہ چیز جو حواس خمسہ سے معلوم نہ ہو سکے۔ جو شعور سے معلوم ہوتی ہے شعور خاص عطیہ ربانی ہے۔ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا ۔ واؤ سر جملہ یہ عبارت نیا جملہ ہے علیحدہ قول اور مقولہ ہے پہلا لَا اقولُ لام تخصیص نے کُمْ سے خاص کر دیا تھا مگر یہ جملہ مطلقہ حقیقیہ ہے اور یہ نفی حقیقی ہے۔ إِنِّي اسی لیے یہاں حرف تحقیق إِنَّ آیا یاءِ متکلم اس کا اسم ہے حالت نصب میں ہے مَلَكٌ بمعنیٰ فرشتہ خبر إِنَّ ہے واؤ عاطفہ ہے لا اقول تیسرا قول ہے۔ مگر عطف دوسرے قول پر ہے اسی لئے یہاں بھی کوئی تخصیص نہیں اور نفی تحقیقی ہے لِلَّذِينَ لام استحقاقیہ ہے اَلَّذِينَ اسم موصول مراد مخلص مومنین ہے تزدری باب افتعال مضارع معروف مونث ہے زَرْيٌ سے مشتق ہے باب افتعال کی ت دال بن گئی اس لئے کہ ماقبل زاء ہے علم تجوید کے مطابق د، ط اور ت کا ایک ہی نوک زبان اور ثنایا علیا مخرج ہے اس لئے افتعال کی ت کبھی طا سے بدل جاتی ہے۔ کبھی دال سے یہاں دال سے بدلی زَرْيٌ کا لغوی معنیٰ یہاں باطل اور ذلیل سمجھنا ہے یہاں افتعال متعدی ہے لہٰذا لازم کی تین اقسام میں سے کوئی نہیں ہے۔ أَعْيُنُكُمْ مرکب اضافی جمع ہے عَيْنٌ کی بمعنیٰ ظاہری آنکھ کم کا مرجع رؤساء کفر ہیں لَنْ يُؤْتِيَهُمُ نفی تاکید مستقبل اَتَیٰ سے بنا بمعنیٰ کسی وجہ سے دینا۔ هُمْ ضمیر غائب مفعول بہٖ کا مرجع مومنین اس کا فاعل لفظ اللہ خَيْرًا سے مراد دینی دنیوی عزت غلبہ اَللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ ۔ لفظ اللہ مبتدا اس لئے مرفوع ہے یہ جملہ اسمیہ معللہ ہے أَعْلَمُ اسم تفضیل مذکر مطلق زیادتی کے لئے آتا ہے با حرف جار ما اسم موصول مجرور فی حرف جر أَنْفُسِ جمع ہے نفس کی بمعنیٰ دل هُمْ ضمیر کا مرجع مومن لوگ یہ دونوں جار اپنے اپنے مجرور سے مل کر اعلم کے متعلق ہوتے بعض کے نزدیک مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ بما اپنے پورے جملے کے ساتھ أَعْلَمُ کا متعلق ہے اور فی انفس لفظ مَوْجُودٌ پوشیدہ کے متعلق ہے اور وہ موجودٌ صلہ ہے إِنِّي إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ یہ جملہ اسمیہ مقطوعہ ہے کیوں کہ یہاں۔ إِذَا قُلْتُ ۔ پوشیدہ ہے یہ بیان تعلیلیہ ہے تیسرے لا اقول کی نہ کہ پہلے اور دوسرے کی اس لئے کہ پہلی نفی حقیقی نہیں اور دوسری نفی اگرچہ حقیقی مگر حق تلفی نہیں حالانکہ ظلم حق تلفی کو کہتے ہیں إِنَّ حرفِ تحقیق شروع کلام کی بنا پر مجرور رہا یاءِ متکلم کا مرجع نوح ہیں إِذًا اسما ظروف

زمان میں سے ہے لام تاکید کے لیے ہے اس کا نام لام ابتداء ہے اگلے جملے کی تاکید کرتا ہے۔ اس کا نام لام تاکید نہیں صرف فعل مضارع اور اس کے مشتقات پر آتا ہے مِنَ جارّہ ہے الظّٰلِمِیْنَ الف لام استغراقی ہے بمعنی اَلَّذِیْ ظالمین جمع اسم فاعل ظُلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی حق تلفی خواہ اپنی یا کسی کی قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَکْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ قَالُوْا ماضی مطلق جمع واؤ کے بعد الف مد فوقانی کے درجے میں واؤ کو پُر کرنے کے لئے اس کا فاعل کفار سردار یا حرف ندا نوح اس قوم کے نبی علیہ السلام کا نام ہے بہت گریہ زاری کرتے تھے اس لئے نوح نام ہوا عجمی لفظ ہے قَدْ جٰدَلْتَنَا ۔ ماضی قریب معروف فاعل حضرت نوح ہیں باب مُفَاعَلَۃٌ ہے مشارکت کے لئے ہے بعض نے کہا کہ تکلف کے لئے ہے۔ نا ضمیر جمع متکلم اس کا مفعول بہٖ ہے فا تعقیبیہ اَکْثَرْتَ کَثْرٌ سے مشتق۔ عدد کی زیادتی کو کثرت کہتے ہیں یہاں مراد کلام کی تعداد جس میں آپ کا ڈرانا دھمکانا اور بار بار دعوتِ اسلام دینا سب شامل ہے باب افعال کا ماضی ہے متعدی بیک مفعول ہے جِدَالٌ مرکب اضافی ہے بروزن فِعَال عدل ہے معنی مصدری میں ہے نَا ضمیر جمع متکلم اضافت مفعولی ہے نہ کہ فاعلی فا جزائیہ عاطفہ ہے اور یہ جملہ معطوفہ ہے۔ اِئْتِ صیغہ امر ہے اَتْیٌ سے مشتق ہے فاعل حضرت نوح ہیں متعدی بدو مفعول ہے مفعول اول حقیقی طور پر نا ضمیر ہے مفعول فیہ ہے۔ مجازاً دوسرا مفعول بما کا پورا جملہ ہے۔ بِ جارّہ زائدہ ما موصولہ بمعنی وہ عذاب۔ تَعِدُ باب ضَرَبَ کا مضارع ہے وَعْدٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی وعید۔ نَا ضمیر مفعول بہٖ کا مرجع کفار سردار اِنْ کُنْتَ یہ پورا جملہ شرط مؤخر ہے اس کی جزا فَاْتِنَا جملہ فعلیہ جزاء مقدم ہے اِنْ حرفِ شرط ہمیشہ مقدّم ہوتا ہے اس کے بعد فعل لازم ہے خواہ ظاہر خواہ پوشیدہ کُنْتَ فعل ناقصہ اس کا اسم ضمیر پوشیدہ ہے اس کی خبر ثابتاً اسم فاعل پوشیدہ ہے۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ ہے الصّٰدِقِیْنَ الف لام استغراقی بمعنی اَلَّذِیْنَ صَادِقِیْنَ صِدْقٌ سے اسم فاعل جمع ہے۔ بمعنی سچی بات حقیقت اور واقع کے مطابق کہنے والا۔

تفسیر عالمانہ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ ...... ہمیشہ مدعی کے دعوے کے مطابق اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے جب اپنے دعوے کو پورا ثابت نہ کر سکے تب اس کا انکار کرنا روا ہے اے میری قوم کے سردارو میں نے تو کبھی دعویٰ نہیں کیا اور اب بھی تم سے نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ دعویٰ کیا کہ غیب جان لیتا ہوں پھر تم نے میری فقری کی وجہ سے میری نبوت کا انکار کیوں کیا اور مجھ سے غیبی چیزوں کے مطالبے کیوں کرتے ہو۔ قوم نوح کے تین شبہوں کا جواب حضرت نوح نے پہلے دو طریقوں سے عطا فرمایا اب ان ہی تینوں شبہوں کو تیسرے طریقے بہت احسن طرح پر رد فرما رہے ہیں انہوں نے کہا تھا ہم تم میں اپنے پر کوئی فضیلت نہیں دیکھتے اور فضیلت سے مراد تھا مال دولت اب یہی فرما جا رہا ہے کہ میں نے اس فضیلت کا دعویٰ ہی کب کیا ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم تمہارے پاس صرف گھٹیا قسم

کے لوگوں کو بیٹھا دیکھتے ہیں نبی کریم کی شان کے لائق تو یہ تھا کہ اس کے پاس عقل والے پڑھے لکھے اونچے طبقے کے لوگ آکر بیٹھتے جواباً فرمایا کہ میں نے غیب کا دعویٰ کب کیا ہے کہ کس کے دل میں نور ایمانی ہے کس کے دل میں نارِ شیطانی یہ میرے رب کی شان ہے جس کے دل میں چاہے ایمان کی روشنی پیدا کر دے وہ میرے پاس آجاتے اور مومن مخلص بن جاتے تم جو کہتے ہو کہ یہ غریب لوگ بُرے ہیں تو تمہاری اپنی بات ہے۔ برا اچھا ہونا قلبی اور غیبی چیز ہے میں کسی کو برا کیوں کہوں میں نے غیب دانی کا دعویٰ نہیں کیا۔ کفار نے کہا تھا کہ اے نوح ہم تم کو اپنی جیسا بشر ہی دیکھتے ہیں۔ جواباً فرمایا وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ ۔ اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں کہ تم میری بشریت کی وجہ سے میرا انکار کرو میں تو یہ ثابت کر رہا ہوں کہ نبی ہوتا ہی بشر ہے۔ فرشتہ یا جن نبی نہیں ہوتا تم دنیوی فضیلت کے طالب ہو۔ میں تم کو روحانی قلبی وہ فضیلت دینا چاہتا ہوں جو بشریت کا خاصہ ہے۔ تم مجھ سے علم غیب کے طلبگار ہو مگر میں تم کو ایسی منزل پر پہنچانا چاہتا ہوں کہ اسرارِ الٰہیہ تم پر بھی منکشف ہو جائیں تم نبی کو فرشتہ دیکھنا چاہتے ہو۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے اندر ایسے اخلاق حسنہ پیدا کرو کہ فرشتوں سے اشرف ہو جاؤ۔ نہ میں غربت کی شکایت لے کر آیا کہ تم سے مال طلب کروں نہ امیروں کا غرور و تکبر لے کر آیا کہ کہتا پھروں میں خزانوں کا مالک ہوں اے قوم والو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے نبوت کا اعلان یہ بتانے کے لیے کیا ہے کہ میں اللہ کی مقدورات میں جو چاہوں کروں جسے چاہوں دوں جسے چاہوں منع کروں۔ ہرگز نہیں میں اللہ کے حکموں کا پابند ہوں شریعت کی رسی میں بندھا ہوا ہوں میں تم کو بھی اسی طرح شریعتِ الٰہیہ کا پابند دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ زندگی آزادی کی نہیں۔ تم تو مجھ پر ایمان لانے میں بچوں کی طرح شرطیں لگاتے ہو۔ کبھی غیب کی خبریں سننا چاہتے ہو کبھی مال و دولت کے خواہش مند بنتے ہو مگر جن لوگوں کو حقیر سمجھ رہے ہو انہوں نے ایمان لانے میں کوئی شرط کوئی مطالبہ نہ کیا اس لئے وَلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ میں نہیں کہتا ان لوگوں کے بارے میں جن کو تمہاری آنکھیں حقیر جانتی ہیں یعنی تمہارے دلوں نے ان کو برا سمجھا اور آنکھوں نے اظہار کیا کہ ان کو اللہ کبھی بھی دنیا اور آخرت میں بھلائی نہ دے گا بلکہ عنقریب ان کو دنیا میں مال و دولت اور آخرت میں جنت کا ثواب عطا فرماتے گا۔ اللہ بہت خوب جاننے والا ہے اُس کو جو اُن کے دلوں میں ایمان۔ معرفت اور مضبوطی ہے۔ اگر میں ایسا کہوں تو میں ان کی توہین کرنے والا اور اُن کا نقصان کرنے والا ہوں گا اِس میں اشارۃً غیب کی خبر ہے اور ان مومنین مساکین کی آئندہ حالت کی خبر ہے اس سے پہلے مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ میں بھی اس چیز کی خبر تھی مقصد کلام یہ ہے کہ یہ غریب فقیر مومن لوگ اللہ کو پیارے ہیں اس لئے کہ انہوں نے ایمان قبول نہ تو کسی لالچ میں کیا نہ غیبی باتیں پوچھنے کیلئے اگر ان کا مقصد دولت مند بننا ہوتا تو مجھ جیسے ظاہراً فقیر آدمی کے ساتھ نہ لگتے بلکہ امرا کے دروازوں سے چمٹے رہتے نہ میں نے ان سے کوئی ایسے وعدے کر رکھے ہیں یہ محض حق کو حق سمجھتے ہوئے ایمان لائے

دنیا کی ہر چیز کو ٹھکرا کر رب تعالےٰ کے دروازے پر گر پڑے ہیں۔ انہوں نے اصل نبوت کا مقصد سمجھ لیا۔ نبی دنیا کی دولت نہیں اعمال کی دولت دینے آتا ہے۔ نبی غیب کی خبریں یا شعبدے بازی کے لئے نہیں آتا۔ اس کے پاس دنیوی لالچ لے کر مت آؤ اسے دنیا کے لئے مت مانو دین کے لئے مانو۔ نبی کی ذات سے دنیوی خواہشات کی امید مت رکھو۔ یہاں دل کی کلیاں کھلواؤ۔ نبی کی ذات تو عالم ناسوت سے عالم لاہوت کی طرف لے جانے والی ہے۔ یہاں تو عشقِ الٰہی کے سدا بہار پھول کھلتے ہیں جو دنیا سے بے نیاز ہو کر آخرت کی خاطر نبی کے قدموں میں آئے گا۔ اس کو کون بدنصیب بے مراد کہہ سکتا ہے وہی تو خوش نصیب بامراد ہے۔ آج تم مخمور ہو کل وہ مسرور ہوں گے۔ تم لوگ ایسے پیاروں کو برا سمجھ کر ظالم ہو رہے ہو تم لوگ میرے بتاتے ہوئے سچے راستہ پر آؤ مجھ کو اپنے برے راستے پر مت لاؤ مجھے ظالموں میں سے مت بناؤ۔ کتنی پیاری کیسی میٹھی تبلیغ ہے کیسا دلنشین وعظ ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ فوراً قدموں میں گر جاتے ایمان لے آتے مگر قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۔ ان ساری محبت آمیز نصیحتوں کو نظر انداز کر کے بولے تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور تمہارا جھگڑا طول پکڑ گیا۔ لہٰذا اب زیادہ باتیں نہ کرو اب تم وہ عذاب لاؤ جس کا تم نے عذابِ یَوْمٍ اَلِیْم سے وعید کیا ہے۔ دیکھیں تو سہی کہ تم کتنے سچے ہو۔ ہمیشہ غلط کار آدمی سمجھتا ہے کہ میں جھگڑالو نہیں ہوں۔ سچے آدمی کو جھگڑالو سمجھتا ہے۔ یہاں بھی وہی حالت ہے کہ جھگڑے کی نسبت حضرت نوح کی طرف کر رہے ہیں اور سمجھانے کو دلائل دینے کو کثرت جدال کہہ رہے ہیں تَعِدُنَا کے بعد بِہٖ پوشیدہ ہے کیونکہ یہ فعل متعدی بدو مفعول کے درجے میں ہے۔ صادقین سے مراد اس وعدے میں سچا ہونا ہے۔ یہ کلام یا تو آخری ہے جیسا کہ اگلی گفتگو سے ظاہر ہے یعنی اے نوح تم ہم سے ساڑھے نو سو سال جھگڑتے رہے نہ ہم نے تم کو مانا نہ تم جھگڑے سے باز آتے اور یا یہ اول کلاموں سے ہے۔ جِدَال بنا ہے جَدْل سے اس کے معنیٰ ہیں حقیقت کے خلاف بات پر مُصِر ہونا ضد کرنا قوم نوح علیہ السلام کے کفار کی نظر اور عقلی عقیدے میں حضرت نوح کی سب باتیں حقیقت کے خلاف تھیں وہ کہتے تھے کہ بشر کا نبی ہونا حقیقت کے خلاف ہے۔ کیونکہ انہوں نے جس بشر کو دیکھا تھا گھناؤنے کردگار بُرے اعمال کا مالک۔ اُن کے ذہن میں بشر کا تصور صرف یہی تھا کہ بشر۔ چور۔ ڈاکو۔ راہ زن۔ جواری شرابی ہوتا ہے۔ انہوں نے انسانیت کا معیار صرف یہی سمجھا تھا اور مقصد حیات یہی جانا تھا کہ انسانیت صرف دنیا پرستی کا نام ہے۔ یہی وہم پکا کر انہوں نے کہا کہ ارے بشر بھی نبی ہو سکتا ہے۔ حضرت نوح یہی سمجھانا چاہتے تھے اے بیوقوفو تمہارے اس کردار کا نام بشریت نہیں۔ یہ تو تمہاری اپنی حریصانہ ذھنیت کی اختراع ہے۔ مقام اور مدارج بشریت تو یہ ہے کہ ملائکہ بھی رشک کریں۔ نبی تو نبی عام مومن سے بھی تم ہم مثل نہیں ہو سکتے۔ کہ انوارِ تجلیات سے بہرہ مند اور تم اندھیروں ظلمتوں میں بھٹکنے والے۔ تم لوگوں نے اللہ کے نبی سے بھی اپنی دنیا پرستی والی امیدیں وابستہ کیں۔ انبیاء اولیاء کے آنے کا مقصد یہ نہیں کہ ان پر ایمان اور ان کی پیری مریدی صرف اس لئے کی جائے کہ ہماری دنیوی حاجات سرداریاں ملتی رہیں۔ ان سے تو آخرت اور آخرت والے

رب کو پانے کی کوشش کرو۔

فائدے ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** انبیاء اولیاء کے درباروں میں دنیا طلبی کے لئے مت جاؤ وہاں سے آخرت و معرفت کی بھیک مانگو۔ عِنۡدِیۡ خَزَآئِنُ اللّٰہِ۔ کی تفسیر سے حاصل ہوا اسی طرح صرف دنیوی لالچ میں پیر کی بیعت نہ کرو نہ پیر کو لائق ہے کہ شعبدے دکھاکر مرید بناتے اور نہ دنیا کا لالچ دے کر عوام کو مائل کرے۔ جیساکہ آج کل بہت فریبی ایسا کرتے ہیں۔ دیکھو حضرت نوح علیہ السلام نے نبی ہونے کے باوجود صاف کہاکہ میں ان چیزوں کا دعویدار نہیں میرے پاس ان ارادوں سے نہ آنا **دوسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے مگر انبیاء کرام کے ذمے اس کا ظاہر کرنا واجب نہیں یہ فائدہ لَآ اَقُوۡلُ کی آیت میں لَکُمۡ فرمانے سے حاصل ہوا یعنی حقیقت کا انکار نہیں بلکہ تم کو بتانے کا دعویٰ کرنے کا انکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس میں صرف بتانے اور دعوے سے انکار ہے حقیقتاً انکار نہیں وہاں تو دونوں مقولوں کے لئے ایک قول آیا۔ لیکن جہاں حقیقتاً انکار ہے اس کا قول علیحدہ ہے اگر تینوں مقولے ایک ہی درجے کے ہوتے تو تینوں کے لئے ایک ہی دفعہ لَآ اَقُوۡلُ فرمایا جاتا۔ ثابت ہواکہ غیب اور خزانوں میں صرف دعوے سے انکار ہے نہ کہ حقیقت میں اور مَلَکٌ ہونے میں حقیقتاً انکار ہے **تیسرا فائدہ** غریب مومن کو برا حقیر سمجھنا طریقۂ کفار ہے اور یہ ظلم ہے اور مومنوں سے پیار کرنا ان کا احترام قائم کرنا سنتِ انبیاء ہے یہ فائدہ تَزۡدَرِیۡ اور لَآ اَقُوۡلُ فرمانے سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** سچی بات کو جھگڑا کہنا بھی طریقۂ کفار ہے یہ فائدہ قَدۡ جَادَلۡتَنَا سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** کہ کفار بہت بیوقوف ہوتے ہیں اس لئے کہ کوئی شخص اپنی مصیبت نہیں مانگتا مگر کفار عذاب کے طلبگار ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ فَاۡتِنَا۔ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات اس جگہ چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** ان آیات سے ثابت ہواکہ ملائکہ انبیاء کرام سے افضل ہوں۔ کفار نے بشر کو کم سمجھا اس لئے نبوت کے لئے فرشتہ ہونا لازم جانا حضرت نوح نے بھی اپنی انکساری کرتے ہوتے بشریت کا اقرار قائم رکھا اور فرمادیاکہ میں فرشتہ نہیں ہوں **جواب** تفسیر خازن نے اس کا جواب یہ دیاکہ یہاں بشریت و ملکیت کا تقابل مراد نہیں۔ بلکہ ان کفار کے اس گمان باطل کو توڑنے کے لیے کہ چونکہ مَلَکٌ افضل ہے اس لئے اس کو نبی ہونا چاہیئے یہ جواباً کلام فرمایا اور واضح کیا کہ نبی کو فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرنے کی کوئی حاجت نہیں وہ تو بشریت و انسانیت میں اتنا کامل ہوتا ہے کہ مقام ملائکہ سے بلندیوں پر ہوتا ہے۔

دوسرا اعتراض اس آیت سے ثابت ہوتاہے کہ نبی گناہ کرسکتے ہیں۔ کیوں کہ کہا گیا کہ میں اگر ایسا کروں تو میں ظالموں سے ہوجاؤں گا **جواب** یہاں محال کو محال پر مشروط کیا گیاہے۔ اس سے واقع میں ہونا لازم نہیں آتا۔ جیسے کہ فرمایا گیاہے اگر خدا کا بیٹا ہوتا تو میں پہلے پوجتا وہاں بیٹا ہونا اور پوجنا دونوں محال اسی طرح یہاں بھی **تیسرا اعتراض** ان آیات سے ثابت ہواکہ نبی جس طرح فرشتہ نہیں ہوتا اسی طرح غیب دان اور کسی چیز کا مالک و مختار بھی نہیں ہوتا

یہاں تینوں چیزوں کی نفی ہے۔ تو اہلسنت لوگ نبی کے غیب کے قائل کیوں ہیں (وہابی) جواب اس کا جواب روح المعانی نے یہ دیا کہ حضرات انبیاء کرام مالک خزائن تو ہیں مگر اللہ کی رضا کے بغیر نہیں چلتے عندی کا مطلب ہے اپنی مرضی سے استعمال کی نفی۔ لیکن زیادہ آسان جواب وہ ہے جو ابھی تفسیر میں ہم نے دیا کہ غیب اور خزانوں میں دعوے کی نفی ہے نہ کہ حقیقت کی اور ملکیت میں حقیقت کی۔ اسی لیے لَا اَقُوْلُ دو دفعہ فرما کر دراز عبارت لائی گئی۔

تفسیر صوفیانہ

وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ اور اے نامحرمو اسرار سے ناواقفو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں میں نے صرف تجلیات نبوت کا دعویٰ کیا ہے دنیا کے دروازوں پر دنیا ملتی ہے صاحب اسرار کے دروازے پر نبوت کا نور نظر آتا ہے۔ اے کور چشم بدبختو یہاں طلب دنیا کے لیے نہ آؤ کہ طالب دنیا مردود ہوتا ہے طالب عقبیٰ مسعود ہوتا ہے اور طالب مولیٰ محمود۔ اگر فلاح دارین چاہتے ہو تو مسعود یا محمود بنو یہ جگہ دنیوی دعووں کی نہیں یہاں دین کے دعوے دار بننا چاہیئے اور یہ دعویٰ ہے کہ میں خود اسرار باطن و رموز عشق جو غیبوں کا غیب ہے کو جانتا ہوں حقیقی بندہ وہی ہے جو انا کو فنا کرے ہر شے کو نسبت اسی رب کی طرف کرنا عبادت ہے جو اپنے بندوں کو اسرار بے خودی بتاتا ہے۔ اسی کی عطا سے بندۂ بر حق غیب دان عالم بن جاتا ہے۔ جو مدعی ہے وہ بے بصر ہے جو صاحب بصیرت ہے وہ مدعی نہیں بنتا وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ میں نے یہ بھی نہ کہا تھا کہ میں فرشتہ ہوں کہ قوت ملکیہ کے ذریعے بدن انسانی کو قالب و قلب کو ظلمتوں سے بچا لیا جائے گا۔ اعمال کی محنت شاقہ تو ہر ذی روح کو اس دنیاء دون میں کرنی پڑے گی کہ یہ مقام کسب ہے یہاں عیش و آرام کی طلب بیکار بلکہ نقصان دہ وَلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ نوح روح نے اپنی قوم کے نفس سرکش سے کہا کہ اے نفس کے ساتھیو تمہاری نظر میں جو عالمین صالحین ذلیل وحقیر نظر آتے ہیں میں نہیں کہتا کہ ان کو بارگاہ سرمدی سے خزانہ خیر نہ ملے گا۔ اس لئے کہ قانون فطرت ہے ڈھونڈھنے والا پانے والا ہے۔ مستحقین کو اس دروازۂ ابد قرار سے محروم نہیں پھیرا جاتا۔ اے سرکشو تم جسم کے امیر ہو وہ قلب کے غنی ہیں تم ظاہر کے سردار ہو وہ باطن کے تمہاری عزت دنیا کے دروازوں پر ہے ان کی رب کے دروازۂ دائمی پر تم کو فنا کی حکومت ملی ان کو بقا کی یہ ظاہری سزا وجزا ہے لیکن ان کی ذات میں کتنے اسرار و انوار مضمر ہیں وہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے تم اپنے منہ سے کہتے پھرو کہ ان کو کچھ بھلائی نہ ملے گی کہ تم اندھے بہرے ہو۔ تم گناہ کو نیکی برائی کو خیر سمجھتے ہو۔ مال دنیا کو بھلائی سمجھتے ہو۔ حالانکہ خیر وہی ہے۔ جو میرے پاس ہے وہی رب کی بارگاہ میں خیر ہے وہی حقیقت میں عافیت ہر دو جہان ہے۔ رب ہی عارف اکمل ہے اسی کو علم ہے کہ خیر ہمارے پاس ہے یا تمہارے پاس۔ اگر ان ہدایت یافتہ حضرات کو خیر سے دور سمجھا جائے تو بے شک میں تب تو ظالموں میں ہوں گا جبکہ مستحق حقیقی کو محروم کروں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ خیر پانچ قسم کی ہے ۱۔ خیر جسدی جو عالم ناسوت کی

دولت ہے۔ یہ ہر کس و ناکس اہل نا اہل۔ عالم جاہل اچھے برے کو مل جاتی ہے۔ دنیا پرست کی ذا ... ہر دن رات اسی کے حصول میں خائب و خاسر ہے مولانا فرماتے ہیں شعر

اہل دنیا کافرانِ مطلق اند

روز و شب در زق زق و در بک بک اند

۲ خیر مخلوق جو اہل اللہ کے آستانوں سے ملتی ہے ۳ خیر ایمانی۔ جو اعمال شرعی کے انوار سے حصہ مرزوق ملتا ہے۔ ۴ خیر خالق اسی کو توفیق عمل صالحہ کہا جاتا ہے ۵ خیر ایمانی۔ جو گدایان قضا جویان رضاء کو مشاہدۂ قدس سے عطیے ملتے ہیں یہ خاصانِ خوش بخت کا حصہ ہے۔ یہ خزانے اغیار و اشرار سے چھپائے جاتے ہیں۔ ابرار کو بتائے جاتے ہیں اور اخیار کو دیئے جاتے ہیں۔ خیر اوّل کو فنا ہے خیر آخر کو دوام اور خیر آخری کو بقا۔ اسی خیر کی طرف روح ازلی نے بلایا ابرار تو دامن میں آ گئے مگر اغیار کچھ نہ سمجھے اور پکار اٹھے قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔ بولے وہ اغیار و اشرار جن کو نفس نے عیش کے وعدے دیئے تھے کہ اے نوحہ کرنیوالی روح مستقبل کے عذاب سے ڈرانے والی۔ تو نے ہم میں جھگڑا و فساد ڈال دیا کسی کو شقی کسی کو سعید کر دیا کسی کو محروم کسی کو مسرور کر دیا۔ کسی کو مسعود کسی کو مردود بنا دیا یہ سب فرقہ بندی تیری ہے۔ پس زیادہ ہی جھگڑا بنا دیا تو نے ہم میں۔ کہ ازل کی گروہ بندیاں کر دیں۔ جنم کے سب ایک تھے اہل معرفت فرماتے ہیں کہ شروع سے کور بختوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ نور کو ظلمت دن کو رات اچھائی کو برائی۔ اصلاحِ قوم کو جھگڑے کا نام دیا۔ اصل مصلح کو فسادی اور بدباطن فسادی کو مصلح قرار دیا جاتا رہا ہے۔ یہی وہ بیماری ہے جس سے معالج فطرت کے راہ مسدود کئے جاتے ہیں۔ یہ ہی سختی۔ دل اور کثافت قلبی ہے۔ جہاں یہ ناسور ہوتے ہیں وہاں خوف خدا کا آنسو نہیں آتے جہاں ایسے جھنکاڑ اُگتے ہیں وہاں خشیتِ الٰہی کی نرم و گداز کلیاں نہیں چٹکتیں۔ جہاں ایسی بے باکی جنم لیتی ہے وہاں عبرت کے درس بھلا دیئے جاتے ہیں بلکہ عبرت آمیز وعیدوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔ بس لے آ تو ہمارے پاس اس عذاب کو جس سے وعید دیتا ہے تو ہم کو اگر تو سچا ہے اہل شقاوت کے دل سے سب سے پہلے نبی کا خوف نکلتا ہے۔ بارگاہ نبوت کے گستاخ بنتے ہیں۔ پھر شریعت و طریقت کا پھر عذاب و سزا و عتاب و قہر کا یہاں تک کہ باری عزّ اسمہٗ کا خوف بھی جاتا رہتا ہے اور اسفل السافلین کے زمرے میں شامل ہو کر مردود ازلی بن جاتا ہے جس طرح کہ نبوت کا ادب سارے ادبوں کی چابی ہے۔ اسی طرح اس بارگاہ کا بے ادب سارے ادبوں کا راہ زن ہے (روح البیان۔ عرائس البیان۔ ابن عربی مع زیادت)

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾

فرمایا فقط لائے گا تم پر کوئی عذاب اللہ اگر چاہا اس نے اور نہیں ہو تم عاجز کرنیوالوں سے

بولا وہ تو اللہ تم پر لائے گا اگر چاہے اور تم تھکا نہ سکو گے

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ

اور نہ نفع دے گی تم کو نصیحت میری اگر ارادہ کروں میں یہ کہ نصیحت کروں میں کو تم اگر ہو اللہ

اور تمہیں میری نصیحت نفع نہ دے گی اگر میں تمہارا بھلا چاہوں جب کہ

اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۟ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾

ارادہ کرتا یہ کہ گمراہ کرے تم کو وہ رب ہے تمہارا اور طرف اس کی لوٹائے جاؤ گے تم

اللہ تمہاری گمراہی چاہے وہ تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف پھرو گے

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ

یا کہتے ہیں وہ کہ خود بنا لیا اس قرآن کو فرما دو اگر بنا لیا ہے میں نے اس کو تو پر مجھ ہے گناہ میرا

کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے اپنے جی سے بنا لیا تم فرماؤ اگر میں نے بنا لیا ہوگا

وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ

اور میں بری ہوں سے اس جو جرم کرتے ہو تم اور وحی کی گئی ہے طرف نوح شان

تو میرا گناہ مجھ پر ہے اور میں تمہارے گناہ سے الگ ہوں اور نوح کو وحی ہوئی کہ تمہاری

لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا

یہ ہے کہ ہرگز مومن نہ بنیں گے سے قوم آپ کی مگر وہ شخص جو ایمان لا چکا پس غمگین نہ ہو

قوم سے مسلمان نہ ہوں گے مگر جتنے ایمان لا چکے تو غم نہ کھا اس پر

كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ صلے ج

تم وجہ سے اس کی جو تھے وہ کرتے

جو وہ کرتے ہیں

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں کفار کی دو حماقتوں کا ذکر ہوا تھا ایک یہ کہ انہوں نے دعوت حق کو جھگڑے بازی کہا تھا اور دوسری یہ کہ عذاب کا مطالبہ اور جلد بازی کی تھی۔ ان آیات میں ان کی دوسری حماقت کا جواب دیا جا رہا ہے کہ عذاب لانا اللہ کا کام ہے جب لائے گا تو تم میں کوئی بھی روک نہ سکے گا میں اب بھی نہیں چاہتا کہ تم پر عذاب آتے ہاں البتہ اتنا ضرور ہے کہ اللہ کی رضا کے بغیر تم میری نصیحت نہیں مان سکتے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ قوم نوح کے کافروں نے کہا تھا کہ یہ سب باتیں وعدے وعید نوح علیہ السلام اپنے پاس سے کرتے ہیں اب اس کا جواب دیتے ہوئے نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں یہ سب کچھ اللہ کے قبضے میں ہے یہاں تک کہ تمہاری ہدایت بھی اسی ذات جل مجدہ کے اختیار میں ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات سے ثابت ہوا کہ نوح علیہ السلام نے بڑی جانفشانی اور مشقت سے کفار کو تبلیغ اسلام فرمائی یہاں تک کہ پورا جھگڑا ہی کیا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے وحی کے ذریعے ان کو فرمایا کہ آپ کی تبلیغ میں کمی نہیں مگر ان کی بدنصیبی ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے گویا رب تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کو تسلی عطا فرمائی۔

تفسیر نحوی قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۔ قَالَ ماضی انما پورا مجموعہ حرف حصر ہے علماقہ بمعنی فقط یاتیکم مضارع فعل مستقبل کم ضمیر مفعول معہ کا مرجع معترض کافر بہ باجارہ ہ سے مراد عذاب یَاْتِیْ کا فاعل لفظ اللہ اِنْ شرطیہ جملہ شَآءَ کا شرط مؤخر ہے۔ واو حالیہ ہے مانافیہ انتم ضمیر منفصل با حرف جر بعضیت کے لئے یا تاکید کے لئے مُعْجِزِیْنَ اسم فاعل عِجْزٌ سے مشتق ہے بمعنی تھکانا عاجز کرنا وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِىْٓ واؤ سر جملہ لَا يَنْفَعُ مضارع معروف منفی یہ جملہ استمرار نفی کے لئے ہے یعنی کبھی بھی کسی حالت میں ایسا نہیں ہو سکتا نُصْحِیْ نون کے پیش سے بمعنی نصیحت کی بات ایک قرأت میں نَصْحِیْ نون کے زبر سے مصدر ہے یعنی نصیحت کرنا۔ یہ جزاء مقدم ہے۔ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ ۔ یہ جملہ شرطیہ مؤخر ہے مگر بصری نحوی اس قول کے مخالف ہیں ان کے نزدیک جزا مقدم نہیں ہو سکتی اِنْ حرف شرط اَرَدْتُّ متکلم کا مرجع نوح ہیں اَنْ ناصبہ اَنْصَحَ باب فَتَحَ کا مضارع متکلم لکم میں لام نفع کا کُمْ کا مرجع کفار رئیس سردار۔ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ؕ یہ جملہ مقولیہ ہے دراصل اِنْ اَرَدْتُّ پہلے نہ تھا یہاں دو شرطیں ساتھ ساتھ ہیں لہٰذا قانون کے مطابق لَا يَنْفَعُكُمْ پہلی شرط کی جزاء مقدم ہے (شرح تسہیل) اِن حرف شرط بمعنی اذا ظرفیہ ہے کَانَ فعل ناقصہ لفظ اللہ اس کا اسم يُرِيْدُ کا پورا جملہ خبر کَانَ ہے یرید اِرَادَۃٌ سے بنا ہے بمعنی منشا یا حکم نہ کہ رضا۔ اَنْ ناصبہ مابعد جملے سے مل کر يُرِيْدُ کا مفعول بہ يُغْوِیَ باب افعال کا مضارع معروف منصوبہ اَغْوَاءٌ سے بنا ہے مادہ غَوِیٌ بمعنی سیدھے راستے سے ہٹ کر چل پڑنا۔ کُمْ ضمیر کا مرجع سرکش کفار هُوَ مبتدا رَبُّ صفاتی نام باری تعالیٰ ہے کُمْ مضاف الیہ ہے اضافت مفعولی ہے واؤ سر جملہ الیٰ جارہ ہٗ کا مرجع لفظ رب ہے تُرْجَعُوْنَ مضارع مجہول جمع مذکر رَجْعٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی لوٹنا۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ

ام حرف عطف سوالیہ ہے یہ جملہ استفہامیہ یَقُوْلُوْنَ مضارع معروف کہنے والے قوم نوح کے سرکش کفار ہیں افتریٰ قول کا مقولہ ہے اس کا فاعل حضرت نوح باب افتعال کا ماضی مطلق معروف ابتداءِ فعل کیلئے آیا ہے فَرْیٌ سے مشتق ہے بمعنٰی اپنی بناوٹ کسی اور طرف نسبت کرنا ہٗ ضمیر واحد غائب کا مرجع پیغاماتِ الٰہی اور وعدہ وعید ہے قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُہٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ قل۔ امر ہے باب نَصَرَ کا اس میں خطاب نوح علیہ السلام سے ہے امام مقاتل اور تفسیر کشف نے کہا کہ خطاب نبی کریم کو ہی مناسب ہے اِنْ حرفِ شرط اگلا جملہ پورا شرط ہے اُفْتَرَیْتُ. واحد متکلم باب افتعال سے افتراء کے معنٰی ہیں ایسا بھرپور من گھڑت کلام سنانا کہ اصل کے مشابہ ہو جائے ہٗ ضمیر غائب کا مرجع وہ کلام جو منسوب الی اللہ تھا اجزائیہ علٰی حرف جر سے پہلے ثَابِتٌ اسم فاعل پوشیدہ ہے یاءِ متکلم مضاف الیہ ہے اجرام الف کے زیر سے مصدر ہے باب افعال کا ایک قرأت میں اجرام زبر سے جمع ہے جُرْمٌ کی یہاں مضاف پوشیدہ ہے در اصل تھا فَعَلَیَّ وَبَالُ اِجْرَامِیْ۔ بعض نے کہا سبب مسبب کی جگہ قائم ہے اس قول پر اجرام مضاف الیہ نہیں ہو سکتا وَاَنَا واوٗ عاطفہ اَنَا ضمیر متکلم کا مرجع حضرت نوح ہیں بَرِیْٓءٌ اسم فاعل بمعنٰی صفت مشبہ بروزن فعیل یعنی بیزار من حرف جار ما مصدریہ ہے بعض نے کہا موصولہ ہے مگر اس صورت میں ضمیر محذوف ماننا پڑے گی تُجْرِمُوْنَ باب افعال کا مضارع جمع حاضر کا صیغہ ہے اس کا فاعل کفار ہیں۔ جَرْمٌ سے مشتق ہے۔ وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ واوٗ سے جملہ اُوْحِیَ ماضی مجہول اِلٰی حرف جر لفظ نوح مجرور۔ ہر دو متعلق ہیں اُوْحِیَ کے وَحْیٌ سے مشتق ہے اَنَّ مشبہ بالفعل اسم خبر سے مل کر نائب فاعل ہے فعل اُوْحِیَ کا ہٗ اس کا اسم ہے لَنْ یُّؤْمِنَ نفی بلَنْ سے جملہ خبریہ ہے زمانہ مستقبل کا مِنْ بیانیہ ہے قوم سے مراد امتِ دعوت كَ ضمیر حاضر کا مرجع حضرت نوح اِلَّا حرف استثنا مَنْ موصولہ مستثنٰی منقطع ہے۔ اِلَّا بمعنٰی لٰکِن ہے۔ متصل یہاں ممنوع ہے۔ قَدْ اٰمَنَ ماضی قریب ہے فَ تعقیبیہ ہے لَا تَبْتَئِسْ نہی حاضر ہے بِئْسَ فعل ذم مہموز العین سے مشتق ہے باب افتعال میں طلب کے معنٰی ہیں بمعنٰی بددل ہونا بِمَا میں بِ جارہ سببیہ ہے ما موصولہ مراد کفار کی تکلیف دہ حرکات ہیں كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ماضی استمراری بمعنٰی حال۔ جمع غائب کا صیغہ۔ اس کا فاعل ھم ضمیر کا مرجع قوم نوح کا کافر ٹولہ۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِہِ اللّٰہُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ. حضرت نوح نے فرمایا ذرا صبر کرو عذاب میں جلدی نہ کرو اگر اللہ چاہے گا تو تمہارے پاس ہی عذاب لاتے گا۔ جلدی یا دیر سے۔ عذاب دینا نہ دینا یہ کام میرے سپرد نہیں اور نہ یہ میری قدرت میں داخل اس لئے کہ عذاب اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے برے اعمال عذاب نہیں لاتے۔ اعمال وجہ عذاب ہوتے ہیں نہ کہ فاعل عذاب۔ ابھی تو تم مذاقاً جلد بازی کر رہے ہو لیکن جب آ گیا تو پھر تمہارے پاس کوئی راستہ کوئی طاقت نہ ہوگی کہ تم عذاب کو روک سکو یا عذاب بھیجنے والے کو عاجز کر سکو

اور نہ تمہارا کوئی کام اللہ کو یا ملائکہ عذاب کو عذاب دینے سے روک سکے گا۔ یعنی یہ نہ ہو سکے گا کہ اللہ تعالےٰ تو عذاب دینا چاہے مگر تم اور تمہارے معبود روک دو۔ کس کی طاقت ہے جو اس قادر مطلق سے مقابلہ کر سکے۔ اے قوم عذاب اسی اللہ نے دینا ہے جس کو تم نہیں مانتے جس کے امر کے تم نافرمان بن رہے ہو۔ مَآ اَنۡتُمۡ کا جملہ اسمیہ نفی کے استمرار یعنی ہمیشگی کے لئے ہے نہ استمرار کی نفی کے لئے اس کی وجہ یہ ہے بِمُعۡجِزِیۡنَ میں باز ائدہ۔ عذاب اگرچہ اچھی چیز نہیں مگر عذاب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ دنیا میں جس کافر پر چاہے عذاب کرے جس پر چاہے نہ کرے دنیا میں کفار پر عذاب یقینی نہیں۔ یہاں دنیوی عذاب ہی کا ذکر ہے۔ معجز عجز سے بنا ہے اس کے معنی میں مد مقابل کو اس کے ارادے سے روکنا نہ ہونے دینا۔ کائنات میں اس چیز کی ہمت کسی کی نہیں کہ اللہ کے فرشتوں کو عذاب دینے سے یا اس طرح تھکا دے کہ جنگ و مقابلہ کرے یا اس طرح تھکا دے کہ بھاگ جائے اور بھاگتا رہے فرشتے اس کے پیچھے بھاگیں یہاں تک کہ تھک جائیں۔ وَلَا یَنۡفَعُکُمۡ نُصۡحِیۡۤ اِنۡ اَرَدۡتُّ اَنۡ اَنۡصَحَ لَکُمۡ اِنۡ کَانَ اللّٰہُ یُرِیۡدُ اَنۡ یُّغۡوِیَکُمۡ ھُوَ رَبُّکُمۡ وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ۔ جب نوح علیہ السلام نے ان کے تمام قولوں کا جواب مکمل شافی دے دیا اور سمجھ لیا کہ یہ قوم درست نہیں ہو سکتی تو آخری کلام فرما کر حجت ختم کر دی کہ اے قوم تم کو میری نصیحت نفع نہیں دے سکتی خواہ میں تم کو کتنی ہی نصیحت کروں۔ اگر اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہو کہ تم کو تمہاری سابقہ حرکات اور ظلموں کی وجہ سے بھٹکا ہی رہنے دے وہی تمہارا خالق مالک ہے اس کو تم میں تصرف کرنے کا پورا اختیار ہے اور یہ تو دنیا کے عذاب کی بات ہے تم تو مر کر بھی اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ وہاں کا دائمی عذاب اس کے علاوہ ہے۔ یہ جملہ دراصل مقلوبی ہے۔ دو شرطیں ہیں جس کی ایک جزا مقدم ہے۔ ایک شرط دوسری شرط سے عارض ہے۔ ایسی صورت میں پہلی شرط دوسری سے ملحق ہوتی ہے کہ اگر دوسری شرط ہو بعد میں پہلی شرط ہو تو جزا واقع ہوگی ورنہ نہیں اس کی مثال فقہ میں اس طرح ہے کہ کوئی خاوند بیوی سے کہے تجھے طلاق ہے اگر تو گھر میں گئی اگر تو نے زید سے کلام کیا۔ تو بیوی پہلے گھر میں گئی بعد میں زید سے بات کی طلاق نہ پڑے گی (سراج منیر معانی) اس لئے کہ اس طرح کے جملوں میں فقہاء عظام کے تین قول ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ بصری نحویوں کا مذہب ہے جزا شرط پر مقدم نہیں ہو سکتی کوفی نحوی کہتے ہیں کہ ہو سکتی ہے (کتاب النحو الانصاف) قانون یہ ہے کہ جس عبارت میں دو شرطیں اور ایک جواب تو وہ جواب دو شرط کا ہوگا کہ وہ آخری ہے اور پھر دوسری شرط اور جواب دونوں مل کر پہلی شرط کا جواب بن جائیں گی تو اس عبارت قرآنی کا بقاعدہ نحو مطلب یہ ہوا کہ اگر اللہ تم کو بھٹکانا چاہے تو میری نصیحت تم کو مفید و نافع نہیں۔ بشرطیکہ میں تم کو نصیحت کروں۔ ہم نے یہاں امام یوسف کا قول نقل کیا ہے۔ امام محمد اور امام شافعی کا مذہب اور ہے۔ لفظ نصحی جامع کلمہ ہے۔ خیر کے کرنے شر سے رکنے کے حکم کے لیے یعنی نصیحت میں دونوں باتیں آجاتی ہیں اگر استاد اپنے شاگرد کو نصیحت کرے کہ سبق پڑھ تو مطلب یہ ہوگا ترکِ پڑھائی نہ کر

مقصد کلام یہ ہے کہ انبیاء کرام ہوں یا اولیاء عظام ہوں علماء ملت ہوں یا صوفیاء امت ہوں کفار و فساق کو کسی کی نصیحت اس حالت میں مفید نہیں ہو سکتی جبکہ ارادۂ الٰہیہ میں ان کا بھٹکنا گمراہ ہونا مقدر ہو چکا ہے۔ لہٰذا مبلغین امت کو دو چیزوں کا خیال رکھنا چاہیئے ایک یہ کہ اگر اس کی تبلیغ سے کسی کو راہ ہدایت مل جاتے تو اللہ کا شکر کرے کہ ہدایت رب نے دی عزت اس کی بن گئی اپنی بڑائی نہ کی جاتے۔ کہ یہ میری فصاحت میرے حسن بیان سے ہوا ہے دوسری یہ کہ مجرم سے نفرت نہیں کرنی چاہیئے جرم سے نفرت چاہیئے۔ لطیفہ۔ علامہ اقبال جب شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بغرض زیارت گئے تو علامہ صاحب کو حضرت نے شرف بخشنے سے انکار کر دیا کیونکہ کچھ تو ان کے غلط اشعار حضرت کے پاس پہنچے ہوئے تھے اور شکل و لباس خلاف شرع تھا۔ علامہ صاحب بہت رنجیدہ ہوئے اور لکھ کر بھیجا کہ۔ جرم سے نفرت چاہیئے نہ مجرم سے۔ نہ معلوم اس مختصر عبارت میں کیا اثر تھا کہ حضرت شرق پوری فوراً تشریف لے آئے اور زیارت بخشی۔ غالباً اس آیت کی تفسیر ذہن میں آگئی ہو۔ حافظ شیرازی لکھتے ہیں کہ شعر

مکن بچشم حقارت نگاہ برمن مست
کہ نیست معصیت و زہد بے مشیت اوست

حسن بصری کہتے ہیں کہ بغوی کا مطلب ہے عذاب دنیا۔ یعنی اس نے تمہارے لیے عذاب ہی رکھا ہے کیونکہ تم چاہتے ہو طلب کر رہے ہو تو اب میری نصیحت کیا کرے۔ اس لئے کہ اگر میری نصیحت مان کر تم اب بوقت عذاب ایمان لے بھی آئے تو کوئی فائدہ نہیں گویا کہ میری نصیحت تم کو مفید تو تھی مگر تم نے فائدہ حاصل کرنے کا وقت گذار دیا اس سے ثابت ہوا کہ یہ آخری کلام ہے اور اس وقت علامات عذاب قائم ہو چکی تھیں جس کا احساس کفار کو بھی ہو چکا تھا آسمان کا رنگ بدل چکا تھا جسے کہتے ہیں تجھی محسوس بیدار ہونا یا یہ کہ تمہاری ہٹ دھرمی۔ ضدی پن ہی اغواء الٰہیہ عذاب خدائی کی علامت ہے جب مجھے اور تمہیں دونوں کو نظر آ رہی ہے اور کیوں نہ عذاب آئے کہ تم نے اس کی نافرمانی کی ہے جو تمہارا خالق مالک اور مربی ہے۔ لہٰذا وہ ہر طرح تم کو بنا بگاڑ سکتا ہے۔ موت سے پہلے بھی ہر وقت بھی یہ انتہائی وعید ہے پھر بعد موت اسی کے حوالے تم نے ہونا یہ سخت تحذیر ہے (کبیر۔ معانی۔ صاوی۔ جمل۔ مدارک۔ بیان۔ خازن۔ ابن کثیر۔ مظہری۔ جلالین) اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَيۡتُهٗ فَعَلَىَّ اِجۡرَامِىۡ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُجۡرِمُوۡنَ۔ اے نوح یہ کفار زبان قال سے کہہ رہے ہیں یا زبان حال سے سمجھ رہے ہیں کہ یہ عذاب وغیرہ اور بتوں کا جھوٹا ہونا اور اللہ کی توحید سب تمہاری گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔ اکثر مفسرین یہی ترجمہ کرتے ہیں کہ یہ عبارت مسلسل قصۂ نوح علیہ السلام کا جملہ شاملہ ہے بتایا یہ جا رہا ہے کہ نوح علیہ السلام کو رب نے فرمایا کہ اتمام حجت کے لئے ان کا یہ وہم بھی دور کر دو کہ یہ عذاب آنا اور دین کا حق ہونا خدا کی وحدانیت کا برحق ہونا یہ میرا وعظ خود ساختہ نہیں بلکہ بالکل حق ہے غالباً اسی گمان سے ایمان لانے پر تیار نہیں ہوتے یا تمہارے لوگ ایک دوسرے سے ایسی باتیں کرتے پھر رہے ہیں۔ اے نوح آپ فرما دیں

نوح آپ فرمادیں اگر میں نے یہ چیزیں گھڑی ہیں تو تم فکر کیوں کرتے ہو اس کا وبال مجھ پر ہے ۔ اجرام یا مصدر ہے یعنی میرا گناہ کمانا یا اجرام جمع ہے جرم کی یعنی میرے جرموں کی مصیبت تکلیف ۔ لفظ وبال پوشیدہ ۔ دراصل تھا وَبَالُ اِجرامی ۔ اور ہاں اگر تم نے میری تبلیغ نہ مانی ایمان نہ لائے بت نہ چھوڑے تو پھر جو تم پر تمہارے ان جرموں کے بدلے عذاب آ جائے تو میں بری یا یہ اس طرح کہ مجھ سے نہ کہنا کہ بچا دُیا اس طرح کہ مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی ، غم ہوگا یا اس طرح کہ تمہارے جرموں کا بدلہ مجھ سے نہ لیا جائے گا جس طرح میرے جرم کا بدلہ تم پر نہ ہوگا ۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ عبارت جملہ معترضہ ہے اور یہ کفار مکہ کی حالت بیان ہو رہی ہے کہ جب قصہ نوح کی بذریعہ وحی یہ آیات مکے میں مشہور ہوئیں تو کفار مکہ نے کہا یہ سب جھوٹے من گھڑت افسانے ہیں تو درمیان قصہ کے ان کا جواب سمجھایا گیا کہ پیارے حبیب ان سے اس طرح فرما دو ۔ اگر اِفْتَرَیْتُہٗ ۔ میں ھُوَ ضمیر کا مرجع اگر قصہ نوح ہو تو یہ جملہ معترضہ ہے اور دینی عقائد ہوں تو یہ مسلسل کلام ہے ۔ وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۔ جب کفار کی ایذائیں اور صبر نوح علیہ السلام حد سے گذرا تقدیر الٰہی کا وقت پہنچ چکا تھا ۔ تب وحی کی گئی حضرت نوح کی طرف کہ شان یہ ہے کہ اب آپ کی قوم میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا ان کے ایمان کی مایوسی ہے مگر وہ جو ایمان لا چکے وہی اس پر قائم رہیں گے یا جن کے ایمان کی امید ہے وہ ضرور ایمان لائیں گے تو اے پیارے نبی نوح تم ان کفار کے کفریہ کرتوتوں بدعملیوں گستاخیوں سے غمناک نہ ہو غم محبت میں ہوتا ہے ان کی محبت چھوڑ دو جو تکلیفوں کا زمانہ تھا وہ لد گیا ۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** دنیا میں اعمال کا بدلہ ضروری نہیں مشیت باری تعالےٰ پر موقوف ہے ۔ بہت دفعہ نیکوں کو تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں اور بدمعاش مزے میں پھرتے ہیں لہٰذا ان دنیوی حالات کو بدبختی یا نیک بختی کی علامت نہ سمجھنا چاہیئے ۔ یہ فائدہ اِنْ شَآءَ فرمانے سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** مرکز ہدایت جناب باری تعالےٰ ہے باقی سب ھادی اس کی رضا سے ہیں ۔ مگر تبلیغ کرنے والوں کو تبلیغ کا ثواب مل جاتا ہے لہٰذا باوجود علم ہونے کے کہ اس کو اثر نہ ہوگا مسئلہ بتا دینا چاہیئے خواہ کسی کو اچھا لگے یہ فائدہ لَایَنْفَعُكُمْ سے حاصل ہوا کہ دیکھو حضرت نوح جانتے ہیں کہ ازلی جاھل یعنی کافر ہیں کہ فرمارہے ہیں تَجْهَلُوْنَ مگر پھر بھی تبلیغ فرماتے رہے **تیسرا فائدہ** اچھی سچی نصیحتوں کو نہ ماننا اور اس میں شک ڈالنا اس پر غور نہ کرنا اپنے عیوب نہ دیکھنا کفار کا کام ہے ۔ مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیئے علماء صوفیا اور بزرگان دین کے قول کو محبت ایمانی کی نظر سے دیکھنا چاہیئے اس کی نصیحت لینا چاہیئے یہ فائدہ اِنِ افْتَرَیْتُہٗ فرمانے سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** دین کی تبلیغ کرنے والوں کو بہت بڑا حوصلہ رکھنا چاہیئے ۔ بڑے صبر و تحمل سے تبلیغ کئے جائے یہ سمجھے کہ یہ رب کی لگائی ہوئی ڈیوٹی ہے جو میں نے کرنی ہی کرنی ہے قوم کی جہالت و بیہودگی سے رنجیدہ نہ ہو

یہ فائدہ فَلَا تَبْتَئِسْ فرمانے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں پہلا اعتراض آیت کریمہ میں فرمایا گیا اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ یہاں اِلَّا حرف استثناء ہے اس کا مستثنیٰ مذکور ہے متصل ہے اور مستثنیٰ منہ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ ہے یہ فعل مستقبل ہے جو حدوث فعل کو مستلزم ہے تو چاہیئے تھا مستثنیٰ میں بھی حدوث فعل ہوتا حالانکہ مستثنیٰ میں استمرار فعل ہے یہ استثنا کے تقاضے کے خلاف ہے کہ ایک ہی جملہ استثنائیہ میں مستثنیٰ منہ سے حدوث ایمان کی نفی ہو۔ اور مستثنیٰ میں استمرار کا ثبوت ہو۔ بقاعدہ نحو یہ سخت غلطی ہے۔ آسان لفظوں میں اعتراض اس طرح ہے لَنْ يُّؤْمِنَ کا معنی ہے کہ آپ کی قوم سے ایمان نہیں لائیں گے تو اس کا صحیح استثنا یہ تھا کہ مگر کچھ لوگ ایمان لائیں گے۔ لیکن ارشاد ہوا مگر وہ شخص جو ایمان لا چکا **جواب** استمراری امور دو قسم کے ہوتے ہیں ۱۔ دائمی ۲۔ غیر دائمی۔ عام طور پر امور استمراری دائمی کو ان کے دوام کی وجہ سے ابتدا کا حکم دے دیا جاتا ہے گویا کہ یہ فعل تو پہلے ہو چکا ہے مگر اس کا دوام آئندہ ہوگا اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ میں ایمان واقعی استمرار ہے یعنی جو پہلے سے ایمان لا چکے مگر بقاءِ ایمان اور دوامِ ایمان کا حدوث ہے کہ یہ اب سے آئندہ تک ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ نیا مومن کوئی نہ بنے گا مگر جو مومن پہلے بن چکے ان کا ایمان عارضی نہیں بلکہ دائمی ہوگا۔ جیسے کہ مسئلہ ہے اگر کوئی شخص قسم کھاتے کہ یہ پہنا ہوا کرتہ میں نہ پہنوں گا۔ تو اگر اسی وقت نہ اتارے تو قسم ٹوٹ جاتے گی کفارہ واجب ہوگا کیونکہ استمرار فعل تھا مگر قسم کھاتے ہی ہر لحہ نیا حدوث فعل ہو رہا ہے لہٰذا فوراً اتارے ایسے ہی یہاں ہے۔ یہاں حدوث فعل کا استثنا حدوث دوام پر ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس طریقہ سے فعل کی شان اور فاعل کی عظمت کا اظہار ہے۔ گویا کہ باقی قوم کے کفر کے ساتھ ساتھ مومنوں کے شانِ ایمان کو ظاہر فرمایا اور غیبی خبر دی کہ یہ تا ابد مومن رہیں گے ان میں کوئی مرتد نہ ہوگا۔ یہ جواب روح البیان نے دیا ہے۔

دوسرا اعتراض اہلسنت لوگ کہتے ہیں کہ انبیاء دنیا میں صاحب اختیار ہو کر آتے ہیں یہ مسلک قرآن مجید کے خلاف قرآن کریم سے ثابت ہے کہ نبی بالکل بے اختیار ہوتا ہے دیکھو یہاں حضرت نوح نے صاف کہہ دیا کہ میں عذاب لانے میں بے اختیار ہوں اللہ چاہے تو لائے چاہے تو نہ لاتے (وہابی) **جواب** اس کا جواب دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ پہلا یہ کہ مخلوقِ خدا دو طرح کی ہے ایک یہ کہ خلقت پہلے اس کا استعمال بعد میں دوسری یہ کہ ساتھ ساتھ خلقت ساتھ ساتھ استعمال۔ عذاب اسی مخلوق میں سے ہے کہ ورود کے وقت ہی پیدا کیا جاتا ہے۔ تو یہاں حضرت نوح کا یہ قول وَمَا اس بات کی کر رہا ہے کہ عذاب کا خالق رب تعالیٰ ہے جس وقت تمہارے عذاب کو پیدا کرے گا تم پر فوراً آجاتے گا۔ وہ خلقت میں مرضی کا مالک ہے میں عذاب اس لئے نہیں لا سکتا کہ میں خالقِ عذاب نہیں۔ عذاب کوئی ایٹم بم نہیں کہ لیبارٹری یا گودام میں پہلے سے بنا پڑا ہو جو چاہے اٹھا کر دے مارے۔ ہاں اللہ کی دیگر مخلوق میں نبی صاحب اختیار ہوتا ہے۔ شریعت طریقت قانون۔ دین دنیا۔ رحمت و کرم میں انبیاءِ کرام کو اختیار دیا جاتا ہے۔ تو یہاں خلقت میں بے اختیاری کا ذکر

ہے نہ کہ خلقت میں **تیسرا اعتراض** اس آیت میں چار جگہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوا پہلے دو جگہ لفظ رب آیا تیسری جگہ یَاْتِیْکُمْ بِہِ اللّٰہُ لفظ اللہ فرمایا پھر چوتھی جگہ رَبُّکُمْ فرمایا اس میں کیا حکمت ہے، **جواب** پہلی دو جگہ اپنا اور مومنوں کا ذکر ہوا اس لیئے رب اسم جمالی بولا گیا جس سے اشارۃً پتہ لگا کہ اللہ کریم انبیاء پر اور ان کے طفیل سے مومنوں پر انتہائی جمال والا ہے۔ تیسری جگہ عذاب کا ذکر ہے اس لیئے وہاں اسم جلالی اللہ ارشاد ہوا کہ باری تعالیٰ کفار پر صاحب جلال ہے اور عذاب اس کی صفت جلال کا مظہر ہے چوتھی جگہ رجوع الی اللہ کا تذکرہ ہے اور سرسری انداز میں آخری تبلیغ ہے کہ اے کافرو وہ ذات جس کی طرف دنیا میں تم کو میں بلا رہا ہوں وہ بلا وجہ جابر قاہر نہیں بلکہ وہ تمہارا مشفق و مُربّی تم نے پھر جو اس کی طرف لوٹنا ہے تو آج ہی اس کی بارگاہ میں آجاؤ یہ آخری بار تم سے کہہ رہا ہوں اس لیئے یہاں اسم جمال رب ارشاد ہوا۔

تفسیر صوفیانہ چونکہ دنیا، دون راہِ فرار ہے اس لیئے اس کی طبیعت جبلی میں جلد بازی ہے مگر فطرت کے افعال اپنے وقت سے متعلق ہیں کائنات کی فنا و بقا سے یہ اظہر ہے کہ ہر چیز کی آمد اپنے وقت پر ضرور ہوتی ہے نہ کسی کی جلد بازی سے پہلے ہو سکتی ہے نہ کسی کے انکار سے دیر ہو سکتی ہے ظاہر بین وقت آنے سے پہلے ہی اس کا منکر ہو جاتا ہے مگر مومن قلب جانتا ہے کہ اللہ کا وعدہ اور وعید ضرور آکے رہتا ہے۔ مذاق کرنے والے اور جلد باز عذاب آنے پر ایسے پچھتائے جس سے بچ نہیں سکتے۔ مرد کامل پر جب اسرار کا ورود ہوتا ہے اور کشف باطنی سے نوازا جاتا ہے تو اس کو شقی وسعید کا پتہ لگ جاتا ہے وہ اپنے رحم قلبی کی بنا پر شقیوں کو بتاتا ہے کہ اے شقیو عنقریب تم پر نارِ فراق کا عذاب آنے والا ہے اس سے پہلے تم ظلمتوں کے سیلاب میں ڈبوئے جاؤ گے تو شقی لوگ اس صوت قلبی کا انکار کرتے ہیں اور جلد بازی چاہتے ہیں۔ قلب الرجال پکارتا ہے کہ ضرور تم پر جدائی کا عذاب آئے گا پھر تم اس کو روک نہ سکو گے تمہارا قلب قالب اسی میں سڑتا گلتا رہے گا۔ پھر تم کو ہدایت بھی نہ مل سکے گی آج میری نصیحت کو اسی لئے نہیں مانتے کہ تم ازلی بدنصیب ہو۔ رب تعالیٰ جس کو شیطان کے راہ پر ٹھکرا دے تو اس کو کسی ناصح برحق کی نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔ عالم فنا کی دلچسپیوں میں اس کو محسوس نہیں ہوتا کہ میرا رب کون ہے اور میں نے کس کی طرف پلٹنا ہے مرد راہ کو سب معلوم ہے بار بار آگاہ کرتا ہے کہ اللہ ہی تمہارا رب ہے۔ رجوع اسی طرف ہے تو کیوں وادی محرومی کے رستے ادھر جاتے ہو رضاء الٰہیہ کی نعمتوں سے اس کے حضور حاضر ہو۔ مگر بدعقلی سے اس خدائی آواز کی سچائی کے منکر ہوتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں وعدے وعیدیں افتراء ہیں بناوٹی ہیں۔ عالم امر کا یہ پیغمبر من کی دنیا سے وعظ کہتا ہے کہ افترا جرم ہے اور اس کا گناہ مفتری پر وارد ہوتا ہے وادیِ عشق میں ہر شخص کو اُسی کے جرم کی سزا ملے گی کہ وہ طلب صادق سے ناواقف رہے گا۔ عشق کا حاکم کسی مجرم سے بے خبر نہیں صادق و کاذب کو جانتا ہے اس کو علم ہے کہ کس کو بسط کا انعام دینا ہے اور کون قبض کے لائق ہے۔ اسی لیئے نوحِ روح نے قوم قلب کے مجرموں

سے کہا کہ تم اپنے جرم میں ضرور گرفتار ہو گے۔ میرے جرم کا تم سے اور تمہارے جرم کا مجھ سے حساب نہ ہو گا۔ جب روح قدسیہ اپنے قالب کے خبثا نفس کو سمجھا کر تھک جاتی ہے اور نفس امارہ کی سرکشیوں سے غمگین ہوتی ہے تو عالم انوار کی طرف سے صوت سرمدی بلند ہوتی ہے کہ اے ہماری پاک روح یہ نفس سرکش راہ سعادت پر نہیں آسکتا۔ صرف قالب اور اعضاء سعید ہی تیرے وعظ کے عامل اور تیرے حکم کے مومن ہیں تو ان کے ساتھ ہی عالم امر کی فضاؤں میں مسرور ہو نفس کی سرکشی پر غمگین نہ ہو نفس اور اس کے پرستار اسی طرح بددیانتی اور خیانتیں کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ فنا کی لہروں میں غرق ہوں گے۔ منزل شوق مومن عشق کے نصیب میں ہے۔ بندۂ عقل فریبی ہے۔ بندۂ عشق عاجز مسکین۔ فریب دار فنا کی طرف اور عجز دار بقا کی طرف لے جاتا ہے اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا بِدَارِ الْبَقَآءِ ۔ قالب انسانی کے چار وزیر اور حاکم ہیں ۱۔ روح یہ بادشاہ ہے ۲۔ قلب یہ وزیر اعظم ہے ۳۔ نفس ۴۔ طبیعت۔ جب پیدا ہوتے تو سب پاک وصاف تھے بعد بلوغت ہر ایک نے اپنا مشیر بنایا چار مشیر طیب ہیں چار خبیث ۱۔ مجلس صالحین ۲۔ فکر و تدبر ۳۔ تزکیہ ۴۔ ہمت مردانگی۔ یہ سب طیب مشیر ہیں اپنے ساتھیوں کو مومن بنا دیتے ہیں ۱۔ جہالت ۲۔ غیر اللہ کی محبت ۳۔ دنیوی خواہشات ۴۔ شہوت یہ سب خبیث ہیں۔ جہالت روح کو میلا کرتی ہے محبت غیر اللہ قلب کو خواہشات نفس کو۔ شہوت طبیعت کو۔ ایک کے گناہ کا دوسرے پر اثر نہیں ہوتا جب تک اس سے بیزار رہے۔ سب سے پہلے نفس امارہ بگڑتا ہے پس عاقل پر واجب ہے کہ توجہ بارگاہِ صمدیت اور عمل ہدایت اور ترک شہوات سے اپنے نفس کو مارتا اور قلب کو صیقل کرتا ہے (روح البیان)

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِىْ

اور بناؤ کشتی میں نگاہوں ہماری اور وحی ہماری سے اور نہ سفارش کرنا مجھے بارے

اور کشتی بناؤ ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے اور ظالموں کے بارے

فِى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟

میں ان کے جو ظالم ہوئے بے شک وہ ڈبوئے ہوئے ہیں۔ اور بناتے ہیں کشتی کو

میں مجھ سے بات نہ کرنا وہ ضرور ڈوبائے جائیں گے اور نوح کشتی بناتا ہے اور جب

وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ

اور جب کبھی گزرتے پر ان سردار سے قوم آپ کی ہنستے وہ کا فر سے آپ فرمایا

اس کی قوم کے سردار اس پر گزرتے اس پر ہنستے بولا اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو

إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿۳۸﴾
اگر ہنستے ہو تم سے ہم تو بیشک ہم بھی ہنسیں گے پر تم جس طرح تم ہنستے ہو
ایک وقت ہم تم پر ہنسیں گے جیسا تم ہنستے ہو تو اب جان جاؤ گے
فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَ
تو عنقریب جان لو گے تم کون ہے وہ آتا ہے جس پر عذاب ذلیل کرے اس کو اور اترتا ہے
کس پر آتا ہے وہ عذاب کہ اسے رسوا کرے اور اترتا ہے
يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿۳۹﴾
پر اس عذاب قائم رہنے والا
وہ عذاب جو ہمیشہ رہے

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں قوم نوح کی بدنصیبی اور ایمان نہ لانے کا ذکر تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ اتمام حجت ہو چکا آپ نے تبلیغ فرمادی مگر وہ نہ مانے لہٰذا اب عذاب آتا ہے اور اس کے ابتدائی نشانات ظاہر ہونے والے ہیں **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں نوح علیہ السلام کو کفار کے ایمان نہ لانے پر غمگین ہونے سے روکا گیا تھا اب مسلمانوں کو عذاب سے بچانے کے لئے کشتی بنانے کا حکم دیا جارہا ہے **تیسرا تعلق!** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ کے عذاب کو کوئی روک نہیں سکتا اب فرمایا جارہا ہے کہ ہاں عذاب سے بچ سکتے ہو وہ اس طرح کہ میرے نبی کے ساتھ لگ جاؤ ان کی کشتی میں سوار ہو جاؤ **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار کا کہنا تھا نوح علیہ السلام ہر بات اپنے پاس سے کہہ دیتے ہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ نہیں انبیاءِ کرام کے تو ظاہری دنیوی کام بھی ہماری نگاہوں اور ہماری وحی سے ہوتے ہیں۔ مگر کافر مذاق ہی سمجھتے سمجھتے مار کھا جاتے ہیں۔

تفسیر نحوی وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ...... واؤ عاطفہ فَلَا تَبْتَئِسْ پر عطف ہے اِصْنَعِ امر حاضر ہے صَنْعٌ سے مشتق ہے بمعنی سوچ سمجھ کر کوئی چیز بنانا اَلْفُلْكَ مفعول بہ ہے اِصْنَعْ کا الف لام عہد ذہنی ہے یا خارجی۔ بعض نے کہا کہ جنسی ہے فلک واحد ہے اس کی جمع ہے فِلْكٌ یا فَلِيْكٌ بعض کے نزدیک واحد جمع ایک ہی ہے (قاموس القرآن) فُلْكٌ کا معنی ہے بڑا جہاز چھوٹی کشتی کو سفینہ کہتے ہیں جس کی جمع ہے سفائن بِأَعْيُنِنَا باء ملابست ہے جار مجرور فاعل

کے حال کی جگہ ہیں اَعْیُنْ بروزن اَفْعُلْ جمع ہے عین کی لفظ عین مشترک المعانی ہے یہاں مراد نظر نگاہ ہے اس کی جمعیت مبالغہ کے لئے ہے یعنی ہر سمت ہر طرح ہماری نگاہ یعنی حفاظت میں نا ضمیر جمع متکلم مراد باری تعالیٰ واؤ عاطفہ ہے۔ وَحْیِنَا وحی سے مراد خفیہ پیغام اور احکامِ خصوصی یعنی تعلیم کشتی وَلَا تُخَاطِبْنِیْ واؤ سر جملہ لاتخاطب فعل نہی بعض نے فرمایا وَاصْنَعْ اور نہی دونوں وجوب کے لئے ہیں نِیْ نون وقایہ یاءِ متکلم فی ظرفیہ یہاں لفظِ شفاعت پوشیدہ ہے اَلَّذِیْنَ سے مراد قومِ نوح کے کافر ہیں مگر وضاحت کے لئے فرمایا ظَلَمُوْا صیغہ ماضی جمع ہے صلہ ہے موصول کا اِنَّهُمْ اِنَّ حرف تحقیق ھُمْ ضمیر اسم اِنَّ مُغْرَقُوْنَ اسم مفعول بمعنیٰ مستقبل مجہول یہ خبر ہے اِنَّ کی اور پورا جملہ اسمیہ لاتخاطب کی علت ہے وَیَصْنَعُ واؤ سر جملہ یَصْنَعُ مضارع اس کا فاعل حضرت نوح اَلْفُلْكَ میں الف لام عہدی ہے فَلَكْ واحد ہے بروزنِ قُفْلٌ اس کی جمع بھی فُلْكْ ہی ہوتی ہے بروزنِ اُسُدٌ یہ جملہ زمانہ حالیہ ہے وَكُلَّمَا واؤ سر جملہ جس نے نئے کلام کا اشارہ کیا كُلَّمَا یہ لفظ متصلہ ہے لفظ كُلٌّ حرف دوامی ہے اور کلیت وکثرت کے لئے ما مصدریہ سے متصل ہو کر لفظ استمراری بن گیا۔ بمعنیٰ جب کبھی یعنی بار بار مَرَّ فعل ماضی مَرٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ گزرنا عَلٰی جارہ بمعنیٰ عِنْدَ یعنی قریب سے ہٖ ضمیر کا مرجع حضرت نوح یا کشتی مَلَاٌ بمعنیٰ اُمَرَاءِ کُفَّار مِنْ بعضیت کا ہے قوم سے مراد تمام برادری ہٖ کا مرجع حضرت نوح سَخِرُوْا باب حَسِبَ کا ماضی جمع ہے سَخْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مذاق بازی کرنا مِنْهُ اپنے معنیٰ میں ہُ کا مرجع یا کشتی یا حضرت نوح قَالَ ماضی مطلق اس کا فاعل نوح ہیں اگلا جملہ اس قول کا مقولہ ہے ان حرف شرط تَسْخَرُوْا جملہ شرطیہ مخاطبین وہی سردارانِ کفر ہیں مِنَّا من حرف جر۔ نَا ضمیر جمع متکلم اس کا مرجع تمام مسلمان فَاِنَّا میں تین لفظ ہیں فَ اِنَّ نَا۔ فَ جزائیہ اِنَّ حرف یقینی نَا ضمیر جمع متکلم اس میں یقینی غیب کی خبر ہے نَسْخَرُ فعل مستقبل مِنْكُمْ۔ مِنْ اپنے معنیٰ میں ہے کُم ضمیر سے مراد وہی مذاق کرنے والے کفار ہیں كَمَا حرف تشبیہ ہے مگر یہاں مشابہت جنسی کیلئے ہے نہ کہ نوعی کے لئے تَسْخَرُوْنَ فَسَوْفَ فَ تعقیبیہ ہے سَوْفَ ظرف ہے قرب زمانی ومکانی ہر دو کے لئے آتا ہے پچھلے کلام کو مضبوط کرنے کے لئے آیا یہاں ظرف زمانی ہے۔ من اسم موصول اپنے پورے صلے سے مل کر مفعول بہ ہے تَعْلَمُوْنَ فعل مستقبل کا یَاْتِیْ فعل مستقبل اَتْیٌ سے مشتق ہے ہٖ ضمیر مفعول عَذَابٌ فاعل ہے یَاْتِیْ کا موصوف ہے یُخْزِیْهِ کا باب افعال کا مضارع خِزْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے ہٖ ضمیر واحد کا مرجع مَنْ ہے واؤ عاطفہ یَحِلُّ مضارع مستقبل حِلٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ موجود ہونا موجود رہنا عَلٰی بمعنیٰ فوقیت ہٖ کا مرجع عَذَابٌ یَحِلُّ کا فاعل ہے مراد خدائی سزا اُخروی ہے مُقِیْمٌ اقامت سے بنا باب افعال کا اسم فاعل یعنی ہمیشہ رہنے والا اس لئے کہ جملہ اسمیہ میں استمرار ہوتا ہے اور تین چیزیں سے استمرار پیدا کرتی ہیں ۱ اسم فاعل ۲ اسم مفعول ۳ صفت مشبہ اور ان ہی تین سے جملہ اسمیہ بنتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ

جب اتنے دراز زمانے تک کفار نوح کو تبلیغ اور دعوت ایمان کا فائدہ نہ ہوا اور مقدر عذاب کا زمانہ بھی قریب آگیا تو رب تعالیٰ نے پہلے تو حضرت نوح کو تبلیغ سے روکا اور کفار کی ایذاؤں پر تسلی دی پھر وجوبی حکم عطا فرمایا کہ اے نوح علیہ السلام ایک خاص قسم کی کشتی بناؤ۔ یہ امر وجوبی اس لئے ہے کہ آج بوقت عذاب کائنات میں انسانی جانوں کو بچانے کا واحد ذریعہ وہ کشتی ہوگی اور انسانی جان یعنی مومنوں کو بچانا بھی شرعاً واجب ہے اور اداءِ واجب کا ذریعہ بھی واجب ہوتا ہے۔ خاص قسم کی کشتی اس لئے کہ اَلْفُلْكَ میں الف لام عہدی ہے۔ بعض نے کہا کہ الف لام جنسی ہے تو مطلب ہوگا عام طرح کی ایک کشتی بناؤ۔ مگر صحیح یہ ہے کہ الف لام عہدی ہے جیسا کہ روش کلام سے ظاہر ہے۔ صنع کے معنیٰ ہیں کام کرنا مطلق یہاں مراد ہے باقاعدہ اوّل سے آخر تک مکمل کشتی بنانا۔ جعل کا معنیٰ بھی بنانا ہے مگر فرق یہ ہے کہ جعل عام ہے صحیح۔ غلط۔ اچھی بری خوبصورت بدصورت۔ مضبوط۔ کمزور ہر طرح کی بناوٹ کے لئے لیکن صَنْعٌ کے معنیٰ ہیں ہر طرح سے اچھی۔ صحیح۔ خوبصورت۔ مضبوط۔ مکمل فائدے مند۔ اس مختصر سے امر میں اتنا عظیم جامع۔ مانع اور مکمل حکم عطا فرمایا کہ جس کی مثال نہیں یہی ہے بلاغت قرآن۔ اور فصاحت کلام۔ جب کوئی لائق ترین کاریگر اور استادِ فن کوئی چیز بنانا چاہتا ہے تو اس کی دوررس نگاہ ہیں چار چیزوں میں غور کرتی ہے ۱؎ سامان بہترین ہو ۲؎ نقشہ بہترین ہو نمونہ لاجواب ہو ۳؎ فن کاری بہت زیادہ ہو ۴؎ ہر ضرورت پوری ہو۔ لفظِ اِصْنَعْ میں یہ سارے امر دے دیئے کہ اے نوح لکڑی بہت شاندار پختہ ہو کشتی کا نمونہ نقشہ بہت اچھا ہو اپنی پوری فن کاری صرف کر دینا تاکہ کشتی کشتی نہ رہے بلکہ نبی کا معجزہ بن جائے۔ پھر اس میں بہت زیادہ اور بہت قسم کی مخلوق نے سوار ہونا ہے۔ تو یہ حکم ظاہراً عوام کے لئے تو مجمل ہے مگر حضرت نوح چونکہ عالم کائنات تھے اور مدرسۃ الٰہیہ کے پڑھے ہوئے اس لئے یہ مجمل بھی ان کے لئے مفصل تھا یہی وجہ ہے اتنا دراز اور جامع امر لے کر بھی کوئی ہدایت طلب سوال نہ کیا اے نوح ہماری حفاظت میں کشتی بناؤ گے اعین جمع ہے عین کی اس کا ترجمہ ہے آنکھ۔ نگاہ۔ چونکہ نگاہ سبب ہے حفاظت کا اس لئے اَعْيُنٌ بول کر حفاظت مراد لی ورنہ اللہ تعالیٰ نگاہوں آنکھوں سے پاک ہے۔ گویا کہ سبب بول کر مسبب مراد لیا۔ یا مطلب ہے ہمارے معائنے میں کہ اے نوح تم بناتے جاؤ ہم اس کو پاس کرتے جائیں کام نبی کا ہو تصدیق رب کی ہو۔ یہ گویا پیشگی تصدیق کا وعدہ ہے۔ اعین جمع ہے یا بلحاظ عدد کے کیونکہ حفاظتیں بہت سی قسم کی ہوتی ہیں دشمن سے حفاظت۔ کیڑے مکوڑے سے حفاظت چوری ہونے۔ جلنے سے حفاظت۔ وغیرہ وغیرہ یا بلحاظ ضمیر جمع متکلم۔ اور مطلب یہ کہ ہماری وحی سے بنانا ہے یعنی ہم جس طرح وقتاً فوقتاً تم کو وحی جلی یا خفی یا الہام بھیجتے رہیں تم اسی طرح کام کرتے چلے جانا لہٰذا رب نے پہلی وحی میں نقشہ بتایا کہ مرغے کے سینہ کی شکل کی کشتی بنانا جس طرح آج کل جہاز اور کشتیاں ہیں یہ نقشہ وہیں سے لیا گیا ہے اور بیس سال نوح علیہ السلام نے کشتی کی لکڑی جمع فرمائی (روح البیان) اس بیس سال انتظار کا فائدہ یہ ہوا کہ نئی اولاد پیدا

نہ ہوئی اور بچے بالغ ہو گئے ان کو تبلیغ نبوت پہنچی مگر انہوں نے بھی ماں باپ کا راستہ پکڑا اس لیے وہ بھی مستحق عذاب ہوئے تب آپ نے کشتی بنانی شروع کی اور اے نوح اب قوم کے بارے مجھ سے اچھی بری کوئی بات نہ کرنا یہ جاھل ظالم و بدتمیز لوگ ہیں۔یعنی اپنی رحم دلی کی بنا پر ترس کھا کر مجھے دفع عذاب کی دعائیں نہ مانگنا بلکہ اس بارے بالکل خاموش رہنا اور دیکھتے رہنا کہ میں جس کو چاہوں عذاب دوں۔کیونکہ فیصلہ ربانی ہو چکا ہے اور قلم سوکھ چکا ہے کہ یہ سارے کے سارے کافر غرق کئے جائیں گے مُغْرَقُوْنَ اسم مفعول بمعنی مستقبل مجہول ہے۔تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اَعْیُن سے مراد چیزیں ہیں یعنی ہماری ظاہری باطنی چیزوں سے تم کشتی بناؤ۔ظاہری اشیاء ساز و سامان لکڑی لوہا ہتھیار وغیرہ باطنی اشیاء علم و ہنر جو سینہ نوح علیہ السلام میں پہلے ہی تھا لَا تُخَاطِبْنِیْ کی نہی ہیں۔بیٹے کنعان اور بیوی واعلہ یا والعہ کی طرف اشارہ ہے۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ

اب دیکھو ہمارے نوح کشتی بنا رہے ہیں۔یہاں یصنع فعل مضارع حال کے معنی میں ہے مگر حکایت ماضی کی ہے۔اس نظارہ عجیبہ کا نقشہ کھینچنے کے لئے۔گویا کہ ابھی کر رہے ہیں اس میں اظہار پیار ہے۔کیونکہ پیاری چیز بھلائی نہیں جاتی۔جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں واقعہ اتنا پیارا اور دلکش تھا کہ ابھی تک میری آنکھوں میں پھر رہا ہے گویا کہ ابھی ایسا ہو رہا ہے یہ محض سامعین کے سامنے اظہار محبت ہوتا ہے اور واقع سے پیار ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے۔اس کے بنانے کے دوران جب کبھی نوح علیہ السلام کی قوم کے مغرور امیر رئیس لوگ وہاں سے گزرتے تو ان سے کشتی کے بارے مذاق کرتے۔یا اس طرح کہ انہوں نے کشتی کبھی دیکھی نہ تھی ساحل سمندر بہت دور تھے دریا اس طرف ہے ہی نہیں کیونکہ قوم نوح کا علاقہ موصل۔بابل و مضافات ہیں اس کی مشرقی جانب پانچ سو میل کے فاصلے پر دریائے دجلہ اور مغربی جانب سات سو میل یا ہزار میل دریائے فرات ہے۔جبل جودی موصل سے دو سو میل ہے جودی کی بلندی سطح سمندر سے تیرہ ہزار فٹ ہے جب وہ کافر یہ لکڑی کا ڈھانچہ دیکھتے تو ہنس کر پوچھتے اے نوح یہ کیا بنا رہے ہو آپ فرماتے یہ گھر ہے جو پانی پر چلے گا تو کہتے کہ پانی کہاں ہے۔یا یہ کہ انہوں نے کشتیاں دیکھی تو تھیں مگر اس شکل کی نہ دیکھی تھی لہٰذا حیرانی سے پوچھتے اور جب آپ فرماتے کہ کشتی ہے تو مذاق کرتے کہ بھلا اس شکل کی بھی کشتی ہوتی۔ اور یا اس طرح کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ کشتی ہے مگر جب خشک ریگستان کو دیکھتے کہ یہاں کشتی کا کیا مقصد تو مذاق کرتے یا اس طرح کہ حضرت نوح سے کہتے کہ تم کل تک تو نبی تھے اب نجار یعنی بڑھئی بن گئے اب نبوت کہاں گئی۔اور کبھی کہتے کہ پانی کے عذاب کی بات کرتے تھے وہ تو آیا نہیں اب کشتیاں بنا بنا کے ڈرا رہے ہیں۔جب یہ مذاق بڑھ جاتا تو آپ فرماتے کہ اگر تم لوگ آج ہم سے مذاق کر رہے ہو تو پس بے شک کل ہم بھی تم سے دنیا میں غرق ہونے کے وقت آخرت میں نار دوزخ میں جلنے کے وقت اس مذاق کا بدلہ لیں گے۔مِنَّا ضمیر سے فرمانا یا محض فصاحت کے لئے ہے یا مومنین بھی شامل ہیں کہ وہ کافر نوح علیہ السلام سے ہٹ کر سرا ہے مومنین کو بھی ستاتے مذاق کرتے تھے۔ کَمَا میں تشبیہ نوعی یا جنسی نہیں بلکہ عملی ہے۔یعنی ہم تم کو اس نوعیت کا مذاق نہ کریں گے جس طرح

تم کرتے ہو کہ شان نبوت اور شان مومن کے خلاف ہے بلکہ اس کے بدلے میں تم پر عذاب دنیا و آخرت آئے گا تو ہم تم کو دیکھتے ہوں گے تم ہم کو اس وقت تمہاری ذلت اور ہماری دید تمہاری اس مذاق کا بدلہ ہوگا ۔ کہ تم کو ایک تو ڈوبنے جلنے کی تکلیف دوسرے ہمارے دیکھنے کی تکلیف یا مطلب ہے کہ وہ عذاب چونکہ ہماری ہی وجہ سے ہوگا گویا وہ ہمارا بدلہ ہوگا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ اور اے کافر و یہ بدلہ کچھ دور نہیں بلکہ چند دنوں کی بات ہے پس عنقریب ضرور جان لو گے تم اس کو جس پر عذاب آتا ہے ایسا کہ ذلیل کر کے رکھ دے گا اور وہ عذاب شروع تو دنیا میں ہوگا مگر اس مجرم کے ساتھ ایسا حائل ہوگا کہ تا ابد قائم رہے گا کہ دنیا میں غرق برزخ میں ملائکۂ عذاب کی مار اور کڑک میدان محشر میں رحمت سے دوری اور مومن کافر کا فرق جہنم میں حرق یعنی جلنا ۔ پل صراط پر فرشتوں کی جھڑک ۔ خِزْيٌ کا مطلب ہے کہ جب تم ڈوبتے چیختے چلاتے ہو گے تو وہی مومن جن کو تم حقیر ذلیل سمجھتے ہو وہ نہایت سکون و اطمینان سے تم کو دیکھتے ہو گے یہ دیکھنا تم پر ڈبل تکلیف کا باعث ہوگا کہ یہ ذلت ہے ۔ لفظ مَنْ یا موصولہ ہے یا سوالیہ اگر موصولہ ہے تو یہ جملہ خبریہ ہے اور مفعول بہ ہے ۔ تَعْلَمُوْنَ متعدی بیک مفعول ہے کشتی بنانے کے حکم سے مکمل بننے تک دو سو سال کا عرصہ لگا مگر رب تعالیٰ نے یہ عرصہ کشتی کا طول و عرض واضح نہ فرمایا صرف اشارۃً بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا ۔ سے کچھ سمجھا دیا ۔ نہ یہ بتایا کہ ہلاکت کفار کا فیصلہ اتنے عرصے بعد کیوں فرمایا لَا يَنْفَعُكُمْ سے اشارہ ملتا ہے کہ جب تک حضرت نوح خود نہ مایوس ہوتے اس وقت تک عذاب نہ آیا جب آپ نے ان کے ایمان سے بالکل مایوس ہو کر دعا کی رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ (الخ) تب عذاب آیا ۔ آپ کی بد دعا سے پہلے زمین روئی کہ یا اللہ مجھ پر کفر کی اور بے ادبی نبی کی انتہا ہو گئی ۔ پرندے روتے کیڑے مکوڑوں نے فریاد کی (روح البیان) مفسرین نے کچھ اختلاف سے ان باتوں کی وضاحت کی صحیح تر یہ ہے کہ کشتی کی شکل جوان مرغے کی طرح تھی حضرت نوح نے اس کے لئے لکڑی تلاش کروائی تو مناسب لکڑی تیار وافر مقدار میں نہ ملی لہٰذا آپ نے خود ساگوان کے بیشمار درخت لگواتے جو بقول روح البیان بیس سال میں اور بقول خازن ۔ معانی ۔ صاوی سو سال میں پختہ لکڑی بنے اور یہی صحیح ہے کہ ساگوان یعنی شیشم (ٹالی) بیس سال میں پختہ نہیں ہوتی ۔ آپ بقدر ضرورت کٹوا کر منگواتے رہتے اس طرح آپ نے اور آپ کے مسلمان غلاموں امتیوں نے سو سال میں مکمل کشتی تیار کر دی اس کی لمبائی بارہ سو گز تھی اور چوڑائی چھ سو گز یعنی اس سے آدھی اور اونچائی تیس گز ۔ تین منزلہ تھی نیچے کی منزل میں درندے چرندے ۔ بیچ کی منزل میں پرندے اور اوپر کی منزل میں حضرت اور تمام مسلمان عورت مرد ۔ باقاعدہ اترنے چڑھنے کے لئے سیڑھیاں گزرگاہیں تھیں ہر منزل کے درمیان میں دروازہ تھا ۔ صحیح یہ ہے کہ بابل شہر میں کشتی بنائی گئی ۔ معانی نے جزیرہ ابن عمر کو مقام کشتی بتایا ہے ۔ بنانے والے صرف حضرت نوح تھے اور مزدوروں اور دیگر مسلمانوں کے علاوہ حضرت نوح کے تین لڑکے تھے ۱؎ حام ۲؎ سام ۳؎ یافث آپ کا چوتھا بیٹا جو سب سے بڑا تھا کافر تھا ۔ اس میں اور بہت سی روایات ہیں کہ کتا کیسے پیدا ہوا گدھے کے ساتھ شیطان کشتی میں چلا گیا ۔ گوبر بہت جمع ہو گئے تو اس سے خنزیر پیدا ہوا ۔ شیر کے نتھنوں سے بلی پیدا ہوئی ۔ چوہے نے شرارت کی وغیرہ یہ سب روایات بے

سند ہیں غالباً اسرائیلیوں نے بنا ڈالی ہیں۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** نیک لوگ ظاہراً کتنے ہی بے سروسامان ہوں مگر اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں کیوں کہ نیکوں کا کام اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہوتا ہے یہ فائدہ بِاَعْيُنِنَا سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** قانونی اور شرعی مجرم کی شفارش نہیں کرنی چاہیئے جن لوگوں نے مجرم کی سفارش کر کے رشوتیں دے کر مجرم کو بچا لینے کی عادت بد ڈالی وہ قوم ملک تباہ ہوگئی۔ جرم بند ہونے کی سب سے زیادہ مفید ترکیب یہ ہے کہ مجرم کو فنا ہونے دو۔ اسلام نے مجرم کو کبھی بھی قابل معافی نہ سمجھا۔ یہ فائدہ لَا تُخَاطِبْنِىْ سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** حاصل ہوا اسی لئے اسلام میں جیل اور جرمانہ کوئی سزا نہیں بلکہ یہ سزائیں اسلام میں منع ہیں۔ جیل و جرمانے کی سزا انگریز کی ایجاد ہے ہمیشہ اچھوں کا مذاق جاہل لوگ کرتے ہیں اور بزرگوں کے اعمال افعال میں برائیاں اور عیب نکالتے ہیں وجہ یہ ہے کہ جاہل ظاہر بین ہوتا ہے وہ ہنر کو عیب۔ عیب کو ہنر سمجھ لیتا ہے۔ غلطی کو درستی۔ درستی کو غلطی سمجھ لیتا ہے۔ وہ خود کو بڑا عقل مند سیاست دان سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ حقیقت بزرگوں نیکوں کے پاس ہوتی ہے۔ سبق یہ ملا کہ علماء اولیاء صوفیا پر جہالت کے اعتراض اور تنقیدیں مت کرو۔ یہ فائدہ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ سے حاصل ہوا صرف سوف ثبوت میں اسیطرح تاکید پیدا کرتا ہے جسطرح حرف لن نفی میں۔

اعتراضات اس جگہ چند اعتراض پڑسکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں کفار کے لئے مُغْرَقُوْنَ فرمایا گیا یہ اسم مفعول ہے اور اسم مفعول فعل حال کی کیفیت بیان کرتا ہے یعنی ابھی غرق کئے ہوتے ہیں۔ حالانکہ طوفان نوح اس واقع اور فرمان کے کئی سال بعد آیا اور وہ تب غرق ہوتے یہاں بجائے مُغْرَقُوْنَ کے يُغْرَقُوْنَ فرمانا چاہیئے تھا یہ آیت علم فصاحت کے بھی خلاف ہے اور حقیقت کے بھی **جواب** اس کے دو طرح جواب ہوسکتے ہیں ایک تو وہی جو تفسیر عالمانہ میں دیا گیا کہ اسم مفعول کا بمعنیٰ حال ہونا کلیہ نہیں اکثریہ ہے۔ یہاں بمعنیٰ مستقبل ہے یعنی غرق کئے جائیں گے۔ دوسرا جواب اس طرح ہے کہ يُغْرَقُوْنَ بمعنیٰ فعل حال ہی ہے مگر یہ جملہ تشبیہی ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ ان کفار کا غرق ہونا اتنا یقینی ہے کہ گویا یہ غرق ہو ہی گئے۔ کر ہی دیئے گئے۔ جیسا کہ ہم دن رات اپنے محاوروں میں کہتے ہیں کہ سمجھو فلاں کام ہو ہی گیا **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ لفظ يَصْنَعُ فعل مضارع ہے۔ جس میں یا حال کا ترجمہ ہوتا ہے یا مستقبل کا۔ مگر یہ واقع ماضی میں ہو چکا تو یہاں مضارع فعل کیوں بولا گیا۔ اگر یہاں حال کا ترجمہ کریں تو جھوٹ لازم آئے گا۔ اور مستقبل کا معنیٰ کرنا تو بالکل ہی غلط ہے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں دیا گیا کہ تشبیہی جملہ ہے کہ گویا ابھی بنا رہے ہیں صرف اظہار محبت کے لئے **تیسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ ہم بھی تم سے مذاق کریں گے۔ مذاق کرنا تو جہلا کا کام ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ میں حضرت موسیٰ کا کلام منقول ہے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ۔ میں مذاق نہیں کرتا میں تو جاہلوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں تو حضرت نوح نے یہ کیوں کہا۔ **جواب** اس کے دو جواب مفسرین نے دیئے ایک تو تفسیر میں بیان کر دیا گیا کہ اِنَّا نَسْخَرُ کی تشبیہ نوعی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم زبانی

مذاق اڑاتے ہو ہم تمہاری ذلت کو دیکھ کر تمہارا مذاق کریں گے۔ ہمارا دیکھنا ہی تمہارا مذاق ہوگا۔ یعنی ہم مذاق کا بدلہ لیں گے کہ عذاب تم پر آئے گا جو ہماری وجہ سے ہوگا۔ دوسرا جواب اس طرح ہے کہ نَسْخَرُ سَخَرٌ سے بنا ہے جس کا معنی ہے ذلیل کرنا۔ ذلیل سمجھنا مطلب ہے کہ تم آج ہم کو ذلیل سمجھتے ہو کل ہم تم کو ذلیل سمجھیں گے۔ اور کفر کو ذلیل کرنا جائز ہے تیسرا جواب اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ مسلمان کا مذاق اڑانا جہالت اور بُرا ہے یہاں معاملہ کفر کا ہے کفر کا مذاق اڑانا شرعاً منع نہیں۔ خواہ زبانی ہی کیوں نہ ہو۔ چوتھا جواب اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ وہاں ھُزُوًا ہے یہاں نَسْخَرُ ہے۔ ھُزُوًا اس گفتگو کو کہتے ہیں جس میں گھٹیا پن ظاہر ہو وہ واقعی نبی کی شان کے خلاف ہے لیکن نَسْخَرُ میں وہ مذاق مراد ہے جو حقیقتِ حال پر مبنی ہو۔

تفسیر صوفیانہ

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ. قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰهِ سے نوح روح کو حکم ملا کہ اعمال صالحہ کی کشتی بنا ہماری حفاظت کے قلعوں میں ہمارے بتاتے ہوتے ڈھانچۂ قلبی کے مطابق۔ اور جنہوں نے شہوتوں اور لذات دنیا کے ظلم کئے ان کے نجات کے بارے میں ہم سے بات نہ کرنا۔ کیونکہ وہ فنا کی اندھیریوں میں غرق کئے ہوئے ہیں کفر کے غلافوں میں ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قالب یعنی جسم انسانی پانچ قسم کے ہیں ۱؎ انسان حیوانی جن پر شہوتوں کے حال طبیعت کے اوصاف غالب ہوتے ہیں اور یہ مغلوب ومقہور ہو جاتا ہے ۲؎ انسان شیطانی جن پر حالات شیطانی نفس کے اوصاف غلبہ کر لیتے ہیں۔ ابلیس کے جال میں جکڑے ہوتے ہیں اگر دنیا سے ایمان سلامت لے جائیں تو اصحاب یمین ہیں اگر ایمان سے خالی چلے گئے تو اصحاب لعین ہیں ۳؎ انسان ملکی جن پر حالات ملائکہ علیہم السلام اور روح کے اوصاف کا غلبہ ہو یہ ہی ارباب جمال ہیں یہ تینوں جنتی ہیں مگر پہلے دو فضل کے جنتی اور قالب ملکی عدل کا جنتی۔ اس کو دنیا میں ہی جنت کی بشارت ہے اس کے ایمان و اعمال کو بقا کا تمغہ ہے۔ پہلے دو قسم کے انسانوں کو ہر لحظہ خطرہ ہے اگر بلا ایمان دنیا سے گئے تو یہی اصحاب شمال اور قہر وجلال والے ہیں ۴؎ قالب مشترک اور انسان جانبین۔ جن پر خیر وشر برابر ہے۔ وصف طبعی وصف نفسانی روحی ملکی شریک ہیں۔ ان میں اکثر پار لگ جاتے ہیں بشرطیکہ مرشد روح دستگیری کرے یہی اصحاب اعراف ہیں ۵؎ انسان رحمانی جن پر اسرار کا حال کشف کا وصف غالب ہو۔ جو سالک راہ اور مجذوب عقل وعشق ہوں یہی ارباب کمال اور مقرب بارگاہ سابقون الاولون ہیں ان کا مقام معلوم اور رزق مقسوم ہے وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ. وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ. قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ. روح پاکیزہ صبر ورضا کی کشتی تیار کرتی ہے اور حیوانی لوگ جب مَن کی دنیا سے نکل کر گوشۂ روحانی کی طرف گزر کرتے ہیں تو اپنے شیطانوں کے ساتھ جمع ہو کر مذاق وتمسخر کرتے ہیں۔ کبھی صوفیاء جذب کا کبھی متقیوں کی نمازِ عشق کا۔ کبھی علماء بحر وبر کا کبھی پریشان ظاہر اطمینان باطن والے فقراء کا مذاق کرتے ہیں اور ملکی لوگ روح القدس کے ہمراہی جب دنیاءِ دون وعالم سفلی

سے نکل کر عالم بالا کی طرف محو پرواز ہوتے ہیں تو ملائکہ مقربین کے ساتھ جمع ہوتے ہیں اور نفس پرستوں دنیا داروں سے کہتے ہیں آج تم مسخری کرتے ہو کچھ دیر بعد میدان محشر کی ملاقات میں ہم تمہاری مسخری کا اسی طرح جواب دیں گے جس طرح تم اب مسخری کرتے ہو۔ وہاں روز حشر سب کے مقام جدا ہوں گے۔ حیوانیت والوں کا مقام شیطانی ہو گا۔ اصحاب یمین کا مقام ملکی ہوگا اھل جانبین کا مقام بین الطرفین ہوگا۔ رحمانی گروہ کا مقام۔ قرب رحمٰن ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے۔ اے لوگو جس طرح زندگی گذاروگے اسی طرح موت پاؤگے اور جس طرح موت پاؤگے۔ اسی طرح حشر کروگے فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ. مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَ یَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ اے مسخری کرنے والو عنقریب جان لوگے کہ کون ہے وہ بدنصیب جس پر عذاب حرمان آتا ہے جو اس کو اپنے پرایوں کے سامنے ذلیل و رسوا کر دے اور حائل رہے گا اس پر دائمی حجاب کا عذاب۔ امام الصوفیا یحیٰی رازی نے فرمایا کہ آدمی تین قسم کے ہیں ۱۔ ایک وہ کہ جس کی آخرت نے اس کے عیش کو بھلا دیا۔ یہ لوگ دونوں جہان میں کامیاب اور فائزین ہیں۔ دوسرے وہ جس کے عیش نے اس کی آخرت کو بھلا دیا یہ لوگ ہلاک ہونے والے ہیں۔ ان کی زندگی مذاق کرتے گذرتی ہے اور آخرت مذاق کروانے میں۔ تیسرے وہ جو دونوں طرف کے مزے چکھتا ہو۔ یہ مقام اور درجہ ہمت والوں کا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ کے کچھ خواص بندے ہیں جو رفیع قرب کی جنتوں میں ساکنین ہیں۔ وہ سب انسانوں سے زیادہ عقل والے ہیں۔ یہ محبوب کے لیے تارک دنیا تارک ریاست ہیں ان کی سبقت رب کی طرف ہے اور ان کی سرعت رضا کی طرف لہٰذا ان کو قلیل پر صبر ہے اور مدت طویل پر آرام ہے۔ اہل بصیرت اور روشن لوگ فرماتے ہیں کہ روح مومن مثل نوح کے ہے صفات مومن قوم نوح ہے جو ایمان لاچکے نفس مومن اھل کفران و سرکشی ہیں جسم مومن کشتی نوح ہے جب روح مومن صوت سرمدی کے حکم سے کشتی قالب بنانے لگتی ہے۔ تو عین ربوبیت نگاہ ازلیہ میں سے حقیقت صناعی کی حفاظت فرماتی ہے اعمال کی لکڑی پر خشیت الٰہی کے نقش و نگار اور زھد دنیا کی منزلیں بنتی چلی جاتی ہیں وہ عیون صفات جو انوار کے معدن اور ذات کے حقائق ہیں اسی کی حفاظت اور توفیق سے وجود سفینہ کو قرار ہے یہی مشاھدات ربانی جسد کشتی پر رحیم وکریم ہیں حدیث پاک میں ہے کہ بندے کے اعمال صالحہ رب کی نگاہ لطف میں ہے۔ لہٰذا بندہ ایسی نماز پڑھے اور عمل خیر کرے کَاَنَّکَ تَرَاهُ گویا کہ تو اس کو وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ یہی اَعْیُنِ معرفت ہے روح لطیف ہے اور قلب مومن رفیق۔ اپنی ملطافت اور رقت قلبی کی بنا پر نفس سرکش کے لئے دعا و خیر کا حصہ بناتا ہے۔ حکم ربی آتا ہے کہ لَا تُخَاطِبْنِیْ ان سرکشوں کو دعا نہ دو یہ ازل کے محروم ہیں اور شقاوت کے دریا میں غرق ہونے والے ہیں (روح البیان و عرائس البیان) بندۂ حق میدان عمل میں بیٹھ کر شریعت کی کشتی بناتا محبت اہل بیت کی منزلیں آراستہ کرتا ہے ہے۔ صحابہؓ کے ستاروں کی شمعیں جگمگاتا ہے ان ستاروں کا سہارا پکڑتا ہے۔ ابتلاؤ مصائب کے طوفان سے پار نکل جاتا ہے مگر نفس پرست۔ اہل علم کے اعمال کو محض مذاق سمجھتے ہیں اس لئے عذاب حسرت دائمی کی موت مرتے ہیں۔

نفسانی لوگ ظالم ہیں کیونکہ اشیاء عملیات کو غیر جگہ میں رکھتے ہیں۔ عبادتِ حق کا مقام تو رضاءِ حق ہے مگر یہ ریاکار اس کو دنیا اور شہوتوں کی جگہ رکھتے ہیں اسی لئے فتنوں کے طوفان میں غرق ہو جاتے ہیں۔ بچتا وہی ہے جو روح کی تربیت میں سفینہ شریعت و معرفت میں سوار ہو جاتے اہلِ شقاوت شریعت کی کشتی میں بیٹھنے والوں پر ہنستے مذاق کرتے ہیں کیونکہ شریعت کے انوار اور معرفت کے اسرار سے دور ہیں جس طرح بے عمل عالم اور جاہل برابر ہیں اسی طرح بے عمل عارف اور غافل برابر ہیں کہ یہ سب دروازۂ الٰہیہ سے مردود ہیں کیونکہ فقط علم اور معرفت ذریعہ نجات و قبولیت نہیں۔ جبکہ کتاب و سنت پر عمل نہ ہو۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا

یہاں تک کہ جب آگیا امر ہمارا اور اُبلا تنور فرمایا ہم نے سوار کر لو میں اس سے ہر

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آیا اور تنور ابلا ہم نے فرمایا کشتی میں سوار

مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ

جوڑے میں سے دو نر و مادہ اور اہل اپنے مگر وہ کہ گذر گیا پر اس

کر لے ہر جنس میں سے ایک جوڑا نر و مادہ اور جن پر بات پڑھ چکی ہے ان کے

الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۴۰﴾ وَ قَالَ

قانون اور اس شخص کو جو مومن ہے اور نہیں ایمان لائے تھے ساتھ ان مگر تھوڑے اور

سوا اپنے گھر والوں اور باقی مسلمانوں کو اور اس کے ساتھ مسلمان نہ تھے مگر تھوڑے

ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ

نوح علیہ السلام نے فرمایا سوار ہو جاؤ تم میں اس سے نام اللہ کے بہنا اس کا اور رکنا اس کا بیشک

اور بولا اس میں سوار ہو اللہ کے نام پر اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا بیشک میرا رب

لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۱﴾ وَ هِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ قف

رب میرا البتہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اور وہ کشتی بہتی رہی ساتھ ان کے بیچ موج ایسی موجوں جیسی

ضرور بخشنے والا مہربان ہے اور وہ انہیں لئے جا رہی ہے ایسی موجوں میں جیسے پہاڑ

وَنَادٰى نُوْحُ ۨابْنَهٗ وَكَانَ فِىْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَىَّ ارْكَبْ

پہاڑ اور پکارا نوح نے بیٹے اپنے کو اور تھا وہ میں علیحدگی اے بیٹے میرے سوار ہو جا تو ساتھ

اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ اس سے کنارے تھا اے میرے بچے ہمارے

مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾

ہمارے اور نہ شامل رہ تو ساتھ کافروں کے

ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ ہو

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ نوح علیہ السلام نے کفار سے کہا کہ عذاب بھیجنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے جس سے اشارۃً معلوم ہوا تھا کہ عذاب بھی اللہ کے امور میں سے ایک امر ہے اب وضاحت سے فرمایا جا رہا ہے کہ عذاب ہمارا ہی امر ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں نوح علیہ السلام کے کشتی بنانے اور کفار کے مذاق کا ذکر ہوا کہ وہ نہ سمجھے کہ کشتی کیوں بن رہی ہے جبکہ دور دور تک نہ کوئی دریا نہ سمندر نہ نہر ہے۔ ان آیات میں عملی طور پر کفار کے مذاق کا عبرتناک جواب دیتے ہوئے کشتی بنانے کی حکمت بیان فرمائی جا رہی ہے۔ کہ ہم نے نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ صرف مسلمانوں کو کشتی میں سوار کرنا تاکہ مذاق کرنے والے عبرت کی نگاہوں سے دیکھتے رہیں اور ڈوبتے رہیں **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اے نوح علیہ السلام مجھ سے ظالموں کے بارے سوال نہ کرنا اب فرمایا جا رہا ہے کہ نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پکارا کہ ظالموں کافروں کے ساتھ نہ لگ جس سے پتہ لگا کہ اسی طوفان اور عذاب الٰہی کا فر کوئی نہ بچے گا اگرچہ نسلِ نوح ہی کیوں نہ ہو۔

تفسیر نحوی حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا لفظ حَتّٰى چھ معنیٰ میں مستعمل ہے ۱ زائدہ ۲ ابتدائیہ ۳ استثنائیہ ۴ تعلیلیہ ۵ بمعنی اِلٰى ۶ غائیت کے لئے یہاں یہی آخری معنیٰ مراد ہیں اور جارہ بھی ہو سکتا ہے صحیح یہ ہے کہ عاطفہ ہے۔ اِذَا حرفِ شرط ظرفیت کے لئے ہے جَآءَ فعل ماضی بمعنیٰ مضارع۔ چار جگہ فعل ماضی مضارع کے معنیٰ میں آجاتا ہے ۱ خطبہ ۲ دعا ۳ شرط ۴ تعریف کرتے وقت۔ امر سے مراد حکم یا اذن یا معاملہ ہے۔ حکم یعنی سوار ہونا اِذن یعنی مسلمانوں کو سوار کرنا معاملہ یعنی عذاب۔ نَا جمع متکلّم کا مرجع ذاتِ رب کریم ہے۔

وَفَارَ التَّنُّوْرُ واؤ عاطفہ معطوف علیہ حَتّٰى کا جملہ ہے جس طرح جَآءَ میں دو احتمال ہیں کہ بمعنیٰ مضارع یا خود اپنے معنیٰ میں اسی طرح فَارَ ماضی میں بھی دو احتمال ہیں زیادہ صحیح یہی ہے کہ دونوں جگہ ماضی اپنے ہی معنیٰ میں ہے

فَارَ فَوْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ تیزی کرنا التَّنُّوْرُ نُوْرٌ سے مشتق ہے یا فَارٌ سے اس کی جمع ہے تنانیر مراد روٹیوں کا تندور ہے دراصل تَنْوُوْرٌ تھا باب تفعّل کا مصدر واؤ پر ضمہ ثقیل تھا نقل کر کے ماقبل کو دیا حق جوار کی بنا پر تشدید بھی منتقل ہو گئی۔ ایک قول میں تَنْوُوْرٌ تھا بروزن تَفْعُوْلٌ پہلی واؤ کو ہمزہ سے بدلا بوجہ قرب ہمزہ کو حذف کیا برائے تخفیف اس کے عوض نون مشدّد کیا۔ قُلْنَا ماضی جمع متکلم اپنے معنیٰ میں ہے اِحْمِلْ امر حاضر خطاب حضرت نوح کو ہے فی حرف جر ظرفیت کے لیئے ھَا کا مرجع کشتی مِنْ بعضیت کا ہے کُلٍّ روئے زمین کی تمام جاندار مخلوق ہے۔ اس لئے کہ لفظ کُلٍّ موجبہ کلیہ کا سور ہے زوجین تثنیہ ہے زوج کی مراد نر و مادہ اثنین عدد تثنیہ تاکید کے لئے ہے واؤ عاطفہ ہے اہل اپنی اصلی شکل میں ہے۔ اسی سے متغیر ہو کر آل بنتا ہے یہاں مراد گھر والے ہیں یا سارے مسلمان کَ سے مراد حضرت نوح اِلَّا حرف استثناء متصل ہے مَنْ اسم موصول عام غیر مخصوص البعض کے لئے سَبَقَ ماضی معروف سَبْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پہلے ہونا عَلٰی فوقیت کے معنیٰ میں لزوم کے لئے ہ کا مرجع مَنْ اَلْقَوْلُ سے مراد تقدیری فیصلہ ربّانی وَمَنْ اٰمَنَ واؤ عاطفہ ہے جس نے بتایا کہ اہل سے مراد صرف اہل بیت ہیں نہ کہ مسلمان کیونکہ اہل معطوف علیہ ہے اور یہ معطوف اور ہر دو کا حکم جدا ہوتا ہے مَنْ اسم موصول غیر مخصوص البعض ہے وَمَآ اٰمَنَ واؤ حالیہ مَا نافیہ اٰمَنَ فعل ماضی یعنی یہی فقط مومن بنے تھے۔ مَعَہٗ۔ مَعَ لفظ جامد ہے ظرفیت کے لئے ہے مراد کشتی میں ساتھ ہونا۔ ہٗ کا مرجع حضرت نوح ہیں اِلَّا حرف استثنا متصل ماقبل نفی کو توڑا قَلِیْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے بروزن کَرِیْمٌ قِلَّۃٌ۔ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے۔ قلیل بمعنیٰ کم (تھوڑا) تین معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے ۱۔ ذلت ۲۔ بمعنیٰ ہلکا ۳۔ تعداد میں تھوڑا یہاں آخری معنیٰ مراد ہیں۔ سو سے کم کو قلیل کہا جاتا ہے وَقَالَ ارْکَبُوْا فِیْہَا بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖىہَا وَمُرْسٰىہَا ۔ واؤ ابتدائیہ قَالَ فعل ماضی کا فاعل یا ذات باری ہے اور یا حضرت نوح ہیں اور یہی صحیح تر ہے۔ اِرْکَبُوْا امر حاضر جمع کا صیغہ ہے باب فتح سے ہے رَکْبٌ سے مشتق ہے رَکْبٌ کے معنیٰ ہیں کسی منقول اور متحرک چیز پر چڑھنا۔ خواہ حرکت ارادی ہو جیسے گھوڑا وغیرہ خواہ حرکت قسریہ غیر ارادیہ ہو جیسے کشتی بحری جہاز ہوائی جہاز ریل بس وغیرہ۔ جب لفظ رکب متحرک ارادیہ کے لیے مستعمل ہو گا تو حرف علی سے متعدی ہو گا اور متحرک قسریہ میں رکوب متعدی فی ظرفیہ سے ہو گا۔ یہاں یہی ہے۔ فیہا ھا کا مرجع کشتی ہے بسم اللہ میں ب ملابست کی ہے اور پورا جار مجرور اِرْکَبُوْا کا حال ہے۔ جیسا کہ ابھی تفسیر عالمانہ میں وضاحت ہو گی انشاء اللہ تعالےٰ۔ مَجْرٰی اور مُرْسٰی یہ دونوں ظرف زمانی ہیں زبر کی حالت میں ہیں مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے دونوں کے مصدر علی الترتیب اِجْرَاءٌ وَاِرْسَالٌ ہے اور مادے جَرْیٌ وَرَسْوٌ ہیں ناقص یائی۔ ھَا ضمیر سے مراد کشتی ہے اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یہ جملہ قال کے فاعل کا قرینہ ہے۔ اِنَّ حرف تحقیق رَبِّیْ مرکب اضافی اس کا اسم منصوب ہے لَغَفُوْرٌ لام کے ہے جس کے معنیٰ ہوتے ہیں البتہ غَفُوْرٌ غَفْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ چھپانا بچانا۔ یہاں دونوں معنیٰ بن سکتے ہیں غفور بروزن فَعُوْلٌ

صفت مشبہ ہے یعنی ہمیشہ بہت زیادہ بچانے والا۔ رحیم بروزن کریم دنیا میں رحم فرمانے والا وَھِیَ تَجْرِیْ بِہِمْ فِیْ مَوْجٍ کَالْجِبَالِ۔ واؤ ابتدائیہ ھِیَ کا مرجع کشتی تجری فعل مضارع بِھِمْ باحرف جر بمعنیٰ مع ظرفیت کا ہے اپنے ہی معنی میں ہے لفظ موج اسم جنس بمعنی جمع ہے۔ اس کی عددی جمع امواج اور اس کی واحد مَوْجَۃٌ ہے (روح المعانی) یہ پورا جملہ یا تو بسم اللہ میں پوشیدہ ضمیر کا حال ہے یا ارْکَبُوْا پوشیدہ کا حال ہے اور یا جملہ مستانفہ ہے وَنَادٰی نُوْحُ ٳبْنَہٗ وَکَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا وَلَا تَکُنْ مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ۔ واؤ سے جملہ نادٰی فعل ماضی اس کا فاعل لفظ نوح اس کا مفعول یہ ابن ہے ہٗ کا مرجع حضرت نوح ہیں واؤ حالیہ کَانَ تامّہ بمعنی ماضی بعید فی ظرفیت کا ہے معزل اسم ظرف مکانی عَزْلٌ بمعنی علیحدگی سے مشتق ہیں یٰبُنَیَّ یا حرف ندا بن مضاف منادیٰ یا ءِ متکلم مضاف الیہ یاء کا زبر الف محذوفہ کے بدلے میں کہ دراصل تھا یَابُنَیَّاءَ ارکب امر ہے رکب بمعنیٰ سوار ہونا سے مشتق ہے یہ امر وجوبی کے لیے ہے مع ظرفیہ مضاف ہے نا ضمیر جمع متکلم کا مرجع سب سوار۔ واؤ عاطفہ لَاتَکُنْ فعل نہی کان تامّہ سے مَعَ الْکٰفِرِیْنَ مع ظرفیہ مکانیہ اَلْکٰفِرِیْنَ الف لام عہد خارجی کافرین سے قوم نوح یا دنیا بھر کے کافر مراد ہیں۔

تفسیر عالمانہ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ۔ حضرت نوح کشتی بناتے رہے یہاں تک کہ ادھر کشتی مکمل ہوئی اور ادھر ہمارا عذاب آگیا جسکی علت ہمارا فیصلہ ہے امر سے علّت بول کر معلول مراد ہے اور ابتدائی علامت جو پہلے ہی نوح علیہ السلام کو بتا دی گئی تھی یہ ہوئی کہ کوفے یا بابل کا تندور ابل پڑا جس میں روٹیاں پک رہی تھیں عورتیں بچے مرد بیٹھے ہوتے تھے اپنے حال میں مست تھے۔ کوفہ اور بابل کا فاصلہ پچیس میل کا ہے بالکل قریب ہیں یہ کشتی بھی وہاں تھی۔ جہاں قریب ہی تندور تھا۔ جو روایتی اختلاف کشتی میں ہے وہی تندور میں ہے اور یہ اختلاف قرب کی وجہ سے ہے بعض لوگوں نے کشتی اور تندور کو ہند میں کہا ہے۔ بعض نے شام میں مگر یہ سب باتیں روایت و درایت کے خلاف ہیں جنہوں نے کوفے میں تندور مانا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ تندور کوفے کی عبادت گاہ کے پاس تھا یہاں مسلمان عبادت کرتے تھے۔ روح البیان نے کہا کہ آج کوفے کی جامع جہاں بنی ہے وہاں ہی اُس وقت ایک گھر میں تندور تھا۔ ابن عباس رض کا قول ہے کہ تنور سے مراد روئے زمین حضرت علی رض کا قول منقول ہے کہ فَارَ التَّنُّوْرُ کا مطلب صبح طلوع ہو گئی۔ مگر یہ سب تاویلیں ہیں جمہور صحابہ کا قول یہی ہے کہ روٹیوں کا تندور تھا صبح کی روٹیاں پک رہی تھیں کہ آگ بجھنے کی آواز آئی لوگ حیران ہو گئے تیزی سے چشمہ چھوٹا تندور بھرنا شروع ہو گیا دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ہانڈی کی طرح پانی تنور سے ابل رہا تھا۔ سارے علاقوں میں یہ خبر آناً فاناً پھیل گئی کفار کو بھر ہوش نہ آیا تماشہ دیکھنے تندور کے پاس آتے۔ لیکن رب فرماتا ہے کہ کہا ہم نے بذریعہ وحی اے نوح سوار کر لو اس اپنی کشتی میں۔ یہ جملہ جواب ہے۔ اِذَا کا ھَا مونث ہے اس لئے کہ فُلْکٌ غیر عقل والی چیز ہے جس کے لئے ضمیر مذکر مونث دونوں آسکتی ہیں۔ روح البیان نے کہا

کہ چونکہ سفینۃٌ لفظی مونث ہے اس بنا پر ضمیر مونث آئی حقیر اقتدار کہتا ہے کہ یہ درست نہیں کیونکہ لفظ سفینہ پہلے آیا ہی نہیں تو وہ مرجع کس طرح بن سکتا ہے اس کا مرجع تو فلکٌ ہی ہے۔ ہر حیوان کے جوڑے دُو دُو لفظ اثْنَيْنِ تاکید یہ نہیں بلکہ تمیزی صفت ہے۔ بعض نے کہا کہ تاکیدی ہے اور مطلب ہے ایک جوڑا جو دو جانور ہوں مذکر مونث۔ حضرت نوح نے دعا کی یا اللہ جو تیری منشا میں حیوان ہیں ان کو بھیج دے تو درندے چرندے پرندے ہر قسم کا ایک جوڑا دوڑتا ہوا آ گیا۔ کیڑے مکوڑے شامل نہیں تھے۔ حضرت نوح جلدی جلدی جانوروں کو پکڑتے دایاں ہاتھ بڑھاتے تو نر جانور آتا بائیں میں قدرتی مادہ جانور عرض کیا مولیٰ ان کو خوراک فرمایا کشتی کے سوار اتنے عرصہ بغیر خوراک ہماری قدرت سے زندہ رہیں گے۔ لہٰذا کسی انسان حیوان کو اتنا عرصہ نہ بھوک لگی نہ بول براز ہوا۔ کشتی بالکل پاک صاف رہی تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ جب گدھے کو سوار کرنے لگے تو گدھے کی دم شیطان نے پکڑ لی جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکے حضرت نوح نے اس کو ڈنڈے مارے مگر پھر نہ بڑھا تو آپ نے فرمایا بڑھ ملعون اگرچہ تیرے ساتھ شیطان ہو گدھے کے ساتھ کشتی میں آ گیا۔ شیطان کو گدھے سے بہت پیار سب جانوروں کی بولی تسبیح ہے مگر گدھے کی آواز شیطان کی خوشی ہے۔ اس لئے لاحول پڑھنے کا حکم مرغ کی آواز شیطان کو بھگانے والی ہے۔ فرمایا کہ گدھے کو حضرت نوح کی بد دعا ہے وہ ڈنڈے ہی کھاتا رہے گا اور خچر نے حضرت ابراہیم کی نار میں لکڑیاں جلدی جلدی ڈالیں تو حضرت ابراہیم نے بد دعا کی اس کی نسل بند ہو گئی گرگٹ نے خچر پر بیٹھ کر پھونکیں ماریں تاکہ آگ تیز ہو۔ سانپ اور بچھو نے درخواست کی کہ ہم کو بھی سوار کر لو مگر منظوری نہ ہوئی اس لئے اگر کسی کو سانپ یا بچھو سے خطرہ ہو سَلَامٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ کثرت سے پڑھا کرے اور اپنے اہل کو بھی یعنی بیوی بچوں کو بھی سوار کر لو ہاں ان کو مت سوار کرنا جن کے بارے عذاب کا فیصلہ پہلے ہو چکا وہ دو ہیں کنعان بیٹا اور بیوی واعلہ اور اپنے اہل بیت کے علاوہ جتنے مومن ہیں ان کو بھی سوار کر لو۔ اگرچہ اہل بھی مومن تھے مگر علیحدہ علیحدہ ذکر کرنے کی حکمت اھل کا استثنا کرنا ہے۔ حضرت نوح کے مومن اھل ایک بیوی۔ تین بیٹے ۱۔ سام جن سے عرب نسل چلی حام جن سے سوڈانی نسل اور یافث جن سے ترکی نسل چلی۔ اور ان کی بیویاں یہ تینوں اس وقت شادی شدہ تھے مگر ابھی اولاد نہ ہوئی تھی۔ اہل بیت اور حضرت نوح آٹھ افراد تھے باقی مومنین ایک روایت میں تیس تیس تھے مگر صحیح یہ ہے چالیس چالیس تھے۔ جانوروں میں سب سے پہلے مولا چڑیا کو داخل کیا اور سب سے آخر گدھے کو۔ یافث کے اولاد سے ہی یاجوج ہیں۔ دنیا کی باقی نسلیں دیگر مومنوں کی اولاد سے ہیں یہ طوفان صرف قوم نوح پر آیا۔ اور ساری زمین پر پھیلا بجز ان پہاڑوں کے جو پہاڑ جودی سے بھی اونچے تھے۔ اس وقت تک نسل انسانی صرف قوم نوح ہی تھی۔ اور نبی بھی دنیا میں ساڑھے نو سو سال تک صرف اکیلے نوح علیہ السلام ہی رہے آپ کے بعد سام کو بھی نبوت ملی (روح المعانی) وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ اور اتنی دراز تبلیغ کے باوجود آپ پر بہت ہی تھوڑے ایمان لاتے۔ فقط اتنی تعداد جو پہلے بتائی گئی مع بمعنی علیٰ ہے۔ یہ جملہ خبریہ معترضہ ہے۔ جب وحی کے ذریعے آپ کو رب کا حکم ملا تو قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ

مَجۡرٖىهَا وَمُرۡسٰىهَا اِنَّ رَبِّىۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۔ زور سے آواز دی نوح علیہ السلام نے سوار ہو جاؤ تم اس کشتی میں آج سے اس کا چلنا شروع ہوتا ہے تم کو چلانے کی ضرورت نہیں اللہ کے نام سے ہی اس کا چلنا ہے اسی سے اس کا ٹھہرنا ہے بس اے مسلمانوں تم اس کا نام لئے جاؤ نمازوں سجدوں میں مشغول رہو۔ بے شک میرا رب گناہوں کو بخشنے والا ہے نہ کہ کفر کو اور رحم فرمانے والا ہے دیکھو تم کو کیسا بچایا پس اس کے شکریہ میں اس کا نام ہی ورد کرتے رہو اس کشتی کے چلنے کا وقت اور ٹھہرنے کا وقت کہ کب ٹھہرے گی اللہ جانتا ہے یہ نجات محض اس کے رحم سے ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص کشتی میں سوار ہو کر یہ دعا بسم اللہ سے غفور رحیم تک پڑھے تو کشتی ڈوبنے سے بچے گی۔

حکایت ایک مومنہ بڑھیا نے عرض کیا اے پیارے نبی ہمارے آقا یہ کشتی کیوں بنا رہے ہو فرمایا پانی کا عذاب آنے والا ہے کفار غرق ہوں گے مومنوں کو اس میں بچایا جائے گا۔ اس نے عرض کی یا حضرت مجھ کو بچا لینا فرمایا تم گھر میں بیٹھی رہو بلا لیا جائے گا وہ بڑھیا ذکر اذکار اور تصور نوح علیہ السلام میں رہی جب بوقت طوفان آپ نے کشتی میں سب کو سوار کر لیا تو کشتی تیر گئی آپ کو بڑھیا کا خیال ہی نہ رہا۔ وہ بڑھیا اسی خیال میں رہی کہ اب بلاتے ہیں۔ طوفان چلا گیا جب باخیریت حضرت نوح مع مومنین عصمت کے بعد اپنی اسی بستی میں واپس آتے تو وہی بڑھیا بی بی صاحبہ باہر آئیں اور عرض کیا کہ آپ نے کہا تھا کہ پانی کا عذاب آتے گا تو وہ کب آئے گا آپ بھی اور آپ کے ساتھی بھی اللہ کی اس قدرت پر بہت متعجب ہوتے اور شکر خدا کیا پھر فرمایا کہ اے مائی طوفان تو آ بھی چکا اور ختم بھی ہو گیا تو وہ بھی حیران ہو کر سجدۂ شکر میں گر گئی (روح البیان) وَهِىَ تَجۡرِىۡ بِهِمۡ فِىۡ مَوۡجٍ كَالۡجِبَالِ ۔ اور وہ کشتی جاری ہوتی ہے یعنی گذشتہ زمانے میں یہاں بھی فعل مضارع بمعنیٰ حال ارشاد فرمانے کی وہی حکمت ہے جو يَصۡنَعُ ۔ میں بیان کی گئی۔ پانی کی موجوں کے بیچ میں جو موجیں مثل پہاڑ کے تھیں اس طرح کہ لہریں پانی کی اٹھتیں تو کشتی سے اونچی ہو جاتیں مگر قدرت الٰہی سے اندر نہ جاتیں بعض نے فرمایا کہ کشتی قدرت الٰہیہ و معجزہ نبی سے آبدوز بن گئی تھی اور مثل مچھلی کے پانی کے اندر تھی یہ جملہ یا نیا ہے خبر یہ ہے۔ یا بسم اللہ کے پوشیدہ فعل کے فاعل کا حال۔ لفظ موج جمع ہے اس کا واحد مَوۡجَةٌ ہے جبالٌ کا مشبہ موج ہے نہ کہ کشتی۔ یعنی پہاڑ کی طرح کشتی نہ لگتی تھی۔ بلکہ پانی کی موجیں پہاڑ کی طرح تھیں وَنَادٰى نُوۡحُ اۨبۡنَهٗ وَكَانَ فِىۡ مَعۡزِلٍ يّٰبُنَىَّ ارۡكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنۡ مَّعَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۔ اور پکارا نوح علیہ السلام نے اپنے سگے بیٹے کو یا منہ بولے بیٹے کو مگر صحیح روایت ہے کہ سگا بیٹا تھا اس کا نام کنعان تھا یا یام تھا۔ اور کھڑا تھا وہ آپ کا بیٹا کنعان ایک علیحدگی میں یا اس طرح کہ دیگر کفار تو ادھر ادھر بھاگ دوڑ اور پانی سے بچاؤ کی عقلی تدبیروں میں مشغول تھے مگر وہ دور کھڑا اپنے والد کی کشتی کو دیکھ رہا تھا۔ تو والد کو ترس آیا اور بلایا کہ اب بھی مسلمان ہو کر آجا۔ یا اس طرح کہ حضرت نوح سے علیحدہ ہو کر کھڑا جب سب اہل چڑھ گئے تو آپ نے فرمایا کہ آ تو بھی آجا۔ اس تفسیر کی بنا پر بعض نے کہا کہ کنعان کھلا کافر نہ تھا بلکہ منافق تھا اور دیگر مومنین بلکہ خود حضرت نوح کو اس کی توبہ کا گمان ہوا تھا اس لئے ندا کی یا

اس طرح کہ دین سے دور تھا تو آپ نے توبہ کیطرف متوجہ کیا جس کے سبب سے کشتی میں جگہ ملتی تھی۔ مگر دل کو مائل باسلام کرنے حالات سے خوف دلانے کے لئے آپ نے فرمایا اے میرے بچے یعنی پیارے بچے سوار ہو جا ہمارے ساتھ یعنی مسبب بول کر سبب کا ارادہ فرمایا کہ پہلے ایمان لا پھر سوار ہو جا بُنَیَّ اسم مصغر ابن کا بروزن۔ فُعَیْلٌ پیار کے موقعہ پر بولا جاتا ہے۔ یہ پیار نبی نہیں کیونکہ کفار سے نسبی پیار شان نبوت کے خلاف ہے بلکہ فریضہ تبلیغ کا پیار ہے تاکہ اس پیار بھرے انداز سے بلانے میں اس کا دل موم ہو یہ آپ کی آخری تبلیغ۔ یا اس طرح کہ چونکہ وہ اس وقت تمام کفار سے علیحدہ تھا آپ نے گمان فرمایا کہ شاید وہ اب اسلام کی طرف مائل ہے لہٰذا ندا فرمائی۔ اسی لئے فرمایا کہ اب کفار کے ساتھ مت لگنا اتنا زمانہ تو نے کفر میں گذارا تو اب آخری وقت جسمی طور پر علیحدہ ہوا ہے تو قلبی طور پر علیحدہ ہو جا اور ہمارے ساتھ لگ جا بچ جائے گا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** مومنوں کے طفیل جانوروں پر رحم کیا جاتا ہے کہ طوفانی عذاب دراصل آیا تھا کفار کو ڈبونے مومنوں کو بچانے کے لئے مگر جانور بھی بچائے گئے۔ یہ فائدہ کُلٍّ زَوْجَیْنِ سے حاصل ہوا ثابت ہوا کہ نیکوں کے لئے نیک اعمال سے انسان تو انسان زمینی حیوانات کو فائدہ پہنچتا ہے توجہ کرے کہ نبی ولی کی ذات سے کوئی مشکل حل نہیں ہوتی وہ کتنا بدنصیب ہے **دوسرا فائدہ** نبی کا خاندان ہونا اتنی سعادت نہیں جتنی کہ نبی کے تابع فرمان مسلمان ہونا دیکھو عذاب سے غیر لوگ اپنے اسلام اور غلامی نبی کی بنا پر بچ گئے مگر اپنی بیوی سگا بیٹا کشتی میں سوار نہ ہو سکا نہ بچ سکا کہ وہ گستاخ نبی تھا لہٰذا کوئی بھی سید زادگی۔ پیرزادگی عالم زادگی پر ناز نہ کرے نبی کریم کی اتباع ہی اصل ناز کی چیز ہے۔ یہ فائدہ اِلَّا مَنْ سَبَقَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ہر لحہ اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتا ہے۔ مدرسۂ نبوت سے یہی سبق ملتا ہے کہ سہارا اور وسیلہ ظاہری اسباب کا ہو اور بھروسہ رب کی ذات پر ہو یہ فائدہ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا سے حاصل ہوا کہ اتنی مضبوط کشتی ہونے کے باوجود پھر ہر آن نگاہیں رب کیطرف لگائی گئیں یہ ہے تعلیم نبی تو جب کشتی کا وسیلہ توکل علی اللہ کے منافی نہیں پھر انبیاء کرام اولیاء اللہ کا وسیلہ منافی کیونکر ہوگا اور مفید کیوں نہ ہوگا **چوتھا فائدہ** اولاً مجرم کو ہدایت پانے کی مہلت ملتی ہے مگر جب ہدایت کی صلاحیت نہ رہے تو ان فاسد عناصر کو ہلاک کرنا ہی بہتر ہوتا ہے تاکہ ان کے وجود سے آئندہ نسلیں خراب نہ ہوں اور کافر و مجرم کو ہلاک کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح کہ جسم کے ناسور والے عضو کو کاٹ کر پھینکنا۔ **پانچواں فائدہ** اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ نبی اور دین کے مقابلے میں کسی برادری کسی رشتہ داری کا غم نہ کھائے نہ پیار کرے۔ دیکھو قوم نوح کے مومنوں نے نوح علیہ السلام کی خاطر سب برادری کو چھوڑ دیا اسی طرح نوح علیہ السلام نے دین کی خاطر سگے بھائی بیٹے سے نسبی پیار نہ فرمایا یہ فائدہ یٰبُنَیَّ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ اسی شان ایمانی کا مظاہرہ غازیان بدر نے میدان بدر میں کیا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** انسان اشرف المخلوقات ہے جانوروں سے اور عام انسانوں سے مومن افضل ہیں تو یہ کیا وجہ ہے کہ اللہ نے سوار کرنے میں جانوروں کا ذکر پہلے کیا پھر اہل کا پھر مومنوں کا **جواب** یہاں یہ ترتیب افضلیت یا اشرفیت کی بنا پر نہیں بلکہ سوار ہونے کی صلاحیت کی بنا پر ہے - حکم تھا - اَحمِل باب افعال کا امر اے نوح تم خود سوار کرو تو جانور چونکہ خود سوار کرانا پڑتا ہے - احمل کے حقیقی معنیٰ کا یہاں مظاہرہ تھا اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا اور دوسری وجہ یہ تھی حیوانات کے سوار کرانے میں مشقت تھی اس لیے ان کو پہلے سوار کرنے کا حکم ہوا انسان تو بھاگ کر خود ہی چڑھ سکتا ہے - اس میں نہ دیر کا اندیشہ نہ مشقت کی فکر - یہاں احمل کا مطلب صرف زبانی حکم دینا ہے - ہاں اہل کا ذکر پہلے کرنا شرافت نسبی کی بنا پر ہے - باقی مومنوں کا بعد میں ذکر کر کے ادبِ بزرگان کا طریقہ سکھایا گیا - **دوسرا اعتراض** زوجین بھی تثنیہ ہے اثنین بھی تثنیہ تو اثنین لانے کا فائدہ **جواب** یا یہ فائدہ کہے زوجین نے بتایا دونوں جانور ایک صنف کے نہ ہوں ایک نر ہو تو دوسرا مادہ اور اثنین نے بتایا ہر جانور دو دو عدد ہوں ایک نہ ہو تین چار نہ ہو - گویا کہ پہلا صنفی تثنیہ ہے دوسرا عددی یا یہ فائدہ کہ زوجین نے تثنیہ (دو ہونا) بتایا اور اثنین نے تاکیداً حصر بتایا یعنی دو ہی **تیسرا اعتراض** حضرت نوح نے طوفان شروع ہونے کے بعد اپنے بیٹے کو دعوت ایمان دی جیسا کہ ارکب معنا کی تفسیر سے معلوم ہوا حالانکہ یہ طوفان عذاب الٰہی تھا اور عذاب دیکھ کر ایمان لانا قبول نہیں اور جب ایمان نہیں تو دعوت ایمان فضول ہوئی - اور فضول کام شان نبوت کیخلاف ہے جواب عذاب دیکھنے کا مطلب ہے عذاب میں مبتلا ہو جانا تکلیف پا کر پھر کوئی ایمان لائے تو معتبر نہیں یہاں تو ابھی ان کفار کو احساس ہی نہیں کہ یہ پانی عذاب ہے بھی کہ نہیں ابھی تو بہت تھوڑا ہے - یا ہو سکتا ہے ابھی تک ان لوگوں کے پاس پانی آیا ہی نہ ہو - ابھی دور ہو - اور کنعان ابھی یہ ہی سمجھ رہا ہو کہ پتہ نہیں یہ کیوں کشتی میں سوار ہوئے ایسی حالت کا ایمان معتبر ہے مگر پہلا جواب قوی ہے

تفسیر صوفیانہ

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ......

یہاں تک کہ جب اہل شقاوت اور نفس امارہ کی ہلاکت کا ہمارا حکم آگیا اور بدن انسان کا تنور جو نار ظلمت سے بھرا تھا اور گناہ کی رطوبات فضلیہ سے پر تھا وہ ابل پڑا یہ ہی نشان ہلاکت تھا کہ جب بندہ گناہ کرتے کرتے پیمانے کو لبریز کر دیتا ہے - تو عبرت ناک انتہائی سزا کا وقت آجاتا ہے - امر ھلاکت مصنوعی اور باطنی موت کا ہوتا ہے طبیعت خواہشات کا پانی قلب کی دنیا پر گناہوں کا طوفان بن کر امڈتا ہے تو سرکش نفس اور اس کے ساتھیوں کی ھیولۂ جسمانی کے دریا میں غرقابی کی موت واقع ہو جاتی اپنے سیلاب میں خود بہہ جاتے ہیں - ہم نے کہا اے روح قدسیہ تو عشق و محبت کی کشتی میں سوار ہو جا اور شریعت و معرفت ظاہر و باطن کی ہر قسم کی لذت حلال میں سے ہر عضو کے عمل کا جوڑا جوڑا ساتھ لے لے اور اپنے بدن کے اہل کو بھی منزل معرفت کیطرف لگائے مگر وہ نفس بدبخت کہ جس پر ازل سے ہی ملعونیت کا طوق پڑ گیا - اے روح وہ تیرے اہل ہونے کے لائق نہ رہا - اور انکو بھی ہمراہ بنا جو تیری سچائی پر ایمان لا چکے اگرچہ وہ تھوڑے ہیں - روح مقدسہ کا اہل وہ ہے جو تزکیۂ ذات کی وجہ سے مثل روح لطیف ہو جائے اور کثافت جسدی

لطافت نوری کا پر تو ہو جاتے۔ اسی مقام وحدت پر پہنچ کر حکم الٰہی آتا ہے کہ قَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّىْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ وَهِىَ تَجْرِىْ بِهِمْ فِىْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ فرمایا اے ازلی خوش بختو بحرِ قِدم کے نظارے لینے کے لئے۔ اس قلب عارف کے سفینے میں سوار ہو جاؤ جو ناطقہ ربانیہ کی روح کی ہمراہی میں عنایات الٰہیہ کی شمولیت کے ساتھ اسم اللہ سے ہے اس کا جاری ہونا صفات کے قلزم میں اسی ذات صمد کے نام سے ہے اس کا ٹھہرنا قاموس ذات میں ہے بھروسہ کشتی پر نہیں اسم ذات پر ہے۔ جو اس کے ساتھ لگا وہ حادث بھی فنا نہیں وہ ضعیف بھی محروم نہیں بے شک میرا رب جس نے کہ اپنے پیاروں کے لئے اپنے مشاہدے کے انوار جمال بچھا دیئے جن کا جاری ہونا صفات قدس میں ہے اور قبض یعنی ٹھہرنا عظمت کے دبدبوں میں ہے۔ اسم اللہ ہر عارف کامل کا وجود ہے۔ عالم جسمانی کے دریا میں کشتی شریعت کا جاری ہونا ہے اوامر شرعی میں اور ٹھہرنا ہے نواہی شرعی میں۔ میرا رب غفور ہے کہ بخش دیتا ہے ان ظلمات بدنیہ اور ذنوب طبعیہ کو جو ہلاک کرنے والے ہیں اور رحیم ہے کہ الہامات کشفیہ عملیہ کی عطا سے رحم فرماتا ہے اور ھیئۃ نورانیہ کے ذریعے نجات دیتا ہے اگر یہ معرفت و رحمت نہ ہو تو اپنے ہم جنس کفار کی طرح سب ہلاک ہو جائیں۔ یہ سفینۂ حقیقت مرکز تجلیات ایسی موجوں میں جاری رہتی ہے جو دریائے طبیعۃ جسمانیہ کے فتنوں سے پر ہے اور جو غلبۂ خواہشات میں مثل پہاڑ کے ہے۔ حجاب ظلمت ہے۔ تجلیات کے دیدار کے لئے۔ گناہوں کی ملاوٹ کی موجیں ہیں۔ وَنَادٰى نُوْحُ ن ابْنَهٗ فِىْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَىَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ۔

- - - - - روح لطیف نے طبع لطیف کو ندا دی جو مثل بیٹے کے اسی کے جسد کثیف کے صفات میں سے تھا اور تھا وہ طبع۔ شریعت اور معرفت کے کنارے پرائے راہِ سلوک کے ہمراہی۔ ہمارے دین میں داخل ہو کر تجلیات کے جھرمٹ میں آجا اور محجوبین اور ہلاک ہونے والوں میں نہ رہ ورنہ طبیعت کے دریا میں بہہ کر خواہشات نفس کی موجوں میں غرق ہو جائے گا۔ ایمان وہ روشنی ہے جو قلب منور کے آئینے سے ظاہر ہوتی ہے خواص کا ایمان عین کرمِ خداوندی سے ان دلوں پر نزول فرماتا ہے جو بلا واسطہ فیض الٰہی کے قابل ہیں اور عوام کا ایمان اقرار زبان اور عمل ارکان کے واسطے سے دل میں داخل ہوتا ہے۔ اسی لئے مومن تھوڑے ہوتے ہیں۔

قَالَ سَاٰوِىْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِىْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ

بیٹا بولا ابھی پناہ لیتا ہوں میں طرف پہاڑ بچالے گا وہ مجھ کو سے پانی فرمایا نہیں بچا سکتا

بولا اب میں کسی پہاڑ کی پناہ لیتا ہوں وہ مجھے پانی سے بچالے گا کہا آج

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ

کوئی آج سے عذاب اللہ کے مگر وہ شخص رحم کیا اللہ نے جس پر اور حائل ہو گئی

اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں مگر جس پر وہ رحم کرے اور ان

بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ

درمیان ان دونوں کے بڑی لہر تو ہو گیا وہ سے ڈوبتوں اور حکم کہا گیا اے زمین

کے بیچ میں موج آڑے آئی تو وہ ڈوبتوں میں رہ گیا اور حکم فرمایا گیا کہ اے

ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَ

چوس لے پانی اپنا اور اے آسمان رک جا اور خشک کیا گیا پانی اور

زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی خشک کر دیا گیا اور

قُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا

ختم کر دیا گیا تمام معاملہ اور کشتی برابر لگی پر جودی کی اور فرمایا گیا

کام تمام ہوا اور کشتی کوہ جودی پر ٹھہری اور فرمایا گیا کہ دور

لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ ربع

ہوں بے انصاف لوگ

ہوں بے انصاف لوگ

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں نبی علیہ السلام کی پیار بھری پکار کا ذکر تھا۔ اب کافر بیٹے کے متکبرانہ جواب کا ذکر ہے دوسرا تعلق پچھلی آیات میں اس خطاب کا ذکر ہوا جو اللہ کریم نے نوح علیہ السلام کو کیا کہ ہمارا عذاب آگیا تم سب مسلمان بسم اللہ پڑھتے سوار ہو جاؤ مسلمان تو خبردار ہو گئے مگر کفار ابھی تک اسی گمان میں تھے کہ یہ عام سیلاب ہے ابھی ختم ہو جاتے گا۔ اب ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ نوح علیہ السلام نے سوار ہو کر علی الاعلان سب کو آگاہ کر دیا تھا کہ یہ عذاب ہے اس سے سوائے مومن کوئی نہیں بچ سکتا۔ تاکہ کوئی بے خبری سے نہ مارا جاتے۔ اب بھی وقت ہے کشتی میں آجاؤ مومن بن جاؤ۔

تیسرا تعلق پچھلی آیات میں کفار کے آخری کفر کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں نوح علیہ السلام کی آخری تبلیغ اور ان کو آخری دعوت اسلام دینے کا ذکر ہے۔

تفسیر نحویانہ قَالَ سَاٰوِیۡۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعۡصِمُنِیۡ مِنَ الۡمَآءِ ۔ قَالَ فعل ماضی کا فاعل ابن نوح علیہ السلام کنعان ہے س حرف تقریب ہے بمعنیٰ عنقریب اوی فعل مضارع واحد متکلم اَوۡیٌ سے مشتق بمعنیٰ پناہ لینا اِلیٰ انتہاء مکانی کے لئے ہے جَبَلٍ جَبَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ سخت ۔مضبوط۔ اسی سے ہے جِبِلَّتٌ بمعنیٰ مضبوط اصلی عادت یہاں بمعنیٰ پتھر کا پہاڑ یَعۡصِمُنِیۡ یَعۡصِمُ فعل مضارع معروف عصمت بمعنیٰ بچانا لغوی معنیٰ مراد ہیں نہ کہ اصطلاحی معنیٰ نون وقایہ یاء متکلم مفعول بہ مِنۡ حرف جر بمعنیٰ باء جارہ اَلۡمَآءِ الف لام عہد ذہنی ماء بمعنیٰ طوفانی سیلاب۔ قَالَ لَا عَاصِمَ الۡیَوۡمَ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰہِ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ ۔ قال کا فاعل حضرت نوح ہے پہلے مقولے کا جوابی قول لَا عَاصِمَ میں لا نفی جنس ہے عَاصِمَ اسم فاعل عِصۡمَتٌ سے بنا ہے لا کا اسم منصوب ہے اَلۡیَوۡمَ ظرف زمان ہے عَاصِمَ کا حالتِ نصب میں ہے مِنۡ تَبۡیِیۡنِیَہ اَمۡرٌ بمعنیٰ عذاب سبب بول کر مسبب مراد ہے لفظ اللہ مضاف الیہ اِلَّا مَنۡ اِلَّا حرف استثناء متصل کے لئے مَنۡ اسم موصول نکرہ موصوفہ کے لئے رَحِمَہ فعل ماضی باب سَمِعَ کا لفظ رب فاعل مضاف ہے یاء متکلم کی طرف جس کا مرجع حضرت نوح ہیں وَحَالَ بَیۡنَہُمَا الۡمَوۡجُ فَکَانَ مِنَ الۡمُغۡرَقِیۡنَ واؤ سر جملہ ہے حَالَ حَوۡلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ گھومنا حائل ہونا بَیۡنَ ظرف مکان ہے ھُمَا کا مرجع باپ بیٹا ہے الموج میں الف لام عہدی ہے۔ موج مصدر بھی ہے اور اسم جامد بھی یہاں اسم جامد ہے فا تعقیبیہ کَانَ بمعنیٰ صَارَ یعنی اس وقت ہو گیا مِنۡ تبعیضیہ المغرقین میں الف لام استغراقی مغرقین جمع کثرت وَقِیۡلَ یٰۤاَرۡضُ ابۡلَعِیۡ مَآءَکِ وَیٰسَمَآءُ اَقۡلِعِیۡ ۔ واؤ سر جملہ قیل فعل ماضی مجہول اس کا نائب فاعل نادی کا پورا جملہ وہی مقولہ ہے قائل باری تعالےٰ یا حرف ندا سَمَآءُ منادیٰ مفرد مبنی بر ضمہ اِبۡلَعِیۡ باب افعال کا امر حاضر مونث بَلۡعٌ ۔ سے مشتق ہے بمعنیٰ جانوروں کا گھاس نگلنا یا پانی چوسنا یہاں یہ دوسرے معنیٰ مراد ہیں۔ مَآءَکِ مضاف کِ ضمیر مونث مضاف الیہ اور یہ اضافت مقامیہ ہے نہ کہ نسبتی یعنی زمین کے اوپر طوفانی پانی۔ واؤ عاطفہ یا حرفِ ندا سماء منادیٰ مفرد۔ مفرد تین قسم کا ہے ۱ مفرد مقابل تثنیہ جمع ۲ مفرد مقابل مرکب ۳ مفرد مقابل مضاف یہاں یہ آخری معنیٰ مراد ہے اَقۡلِعِیۡ فعل امر حاضر مونث سماء جمع مذکر مکسر ہے اَقۡلِعِیۡ کا فاعل اس کی ضمیر ہے یہاں مذکر کے لئے اَفعال مونث جائز ہے قَلۡعٌ ۔ سے مشتق ہے بمعنیٰ ایک دم بند ہونا رکنا سماء باعتبار لغوی معنیٰ بادل مراد ہے وَغِیۡضَ الۡمَآءُ وَقُضِیَ الۡاَمۡرُ وَاسۡتَوَتۡ عَلَی الۡجُوۡدِیِّ واؤ استینا فیہ غِیۡضَ فعل ماضی مجہول بروزن بِیۡعَ غَیۡضٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ کم کرنا الماء الف لام عہد ذہنی یا خارجی ماء سے مراد طوفان کا سیلابی پانی نائب فاعل ہے واؤ عاطفہ قُضِیَ باب ضَرَبَ کا فعل مجہول قَضَیٌ ناقص یائی سے مشتق بمعنیٰ فیصلے کو جاری

کردینا۔ الامر الف لام عہدی امر سے مراد عذاب کفار و نجات مومنین واؤ عاطفہ یا ابتدائیہ ہے۔ استوت فعل ماضی مونث اس کا فاعل کشتی نوح ہے علی حرف جر اپنے اصلی معنی میں ہے الجودی الف لام معرفہ کا ہے۔ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ واؤ سے جملہ قیل۔ فعل ماضی مجہول اس کا مجہول فاعل صحیح مذہب میں باری تعالیٰ ہے بعض نے کہا یہ حضرت نوح کا قول ہے بعض نے حضرت جبریل کی طرف نسبت دی مگر صحیح پہلا ہے اور مقولے سے مراد وحی الٰہی ہے۔ بُعْدًا تنوین عوض کی ہے یہ مقولہ دراصل لِيَبْعُدُوا بُعْدًا تھا مفعول مطلق ہے فعل محذوف لِيَبْعُدُوا کا مراد بُعد سے لعنت مخصوصہ لفظ مخصوصۃً کے عوض تنوین ہے یہ نکرہ مخصوصہ ہے لِلْقَوْمِ میں لام صلہ کا ہے یا تعلیلیہ تب متعلق ہے قیل کے پہلی صورت میں بُعداً سے ملحق ہے الف لام تخصیصی ہے قوم سے غرق شدہ کافر ہیں الظَّالِمِينَ الف لام بمعنی الذین ظالمین جمع کثرت ہے۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ سَآوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ۔ اتنا دلکش و دلنشیں کلام سننے کے باوجود سختی کفر یہاں تک تھی کہ پسر نوح کنعان بولا ابھی عنقریب میں پناہ پکڑلوں گا کسی پہاڑ کی طرف جو اپنی بلندی کی وجہ سے مجھ کو بچالے گا۔ اس پانی سے لہٰذا میں غرق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مجھے ایمان لانے کی ضرورت نہیں نہ میں کشتی میں سوار ہوں گا۔ وہ اس پانی کو عام سیلاب سمجھا تھا اس کو خبر نہ تھی کہ یہ پانی تو آیا ہی کفار کو ہلاک کرنے کے لیے۔ یہ سیلاب نہیں عذاب ہے۔ آج بجز مومنوں کے کسی جگہ پناہ نہیں۔ آج تو دامن نبی ہی بچاسکتا ہے۔ اس کے اسی گمان فاسد کو مٹانے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَن رَّحِمَ۔ حضرت نوح نے فرمایا آج کوئی ذاتاً یا صفۃً بچانے والا نہیں۔ یعنی ویسے تو اللہ کے مقابل کبھی بھی کوئی کسی طرح نہیں بچاسکتا لیکن خصوصیت سے آج تو نہ کوئی ذاتی طور پر بچاسکے کہ وہ تیرے پاس آکر تجھے بچالے اور تجھے پکڑ کر لے جائے نہ صفاتی طور پر بچاسکے کہ تو اس کے پاس پہنچ کر خود بچ سکے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے امر یعنی اس کے مسبب عذاب سے جو بشکل طوفان ہے یہ کلام بطور مشفقانہ تنبیہ کے ہے۔ کہ اس نے اس کو پانی سمجھا چاہیئے تھا کہ اس کو عذاب سمجھتا اور اللہ کے حضور جھک جاتا۔ ہاں مگر وہی بچ سکتا ہے جس پر اللہ رحم فرمائے۔ یہاں عاصم بمعنی معصوم ہے یعنی آج کوئی بچایا ہوا نہیں من رَّحِمَ میں رَحِمَ بمعنی مرحوم ہے یا راحم۔ یعنی مگر وہ جو رحم کے لائق ہو یا جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرنے والا ہو۔ یہاں اِلّا ایک روایت میں متصل ہے۔ یہاں چار طرح مطلب بن سکتے ہیں۔ ۱۔ نہیں کوئی بچانے والا مگر رحم کرنے والا ہی بچاسکتا ہے ۲۔ نہیں کوئی بچا ہوا مگر وہی جس پر رحم کیا ہوا ہے ۳۔ نہیں کوئی بچانے والا کسی کو مگر اسی کو جس پر رحم کیا ہوا ہو ۴۔ اور نہیں کوئی بچا ہوا مگر وہی جس پر رحم کرنے والا ہو۔ پہلی دو صورتوں میں مستثنیٰ دو طرفہ ایک جنس سے ہے لہٰذا مستثنیٰ متصل ہے اور دوسری دو صورتوں میں چونکہ غیر جنس ہے اس طرح کہ ایک طرف عاصم یعنی مستثنیٰ منہ عاصم۔ اور مستثنیٰ مرحوم۔ اور چوتھی صورت مستثنیٰ منہ معصوم مستثنیٰ راحم۔ لہٰذا استثناء منفصل

منقطع ہوا۔ یہ چار احتمال تو بچنے والے اور بچانے والے میں مرحوم و راحم میں تھے۔ اسی طرح وقت رحم میں بھی دو احتمال ہیں اگر گذشتہ رحمت مراد ہے یعنی عطاء ایمان توفیق خیر نبی اکرم کی اطاعت و غلامی وغیرہ تو لَا عَاصِمَ کا جملہ مجمل ہے اور اِلَّا مَنْ رَّحِمَ کا جملہ استثنائیہ اس کی تفصیل ہے اور اگر آئندہ کی عصمت و رحمت مراد ہے تو مستثنیٰ منہ کا یہی پہلا جملہ مُبْہَم ہے اور مستثنیٰ کا یہ دوسرا جملہ اس کی تفسیر ہے اور یہاں رحمت کرنے کی علت غائی سمجھانے کے لئے اس طرح ارشاد ہوا کہ اے بیٹے ہر جگہ ہر شخص کے لئے پہلے رب کا رحم ہے عطار کے ہاتھ بلند ہیں بڑے سے بڑا مجرم گناہ گار فاسق بلکہ کافر بھی رحم کی امید نہ توڑے مایوس نہ ہو صرف دامنِ التجا و تمنا پھیلانے کی ضرورت ہے۔ تو دامن تو پھیلا پھر دیکھے گا کہ اس کریم رحیم کے سوا کوئی آج تیرے دامن کو ایمان عرفان تقوا محبت عافیت سے بھرنے والا نہیں ابھی تجھ پر اس کا غضب ہے مگر جب تو نے دامن التجا پھیلا دیا تو اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب آجائے گی تو اس عذاب سے بچ جائے گا لیکن اگر تو نے دامن ہی نہ پھیلایا تو صاف ظاہر ہے کہ ع

جھولی ہی تیری تنگ ہے ؎ اس کے یہاں کمی نہیں

پھر تجھے کون بچائے اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا رحم یہ ہے کہ بندے نبی کے قدموں میں ڈال دے جس کو نبی اللہ کے دامن سے وابستگی کی توفیق مل گئی اس کے لئے ہزاروں بچانے والے مدد کرنے والے ہیں لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ وہ ہے جو آستانہ نبی سے دور ہے۔ اس لئے کشتی میں سوار مومنوں سے لاعاصم نہیں فرمایا کہ وہ قرب اور حفاظتِ نبی میں تھے حضرت نوح بھی بیٹے کو اپنے پاس بلا رہے ہیں یعنی آج میرے قرب میں حفاظت ہے۔ یہ باتیں وعظ نصیحت تبلیغ ہو رہی تھی مدارجِ عشق سمجھائے جا رہے تھے۔ معرفت کے جام لنڈھائے جا رہے تھے ادھر پانی مسلسل بڑھتا جا رہا تھا کشتی ہچکولے کھاتی اُٹھ رہی تھی بیٹا چاہتا تو بھاگ کر کشتی میں چڑھ جاتا ایسے مشفق مہربان پیار کرنے والے والد کے قدموں سے لگ جاتا ندامت کے آنسوؤں سے پچھلی خطاؤں گناہوں کو دھو ڈالتا۔ رحیم باپ کریم مشکل کشا نبی حاجت روا رسول تو پہلے ہی دامن محبت کھولے کھڑا ہے وہ بھی خوش ہو جاتا۔ اس کے بھی وفورِ محبت سے آنسو نکل آتے دونوں بغل گیر ہوتے۔ کافر و مومن اس نظارۂ دلفریب کو دیکھتے رہتی دنیا تک نام روشن ہو جاتا کہ منانے والا تو تھا ہی مگر ماننے والا بھی کیسا عظیم تھا۔ مگر بدبختی و بدنصیبی یہ کہ اس آخری مہلت میں بھی وقت کو گنوا دیا نبی کے فرمان کے مقابل عقل نفسانی کو لگا دیا۔ یہاں تک کہ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ۔ اور دونوں باپ بیٹوں کے درمیان ایک بڑی موج پانی کا دندناتا ہوا ریلا حائل ہو گیا جس نے یہ سلسلۂ کلام اور ایک دوسرے کو دیکھنا منقطع کر دیا۔ حضرت نوح اور مومنوں کی نگاہیں ابھی بھی باہر کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ جب اس موج کا لہراتا پانی نیچے بیٹھا تو وہ بیٹا کنعان ڈوبنے والوں میں ہو چکا تھا۔ کہ اس ایک لہر نے دور دور تک کفر کے میدان صاف کر دیئے تھے ظلم کے پردے توڑ دیئے تھے۔ صفاتی طور پر تو پہلے ہی وہ لڑکا مغرقین میں تھا مگر بالفعل اب ہوا مغرقین میں سے باطل کا شور ظلم کی چیخ پکار کفر کا غرور سرکش کی غراہٹ۔ بدکار کی مہلتیں بس یہیں تک تھیں۔ ظلم ختم

کفر انجام کو پہنچا۔ لہٰذا وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ ۔ اور اس چالیس روزہ چڑھتے طوفان کے بعد فرمایا گیا اے زمین چوس لے اپنے پانی کو جو بھی اس وقت تیرے اوپر ہے خواہ تجھ سے نکلا ہوا یا بادل سے اترا ہوا کہ اب وہ زمینی پانی بن گیا۔ مظروف ہمیشہ ظرف کی طرف ہی منسوب ہوتا ہے اور اے آسمان یعنی بلند بادل تھم جا۔ رُک جا۔ چالیس دن رات متواتر موسلادھار بارش ہوتی رہی اور پانی اتنا بلند ہوا کہ زمین کے اونچے پہاڑ سے چالیس گز بلند تھا چالیس دن بعد پانی کی چڑھائی بند ہو گئی اللہ اکبر۔ پانچ مہینے تک کشتی زمین کا طواف کرتی رہی۔ کسی چیز پر نہ ٹھہری۔ جب فضاءِ کعبہ شریف کے پاس آئی تو حرم میں داخل نہ ہوئی۔ ایک روایت ہے کہ خانہ کعبہ جو حضرت آدم نے سب سے پہلے بنایا تھا وہ سیلاب سے محفوظ رہا پانی کو قدرت الٰہی نے اس سے دور رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ کعبے کو اس کے مقابل ساتویں آسمان تک اٹھا لیا گیا جہاں بیت المعمور ہے (جمل وروح البیان) یہ طوفانی سیلاب تندور سے شروع ہوا جو ایک صحیح روایت کے مطابق حضرت حوا کا بنایا ہوا بڑا تندور زمین کے اندر گڑھا ہوا پتھریلا تھا پھر حضرت نوح علیہ السلام کے گھر کے اندر وہ شامل ہوا اور حضرت نوح علیہ السلام کی دوسری بیوی جو مومنہ تھیں بعض نے کہا کہ حضرت نوح نے اپنی دونوں بیویوں کے نام ان کی طبیعت کے مطابق خود رکھے تھے پہلی بیوی ضدی طبیعت اور بات بات میں دھوکہ فریب کرنے والی تھی تو اس کا نام واعلہ رکھا۔ دوسری بیوی نرم دل صاف گو تھی اس کا نام والعہ رکھا۔ یہ دونوں لفظ عبرانی ہیں۔ پہلی کافرہ دوسری مومنہ ہوئی یہ مومنہ بیوی حضرت نوح کے اسی گھر میں ان کے ساتھ رہتی تھیں۔ پہلی کافرہ بیوی اپنے میکے میں کفار کے ساتھ رہتی تھی۔ تندور سے پانی نکلنا حضرت نوح کے لئے اطلاعی علامت تھی۔ اس لئے سب سے پہلے تندور سے پانی نکلا۔ بعد میں علاقے کے مختلف مقامات سے پانی پھوٹ پڑا اور آناً فاناً سب کو پتہ لگ گیا کہ سیلاب آرہا ہے۔ سمجھتے تھے کہ یہ عذاب ہے بجائے ایمان لانے کے۔ بچنے کے لئے اپنی سیاستیں اور عقلیں دوڑانے لگے ہمارے دو ایک اردو مفسر ابھی تک اسی چکر میں ہیں کہ یہ سیلاب صرف حضرت نوح کے علاقہ کردستان۔ ارمینیا۔ دیار بکر۔ نینوا ہی میں ہی آیا نہ کہ ساری دنیا میں ان عقل کے کوڑوں کو ابھی تک یہ سمجھ نہیں آئی کہ آخر اتنا بلند پانی جو اونچے پہاڑوں سے تیس تیس۔ چالیس چالیس گز اونچا تھا۔ اس نے زمین کا کون سا حصہ میدانی چھوڑا ہوگا۔ جبکہ تجرباتی مسئلہ ہے کہ پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے۔ ہاں یہ طوفان آیا ساری روئے زمین پر مگر عذاب صرف قوم نوح کے لئے تھا کیونکہ اس وقت دنیا میں صرف یہی انسانی قوم تھی اور صرف حضرت نوح ہی ساری روئے زمین پر ایک واحد نبی اس قوم کی نفری بقول جمل تقریباً پچیس لاکھ تھی جو ان مذکورہ بالا بارہ علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ پس اس وقت حضرت آدم کی تئیس سو سالہ عرصے کی یہی اولاد تھی۔ ساری دنیا کے سیلاب کو صرف اس لئے نہ ماننا کہ اسرائیلی روایت میں اس کا ذکر آ گیا یا عیسائیوں نے اپنی کتاب پیدائش باب ۸ آیت ۱ از ۲ تا ۱۹ میں اس طرح لکھ دیا۔ یہ تو کوئی اچھی بات نہیں۔ حقیقت ماننی ہی پڑتی ہے خواہ کوئی بتلاتے۔ حضرت نوح نے بد دعا کی تھی رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ (الخ) یہاں الارض میں الف لام عہدی نہیں ہے بلکہ استغراقی ہے اَلْكٰفِرِيْنَ کی جمع

کثرت بتارہی ہے۔ ربّ قدیر نے دونوں کو آسمان و زمین کو حکم دیا اس نے فوراً مانا اس لئے وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ زمین نے بحکم رب تعالیٰ پانی چوسنا شروع کیا نہ کہ نگلنا ہمارے کچھ مترجمین نے نگلنا ترجمہ کیا ہے وہ یا تو چوسنے نگلنے میں فرق نہیں کرتے یا انہوں نے توجہ نہ دی حالانکہ چوسنے نگلنے میں بڑا فرق ہے۔ چھوٹے منہ سے بغیر کھولے ہوتے چوسنا ہوتا ہے۔ منہ پھاڑ کر پینا نگلنا ہوتا ہے۔ جب پانی نکلا تھا تو جگہ جگہ زمین سے منہ پھاڑ کر نکالا تھا اس لئے تھوڑی سی مدت چالیس دن میں پانی کہاں جا پہنچا تھا جب پانی اترا تو دس مہینے لگے اور پھر نکلا تھا صرف تیرہ چشموں سے۔ لیکن چوسا زمین کے ہر حصے نے کہ نرمایا اور کم کیا جاتا رہا پانی اتنی تیزی سے نہیں بلکہ بتدریج اب وہ جلدی نہ تھی کیونکہ قُضِیَ الْاَمْرُ فیصلہ کبھی کا ختم ہو چکا مکمل ہو چکا۔ اور پانی آہستہ آہستہ اترتا کم ہوتا رہا یہاں تک کہ پانچ ماہ بعد وہ کشتی برابر ہوئی یعنی ٹھہری جودی پہاڑ پر۔ دریاءِ دجلہ کی مشرق سمت میں جو پہاڑی سلسلہ ہے اس کو کوہ ارارط کہتے ہیں اس کی ایک چوٹی کا نام جودی ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی کا نام بھی ارارط ہے اس کی بلندی سولہ ہزار نوسو چھیالیس فٹ (۱۶۹۴۶) سطح سمندر سے ہے جودی کی بلندی پہلے بتادی گئی (تیرہ ہزار فٹ ۱۳۰۰۰) محرم شریف کی دس تاریخ جمعہ دن عین نماز کے وقت کشتی جودی پر ٹھہری آپ نے سب پرندوں اور جانوروں کو آزاد کر دیا۔ آپ نے لوگوں سے کہا کہ لاؤ بھئی جو کچھ کھانے کو کسی کے ساتھ ہے سب اشیاء ایک جگہ پکائی گئی جو سب نے مل کر پانچ ماہ بعد پہلے کھانے کے طور پر کھایا گیا۔ اسی کی یاد میں اسی تاریخ کو مسلمان حلیم پکاتے ہیں۔ ابھی نیچے جہان میں ہر طرف پانی ہے جو روز بروز کم ہو رہا ہے۔ پانی کے بالکل ختم ہونے میں مزید پانچ ماہ خرچ ہوتے۔ آپ اور آپ کی یہ جماعت چار ماہ جودی پر ٹھہرے پھر اپنے علاقے میں تشریف لاکر مزید ساٹھ سال آباد رہے۔ اور فرمایا گیا رب کی طرف سے حضرت نوح کو یا تا قیامت انسانوں کو دوری ہو یا اس طرح کہ ہلاکت دنیوی ہو یا اس طرح کہ پھٹکار ہو دنیوی۔ یا اس طرح کہ لعنت ہو اخروی۔ کافر قوم کو یہ جملہ خبر ہے یا دعائیہ ہمارا ترجمہ دعائیہ کا ہے (کبیر۔ معانی۔ بیان مظہری۔ جمل۔ سراج منیر۔ تفسیر الحدیث۔ خازن۔ صاوی)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** ہر کامیابی کو رب کی طرف سے جاننا چاہیئے۔ وہی حقیقی کارساز ہے۔ اس کے مقابلے کوئی کسی کو بچا نہیں سکتا۔ یہی عقیدہ مومن کی شان ہے۔ کافر اپنی عقل کو سیاست اور سیاسی چالوں کو کامیابی کا ذریعہ سمجھتا ہے اور نقصان اٹھاتا ہے یہ فائدہ قَالَ سَاٰوِیْۤ سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ ہمہ وقت رحمت کا طالب رہے گنہگار کو بھی مایوس نہ ہونا چاہیئے یہ فائدہ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ۔ کی تفسیر سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** ہر چیز رب کی تابع فرمان۔ یہاں تک کہ جمادات نباتات حیوانات بھی۔ کسی کو اس کے حکم عدولی کی جرأت نہیں۔ صرف انسان ہی وہ سرکش اور بدبخت ہے جو اپنے رب کی کھلم کھلا نافرمانی حکم عدولی کرتا ہے اور اس کے نبیوں سے سرتابی کرتا ہے۔ مومن

اس سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔ یہ فائدہ یَا اَرْضُ ابْلَعِیْ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ اشارۃً فرمایا گیا کہ زمین و آسمان نے ہمارا حکم مانا جو اتنے بڑے ہیں مگر چھوٹے سے انسان کمزور جان نے ہمارا حکم نہ مانا **چوتھا فائدہ** حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کے بارے میں اس کی زندگی میں کچھ نہ پوچھا۔ نہ باوجود کفر کے اس کو بچانے کی درخواست رب کے حضور پیش کی۔ بلکہ بعد موت صرف ایک ابھرتے ہوئے ذہنی سوال کی تسلی چاہی تھی۔ یہ فائدہ حَالَ بَیْنَھُمَا الْمَوْجُ کے پہلے فرمانے سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** نبی ہر وقت مشکل کشا حاجت روا ہوتے ہیں اور ہر کفار کو دولت ایمان دے کر دنیا و آخرت کی مصیبت سے بچا سکتے ہیں کافر خود دور رہ کر مصیبت میں ہلاک ہو جاتا ہے۔ یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ یہ فائدہ لاعاصم کی تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس کو کوئی نہیں بچا سکتا جو نبی سے دور ہو ورنہ جو نبی کے قریب آجاتے تو نبی علیہ السلام اس کے بچانے میں مجبور نہیں بلکہ مکمل قادر ہیں۔ جن جہلا نے لَا عَاصِمَ کے لفظ سے نبی کی مجبوری ثابت کی ہے یہ ان کی کور چشمی ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض**۔ اس آیت میں فرمایا گیا لَاعَاصِمَ الْیَوْمَ اس پر استثناء کیا ہے اِلَّا مَنْ رَّحِمَ کو یہ استثنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ عَاصِمَ بمعنی معصوم اور رَحِمَ بمعنی مرحوم ہے۔ اس استثناء سے لازم آتا ہے رحم پہلے ہو عصمت بعد میں حالانکہ رحم کیا ہے؟ یعنی آج طوفان سے بچانا یہ ہی عصمت ہے اس لئے کہ طوفان سے معصوم کون وہی جس کو کشتی میں بٹھا کر رحم کیا گیا۔ تو رحم بعد میں ہوا۔ استثنا چاہتا ہے کہ رحم پہلے ہو۔ **جواب**۔ محمد ابن ابی بکر رازی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ عاصم تو بمعنی معصوم ہے کیونکہ بہت دفعہ اسم فاعل بمعنی اسم مفعول آجاتا ہے۔ ایک آیت میں ہے مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ دافق بمعنی مدفوق فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ میں رَاضِیَہ بمعنی مَرْضِیَۃ۔ عرب کہتا ہے سِرٌّ کَاتِمٌ یعنی مَکْتُوْمٌ چھپا ہوا بھید۔ وغیرہ وغیرہ مگر رحم بمعنی مرحوم نہیں بلکہ راحم ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ آج کوئی معصوم نہیں مگر جس پر راحم یعنی اللہ رحم کرے اب کوئی اعتراض نہ رہا اعتراض اسی صورت میں تھا جب ہم مرحوم مراد لیتے **دوسرا اعتراض** اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو حکم دیا کہ تو رک جا تھم جا اور تو پانی چوس لے۔ حالانکہ یہ دونوں بے عقل چیزیں ہیں اور امر نہی اس کو ہوتا ہے جو عقل رکھے خطاب سمجھے **جواب**۔ اس کا جواب بھی ابوبکر رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دو طرح دیا ہے ایک یہ کہ ظاہر اً حکم اور خطاب زمین و آسمان کو ہے مگر حقیقت میں حکم ان ملائکہ مدبرات امر کو ہے جو بارش برسانے اور پانی بہانے پر مامور ہیں مگر یہ جواب ٹھیک نہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ امر دو قسم کے ہیں ۱؎ امر ایجاب ۲؎ امر ایجاد امر ایجاب صرف ذی عقل مکلفین کو ہوتا ہے مگر امر ایجاد اس میں عقل و فہم کی شرط نہیں ہے کیونکہ کائنات کی تمام اشیاء باعتبار امر ایجاد کے اللہ کے حضور مطیع و فرمانبردار ہیں۔ بہت جگہ اللہ کے امر ایجادی پائے گئے۔ چنانچہ فرماتا ہے اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنَ ۔ اور فرماتا ہے۔ فَقَالَ لَھَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا ۔ یعنی اللہ کہتا ہے ہو جا تو ہو جاتی ہے ۲؎ اللہ نے زمین کو کہا خوشی نا خوشی سے نیچے جھک جا۔ مگر میں یہ جواب دیتا ہوں کہ ہمارے اعتبار سے زمین و آسمان کو عقل و فہم نہیں ہم نے یہ سمجھ لیا

حالانکہ حقیقت میں ہر شے کو اپنے اپنے لحاظ سے عقل بھی ہے فہم بھی ہے نطق بھی ہے **تیسرا اعتراض** کشتی نوح جودی پہاڑ پر کیوں ٹھہری زمین پر کیوں نہ ٹھہری جبکہ چلی زمین سے تھی **جواب** اس کی چند وجہ ہیں ۱؎ مقصد حاصل ہو گیا تھا کفر کو مٹانا اب زیادہ دیر ٹھہرنا ضروری نہ تھا زمین پر اترنے کے لئے خواہ مخواہ پانچ ماہ اور صرف ہوتے ۲؎ طوفان کی بلندی کا اظہار مقصد تھا کہ جب پانی خشک ہونا شروع ہوا تو پانچ ماہ بعد جودی جیسے بلند پہاڑ کی چوٹی ابھری ۳؎ دنیا میں پہاڑ نبی کی کرسی ہیں۔ اسی لئے ہر نبی کو ایک پہاڑ عطا ہوا۔ حضرت آدم کو سراندیپ حضرت نوح کو جودی۔ حضرت ابراہیم کو طائف۔ حضرت اسماعیل کو صفا مروہ حضرت موسیٰ کو طور خضر علیہ السلام کو قاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُحُد

تفسیر صوفیانہ جب نوح روح سعادت ابدیہ نجات ازلیہ کی طرف بلاتی ہے تو باطنی بدبختی والے عقل بندے کہتے ہیں اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ۔ ہم شریعت اور معرفت کی کیوں پناہ لیں ہم اپنے اس دماغ اور مغز کی پناہ پکڑ لیں گے جو محل عقل ہے دریائے عمیق کی لہروں سے سزاء و عذاب کے طوفانوں سے مجھ کو میری عقل اور معقول بچالے گی میں اس طوفان و سیلاب کا مقابلہ کر لوں گا۔ تب نوح رحم و کرم کی ضمیر سے جواباً کہا جاتا ہے آج کوئی عقل و خرد دانش و فلسفہ فیصلۂ عذاب رب سے بچانے والا نہیں۔ آج تو کرم خداوندی رحم حق تعالےٰ کی طرف آجانا ہی بچنے کا ذریعہ ہے۔ وہی بچے گا جس کو رب تعالیٰ توحید و شریعت سے نوازے گا یہ مکالمہ ابتداء سے ہر شقی و سعید کے سینۂ فیض گنجینہ میں ہلاکت اخروی تک لگا رہتا ہے عمر کے ہزاروں دن بیت جاتے ہیں سینۂ فیض کے انوار کا اثر ازلی بدبختوں کو نہیں ہوتا نہ صحبت روح کی لطافت ان کی کثافت کو دور کر سکتی ہے یہاں تک کہ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ جدائی کی گھڑیاں قریب آجاتی ہیں۔ شقی و سعید کے امتیاز کے لمحے پہنچ جاتے ہیں اور دریائے موت کی ایک موج ان دونوں کے درمیان ایسی حائل ہوتی ہے اور خواہشات نفس کی موج ایسی حائل ہوتی ہے کہ بحر طبعی کے گہرے پانی بہالے جاتی۔ ابھی جس کو سانسوں کی ڈوری سے مضبوط بندھا سمجھتے تھے ایک ہی جھٹکے میں باپ بیٹے آل اولاد دنیا اور دنیا پرست اچھے برے کے درمیان انتہائی حجاب کی دوریاں ہوتی ہیں۔ وقت گذر جاتا ہے پچھتاوا اور حسرتیں رہ جاتی ہیں فَکَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ---- پس ہو جاتا ہے ہیولائے جسمانی فنا کے بحر ناکنارے میں غرق والوں میں سے کنعان نفس اور نفس پرستوں کی سرکشی کی موت کے بعد مثل یَا اَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ ۔ حق قدیم کی طرف سے شریعت و معرفت کی زبان سے طبیعۃ جسمانیہ کی زمین کو ندا کی گئی کہ اے زمین سفینہ نگل اپنے حوادثات و امتثال کے پانی کو شریعت اور اس کے احکام کے نفاذ کے لئے اور اے آسمان عقل و ابتلاؤ مصائب وارداتِ گناہ سے رک جا تاکہ روح و قلب کو عافیت میسر ہو اے حجاب کے بادلو پھٹ جاؤ تاکہ جودی انوار پر کشتی شریعت کا قیام ہو وَغِیْضَ الْمَآءُ اور مٹا دیا گیا وہ قوت طبعیہ جسمانیہ کا پانی اور ختم کر دی گئی حجاب کی وہ تری جو حقیقیہ کو نور حقیقیہ سے منع کرنے والی تھی وَقُضِیَ الْاَمْرُ اور پورا کر دیا گیا بلاکت و نجات۔ قبض و بسط موت و حیات باطنی کا فیصلہ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ اور کشتی اخیار فضل و کرم کے جھرمٹوں میں جودی انوار پر ٹھہری خوش بخت ہے وہ مومن جس پر

واردات وانعامات ہوں۔لیکن وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۔ اور کہہ دیا گیا کہ لعنت کی دوری ہو ان ظالم نفسوں پر جنہوں نے دین خدا کو جھٹلایا۔ انبیاء کی گستاخی کی حق تعالےٰ کو چھوڑ کر خواہشات کی عبادت کی عبادت الٰہی کی بجائے شریعت کی جگہ طبیعت کو رکھا جب بندے پر قلنا کا خطاب ربانی آگیا تو بندہ مامور من اللہ ہو گیا کہ کشتی شریعت پر خود بھی سوار ہو اور ہر قسم کی صفات نفسانیہ کے جوڑے کو سوار کرلے۔کیونکہ تا قیامت تندور قالب سے شہوتوں کا پانی ابلتا رہتا ہے جو کشتی روح نوح میں سوار ہوگا وہی بچے گا باقی کوئی نہ بچے گا۔ہر قالب میں بے شمار صفات نفسانیہ اور ذات لاہوتیہ کے خاوند بیوی ہیں۔شہوت بیوی ہے عفت خاوند ہے۔حرص زوجہ ہے قناعت خاوند ہے۔بخل زوجہ ہے سخاوت خاوند ہے غضب زوجہ ہے حلم خاوند ہے کینہ پروری زوجہ ہے سلامتی خاوند ہے۔ عداوت زوجہ ہے محبت اس کا خاوند ہے۔تکبر بیوی ہے تواضع وعاجزی خاوند ہے۔ راہ خیر کی سستی کاہلی بیوی ہے عجلت اس کا خاوند ہے۔ غفلت زوجہ ہے۔ہوش وحواس خاوند ہے۔مکر وفریب زوجہ ہے عقل وخرد خاوند ہے جسم انسانی کی تمام صفات رذیلہ وعادات ضمیمہ مثل عورت کے کمزور وکم عقل ہیں اور صفات حمیدہ مثل مرد کے غالب وقوی اہل فکر وتدبر ہیں آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عورتو تم عقل ودین میں ناقص ہو۔قرآن مجید نے فرمایا اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ۔ مرد عورتوں پر غالب ہیں اصطلاح صوفیا میں مرد وہ ہے جس کی صفات حمیدہ اوصاف رذیلہ پر غالب آجائیں۔اگر صفات رذیلہ کا غلبہ ہو جائے تو وہ شخص اہل طریقت کے مشرب میں بزدل کمزور عورت ہے اگرچہ ظاہراً مرد بنا پھرے۔ یہی حال ظاہری شرعی عورت کا ہے کاملیت ظاہر باطن کے کمال سے ہے۔اور ظاہر کے اعمال باطن کا نشان اعظم ہیں اسی لئے باطن کتنا ہی صاف ہو کشتیٔ شریعت پر سوار ہونا ہر ایک پر فرض عین ہے جو پیر یا شیخ لباس صوفیا پہن کر شریعت سے دور ہو وہ دراصل کنعان نفس اور بندۂ شیطان ہے اہل شریعت کہتے ہیں کہ کنعان کو صحبت کفار نے خراب کیا مگر طریقت والے کہتے ہیں کہ کفار کو کنعان نے برباد کیا۔اسی طرح اہل ظاہر کہتے ہیں کہ پیروں عالموں کی اولاد کو صحبت فساق نے خراب کیا مگر اہل باطن کہتے ہیں پیروں عالموں کی بُری اولاد مریدوں اور مقتدیوں کو برباد کرتے ہیں۔کنعان نفس سردار ہے خصائل رذیلہ عادات خبیثہ کا۔کفار نے اپنے کفر کے لئے کنعان کے اعمال کا سہارا پکڑا۔مرید پیر کے گھرانے کے کردار سے سہارا پکڑتے ہیں۔اسی لئے حکم ہوا کہ اپنے اہل کو بھی کشتیٔ شریعت میں سوار کر صفات روح اہل روح ہیں لیکن کنعان نفس شقی ازلی ہے وہ اس کشتی میں سوار نہیں ہو سکتا۔اپنا فرض سمجھانا بلانا ہے مگر ایمان صرف قلب اور سر ہی قبول کر سکتے ہیں۔ صفات قلب بمقابلہ عادات بہت تھوڑے ہیں۔لیکن نجات مومن قلبی کے نصیب میں ہی ہے ۔گروہ فلاسفہ کہتا ہے کہ نجات کے لئے صرف اخلاق حمیدہ کافی ہے اعمال شرعی کی ضرورت نہیں یہ سراسر غلط اور تجربے ومشاہدے خلاف اس لئے کہ اخلاق

حمیدہ طبیعت کے صدور سے ہیں اور طبیعت نہیں جانتی کہ اعضاء ظاہری کی اصلاح و علاج کس طرح ہوگا اس کو نہیں پتہ کہ تزکیہ نفس کی مقدار کیا ہے اور زیورِ نفسِ مطمئنہ کیا ہے۔ کیونکہ طبیعت تو خود کئی دفعہ بیماریِ خودی میں مبتلا ہوتی ہے۔ طبیب کامل ہی سچا علاج کر سکتا ہے وہ طبیب جو کسی طبیب کا حاجتمند نہ ہو وہ شریعت اور صاحب شریعت انبیاء کرام ہیں اسی لئے ہر شخص پر کشتیٔ شریعت میں سوار ہونا لازم ہے فرق صرف اتنا ہے کہ صفات قلبیہ اور حالات سریّہ پار لگنے کے لئے سوار ہوں نوح روح پار لگانے کے لئے تا کہ مرض صحت۔ بیماری دوا کا پتہ لگ جاتے۔ پھر اسے منزل شوق اور مقصد ازلیہ کے مسافر قَالُوْا بَلٰی کی صدا لگانے والے کا مزن۔ کشتی شریعت میں اپنی طبیعت کے حکم سے سوار نہ ہونا کہ یہ نفاق باطنی ہے اور سوار ہونے والا منافق ہے۔ مگر امر ربّی اور حکم خدا کے مطابق سوار ہونا۔ شریعت کا بحری جہاز نفس کے فتنوں والے طوفان اور دنیا کی دلچسپیوں تماشہ گاہ کے سیلاب سے نجات دینے والا معمول ہے۔ اسی کشتی کے سواروں پر شریعت کے اسرار کھلتے ہیں بشرطیکہ خالق روح کے حکم کی وجہ سے سوار ہو تب ہی نجات ہے تب ہی مفید ہے۔ اگر باپ دادا کی دیکھا دیکھی یا دوستوں کی ہمراہی میں سوار ہوا تو نہ نجات نہ فائدہ کشتیٔ نوح علیہ السلام میں ابلیس بھی سوار ہوا تھا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ منافق کو کسی عادت و عبادت کا فائدہ نہیں ہے۔ کہ رضاءِ نفس کے لیے عبادات کرتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو لذت کے لئے نماز پڑھتا ہے وہ منافق ہے جو رب کے لئے پڑھتا ہے وہ مخلص ہے۔ ہر آن سفینۂ شریعت اس لئے ضروری ہے کہ اس کا مَجْرِیٰ مِنَ اللّٰہِ ہے اور اس کا مرسٰی الی اللہ ہے۔ جب بندہ طلب صادق میں ہو تو اللہ غفور ہے نجاتِ دنیا دے کر رحیم ہے قربِ الٰہی دے کر۔ بہت سے کم عقل شریعت کو بیکار اور کمزور سمجھتے ہیں نہ اس کو احترام کا مقام دیتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کشتیٔ شریعت اتنی مضبوط ہے کہ اگر دریاءِ ابتلا سیلابِ مصائبِ نفس کے فتنے پہاڑ برابر موجوں کے ساتھ ہوں تو یہ سفینۂ نبوت جاری ہی رہتی ہے نہ اس میں دنیا کا سیلاب آتا ہے نہ یہ ڈوبتی ٹوٹتی پھوٹتی ہے اسی لئے نوح روح نے بار بار کنعان نفس کو پکارا کہ اے ولد قلب و سر سے پیدا ہونے والے تو بھی دور نہ رہ پناہِ عافیت میں آجا وہ معرفتِ حق اور طلبِ خدا سے دور تھا۔ ملعونوں کے ساتھ شریعت و ارکانِ شریعت کی فضیلت سے ناآشنا۔ اس لئے مثل فساق بولا کہ کشتی والے مولوی لوگ بیوقوف ہیں میں عقل کے پہاڑ پر پناہ لے لوں گا۔ ہر دور میں اہل شریعت کو بیوقوف اور اہل دنیا کو عقل مند سمجھا جاتا رہا۔ یہ دنیا پرست کہتے اور سمجھتے ہیں کہ تفکراتِ دنیا سے پریشانیِ حال سے دنیا پرستی بچالے گی مگر یہ خیال خام ہے۔ شعر

جو اہل دنیا کا رخ کرو گے سکونِ خاطر کبھی نہ ہوگا   شریک غفلت بہت ملیں گے شریک عبرت کوئی نہ ہوگا

یہی مذہب کا جزوِ اعظم کہ دین دنیا پہ ہو مقدم
نئے طریقے میں لیکن اے دوست اور ہوگا سب کچھ یہی نہ ہوگا

اہل شریعت جب کامل ارادے سے شریعت کی کشتی میں سوار ہو جاتا ہے تو وہ کشتی کے سہارے دنیا ء دون میں ہوتا ہے مگر دنیا اس میں نہیں آتی۔ لیکن بدنصیب کشتی سے دور دنیا ء بشریت میں شہوات وشبہات سے پانی میں ارض جسدی پر جہاں ملاذ دنیا کا پانی ابلتا ہے اور آسمان قضا کا پانی برستا ہے۔ بھٹکتے پھرتے ڈوب جاتے ہیں۔ بچتے صرف وہی ہیں جنہوں نے حکم نبی کے دامن کو مضبوطی سے پکڑا۔ سدا وقت ایک جیسا نہیں رہتا ایک زمانہ ایسا بھی آتا ہے کہ کنعان نفس اور عقل کے بندے کے درمیان اور عقل سلیم کے درمیان حیوان نفسی کی شہوتوں کی موج اور دنیا کے تماشوں کے فتنوں کی موت حائل ہو جاتی ہے جس سے نفس ونفس پرست وادی فنا میں غرق ہو جاتا ہے۔ ہر شخص کو کو ہر آن شریعت کی حاجت ہے کیونکہ یہی جودی انوار تک لے جاتی ہے۔ اسی میں مومن کی معراج ہے۔ مقام اصل پر پہنچنا معراج ہے۔ انبیاءِ کرام عالم انوار کی مخلوق ہیں اس لئے ان کی معراج بلندیوں پر ہے۔ بندہ خاکی مادہ خاک سے اس لئے اس کی معراج قرب خاکی ہے۔ شریعت سجدہ ریز بناتی ہے اور سجدہ تواضع سکھاتا ہے اور تواضع رجالُ اللہ کا آخری مقام حقیقت ہے۔ تواضع عبودیت کے قلب سے ریاست وبادشاہت کی لذت نکال دیتی ہے تب وہ قلب وقالب صدیقین میں شامل ہو جاتا ہے تواضع وعاجزی اسرار الٰہیہ میں سے ایک بھید ہے۔ یہ بھید صاحب کمال کو بتایا اور دیا جاتا ہے۔ صاحب کمال انبیاءِ کرام ان کے طفیل صدیقین پھر شہدا پھر صالحین یہی دُوْسَآءِ خَیْرُ مَرَاۃِ باطن ہیں مولیٰ علی رضؓ نے فرمایا کہ عالم اجسام میں ظاہراً پہاڑ سب سے سخت نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں لوہا پہاڑ سے۔ آگ لوہے سے پانی آگ سے اور بادل پانی سے اور ہوا بادل سے اور انسان ہوا سے اور نیند انسان سے اور موت نیند سے زیادہ شدید کشتی شریعت کا سوار موتِ روحی وقلبی سے بچ جاتا ہے صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح عالَم ناسوت میں سات ملک ہیں اور ایک سو اٹھتر پہاڑ ہیں اسی طرح قالب خاکی میں سات اقلیم لطائف ہیں اور انوار وظلمتوں کے ایک سو اٹھتر پہاڑ ہیں۔ سجدۂ شریعت میں سات ہی اعضاء کو معراج خاکی پر جھکانا پڑتا ہے کوہِ شریعت جودی انوار ہے اور کوہِ طریقت اُحُدِ عشق ہے۔ جب قلب مومن جودی انوار قدس پر نزول کرتا ہے تب حکم ربانی زمین بشریت کی طرف پہنچتا ہے کہ اپنے شہوات وخواہشات کے پانی کو یہیں باطن کی گہرائیوں میں ختم کردے اور آسمان قضا کو حکم ملتا ہے کہ آفاتِ سفلیہ کی بارش سے رک جا کیونکہ اب زمین قدس پر صالحین کا راج ہے تو ظلمت کا پانی اور فتنوں کا طوفان نور شریعت کی وجہ سے کم ہو جاتا ہے۔ اور جو خِلقتِ روح وسر عقل وقلب۔ عشق ونصرت۔ نفس وطبیعت کا مقصد تھا وہ پورا کردیا گیا اور کشتی معرفت مقام مقصود یعنی جودی انوار پر سکونت کرتی ہے اور اعضاءِ ظاہری عبودیتِ خالق کے لئے آزادی سے بلاخوف وخطر باہر نکلتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ظالموں کو دوزخ دوریِ فراق کی لعنت ہے۔ جو سفینۂ قلبی غیوب قدیم کے دریا میں غوطہ زن ہوتی اور چلتی ہے۔ غیوب کی عظمتوں میں۔ قریب ہے کہ طوفانِ غیرت میں ڈوب جاتے تو فوراً عنایاتِ ازلیہ سبقت کرکے بچا لیتی ہیں

تاکہ فنا کی وادی میں عبودیت عبد فنانہ ہو اور سنت وصال ندا کرتی ہے کہ کمال ذات کے آسمان کو اور صفات زمین کو کہ اپنے اپنے ادراک سے رک جاؤ تاکہ اعمال و آیات کا مشاہدہ ہو (روح البیان عرائس البیان ۔ محی الدین ابن عربی)

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ

اور پکارا نوح نے رب اپنے کو تو عرض کیا اے میرے رب بیشک بیٹا میرا تھا سے

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا عرض کی اے میرے رب میرا بیٹا بھی تو میرا گھر والا

وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۴۵﴾

اہل میرے اور بیشک وعدہ تیرا حق ہے اور تو اچھا حاکم ہے تمام حاکموں سے

ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑھ کر حکم والا

قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ

فرمایا اے نوح بیشک وہ نہیں تھا سے اہل تیرے بے شک وہ بہت عمل کرنے والا تھا

فرمایا اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بے شک اس کے کام بڑے

صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْٓ

برے نادرست تو نہ پوچھنا مجھ سے وہ بات نہیں ہے لیئے تیرے کی اس خبر بیشک میں نصیحت

نالائق ہیں تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت

اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ

کرتا ہوں تجھ کو اس سے کہ ہو تو سے جاہلوں عرض کیا اے رب

فرماتا ہوں کہ نادان نہ بن عرض کی اے رب میرے

اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ

میرے بیشک میں پناہ مانگتا ہوں تیری اس سے کہ پوچھوں میں تجھ سے وہ بات نہیں کو مجھ

میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں

وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ۝۴۷

کا جس جبر اور اگر نہ بخشے تو کو مجھ اور نہ رحم کرے تو مجھ پر سا ہو جاؤں میں سے گھاٹیوالوں

اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو میں زیاکار ہو جاؤں

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں نوح علیہ السلام اور کفار اور بیٹے کنعان کے آپس کے مکالمے کا ذکر ہوا۔ اب نوح علیہ السلام کی مناجاتوں التجاؤں اور رب سے باتوں کا ذکر ہے کہ جب کفار ڈوب گئے تو نوح علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے کیا عرض و معروض کی **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں کنعان بیٹے کے ڈوبتے کفر پر مرنے کا ذکر تھا۔ جس سے نوح علیہ السلام کو ایک معمولی خیال گزرا تھا۔ اب اس آیت میں اس خیالی الجھن کے حل کرانے اور نوح علیہ السلام کے سوال کرنے کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں نوح علیہ السلام کے اہل کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں واضح کیا جا رہا ہے کہ آپ کے اہل کون تھے اور یہ کہ نبی کا اہل کون ہو سکتا ہے کون نہیں۔

تفسیر نحویانہ وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ وا ؤ استینا فیہ یعنی سر جملہ۔ نادیٰ فعل ماضی نَدٰیٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ زور سے پکارنا یہاں بمعنیٰ قلبی ارادہ بھی ہو سکتا ہے لفظ نوح نُوْحٌ تھا بروزن فُعُوْلٌ مبالغ کا صیغہ بقاعدۂ نحویہ واؤ ثانی گر گئی غیر منصرف نہ ہے اس لئے تنوین رفع آئی فاعل ہے نادیٰ کا رَبَّهٗ رَبَّ مفعول بہ مضاف ہے ہٗ ضمیر مضاف الیہ کا مرجع نوح ہے فَقَالَ فا تعقیبیہ ہے ندای کا بیان ہے قَالَ فعل ماضی قول سے مشتق ہے کلام لسانی و قلبی و نفسی ہر سہ کو شامل ہوتا ہے رَبِّ۔ دراصل یَا رَبِّیْ تھا حرف ندا نادیٰ کے قرینے سے حذف ہوا یا یٔ متکلم مضاف الیہ بوجہ تخفیف حذف ہوئی ب کا زیر یا یٔ متکلم کی نشانی ہے اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ اِنَّ۔ حرف مشبہ بالفعل شک کی نفی کے لئے ہے یہاں ذہنی و رواجی شک کی نفی ہے نہ کہ حقیقی اِنَّ زیر سے قال کی وجہ سے ہے نہ کہ ابتدا کی بنا پر۔ ابنی مرکب اضافی مضاف الیہ یا یٔ متکلم حذف نہ ہوئی کیونکہ یہاں ادغام کی شدت نہیں ہے مِنْ تبعیضیہ حرف جر اَهْلِیْ مرکب اضافی یا یٔ متکلم مضاف الیہ ہے اہل بمعنیٰ خاندان یا نسل وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ۔ واؤ حالیہ اِنَّ حرف تحقیق یقین کے لیے ہے وَعْدَ مضاف ہے طرف كَ کے اسم جنس ہے یعنی تمام وعدے حق لفظ مشترک ہے کثیر المعنیٰ ہے یہاں بمعنیٰ سچا۔ واؤ عاطفہ ہے اَنْتَ ضمیر منفصل مرفوع اَحْكَمُ اسم تفضیل ہے حاکم کی نہ کہ حکیم کی۔ حاکم بمعنیٰ فیصلہ کرنے والا جبکہ حکیم بمعنیٰ تدبیر کرنے والا ہوتا ہے حکیم کی جمع حکما ہوتی ہے حاکم کی جمع حاکمین الحاکمین مضاف الیہ ہے احکم کا جس سے ثابت ہوا کہ احکم بمعنیٰ حاکم ہے ورنہ احکم۔ حاکم حکیم دونوں کا اسم تفضیل بن جاتا ہے۔ الف لام جنسی ہے یا استغراقی قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ۔

قال کا فاعل رب تعالیٰ ہے یہ جملہ سابقہ مقولے کا جواب ہے یٰا حرف ندا لفظ نوح منادیٰ مفرد معرفہ ہے اس لئے ضمہ پر مبنی ہے یہ سب جملہ مقولہ ہے قال کا اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۔ حرف تشبیہ قال کی وجہ سے زیر سے آیا ۂ اسم اِنَّ اگلی عبارت خبر اِنَّ مِنْ بعضیت کا اہل سے مراد خاندان کَ ضمیر کا مرجع نوح اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۔ اِنَّ حرف تشبیہ زیر سے اس لئے ہے کہ ابتدا میں ہے جملہ اسمیہ سبب ہے لَيْسَ کا ۂ ضمیر کا مرجع ابنی ہے عَمَلٌ یہاں دو قرئیں اور ہیں ۱۔ ذُوْ عَمَلٍ ۲۔ عَمِلَ غیر صالح ۔ صحیح تر پہلی ہے یعنی ذُو پوشیدہ ہے غَيْرُ صَالِحٍ مرکب اضافی غَيْرُ صفت ہے عَمَلٌ کی فَلَا تَسْئَلْنِ فَا عاطفہ لَا تَسْئَلْ ۔ نہی ہے نون وقایہ کا زیر یاءِ متکلم مفعول بہ پر دلالت کرتا ہے ۔ دراصل تھا لَا تَسْئَلْنِي متعدی بدو مفعول ہے مفعول دوم اگلا جملہ ما موصولہ ہے لَيْسَ فعل ناقصہ لَكَ لام جارہ مفعولیت کے لئے کَ ضمیر کا مرجع نوح بِهٖ ب جارہ ہ ضمیر کا مرجع ما ہے عِلْمٌ مصدر ہے اسم لَيْسَ ۔ فعل ناقصہ ہے بدیں وجہ مرفوع ہے اِنِّیْ اَعِظُكَ ۔ حرف تشبیہ ہے یاء متکلم اسم اِنَّ ہے بوجہ اضافت نون کسرہ سے ہے اَعِظُ فعل مضارع بمعنیٰ حال وعظ سے مشتق ہے مراد ہے عام لوگوں کے لئے نصیحت اگرچہ مخاطب خاص ہو کَ ضمیر حاضر کا مرجع لفظ نوح ہے اَنْ تَكُوْنَ ۔ اَنْ مصدریہ بیانِ نصیحت کے لیئے ہے نصیحت اور وصیت خاص ہے مگر وعظ خاص نفی کو یعنی نہ ہو تم مِنَ الْجَاهِلِيْنَ من تبعیضیہ ہے الجاہلین الف لام استغراقی جاہل کی جمع ہے جَهْلٌ سے مشتق ہے بمعنی جان بوجھ کر بے علم رہنا ۔ قَالَ یہ کلام ہے حضرت نوح کا قَوْلٌ سے مشتق ہے فعل ماضی واحد غائب ۔ رَبِّ یہ جملہ مقولہ ہے دراصل تھا رَبِّیْ ۔ بوجہ اضافت مضاف الیہ یاءِ متکلم حذف ہے با کا کسرہ اس پر دال ہے اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ حرف تحقیق بوجہ قال کے بعد ہونے کے مکسور ہے یاءِ متکلم اسم اِنَّ ہے اَعُوْذُ صیغہ واحد متکلم عَوْذٌ اجوف واوی سے مشتق ہے فاعل مخاطب حضرت نوح ہیں بِكَ کی ب تعدیہ استعانت کی ہے کَ ضمیر کا مرجع ذات باری ہے ۔ ان حرف ناصب مفعول بہ ہے اَسْئَلَكَ فعل مضارع منصوب سوال سے بنا ہے جس میں صرف پوچھنا پایا جاتا ہے نہ کہ دعا اصطلاحِ عرب میں سوال محض پوچھنا ہے دعا محض مانگنا ہے اور طلب عام ہے ہر دو کو کَ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ ہے ما موصولہ مفعول بہ ہے اَسْئَلُكَ کا لَيْسَ فعل ناقصہ نفی زمانی خصوصیہ کے لیے بخلاف لاءِ نفی کے کہ وہ نفیِ مطلق کے لئے ہے یہاں لیس کی نفی میں عجیب عارفانہ راز ہے لِیْ لام حرف جر ہے جو ظاہر اسم اور ضمیر متکلم متصل میں زیر والا ہوتا ہے باقی ضمائر میں زبر والا اس کے کثیر استعمال ہیں ۔ یہاں مفعولیت کے اختصاص کے لئے ہے بِهٖ ب حرف جر تعدیۂ محضہ کے لئے ہ ضمیر غائب کا مرجع مطلق عام سوال ہے عِلْمٌ مصدر اسم لَيْسَ ہے وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ واؤ عاطفہ ہے جملے کا جملے پر عطف ہے ہر دو قال کا مقولہ ہیں اِلَّا دراصل ان لا تھا یہ حروف قمریہ میں سے ہیں نون کو حذف کر کے لام میں مدغم کر دیا اِنْ حرف شرط لا تغفر فعل مضارع ان شرطیہ نے جزم دیا لِیْ میں لامِ مفعولیت ہے واؤ عطف کی ہے ترحم مضارع

ہے جزم عطف کی وجہ سے ہے اَکُنْ اَکُوْنَ تھا نون کو جزم ہوا بوجہ جزاء شرط - واؤ پہلے ہی ساکن تھی لہٰذا گر گئی صیغہ واحد متکلم فعل تام ہے بمعنی صَارَ مِنْ جارہ بعضیت کے لئے الْخٰسِرِیْنَ الف لام استغراقی بمعنی الّذِیْ خٰسِرِیْنَ جمع ہے خاسر کی خَسْرٌ سے مشتق خاسر وہ ہے جس کا تمام مال برباد ہو جائے نہ نفع باقی رہے نہ اصل مال۔

تفسیر عالمانہ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ۔ اور حضرت نوح نے اپنے رب تعالےٰ کو ندا کی تو تفصیل سے عرض کیا اے میرے رب میرا بیٹا کنعان جو میری نسل کا ابن یعنی بَنَا تھا اور بنیاد تھا میرے گھر والوں میں تھا اور گذشتہ زمانوں میں تو نے وعدہ فرمایا کہ تیرے اہل کو بچایا جاتے گا قُلْنَا احْمِلْ کے حکم سے دَلَالَۃً یہ ثابت ہو رہا ہے کہ تمام اھل بچائے جائیں گے یہ میرا اہل ہیں اس لئے ہے کہ ظاہراً بیوی اولاد لونڈی غلام گھر کے رہائشی یا خاندانی قرابت دار اہل ہی ہوتے ہیں یہاں تک کہ مربوب اور متبنّٰی بھی اہل بیت سکونی میں شمار ہوتے ہیں اور بے شک تیرا وعدہ حق ہے یعنی ایسا ثابت و مضبوط ہے کہ اس کا خلاف ناممکن ہے اور تیری ذات پاک عادلوں کی عادل سب حاکموں کا فیصلہ فرمانے والوں سے بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے کریموں سے بہتر کریم ہے۔ کیونکہ کائنات تیرے مشاہدۂ قدرت میں ہے لہٰذا فیصلہ غلط کس طرح ہو سکتا ہے۔ غلطی تو وہ کرے جس کی بات میں کمی ہو۔ ظاہر کلام اور ترتیب نظم سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ یہ بیٹے کی غرقابی کے بعد ہے نہ کہ پہلے بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ عرض و معروض کنعان کے غرق ہونے سے پہلے ہے۔ مگر یہ ہر طرح غلط اور خلاف کلام ہے۔ یہ طوفان دس ہزار گز بلند آیا جیسا کہ صوفیا کے بعض قصص میں منقول ہے گویا کہ تیس ہزار فٹ بلند تھا سب کافر ہوتے بجز ایک کافر کے جس کا نام موج بن عنق تھا روح البیان نے لکھا ہے کہ اس کافر کا قد تین ہزار تین سو تیس گز لمبا تھا تین ہزار سال زندہ رہا۔ یہ قریبی کسی پہاڑ پر چڑھا تو اس کی کمر تک پانی تھا مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ اپنے لمبے قد کی وجہ سے عذاب سیلاب سے بچا مگر یہ غلط ہے بچا اس لئے کہ اس نے کافر ہونے کے باوجود حضرت نوح علیہ السلام کی یہ خدمت کی کہ دور دور سے لکڑی درخت اٹھا اٹھا کر حضرت نوح کے پاس پہنچائی تھی یہ اتنا طاقتور تھا کہ بیس درخت پورے ایک دم اٹھا کر میلوں دوڑتا چلا آتا تھا۔ اور بڑی خوشی سے اس نے یہ کام کیا اس خدمتِ نبی کے صدقے میں اس کو عذاب سے بچا لیا گیا۔ جیسے کہ آل فرعون کے ایک کافر کو غرق نیل سے محض اس لئے بچا لیا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ٹوپی سے پیار کرتا تھا اور اس طرح کی ٹوپی پہنا کرتا تھا۔ اور کئی دفعہ حضرت موسیٰ کا پورا لباس پہن کر ازراہِ دل لگی لوگوں کو دکھایا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کی نقل بھی پسند فرماتا ہے اگرچہ کافر ہی کیوں نہ کرے اور اس نقل کے طفیل دنیوی عذاب سے کافر کو نجات مل جاتی ہے۔ اگر موج بن عنق کو اس کے قد کی وجہ نجات ملی تو اتنے عرصے سویا کہاں۔ بیٹھا کہاں۔ کھایا کیا۔ طوفان تو دس ماہ رہا پتہ لگا کہ قدرت الٰہی نے اپنے کرم سے بچایا اسلئے تمام عرصہ نہ بھوک لگی نہ سونے بیٹھنے کی حاجت ہوئی۔ یہ سب

معمولی خدمت کا صدقہ ہے لیکن کنعان نے گستاخی کی تو باوجود بیٹا ہونے کے غرق کر دیا گیا۔ بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے۔ یہ ندا لہر اٹھنے کے فوراً بعد کی ہے جب ابھی وہ گمان غالب میں زندہ ہوگا تب نوح علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے مولا یہ میرا بیٹا تو اہل سے ہے جس کو تو نے غرق فرمایا کیا اس کو ابھی بچایا جائے گا اعلحضرت کا ترجمہ اسی طرف راغب اس صورت میں بھی یہ محض استفسار ہے دعا نہیں ہے قَالَ یٰنُوۡحُ اِنَّہٗ لَیۡسَ مِنۡ اَہۡلِکَ ۚ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیۡرُ صَالِحٍ ٭۫ۖ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ؕ اِنِّیۡۤ اَعِظُکَ اَنۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ رب تعالےٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا اے نوح بے شک وہ کنعان تمہارا نسبی بیٹا تو ہے مگر تمہارا اہل نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جب اہل کو سوار کرنے کا حکم ملا تھا تو وہاں استثنا کر دیا تھا اِلَّا مَنۡ سَبَقَ اور کسی کے لئے استثنا نہیں کیا گیا تھا۔ بارگاہ حق تعالےٰ میں اہلیت کا مدار قرابت دنیوی یا نسبی نہیں۔ بلکہ قرابت دینی۔ مومن اور کافر کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ کافر ہونے کے علاوہ بے شک وہ بے عمل بلکہ بدعمل تھا بدکار تھا صلاحیت کا کوئی عمل اس کے پاس نہ تھا۔ اس طرح کہ مغرور متکبر بدمعاش اور والد کا نافرمان نبی اللہ کا بے ادب گستاخ تھا۔ نیکی کے یا اچھے کام کے کبھی قریب بھی نہ گیا تھا اور دنیوی یا اخروی یا دونوں مقام کی نجات کا دارومدار تو اچھی عادتیں اچھے کام ہیں۔ اگر اس کی عادتیں ہی اچھی ہوتیں تو کم ازکم دنیوی اس عذاب سے بچ جاتا۔ جب ایسا برا تھا تو آپ کے اہل بننے کے لائق کیسے ہو سکتا تھا فَلَا تَسۡـَٔلۡنِ۔ پس اے نوح مجھ سے ایسے سوال ایسی حکمتیں نہ پوچھو۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت نوح کی اس ندا کو سوال فرمایا نہ کہ دعا معلوم ہوا کہ بعد غرق ندا ہے جو احمق لوگ اس کو دعا کہہ کر پھر یہ گستاخی کرتے ہیں کہ نبی کی دعا قبول نہیں ہوتی وہ بے دین ہیں۔ اے نوح جن حکمتوں اور ربانی رازوں کو تم جان نہیں سکتے ان کے بارے لوگوں کے سامنے سوال مت کرو۔ ایسے سوالات کا کوئی فائدہ نہیں۔ بے شک میں نصیحت کے ذریعے منع کرتا ہوں تم کو اس بات سے کہ ہو تم نادانوں میں جب ہم نے تم کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا ان کو سوار نہ کرنا جن کے عذاب کا پہلے فیصلہ ہو چکا تمہارے اہل سے ہم نے استثنا کر دیا تھا۔ تم کو اب محبتِ پدری میں اشتباہ نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ تم پر واجب ہے کہ کفر کو سمجھو کہ یہ عذاب سے بچنے والے نہیں۔ اس جملے میں رب تعالےٰ نے بہت وضاحت سے جواب بھی عطا فرمایا کہ ہم نے اس لئے غرق کیا کہ وہ آپ کی اہل سے نہ تھا اور اہل اس لئے نہ تھا کہ غیر صالح عمل والا تھا یہ آپ کی بارگاہ کے لائق نہ تھا پھر ساتھ ہی ایسے سوالات سے منع بھی فرمایا کہ تم ایسے سوال نہ کرو جبکہ اس کی بدعملی اس کے کفر کو تم بھی جانتے ہو اور اس کا غرور سب پر عیاں ہو گیا کہ آخری مرتے وقت بھی اس کا کفر یہ غرور نہ ٹوٹا۔ رہی اس کی حکمت تو تم یہ کیوں پوچھتے ہو یہ اللہ کے راز ہیں سب کے سامنے مت پوچھو تم کو کوئی فائدہ نہیں۔ بعض نے کہا کہ علم بمعنیٰ مطلب مقصد اور فائدہ ہے یہ اللہ کے راز ہیں کہ جنتی سے جہنمی کو نکالے اور جہنمی سے جنتی کو نکالے چاہے تو صلب آدم علیہ السلام سے قابیل کو نکالے خواہ صلب نوح سے کنعان کو چاہے تو صلب ابوجہل سے عکرمہ کو نکالے۔ یہ تو ہوا ہے

کہ نبی کی اولاد کافر ہوئی مگر یہ نہیں ہوا کہ نبی کا والد کافر ہوا ہو۔ جن لوگوں نے آزر کافر کو ابراہیم علیہ السلام کا والد کہا ہے وہ یا بے دین ہیں یا ناسمجھ۔ حضرت ابراہیم کے والد تارخ تھے جو صحیح مومن تھے۔ بعض نے یہ تفسیر بھی کی ہے کہ نوح علیہ السلام نے عرض کی مولیٰ تعالیٰ تو کشتی میں سوار کرنے سے منع فرمایا تھا مجھ کو مگر میری عرض ہے کہ وہ میرا اہل تھا اس کو ایمان کیوں نہ ملا جواب فرمایا کہ یہ ہمارا بھید ہے اس کے بارے سب کے سامنے سوال نہ کرو جو کچھ آنکھوں دیکھ لیا دل سے سمجھ لیا بس وہی کافی رکھو۔ نوح علیہ السلام نے یہ سوال اسلئے کیا تھا کہ کنعان نے کفر چھپائے رکھا تھا آج کہہ رہا ہے کہ میں کشتی میں نہیں آتا کسی پہاڑ کی پناہ پکڑلوں گا آپ نے کنعان کی اس بات کو بھی اس کا کفر نہ سمجھا بلکہ گمان کیا کہ شاید وہ اس پانی کو کفار کے لئے عذاب نہیں سمجھتا بلکہ ویسے ہی کہہ رہا ہے کہ ابا جان میں کشتی میں نہیں آؤں گا بہت بھیڑ ہے اگر زیادہ پانی آیا تو کسی پہاڑ پر چلا جاؤں گا۔ ابھی یہی بات چیت ہو رہی ہے کہ لہر نے بہا دیا تب آپ نے یہ سوال عرض کیا۔ جس کا یہ جواب دیا مَعَ الْکٰفِرِیْنَ کا مطلب معیت مکانی ہونہ کہ قلبی مقصد کلام یہ کہ اے نوح یہ جو تمہارا جوان بیٹا کنعان تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈوب رہا ہے یا بہت دن ہوتے جو ڈوب چکا ہے وہ تمہارا اس لئے اہل نہ تھا کہ کفر و ایمان میں کوئی تعلق۔ ولایت وراثت نہیں ہے۔ تم جو کہ نبی ہو ایسے سوال کیوں کرتے ہو جس میں عام انسانی جذبات کی مغلوبیت پائی جائے یہ ٹھیک ہے کہ ایمان پسر کا ہی سوال ہے نہ کہ نسب پسر کا مگر یہ ہمارے راز ہیں حکمتیں ہیں تم نہ ایسے نادان بنو۔ تم تو ہمارے لئے عظمت نبی ہو اور نبی عام بشر سے کروڑوں درجے اونچے خیالات رکھتا ہے اس میں بشری جذبات کبھی نہیں ابھرتے قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۔ عرض کیا حضرت نوح نے یہ جواب اور تنبیہ سن کر معذرت کرتے ہوتے اور اس بات کو سمجھتے ہوتے اب یہ حکم مجھ پر واجب کیا جا رہا ہے کہ ایسے سوال نہ کرنا یہ وجوب کر یمانہ مجھ کو لیکن پھر خطا کے احتمال سے عرض کیا اے میرے رب میں تیری ہی پناہ پکڑتا ہوں اس بات سے کہ میں ایسے سوال کروں تجھے تیری ہدایت ہی مجھ کو بچانے والی ہے میری توبہ میں ایسی کوئی بات طلب نہ کروں گا مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ۔ جو میرے مطلوب و مقصود سے ورا ہو۔ تو میری حفاظت فرما۔ اور اگر تو میری بخشش نہ فرمائے سابقہ اس غلط سوال کے بارے اور آئندہ بچا کر اور مجھ پر رحمت نہ کرے کہ کائنات میں درجے بلند نہ کرے اور میری تبلیغ کو قبول نہ کرے کہ یہی میرا سرمایہ حیات ہے تو میں بہت نقصان والوں سے ہو جاؤں۔ یہ ہے شان انبیاء کہ لغزش سے پہلے ہی آئندہ کے لئے توبہ کر رہے ہیں اور اپنے کسی عمل کسی محنت فی الدین کی تبلیغ کو کوئی حیثیت نہیں دے رہے۔ بس عجز ہی عجز ہے۔ کیسی مشفقانہ محبوبانہ پیار کی جھڑک ہے اور کیسی عاجزی معذرت ہے قربان جاؤں اس سوال وجواب پر۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** اللہ تعالےٰ کے رسولوں کو سب سے

زیادہ محبت اللہ اور اس کے دین سے ہوتی ہے اس کے مقابلے میں وہ کسی بیٹا بیٹی اور دکو کچھ اہمیت و حیثیت نہیں دیتے دیکھو حضرت نوح نے اپنے کافر بیٹے کے بچاتے جانے کی دعا نہ کی بلکہ خود اس کو دین کی تبلیغ کشتی نعمت خداداد کی اہمیت بتاتے رہے۔ جب وہ غرق ہو گیا تو ایک ذھن میں ابھرتا ہوا سوال عرض فرمایا جو کسی بھی آئندہ وقتوں میں مخالفین کی طرف سے اٹھ سکتا تھا اس کا فقط جواب سمجھنے کے لئے پوچھا یہ فائدہ فَلَا تَسْـَٔلْنِ کی تفسیر اور ان آیات کے روشن کلام سے حاصل ہوا۔ مومن کو بھی دین سے ایسی ہی محبت چاہیئے۔ **دوسرا فائدہ** ہر شخص کو وہ علم حاصل کرنا چاہیئے جو بہت ضروری ہے بے فائدہ علم بے ضروری سوالات کرنے اور ہر وقت یہی سوچتے رہنا کہ فلاں پر کیا سوال کروں کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ بری بات ہے کہ زیادہ تر دنیا کا وقت اچھے اعمال میں خرچ کیا جانا چاہیئے۔ سب سے ضروری علم مومن کے لئے دینی علم ہے۔ دنیوی علم بقدرِ ضرورت سیکھے۔ خاص کر عورتوں کو کالجوں یونیورسٹی وغیرہ میں پڑھانا تو بالکل ہی بیکار ہے کہ عورت کا مقام چار دیواری ہے۔ یہ فائدہ لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** صرف گناہ چھوڑ دینا ہی مدارِ نجات نہیں بلکہ دو چیزیں اخروی نجات کا ذریعہ ہیں ۱۔ گناہ چھوڑنا ۲۔ نیکی کرنا۔ شریعت پاک کے تمام امر و نہی پر عمل کرنا۔ یہ فائدہ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ عَمَل کو مبالغے کے لئے مصدر فرمایا اور غَيْرُ صَالِحٍ کے معنیٰ ہیں کہ عمل تو ہیں مگر گناہ ہی ہیں نیکی کوئی نہیں **چوتھا فائدہ** رب تعالیٰ کے حضور فوراً غلطی کا ماننا ہی محبوبیت ہے۔ انبیاء کرام کی ذیشان تعلیم قولی و فعلی ہم کو یہی سبق سکھا رہی ہے یہ فائدہ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ کی پوری آیت سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** انبیاءِ کرام معصوم تو ہوتے ہیں مگر عصمت انبیاء کا معنیٰ یہ ہے کہ گناہ کر سکتے ہیں مگر کرتے نہیں کہ انبیاء کو گناہ کی نہی وارد ہوتی ہے دیکھو یہاں فرمایا گیا لَا تَسْـَٔلْنِ۔ یہ نہی وجوبی ہے اور ایسے سوال گناہ ہیں اسی لئے منع فرمایا گیا (ایک گمراہ مولوی) جواب اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے۔ جس سوال سے منع فرمایا گیا وہ تو پہلے کر چکے ہیں پھر تمہاری عصمت کیا رہی۔ اور اگر انبیاء کو بھی بذریعہ نہی ہی گناہ سے روکنا ہے تو فاسق اور نبی میں فرق کیا رہا ممانعت سے مجرم بھی باز رہتا ہے۔ افسوس کہ تم نے نبوت کی قدر نہ کی تم بیوقوفوں کی ان ہی باتوں سے بہت سے گمراہوں نے سرے سے عصمت کا انکار ہی کر دیا اور وہ آپ سے اچھے رہے کہ ایسی عصمت سے تو انکار ہی بہتر ہے۔ ان منکروں نے عوام کو دھوکا تو نہ دیا تم نے تو اقرارِ عصمت کا جال پھیلا کر انکار کیا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ معصوم ہونے کا معنیٰ ہے کہ نبی گناہ پر قادر ہی نہیں گناہ کر سکتا ہی نہیں۔ یہ نہی وجوبی نہیں۔ بلکہ ترکِ فضیلت کی نہی ہے اور پہلا سوال کرنا خطاءِ اجتہادی ہے جس کا نہ کرنا بہتر تھا فرمایا یہ جا رہا ہے کہ اے نوح بہتر ہے کہ ایسے سوال نہ کرو۔ اگر یہ بات نہیں تو گناہ کا کفارہ کیوں نہ دلوایا اور وضاحت سے پہلے خود رب تعالیٰ نے جواب کیوں عطا فرمایا۔

دوسرا اعتراض نبی کی صحبت اور پاس رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ دیکھو نوح علیہ السلام کا بیٹا بدمعاش رہا۔ بیوی زانیہ بدکارہ رہی اسی طرح لوط علیہ السلام کی بیوی بھی زانیہ تھی اور یہ کہ نبی کو غیب نہیں ہوتا اگر ہوتا تو انہیں پتہ لگ جاتا کہ میری بیوی زانیہ ہے اور کنعان حرامی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے سورۃ تحریم آیت نمبر امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا ۔ ان دونوں بیویوں نے اپنے اپنے نبی خاوند سے خیانت کی اور بیوی کی خیانت یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاوند کا حق صحبت کسی اور کو دیدے۔ **جواب** روشن کلام بتا رہا ہے کہ یہاں خیانت سے مراد کفر ہے نہ کہ زنا۔ کیونکہ پہلے کفر کو ہی ظاہر فرمانے کا ذکر ہے نیز احادیث وتفاسیر سے ثابت ہو رہا ہے کہ نوح علیہ السلام کی یہ کافرہ بیوی۔ نوح علیہ السلام کی اس طرح خیانت کرتی تھی کہ خاوند کا حق ادب نہ کرتی تھی حضرت نوح کو دیوانہ کہتی تھی۔ اور حضرت لوط کی بیوی جاسوسی کرتی تھی کفار سے ملی رہتی تھی (نور العرفان) نبی کی بیوی کافرہ ہوسکتی ہے فاحشہ نہیں ہوسکتی (کبیر۔ معانی۔ صاوی۔ جلالین۔ خازن۔ بیان۔ جمل۔ مظہری۔ سراج منیر) **تیسرا اعتراض** انبیاء بھی انسان ہی ہوتے ہیں اور کوئی انسان بھی اس پر قادر نہیں ہوسکتا کہ ہر وقت اس بلند ترین معیار کمال پر قائم رہے جو مومن کے لئے مقرر کیا گیا ہے بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ انسان بھی تھوڑی دیر کے لیے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے (مودودی) لہٰذا انبیاء سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں جس طرح کہ دوسرے عام انسانوں سے **جواب** جہلاء زمانہ کی بدبختی کو کیا جائے کہ وہ مقام نبوت نہیں جان سکا۔ اپنی جہالت سے اندھا بن کر نبی کو عام ترازو میں تولنا چاہتا ہے۔ یہ عقیدہ بنانا کفریہ تو ہوسکتا ہے کوئی اس گمراہی کو نہیں مان سکتا اس لئے کہ نبی کبھی بھی بشری کمزوری سے مغلوب نہیں ہوسکتا وہ ہمیشہ ہر آن بلند ترین معیار کمال پر قائم رہتا ہے جو معیار ہر مومن کے لئے مقرر ہے اس سے بھی کروڑوں درجے بلند معیار نبوت کا ہوتا ہے جس پر ہر آن نبی فائز اور قائم رہتا ہے۔ یہ کہنا انتہائی بدتمیزی ہے کہ انبیاء بھی انسان ہی ہوتے ہیں۔ کہنا یہ چاہیئے تھا کہ انبیاء انسان بھی ہوتے ہیں۔ جو شخص بارگاہ نبوت میں ہی اور بھی کا فرق نہ سمجھے اس میں شیطانیت نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر نبی صرف انسان ہی ہوتے اور بشری کمزوری سے مغلوب ہو جایا کرتے تو حضرت نوح کو اس طرح تنبیہ نہ فرمائی جاتی بلکہ عام انسانی خطاؤں کی طرح درگذر کی جاتی یہ مشفقانہ عتاب ہی بتا رہا ہے کہ نبوت کی شان جداگانہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ مقام انوار میں پہنچا کر رب جلیل اپنے عبد خلیل کا امتحان لیتا ہے بندہ پکارتا ہے وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ۔

نوح روح نے ندا کی اپنے مربی حقیقی کو تو عرض کیا اے میرے رب میرا وہ نفس جسدی جو روح وقالب کے ازواج اور ملاپ سے نکاح سری کے ذریعے پیدا ہوا تھا وہ میرا ہی اہل تھا۔ اور بے شک تیرا وعدہ ازلیہ نجاتِ مصائب وآلام کا برحق اور سچا ہے اس طرح کہ جب رب تعالیٰ نے اپنی حکمتِ فائقہ سے ارادہ فرمایا کہ اعلیٰ علیین کی ارواح مقدسہ کو مقام علو سے

اس کے پڑوس جسد اسفل السافلین کے قرب میں اتارے تو انبیاء اولیاء اور خواص الخواص کی روحوں نے بارگاہ
لم یزل میں عرض کیا اے ہمارے رب ہم کو اپنے قرب خاص کے مقام سے اپنی دوری کی درکات اسفل کی طرف اتارتا
ہے عالم بقا سے عالم فنا کی طرف دار سرور سے دار حزن کی طرف دار لقا سے دار فراق کی طرف دار رحمت سے دار بلا کی
طرف۔ منزل وصل سے منزل نسل کی طرف منزل تجرد اور خلوت سے منزل تناسل اور جلوت کی طرف مقام اجتبا سے مقام
ابتلا کی طرف رتبہ اصطفا سے رتبہ اجتہاد کی طرف نازل فرماتا ہے تو وعدہ کیا تھا رب کریم نے اپنے احسان کے الطاف
عمیم سے کہ ضرور تم کو اور تمہارے اہل کو ہلاکت بُعدی کے بھنور سے نجات ہوگی پھر جب روح قدس کے حکمت خالق
سے چار بیٹے روحانی اور لطیف پیدا ہوئے تین مومن ایک کافر ۱ قلب ۲ سر ۳ عقل مومن ۴ نفس امارہ کافر تو مثل نوح
تین بیٹے کشتی قرب میں سوار ہو کر حیات پا گئے اور نفس کنعان مشاہدات شرعی کی کشتی سے مُغْرَبِیْن یعنی دوری میں رہا۔
اور جب طوفان فتنہ اور بحر دنیا میں نفس گم ہو کر فنا کی آغوش میں چلا گیا تب عرض کیا مولیٰ کیا یہ نفس میرے حصہ
جسدی میں سے نہ تھا اور تیرا وعدہ نجات ابدیہ تھا۔ تو عادلوں سے زیادہ عادل حاکموں سے بہتر حاکم ہے تیرے سب افعال
عین حکمت ہیں جواباً قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ
اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ۔ فرمایا اے نوح روح وہ نفس خبیثہ تیرے انوار دینی اور ملت
قرب کا اہل نہیں۔ اہلیت دو قسم کی ہے ۱ اہلیت قرابت اور ۲ اہلیت دین وملت یہاں پہلے نفی قرابت ہے کیونکہ تمام
جسم کی طرح نفس کی نشوونما بھی بطفیل روح ہے یہی ولادت معنوی ہے۔ پھر نفی اہلیت دینی ہے کہ وہ خود پرستی کی بدعملی
میں ہے وہ خلقتاً امارہ گناہ ابدیہ ہے اے روح اہل قرب کے لئے شہنشاہ کی بارگاہوں کا ادب یہ ہے کہ جس کا تجھ کو علم
حقیقی نہ ہو اس کے بارے سوال نہ کرنا کہ اہل قرب کے لئے خاموشی عین عبادت ہے کلام ہی حجاب ہے کلام بقا کا نشان
مگر وہاں فنا میں نجات ہے۔ یہ ہمارا ہی کرم ہے کہ لطف لطیف کی طرف سے شفقت کی نصیحت ہے اس بات سے کہ اے روح
قدس جاہل ظالم نفسوں کے ساتھ رہے اس لئے کہ روح اعلیٰ جب نفس سفلی اور اس کی خواہشوں کی متابعت میں رہے تو
وہ روح ادنیٰ ہمت جاہل طبیعت والی ہے قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ
وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۔ نوح روح نے عرض کی اے میرے حقیقی ازلی ابدی مربی میں توبہ کرتا ہوں
تیری پناہ میں کہ نفس ممتحنہ کی نجات کا سوال کروں ان شہوات دنیا آفات عقبیٰ طوفان فتنہ سے جس کا علم باطنی حقیقی مجھ کو
نہیں ہے۔ اگر تو ہی انوار مغفرت سے میری تائید نہ فرمائے اور اپنی ہدایت کاملہ وعاجلہ سے مجھ پر رحم نہ کرے میری عاجزی
کو نہ سنبھالے تو میں دونوں جہان اور عالم تجلیات کے نقصان والوں میں رہ جاؤں۔ کیونکہ رحمت رب خسارے کو روکنے
والا ہے یہ قانون حکمت ہے کہ جو مسلمان امتحان میں ہو اس سے اسرار مناجات لطائف خطاب حقائق مکاشفات چھپائے
جاتے ہیں اور ضروری نہیں کہ اس پر نجات ازلیہ کا حکم سابق جاری ہو۔ وہ ادراک مراد سے محروم اور محل بلوغ سے ساقط

رہتا ہے۔ عمل غیر صالح یہ ہے کہ معرفت و رسالت و قربت نہ ملے۔ جاہل وہ ہے جو قدر الٰہی سے ناواقف ہو اور اپنے اہل کی عادات سے غافل روح کو عالم اسرار میں سب کچھ بتا دیا تھا اب بھولنے پر مشفقانہ نصیحت ہے کہ تو اب جاہل نہ بن۔ اگر رب کرم نہ فرمائے تو ہر شخص حقائق معرفت کی بے علمی کے خسارے میں آسکی لئے بندے کو مثل نوح روح کے ہمہ وقت توبہ کے آستانے پر رہنا چاہیئے۔

قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى

کہا گیا اے نوح اتر جاؤ سے سلامتی طرف سے ہماری اور برکتوں پر تم اور پر امتوں سے ان جو

فرمایا گیا اے نوح کشتی سے اتر ہماری طرف سے سلام اور برکتوں کے ساتھ

اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ

ساتھ تمہارے اور امتیں عنقریب نفع دیں گے ہم ان کو پھر پہنچے گا ان کو

جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ کچھ گروہوں پر اور کچھ گروہ وہ ہیں جنہیں ہم دنیا برتنے دیں

مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ

طرف سے ہماری عذاب دردناک یہ ہے خبر یا غیب کی وحی کرتے ہیں ہم ان کو طرف آپکی

گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا یہ غیب کی خبریں

اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ

نہیں تھے آپ جانتے ان کو خود بخود اور نہ قوم آپ کی سے پہلے اس بتانے

ہیں ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں انہیں نہ تم جانتے تھے نہ تمہاری قوم اس سے پہلے

هٰذَا ؕ فَاصْبِرْ ؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِلٰى عَادٍ

تو صبر کرو بیشک اچھا اخیر ہے بچنے والوں کے اور طرف عاد کی

تو صبر کرو بے شک بھلا انجام پرہیزگاروں کا اور عاد کی طرف ان کے

اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

ہود کو کہا	اے میری قوم اللہ کو پوجو عبادت کرو تم اللہ کی نہیں ہے	
ہم قوم ہود کو	کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا	

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝۵۰

لیئے تمہارے کوئی لائق عبادت سوا اس کے نہیں تم مگر خود بنا لینے والے	
کوئی معبود نہیں تم نرے مفتری ہو	

تعلق پچھلی آیات کا ان آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں طوفان کی ابتدا اور کشتی پر چڑھنے کا ذکر تھا۔ اب طوفان کی انتہا اور اختتام اور کشتی سے اترنے کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں کفار کے مرمٹنے کا ذکر تھا کہ طوفان سے کفر کو فنا کر دیا گیا ان کی برکتیں دنیوی نفع سب ختم۔ اب ان آیات میں مومنوں کی سلامتی اور برکتوں کا ذکر ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں ان کافروں کا ذکر تھا جو حضرت نوح کی قوم سے تھے اب اس جگہ ان کفار کا بھی ذکر ہوا جو آئندہ ہوں گے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں نوح علیہ السلام کا قصہ اور کفار کی آذیتیں ھٹ دھرمیں سنا کر اپنے پیارے حبیب کو تسلی دی گئی اور مسلمانوں کا غم دور کیا گیا تھا اب اِن آیات میں ایک اور نبی اور ایک اور کافر ضدی قوم کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ تاکہ پتہ لگے کہ مکے کے کافر ہی ایسے نہیں ہیں پچھلی امتیں بھی ایسا ہی سلوک کرتی رہی ہیں۔

تفسیر نحویانہ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۔ قیل فعل مجہول ماضی مثبت اگلا جملہ اس کا مقولہ ہے یا حرفِ ندا۔ منادیٰ اللہ تعالٰی ہے چونکہ بلا واسطہ نہیں اس لئے یانوح سے قبل قیل مجہول آیا۔ اھبط هَبْطٌ سے مشتق ہے بمعنی جسماً اترنا بسلام میں ب سببیہ ہے سلام بمعنی سلامتی۔ مِنَّا دو لفظ ہیں ایک حرفِ جار مِنْ ابتدائیہ بمعنی طرف سے نا ضمیر جمع متکلم کا مرجع رب تعالٰی واؤ عاطفہ برکات معطوف ہے بسلام کیطرف جمع ہے برکت کی عَلَيْكَ جارہ بمعنی فوقیت کَ ضمیر واحد حاضر کا مرجع نوح علیہ السلام واؤ عاطفہ اُمَمٍ جمع ہے امت کی بمعنی قبیلہ یا ماتحت مِمَّنْ دو لفظ ہیں مِنْ جارہ اور مَنْ موصولہ اگرچہ ذوی العقول کے لئے آتا ہے مگر یہاں عمومیت کے لیئے ہے مَعَكَ مع ظرفیت کا مضاف ہے کَ ضمیر کا مرجع حضرت نوح۔ مضاف الیہ ہے وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ واؤ ابتدائیہ ثم ظرف تراخی کے لئے ہے نُمَتِّعُ فعل مضارع جمع متکلم مرجع ذات باری ہے هُمْ کا مرجع اُمَمٌ ہے اس امم سے مراد صرف

انسانی گروہ بخلاف پہلے امم کے کہ وہاں کل مخلوق مراد تھی ثُمَّ تراخی بعید کے لئے ہے۔ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۔ تِلْكَ اسم اشارہ تانیث کے لئے ہوتا ہے مگر یہاں غیر ذوی العقول کے لئے ہے مِنْ بعضیت کا ہے ابناء جمع ہے نَبَاءٌ کی بمعنی خبر مضاف ہے الغیب الف لام عہد ذہنی ہے غیب ہر وہ چیز ہے جس کو انسانی حواس خمسہ نہ جان سکے نُوْحِیْ فعل مضارع وَحْیٌ سے مشتق ہے مراد وحی جلی ہے یعنی نزول قرآن ھا کا مرجع اَنْۢبَآءُ الٰی حرف جار ظرفیت کے لئے كَ ضمیر سے مراد نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں مَا كُنْتَ تَعْلَمُ فعل ماضی استمراری منفی واحد حاضر فاعل نبی کریم علیہ السلام ھا ضمیر واحد غیب مگر جمع غیر عقلی کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ اَنْتَ ضمیر تاکید کے لئے نہیں بلکہ عطف کے لئے ہے کیونکہ ضمیر متصل پر اسم ظاہر منفصلہ کا عطف نہیں ہو سکتا لا حرف عطف تاکیدی قَوْمُ اَنْتَ کا معطوف ہے۔ مراد صحابہ کرام مِنْ بیانیہ قبل اسم ظرف مضاف ہے ھٰذَا مضاف الیہ اسم اشارہ قریب ہے اس لئے قبل کو جر آیا ھٰذَا کا مشار الیہ زمانہ حال ہے فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ فا تعقیبیہ اِصْبِرْ امر حاضر۔ مخاطب نبی کریم ہیں اِنَّ حرف تحقیق بیان علت صبر کے لئے ہے عَاقِبَةُ سے آخرت کی زندگی یعنی حیات مراد ہے وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ واؤ سر جملہ الیٰ حرف جر بتا رہا ہے کہ کوئی فعل پوشیدہ ہے۔ جس کا قرینہ سابقہ ہے یعنی بَعَثَ ماضی پوشیدہ عَادٌ ایک قوم کا نام ہے جد اعلیٰ ابو عاد کے نام پر یہ نام ہوا اَخَا اَخٌ کی نصبی حالت ہے مراد رشتے دار ہم قوم۔ ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع عاد ہے جو اگرچہ لفظاً واحد ہے مگر معنیً جمع ہے۔ ھود مفعول بہٖ ہے فعل پوشیدہ بَعَثَ یا بَعَثْنَا یا اَرْسَلْنَا کا ان کے نبی اکرم کا اسم پاک ہے۔ قَالَ کا فاعل ھود ہیں۔ یٰقَوْمِ کا جملہ مقولہ ہے دراصل تھا یا قَوْمِیْ یاء متکلم بوجہ ثقل گرا دی گئی اُعْبُدُوْا اللہَ امر جمع ہے عَبْدٌ سے مشتق ہے بمعنی بے سوچے سمجھے کسی کو معبود سمجھ کر کہنا ماننا۔ اللہ ذات باری تعالیٰ اسم اعظم ہے مفعول بہٖ ہے اُعْبُدُوْا کا۔ مَا نافیہ لَكُمْ میں لام جارہ بوجہ علت ہے۔ مِنْ استغراقیہ ہے۔ اِلٰهٍ اَلَهٌ سے بنا۔ یہاں نکرہ ہے۔ غَیْرُ بعض کے نزدیک حالت رفع سے ہے اللہ کے محلی اعراب سے اس کی صفت ہے لفظ اللہ پوشیدہ مَوْجُوْدٌ کا نائب فاعل ہے۔ دراصل تھا مَوْجُوْدٌ لَكُمْ اِلٰهٌ غَیْرُهٗ۔ بعض نے کہا غیر کو زیر ہے کہ یہ صفت ہے اِلٰہ کے ظاہری اعراب پر ہٗ ضمیر کا مرجع ذات پاک ہے اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۔ ان حرف شرط بمعنی ما نافیہ ہے انتم ضمیر مرفوع منفصل ہے اِلَّا حرف استثنا نے نفی توڑ دی مُفْتَرُوْنَ فَرْیٌ سے مشتق ہے بمعنی خود ساختہ عملاً یا قولاً باب افتعال کا اسم فاعل بصیغہ جمع ہے۔

تفسیر عالمانہ قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَ عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۔ ——— جودی پہاڑ پر کشتی کے ٹھہرنے کے بعد کہا گیا یا اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا اور یہی قوی ہے بِسَلٰمٍ مِّنَّا کے قرینے سے یا جبرئیل

امین نے کہا یا ملائکہ مدبرات امر نے کہا جو خدمت میں مقرر تھے اے نوح اترو یا اتارو۔ پہلی صورت میں لازم ہے اور مصدر ھبوط بروزن فعول ہے۔ دوسری صورت متعدی ہے اور مصدر ھَبْطٌ بروزن ضَرْبٌ ہے کشتی سے ابھی جبکہ ٹھہری ہے۔ بعض نے فرمایا کہ حضرت نوح کشتی میں ہی رہتے رہے حالانکہ کشتی جودی پر ٹھہر چکی تھی آپ نے سب جانوروں کو تو آزاد کر دیا مگر خود قیام وہیں رکھا کیوں کہ کوئی اور مکان روئے زمین پر نہ تھا یا آپ انتظار فرماتے رہے کہ جب سوار ہوتے تھے تو رب تعالیٰ کے حکم سے اب اتریں گے تو اسی کے حکم سے جب ہمارا کریم علیم حکیم رب ہمارے ساتھ ہے تو اپنی مرضی کیوں کریں۔ اس انتظار میں ایک ماہ گزر گیا تب یہ حکم آیا۔ یا کشتی کو تو اسی وقت چھوڑ دیا مگر پہاڑ سے نیچے ابھی دنیا میں پانی ہی پانی تھا۔ اس لئے پانچ ماہ تک آپ پہاڑ پر ہی رہے اور جنگلی خودرو اناج کھاتے رہے پانچ ماہ بعد جب پانی بالکل خشک ہو گیا تب یہ حکم آیا کہ جودی سے اترو یا ان سب مسلمانوں کو اتارو تاکہ دنیوی نظام میں مشغول ہوں۔ اس حال میں کہ اب سلامتی ہی سلامتی ہے۔ اب بادشاہت تمہاری ہے ہماری طرف سے یا اس شان سے کہ اے نوح اور ان کے ساتھیو غلامو تمہیں ہماری طرف سے اس نجات پر مبارک باد ہو۔ اور برکتیں ہوتی رہیں گی اے نوح تم پر اور ایک تفسیر کے مطابق ان امتوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ تو مومن شکر گذار ہیں ان کی نسلوں میں رزق میں کاروبار میں بے شمار برکتیں ہوں گی۔ پچھلی غربتیں یکسر ختم ہو جائیں گی کیوں کہ انھوں نے ہمارے نام پہ صبر کیا تو یہ انعام پایا۔ اب زمین کی بادشاہت انہی کی ہے۔ شعر

حملہ را رزاق روزی میدھد — قسمت ہرکس کہ پیشش می نہد
سالہا خوردی وکم نامد زخور — ترک مستقبل کن و ماضی نگر

(مثنوی) ہاں بعد میں تم میں سے کچھ گروہ پھر بری صحبتوں سے گمراہ ہو جائیں گے تو ان کو بھی اسی طرح کچھ دن عیش کی جھلکیں ملتی رہیں گی پھر دنیا میں ان کو چھوئے گا یا آخرت میں مکمل پہنچے گا ان کو ہمارے فیصلے سے دردناک عذاب ایک تفسیر یہ کہ روح البیان نے فرمایا کہ پہلی اُمَمٌ سے مراد نوح علیہ السلام کی نسل ہے اور دوسری اُمَمٌ سے مراد باقی مسلمانوں کی نسل ہے کہ کچھ عرصے بعد وہ سب مسلمان فوت ہو گئے اور بعد طوفان جو ان کی اولاد ہوئی وہ کافر ہوئی ان کو ہلاک کر دیا گیا صرف آپ کی نسل رہ گئی حضرت نوح نے اپنے تینوں مسلمان بیٹوں کو دنیا کے مختلف حصوں میں آباد ہونے کا حکم دیا۔ اور اس طرح ان تین بیٹوں سے ہی دنیا کی مکمل آبادی ہوئی اسی لئے نوح کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ جسطرح کہ نسل سادات زین العابدین سے چلی۔ روایت ہے کہ جب مسلمان کشتی سے اترے تو حضرت نوح نے کوے کو بھیجا کہ جا دیکھ کر آ کہ کہاں تک خشکی ہوئی ہے اور کافر بستیوں کا کیا حال ہے کوے نے ایک پہاڑ پر کسی کافر کی لاش دیکھی تو وہیں کھانے لگا اور خبر دینا بھول گیا بعد انتظار کبوتر کو بھیجا تو پہلی مرتبہ درخت زیتون کے پتے چونچ سے توڑ کر لایا۔ دوسری مرتبہ کیچڑ میں پیر ڈبو کر مٹی لگا کر لایا آپ نے پہچان لیا کہ یہ مٹی کس علاقے کی ہے اور کہاں تک پانی بالکل اتر

گیا اور کہاں تک کے صرف درخت ظاہر ہو سئے ہیں - آپ نے کبوتر کو دعادی اس لئے وہ انسانوں سے مانوس ہے آپ نے کوّے کو بددعادی اس لئے وہ انسانوں سے ڈرتا ہے دور دور رہتا ہے - لمبے سفروں میں پڑا رہتا ہے اسی سفر کی وجہ سے اس کو غراب کہتے ہیں غراب البین بھی اسی لئے نام ہوا کہ یہ حضرت نوح سے بلا اذن جدا ہوا - (حیوات الحیوان - روح البیان) واللہ اعلم - جودی پر اتر کر سب سے پہلا کام آپ نے روزے رکھنے کا کیا شکریہ میں سب نے ایک روزہ رکھا - شام کو سب جمع شدہ مختلف غلہ پکا کر افطار کیا - علماء فرماتے ہیں اس دن تا قیامت غلے کی برکت نوح علیہ السلام کی وجہ سے ہے اور اس عاشورے (دس محرم) کے دن آبِ زمزم کی تمام دنیا میں روانگی حضرت امام حسین رضی کی وجہ سے ہے حضرت نوح پانی کے ڈھلنے کے ساتھ اترتے آتے تھے چنانچہ آپ نے کچھ نیچے اتر کر ایک بستی بنائی جس کا نام آپ نے آٹھ اہل بیت کے نام پر قریۃ الثمانین رکھا حضرت ابن عباس نے فرمایا - اہل بیت کے ہر فرد نے اس بستی میں اپنا اپنا محلہ بنایا اور دیگر مسلمانوں کو بانٹ کر اپنے ساتھ رکھا اس لئے اس گاؤں کا نام سوق الثمانین بھی ہوا ایک ماہ تک آپ جودی پر ٹھہرے کہ کشتی آپ کا رہائشی مکان رہا پھر وہ بستی بنائی اس میں تین ماہ رہے پھر نیچے اترے تو پہلا قیام موصل میں ہوا (معانی) بَرَكَاتٌ کی واحد بَرَكَةٌ ہے بَرْكٌ سے بنا بمعنی صدور کی جگہ - اسی لئے چشمے کو برک الماء کہا جاتا ہے - ہر غیر محسوس زیادتی کو برکت کہا جاتا ہے اللہ کو تبارک کہا جاتا ہے اسی لئے کہ اس کی فضیلتیں کسی کے احساس اور شمار میں نہیں آ سکتیں دوسری تفسیر کے مطابق پہلی امم سے مراد قیامت تک کے مومن ہیں اور دوسرے امم سے مراد تا قیامت کفار ہیں اور تیسری تفسیر کے مطابق پہلی امم سے مراد قوم نوح - قوم ہود قوم صالح - قوم لوط - قوم شعیب کے مومن ہیں اور دوسری امم سے مراد ان ہی قوموں کے کفار ہیں - کامل مومنوں کے دلوں میں تو کوئی وسوسہ نہ تھا ذکر الٰہی میں مست و سرشار تھے - مگر بعض کمزور دلوں کو وہم نے ستایا کہ جب کشتی سے اتریں گے کہاں رہیں گے کیا کھائیں گے - سب مکان ٹوٹ پھوٹ چکے ہوں گے - زمین دلدل بن چکی ہو گی ان لوگوں کے ان خیالات باطلہ کو توڑنے کے لئے فرمایا گیا کہ اے نوح ان کو اتار دے پھر یہ دیکھیں کہ ہماری طرف سے کیسی سلامتی کتنی برکتیں کیسے شاندار رزق کیسی عظیم نسلیں کتنی رونقیں میسر ہوتی ہیں ہاں جن لوگوں نے ہم پر بھروسہ نہ کیا اور شیطانی وسوسے میں لگ گئے ان کی نسلوں سے ہم کچھ کو چند روزہ عیش دکھائیں گے پھر ان کی ناشکری بے توکلی اور کفرانِ نعمت کی وجہ سے ان کو عذاب الیم کی سزا دیں گے (کبیر) تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ - اے پیارے حبیب یہ نوح علیہ السلام کا واقعہ ان غیبی خبروں میں سے ہے جو وحی کرتے رہتے ہیں ہم آپ کی طرف خواہ وحی خفی سے خواہ جلی سے اس ہمارے بتانے سے پہلے نہ آپ ہی ان غیبوں کو جانتے تھے نہ آپ کی اُمت - ہاں وحی خفی سے تو آپ نے جانا اور جب وحی جلی آئی یعنی قرآن مجید کی یہ فصیح آیات تو تا قیامت سب اُمت نے جان لیا - مگر کافران سچے اور عبرت انگیز واقعات

کو اب بھی نہیں مانتے نہ ایمان لاتے ہیں بلکہ موجودہ بناوٹی توریتوں انجیلوں میں غلط اور گستاخانہ قصے لکھ دیتے ہیں۔ پس آپ صبر کیجئے کفار کی تکذیب پر جیساکہ صبر کیا نوح علیہ السلام نے اتنی دراز مدت کو یہ صبر ہی تقویٰ ہے اور اچھا انجام۔ دنیا میں فتح مندی سے آخرت میں کامیابی سے صرف متقیوں۔ صابروں کے لئے ہے۔ جیساکہ نوح علیہ السلام نے اور ان کی قوم نے اچھا انجام دیکھا۔ اس آیت میں صحابہ کرام اور غریب مہاجرین کو تسلی وتشفی دی جارہی ہے۔ کہ اے لوگو سدا ایک جیسا وقت نہیں رہتا۔ کہ باطل ظاہراً ہزار سال تک بھی مہلت اور ڈھیل پالے تب بھی آخر فنا ہے۔ مومن اور حق پرست ظاہراً کتنی ہی مصیبت میں ہو آخر حیات ابدی نصیب ہوگی اور دائمی آرام۔ شعر

سروش عالم غیبم بشارتے خوش داد
کہ کس ہمیشہ گرفتار غم نخواھد ماند
(حافظ شیرازی)

یعنی دنیا کی ہر شے فنا ہے نہ یہاں کے غم پر گھبراتے نہ یہاں کی خوشی پر اتراتے۔ یہاں کے زندہ باد بھی فضول یہاں کے مردہ باد بھی کچھ نہیں۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو عشق کا ٹیکہ لگ گیا اور دنیا وما فیہا سے مستغنی ہو گئے اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی بِعِشْقِکَ وَعِشْقِ حَبِیْبِکَ) یہ غیبی واقعات جن کو لوگ بہت دراز زمانہ گزرنے کی وجہ سے بھول چکے تھے یہ غیبی انباء ہیں جن کو تم اور تمہاری قوم اس قرآن سے پہلے نہ جانتے تھے انباء جمع ہے نَبَاءٌ کی نَبَاءٌ کے معنیٰ خبر مطلق اس لئے اضافت سے اس کو مقیّد کیا گیا۔ اب اس کی یہ قید لازمی ہوگئی لہٰذا اب مذکور نہ بھی ہو تب بھی مراد ہوگی اسی سے بنا ہے نبی یعنی غیب کی خبر دینے والا۔ غیب دو قسم کا ہے ۱ وہ غیب جس میں مخلوق کے علم اور واقع کا کوئی تعلق نہ ہو اس کو غیب مطلق یا غَیْبُہٗ کہتے ہیں ۲ وہ غیب جس میں مخلوق کا تعلق ہو۔ پہلا غیب خاص الخاص بندوں کو ملتا ہے۔ جیساکہ رب نے فرمایا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ مَنْ یَّشَآءُ۔ دوسرا غیب عام اولیاء اللہ کو بھی بلکہ قرآن پاک کی ان آیتوں کے ذریعے ہر مسلمان کو۔ پھر وحی جلی یعنی قرآن پاک کی ان غیبی خبروں کا علم ہر شخص کو اس وقت آتے گا جس وقت اس کو قرآن مجید آئیگا جسکو آج قرآن پاک کی سمجھ آ گئی اسکو آج ان غیبی خبروں کا علم آیا جسکو ایک صدی پہلے قرآن کریم کی سمجھ آئی اس نے ایک صدی سے پہلے ہی ان غیبی خبروں کو جانا پس سمجھ لو کہ جس ذات مقدس نے ازل میں قرآن پاک سیکھ لیا اور جسکو خلقت مخلوق سے پہلے ہی اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ کی سند مل گئی اور جو ذات بابرکات نزول قرآن سے پہلے ہر سال ماہ رمضان میں جبرائیل امین کے ساتھ دور فرماتی رہی۔ اس نے یہ سب غیبی واقعات سالہا سال پہلے ہی کیوں کر نہ جان لئے ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت میں اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ کو علیحدہ عطف سے بیان کیا لَا یَعْلَمُوْنَ یا مَا کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ سب کو ایک صیغے میں جمع نہ فرمایا۔ عطف نے بتایا کہ لاعلمی میں سب برابر کیونکہ معطوف علیہ معطوف کا حکم ایک ہوتا ہے مگر صیغے اور ضمیر کی تفریق نے بتایا کہ زمانۂ علم میں کروڑوں سال کا فرق ہے۔ نبی کریم کو ازل میں یہ غیب بتائے گئے جبکہ دیگر مخلوق کو نزول قرآن سے یہ غیب آئے ورنہ ان آیات سے تعارض لازم آتے گا (معانی تمزیدت تقوے کے تین درجے ہیں ۱ تمام شریعت

پر عمل ۲ نعمت پر شکر ۳ مصیبت پر صبر۔ یہاں تیسرا درجہ مراد ہے اور متقین سے مراد صابرین ہیں۔ نبی قوم کا نذیر ہوتا ہے۔ نذیر کے لئے ضروری ہے کہ خود غیب سے واقف ہو۔ حجاب اٹھے ہوں۔ نذیر کا کام ہے کہ مومنوں سے غیب کے پردے اٹھائے اور منکروں کو ان خبروں کے ذریعے انجام بد سے ڈراتے وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا ۔ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۔ یہاں کوئی فعل علیحدہ پوشیدہ نہیں بلکہ وہی پہلا فعل اَرْسَلْنَا جو قصۂ نوح علیہ السلام میں ابتداءً تھا۔ یعنی اور بھیجا ہم نے ھود علیہ السلام کو ان کی قوم عاد کی طرف جو ان کے قومی بھائی لگتے تھے علاقہ یمن میں یہ قوم آباد تھی عربی النسل تھی چوتھے دادا عاد سے اس قبیلے کا نام چلا تھا۔ اَخَا یعنی بھائی ہونے کا مطلب ہے قوم کے ایک فرد۔ ان کے شجرۂ نسب میں اختلاف ہے صحیح تر یہ ہے۔ ھود بن شالخ عبداللہ بن رباح بن خلود بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔ شالخ کا اصل نام عبداللہ تھا مومن موحد تھے عوص کا اصل نام عاد تھا بعض نے کہا کہ عاد عوص کے بیٹے تھے۔ تو شجرہ اس طرح ہوا ھود بن عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔ پھر یہ قبیلے کا نام ہوا۔ بعض نے کہا یہ عاد علاقے کا نام تھا نہ کہ کسی مرد کا۔ مگر یہ غلط ہے دونوں میں مطابقت اس طرح ہو سکتی ہے کہ پہلے مرد کا نام ہو پھر اس کی اولاد نے ہی علاقے کا نام رکھ دیا ہو۔ جیسے کہ ہند۔ سندھ۔ ملتان مشہور ہے کہ آدم علیہ السلام کے بیٹے پوتوں کا نام تھا اور جیسا کہ فی زمانہ عام طور پر بڑے لوگوں کے نام پر شہروں علاقوں کے نام رکھے جاتے ہیں۔ حضرت ھود کو بھی چالیس سال بعد تبلیغ کی اجازت ملی۔ چالیس سال تک آپ عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ آپ کی قوم بت پرست تھی اس لئے آپ نے پہلی تبلیغ ہی فرمایا اے میری قوم عبادت کرو تم اللہ تعالیٰ کی اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات میں بجز اس کے کوئی بھی معبود نہیں تمہاری عبادت کے لائق وہی ہے نہ کہ اس کا غیر۔ لہٰذا اسی کے لئے عبادت خاص کر دو یہ جو کچھ تم بت پرستی کرتے یہ تمہاری خود ساختہ چیزیں ہیں یا بناوٹی عقیدے ہیں یا ہاتھ کے بنائے ہوئے بت ہیں۔ اپنے ہاتھ سے بنا کر پھر ان ہی کو کہتے ہو کہ یہ بت جن کو ہم نے بنایا ہے ہمارے خالق ہیں کیسی صاف عقل میں آنے والی حماقت ہے جو تم کرتے ہو یا یہ افترا ہے کہ تم کہتے ہو بت پرستی کا حکم اللہ نے دیا ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** بارگاہِ خداوندی میں جو شان انبیاء کرام کی ہے وہ کسی کی نہیں۔ کہ جس کو وہ بددعا دیں وہ کبھی بچ نہیں سکتے اور جو ان کے ساتھ لگ جاتے وہ کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔ عزت نبی بچانے کے لئے اگر سارے جہان کو غرق کرنا پڑے تو قانون فطرت دریغ نہیں فرماتی یہ نبی ہی کی خواہش تھی کہ بڑا طوفان آیا سب کو غرق کر دیا مگر بچایا صرف ان کو ہی جو دامن نبی سے وابستہ تھے یہ فائدہ بِسَلٰمٍ سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** نبی کے صدقے کافر کو بھی نفع پہنچ جاتا ہے مگر صرف دنیوی یہ فائدہ سَنُمَتِّعُھُمْ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** انبیاء کرام اور خصوصاً ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے تمام غیوب

پر ازل سے ہی مطلع فرمادیا تھا اللہ تعالیٰ کے بتانے سے پہلے حضور اقدس کچھ نہیں جانتے تھے۔ دیگر لوگوں کو جو علم ملے وہ نزول قرآن کے بعد ملے یہ فائدہ اَنْتَ وَقَوْمُكَ کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** قصہ نوح علیہ السلام تو پہلی کتب میں مشہور تھا پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ غیب کی خبروں میں سے ہے تم اور تمہاری قوم اس قرآن سے پہلے نہ جانتے تھے۔ **جواب** تفسیر کبیر اور خازن نے اس کا ایک جواب یہ دیا کہ جو مشہور تھا وہ مجمل تھا تفصیل کسی کو معلوم نہ تھی تو یہ تفصیل بتائی گئی۔ دوسرا جواب یہ دیا کہ واقعہ نوح کتابوں میں لکھا ہوا تھا مگر چونکہ نبی کریم اور آپ کی قوم اَن پڑھ تھی اس لئے یہ واقعہ خود رب نے بلا پڑھے بتایا لہٰذا اس کو غیبی خبر کہا گیا۔ مگر یہ جواب قطعاً غلط ہے۔ چند وجہ سے پہلی یہ نبی پاک اَن پڑھ نہیں ہوتے دیکھو جب یہود مدینہ نے ایک زانی کی قرآنی سزا رجم پر اعتراض کیا تو نبی پاک نے فرمایا یہ سزا توریت میں لکھی ہے یہودی نے انکار کیا تو آپ نے فرمایا توریت لاؤ وہ توریت لاکر پڑھنے لگا اور لفظِ رجم پر انگلی رکھ لی آگے پیچھے سے پڑھ دی آپ نے فرمایا انگلی ہٹاؤ اس نے انگلی ہٹائی تو آپ نے فرمایا یہ لکھی ہے۔ اس پر وہ شرمندہ ہوا ہاں یہ ہے کہ نبی کریم نے دنیا میں آکر نہیں پڑھا اور نہ اظہار کبھی فرمایا۔ دوسری یہ کہ قوم میں بڑے بڑے پڑھے موجود تھے عبداللہ بن سلام تو انجیل و زبور و توریت کے زبردست عالم تھے فاروق اعظم نے ایک دفعہ توریت بارگاہ اقدس میں پڑھنی شروع کر دی۔ تیسری وجہ یہ کہ اگر یہ صحیح قصہ توریت وغیرہ کتب میں اسی طرح لکھا ہوتا اور امتی ہونے کی بنا پر اس کو غیبی خبر کہا گیا ہوتا تو یہودی عیسائی بلکہ کفار مکہ ان آیات کا مذاق اڑاتے کہ یہ کیسی غیبی خبر ہے جو کہ پہلے ہم کو معلوم ہے پس میرے نزدیک صحیح جواب یہ ہے کہ اس طرح سچا ہی واقعہ پہلے کسی کو معلوم نہ تھا نہ مجمل نہ مفصل صرف نوح علیہ السلام کا نام مشہور تھا ان کے ساتھ ایسے غلط قصے بنا رکھے تھے کہ معاذ اللہ سراسر گستاخی تھی چنانچہ پیدائش ص۱ باب ۹ آیت میں ہے کہ نوح نے شراب پی اور نشے میں ننگا ہو گیا اور سب نے ننگا وا دیکھا (توبہ نعوذ باللہ) یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی بھی گستاخی کی چنانچہ پیدائش باب ۶ آیت ۵/۶ ص۹ پر ہے خدا تعالیٰ انسان کو پیدا کر کے پچھتایا (ملول ہوا) اور دل میں غم کیا۔ معاذ اللہ اسی طرح کنعان کے بارے بہت غلط واقعہ ہے اور یہ تو اب موجودہ انجیلوں میں ہے جو ہر پانچ سال بعد تبدیل کی جاتی ہیں اس وقت تو غالباً بہت ہی گڑبڑ ہو گی اب تو قرآن پاک دیکھ کر پادریوں نے کچھ نہ کچھ صحیح بھی ملاوٹ کر لیا ہو **دوسرا اعتراض** قصہ نوح علیہ السلام تو سورۃ یونس میں بھی گزر گیا یہاں پھر تکرار کا کیا فائدہ **جواب** ایک ہی قصہ سے موقعہ محل کے اعتبار سے چند مقصد ہو سکتے ہیں۔ پہلی جگہ سورۃ یونس میں کفار مکہ کو اسبات کا جواب دیا تھا کہ تم عذاب کی جلدی مچاتے ہوتے ہو۔ تم سے پہلے قوم نوح نے بھی جلدی مچائی تھی تو ان کا یہ انجام ہوا۔ اور اب یہاں کفار مکہ کی ایذاؤں کی بنا پر مسلمانوں کی تسلی کے لئے یہ قصہ سنایا کہ دیکھو نوح علیہ السلام نے اور ان کی امت نے کفار سے کتنی ایذائیں پائیں۔ تو گویا کہ ایک ہی قصہ نوح وہاں کافروں کو سنایا یہاں مومنوں کو لہٰذا تکرار بے فائدہ نہ ہوئی۔

تیسرا اعتراض پہلے سمجھایا گیا کہ کافر کی قومیت مفید نہیں اور کافر اہل نہیں اسی قانون سے کنعان کو غرق کردیا یہاں حضرت ھود کو اَخَا عَادٍ فرماکر قومیت کو مفید بتایا۔ کفر کی قومیت کا تذکرہ کیا۔ اس کی وجہ کیا؟ **جواب** کفر کی قومیت واقعی مفید نہیں مگر یہاں اَخَا عَادٍ کہہ کر فائدہ نہیں بتایا جارہا ہے بلکہ کفار عرب کے اس وہم کا جواب دیا جا رہا ہے جو وہ کرتے تھے کہ بھلا وہ بھی کبھی نبی ہوسکتا ہے۔ جو ہماری قوم سے ہو ہم میں ہی پلے بڑھے پھر ہم پر ہی نبی بن بیٹھے جواباً فرمایا کہ یہ شروع سے ہی الٰہی قانون رہا ہے کہ ہر قوم میں قوم ہی کا ایک فرد نبی ہوتا ہے۔ لہٰذا اے کفار عرب یہ بات وجہ اعتراض نہیں ہوسکتی۔

تفسیر صوفیانہ قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّن مَّعَكَ وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ جب روح نے تواضع سے اقرارِ خطا کرلیا اور رجوع الی اللہ کیا تو مالک کبریائی نے عافیت و امن کا لباس پہنایا اور انوار قرب و بارگاہ عظمت میں شان و شوکت سے بلایا۔ الہام سرمدی سے کہا گیا اے نوح روح ہماری صفاتِ غیر خصوصیہ سے متصف ہوکر وادی تجلی میں اُتر آ سفینۂ حقیقیہ سے ابدی سلامتی میں جو ہماری طرف سے ہے اس کو کبھی فنا نہیں اور وصال کی برکتیں ہوں تجھ پر اور تیرے ان ازل کے ساتھیوں امتیوں پر جو قالوا بلیٰ سے عالم ارواح میں مومن بنے تھے اور تیری برکت سے تیری دوستی والوں کو بھی عذاب فرقت سے نجات ہے۔ لیکن آئندہ جوان لطائف میں کثافتیں پیدا ہوں گی۔ عنقریب وہ مقام فنا اور عالم سفلی سے کچھ دن نفع پالیں گی مگر مشاہدۂ جمال سے عالم بقا میں لذت نہ لے سکیں گی پھر حجاب کے عذاب فراق کے درد دوری بارگاہ کا غم محرومی لذات کے مصائب ان کو تا ابد ہماری طرف سے پہنچتے رہیں گے (عرائس البیان) مقام اسرار کی طرف سے کہا گیا کہ اے روح اتار لا تمام عاملین کاملین اعضاءِ ظاہری و باطنی کو محل خلوت کی تنہائیوں اور مقام ولایت کی بلندیوں سے اور استغراق فنا فی اللہ کے درجوں سے شاہ راہِ توحید میں تفصیل و تشریح نبوت کی طرف خلق سے ہٹ کر خالق کی طرف مشاہدات کی کثرت سے چشمۂ وحدت میں اس شان سے کہ نہ غضب ہوگا حق کے حجاب سے اور نہ ان کے کفران کی وجہ سے ان کی محجوبیت پر رضا ہوگی ایسی سلامتی کے ساتھ کہ کبھی کثرت حجاب نہ ہوگا اور نہ ہی نفس امارہ کے ظہور و غلبے کا خطرہ نہ ہدایت کے بعد گمراہی کا اندیشہ یہ سلامتی محض کریم کے کرم کی طرف سے ہوگی اور برکتیں ایسی کہ عدل کی بنیادوں پر قوانین شریعت کا ڈھانچہ بنے گا یہ کرم اے روح تجھ پر اور تیرے تابع فرمان اور تیرے دین کے مطیع تیرے طریقے کے ماننے والی امت پر لیکن جو فسادی دماغ و عقل سے پیدا ہوکر الگ گروہ بنالیں گے ہم ان کو صرف کچھ زمانہ حیات دنیوی کا مزہ و نفع دیں گے آخرت سے محجوب ہوں گے یہ امت تیرے ہی حامِ قلب و سامِ عقلِ نظری اور یافثِ عقلِ عملی اور نفس مطمئنہ کی بیوی کے اختلاط سے پیدا ہوں گی اے نوحِ روح تیری پہلی بیوی طبیعۃ جسمانیہ اور تیرا پہلا بیٹا کنعانِ وہم جو کوہِ دماغ کی پناہ پکڑتے تھے حوادثات نفس امارہ کی لہروں میں ڈوب چکے ہیں۔ تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ

ھٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَۃَ لِلْمُتَّقِیْنَ - اے روح کائنات کو منور کرنے والے نور منیر یہ واردات کشفیہ اسرار غیب کی خبریں ہیں۔ جو وحی نبوت اور الہام محبت تیری طرف ہم کرتے ہیں۔ کشف اور انبا دو قسم کا ہے ۱ اشباح یعنی جسد لطیف وکثیف کے دیوان غیب میں ظہور سے پہلے۔ یہاں تک کہ اہل کشف اسرار مکتوم کو نور غیبی سے دیکھے۔ اور دوسرا کشف وانبا وہ ہے جو اشباح فقری کے ظہور غیب کے بعد ہو اہل خبر وبصر جو دیکھے وہی سنے جو سنے وہی غیب ہو۔ اجرام کثیف داخل ہونے سے پہلے۔ مگر مشاہدے کا ذکر نہ ہو۔ تجھ کو تیری روح نور بننے سے پہلے پتہ نہ تھا لیکن بعد خلقت کے جانتا تھا نور کی پیدائش کے وقت ما کان وما یکون کا علم تجھ کو دیا گیا تیرے واسطے سے تیری قوم کو علم لدنی ملا یہ سب کچھ تسکین خاطر کے لئے ہوا پس صبر کے گھوڑے پر سوار ہو جا حقائق وجودی کے قرار کے لئے ہمت رفیعہ سے کیونکہ انجام خیر ان ہی متقیوں کا ہے جو وصال حق کی خاطر غیر حق سے بیزار ہیں جن کی نظریں جمال وجلال الٰہی کی طرف لگی ہیں۔ اس منیر کائنات کے لئے وہ غائب ظاہر ہوتے جس کو دیکھنے کی کسی مخلوق میں طاقت نہ تھی۔ کیونکہ یہ منیر امین اسرار ہے امانت دار ہی کو خزانہ غیب دکھاتے جاتے ہیں پس جو جتنا بڑا امین ہوگا اتنا ہی اس کا مکاشفہ زیادہ ہوگا انجام نجات اسی کو ملتا ہے جس نے تقوے کے ہتھیار سے طہارت کے زیور سے خود کو مسلح ومزین کیا وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۔ نوح روح کے بعد ہم نے ھود قلب کو اس کی قوم عادِ نفس کی طرف بھیجا ھود قلب عادِ نفس کا عالمِ باطن کا بھائی ہے اس لئے کہ دونوں قالب وروح کے ازدواج سے پیدا ہوتے ہیں پس جس طرح روح مومن قابل فیض حق تعالیٰ ہے اسی طرح قلب بھی قابل فیض ہے۔ اور لائق عنایات ازلیہ ہے۔ یہ قلب منور نفس اور اس کی صفات کو خطاب کرتا ہے کہ اے نفس ونفسانیات متوجہ ہو جاؤ عبودیت خالق اور طلب حق تعالیٰ کی طرف تمہاری عبادت اور رجوع کا بجز اس اللہ کے سوا کوئی مستحق نہیں تمہاری محبوبیت مطلوبیت کا تمہارا معبود ہی حق دار ہے کیونکہ وہ ہی تمہارا اور تمہارے واردات غیبی کا خالق ہے۔ اے بدنصیب نفس پرستو تم نے دنیا کی خواہشات اور دولت فانی کو معبود ومطلوب بنا کر بہت بڑا افترا کیا ہے (روح البیان۔ محی الدین ابن عربی اور عرائس)

یٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی
اے قوم میری نہیں مانگتا میں تم سے پر اس اجرت مگر پر اس کے پیدا کیا مجھ کو جس نے
اے قوم میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میری مزدوری تو اسی کے ذمہ
الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا
کیا پس نہیں عقل رکھتے تم اور اے قوم میری استغفار کرو تم
ہے جس نے مجھے پیدا کیا تو کیا تمہیں عقل نہیں اور اے میری قوم اپنے رب سے

رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا

رب اپنے سے پھر توبہ کرو تم طرف اس کی بھیجے گا آسمان سے پر تم زور کی بارش

معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع لاؤ تم پر زور کا پانی بھیجے گا

وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

اور زیادہ فرمائے گا تم کو قوت میں طرف قوت تمہارے اور نہ پھرو تم مجرم ہو کر

اور تم میں جتنی قوت ہے اس سے اور زیادہ دے گا اور جرم کرتے ہوئے

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ

بولے سب اے ہود نہیں لائے تم ہمارے پاس سے نشانیوں اور نہیں ہم سے چھوڑنے والوں

روگردانی نہ کرو بولے اے ہود تم کوئی دلیل لے کر ہمارے پاس نہ آئے اور ہم

اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

معبودوں کو اپنے سے کہنے تمہارے اور نہیں ہم لیے تمہارے سے ایمان لانے والوں

خالی تمہارے کہنے سے اپنے خداؤں کو چھوڑنے کے نہیں نہ تمہاری بات پر یقین لائیں

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے کفار کی طرف اتنا عظیم طوفان بھیجا کہ جس کی مثال نہیں۔ اس لئے بھیجا کہ کائنات کو انبیاء کرام کے گستاخوں منکروں کو عبرت حاصل ہو۔ اب فرمایا جا رہا ہے۔ ضدی کافر کو کسی سمجھانے بجھانے سے عبرت نہیں آسکتی انہوں نے نوح علیہ السلام کی گستاخیاں کر کے عذاب منگایا تو اب حضرت ہود کی مخالفت پر کربستہ ہیں دوسرا تعلق پچھلی آیات میں حضرت نوح کی تبلیغ کا طریقہ بتایا گیا تھا اب حضرت ھود کی تبلیغ کا طریقہ بتا کر مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ طریقہ تبلیغ اگرچہ قدرے مختلف ہوتا رہا مگر اصلاً سب کی دعوت ایک ہی تھی۔

تفسیر نحوی يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا یا حرف ندا قوم مرکب اضافی منادیٰ لَآ اَسْئَلُكُمْ مضارع منفی کُمْ ضمیر جمع حاضر مفعول بہ اَجْرًا مفعول دوم عَلَيْهِ متعلق ہے فعل مضارع۔ اِنْ نافیہ اَجْرِیْ مرکب اضافی یاءِ متکلم منصوب ہے اِنْ کی وجہ سے اِلَّا حرف استثناء جس نے سابقہ نفی کو توڑا عَلٰی جارہ اَلَّذِیْ اسم موصول فَطَرَنِیْ جملہ فعلیہ نون وقایہ۔ یاءِ متکلم مفعول بہٖ۔ صلہ ہے موصول کا۔ مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ اَفَلَا

تَعۡقِلُوۡنَ الف ہمزہ سوالیہ ہے لَا تَعۡقِلُوۡنَ مضارع منفی مخاطبین اہل قوم کے معززین ہیں وَیٰقَوۡمِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ یُرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا وَّیَزِدۡکُمۡ قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمۡ وَلَا تَتَوَلَّوۡا مُجۡرِمِیۡنَ۔ واؤ عاطفہ ہے۔ قوم منادیٰ اسۡتَغۡفِرُوۡا امر حاضر جمع ہے اس کا فاعل قوم والے ہیں غَفۡرٌ مادہ صحیحہ سے مشتق ہے اس کے چند معنی ہیں یہاں مراد کفر کی بخشش اور توبہ ہے۔ رَبَّکُمۡ مفعول بہ ہے امر حاضر کا ثُمَّ حرف تعقیب کے لئے ہے تُوۡبُوۡا۔ تَوۡبٌ سے مشتق ہے بمعنی رجوع کرنا۔ اِلٰی ظرفیہ مکانی کے لئے ہے ہٖ کا مرجع ذات باری۔ یُرۡسِلۡ فعل مضارع۔ یا بمعنی حال ہے تو یہ جملہ فعلیہ ہٖ ضمیر کی صفت ہوگی اور مرفوع ہوگا اور یا بمعنی مستقبل تو سابقہ جملہ شرطیہ ہوگا اور یہ اس کی جزا اور مجزوم السَّمَآءَ لغوی معنی مراد ہیں یعنی بلندی۔ یہاں حرف مِنۡ جارّہ پوشیدہ ہے۔ دراصل تھا۔ مِنَ السَّمَآءِ یعنی بلندیوں کی طرف سے مِدۡرَارًا درٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے۔ بروزن مضراب اسم آلہ نہیں بلکہ بروزن معطار و مقدام ہے بمعنی بہت زور کی بارش مبالغے کا صیغہ ہے۔ وَیَزِدۡکُمۡ واؤ عاطفہ ہے۔ یَزِدۡ دراصل یَزِیۡدُ تھا یُرۡسِلۡ جزا مجزوم پر عطف کی وجہ سے یہ دال مجزوم ہوئی اجتماع ساکنین کی وجہ سے درمیانی یا۔ گرگئی کُمۡ مفعول بہ اول ہے قُوَّۃً مفعول بہ دوم۔ اِلٰی حرف جر بمعنی عَلٰی ہے قُوَّۃِ مضاف ہے طرف کُمۡ ضمیر کے پہلا لفظ قوت نکرہ ہے دوسرا معرفہ کیونکہ ضمیر کی طرف مضاف ہے۔ وَلَا تَتَوَلَّوۡا۔ واؤ تعلیلیہ ہے لَا تَتَوَلَّوۡا فعل نہی ہے۔ بصیغۂ جمع وَلّیٌ یا وَلۡوٌ یا وَلۡیٌ سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا۔ مجرمین اجرام مصدر کا اسم فاعل جمع ہے۔ حال ہے فعل نہی کے فاعل کا قَالُوۡا یٰہُوۡدُ مَا جِئۡتَنَا بِبَیِّنَۃٍ وَّمَا نَحۡنُ بِتَارِکِیۡۤ اٰلِہَتِنَا عَنۡ قَوۡلِکَ وَمَا نَحۡنُ لَکَ بِمُؤۡمِنِیۡنَ۔ قَالُوۡا فعل ماضی جمع ہے اس کا فاعل قوم ھود کے معززین سردار ہیں۔ یٰہُوۡدُ یہ جملہ ندائیہ مقولہ ہے۔ ما موصولہ جِئۡتَ فعل ماضی واحد حاضر کا صیغہ نَا یا مفعول بہٖ یا مفعول فیہ ہے بِ جارّہ بعضیت کے لئے ہے بیّنات جمع ہے بَیِّنٌ کی۔ واؤ حالیہ مَا نافیہ ہے نَحۡنُ ضمیر مرفوع منفصل جمع متکلم ہے بِتَارِکِیۡ با جارّہ تارکی تَرۡکٌ کا اسم فاعل بصیغہ جمع ہے مذکر سالم ہے دراصل تھا تارکین نون اضافت کی وجہ سے گر گئی اٰلِہَۃً مضاف الیہ بھی ہے تارکی کا اور مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم کا۔ الٰہ کی جمع ہے۔ عَنۡ جارّہ تعلیلیہ ہے قول مصدر ہے مضاف ہے کَ ضمیر واحد حاضر کا مرجع حضرت ھود علیہ السلام ہیں واؤ عاطفہ مَا نَحۡنُ کا جملہ معطوف ہے۔ ما نافیہ نحن ضمیر جمع متکلم لَکَ لام حرف جر بمعنی عَلٰی ہے یہ جار مجرور اور پہلا جار مجرور تَارِکِیۡ کا متعلق ہے مگر ایک قول میں لَکَ متعلق مقدم ہے بمومنین کا اور عَنۡ قَوۡلِکَ متعلق ہے تارکی کا بعض نے کہا وہاں صادرین پوشیدہ ہے بِمُؤۡمِنِیۡنَ با جارّہ بعضیت کا۔ مُؤۡمِنِیۡنَ جمع مذکر سالم ہے مُؤۡمِنٌ۔ کا ایمانٌ باب افعال کے مصدر سے بنا ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰقَوۡمِ لَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا ؕ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ۔ اے میری قوم میں اپنی اس تبلیغ رسالت پر توحید باری تعالیٰ کے درس پڑھانے پر تم سے کچھ اُجرت

نہیں مانگتا یہی تمام انبیاء عظام نے اپنی قوموں کو فرمایا سچے نبیوں اور سچی تبلیغ کی یہی شان ہے۔ نہ جائز اجرت یعنی حق المحنت مانگتے ہیں کہ صحیح مسئلہ بتائیں اور اس پر تنخواہ طلب کریں نہ ناجائز اجرت کہ غلط مسئلہ بتا کر رشوت لیں یعنی مجھ کو بالکل بھی تمہاری دولت کی پرواہ نہیں نہ مجھ کو تمہاری ذاتی حلال کمائی مال دولت سے دکھ ہے۔ تم کو تمہاری دولت مبارک رہے میں ایک آنکھ اٹھا کر بھی اس طرف نہیں دیکھتا کیونکہ نہیں ہے میرا اجر اور اس تبلیغی محنت کا بدلہ مگر اسی ذات کریم کے ذمہ کرم پر جس نے مجھے پیدا کیا اور فطرت نبوت وخصائل حمیدہ عطا فرماتے۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ کہ کائنات پر نظر دوڑا کر توحید باری تعالیٰ کا پتہ لگا کر میری بات کی تصدیق کرو اور مومن خالص بن جاؤ یا تم اس بات کو عقل سے نہیں سوچتے کہ ہم گروہ انبیاء دنیوی مال وجاہ اور ثناء مخلوق کی قطعًا لالچ نہیں رکھتے اور تمام مخلوق سے اچھے اوصاف اور خالق ہمارے رب نے ہمارے پیدا کئے ہیں۔ یہی دلیل نبوت ہیں میں تم سے کوئی ایسی بات نہیں کرتا جو تمہاری عقلوں کو متحیر کر دے میں سیدھی سادھی عقل میں آنے والی باتیں سنا رہا ہوں مگر تم عقل استعمال نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ تم میری بات ماننے پر تیار نہیں ہوتے۔ تم بے عقل جانور بھی نہیں کہ تم کو ایسا ہی چھوڑ دیا جاتے اللہ نے تم کو عقل دی ہے تو تم سوچتے کیوں نہیں۔ تم دنیاداروں کو دولت دنیا پیاری ہے تم کو یہ ڈر ہے کہ کہیں ہم تم سے دولت نہ مانگیں تو خوب سمجھ لو کہ ہم کو اللہ تعالیٰ اور آخرت سے پیار ہے ہم تم سے کچھ دولت نہیں مانگتے جو مال ودولت سے پیار کرے گا اس کو رب تعالیٰ دنیا کا مردار وفانی مال دے دیتا ہے۔ لیکن جو اس کی محبت اس کے خوف سے اس کے کام میں لگتا ہے تو اس کا بدلہ اخروی نعمتوں سے اسی کے ذمے ہوتا ہے۔ یہ تم کو تسلیم ہے کہ آسمان زمین کو اللہ نے پیدا کیا تو عقل سے سوچو کہ رزق ودولت بھی وہی دینے والا ہے۔ اس کی ذات پر کیوں بھروسہ نہیں کرتے۔ جب ہم نے بھروسہ کیا ہے تو تم بھی بھروسہ کرو۔ جب پیدا کرنا۔ زندہ کرنا۔ مارنا۔ پالنا۔ کھلانا۔ پلانا۔ سب اسی کے ذمے پر ہے اور اسی کی جانب سے ہے تو تمہارے دستی بنائے ہوتے بت پتھر کے کس طرح کس کام میں اس کے شریک ہوتے کیا تم اتنا بھی نہیں عقل سے سوچتے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہاری عقل ماؤف کر کے تم سے اپنی بات منواؤں۔ یا شعبدے دکھا کر قائل کروں نہیں میں تو تم کو دعوت غور وفکر دے رہا ہوں کہ جلد بازی نہیں محض عقیدت سے میری نہ مانو بلکہ خوب غور کرو سوچو۔ ضرور تمہاری سوچ تم کو میری بات ماننے پر مجبور کرے گی کہ آخر ایک شخص بلا کسی لالچ کے اتنی محنت مشقت عیش وآرام کو چھوڑ کر کر رہا ہے تو کچھ سچائی ہی ہے۔ اور یہ بھی فکر دل سے نکال دو کہ مسلمان ہو کر تم غریب ہو جاؤ گے بلکہ

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ۔ اور اے میری قوم آؤ میں تم کو ایمان لانے کا طریقہ بتاتا ہوں کہ سب سے پہلے تم استغفار کرو اور سابقہ ظلم شرک وکفر کی بخشش مانگو تاکہ اس کا جلال جمال میں تبدیل ہو جاتے۔ یہی ایمان لانا ہے یہ سب سے پہلے ضروری ہے پھر اس اللہ تعالیٰ معبود حقیقی سچے خالق مالک کی طرف جھک جاؤ رجوع اور رغبت کر دو ہر ایک محبت دل سے نکال دو۔

بتوں کی عبادت سے پکی توبہ کر لو۔ کیونکہ ایمان کے بعد مضبوط توبہ شرط ہے۔ پھر دیکھنا کہ اس ایمان کی برکت سے تم پر آسمان کی طرف سے کتنی موسلا دھار بارشیں نازل ہوتی ہیں جس سے فائدہ ہی فائدہ ہوگا کہ کھیتیاں۔ باغات پھل پھول غلاّ دانا اس کثرت سے ہوں گے کہ تم۔ تمہاری اولاد۔ تمہارے جانور اس روزی حلال رزقِ خدا کی وجہ سے خوش باش صحت یاب ہو جاؤ گے جس سے تمہاری نسل۔ جانور دولت۔ عزت سب میں ترقی ہوگی اور موجودہ قومی قوت سے کئی گنا زیادہ قوت ہوگی۔ وہ اللہ تعالیٰ رحیم وکریم تمہاری قوت پر قوت زیادہ فرماتا رہے گا۔ صرف اس کی طرف آکر تو دیکھو ابھی تک تم نے اپنی نفسانی عقلوں سے سوچ کر دولت کمائی ہے اور اسی دنیا کی فکر و پریشانی میں سرگرداں ہو۔ حرص و ہوس کے جال میں ایسے جکڑے گئے ہو کہ حلال و حرام کی پرواہ نہیں کرتے۔ ذرا ایمانی عقل سے چل کر دیکھو ابھی تک بتوں سے آس لگائے بیٹھے ہو ذرا رب تعالےٰ سے لَو لگا کر دیکھو ابھی تک شیطان کی مانی ذرا نبی کی مان کر دیکھو۔ ابھی تک کفر کے دروازے پر جھکے رہے ذرا نبی کے دروازے پر آکر دیکھو کہ خدا تعالےٰ کے علاوہ خدائی بھی تمہاری ہوگی یہ تو ایمان کی ابتدائی شرطیں اور اس کے انعام ہیں۔ انتہاء ایمان یہ ہے کہ پھر کبھی اس کرم کرنے والے کریم کے دروازے سے مجرم ہو کر نہ ہٹنا۔ یا اس کے مجرموں غداروں سے محبت نہ کرنا کہ ایک دل میں دو محبتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ دنیوی نعمتوں کا تذکرہ بھی حضرت ھود کی تبلیغ ہے۔ کیونکہ غلط سے صحیح۔ حرام سے حلال۔ ظلم سے عدل کی طرف مائل کرنا بھی ایمانی حکم ہے۔ یہاں بارش کا ذکر کیا گیا دریاؤں نہروں سیلابوں کا ذکر نہ کیا گیا چند وجہ سے۔ ایک یہ کہ دریا۔ نہر سے پانی کے حصول میں مشقت ہے اور انسانی فعل و محنت کا دخل ہے بارش میں یہ نہیں۔ دوسری یہ کہ نہری دریائی۔ سیلابی پانی میں حرام اور ظلم کا بھی اندیشہ ہے کہ کسی کی طرف سیلاب کا رخ پھیر دیا یا کسی کا حق مار کر خود پانی لے لیا۔ یا اس پانی پر ناجائز ٹیکس لگا دیا غریب نہ لے سکا۔ بارش میں یہ بات نہیں۔ تیسری یہ کہ۔ دریاؤں نہروں کا پانی بھی اگرچہ رب تعالےٰ کا ہی ہے مگر اس پر حکومتوں کا قبضہ بھی ہوتا ہے۔ بارش پر کسی کا قبضہ نہیں۔ چوتھی یہ کہ دریاؤں نہروں کنوؤں۔ سیلابوں کے پانی میں وہ تاثیر نہیں جو بارش کے پانی کی تاثیر ہے بارش نہ ہو تو مصیبت بن جاتی ہے۔ پانچویں یہ کہ دریا۔ نہر۔ کنواں۔ سیلاب صرف میدانی علاقوں میں پانی پہنچا سکتے ہیں مگر بارش میدانی۔ پہاڑی سب علاقوں میں۔ چھٹے یہ کہ نہر دریا کا پانی دھونس اور زور سے بھی لیا جا سکتا ہے۔ مگر بارش محض رب تعالےٰ کے کرم نبی کے معجزے اور ولی اللہ کی دعا سے ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دریا اور نہر کے لئے کوئی دعا نہیں کراتا بارش کے لئے دعا کرائی جاتی ہے۔ ساتویں یہ کہ دریا و نہر کا پانی صرف کھیت اگانے میں مفید ہے وہ بھی صرف جڑوں کو پہنچتا ہے مگر بارش کا پانی کھیت باغ کے علاوہ۔ موتی لعل یاقوت۔ بناتا ہے۔ موسم تبدیل کرتا ہے درختوں کو سنوارتا ہے بہاروں کو لاتا ہے۔ پھلوں میں مٹھاس پھولوں میں نکھار پیدا کرتا ہے۔ آٹھویں یہ کہ دریا و نہر کا کوئی کوئی حاجتمند مگر بارش کے ہر جگہ ہر شخص حاجتمند یہاں تک کہ کیڑے مکوڑے بھی۔ ثابت ہوا کہ ایک بارش ہی کروڑہا نعمتوں کے برابر ہے اس لیے بارش کا ذکر فرمایا۔ پھر وہ قوم کھیتی باڑی اور باغات کی دلدادہ تھی اس لئے ان کو راغب کرنے کے لئے بارش کا ذکر کیا کیونکہ

باغ اور کھیت واالاولاد کا بہت حاجت مند ہوتا ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ قوم عاد پر اکثر بارشیں بند رہتی تھیں اور قحط سالی کا نمونہ طاری رہتا تھا۔ کیونکہ وہ یمنی علاقہ انتہائی مشرقی تھا جہاں خشکی زیادہ ہوتی تھی اس وقت بھی جب یہ تبلیغ فرما رہے ہیں تین سال بارشیں بند اولاد یا تو ہوتی نہیں یا ہوتی ہے تو سوکھی سڑی۔ بیماری زدہ۔ اس لئے حضرت ھود نے سب سے پہلے استغفار کا حکم دیا کیونکہ استغفار کا وظیفہ رزق اور اولاد عزت وخوشحالی کے لئے اکسیر ہے۔ امام حسنؓ سے کسی نے تنگی اولاد کی شکایت کی تو آپ نے یہی وظیفہ بتایا۔ امیر معاویہؓ نے وجہ پوچھی تو آپ نے اسی آیت سے استدلال فرمایا یہ لطیفہ اس شخص کو مفید رہا اور اس کے دس صحت مند بیٹے پیدا ہوتے۔ ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ تم کو قوت ایمانی یعنی روحانی بھی ملے گی اور جسمانی بھی کہ تم میں اولیاء علماء بھی پیدا ہوتے رہیں گے اور نیک پاک دولت مند بھی۔ طاقتور صحت مند صاحب اولاد بھی۔ پس شرط یہ ہے کہ تم لوگ ایمان لاکر اس کے دروازے پر بندے بن کر پڑے رہو۔ مجرم بن کر پھر و مت۔ ایسی خوش خلق اور پیاری تبلیغ کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ فوراً ایمان لے آتے مگر ہوا یہ کہ دیگر جاہل لوگوں شیطانی عقل والوں کی طرح قَالُوْا مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّ مَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَ مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ یہی بولے وہ کافر لوگ اے ہود تم ہمارے پاس کوئی ایسا معجزہ ایسی نشانی نہیں لاتے جو تمہاری نبوت کو ثابت کرے اور سخت عناد اور دشمنی میں بولے کہ ہم فقط تمہاری ان لمبی چوڑی تقریروں سے تو اپنے ان پتھر کے معبودوں کو نہیں چھوڑیں گے۔ اور چونکہ بتوں پر ہمارا ایمان پختہ ہے اس لئے آپ جو کہ ہمارے بتوں کے دشمن ہیں ہم آپ پر کبھی ایمان نہ لائیں گے اس طرح کہ نہ آپ کی توحید مانیں گے نہ اللہ کو معبود جانیں گے نہ عقل سے سوچیں گے نہ علم سے کام لیں گے دین کے معاملے میں بالکل جاہل رہیں گے۔ یہی بیماری آج ہر پرست گمراہوں میں پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ کہ علماء سے عداوت علم سے نفرت عقلا سے دوری اور طرح طرح کے طعنے۔ کبھی کہتے ہیں۔ العلم حجابٌ اکبر کبھی کہتے ہیں دین مُلّا فی سبیل اللہ رب تعالٰے ہدایت دے۔ یہ جملہ استینا فیہ ہے اور قوم عاد کے امرا سرداروں کا کلام ابتداء دنیا سے یہ بات چلی آرہی ہے کہ جن لوگوں کو مال اولاد مل جاتا ہے وہی لوگ مغرور بے ادب گستاخ ہو جاتے ہیں۔ ہر سرکشی اور ظلم اور دین کے مقابلے میں بڑھ چڑھ کر وہی حصہ لیتے ہیں۔ بلکہ اچھی باتوں کو ماننے میں اپنی ذلت سمجھتے ہیں اور چونکہ غریب مزدور پیشہ ور لوگ ان ہی امراکے دروازوں سے بے غیرتی کی روٹی کھاتے ہیں اس لئے وہ بھی ان کے جی حضوری ہو جاتے ہیں بدیں وجہ چند ایک کی کفریہ گفتگو سب کی مانی جاتی ہے۔ رب تعالٰے فرماتا ہے۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ تمہارے مال واولاد فتنہ ہی ہیں۔ کیونکہ ان سے دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ۱۔ یہ کہ دشمن چور ڈاکو کے سامنے بزدلی سکھاتے ہیں اور کنجوسی لاتے ہیں کہ امیر جتنا زیادہ ہوگا بزدل بھی اتنا ہی ہوگا۔ صاحب اولاد اکثر کنجوس اور بزدل ہوتے ہیں۔ ایسا ہی حدیث پاک میں آتا ہے دوسری خرابی یہ کہ اپنے بزرگوں مصلحوں سمجھانے والوں کے سامنے بڑی پھرتی دیدہ دلیری بے خوفی گستاخی بے ادبی سکھاتی ہے۔ دیکھ لو امیر آدمی کافر کی دشمن کی بزدلانہ خوشامدانہ تعریفیں

کرے گا اپنے علماء صوفیاء اور بزرگوں کو حقیر سمجھے گا۔ قوم عاد کو بھی اسی قسم کا غرور تھا جو حضرت ھود کے سامنے مقابلے میں آگئے اور گستاخ ہوتے تَارِکِیْ اور مُؤْمِنِیْنَ دونوں جگہ جملیہ اسمیہ کا مطلب ہے ہم کبھی ایسا نہیں کریں گے کیونکہ جملیہ اسمیہ استمرار کو چاہتا ہے۔ مقصد گفتگو یہ ہے کہ اے ھود تم ہماری طرف سے مایوس ہو جاؤ آئندہ ہم کو تبلیغ نہ کرنا۔ چونکہ حضرت ھود نے دعوت غور و فکر کی تھی اس لئے انہوں نے مُبَیِّنَۃٍ کا مطالبہ کیا یعنی غور و فکر سے تو شاید ہم کچھ آپ کی مان ہی لیں لیکن ہم کو ایسی صاف روشن ظاہر و باہر معجزہ چاہیئے جو ہماری مرضی کا ہو اور ہمیں سوچنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ مگر ایسا معجزہ دکھانا شان نبوت کے خلاف ہے کہ یہ ایک قسم کا کمزور ہونا اور جھکاؤ ہے کسی بھی نبی نے کفر کے اس طرح کے مطالبے سے معجزہ نہیں دکھایا حالانکہ سارے نبی ہی صاحب معجزہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے (کبیر معانی۔ روح البیان۔ مظہری۔ جمل۔ صاوی۔ خازن۔ نور العرفان۔ سراج منیر۔ ابن کثیر)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** انبیاء کرام بہت شان کے مالک ہوتے ہیں ان کو ان کے مقصد اور ڈیوٹی سے دنیا کی کوئی طاقت متزلزل نہیں کر سکتی نہ کسی دنیوی دولت سے مرعوب ہوں یہ فائدہ عَلَی الْاَعْلَانِ لَا اَسْئَلُکُمْ فرمانے سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** اپنے محبوب بندوں کو رب خود پالتا ہے جو اس کے کام میں مشغول ہو وہ سب دنیا میں بے پروا ہو جاتا ہے۔ علماء صوفیا کو یہ سبق یاد رکھنا چاہیئے یہ فائدہ اِنْ اَجْرِیَ الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** اللہ کے ذکر سے اخروی فائدوں ثوابوں کے علاوہ دنیا میں بھی بہت فائدہ پہنچ جاتا ہے مگر مومن کی نیت آخرت کی طرف ہونی چاہیئے۔ کیونکہ آخرت مثل دانے کے ہے اور دنیا مثل بھوسے کے کسان کی نیت دانے کی ہوتی ہے مگر بھوسہ خود بخود مل جاتا ہے یہ فائدہ یُرْسِلُ کی ترتیب ذکری سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** اصل طاقت مومن کو حاصل ہے۔ عارضی طاقت اگرچہ کافر کو بھی مل جاتے یہ فائدہ اِلٰی قُوَّتِکُمْ سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** حضرت ھود نے اپنے معجزے دکھاتے تھے مگر کفار نے اپنی ضد اور دشمنی عناد کی بنا پر ان کو تسلیم کرنے سے انکار کیا وہ اپنی مرضی کا معجزہ مانگتے تھے یہ فائدہ بَیِّنَۃٍ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ علماء ربانی کو چاہیئے کہ مخالفین کے بیجا مطالبوں کی پرواہ نہ کرے بلکہ کوئی مانے یا نہ مانے صرف رضاء الٰہی کے لئے تبلیغ جاری رکھے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** ایمان کے لئے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیوں فرمایا گیا۔ عقل کی دعوت کیوں دی گئی۔ عقل تو بری چیز ہے سب بزرگ اس کی برائی کرتے چلے آئے ہیں۔ کسی نے کہا۔ شعر

عقل کو تنقیص سے فرصت نہیں　　　عشق پر بنیاد رکھ ایمان کی

پیر رومی فرماتے ہیں ع۔ عقل قربان کن بپیش اولیا۔ وغیرہ واعظین فرماتے ہیں۔ عقل سے ایمان نہیں ملتا۔ عقل

تو نمرود شیطان اور ابو جہل کے پاس بہت تھی جواب عقل بذات خود بری نہیں بلکہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ عقل مثل سفید کپڑے کے ہے کہ سفید کپڑے کو جیسا رنگ کرو گے ویسا وہ ہو جاتے گا۔ بعض حکمار نے فرمایا کہ عقل مثل مُلک کے ہے جیسا اس پر سلطان ہوگا ویسا ملک ہوگا۔ پیر رومی نے ہی اس کا فیصلہ فرمایا شعر

عقل اندر حکم دل یزدانی است چوز دل آزاد شد شیطانی است

یہاں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ میں دو باتیں سمجھائی گئیں ایک یہ کہ اے احمقو تم یہ سمجھتے ہو کہ دین کو عقل سے مت سمجھو۔ نہیں عقل کو خوب استعمال کرو اندھے بہرے ہو کر دین مت پکڑو تم نے دین کو اندھے اور بے عقل ہو کر سنا سنایا مانا اسی لئے کافر بت پرست ہوئے اگر ذرا عقل سے سوچتے تو تم کو اپنے بتوں کی حقیقت کا پتہ چلتا اور ذرے ذرے میں توحید کے جلوے نظر آتے سچا دین عقل کو ناکارہ نہیں کرتا بلکہ عقل کو روشن کرتا ہے۔ صرف عقل ہی کیا سارے اعضاءِ انسانی کو استعمال کا صحیح طریقہ دین ہی سکھاتا ہے۔ دوسری یہ کہ دین کے معاملے میں عقل اپنی مرضی سے استعمال نہ کرو ورنہ حسبِ سابق گمراہ ہو گے۔ اب میں تم سے کہہ رہا ہوں اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ میرے کہنے سے عقل استعمال کرو کیونکہ جب عقل نبی کے فرمان سے استعمال کی جاتے تو وہی عقل مقام صدیقیت تک پہنچ جاتی ہے۔ نبوت کسی عضو کسی نعمت کو نہ ضائع کرنے دیتی ہے نہ غلط استعمال فرمایا یہ جارہا ہے ابھی تک تم نے اپنی عقلیں دولت کمانے ظلم چوری فریب کرنے میں استعمال کی یہ غلط استعمال ہے۔ عقل کو صرف دین اور علم دین کے لئے استعمال کرو اس سے معرفت الٰہی کو حاصل کرو دنیا کی دولت تو تم کو خود رب ہی عطا فرماتے گا وہی کارساز ما وشما ہے تم مومن تو بنو **دوسرا اعتراض** حضرت ہود نبی تھے اور نبی صاحب معجزہ ہوتا ہے لیکن حضرت ہود کے پاس کوئی معجزہ کیوں نہ تھا کہ کفار کو کہنا پڑا مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ ہمارے پاس کوئی معجزہ نہیں لاتے تم **جواب** صرف کفار کے اس انکار سے معجزے کا نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ مخالف دشمن کی تو عادت ہوتی ہے ابو جہل نے بہت سے معجزے دیکھ کر بھی یہ کہا کہ ہم کو کوئی معجزہ دکھاؤ۔ حضرت ہود کے پاس معجزہ تھا مگر آپ نے اس لئے نہیں دکھایا کہ معجزے کی ضرورت نہ تھی آپ صاحب شریعت نبی نہ تھے حضرت نوح کی شریعت ہی پر آپ نے عمل کرانا تھا۔ ابھی تو آپ توحید باری تعالیٰ کی حقانیت اور بتوں کا جھوٹا ہونا ثابت فرمارہے ہیں کہ میری باتوں پر غور کرو۔ شریعت کے وہ قانون نہیں بتارہے جو عقل انسانی سے وراء ہیں جب شریعت کی طرف لایا جاتے گا تب معجزے دکھانے کا وقت آتے گا۔ معرفت پروردگار اور باطل کا بطلان تو عقل میں آنے والی چیز ہے۔ صرف توسّلِ نبی چاہیئے **تیسرا اعتراض** اگر کفار کی عقل اس لائق ہوتی کہ وہ دین وایمان توحید ورسالت کو سمجھ سکتی تو پھر حضرت ہود کی تکذیب کیوں کرتی۔ اور اگر اس لائق نہیں تھی تو ان کو دعوتِ عقل کیوں دی؟ **جواب** عقل تو تھی مگر انہوں نے نبی کے فرمانے کے باوجود استعمال نہ کی۔ یا اس لئے کہ عقل قاصر تھی باپ دادا کی اندھی تقلید کی بنا پر یا اس لئے کہ حضرت ہود سے دشمنی کی بنا پر اس طرف آتے ہی نہیں **چوتھا اعتراض** حضرت ہود کی تبلیغ سے دو چیزیں ثابت ہوئیں

ایک یہ کہ مومن بن کر دنیوی عیش ملتا ہے۔ دوسری یہ کہ دین کے لئے دنیا کا لالچ دیا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں ٹھیک نہیں حدیث پاک میں ہے کہ دنیا میں انبیاء اولیاء کو تکالیف زیادہ ہوتی ہے اور دوسری روایت میں ہے مومن کے لیے دنیا مثل قید کے ہے۔ سچے دین کی تعلیم تو یہ ہے کہ دنیا کماؤ دین کے لئے نہ کہ دین لو دنیا کے لئے۔ جواب یہ فرمان حلال روزی اور نعمت الٰہی کی طرف ترغیب ہے اور یہ چیزیں دنیا نہیں بلکہ دین میں شامل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۔ اے دولت دنیا کے لیے پریشان و سرگرداں قوم نفسانیہ وھواء طبعیہ میں تم کو منزل مراد کی طرف صرف اس لئے بلاتا ہوں کہ تم میری قوم ہو میرے وطن جسمانی کے رہنے والے ہو تم سے کچھ لالچ نہیں نہ میری کچھ خواہشات ہیں میرا اجر تم دے ہی نہیں سکتے تمہارے پاس شہوات رذیلہ وصفات ذمیمہ ہیں یہی تمہارا سرمایہ ہے اسی کو تم مزید حاصل کرنا چاہتے ہو یہ سب فنا کی پونجی ہے۔ میں طائر لاہوتی ہوں بلبل باغ بقا ہوں مشاہدات کے پھولوں کا رسیا ہوں انوار کی کلیدوں کا طالب ہوں اس لئے میرا اجر تم نہیں دے سکتے نہ میں تم سے اجر مانگتا ہوں میرا وہ اجر جس کا میں حاجت مند ہوں میرے اسی کریم کے ذمۂ کرم پر ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا نیست سے ہست بے حال سے صاحب حال کیا۔ اے میرے ہم وطن جسدی کیا تم عقل سے سمجھتے نہیں کہ تم کو بھی اسی جَلَّ مَجْدُہٗ نے پیدا کیا مگر تم کو صاحب قال بنایا مجھ کو صاحب حال تم کو مطیع ہونے کے لئے مجھ کو مطاع ہونے کے لئے تم کو مقتدی مجھ کو امام تم کو تابع مجھ کو متبوع بنایا اور ہم سب کو طالب مقصود جَلَّ وَعَلٰی لہٰذا يَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ۔ اے میری قوم صفات نفس کے حجاب اور پردۂ ازلی لاہوتی سے رک جانے کے گناہ اور خواہشاتِ شرکیہ کے کفر سے باز آؤ اور بخشش اپنے مربی حقیقی ذات وصفات کو پالنے والے سے بصد عجز طلب کرو پھر توحید پُرخلوص وراہِ سلوک اور طریقۂ خلوت و تجرد کی توبہ سے متوجہ ہو جاؤ اسی رب جمال کی طرف تو آسمان روح سے وہ معبود حقیقی تم پر علومِ حقیقیہ اور معارفِ یقینیہ کی موسلا دھار بارش بھیجے گا۔ اور قوت اجسام کی طرف قوتِ کمال بھی زیادہ فرماتے گا۔ اس لئے کہ جسمانی اور استعدادی قوت سبب ہے قوتِ اعمال کی اور قوت اعمال سبب ہے قوتِ پرواز کی اور پروازِ لاہوتی سبب ہے قربتِ پروردگار کی۔ وہاں کچھ مشقتیں ضرور ہیں گھبرا نہ جانا ایسا نہ ہو کہ مجرمِ غفلت وکسل ہو کر پیچھے لوٹو۔ قوتِ قدسیہ تو دائرۂ محیط ہے۔ جدھر کو بھاگو گے پہنچنا اسی کی طرف ہے۔ (محی الدین ابن عربی) اے میری قوم بخشش مانگو غیر حق کی طرف دیکھنے سے اور رجوع کرو اپنے نفسوں سے اسی رب کی اطاعت کی رویت میں اس سے اسی کے طالب بنو نہ غیر سے طلب ہو نہ غیر کی طلب ہو پھر نظارۂ جمال کرنا اور دیکھنا کہ آسمان قدم سے تمہارے چہروں پر انوار تجلیات کی تیز بارش ہو گی جس سے پروانہ روح کی قوت تم کو زیادہ ہو گی تمہاری عبادت کے باغوں میں سجدوں کی کیاریاں زیادہ ہوتی چلی جائیں گی اور شراب دائمی جامِ سرمدی سے اور انگورِ قدس چمنِ ازلی اور مشاہدات

ذات وصفات سے حاصل ہوں گے یہ انعامات نفس حرام سے نہ ہوں گے بلکہ انوار حلال سے ہوں گے جس سے قوت کمال و جلال حاصل ہو۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ حرام غذا سے نفس موٹا قلب چھوٹا ہوتا ہے حلال سے قلب قوی اور نفس مردہ ہوتا ہے جس سے تاریکی دور اور روشنی باطن بڑھتی ہے یہی سچی عطار بخشش اور حصول توبہ سے ہے۔۔۔ قَالُوا یٰهُوۡدُ مَا جِئۡتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحۡنُ بِتَارِكِیۡۤ اٰلِهَتِنَا عَنۡ قَوۡلِكَ وَمَا نَحۡنُ لَكَ بِمُؤۡمِنِیۡنَ ۔ بولے وہ لوگ جو عالم جبروت کی بلندیوں سے ناواقف تھے اپنے فہموں کے تصور اور اپنی بصیرت کے اندھا ہونے کی وجہ سے کھوٹی طبیعت کے ذریعے برہان حق کو نہیں دیکھ سکتے اے قلب ھود تو نے اپنے اقوال سِرّی اور دعوے لاہوتی پر کوئی ظاہر دلیل ہم کو نہ دی صرف تیرے کلام سے ہم اپنے معبودانِ حرص وہوس کو نہیں چھوڑ سکتے اور ہم تیری وجہ سے اسرارِ مکتومہ اخبارِ پوشیدہ پر ایمان نہیں لائیں گے ہم عقل وخرد کو چھوڑ کر تجھ پر کیوں کر ایمان لائیں۔ شروع سے کور چشموں کی عادت رہی ہے کہ دامنِ تدبر کو چھوڑ کر ظاہر بینی کو ہی مطمع نظر رکھتے ہیں اسی لئے ناکامیوں کی اتھاہ تاریکیوں میں گرتے چلے جاتے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ قدرت کے ہزاروں نشان نفوس انسانیہ میں موجود ہیں جو بینات معرفت کردگار ہیں۔

اِنۡ نَّقُوۡلُ اِلَّا اعۡتَرٰىكَ بَعۡضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوۡٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیۡۤ

نہیں کہتے ہم مگر یہ کہ مار پہنچی تم کو بعض معبودوں ہمارے کی سے برائی کی وجہ فرمایا بے شک

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی خدا کی تمہیں بڑی جھپٹ پہنچی کہا میں اللہ کو گواہ کرتا

اُشۡهِدُ اللّٰهَ وَاشۡهَدُوۡۤا اَنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ﴿۵۴﴾

میں گواہ بناتا ہوں اللہ کو اور تم گواہ ہو جاؤ کہ بیشک میں بری ہوں سے اس شرک کرتے ہو تم

ہوں اور تم سب گواہ ہو جاؤ کہ میں بیزار ہوں ان سب سے جنہیں تم اللہ

مِنۡ دُوۡنِهٖ فَكِیۡدُوۡنِیۡ جَمِیۡعًا ثُمَّ لَا تُنۡظِرُوۡنِ ﴿۵۵﴾

مقابل اس کے تو مکاریاں کرو تم مجھے سب مل کر پھر نہ مہلت دو مجھ کو

کے سوا شریک ٹھہراتے ہو تم سب مل کر میرا برا چاہو پھر مجھے مہلت نہ دو

اِنِّیۡ تَوَكَّلۡتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیۡ وَرَبِّكُمۡ ؕ مَا مِنۡ دَآبَّةٍ اِلَّا

بے شک میں نے بھروسہ کیا پر اللہ جو رب ہے میرا اور رب ہے تمہارا نہیں کوئی سے چلنے

میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا رب ہے اور تمہارا رب کوئی چلنے والا نہیں جس

هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَاؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾

والا مگر وہ اللہ پکڑنے والا ہے سے پیشانی اس کی بیشک رب میرا پر راستے سیدھے

کی چوٹی اس کے قبضۂ قدرت میں نہ ہو بے شک میرا رب سیدھے راستہ پر ملتا ہے

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَیْكُمْؕ

تو اگر منہ پھیرو تم پس بیشک پہنچا دیا میں نے تم کو وہ سب بھیجا گیا میں ساتھ جسکے طرف تمہاری

پھر اگر تم منہ پھیرو تو میں تمہیں پہنچا چکا جو تمہاری طرف لے کر بھیجا گیا

وَ یَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْۚ وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْــٴًـاؕ

اور پیچھے لا سکتا ہے رب میرا دوسری قوم کو جو غیر ہے تم سے اور نہیں نقصان دے

اور میرا رب تمہاری جگہ اوروں کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۵۷﴾

سکتے تم اس کو کچھ بے شک رب میرا ہر چیز پر حفیظ ہے

بے شک میرا رب ہر شے پر نگہبان ہے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت ھود کی قوم کی باتیں نقل ہوئیں کہ اے ھود تمہارے پاس کوئی معجزہ نہیں جو آپ کی سچائی پر دلیل بنے ۲ اور فقط آپ کی باتوں سے ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑیں گے ۳ اور نہ ہم آپ پر ایمان لائیں گے اب ان آیات میں کفار کا عذر اور ایمان نہ لانے کا سبب نقل کیا جا رہا ہے کہ آپ کو جنون ہو گیا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کی بد دعا اور پھٹکار ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں ھود علیہ السلام کے وعظ شریف کا کچھ ذکر ہوا جس کو قوم ھود نے بیچ میں کاٹ دیا تھا اب حضرت ھود کے وعظ کا بقیہ بیان کیا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ۔ اِنْ حرفِ نفی نقول فعل مثبت بمعنٰی منفی اِلَّا نے نفی توڑ کر حصر پیدا کیا اِعْتَرٰكَ باب افعال کا ماضی مطلق ہے عَرْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے نحوی معنٰی ننگا ہونا۔ عیب دار ہونا۔ بدنصیب ہونا یہاں مراد یہی آخری معنٰی ہیں۔ متعدی بیک مفعول ہے یعنی عیب دار یا بدنصیب کر دیا تجھ کو بَعْضُ فاعل تنکیری ہے بمعنٰی کسی اٰلِهَة جمع ہے اِلٰه کی بِسُوْٓءٍ بِ مفعولیت کی سوء برائی

یہ جملہ استثناءِ مفرغ سے لغو ہے اور مقولہ ہے نَقُوْلُ کا قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ قَالَ
یہ جوابی جملہ ہے فرمانِ حضرت ھود ہے۔ اِنِّیْ جملہ اسمیہ مقولہ ہے قول کا یا متکلم اسم اِنَّ اُشْهِدُ اللّٰهَ فعل مضارع متکلم
بابِ افعال سے متعدی ہوا اِشْهَدْ سے بنا بمعنٰی گواہ بنانا اللّٰهَ مفعول بہٖ۔ واؤ عاطفہ اَشْهَدُوْا امر جمع ہے اَنِّیْ اَنَّ
حرف مشبہ بالفعل جوفِ جملہ میں آیا لہٰذا مفتوح یاءِ متکلم اسم ہے پہلا اِنِّیْ قال سے تعلق دار ہے اور اَنِّیْ کا جملہ اَشْهَدُ
وَاشْهَدُوْا سے تعلق دار ہے اور شہادت علیہ ہے بَرِیْٓءٌ خبر اَنَّ ہے بر وزن فعیل صفۃ مشبہ ہے اَنَا ضمیر اس کا
فاعل ہے مِمَّا مِنْ جارہ بیانیہ ما موصولہ عمومیہ تُشْرِكُوْنَ فعل مضارع بمعنٰی حال جمع مذکر حاضر شِرْكٌ سے مشتق ہے
یعنی تمام چیزوں سے بیزار ہوں جس سے تم شرک کرتے ہو مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ مِنْ
جارہ بیانیہ دون بمعنٰی مقابل ہٖ ضمیر غائب کا مرجع ذات باری ہے فَكِیْدُوْنِیْ ف تعقیبیہ كِیْدُوْا جمع مذکر حاضر
امر آخر میں الف نہیں بوجہ نون وقایہ یاء ضمیر واحد متکلم کا مرجع ھود علیہ السلام ہیں جَمِیْعًا حال ہے کیدو
کے فاعل کا ثُمَّ حرف عطف برائے تراخی لَا تُنْظِرُوْنِ فعل نہی جمع مذکر حاضر نون وقایہ یاءِ متکلم پوشیدہ مفعول بہٖ
نظرٌ سے مشتق ہے بمعنٰی غور کرنا یعنی مہلت دینا اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ۔ اِنَّ حرف تحقیق یاءِ متکلم اسم
اِنَّ تَوَكَّلْتُ فعل ماضی مشتق ہے وَكْلٌ مثال واوی سے مشتق ہے بمعنٰی سپرد کر دینا یعنی بھروسہ کرنا علٰی حرفِ جر بمعنٰی فوقیت
رب تابع بدل ہے لفظ اللہ متبوع مبدل منہٗ کا واؤ عاطفہ ہے رَبِّكُمْ معطوف ہے رَبِّیْ پر۔ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا
هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ما نافیہ مِنْ جارہ تبعیضیہ دَآبَّةٍ دبٌّ سے مشتق ہے بمعنٰی زمین کو اکھیڑنے روندنے والا مراد
ہر جاندار اِلَّا حرفِ استثنا نے نفی کو توڑا اٰخِذٌ اسم فاعل مذکر خبر ہے هُوَ مبتدا کی هُوَ کا مرجع اللہ ہے اَخْذٌ سے
مشتق ہے بمعنٰی پکڑنا بِ جارہ بیانیہ ہے نَاصِیَة نَصْیٌ سے بنا بمعنٰی اگلے بال ھا کا مرجع دَآبَّةٌ ہے ۔ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ
مُّسْتَقِیْمٍ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق رَبِّیْ مرکب اضافی ہے یاءِ متکلم کی طرف۔ علٰی بمعنٰی عِنْدَ یعنی پاس۔ صراط کھلا راستہ مستقیم
باب استفعال کا اسم فاعل ہے طلب کے معنٰی میں ہے یعنی درستی چاہنے والا فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ
بِهٖٓ اِلَیْكُمْ۔ فا تعقیبیہ اِنْ حرف شرط تَوَلَّوْا ایک قرأت میں مضارع ہے باب تفعل کا اور ایک قرأت میں فعل ماضی ہے
اسی باب کا وَلْیٌ سے مشتق ہے بمعنٰی پھرنا فَقَدْ ف تعقیبیہ قَدْ اَبْلَغْتُ فعل ماضی قریب كُمْ مفعول بہٖ مَا اسم
موصول اُرْسِلْتُ ماضی مجہول بِهٖ کی بِ بمعنٰی ساتھ ہٖ ضمیرِ صلہ ہے الٰی حرف جار ظرفیت کے لئے ہے كُمْ ضمیر جمع سے مراد قوم
ھود ہے وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ۔ واؤ ابتدائیہ یہ جملہ استئنافیہ ہے یستخلف باب افتعال خلفٌ سے بنا ہے
رب بمعنٰی اللہ مضاف طرف یاءِ متکلم کے قومًا مفعول بہٖ غَیْرَ بمعنٰی سوا صفت کے لئے كُمْ کا مرجع قوم ھود وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ
شَیْئًا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ واؤ عاطفہ لَا تَضُرُّوْنَ مضارع بمعنٰی حال اور مستقبل ہٗ کا مرجع ذات باری تعالٰی
شَیْئًا مفعول مطلق ہے فعل پوشیدہ کا یا مفعول بہٖ مگر یہ غلط ہے کیونکہ لَا تَضُرُّوْنَ متعدی بیک مفعول ہے اِنَّ

حرف تحقیق بیان علت کے لئے ہے رَبِّیْ یہ سب فرمان ہے حضرت ھود کا۔ عَلٰی حرف جر استعلاء حقیقی کے لئے ہے کُلِّ موجبہ کلیہ کا سور ہے شَیْءٍ مضاف الیہ ہے مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی چاہا ہوا حَفِیْظٌ باب ضَرَبَ یضرب کا ایک ن عل ہے بمعنی ہمیشہ سے ہمیشہ تک حفاظت کرنے والا۔

تفسیر عالمانہ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ اے ھود ہم تم پر اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ ہم جان گئے تم کو جنون ہو گیا ہے اور اس پاگل پن کا سبب بجز اس کے ہم کچھ نہیں کہتے کہ تم کو ہمارے کسی بت معبود نے غیبی مار ماری ہے۔ یہ جملہ پہلے قول وما نحن کا بیان علت ہے یعنی تم نے ہمارے کسی بت پرست کو برا کہا تو اس نے یہ سزا دی کہ تم بہکی بہکی باتیں کرنے لگے یا تم تو ہمارے سارے ہی بتوں کو برا بھلا کہتے رہتے ہو۔ ہمارے بت خاموش ہیں مگر شاید کسی بت سے برداشت نہ ہو سکا تو اس نے اس طرح سزا دی کہ تم خلل دماغی میں مبتلا ہو گئے اور جن علاقوں میں تم بڑی امن سے رہتے تھے۔ وہاں سب تمہارے دشمن ہو گئے اور تم اس طرح ہذیانی باتیں کرنے لگ گئے۔ تو ہم تمہارے ہذیان کی بنا پر اپنا آبائی دین کس طرح چھوڑیں قوم ھود نے۔ حضرت ھود کی تبلیغ کے جواب میں تین باتیں کہیں ۱۔ تم نے کوئی ظاہر معجزہ نہ دکھایا لہٰذا ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑیں گے ۲۔ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے ۳۔ ہمارا پختہ یقین ہے کہ تم پر ہمارے بتوں کی مار پڑی ہے اس لئے تمہاری یہ حالت ہوئی ہے اور تمہاری یہ بے عزتی ہو رہی ہے قوم کی نگاہوں میں۔ کفار کی ان تینوں باتوں کا جواب حضرت ھود نے اس طرح فرمایا قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ. مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ. فرمایا تم نے میری باتوں کی تصدیق نہیں کی تو مجھ کو کوئی غم نہیں کیونکہ اللہ کو اپنا شاہد بناتا ہوں وہی میری حقانیت کی گواہی دیتا ہے۔ تم اپنے بتوں سے لپٹے رہو ان سے آسیں لگاتے رہو اور زندگی برباد کرتے رہو اگر تمہارے بت جھوٹے معبود اتنے ہی لائق اور پہنچے ہوئے ہوتے تو تم سے دلدر نحوستیں دور نہ کر دیتے تین سال سے بارشیں بند نسل اولاد ختم ہے کیوں نہیں لاتے چلو میں تو ان کو برا کہتا ہوں اس لئے مجھ سے ناراض ہیں۔ تم تو ہر وقت ان کے قدموں میں پڑے رہتے ہو تمہاری مشکل کشائی کیوں نہیں کرتے۔ اگر اس امید ہی لگانی ہے تو نبیوں ولیوں سے لگاؤ ان کے قدموں کو پکڑو ان کے آستانوں سے چمٹ جاؤ رحمت باری کے دروازے کھل جائیں ان بتوں سے کیا لینا ہے۔ میں تو بیزار ہوں اور گواہ بن جاؤ کہ میں بے شک بیزار ہوں گا ان بتوں سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو اس سچے معبود کے مقابل۔ یہ تو مجھ کو بھی پتہ ہے کہ تمہاری زبانیں میری گواہ نہ ہوں گی مگر تمہارے دل میرے گواہ ہوں گے۔ چونکہ مِنْ دُوْنِهٖ میں آیت علیحدہ ہے اس لئے یہاں دو احتمال ہیں۔ ایک ہ ضمیر کا مرجع اللہ تعالٰی ہو۔ یہی مراد اعلیٰحضرت کے ترجمے میں ہے یہی اکثر مفسرین نے کہا ہے اسی کو ہم نے اوپر کی تفسیر میں مراد لیا۔ دوسرا یہ کہ ہ کا مرجع اُشْهِدُ اللّٰهَ یعنی اللہ کی گواہی ہو اور مقصد یہ ہو کہ میرا حقیقی شاہد اللہ ہے تم اس گواہی کے مقابل گواہ ہو جاؤ۔ یہ کفار کو گواہ بننے کا کہنا ان کی اہانت کے لئے ہے۔ جیسے دشمن کو کہا جاتا ہے تو دیکھتا

رہ میں کرتا رہوں۔ جب کفار نے کہا کہ ہمارے معبودوں کی مار ہے تو جواباً آپ نے کہا کہ میں تو اب بھی بیزار ہوں اور ان بتوں سے متنفر ہوں تم مشاہدہ کر رہے ہو۔ تمہاری ان باتوں سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ آئندہ بھی بتوں کو جھوٹا کہتا ہی رہوں گا۔ لہٰذا میری طرف سے کھلی عام اجازت ہے کہ تم میرے ساتھ میرے خلاف جو چاہو مکاریاں کر لو سب مل کر۔ کَیْدٌ کا لغوی ترجمہ ہے خفیہ تدبیر جو مقابل کو نقصان پہنچاتے جب بندے کی طرف نسبت ہو تو معنیٰ ہے حیلہ سازی جال سازی اور جب اللہ کی طرف نسبت ہو تو تدبیر کا معنیٰ ہو گا۔ اور مطلب ہو گا کہ اللہ مخلوق کو اعمال بد کا بدلہ دیتا ہے۔ اچھے اعمال کا بدلہ ثواب سے برے کا کَیْدٌ اسی طرح بندے کا بندے کے لئے اپنی اچھی سوچ پر عمل کرنا نیک ہے بری سوچ پر عمل کرنا۔ کیدٌ ہے۔ پھر ایسا مکر کھیلو کہ مجھ کو بالکل بچنے کی مہلت مت دو یعنی اپنے ارادۂ بد کو ایسا چھپاؤ کہ تمہاری طرف سے مجھ کو پتہ بھی نہ لگنے پائے۔ تاکہ اس سے بچنے کا میں کوئی طریقہ نہ بنا سکوں۔ جمیعًا نکرہ ہے جس کا مفہوم ہے کہ یہ مکاریاں صرف تم اکیلے سرداروں نے نہیں کرنی بلکہ تم سب چھوٹے بڑے کفار اور تم تو ایک بت کی مار کی بات کرتے ہو میں کہتا ہوں کہ تمہارے سارے بت چھوٹے معبود بھی تمہارے ساتھ اس مکاری جال سازی میں شامل ہو جائیں پھر دیکھ لینا کہ تمہاری اور تمہارے سب بناوٹی معبودوں کی ساری مکاریوں سے میرا کچھ بھی نہ بگڑے گا۔ کیونکہ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ بے شک میں نے ازل سے ہی کامل بھروسہ کیا ہے اللہ جل شانہٗ پر جو میرا بھی ہر گھڑی پالنے والا ہے۔ اس طرح کہ مصیبتیں دور کرتا ہے میری حفاظت فرماتا ہے۔ میری ہلاکت میں کسی کا مکر نہیں چلنے دیتا وہ تو زہریلے کیڑے مکوڑوں سے بھی مجھ کو بچاتا ہے تو انسانوں سے بچانا اس کے لئے آسان ہے۔ رب کہنے میں اتنی باتیں حاصل ہوئیں کیونکہ رب ہوتا ہی وہ ہے جو ہر طرح پالے اور پرورش حقیقی ہوتی ہی تب ہے۔ جو صاحب اختیار ذاتی ہو ہر چیز پر اس کی پوری قدرت ہو اس کے ارادے سے کوئی باہر نہ ہو سکے جب وہی رب ہے تو وہی مالک ہے اور مالک کو اپنی چیز سے پیار ہوتا ہے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے اور اے قوم والو وہ اللہ تو اتنا رحیم کریم ہے کہ تم جیسے نافرمانو شرک کرنے والے گستاخوں کو بھی دنیا میں پال رہا ہے لہٰذا وہ تمہارا بھی رب ہے۔ تمہارا مالک بھی وہی ہے تم سب کے سب یہاں تک کہ جانور حیوان بھی اس کے قبضہ میں ہیں اور اس طرح قابو میں ہیں کہ کوئی زمین پر چلنے والا اپنی قوت سے زمین کو روندنے والا ایسا نہیں مگر جس کو وہ اللہ اس کی پیشانی سے پکڑنے والا ہے۔ گویا کہ بالکل قابو میں ہے اس کلام میں عرب کے محاورے اور عربی اصطلاح کا اشارہ کیا گیا اہل عرب کے نزدیک جس مجرم کو اس طرح مضبوطی سے پکڑ لیا جاتے جس سے وہ دم نہ مار سکے بالکل ہر طرح قابو میں آجاتے پکڑنے والے کے مقابل اس کی ساری طاقت ختم ہو جاتے اور اس طرح پکڑنے کا مقصد اس کو ذلیل کرنا ہو تو وہاں پیشانی سے پکڑنا کہتے ہیں۔ ویسے بھی پیشانی کے قریب سر کے بالوں سے پکڑنا بہت مضبوط پکڑنا ہوتا ہے پکڑے ہوئے کے ہاتھ پیر کی طاقت مفلوج ہو جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سر میں مغز ہے اور مغز میں ایک دم ہے جس کو حرام مغز کہتے ہیں وہ دم بہت نرم میٹھا سا ہوتا ہے جو ریڑھ کی ہڈی

میں نیچے تک جاتاہے جب بال پکڑے جائیں پیشانی کی طرف سے توحرام مغز سکڑ جاتا ہے جس سے سارے اعضا کی رگیں تنگ ہو جاتی ہیں اور اعضا کی طاقت کم ہو جاتی ہے۔ انسان ہو یا جانور قابو میں آجاتا ہے۔ اگر ناصیہ سے مراد پیشانی کے بال ہوں تب تو یہ مطلب ہے لیکن اگر خود پیشانی ہی مراد ہو تب مراد ہے پورا سر و چہرا کہ جانور کا چہرہ قابو میں آجائے تو سارا جسم بے بس ہو جاتا ہے اس لئے نکیل ڈال کر یا چہرے پر رسی جکڑ کر جانور کو قابو کر لیا جاتا ہے۔ یا ناصیہ سے مراد پورا جسم ہے کیونکہ ناصیہ یعنی پیشانی ماتھا۔ سر اور چہرے میں ہوتا ہے اور سر بول کر پورا جسم مراد ہوتا ہے (کتب فقہ واصول فقہ) یہاں ناصیہ سے پکڑنے کا منشا قہر اور غلبہ ہے اور پکڑے ہوئے کا ہر وقت ہر طرح ہر لحاظ سے مطیع ہونا ہے کہ رب تعالیٰ جس طرح چاہے ان سے سلوک کرے بنائے بگاڑے ان کی بات چلنے دے یا نہ دے۔ اے مشرکو تم تو اپنے بتوں کی ہیبت لئے پھرتے ہو مگر میں کہتا ہوں کہ تمہارے یہ معبود تو نرے مٹی کے ڈھیر ہیں۔ قہر۔ جلال۔ کبریائی تصرف۔ قدرت۔ طاقت۔ اختیار۔ تو صرف میرے رب کا ہے میں اس کی ان شانوں کا اقراری ہوں تم انکاری لہٰذا تمہارے مکر مجھ پر کیسے چل سکتے وہ ہر طرح تم کو بگاڑ سکتا ہے مگر چونکہ وہ رحم و کرم والا ہے۔ اس لئے ظلم کے راستے پر نہیں بلکہ عدل وانصاف کے درست اور صاف سیدھے راستے پر ہے۔ کہ ظالم اس کے دربار میں کبھی فلاح اور کامیابی نہیں پاتا اور مظلوم کبھی محروم ومایوس نہیں پھرتا۔ اے قوم کے بت پرستو تم سمجھتے ہو کہ شاید ہم بتوں کو مان کر اللہ کو پالیں گے یہ تمہاری کج فہمی ہے۔ بتوں کا راستہ تو ٹیڑھا راستہ ہے۔ ٹیڑھا ستون ٹیڑھی دیوار کمزور اور نقصان دہ ہوتی ہے اسی طرح ٹیڑھا دین ومذہب بھی نقصان اور عذاب دہ ہوتا ہے۔ اگر اللہ کو پانا چاہتے تو نبی کے بتاتے ہوئے صراط مستقیم پر آؤ میں نبی ہوں اور میں ہی کہہ رہا ہوں بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ہے یعنی صراط مستقیم پر ملتا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ تمہارا بھی رب ہے مگر میری نسبت سے اس پر ایمان لاؤ کیونکہ جس کو میں کہوں گا کہ یہ میرا رب ہے وہی تمہارا رب ہوگا میں نے تم کو ہر طرح وضاحت سے سنا دیا ہے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَیْكُمْ وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْــٴًـا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ۔ تو اگر اب بھی تم حق سے پھرے رہے تو مجھ پر کوئی شکایت نہیں نہ تمہاری طرف سے اگر تم پر کوئی عذاب آیا اور نہ اللہ جل شانہٗ کی طرف بصورت عتاب کیونکہ پس بے شک میں نے ان سب باتوں کی تم کو تبلیغ کر دی جس کے ساتھ میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں اس میری بات نہ ماننے اور مجھ پر ایمان نہ لانے کا نقصان تم کو ہی ہے کہ میرا مالک میرا محافظ اللہ تعالیٰ تم کو ہلاک کرنے کے بعد تمہارے سوا ایک اور قوم لے آئے گا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم سے دنیا آباد ہے تمہارے وجود سے دنیا کی رونق ہے اور تمہارے ختم ہونے سے اللہ کی زمین کی رونق ختم ہو جائے گی یا تم یہ گمان کئے ہوئے ہو کہ تم کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ یا تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ تمہارے بت تم کو خدا کے مقابل بچالیں گے اور خدا تعالیٰ کو روک دیں گے ہرگز ایسا نہیں ہوگا تم کو جب وہ ہلاک کرے گا تو تم اس کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتے کیونکہ تم سے دنیا آباد نہیں تمہاری وجہ سے رونق کائنات

نہیں دنیا کی آبادی اور رونق اللہ کے نیک بندوں اور اللہ کے ذکر سے ہے۔ نیک بندوں سے ہی چمن عشق کے پھول کھلتے ہیں بزم توحید کی شمعیں روشن ہوتی ہیں۔ تم اور تم جیسی دیگر مغرور قومیں سمجھتی ہیں کہ ہم ہی دنیا کے مہتمم اعلیٰ ہیں یہ خیال خام ہے۔ اور ہلاکت سے رک کر بچ کر تمہارے بت تمکو بچا کر اس کے عمل میں رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتے لہٰذا تم اس کا کچھ نقصان نہیں کرسکتے نہ اسکو تم بھلا سکتے ہو نہ چکمہ دے سکتے ہو۔ کیونکہ بے شک میرا رب ہر چیز کا محافظ اور محاصرہ فرمانے والا ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں یہ جملہ توکل کی وجہ بیان فرما رہا ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ خوب بہتر جانتا ہے کہ کون ظالم کون مظلوم کون اچھا کون بد۔ کس کو بچانا ہے کس کو مٹانا ہے۔ کس کو کیا بدلہ دینا ہے لہٰذا اس پر ہی کامل توکل کرنا چاہیئے۔ تم نے کفر پر اصرار کیا بس تم کو ہلاک کر کے دوسری قوم آباد فرما دے گا۔ یا اس طرح کہ نئی قوم پیدا کرے گا یا اس طرح کہ تم میں جو غریب مسلمان ہوتے تم کو ہلاک کر کے تمہاری جگہ اُن کو دنیا کی سرداری عطا فرما دے گا اور چونکہ وہ ہر چیز کا محافظ ہے اس لئے وہ میری حفاظت فرمائے گا حضرتِ ھود کا یہ کلام آپکی طرح عظیم شان والا ہے ۱۔ یہ غیبی خبر ہے ۲۔ یہ آپ کا ایک معجزہ بھی ہے ۳۔ یہ ایک بہادری و دلیری کی بین دلیل ہے۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ**

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر ⁂ مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

کتنا ہی فصاحت و بلاغت کا کلام ہو کتنی ہی بہترین نصیحت ہو مگر بدقسمت نادان انسان اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتا اگر خوشی آئے تو کہتا ہے کہ میری عقل و سیاست سے ایسا ہوا اور اگر غمی ہو تو کہتا ہے کہ ستاروں کی گردش۔ اللہ کی طرف کبھی بھی اس کا دھیان نہیں جاتا۔ مرضی کے مطابق بات سنیں گے تو خوش ہو جاتے ہیں اگرچہ وہ زہر ہی ہو خلاف مرضی بات سنیں گے تو منکر اور ناشکرے ہو جاتے ہیں۔ اور سنانے والے کو بے عقل و خرد سمجھتے ہیں اگرچہ وہی بھلا و خیر خواہ ہو شروع سے طریقۂ کفار رہا یہ سبق و فائدہ اِلَّا اعْتَرٰىكَ سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** مومن کو چاہیئے کہ ہر آن ہر حالت میں رب تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور سمجھے کہ مالک حقیقی وہی ذات ہے کوئی غم تکلیف خوشی و شادمانی بغیر ارادۂ الٰہی نہیں آسکتے۔ عزت ذلت اسی کے ہاتھ ہے۔ تعلیمات انبیاءِ کرام سے یہی سبق ملتا ہے یہ فائدہ اِنِّىْ تَوَكَّلْتُ سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** ہر نبی صاحب معجزہ ہوتا ہے یہ فائدہ لَا تُنْظِرُوْنِ کی تفسیر سے حاصل ہوا کہ یہ غیبی خبر ہے یہ بھی ثابت ہوا کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام معجزہ دکھانے میں با اختیار ہوتے جب چاہیں دکھائیں خواہ نہ دکھائیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں حضرت ھود کا قول اس طرح نقل ہوا کہ اِنِّىْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْۤا چاہیئے یہ تھا کہ اس طرح فرماتے اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاُشْهِدُكُمْ تاکہ دونوں جملے مناسب ہو جاتے اس غیر مناسب طریقے سے بولنے میں کیا حکمت ہے؟ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں

بھی دیا گیا اور امام ابوبکر رازی علیہ الرحمۃ نے اس طرح جواب دیا کہ چونکہ یہاں مقصود شہادت ہر دو جگہ جداگانہ ہے اس لئے دونوں جملے مختلف طریقے سے لانا ہی مناسب ہے۔ اللہ کی گواہی کا مطلب ہے۔ اداءِ تبلیغ پر گواہی شرک سے بیزاری پر گواہ بنانا صحیح اور سچی گواہی۔ ایمان اور توحید باری تعالیٰ پر مضبوطی اور تاکید کی گواہی۔ مگر کفار کے گواہ ہونے کا مطلب ہے ان کو ذلیل کرنا ان کا استہزا ان کو ان کے کفر پر گواہ بنانا جیسے نالائق شاگرد کو استاد کہتا ہے کہ میں بھی تیرے کرتوت دیکھ رہا ہوں اور تو بھی دیکھتا رہ اگر بہادر ہے تو ایسے ہی برے کام کرنا۔ ایسا کلام دراصل رسوا اور جھڑک کے لئے ہوتا ہے تو چونکہ نوعیت شہادت علیحدہ تھی اس لئے اس کے اظہار کے لئے مختلف طریقوں سے فرمایا۔

دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ اگر تم نے ایمان سے منہ پھیرا تو میں نے تبلیغ کر دی تم کو بقاعدۂ نحوی اِنْ تَوَلَّوْا جملہ شرطیہ ہے اور قَدْ اَبْلَغْتُ جملہ جزا ہے۔ شرط ہمیشہ پہلے ہوتی ہے جزا بعد میں۔ اس طرح فرمانے سے لازم آیا کہ کفار کا پھرنا پہلے ہوا اور تبلیغ بعد میں۔ حالانکہ تبلیغ پہلے تھی اور منہ پھیرنا بعد میں **جواب** اس کا جواب بھی ابوبکر رازی نے یہ دیا ہے۔ کہ یہاں تبلیغ کرنا۔ منہ پھیرنے کی جزا نہیں بلکہ ایک قول میں یہاں قَدْ اَبْلَغْتُ سے پہلے ایک یہ عبارت پوشیدہ کہ اگر تم نے منہ پھیرا تو مجھ پر عتاب الٰہی نہیں ہوگا کیونکہ قَدْ اَبْلَغْتُ بے شک میں نے مکمل درست تبلیغ کر دی۔ اور ایک قول میں یہ عبارت پوشیدہ ہے۔ اے قوم اگر تم نے منہ پھیرا تو اے ھود فرما دو کہ بے شک میں نے تم کو تبلیغ کر دی مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ لفظِ قُل کو محذوف ماننا بعید ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۙ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ یہ بات عالمِ فطرت میں ظاہر ہے کہ ذہنِ انسانی نفسِ امارہ کے تحت ہو کر ہر اچھائی کو برائی سمجھتا ہے۔ رہنمائی کو گمراہی نصیحت کو مخالفت اور خیر خواہی کو بد خواہی سمجھتا ہے۔ تجربہ یہ ہے کہ جب بھی عقلِ سلیم نے درست مشورہ دیا تو من چلوں نے ناصح کو دیوانہ سمجھا اور کہا کہ ہم تو یہی کہیں گے کہ اے برائی سے روکنے والے تجھ پر کسی گرو۔ پنڈت۔ پادری یا مظلوم کی آہ پڑی ہے گویا یہ برائی سے بچانا دیوانگی ہے۔ دنیا آماجگاہِ مقابلہ ہے یہاں ہمیشہ جنگ وجدال و مقابلے ہی ہوتے رہے کبھی نبوت و کفر کا مقابلہ رہا کبھی روح و نفس کا کبھی قلب و قالب کا کبھی نور و ظلمت کا کبھی علم و جہالت کا۔ علماء سمجھاتے رہیں راہِ ہدایت دکھاتے رہیں۔ قرآن و حدیث سناتے رہیں۔ نورِ اسلام کی طرف بلاتے رہیں۔ گمراہی سے ہٹاتے رہیں۔ مگر جھوٹے نفسانی پیروں کے چکروں میں پھنسے ہوتے بے عقل مرید شیطانیت اور تلبیسِ ابلیس میں ہی مخمور ہیں۔ علماء ناصحین کو ہی برا سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارے فلاں پیر کی پھٹکار پڑ گئی آج اصولِ شریعت کو بیکار سمجھا جا رہا ہے اور سمجھتے ہیں کہ ساری معرفت ناچ کود ڈھول باجہ قوالی میں ہی آگئی آج وہ بہت بڑا صوفی ہے جو لمبے بال رکھ کر ڈھولوں کے ساتھ اچھا ناچ سکے پیر اس لئے نہ تھے کہ گمراہ اور گمراہ گر بنیں مرید کا کام یہ نہیں ہے کہ پیر کو خدا یا نبی سمجھ لے بلکہ مقصد یہ ہے کہ علماء کرام لوگوں کے

جسم کو بارگاہِ شیخ میں حاضر کریں اور شیخ کامل لوگوں کی روح کو علماء کرام کے دربار گہربار شریعت میں پیش کریں عالم لوگوں کو پیر کا مرید بنائیں اور پیر عالم کا شاگرد بنائیں تاکہ جسم کو طریقت اور روح کو شریعت ملے۔ مگر نفس اس راہ پر کب آنے دیتا ہے۔ قلبِ ھود فرماتا ہے اے ازل کے محرومو میں جلال ازلی کے دریاؤں میں ہوں کیونکہ میں صَانِعِ لَمْ یَزَلْ کو اپنا گواہ بناتا ہوں تم بھی مشاہدہ کرنا میں ابد کا بیزار ہوں اس انکارِ وحدت وجود سے کہ تم شرک خفی کرتے ہو اس لا مقصودَ اِلاَّ ہو کے مقابل۔ فقیرِ راہِ لَاھُوت کو شیطان کو تے نفس کے بولنے کا کیا خطرہ اور عقلِ طاغوت کے حیلے بہانوں اور مکر و فریب سے شاہد کو چہ جبروت کو کیا اندیشہ پس تم جتنا چاہو مجھ سے فریب و مکر کرو اور پھر مجھ کو اپنے ہواؤ ہوس کے حملے سے بچنے کی مہلت بھی نہ دو اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِہَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ بے شک مجھ کو میرے رب کے مشاہدۂ جمال کا بھروسہ ہی کافی ہے میں نے اسی کی حمایتِ کبریٰ پر بھروسہ کیا ہے وہ میرا بھی رب ہے کہ مجھ کو اپنے مشاہدات کے انوار سے پالتا ہے اور اپنے وصل کے لطائف سے پرورش فرماتا ہے جس سالکِ راہِ جمال کے قلبِ عرفانی کو ایسی نعمتیں ملیں اس کا توکل کیوں نہ کامل ہوگا۔ وہ تمہارا بھی رب ہے کہ موجِدِ کائنات ہے ظاہری غذاؤں سے تربیت فرمانے والا ہے اسی کے جلال کی قدرت ہے اور ہر ذرّے پر اسی کا احاطہ ہے۔ زمینِ قالب پر کوئی نفس اور خواہش طاری ہونے والی نہیں مگر وہ قہّار و جبّار اللہ اس کو پکڑنے والا ہے قِدَم کے ہاتھوں سے عدم کے مکانوں میں۔ پس جذب کے عجز میں عرشِ واردات سے تحت الثریٰ تک ہر شے کو گھیرنے والا ہے مُلک و ملکوت میں کوئی اس کے احاطے سے باہر نہیں وہ ہی اللہ سچا معبود اپنی ذات و آیات و صفات کی تجلیات سے روح کو مشاہدے کی غذائیں دیتا ہے اور قلب کو مشاہدۂ صفات عقلوں کو مشاہدۂ انوار افعال اور نفسوں کو طبیعتوں کی غذائیں عناصرِ فنا سے بے شک میرا رب قلوبِ اولیا کے راہِ ربوبیت طریقۂ صمدیت کے صراطِ مستقیم پر ہے سب چلنے پھرنے والے اسی کے تصرّفِ مملکیت اور قدرت کے تحت ہیں ہر شی فعل و تاثیر سے عاجز ہے رب ہی ظلِّ وحدت کے طریقِ مستقیم اور راہِ عدل پر ہے فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِہٖٓ اِلَیْکُمْ وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَہٗ شَیْئًا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ اے طلبِ خیر و شر کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے والو تم سب تو اسی رب اجسام کے قبضۂ قدرت میں ہو وہی خیر و شر کی طرف کھینچتا ہے۔ وہی صراطِ مستقیم پر ملتا ہے کیونکہ اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی شریعت صراطِ مستقیم ہے لہٰذا جس نے رب کو پانا ہو وہ دامنِ مصطفیٰ میں آجاتے لیکن اگر تم نے منہ پھیرا اور وارداتِ تجلیات سے علیحدہ رہتے تو سمجھ لو کہ قلبِ ھود نے تم کو سمجھا دیا جس حکم و پیغام عالم الٰہی سے وہ بھیجا گیا اے نفسانی لوگو وہ قادرِ مطلق نفس اور اس کی صفات کو شیطان اور اس کی ہوا و ہوس و دنیا پرستی کو مٹا کر عملیاتِ قلب کو تم پر وارد کر سکتا ہے اور تم اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے تمہاری فریب کاری زمینِ قالب پر چند گھڑیاں ہے۔ بے شک دنیا و آخرت۔ ناسوت و لاہوت

فنا و بقا کی ہر شی پر میرے رب کریم کی حفاظت و نگاہداشت ہے قلب کے انوار اسی کے محلِ حضور میں تائیدِ ربانی کی حفاظت میں ہیں قلب عارف پر کسی کا مکر نہیں چلتا۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

اور جب آیا امر ہمارا بچا لیا ہم نے ہود اور ان کو جو ایمان لائے ساتھ اس کے سے رحمت

اور جب ہمارا حکم آیا ہم نے ہود اور اس کے ساتھ کے مسلمانوں کو اپنی رحمت

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ ﴿۵۸﴾ وَ

طرف سے ہماری اور بچا لیا ہم نے سے سخت عذاب اور

فرما کر بچا لیا اور انہیں سخت عذاب سے نجات دی اور

تِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ

یہ قوم عاد ہے انہوں نے انکار کیا کا آیتوں رب اپنے کی اور نا فرمانی کی انہوں نے

یہ عاد ہیں کہ اپنے رب کی آیتوں سے منکر ہوئے اور اسکے رسولوں کی نافرمانی

وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ

رسولوں کی اس کے اور اتباع کی امر کی ہر مغرور ضدی اور پیچھے لگائے گئے اس دنیا میں

کی اور ہر بڑے سرکش ہٹ دھرم کے کہنے پر چلے اور ان کے پیچھے لگی اس

الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا

لعنت اور دن قیامت خبردار بے شک عاد کافر ہوئے

دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن سن لو بے شک عاد اپنے رب سے

رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ ع

وہ عاد رب کے اپنے۔ خبردار دور کار ہو

منکر ہوئے ارے دور ہوں عاد ہود کی قوم

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت هود اور قوم هود کا مکالمہ ذکر ہوا اب اس کا انجام اور نتیجہ ذکر کیا جا رہا ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں هود علیہ السلام کی بیزاری اللہ جبار و قہار کی پکڑ اور اس کی قدرت کاملہ کا ذکر ہوا۔ اب اس کے ظہور کا ذکر ہے کہ اس نے جب پکڑا اور عذاب بھیجا تو صرف مومن ہی امن و حفاظت میں رہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کافر لوگ انبیاء کرام کی نہیں مانتے بلکہ نفرت کرتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کافر لوگ رحیم کریم اللہ رسول کی تو نہیں مانتے ہاں مغروروں سرکشوں ظالموں کی اتباع کر لیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت پڑتی ہے۔

تفسیر نحوی وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۔ واؤ سر جملہ لَمَّا بمعنی اِذْ مفاجاتیہ یعنی جب اچانک جاء فعل ماضی اَمْرُنَا بمعنی ہمارا فیصلہ عذاب واحد ہے اس کی جمع امور نَجَّيْنَا فعل ماضی جمع متکلم نجی ناقص یائی سے مشتق ہے باب تفعیل ہے هُوْدًا معطوف علیہ مفعول بہ واؤ عاطفہ ہے اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر اٰمَنُوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب مَعَهٗ مرکب اضافی اسم ظرف مفعول فیہ ہے آمَنُوْا کا اور پورا جملہ صلہ ہے مع بمعنی علیٰ ہے بِرَحْمَةٍ میں با سببیہ رحمۃ سے مراد رحم و کرم ہے تنوین تعظیم کی ہے بعض نے کہا رحمۃ سے مراد ایمان مگر یہ غلط ہے جس کی وجہ تفسیر عالمانہ میں معلوم ہوگی مِنَّا میں مِنْ جارہ ظرفیت کے لئے یعنی اپنی طرف سے نا ضمیر جمع متکلم وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۔ واؤ تفسیریہ ہے بمعنی یعنی ھُمْ ضمیر کا مرجع قوم مسلمان ہے مِنْ بیانیہ ہے عذاب عَذْبٌ سے مشتق ہے بمعنی تکلیف دہ چیز غَلِيْظٍ غَلْظٌ سے مشتق ہے بمعنی تہہ بر تہہ یعنی دوگنا تگنا وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا تِلْكَ ۔ اسم اشارہ مونث ہے عَادٌ مذکر ہے مراد قبیلہ ہے اور وہ مونث ہے۔ آپس میں مبتدا و خبر ہے۔ جَحَدُوْا یہ نیا جملہ ہے فعل ماضی جَحْدٌ سے مشتق ہے بمعنی جانتے بوجھتے انکار کرنا بآیات میں ب مفعولیت کی آیات سے مراد معجزات هود یا قانون ایمان رب یعنی اللہ تعالیٰ حالت جری میں ہے ھم کا مرجع کفار ہیں وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۔ واؤ عاطفہ عَصَوْا فعل ماضی جمع مذکر کا صیغہ عَصْیٌ سے بنا بمعنی نافرمانی رُسُلٌ جمع ہے رسول کی ہٗ کا مرجع وَاتَّبَعُوْا واؤ عاطفہ اِتَّبَعُوْا اتباعٌ ۔ سے مشتق بمعنی بلا سوچے سمجھے کسی کے نقش قدم پر چلنا۔ اَمْرٌ سے مراد قول یا عمل ہے كُلِّ بمعنی ہر جَبَّارٌ سرکش یعنی اچھی بات نہ ماننے والا عَنِيْدٍ اسم فاعل ہے بمعنی اندرونی دشمنی رکھنے والا بعض کے نزدیک۔ جبار بمعنی حق سے روکنے والا زبردستی عنید خود بھی محض دشمنی سے رکنے والا وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً فعل مجہول باب افعال یعنی پیچھے ڈالی گئی بمعنی چپٹ گئی فی ظرفیہ هٰذِهٖ اشارہ قریبی کے لئے۔ دنیا یہ جہان لعنت بمعنی رحمت سے دوری ہمیشہ کے لئے بروزن فَعْلَةٌ مبالغ کا صیغہ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ واؤ عاطفہ یوم ظرفیت کے لئے مراد بعد قیامت کا زمانہ۔ نہ کہ روز محشر اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۔ اَلَا حرف تنبیہ بمعنی ہوش کرو۔ اِنَّ حرف تحقیق شرط کی وجہ ہمزہ مسکورہ عَادًا اسم اِنَّ ہے تنوین تنکیری كَفَرُوْا فعل ماضی جملہ تعلیلیہ ہے رَبَّهُمْ مرکب اضافی مفعول بہ

ہے اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ یہ دعائیہ جملہ ہے یعنی بددعا اَلَا حرف تنبیہ بُعْدًا اسم ظرف ہے بروزن فُعْلًا کُتُبًا لِعَادٍ لام جارہ بمعنیٰ مفعول عاد معطوف علیہ ہے۔ عطف بیانیہ سے قوم مضاف ہے اس لئے تنوین نہ آئی ھود سے مراد نبی علیہ السلام قوم وطنی نہ کہ دینی۔

تفسیر عالمانہ

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ۔

اور جب اچانک آیا ہمارا امر یعنی عذاب۔ تب یہ لفظ امر واحد ہے امور کا یا فیصلہ عذاب تب یہ لفظ مصدر ہے۔ اس وقت ہم نے حضرت ھود اور ان کے ساتھیوں غلاموں کو امتیوں کو جو ان کے ساتھ یعنی ان پر ایمان لے آئے تھے بڑی رحمت کے ذریعے بچالیا۔ یہ رحمت بلا معاوضہ ہماری ہی طرف سے تھی اور نجات دی ہم نے ان مسلمانوں کو ایسے عذاب سے جو بہت سخت اور بہت زیادہ تھا۔ اس جملے کا تعلق وربط پچھلے جملے سے اس طرح ہے کہ پچھلے جملے میں توکل علی اللہ کا ذکر تھا توکل کامل میں تین شرطیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ توکل حقیقی کے لائق وہ ذات ہے جس کی ربوبیت عام ہو ہر ایک کے لئے ہو اور مربوب کے تمام امروں وحاجتوں کی تدبیر جانتا ہو اور ہر طرح مربوب کی حفاظت کر سکتا ہو۔ پس مربوب کو کسی اور کی حفاظت کی محتاجی نہ رہے۔ لہٰذا توکل کامل درست ہوا ایسی ذات پر اب بھی جو توکل نہ کرے وہ مردود ہے۔ دوسری یہ کہ ہر ذی نفس جاندار اس ذات حفیظ کے قہر کے نیچے عاجز اور قیدی اس طرح ہو کہ اپنے غیر میں کوئی عمل کوئی تصرف نہ کر سکے بلا اس قاہر وقدیر کے ارادے کے۔ لہٰذا اس ذات سے بچنے کی نہ حاجت ہے نہ طاقت۔ تیسری یہ کہ اس ذات کے پاس عدل وکرم ورحم ہی ہو۔ ظلم قطعًا نہ ہو اس طرح کہ بغیر استحقاق کسی کو کسی پر مسلط نہ کرے ہاں مستحق کو حق ضرور دلوائے یا کسی مربوب کے ظلم گناہ جرم اخلاقی کی بنا پر غیر کو اس پر مسلط کرے اور کسی کو بغیر گناہ سزا نہ دے تو وہ ذات لائق ہے کہ اس پر کامل بھروسہ کیا جائے یہ تینوں شانیں اللہ تعالیٰ میں ہی ہیں کسی غیر میں نہیں اس لئے فرمایا گیا کہ ہم نے مجرموں پر عذاب بھیجا کہ اس کے مستحق تھے یہ عذاب ہمارے عدل کا مظہر ہے۔ جب اچانک یعنی بغیر اطلاع نہ کہ بغیر مہلت۔ ہم نے عذاب نازل کیا۔ تو ہمارے قہر کے سامنے کوئی نہ بول سکا اور چونکہ ہم رحیم بھی ہیں اس لئے ہم نے محض اپنے رحم اور عظیم رحمت سے ان کو بچا لیا جن کے بچانے کا ارادہ کیا ان کے ایمان کے سبب نہ بچایا۔ ایمان سبب ہو سکتا ہے ہماری رحمت کا۔ رحمت وکرم ذریعہ ہے بچانے کا یا اس لئے کہ دنیوی عذاب وسزا کا آنا ایمان نہ ہونے کی وجہ سے نہیں۔ نیکوں کو بھی تکالیف آجاتی ہیں۔ یا اس لئے کہ وہ مالک ومختار ہے بلا قصور بھی سزا دیدے تو ظلم نہیں بلکہ حکمت ہے لہٰذا کوئی شخص اپنے ایمان یا اعمال کے ذریعہ نہیں بچ سکتا۔ یہ دونوں اس کی خوشنودی کے لئے کرو۔ اس کی خوشنودی تم کو ضرور بچاتے گی اس کی خوشنودی ہی رحمت کاملہ ہے۔ عذاب کا امر کس طرح آیا یا اس طرح کہ فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ عذاب لے جاؤ۔ اور فیصلہ عذاب پہلے ہو چکا تھا یا اس طرح کہ اب ہی فیصلہ ہوا اور خود عذاب کو حکم دیا کہ نازل ہو جا۔ تو سخت طوفانی آندھی چلی جس نے درخت اکھڑے

گھر توڑے کفار کو اٹھا اٹھا کر پھینکا اس طرح کہ ان کی ناکوں میں ہوا گھستی نظام بطن کو خراب کرتی ہوئی دبر کے راستے نکلتی۔ سانس بند ہو جاتا۔ ہوا کے دباؤ سے ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی اور کافر مرجاتا لیکن اسی عذاب سے ہم نے اپنے پیاروں کو بچا لیا جن کی تعداد تین ہزار یا چار ہزار تھی۔ اس عذاب سے بچانے کا ذریعہ کیا تھا فقط ہماری رحمت وفضل ایمان تو پہلے ہی لا چکے تھے رحم اس وقت ہوا کہ وہی ہوا کفار کے لئے عذاب غلیظ تھا مومنوں کے لئے نرم ہوا۔ مثل نسیم سحری نہ ان کے گھروں کو توڑا نہ ان کے باغوں درختوں کو اکھیڑا نہ ان کی ناکوں میں داخل ہوئی۔ یہ عذاب آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل ہوا کی صورت میں طاری رہا۔ یہ ہوا کبھی ایک دم انتہائی گرم لو بن جاتی پھر اچانک ایک دم انتہائی سرد ہو جاتی۔ جس سے سرد گرم ہو کر جان ختم ہو جاتی۔ جانور یا انسان کے پیٹ میں داخل ہو کر پھکنے کی طرح اس کو اٹھاتی پھر نیچے گرا کر چکنا چور کر دیتی کیا قدرت کے کرشمے ہیں کہ پچیس ہزار کفار کے لئے وہی ہوا عذاب بنی ہوئی ہے اور چار ہزار مومنین کے لئے ایک نبی کے صدقے وہی رحمت ہے یہ عذاب اس کی قدرت کا دوسرا کرشمہ ہے کہ وہ قادر وقیوم چاہے تو قوم نوح کی طرح بلند کر کے بچائے چاہے قوم لوط کی طرح بستی سے نکال کر بچائے یا وہیں رکھ کر ہی بچالے۔ کہ ایک ہی چیز ایک ہی جگہ ایک زمانہ ایک ہی وقت ایک کے لئے عذاب دوسرے کے لئے رحمت۔ بعض نے فرمایا رحمت سے مراد حضرت ھود خود ہیں کہ نبوت۔ ہی رحمت ہوتی جس کا فائدہ خود نبی کی پاک ذات کو بھی اور ان کی امت مخلصہ کو بھی پہنچتا ہے۔ اس رحمت کی وجہ سے ان مومنوں کو کیا پتہ وہ کیسا عذاب تھا وہ تو صرف ہواؤں کی چیخ و پکار اور ہوا کے شراٹے ہی سن رہے تھے اور کفار کا اکھڑنا پچھڑنا ہی دیکھ رہے تھے۔ ہوا کی تیزی تندی سردی۔ گرمی کا انہیں کیا علم ان کو تو رحمت کاملہ نے بے پروا کر دیا تھا۔ اس کی سختی تو ان کافروں سے پوچھو جو بیچارے مر رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم نے اُن ایمان والوں کی سخت ترین عذاب غلیظ سے بچایا تھا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ عذاب غلیظ سے مراد دنیوی عذاب نہیں بلکہ یا قبر اور برزخ کا عذاب مراد یا اخروی بعد حشر کا عذاب۔ یعنی ہم نے کافروں کو جو عذاب دیئے دنیا میں یہ ہوا کا یا قبر میں اس کے علاوہ۔ جو اس عذاب سے زیادہ غلیظ (شدید) ہے یا آخرت بعد حشر زیادہ سخت عذاب ہوگا مگر مومنوں کو ہم نے ان سخت عذابوں سے بچا لیا کر دنیا میں نجات دی ہم نے اس طوفانی ہوا سے اور قبر کے سخت عذاب سے بھی بچا لیا یا بعد حشر جہنم کے عذاب غلیظ سے بچالیں گے پہلی دو تفسیروں میں نَجَّيْنَاهُمْ اپنے ہی اصل معنی ماضی میں ہے تیسری تفسیر میں نَجَّيْنَاهُمْ بمعنی مضارع مستقبل ہے ہماری اس تفسیر کی بنا پر لَمَّا جَآءَ جملہ شرطیہ اور نَجَّيْنَا هُودًا اس کی جزا۔ مگر بعض نے لَمَّا کے بعد فعل پوشیدہ مانا کہ اس کو شرط بنایا جَآءَ اَمْرُنَا کو اس کی جزا اور معنی یہ کہ جب کافر نے تبلیغ نبوت نہ رعایت کسے نہ خوف خدا آیا نہ ڈرے نہ مومن بنے تب ہمارا امر آیا۔ اور نَجَّيْنَا هُودًا یا جزاء دوم یا تکمیل جزاء اول۔ عذاب غلیظ کی دو تفسیریں ہم نے اوپر بیان کیں مگر فقیر بندہ یہ کہتا ہے کہ دو دفعہ نَجَّيْنَا اس لئے ارشاد ہوا کہ کوئی بیوقوف یہ نہ سمجھ لے کہ شاید نبی حضرت ھود اور ان کے امتی کی نجات ایک ہی قسم کی تھی کہ ہر دو کو عذاب ہی سے بچایا نہیں بلکہ امت کو عذاب غلیظ

سے اپنی رحمت کے سبب بچایا اور حضرت ھود کو تبلیغ کی کلفت کفار کی شرارت انگیز گستاخیوں۔ طعنے کی پریشانیوں اور مومن نہ ہونے کے غم سے بچایا۔ اس وقت طوفان سے بچانا صرف امت کے لئے ہے۔ نبی تو پہلے ہی عذاب سے بچے ہوتے ہیں بلکہ مثل ملائکہ وہ تو بچانے کی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں۔ جس طرح خلقتًا فرشتہ عذاب میں جاکر بھی بچا رہتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی اعلیٰ طریقے سے نبی اپنی خلقت کے اعتبار سے ازلًا بچا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے نَجَّیْنَا میں ھود علیہ السلام کا ذکر تھا لہٰذا وہاں عذاب کا ذکر نہیں صرف اَمْرُنَا فرمایا اور امر عام ہے بہت معنی کو دوسرے نَجَّیْنَا میں جہاں صرف امت کا ذکر ہے وہاں عذاب غلیظ کا ذکر ہے ھُمْ کا مرجع صرف اُمّت ہے۔ اس میں نبی کو شامل کرنا اصطلاح قرآنی کے خلاف ہے لہٰذا گستاخی ہے وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ۔ اور یہ عاد ہے۔ یہ عبارت یا جملہ استفہامیہ استہزائیہ ہے تب خطاب کفار مکہ سے ہے کہ اے مکے کے کافرو تم نے سن لیا قوم عاد کا قصہ۔ یہ تھی وہ قوم جو بڑے شہ زور متکبر مغرور بنی پھرتی تھی دیکھ لی تم نے ساری اکڑ۔ کہاں گیا غرور اور اپنے نبی کے سامنے اکڑبازی مناظرہ اور مکر سازی کیا ہوئی یہ سب دھری کی دھری رہ گئی فنا ہوگیا سب کچھ نام ونشان بھی باقی نہ رہا آج تمہاری بھی وہی کیفیت ہے۔ یہ قوم طاقت دولت شہ زوری میں تم سے زیادہ تھی بس دیکھ لو یہ ہے قوم عاد اور یہ رہا اس کا انجام۔ تم بھی غور کرلو کہ کس کے سامنے منہ زوری دکھا رہے ہو ایسے مشفق و مہربان میٹھے پیارے سچے کردار والے آقا محبوب سے ضدیں کرتے ہو۔ عاد کو دیکھو اور ہوش سنبھالو۔ یا مطلب ہے کہ یہ داستان عاد عبرت ناک اے مسلمانو امتِ مصطفےٰ کے شہ پارو میرے محبوب کے دلدارو۔ یہ تھی ان کی حیثیت اور اس پر یہ ظلم کہ اُسی رب کا کھا کر اپنے اُسی رب کا اور اس کی آیتوں کا قانون کا یا نشاناتِ قدرت کا جو نبی کی ذات سے ظاہر ہوئیں انکار کرتے رہے۔ لفظ تِلْكَ اسم اشارہ ہے قریب کے لئے۔ مراد یا اُن کی قریبی اُجڑی بستی یا یہ کہانی یا تصوّر اور ذہن میں آئی ہوئی قوم۔ ہماری نشانیاں تو کچھ پوشیدہ بھی تھیں جن کا انکار معاف کیا جاسکتا تھا مگر اِن بدنصیبوں نے تو ہمارے اُن رسولوں کا بھی انکار اور نافرمانی کی جو بالکل ظاہر ظہور بڑے بلیغ انداز میں ان کو سمجھاتے معجزے دکھاتے رہے عذاب سے ڈراتے رہے۔ ان کے پاس ایک ہی رسول حضرت ھود آتے مگر انہوں نے گویا سب رسولوں کا ہی انکار کیا کیونکہ تبلیغ شریعت اصول۔ حکم اور ایمان علیٰ توحید سب کا ایک ہی تھا ہمارے انبیاء نے کوئی انوکھی عقل سے ورا بات تو نہ منوائی تھی انہوں نے تو درس معرفت توحید کی تبلیغ فرما کر عقل سے سوچنے کی مہلت دی تھی ان کی مشفقانہ میٹھی باتوں نے تو صاف سمجھا دیا تھا کہ ہم پر ایمان لانا ہماری تبلیغ ماننا دنیا و آخرت میں مفید ہے۔ مگر یہ عاد۔ کیا کیا اس نے کہ نبی کی محبت سے لبریز وعظ دنیا میں و آخرت میں نفع دینے والے ایمان اور دین کو چھوڑ کر کس کی بات مانی کس کی اتباع کی کس کے پیچھے ہو کر ان تمام لوگوں کی اتباع کی جو جبّار تھے اس طرح کہ اپنی امیری اپنی سرداری کے سبب اُن پر ظلم کرتے ان پیروی کرنے والوں کو کمّی اور حقیر سمجھتے مارتے پیٹتے اور پھر عَنِیْد بھی تھے کہ ان سے دشمنی رکھنے والے یہ ہزار غلامیاں اور خدمتے کرتے مگر

ان کا غرور ہی نہ ٹوٹتا ان میں کچھ نے ڈر کر ان کی اتباع کی کسی نے محض اپنے نبی کی دشمنی میں ان جباروں کی پیروی کی۔ یا دین خدا تعالےٰ کو مغلوب سمجھنے والے اور مقابلہ کر کے دین پر اور انبیاء کرام پر خود کو غالب سمجھنے والے اور عنید اس طرح کہ نبی سے کج بحثی کرنے والے پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا ان چھوٹوں بڑوں کمینوں سرداروں کو اس سرکشی میں کیا ملا بس یہی کہ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ۔ اِن سفیہوں سفلیوں نے سرکشو حق کے دشمنوں کی اتباع کی ان کے پیچھے بے سوچے سمجھے لگے توکل کو چھوڑا اس کے انجام میں پیچھے لعنت ڈالے گئے دنیا میں اس طرح کہ ذلت کا عذاب طوفان سے ہلاک ہوتے اور جو برکتیں رحمتیں بارشیں قوتیں صحت مند اولاد ملنی تھی سب سے محروم کئے گئے قحط سالی میں بھوکے ننگے ابتر ہو کر مرے اور وہ ان کا ظلم سب فنا ہوا تا قیامت لوگوں کی پھٹکار ہاتھ آئی شعر

نماند ستم گارِ بد روزگار ؎ بماند برو لعنتِ پائدار (سعدی علیہ الرحمۃ)

اور پھر صرف دنیا میں ہی نہیں قیامت کے دن بھی ان کے پیچھے لعنت ہی لگے گی کہ وہاں رحمت الٰہیہ سے دور ہٹاتے جائیں گے اور یہ دوری ابد الاباد تک ہوگی۔ اس مسلسل لعنت کی وجہ یہ ہے خوب غور سے سن لو کہ بے شک عاد نے صرف اپنے رب کا انکار کیا تھا یا اس طرح کہ اس کے وجود کے ہی منکر ہو بیٹھے دھریئے بن گئے یا اس طرح کہ اس کی ذات کو مانا تو تھا مگر نبی کے حکم سے اور اس کے بتاتے طریقے سے نہ مانا حالانکہ ایمان یہی ہے کہ رب تعالےٰ کو نبی کے وسیلے سے مانو حرف اَلَا استفتاحی ہے دو کلاموں کے درمیان آتا ہے۔ کلام کی نزاکت۔ اہمیت وعظمت کے لئے لایا جاتا ہے یہاں مقصد ہے کہ اے سننے والو عبرت کا مقام ہے اس حرکت پر ان کو یہ ابدی سزا ملی تو اب کون اس حرکت کے بعد بچ سکتا ہے۔ غور کرو کہ تمام مخلوق کی تا قیامت یا فرشتوں کی یا مومنوں کی بددعا ہے ان کو کہ ہلاکت ہو عاد کے لئے کون عاد۔؟ وہی جن کو قوم ہود ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا جس کی نسبت خاندانی اللہ کے نبی سے ملی تھی۔ اس عظمت پر جتنا بھی شکر خدا بجا لاتے کم تھا مگر بدقسمتی نے سب کچھ گنوا دیا۔ نبی کی نسبت نبی کا دیدار ان کے وعظ و نصیحت سے کچھ فائدہ نہ لے سکے۔ اے ملکے کے خوش بختو بالکل اسی طرح تم کو بھی یہ وقت یہ زمانہ یہ نعمت میسر ہوئی ہے گزرتا وقت ہاتھ نہ آئے گا۔ جلدی قدم مصطفےٰ سے لگ جاؤ اور دامن مراد کو بھر لو کہیں ایسا نہ ہو کہ تا قیامت تمہارے لیے بھی لوگ کہتے پھریں۔ شعر

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم ؎ ز خاکِ مکہ ابوجہل این چہ بو العجبی است

تم دیکھتے رہ جاؤ خزانے اغیار لوٹ لے جائیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے پہلا فائدہ دنیا کے ہر دور میں اچھے بھی ہوتے برے بھی۔ خوش قسمتی یہ ہے کہ اچھے کے ساتھ لگے نور معرفت کی شعاعیں اچھوں کے پاس ہی ملتی ہیں عشق کی

کلیاں نیکوں کے قرب میں چٹکتی ہیں۔ بدنصیب وہ ہے جو اچھوں سچوں کو چھوڑ کر بدوں کے پیچھے چلے۔ بدوں کے ساتھ رہنے کا انجام ہمیشہ بدی ہے یہ فائدہ وَاتَّبَعُوْا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا دوسرا فائدہ دنیوی لحاظ سے کوئی کتنا بڑا سردار کیوں نہ بن جائے پڑھا لکھا عقل مند کہلائے اور سمجھا جائے۔ مگر نبی کے دروازے سے ہٹ جائے تو دنیا آخرت میں قابل نفرت اور ملعون ہی ہوگا تیسرا فائدہ انبیاءِ کرام ہر طرح بے مثل ہیں کوئی شخص کسی مقام پر پہنچ جائے صحابیت غوثیت قطبیت وغیرہ نبی کے برابر نہیں ہوسکتا ذات تو درکنار اعمال وحالات میں بھی مثلیت نہیں ہوسکتی۔ یہ فائدہ نَجَّيْنَا کو دوبارہ فرمانے سے حاصل ہوا اور اس کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا چوتھا فائدہ جو درجہ صحابی کا ہے وہ غیر صحابی کا نہیں ہو سکتا کیونکہ صحابی کو قرب نبی حاصل ہے اور قرب نبی سے قرب خدا ہے دیکھو رب تعالیٰ نے مومنین عاد کو معہٗ کے پیارے لفظ سے نوازا یہ شرف وفضل غیر صحابی کو حاصل نہیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا اٰمَنُوْا مَعَهٗ لفظ مع کے معنی ہیں ساتھ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ھود دنیا میں آکر مومن ہوتے اسی طرح تمام انبیاء ہر آدمی کی طرح دنیا میں آکر مسلمان ہوتا ہے اور بعد بلوغت اس کو اسلام قبول کرنا پڑتا ہے۔ یہاں معیت زمانی ہے۔ اہل سنت کا یہ کہنا کہ انبیاءِ کرام ازل میں مومن ہوتے ہیں اس آیت کے خلاف ہے اور پھر جب وہ مومن ہی یہاں آکر ہوتے تو نبوت کس طرح پہلے ہوئی (وہابی۔ دیوبندی) جواب اس کے جواب تین طرح ہو سکتے ہیں ایک جواب تو ہم نے تفسیر میں ہی دے دیا ہے کہ مع کا معنی ساتھ نہیں بلکہ مطلب ہے ان پر ایمان لائے دوسرا جواب یہ کہ یہاں معیت زمانی مراد نہیں بلکہ معیت مکانی مراد ہے یعنی ان کے ساتھی ہی مطلب اعلیٰحضرت نے لیا ہے تیسرا جواب یہ کہ مع سے مراد ماھیتِ ایمان ہے یعنی وہ لوگ جو ھود علیہ السلام کی طرح کے مومن متقی ہیں اور یہ تشبیہ جنسی ہے نہ کہ نوعی نوعیت میں انبیاء کا ایمان بھی بے مثل ہوتا ہے صرف ایک مطلب کو لے کر اعتراض کر دینا کوئی انصاف نہیں بتقاضاءِ عقل بھی ثابت ہے کہ نبی ازل سے ہی مومن متقی اور نبی ہوتا ہے۔ یہاں تو خلق کے لئے مومن گر بن کر آتا ہے لہٰذا معیت زمانی تو ممکن ہی نہیں زمانی معیت سے لازم آتا ہے ان کے ایمان سے پہلے جو ان عوام کی حالت تھی وہی حالت معاذاللہ نبی کی بھی ہو۔ حالانکہ انبیاءِ کرام کے متعلق ایسا تصور بھی کفر ہے **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا بُعْدًا لِّعَادٍ۔ اہل عرب کے نزدیک یہ کلمہ بددعائیہ ہے۔ مطلب ہے کہ ہلاک ہو عاد۔ اوّلاً تو اللہ تعالیٰ بددعا دینے سے پاک ہے دوم ہلاک ہو جانے کے بعد یہ کہنا کہ ہلاک ہوں فضول ہے۔ جواب تفسیر میں بتایا گیا کہ اگر یہ بددعا ہے تو مسلمانوں یا فرشتوں کا قول ہے۔ اور ہلاکت سے مراد یا دائمی ذلت کا عذاب ہے یا رحمت سے دوری اور یا یہ بددعا عذاب سے پہلے کی ہے کہ فرشتے یا مسلمان پہلے یہ کہا کرتے تھے یا مراد پھٹکار ہے اور جملہ خبریہ ہے بددعائیہ نہیں تب یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے **تیسرا اعتراض** یہاں دو دفعہ نَجَّيْنَا کیوں فرمایا جواب چار وجہ سے یا یہ

کہ نبی علیہ السلام اور امتی کی نوعیت نجات میں فرق کرنے کے لئے جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا ۔ ۲ یہ کہ پہلے میں عذاب دنیوی سے نجات دوسرے میں عذاب اخروی سے بچانا مراد ہے ۳ یا یہ کہ پہلے نَجَّيْنَا میں یہ بتایا کہ ہم نے کس ذریعے سے بچایا اور دوسرے نَجَّيْنَا میں بتایا کہ ہم نے کس عذاب سے بچایا ۴ یا یہ کہ پہلے محض بچانے کا ذکر ہے اور دوسری بار نَجَّيْنَا فرما کر بچانے کی اہمیت کا اظہار مقصود ہے تاکہ موجودہ کفار عبرت لیں اور موجودہ مومنین شکر کریں ۔

تفسیر صوفیانہ

وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۔ دنیا دنی ہر طالب خیر و شر کو چند ایام کی مہلت ملتی ہے جس میں وہ اپنی تقدیر و تدبیر سے ذخیرۂ شر یا خزانۂ خیر جمع کرتا رہتا ہے جب کاسۂ ظلم بھر جاتا ہے اور دامن مظلوم مکمل تر ہو جاتا ہے اور ظلم چھلکتا ہے ۔ تب خالق ہر دوسرا عالم جبروت سے طالب خیر و شر کی طرف اپنا امر فیصلہ قضا ارسال فرماتا ہے وہ امر الٰہی شر کی انتہا اور خیر کی بقا کے لئے ہوتا ہے ۔ علماء کی زبان فرماتی ہے یہ واقعہ حضرت ھود اور قوم ھود کا ہے جو پچھلے زمانوں ہوا ۔ صوفیاء کی زبان فرماتی ہے کہ یہ واقعہ اگرچہ ظاہراً پچھلے زمانوں میں ہی ہوا مگر تا قیامت ہر انسان کے قلب و قالب میں ہو رہا ہے قالب دل کی زمین ہے جہاں طالب خیر قلب اور روح اور اعمال اعضاء بھی ہیں اور طالب شر نفس امارہ اور رؤساء اعضاء باطنی طبیعتہ ذمیمہ اور اوصاف خبیثہ بھی ہیں جب امر الٰہی آیا تو پہلے ہی واردات الہام سے قلب ھود اور اس کی قوم لاہوتی اور مومنین قدوسی کو ہمارے کرم بے مثال نے بچا لیا محض اپنی رحمت سے اور باطنی ابدی موت کے سخت گہرے اور مجسم عذاب اور فنا کے عتاب سے ان فرمان برداران قلبی کو نجات دے دی صوفیاء عظام فرماتے ہیں کہ عذاب موت فراق دو قسم کا ہے ۔ عذاب خفیف اور عذاب غلیظ ۔ خفیف وہ عذاب شقاوت ہے جو تخلیق خلق سے پہلے مقدر ہو چکا تھا جس کے لئے مناسب حال اور مطابق قال نفس و نفسانیات کی مخلوق پیدا کی گئی اور عذاب غلیظ جو معاملات شقاوت کے بعد شقیوں کو پہنچتا ہے ۔ یہ دو طرح کا عذاب ہے ۱ عذاب تقدیر یعنی خفیفہ اور عذاب تدبیر جو اس شقی نے حیات قلیل میں تدبیر کثیر سے اعمال بد کئے اس کی سزا وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۔ ہلاکت نفس رذیل اور فناء اوصاف ذمیمہ کے بعد قلب منور کی آنے والی نسل اعضاء کو سمجھایا جاتا ہے کہ اے نور ازلی و تجلیات قدیمی کے طالبو تم نے باطل کا انجام دیکھا تم سے کچھ دور نہیں یہ خلوت خانۂ نفس عاد کے کھنڈرات خواہشات و شہوات سے ویران پڑے انہوں نے اپنے رب کی آیات وارد اور حالات فنا و بقا کا انکار کیا تھا اور اسی طبیعتہ خبیثہ نے رب تعالیٰ کے پیغام سعادت و نذارت و بشارت لانے والے قاصد قلوب لاہوتیہ و ذوات قدوسیہ کی نافرمانی کی تھی اور ہر نفس امارہ دشمن روحانیت اور مغرور ابلیس کی پیروی کی تھی تو ان ازلی بدبختوں کا انجام یہ ہوا کہ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ۔ اور پیچھے لگا دی گئی ان نفسانیات ملعونہ کی پھٹکار دائمی اور ذلت کثیرہ اجسام دنیا میں بھی

اور جو فنا کی منزلیں ہیں اور میدان قیامت میں بھی جو زمانۂ قیام وبقا ہے لعنتِ فنا باطن ہے اور لعنتِ بقا ظاہر ہے۔ یہ سلامت کی موت اس کفران نعمت اور سرکشی کی بنا پر ہے جو عادِ نفسانیہ نے اپنے غذاءِ ظاہری سے پالنے والے مربی قدیمی سے کی۔ خبردار ازل کی دوری ہے عادِ نفس کے لئے قلب صود کی قوم نافرمان کے لئے۔ عادِ نفس کے فناءِ وصل وموتِ حجاب کے بعد قلبِ ھُود اور مومنینِ قدس کو کعبۂ وصل اور قبلۂ انوار اور مشاہداتِ حرم میں لایا جاتا ہے۔ جہاں تا عمر یہ قافلہ بقاءِ عبادتِ صمدیہ میں جھکا رہتا ہے اور شب وصل کے روزے اور صبح سعادت کے سجدے کرتا ہے۔ منورِ قدیم کی طرف سے انوارِ مشاہدات کے انعام وارد ہوتے اور قبولیت کے تمغے ملتے۔ یہ ہی قلب مومن کا اصل مقام ہے۔ یہی اولیاءِ قدس کی منزلِ انتہاء ہے۔ اسی منزل تک پہنچنے کے لئے ہر ایک کو حیاتِ ناسوتی دی گئی جو اِن سانسوں میں غافل رہا وہ ازل کا محروم ہے۔ اسی کو پچھتانا ہے۔ قرآن کریم کے یہ واقعات اسی لئے نازل ہوئے کہ مسافر راہِ فنا مقامِ قدس کے محلاتِ انوار اور شاہراہِ مستقیم پر آجاتے۔ خوش نصیب ہے جس نے یہ راہ پکڑی اے میرے کریم مجھ کو بھی اس لذت سے آشنا فرما۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور طرف ثمود کے بھائی ان کے صالح کو۔ فرمایا اے میری قوم پرستش کرو اللہ کی نہیں ہے

اور ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو۔ کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

تمہارا سے معبود غیر اس کے اس نے پیدا کیا تم کو سے زمین

کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا

وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ

اور آباد کیا تم کو بیچ اس کے تو بخشش مانگو اس سے پھر توبہ کرو تم طرف اس کے بیشک

اور اس میں تمہیں بسایا تو اس سے معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع لاؤ بیشک

رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۞۶۱ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا

رب میرا پاس دعا قبول کرنے والا سب بولے اے صالح بیشک تھے تم میں ہم میں

میرا رب قریب ہے بولے اے صالح اس سے پہلے تو تم ہم میں

مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا

دار پہلے اس سے کیا منع کرتے ہو تم ہم کو اس سے کہ پوجیں ہم اس کو اور بے شک

ہونہار معلوم ہوتے تھے کیا تم ہمیں اس سے منع کرتے ہو کہ اپنے باپ دادا کے معبودوں کو

وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾

جس بات کی طرف ہمیں بلاتے ہو ہم اس سے ایک بڑی دھوکہ ڈالنے والے شک میں ہیں

پوجیں اور بیشک جس بات کی طرف ہمیں بلاتے ہو ہم اس سے ایک بڑے دھوکا ڈالنے والے شک میں ہیں

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں ھود علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا۔ اور چونکہ ھود علیہ السلام کے بعد صالح علیہ السلام کا زمانہ آیا اس لئے اب ان آیات میں حضرت صالح کی دعوت اسلام کا ذکر ہو رہا ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں کافروں کے جابر و ظالم و مغرور ہونے کا ذکر تھا کہ وہ غریبوں کو حقیر سمجھتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے احمق لوگو اپنی حقیقت و اصلیت کو تو دیکھو جس زمین پر غرور سے اکڑتے پھرتے ہو اسی گندی مٹی سے تم پیدا ہوتے ہو اور اسی زمین سے غریب لوگ پیدا ہوئے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں قوم عاد کی سرکشی اور غرور و تکبر کا ذکر ہوا اب اس کے بعد آنے والی قوم ثمود کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان پر بھی دنیوی انعامات ہوئے اور ان پر بھی انہوں نے بھی بجائے شکر کے کفر کیا انہوں نے بھی کفر ہی کیا۔

تفسیر نحوی وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا واؤ ابتدائیہ لفظ ثَمُوْدُ عجمی اسم جامد ہے غیر منصرف ہے اَخًا بمعنی برادری کا بھائی اَخٌ کا لغوی ترجمہ مشفق و مہربان هُمْ ضمیر کا مرجع ثمود جو معنیً جمع ہے صالحًا منصرف ہے عربی عَلَم ہے فعل پوشیدہ اَرْسَلْنَا کا مفعول بہ ہے قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قال فعل کا فاعل حضرت صالح علیہ السلام اگلا جملہ مقولہ ہے یا حرف ندا قوم دراصل تھا قومی یاء متکلم بوجہ وصل گر گئی اَعْبُدُوْا قوم کو درس ایمانی ہے۔ اللہ یہ اسم ذاتی ہے مَا نافیہ لَكُمْ میں لام نفع کا ہے کُمْ سے مراد ساری قوم ہے مِنْ جارہ بیانیہ غَيْرُهٗ غیر بمعنی الّا استثنائیہ ہے هٗ کا مرجع اللہ تعالیٰ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا یہ جملہ تعلیلیہ ہے۔ هُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے اگلا جملہ اس کی خبر ہے۔ اَنْشَا فعل ماضی باب افعال سے نَشْاً یا نَشُوْ سے بنا ہے بمعنی پیدا کر کے پالنا بڑھانا کُمْ ضمیر کا مرجع ظاہری تو قوم ہے مگر اصلاً سب مخلوق مِنَ الْاَرْضِ مِنْ جارہ بمعنی فِيْ اس کا نون مفتوح ہے بوجہ وصل کے الارض الف لام جنسی ہے یعنی جنس زمین وَاسْتَعْمَرَ واؤ عاطفہ استعمر باب استفعال کی ماضی مطلق ہے مادۂ اشتقاق عُمْرٌ ہے۔ مراد آباد کرنا ہے۔ فِيْهَا۔ فی جارہ بعض نحاۃ کے نزدیک بمعنی علیٰ ہے مگر صحیح یہ ہے اپنے معنیٰ ظرفیت

میں ہے ھا کا مرجع ارض ہے فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّیْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ فا سببیہ ہے استغفروا امر حاضر جمع باب استفعال سے غفر سے مشتق ہے بمعنی چھپانا مٹانا ختم کر دینا بخشنا۔ یہاں سب معنی بن سکتے ہیں ہُ کا مرجع اللہ کی ذات۔ ثُمَّ حرف عطف بمعنی واو عاطفہ ہے تُوْبُوْا امر حاضر جمع ہے آخر کا الف حشو یعنی جمعیت کے بھراؤ کے لیے تَوْبٌ سے مشتق ہے بمعنی باز آجانا رجوع کرنا۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ اِلَيْهِ جار مجرور اِلٰی بمعنی لام ہے معنی اول کے لحاظ سے یعنی یا لہٰ آدُ اللہ کے لئے لیکن دوسرے معنی کے لحاظ سے اِلٰی انتہاء غایت کے لئے۔ اِنَّ تحقیق علت کے لئے رَبِّیْ مرکب اضافی اسم اِنَّ ہے قَرِيْبٌ اور مجیبٌ دونوں صفتیں خبریں ہیں اِنَّ کی قریبٌ کا تعلق تُوْبُوْا سے ہے اور مجیبٌ کا فَاسْتَغْفِرُوْهُ سے۔ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا قَالُوْا فعل ماضی فقرہ جوابی ہے۔ بصیغہ جمع ہے مراد قوم کے سرکردہ سرکش اگلی عبارت مقولہ ہے قول کا یَا حرفِ ندا اس کا منادیٰ حضرت صالح منادیٰ مفرد ہے بدیں وجہ مبنی ہے ضمہ پر قَدْ كُنْتَ فعل تامہ بمعنی ماضی بعید یعنی تھا تُو فِیْ جارہ ظرفیت کے لئے نا ضمیر جمع متکلم مَرْجُوًّا اسم مفعول ہے باب نَصَرَ کا رَجَاءٌ سے مشتق ہے بمعنی امید کیا ہوا قَبْلَ اسم ظرف فتحہ پر مبنی ہے۔ مضاف ہے هٰذَا کی طرف اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ۔ اَ ہمزہ سوالیہ ہے اور پورا جملہ قبل هٰذَا کی بیان وجہ ہے تَنْهٰى فعل مضارع باب فَتَحَ کا۔ نَهْیٌ سے بنا بمعنی منع کرنا متعدی بدو مفعول ہے نا ضمیر متکلم مفعول اول اگلا جملہ مفعول دوم اَنْ ناصبہ مصدریہ نَعْبُدُ فعل مضارع جمع متکلم اس کا فاعل پوری قوم میں سے سرکردہ لوگ مَا اسم موصول مفعول بِہٖ۔ نَعْبُدُ کا یَعْبُدُ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل اسم ظاہر اٰبَآءُ جمع ہے اَبٌ کی مراد باپ دادے نا ضمیر متکلم مضاف الیہ۔ واو حالیہ بھی ہو سکتی ہے اِنَّ حرف تحقیق نا ضمیر اس کا اسم منصوب متصل ہے لَفِیْ لام کے معنی البتہ فِیْ ظرفیت ذہنی کے لئے شَكٍّ مصدر مضاعف مصدری معنی میں ہی ہے بحالت عمل ہیں اس کا معمول اگلی عبارت مِمَّا ہے۔ مِنْ جارہ مَا موصولہ اگلا جملہ اس کا صلہ تَدْعُوْا فعل مضارع واحد حاضر کا صیغہ باب نَصَرَ سے متعدی بیک مفعول نَا ضمیر جمع متکلم اس کا مفعول بِہٖ ہے اِلَيْهِ اِلٰی جارہ ظرفیتِ مکانی ذہنی کے لئے۔ ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل کا مرجع پچھلی تبلیغ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا۔ اور حضرت ھود کی وفات کے سو سال بعد ہم نے قوم ثمود کی طرف ان کے قومی برادری خاندانی بھائی حضرت صالح کو بھیجا۔ یہاں اَرْسَلْنَا پوشیدہ ہے بعض نے کہا پہلے اَرْسَلْنَا نُوْحًا پر عطف ہے لفظ ثمود میں مفسرین کے قول ہیں اکثر نے فرمایا کہ ثمود حضرت صالح اور قوم کے چھٹے دادے کا نام ہے قوم عاد کے چوتھے دادا عاد دوسرے بیٹے ثمود نے اپنی رہائش یمن سے دور اپنی رہائش سنگلاخ پہاڑوں میں رکھی وہیں اس کی نسل بڑھ کر قوم ثمود کے نام سے مشہور ہوئی صالح علیہ السلام کا شجرۂ نسب اس طرح ہے۔ صالح

بن عبید بن آسف بن ماسخ بن عبید بن خاور بن ثمود بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہم السلام حضرت صالح کی عمر کل دو سو اسی سال ہوئی۔ آپ نے بھی چالیس سال کی عمر میں تبلیغ فرمانی شروع کی۔ یہ قوم پہاڑوں میں بہت خوب صورت مکان تعمیر کرنے کا فن جانتی تھی۔ سنگتراشی کی ابتدا ایک قول کے مطابق انہی سے شروع ہوئی۔ یہاں حضرت صالح کی پہلی تبلیغ کا ذکر ہے۔ تین جگہ آپ کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے ۱۔ اعراف وہاں وضاحت سے آیا ہے ۲۔ سورۂ ھود یعنی یہاں ۳۔ سورہ والشمس میں۔ اس جگہ پہلی تبلیغ اس طرح ہوئی کہ قوم ثمود کسی تقریب میں جمع تھی تو آپ کو اجازت ملی کہ جا کر ایمان کی تبلیغ فرماؤ۔ تب۔ کہا حضرت صالح نے اے میری قوم ملا جلا کر شرکیہ عبادت مت کرو بلکہ فقط واحد اللہ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اس کی دلیل یہ کہ وہی اللہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا نیست سے ہست کیا یہ کہ تمہارے جد اعلیٰ حضرت آدم کو زمین یعنی مٹی سے ایجاد کیا۔ اس لئے وہ موجد اور بدیع انسان ہے۔ یا اس طرح کہ زمین سے مٹی۔ مٹی سے کھیتی۔ کھیتی سے غذا۔ غذا سے خوراک۔ خوراک سے خون۔ خون سے نطفہ اور نطفے سے تم انسان اور پھر پیدا کرنے کے بعد تم کو ایسے ہی معطل نہیں چھوڑا وحشی جانوروں کی طرح تم کو آوارہ نہ کیا بلکہ تم کو دنیا کا عامر یعنی منتظم۔ نظام چلانے والا بادشاہ حاکم مخلوق بنایا اور تم کو اپنی زمین پر بسایا یا اس طرح کہ تم کو صحت مند دراز عمریں دیں تاکہ تم اس کی زمین سے تادیر خوب نفع لو عیش اڑاؤ رچو بسو یا اس طرح کہ تم کو اس زمین پر بہترین معمار مستری کاریگر اچھے مکان تعمیر کرنے والا بنایا یہ سب قوتیں اور ہنر اسی کے دیئے ہوئے ہیں۔ تفسیر مدارک نے فرمایا کہ ہر شخص کی عمر تین سو سال تھی زیادہ سے زیادہ ہزار سال تھی۔ اتنی عمر کے ساتھ اتنی قوت و طاقت اور مہارت ملنا عین اس کا کرم ہے۔ اے میری قوم تم کتنے بختاور ہو کہ زمین کو تمہارے لئے قابل بنایا اور تم کو زمین پر قادر بنایا۔ روایت ہے کہ قوم ثمود نے اتنی کثیر عمارات مکانات اور باغات بناتے تھے کہ ایک نبی نے رب تعالیٰ سے عرض کیا کہ مولیٰ اتنے مکانات یہ کیوں بنا رہے ہیں رب کی طرف سے جواب ملا کہ یہ دنیا پرست نوکر و خادم اور بحیثیت غلام ہیں کہ بنائے جائیں پھر میرے پیارے بندے اس میں آرام کریں اور ان میں میرا ذکر میرے نبیوں ولیوں کا چرچا ہو۔ صالح علیہ السلام کی تبلیغ کا مقصد بھی یہ تھا کہ اے قوم والو تم بنا رہے ہو۔ میری خواہش ہے کہ تم ہی ان کو برتو اور اس کا طریقہ یہ ہی ہے کہ رب کے حضور جھک جاؤ عاجز ہو جاؤ بتوں کو چھوڑ دو فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ۔ اپنے سابقہ گناہوں اور کفر شرک کی معافی مانگو۔ اس طرح ایمان لے آؤ مجھ کو نبی اللہ تسلیم کرو پھر بتوں کی محبت کو دل سے نکال کر ایمان کا نور دل میں لے کر توبہ کرو اسی اللہ تعالیٰ کی طرف۔ لوٹو اسی کی طرف کیونکہ یہ بڑی ایمان بر حق ہے جو پہلے تمہارا تھا اس لئے کہ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ۔ ہر انسان دین حق پر پیدا ہوتا ہے۔ بعد میں کافر ہوتا ہے لہٰذا لوٹو رجوع کرو اس دین کی طرف اور اسی رب کریم کی طرف جس کے پاس سے قَالُوْا بَلٰى کا وعدہ کر کے آئے ہو۔ یہ نہ سمجھنا کہ بارگاہِ خدا بڑی دور ہے بڑی ہی دشواریاں ہیں وہاں تک فریاد لے

جانے میں اپنے بادشاہوں کے دربار کی طرح مت سمجھنا کہ وہاں پہنچنے تک ہزار سفارشیں رشوتیں چلانی پڑتی ہیں پھر بھی وہ غرور کے پتلے غریبوں سے متنفر اور دور ہی رہتے ہیں۔ اتنے غافل اتنے دور کہ مظلوم کی فریاد تک نہیں سن سکتے۔ سائل کی پکار ان تک نہیں پہنچتی۔ اے دنیا کے طالبو تم نے ان کے درباروں پر ایڑیاں رگڑ کر دیکھ لیا اور ذرا ان جھوٹے فانی درباروں کو چھوڑ کر میرے رب کے دربار میں آؤ یہاں یہ کسمپرسی ذلت خواری نہ ہوگی کیونکہ میرا رب بے شک سب کے قریب اور سب سے قریب۔ نہ وہ دور نہ اس کا دربار دور۔ اس کی بارگاہ بہت ہی قریب ہے۔ نبی کا آستانہ ہی تو اس کی بارگاہ ہے۔ اولیاء اللہ کے ٹھکانے ہی تو اس کی رحمت کے اسٹیشن ہیں۔ مرد مومن کا عشق و معرفت سے لبریز دل ہی تو اس کے ملنے کی جگہ یہ مسجدیں یہ خانقاہیں اسی کے ہی نور کا ظہور ہیں کدھر بھٹکتے پھر رہے ہو ادھر میری طرف آؤ اس کو پکارو جو عالم غیب والشہادۃ ہے جو حقیقی فریادرس مشکل کشا حاجت روا ہے۔ جو شہ رگ سے زیادہ قریب ہے مگر شرط یہ ہے کہ جس طرح شہ رگ بغیر آئینہ کے وسیلے کہ نظر نہیں آتی وہ اللہ بھی بغیر وسیلہ نبی نہیں ملتا۔ یہ مجھ کو بھی معلوم ہے تم بھی اور تمام مشرکین بھی اس اللہ کو خالق مانتے ہو ڈوبنے بچانے والا مانتے ہو۔ اسی رب کی تلاش میں ہو مگر تم نے اس جل شانہٗ کو بتوں میں۔ شرک و کفر میں ڈھونڈھا اب تک نہ پایا کاش نبی کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ تو بالکل قریب ہی رب تعالےٰ کو پاؤ۔ شاید کوئی احمق کہے کہ قریب تو ہمارے بت بھی ہیں۔ ہمارے گھروں میں سفروں میں بستروں میں جیبوں میں۔ تو سنو وہ قریب تو ہیں مگر تم جب ان سے مانگو تو بے بس ہیں جب ان کو فریاد سناؤ تو بہرے ہیں جب ان کو اپنی حالت زار دکھاؤ تو اندھے ہیں جب کچھ عرض کرو تو جواب سے گونگے ہیں۔ کس کام کا ایسا بیہودہ قرب یہ تو اور وبال جان ہے۔ ہاں میرا رب سبحان اللہ ایسا قریب ہے کہ ہر دعا کا مجیب ایسا مجیب ہے کہ ہر آن ہر جگہ ہر بندے کو دیکھنے والا دیکھ کر اس کی فریاد سننے والا۔ سن کر قبول فرمانے والا اور قبول فرما کر حاجت سے زیادہ دینے والا۔ کہ لینے والا بندہ پکار اٹھتا ہے ؏

کریم ایسا ملا کہ جس کے کھلے ہیں ہاتھ اور بھرے خزانے

پس اس کے دربار سے کوئی مظلوم۔ حاجتمند۔ فریاد کرنے والا دعا مانگنے والا مایوس نہیں لوٹتا چاہیئے تو یہ تھا کہ ایسی مدلل میٹھی پر کیف لذت آفریں تقریر سن کر سابقہ لغزشوں پر ندامت کے آنسو بہاتے ہوئے نبی کے قدموں میں گر جاتے استغفار پڑھتے توبہ کرتے اور خوش قسمتی سمجھتے کہ ایسا شفیق سمجھانے والا ملا۔ مگر بدنصیبی دکھاتے ہوئے

قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ

اور تو کوئی جواب بن نہ پڑا تو بولے کہ اے صالح بے شک تم تو ہم میں بہت لائق سمجھدار مانے جاتے تھے کیونکہ تمہارا حسن تمہارا ڈیل ڈول صحت جوانی تمہارا اٹھان پھر اس پر تمہاری شرافت کم گوئی نیچی نظریں۔ عبادت ریاضت۔ غرضیکہ تمہاری ہر ادا عجیب بے مثال تھی ہم کو تم سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ ہم تم کو اپنا سردار بنانے کی سوچ

رہے تھے۔ ہم کو خیال تھا کہ تم اپنے باپ دادوں کا دین خوب چمکاؤ گے اچھے اچھے بت بنایا کرو گے خود بھی پوجو گے اور نئے نئے طریقوں سے ہم کو پجاؤ گے۔ آج سے پہلے ہم امید لئے بیٹھے تھے کہ تم ہمارے بادشاہ بنو گے کیونکہ تم اچھے حسب نسب اور دولت والے ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت حیادار شرمیلے اور اسم بامسمّٰی تھے۔ آج تم کو کیا ہوگیا۔ مرجوًّا رجاءٌ سے بنا ہے اس کے معنیٰ صرف امید ہی ہوتے ہیں نہ کہ حقیر۔ قبل ہٰذا میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ تمہاری آج کی اس تبلیغ سے پہلے ہمیں یہ امیدیں تھیں اور یہی احتمال قوی ہے۔ دوسرا یہ کہ اس تبلیغ کے بعد ہم نے یہ سمجھا تھا کہ تم نے ویسے ہی یہ تبلیغ کردی ہے تم ہم سے علیٰحدہ دین اختیار کرو گے نہیں تم ہمارے ہی دین میں رہو گے مگر اب یہ تمہاری یہ پختگی ثابت کررہی ہے کہ ہمارا خیال ہماری امیدیں غلط تھیں تم نے اپنی اس ھٹ سے ہماری امیدوں پر پانی پھیر دیا کیا تم اب یہاں تک جرئت دکھارہے ہو کہ ہم کو منع کررہے ہو اس بات سے کہ ہم عبادت کرتے ہیں اس کی جس کی عبادت کرتے رہے ہمارے آباؤ اجداد یعنی یہ عبادت تو ہمارا پرانا دین ہے۔ ہمزہ استفہام انکاری یعنی اے صالح ہم کو منع مت کرو۔ نَعْبُدُ فعل حال ہے۔ اور یَعْبُدُ فعل مضارع بمعنیٰ ماضی ہے مضارع کے صیغہ سے استمرار حاصل ہوا اور بے شک ہم سب قوم کے سمجھ دار لائق ذمہ دار حضرات البتہ تمہاری دعوت توحید سے اور اپنے آبائی دین کو جھٹلانے سے شک میں مریب ہیں یعنی سخت پریشان ہیں۔ تم نے نفسوں کو مضطرب دل کو بے آرام عقل کو پریشان کردیا۔ شک تردد۔ اور ریب تینوں ہی وہم پیدا کرتے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ شک وہ وہم جس میں اضطراب اور پریشانی نہ ہو عقل سوچنے پر قادر ہو۔ تردد یہ ہے کہ وہم حق و باطل دو طرفہ ایک جیسا ہو۔ رَیب وہ وہم جس میں دل پریشان عقل مضطرب ہو جائے۔ اس میں مُریب کو غم بھی لاحق ہو جاتا ہے۔ اے صالح غم ہم کو اس بات کا ہے کہ تم تو ہمارے ضعیفوں کے مددگار یتیموں کے فریاد رس بیکسوں کے مشکل کشا تھے اس وجہ سے تم ہم کو سب سے پیارے تھے تم سے ہم لڑنا جھگڑنا تمہارا دشمن ہونا نہیں چاہتے تھے اب تم نے یہ کون سا راہ اختیار کیا کہ ہم کو دشمن ہونا پڑے گا کیونکہ معاملہ دین کا ہے (تفسیر کبیر۔ معانی۔ بیان۔ مظہری۔ خازن۔ صاوی۔ نور العرفان۔ خزائن العرفان۔ مدارک۔ جمل) یہ تھا سورۃ ھود کا تیسری قوم کا واقعہ جس کے بیان کرنے سے مسلمانوں کو چند سبق اور چند فائدے حاصل ہوتے۔

فائدے پہلا فائدہ سب مخلوق ہی زمین سے پیدا ہوئی ہے اور سب کا ایک خالق اللہ تعالیٰ مگر کوئی بالواسطہ پیدا ہوئی کوئی بلا واسطہ خدا تعالیٰ ہر طرح پیدا کرنے پر قادر ہے دوسرا فائدہ مکان تعمیر کرنے اور دنیا آباد کرنی واجب شرعی ہے کیونکہ یہاں فرمایا گیا اسْتَعْمَرَ کُم یہ باب استفعال سے ہے جس میں طلب کے معنیٰ ہیں اور طلب مطلق جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو امر اور وجوب کے معنیٰ میں ہوتی ہے تو معنیٰ یہ ہوتے کہ تم کو حکم دیا تھا اس زمین میں آبادی اور تعمیر کا اسی لئے تم کو یہ فن دیا لہٰذا تارک الدنیا ہونا راہب بننا اس وجوب کے منافی ہے۔ پس گناہ تیسرا فائدہ انبیاء کرام کی تمام زندگی نمونۂ قدرت ہوتی ہے جس کا دشمن بھی اقرار کرتا ہے۔ دنیا کے لوگوں کو زمانہ ڈھالتا

ہے مگر وہ زمانے کو ڈھال دیتے ہیں۔ ذات نبی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ پر کسی ماحول کا اثر نہیں پڑتا نہ وہ ماحول سے متاثر ہوکر رواجاً کوئی عمل کرتے ہیں۔ خون کا پیاسا دشمن بھی ان کی زندگی پر کوئی عیب نہیں لگا سکتا یہ فائدہ مَرْجُوًّا کی تفسیر سے حاصل ہوا انبیاء کرام کی وضع قطع لباس شکل وصورت بناوٹ سب وحی الٰہی سے ہوتا ہے چوتھا فائدہ دین واسلام اور اللہ تعالیٰ کے نبیوں ولیوں کی باتوں اور علماء حق کے فرمودات میں شک وشبہ کرنا کفار ومنافقین وکمزور ایمان والوں کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ مُرِیْبٍ کی تفسیر سے حاصل ہوا پانچواں فائدہ انبیاء اولیاء اور دین کے سچے علماء سے اپنی مرضی اور مطالبوں خواہشوں کی امید رکھنا اور اپنی مرضی کے مسئلوں فتووں کو چاہنا اور مرضی کے خلاف ہونے پر علماء اولیاء اور انبیاء کا دشمن بن جانا کفار کا طریقہ ہے۔ مسلمان عوام اور حکومتیں وَاُمَرَا اس سے عبرت پکڑیں یہ فائدہ مرجوًّا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دین دنیا کے ہر کام رسومات اور رواجوں میں اولیاء علماء ربانی کی مانو اور شریعت کی لائن پر چلو۔ خود کو دین کے ماتحت کرو۔ دین کو دبانے کی کوشش مت کرو۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** حضرت صالح نے فرمایا اُعْبُدُوا اللّٰہَ اللہ کی عبادت کرو چاہیئے تھا کہ فرماتے اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ اللہ پر ایمان لاؤ ایمان پہلے ہوتا ہے عبادت بعد میں اس فرمان کی کیا وجہ؟ **جواب** اس کے دو طرح جواب ہیں پہلا یہ کہ عبادت سے مراد ایمان ہی ہے کیونکہ عَبْدٌ کے معنیٰ ہیں کسی کو معبود سمجھنا اور پھر اس کی بات ماننا اور اللہ کو معبود سمجھنا ہی اس پر ایمان لانا ہے۔ دوسرا یہ کہ ان کا عقیدہ تھا کہ وہ اللہ پر ایمان لائے ہوئے ہیں وہ اللہ کو خالق رازق مانتے تھے صرف مالکیت میں شرک کرتے تھے مقابلے میں بتوں کو برابر کا مانتے تھے۔ اگر حضرت صالح یہ فرماتے کہ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ اللہ پر ایمان لاؤ تو وہ جواباً کہہ دیتے کہ ہم تو پہلے ہی ایمان لاتے ہوتے ہیں حضرت صالح نے ایسی بلیغ اور جامع مانع تبلیغ فرمائی کہ پہلے ہی ان کے تمام عذر اور اعتراض ختم کر کے رکھ دیئے۔ اسی طریقہ مبارکہ کو علماء اصول براءتہ استہلال کہتے ہیں۔ یعنی اگر سچے مومن ہو تو فقط اس کی عبادت کرو محض زبانی دعوے بازی ٹھیک نہیں عملی ثبوت دو **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا ھُوَ اَنْشَاَکُمْ۔ ھُوَ خَلَقَکُمْ کیوں نہ فرمایا گیا حالانکہ ایک جگہ ارشاد ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ اس فرق کی وجہ کیا ہے **جواب** اَنْشَا اَنْشُوْ سے مشتق ہے جس کا معنیٰ پایا یہ ہے کہ ایجاد اور اوّل پیدائش یعنی اپنے بندوں کا اس کے سامنے کوئی نمونہ نہ تھا اس نے تم کو ابتدا ہی سے ایسا خوبصورت حسین طاقتور بنایا اس نے کسی کی نقل نہ کی اور نہ کوئی تم کو بنانے میں اس کی نقل کر سکتا لہٰذا اس نے ہی ابتدا انتہا۔ اوّل۔ آخر اس وقت اس وقت اور آئندہ تا قیامت تم کو بنایا ہے اس بنانے میں کوئی شریک نہیں تو تم عبادت میں کیوں شرک کرتے ہو یہ وضاحت خَلْقٌ میں ظاہر نہ تھی۔ یہاں کفار کو یہ بات سمجھانی ہے کہ رب تعالیٰ کے تم پر کتنے احسان ہیں وہ کیسا قدرتوں والا ہے تمہارے بت کیا حقیقت رکھتے ہیں اور اس معترض کی پیش کردہ آیت میں یہ مدعا نہیں۔ اس لئے یہاں نشوٌ مناسب وہاں خَلْقٌ۔

تفسیر صوفیانہ

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاھُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ھُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَکُمْ فِیْھَا فَاسْتَغْفِرُوْہُ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْہِ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ

فریب دینے والے دماغ پر فتور قوم ثمود کی طرف اسی وطن قالب کے ہم وطن شعورِ صالح کو بھیجا تاکہ وہ دماغ ثمود کو سمجھاتے بتاتے کہ جہنم کی بدبختیاں کیا ہیں اور ازل کی سعادتیں کیا ہیں جب حکمِ یزدانی سے شعورِ صالح کو نوازا گیا تب فرمایا اے میری قومِ دماغ جھک جاؤ اللہ خالق مالک کی طرف اسی کی سوچو اسی کی حقیقت میں غور کرو۔ سوچو یہ کہ اس کے سوا کسی ہستی میں یہ لیاقت نہیں جو تمہارا معبود بن سکے۔ سمجھو یہ کہ اسی نے تم کو زمین قالب سے پیدا کیا۔ پالا پرورش کی بڑھایا قوتِ تفکر بخشی اور ایسی دولت تدبر عطا کی کہ ساری زمین قالب کی تعمیرِ افعال تیرے سپرد کر دی اور تم کو لمبی عمر بھی دی اسی قالب میں پس اپنی غور فکر اور سمجھداری کو بخشش مانگنے کی طرف لگاؤ اور پہلے اس ذات رحیم وکریم سے بخشش مانگو پھر اپنے تمام کمالات ظاہری و باطنی کے ساتھ اس کی بارگاہِ صمدی کی طرف توبہ اور رجوع کرو بے شک میرا رب تعالیٰ تمہاری ہر فکر کے قریب ہے ہر وقت قریب ہے۔ تمہاری خفیہ توبہ کرنا اور بخشش مانگنا سنتا ہے اور نہایت ہی رحیم و رحمٰن ہے۔ ہر ایک کی ہر وقت کی التجائیں فریادیں قبول فرما لیتا ہے۔ صرف بندگی کی طرف مائل ہونے والے بندے صادق کی نیتِ خلوص ہونی لازم ہے۔ دماغِ فتور بارگاہِ قدس کو بعید جانتا ہے اس لئے سرکشی پر راغب التجاؤں دعاؤں سے دور رہتا ہے حالانکہ حقیقت وہی ہے شعورِ باطنی کو معلوم ہے کہ وہ ذات سرمدی قریب سے قریب تر ہے اھل اللہ اور عالم باللہ کو مبارک ہے جو نور و مشاہدات کی دعائیں مانگ کر توبہ معرفت میں داخل ہو جاتا ہے۔ حسرت ہے ازل کے تکبر والے گونگے بہرے اندھوں کو جو بارگاہِ معلیٰ میں جھکنے رجوع کرنے سے محروم رہے صوفیا فرماتے ہیں کہ قالب زمین کی عمارت ظاہری افعال شریعت ہیں اور ان کے اسباب عمارت باطنی اخلاقِ ربانی ہیں یہ بقا کی نیووں پر قائم ہیں اور عمارت نفسانیہ کا معمار دماغ ناسوتی ہے اس کو فنا ہے۔ عمارت بقا کا سامان واجب فرض سنت نفل حلال مباح طیب طاہر ہے اس سے عمارت قالب ظاہری تیار کر کے عمارت باطنی کا رنگ وروغن زھد وتقویٰ اخلاق ربانی سے مزین کرنا ہے یہی قالب بقا کا مٹی گارا ہے عمارت فنا کا سامان حرام ناجائز فسق ظلم سرکشی باطل ممنوع مکروہات ہیں یہ حرص وہوس کی کمزور و فانی بنیادوں پر قائم رہتا ہے لہٰذا دماغ ثمود تو حرص کے دریاؤں پر قانون شرعی کے امروں کا پل بنا اور ہلاکت کی نہروں پر ثمودِ عقل کی ممنوعات کا چھوٹا پل بنا۔ اس شہرِ قالب میں ایمانی قلعے تعمیر کر شکر کی مسجدیں ذکر اللہ کے لنگر خانے سجا۔ ذکرِ رسول نعت مصطفیٰ کے گوشۂ رہبری میں مدرسے خانقاہیں تعمیر کر خواہشات وہوس کے جنگل میں حرام وناجائز اور ممانعتِ شرعیہ کی حد بندی کر۔ ان تمام کا مقصد صرف یہ ہے کہ فنا کی بارش سے گناہ کی سردی سے ظلم کی گرمی سے ساکنانِ قالب کو بچایا جاتے ورنہ عذابِ ربِ ذوالجلال سے کون بچ سکتا ہے۔ خزانہ رحم صاف ستھرے ایمان کے کمروں میں ہی آتا ہے۔ گندے جوھڑوں کو ھیروں سے نہیں نوازا جاتا ہے۔ دنیا پرست اسی لئے بیوقوف ہے کہ وہ

بحرِ طغیان میں شہوات کی کچی مٹی سے کمزور دیواریں تیار کرتا ہے اور لالچ کی خاردار جھاڑیوں کے لئے اعمال سیاہ کی نہریں کھودتا ہے مگر مرشد شعور صالح اس کو جب منع کرتا ہے تو قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۔ ثمودِ سرکش نے بجائے نصیحتیں قبول کرنے کے کہا اے شعورِ صالح توساری زینِ قالب میں ہم سے ہونہار لائق سمجھدار تھا ہم کو تجھ سے یہ امید تھی کہ تو ہمارے ارادوں میں ہمارا معاون ثابت ہوگا مگر تو ہم کو اس شہوتوں خواہشوں کی پوجا سے منع کرتا ہے جس کی پرستش نفس امّارہ وسواسِ شیطانی اور ابلیس جیسے ہمارے باپ دادا کرتے رہے۔ دنیا اور دنیا کی لذتیں تو ہمارے سامنے ہیں جن مشاہدات و انوار۔ توبہ و استغفار کا تو وعدہ دیتا ہے اور جن خزانہ رحم وکرم ازلی ابدی کی دعوت تو ہم کو دیتا ہے ہم کو شک ہے کہ وہ غلط ہیں۔ اس کی طرف سے ہم پریشانی اور بے اطمینانی میں ہیں۔ اگرچہ دماغ مرکز تفکر ہے۔ مگر چونکہ تخت ابلیس سب سے پہلے یہیں بچھایا جاتا ہے اور شیطان سب سے پہلے اس کو اپنا غلام بنانا اس پر پورا قبضہ کرنا چاہتا ہے لہٰذا سب سے پہلے جسم انسانی کے اعضاء باطنی میں سے دماغ ہی بگڑتا ہے اور اسی جگہ دنیوی تفکرات و تحیرات کا جمگھٹا لگتا ہے جب رحمت رب کی نہریں جوش میں آتی ہیں اور اخیار کی گھٹائیں چھاتی ہیں انوار کی بجلیاں کوندتی ہیں اور مشاہدات کی پُربہار ہوائیں چلتی ہیں تو شعورِ جسدی بیدار ہوتا ہے اور جسم میں واردات سرمدی کے پیغامات آتے ہیں۔ سعادت کی راہیں دکھائی جاتی ہیں۔ بصیرت کی کھیتیاں اُگتی ہیں۔ دماغ طاغوتی بے شعوری کی دلدل میں پھنستا چلا جاتا ہے (روح البیان - ابن عربی)

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ

فرمایا اے قوم میری رائے دو تم اگر ہوں میں پر ظاہر نشانی طرف سے رب اپنے

بولا اے میری قوم بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں

وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ

اور دی ہو اس نے مجھے طرف سے اپنی رحمت اور کون مدد کرے گا میری مقابل اللہ کے اگر

اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بخشی تو مجھے اس سے کون بچائے گا اگر میں

عَصَيْتُهٗ قف فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ وَيٰقَوْمِ

نافرمانی کروں میں اس کی تو کیا زیادہ کرو گے تم میرا سوائے نقصان کے اور اے قوم

اس کی نافرمانی کروں تو تم مجھے سوا نقصان کے کچھ نہ بڑھاؤ گے اور اے میری قوم

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْٓ

میری یہ اونٹنی ہے اللہ کی تمہارے لئے نشانی تو چھوڑو آزاد اس کو کھاتی پھرے بیچ زمین

یہ اللہ کا ناقہ ہے تمہارے لیئے نشانی تو اسے چھوڑ دو اللہ کی زمین

اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ

اللہ کی اور نہ چھوؤ تم اس کو برائی کر پکڑے تم کو عذاب نزدیکی

میں کھائے اور اسے بری طرح ہاتھ نہ لگانا کہ تم کو نزدیک عذاب

قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ

پس کاٹ دیں کونچیں اس کی تو فرمایا کہ موجیں کرو تم بیچ گھر اپنے تین دن

پہنچے گا تو انہوں نے اسکی کوچیں کاٹیں تو صالح نے کہا اپنے گھروں میں تین دن اور

اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾

وہ وعدہ ہے نہ جھٹلایا ہوا

برت لو یہ وعدہ ہے کہ جھوٹا نہ ہو گا

تعلق

ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ قوم ثمود نے حضرت صالح کی تبلیغ میں شک کا اظہار کیا تھا اور شک چونکہ انسان کے اپنے ہی غور و فکر سے دور ہوتا ہے۔ نہ کہ سمجھانے بجھانے سے اس لئے اب اِن آیات میں حضرتِ صالح کی حکیمانہ موقع کے مطابق گفتگو اور دعوتِ غور و فکر کا ذکر ہو رہا ہے کہ خواہ مخواہ شک نہ کرو بلکہ عقلِ سلیم سے غور کر کے بتاؤ کہ اگر میں واقع میں نبی ہوں پھر تم نہ مانو یا میں تبلیغ نہ کروں تو کیا بنے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت صالح کی زبانی تبلیغ کا ذکر ہوا تھا۔ جس میں کفار نے شک کر لیا تھا اب معجزہ دکھا کر اُن کی عقلوں کو متحیر کر کے عملی تبلیغ فرمانے کا ذکر ہے اور شک دور کرنے کا بہترین اور کامل مضبوط طریقہ ہے **تیسرا تعلق**! پچھلی آیات میں کافر قوم کا یہ قول مذکور ہوا کہ وہ حضرت صالح کی تبلیغ سے شک میں پڑ گئے اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ اُن کی بکواس اور غلط بیانی ہے۔ حقیقت میں اُن کو شک نہیں پڑا اُن کو صالح علیہ السلام کی فصیح بلیغانہ حکیمانہ وعظ سن کر آپ کی سچائی پر یقین تو پہلے ہی آچکا تھا اگر واقعتاً اُن کو شک ہوتا تو غور و فکر سے دور

ہوجاتا اور پھر ناقے کا معجزہ دیکھ کر تو یقیناً شک دور ہو جاتا اس کے باوجود پھر بھی کافر رہے اور پاک اونٹنی سے بھی گستاخی کی ثابت ہوا کہ محض ضد عناد و تکبر ہے نہ کہ شک۔

تفسیر نحوی قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ - قَالَ فعل ماضی کا فاعل صالح علیہ السلام یا ندائیہ قوم منادیٰ مضاف بسوئے یاءِ متکلم ا ہمزہ استفہامیہ ہے رَءَيْتُمْ فعل ماضی بمعنی امر رُئِیَ سے بنا بمعنی نظر اور دل سے بیکدم دیکھنا۔ اِنْ یا یہ حرف شرط ہے شک کے لئے ہے اور شک کی نسبت قوم کی طرف کیونکہ انبیاء دین میں شک سے پاک ہوتے ہیں یا یہ دراصل اِنَّہٗ تھا۔ كُنْتُ صیغہ واحد متکلم فعل تامہ ہے عَلٰى اپنے ہی معنی میں ہے بعض نے کہا بمعنی مع ہے بَيِّنَةٍ لغوی معنی کھلی چیز مراد کھلا دین حق اور ظاہر دلیل مِنْ جارّہ ظرفیت کے لئے بمعنی قِبَلِ رَبِّىْ مرکب اضافی رَبّ بمعنی مُرَبِّیْ اسم صفاتی اور اس لفظ کو بولنے والا اثنا کرتا ہے وَاٰتٰىنِىْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِىْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ واؤ عاطفہ ہے ایک قول میں واؤ حالیہ ہے اٰتَا فعل ماضی متعدی بدو مفعول نِیْ نون وقایہ یا متکلم مفعول اول مِنْ ظرف کا بمعنی عِنْدَ یا بمعنی قبل ہٗ ضمیر مجرور متصل کا مرجع رَبِّیْ ہے رَحْمَةً مفعول دوم مراد نبوت ہے واؤ ابتدائیہ مَنْ اسم موصول برائے استفہام انکاری ہے يَنْصُرُ فعل مضارع معروف نَصْرٌ سے مشتق ہے بمعنی بچانا نِیْ نون وقایہ یاءِ متکلم مفعول بہ مِنْ ابتدائیہ بیانیہ ہے لفظ اللہ مجرور بوجہ اضافت پوشیدہ لفظ عذاب پوشیدہ مضاف ہے۔ اِنْ حرفِ شرط اگلا جملہ شرط مؤخر عَصَيْتُ ماضی بمعنی مضارع عصیٰ ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنی نافرمانی ہٗ کا مرجع رَبِّیْ یا لفظ اللہ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِىْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ فا تعقیبیہ مَا تَزِيْدُوْنَ مضارع منفی بمعنی مستقبل زِیْدٌ سے بنا بمعنی بڑھانا نِیْ نون وقایہ یاءِ متکلم مفعول بہا غَيْرَ بمعنی اِلَّا تخسیر باب تفعیل کا مصدر بمعنی مفعول غیر نے نفی توڑ دی وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً - واؤ سرجملیہ یا قوم جملہ ندائیہ ہذا اسم اشارہ قریبی نَاقَةٌ دودھ والی اونٹنی کو کہا جاتا ہے مضاف لفظ اللہ مضاف الیہ ہے اضافت تشریفی ہے۔ لَكُمْ میں لام نفع کا کُمْ سے مراد ساری قوم اٰيَةً لغتاً نشانی مراد معجزہ فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِىْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ - فا سببیہ ہے ذَرُوْ فعل امر بصیغہ جمع ہے خطاب قوم کو ہے هَا کا مرجع ناقہ تَاْكُلْ فعل مضارع بحالت رفع بوجہ اس جملے کے حال ہونے کے مضارع بمعنی استمراری فِیْ بمعنی عَلٰى اَرْض سے مراد کھیت ہیں اضافت تشریفی ہے لفظ اللہ مضاف الیہ۔ واؤ بیان نتیجہ کے لئے عاطفہ ہے پہلا فعل امر تھا یہ نہی تَمَسُّوْا۔ مَسٌّ سے بنا بمعنی ہاتھ سے چھونا مراد تکلیف دینا بِسُوْٓءٍ باء بعضیت کی ہے سوء مجرور بمعنی برائی تکلیف فَيَاْخُذَكُمْ ف اظہار نتیجہ کے لئے يَاْخُذَ فعل مضارع منصوب بوجہ شرط یا اِنْ مقدرہ کے یعنی اگر تم نے تکلیف دی تو پکڑے گا عذاب مستقبل کے معنی میں ہے عَذَابٌ بمعنی خدا کی غیبی سزا تنوین تعظیم کی ہے قَرِيْبٌ قُرْبٌ سے بنا بمعنی قرب زمانی یعنی زمانہ دنیا فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِىْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ فا تعقیبیہ عَقَرُوْا فعل ماضی جمع ہے عَقْرٌ سے مشتق ہے بمعنی رسی کا کاٹنا یہاں مراد ہے رگیں یا پٹھے کا کاٹنا هَا کا مرجع اونٹنی

فقال فا تعقیبیہ قال فعل ماضی واحد ہے اس کا فاعل صالح علیہ السلام اگلا جملہ مقولہ ہے تَمَتَّعُوْا فعل مضارع بمعنیٰ امر حاضر دراصل تتمتعوا تَتَمَتَّعُوْا علامت مضارع بوجہ تخفیف محذوف ہو گئی صحیح یہ ہے کہ بذات خود امر حاضر جمع ہے باب تفعل کا مَتُّعٌ سے بنا بمعنیٰ نفع لینا۔ فِیْ ظرفیت کے لئے دار بمعنی گھر یا بستی کُمْ کا مرجع کافر قوم۔ ثَلٰثَۃَ لفظ خاص اپنے حقیقی میں ہے اَیَّام جمع ہے یوم کی بمعنیٰ روشن دن اور ان کی دو راتیں ذٰلِكَ اسم اشارہ بعید کے لئے مشار الیہ پوشیدہ ہے یعنی عذاب وَعْدٌ بمعنیٰ مَوْعُوْدٌ اسم مفعول غَیْرُ حرف نفی مضاف ہے بسوء مکذوب۔ اسم مفعول ہے کِذْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جھوٹ ہونا باب ضَرَبَ سے ہے یہاں فِیْہِ پوشیدہ ہے۔ غَیْرُ کو رفع بوجہ صفت ہے موصوف وَعْدٌ ہے نوادرات نحات سے ہے کہ کہ مکذوب مصدر ہے بروزن معقولٌ مجلودٌ۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ۔ فرمایا حضرت صالح نے۔ اے میری قوم میں نے تم کو بہت اچھی طرح سمجھایا مگر تم نے نہ سمجھا تم اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ میں نبی ہوں اور خدا تعالیٰ کا خاص پیغام خالص سچا دین لے کر تمہارے پاس آیا ہوں تو اچھا اب اس طرح سمجھنے کی کوشش کرو اور خوب غور کرو اور بعد غور کے مجھ کو بتاؤ اگر ہوں میں سچائی پر اور حقیقت بھی یہی ہے اور جو کچھ میں نے تم کو تبلیغ کی ہے وہ بالکل درست ہے۔ میرے رب کی طرف سے ہی ہے اور اس اللہ نے اپنے کرم اور حکمت بالغہ سے مجھ کو نبوت عطا کی ہو جس کو تمہاری عقلیں نہیں مانتیں حالانکہ یہ حقیقت اور یقین ہے جس کو میں ہی سمجھتا ہوں۔ شک تو صرف تم کو ہے۔ لہٰذا تم بتاؤ کہ مجھ کو اللہ کے عتاب سے کون بچائے گا اور کون میرا مددگار ثابت ہوگا اگر میں تمہاری منت و سماجت مان کر یا تمہارے ڈرانے دھمکانے سے مرعوب ہو کر اس اللہ جل شانہٗ کی نافرمانی کروں۔ یا اس طرح کہ تبلیغِ رسالت چھوڑ کر شرک و کفر کی برائی بیان کرنا چھوڑ کر بیٹھ جاؤں اور گوشۂ تنہائی اختیار کر لوں بس اپنی عبادت و ریاضت میں لگا رہوں تم ڈوبتوں کو نہ بچاؤں جس ڈیوٹی عہدے اور ذمہ کے ساتھ یہاں بھیجا گیا ہوں وہ انجام نہ دوں تو تم میں سے کون ہمت والا ہے جو اللہ کے عذاب سے بچالے۔ اس لئے کہ میری خلوت نشینی میرے لئے گناہ ہے۔ ہر شخص کا گناہ اس کی ذمے داریوں کے مطابق ہوتا ہے۔ تمہاری ذمے داری تو صرف عبادتِ خدا تعالیٰ کرنا ہے مگر میری ذمے داری عبادت کرنا بھی ہے کرانا بھی ہے تمہارا کام تو فسق کفر شرک۔ بت سازی۔ برائی سے بچنا ہے لیکن میرا کام تم کو ان تمام برائیوں سے بچانا ہے۔ تمہاری خلوت نشینی کی عبادات تم کو مفید مگر مجھ کو میری خلوت نقصان دہ۔ یا اس طرح کہ تمہاری خواہش کے مطابق تمہارے دین کو سچا کہہ دوں ذرا سوچو کہ تمہاری ان امیدوں سے جو تم نے مجھ سے لگائی ہوئی تھیں یا لگائی ہیں میرا فائدہ ہوگا کہ نقصان۔ یہ دوسرا آسان طریقہ ہے جس سے میں تم کو تبلیغ کر رہا ہوں مگر اب بھی تم سمجھنے کے قریب معلوم نہیں ہوتے۔ تمہاری عقلیں نہ معلوم تم کو کس طرف لے جا رہی ہیں مگر میں شروع سے سمجھتا ہوں کہ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ

غَيْرَ تَخْسِيْرٍ - بس تم میرے لئے کچھ زیادہ نہ کرو گے۔ سوائے اس کے کہ اور زیادہ میرا نقصان در نقصان ہو گا تمہارے ساتھ ملنے سے تو تم مجھ کو سرداری بادشاہت کا لالچ دے رہے ہو مگر میں جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ لگنے میں میرا کتنا نقصان ہے۔ ناراضی رب تعالیٰ اعمال کی بربادی عذاب عتاب ناشکری کی سزا وغیرہ وغیرہ اور غور کرو کہ جب میں تمہارے اس شرکیہ راستے کو تمہارا خسارہ کہہ رہا ہوں پس اگر میں خود اس میں مبتلا ہو گیا فرض محال تو پھر تو میں دگنے تگنے خسارے میں ہوں گا۔ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ نہیں الزام لگا سکتے تم مجھ پر سوائے اس بات کے کہ میں نے تم کو کہا ہے کہ تم اپنے اس شرک وکفر کی وجہ سے نرے گھاٹے میں ہو (کبیر۔ معانی۔ بیان۔ سراج منیر۔ جمل۔ صاوی) حضرت صالح کی یہ تبلیغ بہت بڑے میلے میں ہوئی تھی۔ حسب عادت مشرکوں نے معجزہ طلب کیا تو آپ نے فرمایا کون سا معجزہ مانگتے ہو تو ان کے سردار جندع بن عمرو نے کہا کہ اس کاثبہ نامی چٹان سے ایک موٹی تازی خوبصورت حاملہ اونٹنی پیدا ہو تب ہم سب آپ پر ایمان لائیں گے آپ نے ان سے پختہ وعدے لے لئے ان کے اس مطالبے کا ذکر سورۃ الشعراء میں ہے جب آپ نے یہ ایمان لانے کا وعدہ سب کفار سے لے لیا تب آپ نے نفل حاجت پڑھے اور اس معجزے کے عطا کی دعا مانگی رب نے قبول فرمائی دیکھتے دیکھتے اسی وقت چٹان پھولنا شروع ہوئی اور پھر پھٹی۔ جس میں سے جوان خوبصورت حسب مطالبہ دس ماہ کی حاملہ اونٹنی برآمد ہوئی تب حضرت صالح نے فرمایا وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ — اور اے میری قوم یہ لو اپنا مطالبہ اللہ کی اونٹنی۔ اللہ کے ہونے کا مطلب یا یہ ہے شرافت اور فضیلت وعزت میں سب انسانوں سے بھی زیادہ ہے کیونکہ نبی کے معجزے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ذریعے حیران کن طریقے سے آئی ہے یا یہ مطلب ہے کہ تمام جہان کی اونٹنیوں سے انوکھی بغیر ولادت بغیر عمر سے بڑھنے والی دس مہینے کی حاملہ اونٹ کا بچہ فوراً نکل کر جننے والی بغیر اونٹ کے ملے حاملہ ہے (اس کا حمل بغیر باپ کے) لَكُمْ کا تعلق اگر نَاقَةُ اللّٰهِ سے ہے تو معنیٰ یہ ہے کہ یہ اونٹنی تمہارے لئے ہے تم اس کے لئے نہیں یعنی یہ تم کو نفع اور فائدہ دے گی مگر تم نے اس کا کوئی انتظام نہیں کرنا تم کو اس کی کوئی مشقت نہیں کرنا پڑے گی اور اگر لَكُمْ کا تعلق اٰيَةً سے ہے تو معنیٰ یہ ہیں کہ لو یہ میرا معجزہ ہے تمہارے لئے نشانی" قدرت ہے اب وعدے کے مطابق ایمان لاؤ۔ پس اس کی حالت پر اس کو چھوڑ دو یہ خود ہی اپنی غذا کھانا بھی پانی بھی حاصل کرتی رہے گی نہ اس کو باندھو نہ روکو نہ بھگاؤ نہ جھڑکو نہ اس کے غذا کی مشقت کرو یہ خود ہی درختوں کے پتے کھاتے گی اور ایک دن کا سارا پانی کنوئیں تالاب کا پئے گی اور تم کو اتنا کثیر دودھ دے گی کہ تم سارے قبیلے سے ختم نہ ہو سکے گا وہ قبیلے والے پندرہ سو تھے ایک روایت میں نو سو تھے۔ یہ اونٹنی خود ہی کھا پی کر بازار میں آجاتی اور ہر گھر کے سامنے آجاتی گھر والا نکلتا اور دودھ دوہ لیتا سارے برتن بھر لیتا۔ جب آخری برتن بھر جاتا تو اونٹنی کو علم ہو جاتا خود ہی آگے چلی جاتی یہاں تک کہ سارا قبیلہ دودھ حاصل کرتا اور جانے کی بھی لوگوں کو مشقت نہ کرنی پڑتی۔ نہ تلاش کرنا پڑتا نہ انتظار لوگ تندرست ہو گئے بچے اولاد موٹی تازی ہو

گئی دودھ بچ رہتا کمی نہ ہوتی اونٹنی سے فائدہ حاصل کرتے رہے مگر اپنے وعدے ایمان سے پھر گئے اور ایمان نہ لاتے۔ چند ماہ اسی طرح گذر گئے مگر چونکہ کافر تھے کافر ہمیشہ کا فسادی ہے اس کو ایمان کی کوئی چیز گوارہ نہیں ہوتی خواہ اس میں کتنا ہی آرام کتنی ہی لذت ونفع کیوں نہ ہو۔ اسی فسادی طبیعت کی بنا پر حضرت صالح کا معجزہ بھی گوارا نہ ہوا تو اونٹنی کے خلاف مختلف سازشیں شروع ہوگئیں کبھی کہتے اونٹنی سارا پانی پی جاتی ہے کبھی کہتے ہمارے کھیت کھا جاتی ہے حالانکہ یہ جھوٹ تھا۔ کبھی کہتے اس کے جسم سے بدبو آتی ہے کبھی کہتے اس سے ہمارے جانور ڈرتے ہیں۔ زیادہ تر یہ ہی عذر تھا کہ یہ ایک دن کا سارا پانی پی جاتی ہے۔ ایک دن ہمارے لئے ہوتا ہے۔ یہ نہ سوچتے کہ پانی کے بدلے تم کو دودھ کتنا دیتی ہے۔ ان سازشوں کی بنا پر حضرت صالح نے احتیاطًا آگاہ فرمایا کہ خبردار اس اونٹنی کو برے ارادے سے ہاتھ بھی نہ لگانا۔ نہ مارنا نہ شکارنا۔ نہ لاٹھی چھڑی چلانا ورنہ بہت جلدی تم کو عذاب پکڑے گا۔ اور اونٹنی سے زیادہ بلبلا کر مرو گے یہ خبر یا بوجہ علم غیب تھی یا بذریعہ وحی الٰہی تھی۔ قریب سے یا مراد دنیوی چند دن ہیں اور دنیا کا ہی عذاب ہلاکت مراد ہے یا مراد آخرت کے مقابل قریب۔ مگر پہلا قول درست ہے اگلی آیت کے مطابق ہے مگر وہ کب ماننے والے تھے جب انہوں نے پہلی تبلیغ اور اللہ رسول کو نہ مانا تو ایک اونٹنی کی کیا پرواہ کرتے اور پھر جب بدبختی سر پر سوار ہو تو عقل کب ساتھ دیتی ہے فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ۔ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ۔ بس ان سب نے اونٹنی کے ٹخنے کی پچھلی رگیں کاٹ دیں جس سے سارا خون بہہ گیا اور اونٹنی مر گئی اور اس کا بچہ جنگل میں غائب ہوگیا۔ یا پہلے کونچیں یعنی ٹخنے کی رگیں کاٹیں پھر ساتھ ہی گلا کاٹ کر ذبح کر دیا دونوں روایتیں ملتی ہیں۔ ذبح کرنے اور کاٹنے والا صرف ایک شخص قدار بن سالف تھا مگر چونکہ سب کفار کے مشورے اور حکم سے اس نے ایسا کیا اس لئے عقروا جمع فرمایا پھر گوشت بنا کر سب نے تقسیم کر کے کھا لیا کفار کی خباثت دیکھ کر انتہائی غم وغصہ وجلال کی حالت میں حضرت صالح نے فرمایا۔ کر لو عیش اپنے اپنے شہر یا اپنے گھروں یا اپنے ٹھکانوں علاقوں میں دار بنا ہے دَارَ يَدُوْرُ سے بمعنیٰ بلا روک ٹوک پھرنا۔ چونکہ انسان اپنے گھر اپنے شہر اپنے علاقے میں بلا رکاوٹ پھرتا ہے اس لئے حقیقتًا گھر اور مجازًا شہر وعلاقے کو دار کہہ دیا جاتا ہے۔ عرب کا عام محاورہ ہے کہ شہروں کو دیار کہا جاتا ہے جیسے کہ دیار مدینہ دیار بکر۔ صرف تین دن۔ بدھ۔ جمعرات۔ جمعہ۔ اونٹنی کا ذبیحہ چپ کر بدھ کی رات کو ہوا تھا۔ اور یہ چھپنا حضرت صالح کے خداداد رعب اور ہیبت سے تھا۔ اگرچہ صالح علیہ السلام اکیلے ہی تھے مگر رعب وجلال کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے سردار خوشامدی بنے رہتے تھے منہ اٹھا کر بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی اور کچھ خاموشی اور حق پرستی کا بھی رعب تھا۔ صبح کو حضرت صالح نے یہ ہیبت ناک خبر سنا دی۔ یہ تین دن بھی ان کے آرام کے نہ گزرے بلکہ یہ خبر سنتے ہی ان کے رنگ پیلے پڑ گئے دوسرے دن سب کے رنگ انتہائی سرخ ہوگئے تیسرے دن وہ سرخی گہری ہوتی ہوتی انتہائی سیاہی میں تبدیل ہوگئی۔ آپ نے ساتھ ہی یہ فرما دیا تھا کہ وہ عذاب اب ایسا وعدہ یعنی وعید تمہارے حق میں اور وعدہ میرے حق میں بنا

چکا ہے کہ غَیْرُ مَکْذُوْبٍ ہے۔ ٹلنے والا نہیں۔ نہ تم اس سے بھاگ سکتے ہو۔ نہ کوئی بت تم کو بچا سکتا ہے۔ اور جھٹلانے سے جھٹلایا ہوا نہیں ہو سکتا۔ نہ اس میں جھوٹ کا کوئی امکان رہا۔ مکذوب کذبٌ سے بنا معنی باطل۔ یا متخلف۔ یا غلط یہ خبر حضرت صالح علیہ السلام کے غیب کو ثابت کرتی ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے پہلا فائدہ انبیاءِ کرام بھی رب تعالےٰ سے ڈرتے ہیں۔ اور یہ ان کے ایمان کی نشانی ہے۔ جس کے پاس جتنا زیادہ مضبوط ایمان ہوگا اتنی ہی اس کو خشیت الٰہی زیادہ ہوگی خوف خدا تعالیٰ مومن کا زیور اور روح کا حسن ہے۔ قلب کی چمک ہے۔ جب انبیاء و مرسلین ہیبت الٰہی میں مگن ہیں تو ما و شما کس شمار میں۔ یہ فائدہ فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ الخ کی پوری عبارت سے حاصل ہوا میدان محشر میں کافر خشیت الٰہی سے لرزاں ہوگا مگر مومن خشیت الٰہی میں مگن دوسرا فائدہ پچھلے انبیاءِ کرام کے معجزات دنیا میں ظاہر ہوتے اور ختم ہو گئے بلکہ انبیاءِ کرام کی موجودگی میں ہی ختم ہو گئے لیکن ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ نہیں بلکہ ہزاروں سینکڑوں معجزے اب تک ظاہر ہیں مثلاً قرآن مجید۔ اذان۔ کلمہ۔ نماز۔ حج۔ اولیاء اللہ علماءِ اسلام کا وجود بھی معجزہ ہے۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ یہ فائدہ نَعْقِرُوْ سے حاصل ہوا تیسرا فائدہ انبیاءِ کرام کو رب تعالےٰ قدرتی رعب وہیبت عطا فرماتا ہے کافر کتنے تعدادی ہوں مگر خوف زدہ مرعوب رہتے ہیں اور نبی خواہ اکیلا ہی ہو مگر ہزاروں کے سامنے نہایت جرأت سے کلام فرماتا ہے اس کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ ان کو خوف خدا بہت ہوتا ہے۔ انبیاء کے صدقے جس مومن کو جتنا خوف خدا زیادہ ہوگا اتنا ہی اس کا رعب زیادہ ہوگا اور لوگوں کے دلوں میں اس کا وقار بڑھتا جائے گا۔ انسان تو انسان جانور بھی مرعوب ہوں گے شیخ سعدی نے فرمایا

شعر تو ہم گردن از حکم داور مپیچ — کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

یہ فائدہ فعقروا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا چوتھا فائدہ انبیاءِ کرام غیب جانتے ہیں یہ فائدہ ثلٰثۃ ایام کی ہیشگی خبر سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ انبیاءِ کرام جو بات کرتے ہیں نہایت پکی سچی اور درست و مضبوط ہوتی ہے بلکہ خدائی بات ہوتی ہے بخلاف جھوٹے نبی کے کہ اس کی ہر بات غلط اور جھوٹی ہوتی ہیں۔ جیسے کہ مرزا قادیانی کی سب خبریں بکواس ثابت ہوئی رہیں یہ فائدہ غَیْرُ مَکْذُوْبٍ بعد میں ٹھیک وقت پر عذاب آنے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں پہلا اعتراض حضرت صالح نے فرمایا اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَۃٍ اگر حقانیت پر ہوں حرف اِنْ شک کے لئے آتا ہے شک کرنا دینی باتوں میں منع ہے اور حضرت صالح تو اللہ کے نبی کو اپنی سچائی کا یقین ہونا چاہیئے تو یہاں شک والا حرف کیوں بولا گیا؟ جواب یہاں حرف اِنْ شک کے لئے نہیں آیا بلکہ ان کفار کی رائے لینے کے لئے آیا ہے اور ان کو حقیقت حال پر غور کرانے سمجھانے کے لئے آیا ہے کہ یہ طریقہ سمجھانے کا بہتر تھا۔ اور آسان تھا۔ اور اگر شک کے لئے بھی ہو تو شک کی نسبت کفار کی طرف ہے نہ کہ حضرت صالح کی طرف۔ مشفقانہ تبلیغ کا یہی طریقہ ہوتا ہے دوسرا اعتراض جب صالح علیہ السلام نے

عذاب کی خبر دی تو انہوں نے حضرت صالح سے علامات عذاب پوچھیں جیسے کہ بعض مفسرین فرماتے ہیں تب حضرت صالح نے ان کو بتایا کہ پہلے دن کفار کے منہ پیلے ہوں گے دوسرے دن سرخ تیسرے دن سیاہ ہوں گے چوتھے دن عذاب سے ہلاک ہوں گے۔ تو جب یہ علامات مطابق فرمان ظاہر ہوئیں اس وقت وہ لوگ اپنے کفر پر مصر کیسے رہے مائل بہ ایمان کیوں نہ ہوتے جواب؛ اس کا جواب اولاً تو وہ ہے جو تفسیر میں بتایا گیا کہ یہ علامات کسی نے پوچھی نہیں تھیں نہ حضرت صالح نے بتائیں تھیں بلکہ خود بخود ان کے چہروں یا سارے جسموں پر ظاہر ہوئیں۔ یا یہ واقعی علامات عذاب تھیں یا اس خبر کی دھشت سے ان کے یہ حال ہو گئے تھے ظاہراً اپنی حالت کو خوش باش دکھانا چاہتے تھے مگر قلبی ھیجان ان کی شکلوں کے ھَوَنّق ہونے سے ظاہر ہو رہا تھا۔ ثانیاً جواب وہ ہے جو تفسیر کبیر نے دیا کہ جس طرح کفار نے حضرت صالح کی پہلی نصیحت اور وعظ کا اعتبار نہیں کیا تھا اسی طرح اس خبر عذاب اور نشانیوں پر بھی ان کو اپنے سختیٔ کفر کی بنا پر یقین نہیں آیا تھا۔ مذاق میں ٹالتے رہے۔ یہاں تک کہ چوتھا دن ہوا تب کچھ مائل ہوتے اور گڑگڑاتے مگر اب ایمان بیکار تھا۔ **تیسرا اعتراض** تفسیر سے اور قرآن مجید کی دوسری آیات سے معلوم ہوا کہ ناقہ صالح معجزہ تھی۔ تو معجزہ کفار نے کیسے مٹا دیا۔ جبکہ عصائے موسوی کو اسّی ہزار جادوگر نہ مٹا سکے جواب اونٹنی کا نکلنا معجزہ تھا نہ کہ اس کا جسم گوشت پوست ھڈی چمڑہ۔ اگر سب کچھ معجزہ ہوتا تو دودھ بھی نہ پیا جاسکتا۔ بخلاف عصاء موسوی کے کہ جب وہ سانپ بنتی تھی تو جسماً معجزہ ہوتی تھی۔

تفسیر صوفیانہ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ۔ شعور صالح نے فرمایا اے میری قوم ذھن وخیال شک تردد قلق واضطراب میں نہ پڑو بہ نظر تدبر یہ دیکھو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے مشاہدات ظاہرہ اور منزل نظارۂ جمال پر ہوں اور اس ذات کریم مربی خلائق ظاہری وباطنی نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت مکاشفات عطا فرمایا ہو تو اگر میں اس کے حکم عرشی عبادت فرشی سے منہ موڑوں نافرمانی کروں تو کون عذاب فراق اور عتاب حجاب سے مجھ کو بچا کر وصل کے دامنوں سے ملا کر میری مدد کرے گا۔ یہ لذات وصل اگر وادی بُعد میں گم ہو گئیں۔ بسط کے بعد قبض کے اندھیرے چھا گئے تو کون ہاتھ پکڑنے والا ہے تم تو خود ڈوبے جا رہے ہو میرا بھی سوائے خسارے اور گھاٹے نقصان نہ بڑھاؤ گے اے وطن قالب کے ہم وطنوں۔ خیر خواہ کی باتوں میں شک تردد قلق واضطراب نہ کرو کیونکہ شک وتردد کافران ازلی کا کام ہے اور قلق اور پریشانی واضطراب فاسقوں کا کام ہے جب حق ظاہر ہوجاتا ہے تو حق سے منہ پھیرنا صرف گمراہی وذلت ورسوائی ہی ہے تم صرف باتوں سے نہیں مانتے اور مجھ سے نشانی حقیقیہ کے ہی طالب ہو تو وَیٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ ۔۔۔۔۔ اے دماغ پُر فتوری میری قوم ثمود مغرورہ یہ ہے مرکب ضمیر روحانیات اللہ کے زیر حکم چلنے والی تمہارے لئے بڑی نشانی اس کے راستے میں عقل کے

پھندے فریب کی رکاوٹیں نہ کھڑی کرنا بلکہ اس کو میدان جسدی میں کھلا پھرنے دینا کہ نعمات الٰہیہ کے کھیتوں سے نور کے خوشے چرتی پھرے اور للذات کے کوؤں چشموں تالابوں سے سیراب ہوتی رہے۔ اس کو بے غیرتی کی برائی سے مت چھونا۔ ورنہ اے ذخیرۂ غور و فکر تم کو بے عقلی کا عذاب ایسا پکڑے گا جو قریب ہی ہوگا یہ ناقۂ ضمیر انسانی قربِ خدا سے مختص ہے۔ اس کی اطاعت میں سرشار ہے۔ اے ثمود دماغ تیرا پینا قوت عقل و عمل سے ہے لیکن ضمیر ناقۃ اللہ کا مشرب اور پینا عقل نظری و کشف فطری سے ہے تم پیتے ہو تو فسق و فجور کا بول و براز بنتا ہے یہ ضمیر قلبی پیتی ہے تو نور مشاہدات کا دودھ بنتا ہے۔ جس سے تمہاری فکروں کے برتن بھر سکتے ہیں۔ یہی شیر انوار علوم معرفت اخلاق فطری کا گنجینہ ہے شریعت و آداب کے مکھن یہیں سے نکلیں گے۔ یہ خود بدن شعور سے نکلی ہے جو ایک عجیب خرق عادت ہے فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ۔ باوجود ہر طرح کی مصیبت و تکلیف و ذلت و خواری سے آگاہ کرنے کے پھر بھی نفسِ خودسر کے حکم سے دماغِ پُر غرور نے ضمیر کو مردہ کر دیا تب شعورِ صالح نے فرمایا کہ اے ایمان کے وعدے سے پھرنے والی ثمودِ دماغ و عقلیات اپنے پنجرہ جسدی کے دار فنا میں چند سانس نفع لے لے تین دن یومِ غفلت یومِ ذلت یومِ حسرت پھر ہلاکتِ قبض کا دن ہے وہ دوریٔ رحمت کا عذاب ایسا یقینی وعدہ ہے کہ جس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں اہلِ شر ظاہری عقل و خرد کے باوجود جاہلِ بحر و بر ہیں ان کی عقلیں جہالت کے ایسے کام کر لیتی ہیں جس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ دنیوی خرد حقیقت کا پردہ ہے اور حقیقتُ الْاَمر سے حجاب ہونا جہالت ہے اور جہالت سے بڑھ کر کوئی بیماری نہیں۔ دنیا مسکن نفس ہے دماغ کا مقر ہے مگر یہاں سے آخر مفر ہے صرف تین دن لذت فنا کا نفع ہے پہلا یوم جہالت ہے جس میں شرمندگی کی زردی ہے دوسرا دن یوم غفلت ہے جس میں خوف کی سرخی ہے تیسرا دن یومِ خَتَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ہے جس میں ہلاکت سیاہی ہے۔ دماغ کی ساری عقلی گتھیاں فریب کاری کے جال فنا میں صرف عذاب کو بقا ہے پس عاقل شعور پر واجب کہ مُہرِ عذاب لگنے سے پہلے معرفتِ الٰہی سے جہالت کے عذاب کو اور بیداریٔ چشم بصیرت سے غفلتِ دماغ و نفس کو زائل کر دے کیونکہ حجاب کے بعد پھر اس کا علاج ناممکن ہے۔ اس بارگاہِ صمدیت میں اگر نورِ جمال ہے تو نارِ جلال بھی ہے دماغ کو شعورِ باطنی کے ماتحت کر دو ورنہ دائمی عذابِ فراق کی نار میں جلنا ہے (تفسیر روح البیان۔ تفسیر عرائس البیان مع زیادت)

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

تو جب کہ آیا امر ہمارا نجات دی ہم نے صالح کو اور ان کو جو ایمان لائے ساتھ اس کے

پھر جب ہمارا حکم آیا ہم نے صالح اور اس کے ساتھ کے

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْیِ یَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

سے رحمت طرف سے ہماری اور سے ذلت اس دن۔ بے شک رب تمہارا

سلمانوں کو اپنی رحمت فرما کر بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بے شک تمہارا رب

هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ﴿۶۶﴾ وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ

وہ طاقت والا غالب ہے اور پکڑ لیا ان کو جو ظالم ہوئے چیخ نے تو صبح کی انہوں

قوی عزت والا ہے اور ظالموں کو چنگھاڑ نے آ لیا

فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۶۷﴾ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ

نے بیٹھے گھروں اپنے اٹھتے۔ گویا نہیں عیش کی انہوں نے بیچ گھروں خبردار

تو صبح اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے گویا کبھی یہاں بسے ہی نہ تھے

اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ ع

بے شک ثمود کافر ہوئے رب اپنے کے خبردار دوری ہو ثمود

سن لو بے شک ثمود اپنے رب سے منکر ہوئے ارے لعنت ہو ثمود پر

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا ؕ

اور البتہ بے شک آئے پیغام والے ہمارے ابراہیم کے پاس ساتھ خوشخبری بولے سلامتی

اور بیشک ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس مژدہ لے کر آئے بولے سلام

قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ ﴿۶۹﴾

بولا وہ بھی بولے سلامتی ہو تو نہ ٹھہرے کر لائے کو بچھڑا بھنا

کہا سلام پھر کچھ دیر نہ کی کہ ایک بچھڑا بھنا لے آئے

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں حضرت صالح کے مناظرے مکالمے اور دینی تبلیغ کا ذکر ہوا تھا اور کفار کی ضد۔ ہٹ دھرمی۔ عناد اور گستاخیوں کا ذکر ہوا تھا۔ اب ان گستاخیوں کا خمیازہ بھگتنے اور برے انجام کا ذکر ہے دوسرا تعلق پچھلی آیات میں کفار کی سرکشیوں کا ذکر ہوا کہ انہوں

نے ناقہ صالح کو شہید کر کے اور حضرت صالح کا مقابلہ کر کے یہ سمجھ لیا کہ ہم کفار بہت قوی ہیں ہمارا کوئی نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ درپردہ حقانیت نبوت کو چیلنج تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ رب قادر و قیوم نے اس چیلنج کو قبول فرما کر عصمت نبوت اور قوت نبی کو کائنات پر ثابت کر دکھایا اور بتا دیا کہ اسے کافرو تم قوی نہیں بلکہ اللہ ہی قوت و طاقت والا ہے **تیسرا تعلق** قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کی نبوت اور حقانیت میں ظاہراً شک کیا تھا۔ جس کو دور کرنے کے لئے پچھلی آیات میں صالح علیہ السلام نے دو مضبوط دلیلیں پیش فرمائی تھیں ایک دعوت غور و فکر دوسری دلیل اونٹنی کا معجزہ۔ مگر ان لوگوں نے دونوں دلیلوں کو نہ مانا۔ تو اب اس جگہ تیسری دلیل کا ذکر کیا جا رہا ہے جو خود رب تعالیٰ نے اقوام عالم کے سامنے پیش فرمائی کہ عذاب سے حضرت صالح اور مومن محفوظ رہے یہ بھی ان کی حقانیت کی دلیل ہے۔

تفسیر نحوی

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۔ فاء تعقیبیہ جاءَ فعل ماضی مذکر اَمْرُ مرفوع اس کا فاعل نا ضمیر جمع متکلم بحالت بنی ہے مراد عذاب نَجَّيْنَا باب تفعیل کا ماضی آخری صیغہ صالحًا بحالت زبر مفعولیت کی بنا پر معطوف علیہ ہے واؤ حرف عطف اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر کے لئے اٰمَنُوْا فعل ماضی جملہ فعلیہ صلہ ہے اَلَّذِيْنَ موصول کا مَعَهٗ مع ظرفیت کے لئے الرہ اس کا تعلق نَجَّيْنَا سے ہو تو مع بمعنی ساتھ اگر اٰمَنُوْا سے ہو تو مع بمعنی علیٰ یعنی ان پر ایمان لاتے بِرَحْمَةٍ باء سببیہ رحمۃ بمعنی کرم تنوین تعظیم کی ہے یعنی بڑے کرم سے مِنْ جارہ بمعنی قِبَل یعنی طرف سے نا ضمیر کا مرجع ذات رحمٰن الرحیم واؤ عاطفہ اگلی عبارت مِنْ خِزْيِ معطوف ہے اور معطوف علیہ نَجَّيْنَا کا پوشیدہ مفعول اول ہے خزیٌ مصدر بمعنی اسم فاعل مضاف ہے اس کا مضاف الیہ یوم ہے لفظ یوم مضاف ہے اذ ظرفیہ مبنیہ کی طرف بعض نحاۃ مرکب اضافی کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے اس کو ایک سمجھ کر یَوْمَ کو بنی کرتے ہوئے نصب دیتے ہیں اس کے بدلے اذ کو اضافت کا زیر دیا۔ بعض نحاۃ اصل کو دیکھتے ہوتے ہر دو کو جدا مانتے ہیں وہ یوم کو اضافت کا زیر دیتے ہیں اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۔ لفظ اِنَّ ابتدائیہ ہے اس لئے بکسر ہمزہ ہے وجہ عذاب کے لئے رَبَّكَ کَ ضمیر واحد مذکر حاضر کا مرجع نبی کریم ہیں هُوَ ضمیر بدو وجہ مرفوع ہے۔ بلحاظ ماقبل خبر اِنَّ ہے۔ بلحاظ مابعد مبتدا اَلْقَوِيُّ بروزن فعیل ہے صفت مشبہ مرکب توصیفی العزیز اس کی صفت ہے ہر دو خبر مبتدا وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۔ واؤ سر جملہ اَخَذَ فعل ماضی دراصل تھا اَخَذَتْ تاء تانیث دو میں سے ایک وجہ سے گر گئی یا تو اس لئے کہ اس کا فاعل صیحۃ مونث لفظی مجازی ہے اس کے لئے مذکر فعل بھی آسکتا ہے جیسے طَلَعَتْ وَطَلَعَ الشَّمْسُ اور یا اَلَّذِيْنَ مفعول بہ کے فاصلے کی وجہ سے ظَلَمُوْا فعل ماضی اَلَّذِيْنَ کا صلہ ہے اَلصَّيْحَةُ صَيْحٌ مصدر بمعنی مبالغے کا مونث ہے بمعنی چیخ چنگھاڑ۔ انسانی بلند آوازی کو اردو میں چیخ کہا جاتا ہے حیوانی بلند آواز کو چنگھاڑ کہا جاتا ہے بوجہ مشابہت برعکس مستعمل ہے یہاں چنگھاڑ مراد ہے فَاَصْبَحُوْا

فا سببیہ ہے اَصْبَحُوْا فعل ماضی صُبْحٌ سے مشتق فعل ناقصہ زمانی ہے یعنی بوقت صبح عذاب آیا اور فوراً ھلاکت ہوئی فی ظرفیہ دیار جمع ہے دار کی مراد چار دیواری جٰثِمِیْنَ جَثْمٌ سے بنا اسم فاعل بصیغہ جمع ہے لغتاً معنیٰ ہے گھٹنوں کے بل اوندھے گرنا بشکل سجدہ کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْھَا۔ کَاَنْ کاف تشبیہ اَنْ کے ساتھ مل کر بنا ھُمْ ضمیر اسم اَنْ پوشیدہ ہوگیا بدیں وجہ اَنْ کا شد گر گیا اور ساکن ہوا لَمْ یَغْنَوْا نفی جحد بلم بمعنی ماضی غنیٰ سے بنا بمعنیٰ عیش سے رہنا یہاں مراد ہے مطلقاً قیام فی ظرفیہ ھَا کا مرجع دیار اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَ کَفَرُوْا رَبَّھُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۔ اَلَا حرف تنبیہ اِنَّ حرف تحقیق ثَمُوْدَ یہ اس قوم کے جد اعلیٰ کا نام اس اعتبار سے یہ عجمی علم ہے لہذا غیر منصرف اب یہ قوم کا نام ہے لہذا منصرف بدیں وجہ بعض نے زبر پڑھا بعض نے زیر کَفَرُوْا یہ جملہ خبر اِنَّ ہے رَبَّھُمْ رب بمعنی اللہ تعالیٰ ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع ثمود قوم ہے جو بمعنیٰ جمع ہے اگرچہ لفظاً واحد ہے۔ اَلَا یہ جملہ یا خبریہ ہے یا انشائیہ ہے اگر انشائیہ ہے تو بددعا ہے بُعْدًا بمعنی رحمت سے دوری مصدر مفعول مطلق ہے۔ معنیٰ مصدری میں استمرار ہے لِثَمُوْدَ لام جارہ بمعنیٰ مفعولیت وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی واؤ استینافیہ کہ نیا قصہ شروع ہوا لام تاکید قَدْ جَآءَتْ ماضی قریب بمعنیٰ بے شک رُسُلُ جمع ہے رسول کی بمعنیٰ قاصد جمع مکسر کی وجہ سے جاءت مؤنث ہوا۔ نا سے مراد اللہ تعالیٰ ابراہیم عجمی علم ہے غیر منصرف ہے بحالت نصب ہے دراصل تھا الیٰ ابراہیم حرف جر محذوف ہوا با لبشریٰ با بمعنیٰ مع بشریٰ بروزن فُعلیٰ مصدر ہے بمعنیٰ بشارت خوشخبری نہ کہ بروزن دنیا۔ قَالُوْا سَلٰمًا۔ قَالُوْا کا فاعل رُسُل ہے سلامًا مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا یہ مقولہ جملہ فعلیہ ہے۔ قَالَ سَلٰمٌ قَالَ کا فاعل حضرت ابراہیم ہیں سَلٰمٌ مصدر مبتدا ہے اس کی خبر پوشیدہ ہے دراصل تھا سَلٰمٌ دَائِمٌ عَلَیْکُمْ یہ جملہ اسمیہ ہے اس میں دوام پایا جاتا ہے۔ تنوین تعظیم کی ہے یعنی بڑا اسلام فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ۔ فا تعقیبیہ مَا لَبِثَ فعل ماضی منفی لُبْثٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ دیر کرنا ٹھہرنا سوچنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں اس کا فاعل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان مصدریہ مفعول بہ پورے جملے کے ساتھ جَآءَ فعل ماضی لاؤ جارہ متعلق ہے جاءَ عجل گائے کا مذکر بچہ قریب جوانی کے حَنِیْذٍ بروزن فعیل بمعنیٰ مفعول جیسے قتیل بمعنیٰ مقتول مراد پتھر کو بطور توا استعمال کرکے اس پر تلا ہوا خود اپنی ہی چربی میں۔

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْیِ یَوْمِئِذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ تو اس غافل ناشکری قوم پر جب آیا ہمارا عذاب یا فیصلۂ عذاب بچا لیا ہم نے اپنے پیارے بندے صالح کو اور ان کے صحابہ کو جو ایمان لا چکے تھے۔ یا جو ان پر ایمان لا چکے تھے۔ یا جو ایمان والے ان کے ساتھ رہتے تھے۔ یہ تین تفسیریں اس لئے ہیں کہ مَعَهٗ کا تعلق یا نَجَّیْنَا سے ہے یا اٰمَنُوْا سے یا صالحًا سے اگر اٰمَنُوْا سے تعلق ہے تو مع بمعنیٰ علیٰ ہے یعنی صالح پر ایمان لاتے اور چونکہ نبی پر ایمان لانا ہی خدا تعالیٰ پر ایمان لانا اس لئے مَعَهٗ فرمانا درست ہے۔ اس تعلق میں مع اپنے معنیٰ میں نہیں ہوسکتا کیونکہ معیت زمانی نبی اور امتی کے ایمان میں محال ہے اگر اس مَعَهٗ ظرف و مظروف کا تعلق نَجَّیْنَا سے مانا جائے تو نجات میں معیت زمانی و مکانی درست ہے کیونکہ حقیقت کے مطابق ہے اگر مَعَهٗ کا تعلق صالحًا

سے مانا جائے تو مطلب ہے کہ ان کے ساتھی مسلمان۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ اور حکیم الامت نے یہ ہی معنیٰ مراد لئے۔ (کنزالایمان و نورالعرفان) بچایا ہم نے اپنی رحمت کے ذریعے جو خاص ہماری طرف سے تھی بغیر کسی استحقاق کے۔ بڑی عظیم رحمت سے۔ تنوین تعظیمی ہے۔ بعض نے کہا کہ رحمت بنسبت صالح علیہ السلام سے مراد نبوت ہے اور باعتبار مومنین کے ایمان ہے مگر یہ قول قوی نہیں۔ مراد کرم خداوندی ہی ہے اور بچا لیا ہم نے ان سب کو اس ذلت یا پریشانی یا رسوائی سے یا اس طرح کہ وہ عذاب ان مومنوں کو نہ دکھایا نہ سنایا۔ تاکہ اس ہیبت ناک منظر کو دیکھ کر نہ گھبرائیں نہ پریشان ہوں۔ یا اس طرح کہ جس عذاب سے بچایا وہ بڑا خزی اور رسوائی والا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ دن بھی وہ گھڑیاں وہ ساعتیں بھی بری ہو گئی تھیں ہم نے پورے دن سے ان کو روپوش کر کے بچا لیا۔ اور اس طرح کرنا اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں کیونکہ بے شک اے پیارے حبیب آپ کا رب وہی بہت قوت والا ہے کہ عذاب آیا کفار کو مٹایا۔ اور گزر گیا۔ مومنین ذکر الٰہی میں اس طرح مخمور ہوئے کہ ان کو پتہ بھی نہ لگا۔ یہ سب اس کی قوت و قدرت کے کرشمے ہیں اور یہی عذاب کفار پر اس طرح دندناتا ہوا آیا کہ کوئی اس کو روک نہ سکا۔ کیونکہ بھیجنے والا عزیز و غالب ہے دشمنوں پر۔ اس جملے میں پہلے عذاب یا اس کے فیصلے آنے کا ذکر کیا پھر نجات کا اس کے بعد آئندہ آیات میں عذاب کی نوعیت کا ذکر ہوا اس لئے کہ نجات مومنین زیادہ اہم ہے ھلاکت کفار سے۔ کچھ مفسرین فرماتے ہیں کہ وَمِنْ خِزْيِ سے پہلے نَجَّيْنَا پوشیدہ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ پہلے نَجَّيْنَا پر عطف ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ معطوف علیہ کسی کو بنایا نہیں جا سکتا۔ مِنْ کو متعلق بنایا جا سکتا ہے کیونکہ واؤ موجود ہے۔ اس لئے ایک نَجَّيْنَا پوشیدہ ماننا زیادہ درست ہے۔ واؤ ابتدائیہ بن جائے گی۔ جنہوں نے پہلے نَجَّيْنَا پر متعلق مانا ہے وہ کہتے ہیں کہ واؤ زائدہ ہے مگر یہ بصریوں کے خلاف ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ واؤ کا زائدہ ہونا ناجائز ہے (الانصاف) ایک قول ہے کہ خزی سے مراد عذاب آخرت ہے اور مقصد کلام ہے کہ یہاں بچنا علامت ہے وہاں کے عذاب سے بچنے کی۔ تب یہ کلام تشبیہی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ خزی سے مراد شرمندگی ہے کہ اگر چوتھے دن عذاب نہ آتا تو مسلمانوں کو اور صالح علیہ السلام کو کفار کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا۔ وہ مذاق اور خوشی سے تالیاں بجاتے۔ لیکن چونکہ ہمارے نبی کی زبان پاک سے نکل چکا تھا کہ تین دن بعد عذاب آئے گا ہم نے اپنے سارے قانونوں کو توڑ کر نبی کی بات رکھ لی اور اس دن کی رسوائی سے بچا لیا کیونکہ ہم کو جہان یا جہان کا قانون پیارا نہیں ہم کو تو اپنا نبی پیارا ہے۔ قانون تو نبی کی اداؤں سے بنتے ہیں۔ ؎

جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا

جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی

یہ تو تھی ہمارے نبی اور ان کے صدقے مومنوں کی نجات کا ذکر۔ ہم نے کافروں کو کیسے مارا۔ صبح ہی کا وقت تھا کہ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ۔ اور پکڑ لیا ان لوگوں کو جنہوں نے اپنی جانوں یا اپنے ساتھی کافروں کو گمراہ کر کے ان کی جانوں پر یا مسلمانوں غریبوں پر ظلم کیا تھا وہ ایک روایت کے مطابق چار ہزار تھے اتنے ہی ان کے مومن ہو گئے تھے (صاوی) کڑک دار چیخ نے جو ہیبت میں چنگھاڑ کی مثل تھی یا حضرت جبرئیل کی آواز تھی یا آسمان کی طرف سے

بجلی کی کڑک کی طرح تھی جس کی گونج ایسی تھی کہ ہر طرف سے بجلیوں کے کڑکے معلوم ہوتے تھے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کی طرف سے ایک ہی چنگھاڑ ماری وہ گونج کی صورت میں کئی طرف سے آئی اور آناً فاناً تمام کفار کو ختم کر دیا۔ اس چیخ سے زلزلہ بھی پیدا ہوا اس لئے اس کو رجفۃ کہا گیا ہے۔ جیسا کہ اعراف میں ہے فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ۔ یعنی اتنی سخت چیخ تھی کہ زمین بھی دہل گئی تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ کافر ان تین دنوں میں خوف سے اپنے گھروں سے نہ نکلے بلکہ قبر نما گڑھے کھود لئے تاکہ اس میں چھپ جائیں قدرت نے خود ان سے ان کی قبریں کھدوالیں کہ مسلمان کہاں تک ان کو دفن کریں گے نہ کریں تو تعفن پھیل جاتے جب چوتھا دن ہوا تو سورج نکلنے تک کوئی عذاب نہ آیا سب خوشی خوشی مذاق اور دل لگی کرتے ہوئے گھروں سے باہر نکل آئے تو یکدم حضرت جبرئیل اپنی اصلی صیبت ناک شکل میں نمودار ہوتے سر آسمان تک بہت سے پیر پر سفید دانت پروں میں مختلف رنگ اس خطرناک شکل کو دیکھ کر پھر الٹے پاؤں گھروں کو بھاگے اور ان ہی قبر نما گڑھوں میں جا گھسے تب چیخ آئی تو سب کے سب ایک دم مر گئے اور زلزلے سے تمام مکانات ایسے گر گئے کہ وہ بستی ایک ویران میدان چٹیل نظر آنے لگے۔ صرف مسلمان اپنے مکانوں میں محفوظ رہے۔ اس قول میں یہ عذاب اشراق کے وقت آیا۔ جب عذاب ختم ہوا مسلمان اس بستی سے باہر آئے تو دیکھا کہ اَصْبَحُوْا صبح ہی صبح اوندھے پڑے ہوئے ہیں فِیْ دِیَارِهِمْ اپنے گھروں میں دیار جمع ہے دار کی۔ اصلی معنٰی میں ہے یعنی گھروں میں جٰثِمِیْنَ جَثْمٌ سے اسم فاعل ہے۔ یعنی اس طرح اوندھے پڑے تھے جس طرح خرگوش پڑے ہوتے ہیں پیر نکال کر۔ کچھ لوگ سمجھے شاید زندہ ہیں مگر حرکت نہیں کرتے قریب جاکر معلوم ہوا کہ مردہ ہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ تعداد کفار کتنی تھی بعض نے کہا پندرہ سو تھی بعض نے نو سو بعض نے چار ہزار بتائی ہے۔ بعض نے کہا کہ مسلمانوں کی تعداد چار ہزار اور کافر پندرہ سو تھے۔ بعض نے کہا کہ قوم ثمود آٹھ ہزار نفر پر مشتمل تھی۔ ان میں مطابقت اس طرح ہو سکتی ہے کہ مکانات پندرہ سو تھے ان میں آٹھ ہزار افراد قوم ثمود تھے جن میں صرف امراء و سردار نو سو تھے (بیان و صاوی) عذاب کے بعد اکثر مردے مٹی پتھر میں دفن ہو چکے تھے کچھ ظاہر رہ گئے جن کو دیکھ کر ان کی موت کا طریقہ و کیفیت معلوم ہوئی۔ دور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا بڑے سکون سے پڑے ہیں۔ کبیر نے فرمایا کہ ہوا بھی تیز تھی۔ مطابقت اس طرح ہے پہلے چیخ آئی جس سے سب کا فریک لخت مر گئے پھر اس چیخ کی سختی سے زلزلہ آیا جس کے جھٹکے سے مکانات گرے پھر ہوا نے ان پر مٹی ڈال کر ایسا برابر کر دیا کَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا۔ گویا وہ قوم یہاں کبھی آباد ہی نہ تھی۔ یَغْنَوْ۔ غَنُوٌ یا غِنیٌ سے بنا ہے جس کا معنٰی عیش کرنا امیر دولت مند کو غنی اسی لئے کہتے کہ اپنے اختیار سے عیش کرتا ہے۔ یہاں مراد زندگی گزارنا ہے اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ۔ غور کرو کہ بے شک قوم ثمود نے کتنا سخت اپنا نقصان دائمی کیا کہ اپنے رب کا کفر کیا۔ اس طرح کہ اس کی وحدانیت کا لاشریک ہونے کا انکار کیا اس کے پیارے نبی کی گستاخی کی۔ پس اے موجودہ لوگو تم کو تنبیہ اور ڈرانا عبرت دلانا اور آئندہ نسلوں کو یہ خبریں سنا کر ایسے ظلموں کفروں سے بچانا۔ غور کرو کہ کیسی ہلاکت ہوئی ثمود کی۔ یا سوچو کہ کیسی بددعائیں ملیں انہیں ہر طرف سے یہ کہ تباہی ہو ثمود کی یا دائمی عذاب ہو اس کو یا رحمت سے دوری ہو ابد الآباد تک اس بدبخت قوم کو ان کے کفر خدا اور تکذیب نبی

اور استہزا مومنین ۔ عقر ناقہ کی وجہ سے روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہ غزوۂ تبوک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا اے لوگو انبیاء کرام سے زیادہ مطالبے ٹھیک نہیں ۔ دیکھو قوم ثمود نے مطالبہ کر کے اونٹنی حاصل کی پھر اس کی وجہ سے عذاب آیا ۔ یہ تین قصے ہوئے جن میں اللہ کے رسل فرشتے عذاب لے کر آئے چوتھا قصہ اس طرح ہے کہ ۔ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ اور البتہ بے شک آئے ہمارے پیغام والے فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں ان کی تعداد میں پانچ قول ہیں ۱ تین فرشتے جبرائیل میکائیل اسرافیل ۲ ان تین کے ساتھ سات اور ۳ ان تین کے ساتھ نو اور ۴ صرف جبرئیل انکے ساتھ نو اور گیارہ اور فرشتے ۵ حضرت جبرئیل کے ساتھ بارہ دوسرے ملائکہ عذاب (مظہری) ابراہیم علیہ السلام کے پاس ۔ یہاں عِنْدَ یا الٰی پوشیدہ ہے خوشخبری کے ساتھ اس وقت حضرت ابراہیم کی صرف ایک ہی بیوی حضرت سارہ تھیں بوڑھی تھیں لاولد تھیں یہ بشارت حضرت اسحٰق اور ان کے بعد حضرت یعقوب ؑ دو بیٹوں کی تھی یا قوم لوط کی تباہی کی خوشخبری یا دونوں چیزوں کی خوشخبری تھی ۔ کیونکہ کفار کی موت مومن کے لئے خوشخبری ہوتی ہے ۔ ذاتی دشمن کی موت پر خوشی منع ہے (کتب فقہ) فرشتے بولے ۔ اے ابراہیم ہم نے تم پر سلام بھیجا ہے ۔ یہ لفظ سلامًا منصوب ہے جملہ فعلیہ ہے ۔ فعل سَلَّمْنَا پوشیدہ ۔ جملہ فعلیہ دوام کو نہیں چاہتا ہے مطلب ہے اب تم پر سلامتی ہو حضرت ابراہیم نے جوابًا فرمایا تم پر بھی سلامتی ہو ہمیشہ یہ کلام جملہ اسمیہ ہے مبتدا ظاہر ہے سلامٌ اس کی خبر قائمٌ یا ثابتٌ علیکم پوشیدہ ہے معنی ہے تم پر ہمیشہ ہی سلامتی ہو ۔ جملہ اسمیہ استمرار کو چاہتا ہے ۔ مسئلہ ۔ سلام کا جواب سلام سے بہتر ہونا چاہیئے یہی سنت ابراہیمی ہے ۔ سلام سب فرشتوں نے کیا جیسا کہ قالوا کے جمع سے ثابت ہوا ۔ مگر جواب صرف ابراہیم علیہ السلام نے دیا ۔ کیونکہ نوکر غلام اندر کام میں مشغول تھے اور بیوی اگرچہ ساتھ ہی پردے موجود تھیں عورت کو جواب دینا منع ہے یا یہ کہ جس کو سلام ہو وہی جواب دے یہ خاص مجلس کا حکم ہے عام مجلس میں چونکہ سلام سب کو مشترکہ ہوتا ہے اس لئے جو چاہے دے (کتب فقہ) ابھی تھوڑی ہی دیر گذری تھی فَمَا لَبِثَ کچھ زیادہ نہ ٹھہرے تھے کہ آ گیا پتھروں کے توے پر بھنا ہوا بچھڑے کا کچھ حصہ حسب ضرورت ۔ با بعضیت کی ہے ۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کے خادم لے آئے جو یا تو ان مہمانوں کے لئے ہی پکایا گیا تھا یا پہلے سے تیار تھا ان کی خاطر کے لئے پیش کیا گیا ۔ بعض نے کہا ہے کہ پورا سالم بچھڑا لے آئے تھے کیونکہ مہمان زیادہ تھے ۔ چونکہ حضرت ابراہیم مہمان نواز بہت تھے اس لئے مہمانوں کو دیکھتے ہی بچھڑا تیار کرنے کا حکم دے دیا ان میں ذرا غور نہیں فرمایا ورنہ پہچان لیتے ۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم کی بات کو رائیگاں نہیں جانے دیتا نہ قوم کے سامنے شرمندہ کرتا ہے بلکہ نبی کے منہ میں جو بات بھی نکلے فورًا پوری فرما دیتا ہے یہ فائدہ خزی یومئذ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** کافر مٹی کے ڈھیر ہیں اور مومن قیمتی موتیوں کی ڈبیہ اسی لئے کافروں کو ہلاک کر دیا جاتا ہے اور مومنوں کو بچا لیا جاتا ہے یہ فائدہ نجینا سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** کافر کی موت بشارت ہے کیونکہ

وہ دشمن خدا ہے۔ اسی طرح دشمن نبی کی موت پر خوشی کرنا بھی اچھا ہے۔ یہ فائدہ بُشریٰ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** سلام کا جواب سلام سے بہتر ہونا چاہیئے۔ دیکھو حضرت ابراہیم نے سلام جملہ فعلیہ کے جواب میں جملہ اسمیہ فرمایا جو فعلیہ سے بہتر ہے اب جواب میں ورحمۃ اللہ کہہ دینا چاہیئے اگر سلام کرنے والا ورحمۃ اللہ بھی کہہ دے تو جواب میں تیسرا لفظ وبرکاتہ کہہ دینا چاہیئے **پانچواں فائدہ** عورتوں کو جائز نہیں کہ اجنبی مردوں کو سلام کا جواب دیں۔ یہ فائدہ قال کے واحد ہونے سے حاصل ہوا۔ بات بھی بلا ضرورت کرنی منع ہے کہ اس میں فتنہ ہے **چھٹا فائدہ** نبی پر مل کر سلام بھیجنا سنت ملائکہ ہے لہذا جائز بلکہ مستحب عین ثواب کے لائق یہ فائدہ قَالُوا سَلٰمًا جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض ہو سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں اَخَذَ کا فاعل صَیْحَۃٌ ہے حالانکہ اَخَذَ فعل مذکر ہے اور صَیْحَۃٌ اسم ظاہر مونث ہے۔ نحوی لحاظ سے یہ غلط ہے **جواب** دو وجہ سے فعل مذکر آیا۔ ایک یہ کہ فاعل کے درمیان جب کسی مذکر کا فاصلہ آجاتے تو مونث فاعل کے لئے مذکر فعل جائز ہے۔ کیونکہ یہ فاصلہ تاء تانیث کے عوض ہو جائے گا۔ دوم یہ کہ یہاں صَیْحَۃٌ بمعنی صَیَاحٌ ہے۔ اس صورت میں اعتراض ختم ہو جاتا ہے **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا وَلَقَدْ جَاءَتْ۔ فقط جَاءَتْ کہہ دینا کافی تھا۔ لَقَدْ کی زیادتی بے فائدہ ہے **جواب** بے فائدہ نہیں بلکہ لام تاکید کے لئے آیا اور قد امید و توقع کے لئے اور مقصد یہ ہے کہ اے سننے والے ابھی ان عبرت ناک واقعات کا سلسلہ جاری ہے۔ اگلی عبارات میں مزید قصوں کی توقع رکھو **تیسرا اعتراض** حضرت ابراہیم نے سَلٰمٌ کیوں فرمایا السلام کہنا چاہیئے۔ **جواب** نکرہ کمال اور مبالغہ کو مفید ہے۔ معرف با لام سے یہ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اور پھر یہ کہ نکرے پر تنوین تعظیم کی آسکتی ہے معرفہ پر نہیں اور نیز یہاں مبتدا بنانا تھا۔ نکرہ جب موصوفہ ہو تو مبتدا بن سکتا ہے بخلاف معرفہ کے کہ وہ صرف علمیت کا فائدہ دیتا ہے۔ نکرہ کہہ کر یہ بتایا کہ اے فرشتو تم پر بہت عظمت والا بے حد بہت زیادہ سلام ہوں۔ اور ہمیشہ ہوں کیونکہ یہ کوئی معمول سلام نہیں نبی خلیل اللہ کا سلام ہے **چوتھا اعتراض** پھر ہم نماز میں اور بعد نماز السلام علیکم۔ الف لام کے ساتھ کیوں کہتے ہیں؟ **جواب** وہاں معرفہ بولنا اپنی نسبت سے ہے یعنی میرا سلام تم پر ہو۔ نکرے میں تخصیص نہیں ہو سکتی اور حضرت ابراہیم کا سلام نکرہ اس لئے تھا کہ اسے معاذ یہ فقط میرا سلام نہیں بلکہ ہم سب گھر کی طرف سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ فَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ---- قانون فطرت کے مطابق جب ہمارا فیصلہ ازلی آیا تو محبت کے جام پلا کر سرور کی نعمتیں کھلا کر نجات دائمی دی ہم نے شعور صالح اور اس کے فرمانبردار مومن اعضاء ظاہری کو جو ہر ظلم ناسوتی اور شر طاغوتی کے برداشت کرنے میں اس کے ساتھ ہی رہے اور کسی وقت بھی شعور کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا ہم نے اپنی طرف سے رحمت مشفقانہ کے ذریعے بچالیا اور اس ذلت غرور کے دن رسوائی سے ہٹالیا اے مجمع انوار مخزن اسرار محبوب کردگار بے شک تیرا رب تعالیٰ ہی ہر زمانے میں قوت دینے اور لینے والا ہے اور سب قوتوں کا مالک ہے تمام سرکش و مغرور اس کے سامنے

مغلوب و عاجز کیونکہ وہ ہی غالب اور عزیز ہے اپنے بندوں کو وصل کی خمر طہور سے مخمور کرتا ہے۔ خود پرست و خود سر کو مجہول کرتا ہے مقہور و مہول کی مدت حیات فقط تین دن ہے اور مخمور الست کی نجات کا سبب بقا تک۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں بندے چار قسم کے ہیں ۱ عوام کالانعام یہ نفس کی حدود غیر متعینہ اور دماغ سرکش کے وعدوں، سوچوں میں جکڑے ہوتے بے بس پڑے جب تک ان کا جال نہ ٹوٹے مثل غلام کے نفس کے حکم اپنے فائدے کی ضمیر کو مردہ کرتے رہتے ہیں ان میں سے بعض خوش قسمت شعور کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور اکثر راہ مستقیم سے بھٹکے بھٹکے ہی ہلاکت کی موت مرجاتے ہیں ۲ سالک منزل عشق یہ لوگ ہر بھٹکے مسافر کو اپنے ساتھ راہ شوق و لذت کشاں رواں دواں لئے چلے جاتے ہیں یہاں تک منزل رحمت خاص پر پہنچ کر خود بھی اور ان کے ساتھی بھی نجات دائمی پاتے ہیں پھر بھٹکے مسافر اپنی قسمت پر ناز کرتے کہ رحمت رب کریم کی خاص عنایت سے کیسا مرشد راہنما پایا ۳ مجنون جس نے دماغ پر فتور کے کہنے پر چل کر دین و دنیا کی رسوائی و ذلت کے خسارے لئے دامن عقل و شعور کو چھوڑا ضمیر کو قتل کر کے ہر طرح کی پھٹکار پائی ۴ مجذوب جس نے ضمیر کے شیریں دودھ سے شراب دیدار کا خمار حاصل کر کے دامن شعور میں آرام پایا اپنے مرشد کے دروازے سے ہر طرح سکون پاکر ذکر خدا کی رسی سے خود کو باندھ کر سکون ابدی پا یا اور رحمت کے گہوارے چین پالیا اور ظلم بیوت سے نکل گیا۔ یہی وہ لوگ خوش بخت ہیں جنہوں نے سکوت و خدمت کو لازم پکڑا عوام ان کو مبہوت و دیوانہ سمجھتے ہیں مگر حقیقت میں یہی عقل بیدار کے مالک ہیں اور بنیادی قوت والے ہیں۔ ان مردان خدا کو ہی نجات ہے ان کا شعور صالح ہے ان کا بدن ناقہ ہے ان کا شعور وصل کی غذاؤں میں ان کا بدن فاقے میں۔ شعور کو آفات ابلیس سے نجات ہے لیکن بدن زخموں سے چور ہے۔ شعور کو انکار نہیں۔ اس لئے کہ نور یزدانی کفار کے فریب چکنی چپڑی باتوں میں آنے والا نہیں یہ امتحان و ابتلاء و اجماع ہے کہ اس کو بدن خاکی تن فاقہ عطا کیا اے نفس امارتن اولیاء کے ناقے کا غلام بن جانا کہ صحبت و معیت، شعور کے ساتھ تجھ کو بھی نجات دائمی ملےگی مگر نفس و دماغ اس راہ خیر کو نہیں پکڑتے شر کو نہیں چھوڑتے لہذا وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ اور پکڑ لیا ان نفسانیات کو جنہوں نے شک و تردد و قلق و اضطراب کا ظلم کر کے شعور صالح کی نصیحت و دعوت کو نہ مانا قہر کی چنگھاڑ نے تو اپنے دیار فنا میں ایسے ہلاک ہوتے گویا کبھی قالب جسدی میں یہ فتنہ دماغ تھے ہی نہیں۔ اب سکون بدنی نصیب ہوا۔ خبردار ثمود متکبرین نے اپنے ہی مربی اعلیٰ اور موجد اکرم کی کفران نعمت کیا۔ خبردار نفس پرست ثمود دماغ کو فنا اور ہلاکت کی دوری ہے۔ عقل خودسر اور اس کے صفات کی ہلاکت صاعقہ اور عذاب بعد سے ہوتی ہے مگر جو مردان حق حرم شریعت میں آگئے وہ قرب کی جنت پاکر فراق کی بعد سے بچ گئے ساکنان ناسوتی چار قسم کے ہیں ۱ اہل قرب جن کو رب تعالیٰ نے ازل سے چن لیا ان کی پہنچ رضا کے گلستان خوشنودی کے چمن میں بغیر عمل و کسب ہے ۲ اہل بعد یہ اللہ سے دور ہو کر اغیار میں مشغول ہو گئے ان کا کہیں علاج نہیں لہذا فنا کی وادی میں ایسے غرق ہوئے کہ نشان تک نہ رہا ۳ اہل طریق ہوا جو راستے میں پڑے رہے اصل مقصد تک نہ پہنچے راستے کو مقصد و منزل سمجھ گئے ۴ اہل طبع جن کو راستہ منزل دونوں کا

پتہ نہ لگا۔ وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا. قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ البتہ بے شک آئے سلطان جبروت اور انوار ملکوت اور سناء جمال اور سر جلال سے ہمارے قاصد خلیل فواد کی طرف جو گوشۂ قلب کے گوارۂ محبت و خلوت میں محو ریاضت اور شوق وصل میں تھا بشارت کشف جمال کے ساتھ ہمارے رسول آتے تو سارے قاصد بولے اے خلیل ظاہر تمہاری خلت دائمی اور اصطفاء ابدی کو بقا کا سلام ہے۔ خلیل فواد و محبوب اسرار نے فرمایا تم کو بھی سرور و اکرام کا سلام محبت انوار میں کچھ دیر نہ گذری کہ جگر مذبوح بیخودی روح مجروح الفت نفس مبذول ناسوت کا بچھڑا روغن شکر سے آتش عشق پر بھنا ہوا طباق محبت میں سجا کر مہمانان قدس کی ضیافت میں رکھا تا کہ یہ انوار بھیجنے والے خالق حقیقی کے مہمانوں کا اکرام ہو۔ یہ باطنی اکرام اور ضیافت ہی طریقۂ اولیاء محبوبین ہے۔

فَلَمَّا رَآ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ

تو جب دیکھا ہاتھوں کو ان کے کہ نہیں پہنچتے طرف اس کی غیر جانا ان کو اور اندیشہ کیا طرف

پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں پہنچتے ان کو اوپری سمجھا

مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰی قَوْمِ

سے ان کی خوف میں بولے وہ مہمان نہ ڈریئے بے شک ہم بھیجے گئے ہیں طرف قوم

اور جی ہی جی میں ان سے ڈرنے لگا بولے ڈریئے نہیں ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے

لُوْطٍ ؕ ﴿۷۰﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ

لوط کے اور ان کی بیوی کھڑی تھیں پس وہ ہنسیں تو بشارت دی ہم نے ان کو اسحاق کی

اور اس کی بی بی کھڑی تھی وہ ہنسنے لگی تو ہم نے اسے اسحٰق کی

وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ یٰوَیْلَتٰۤی ءَاَلِدُ

اور سے بعد اسحٰق کے یعقوب کی بولیں ہائے تعجب کیا جنوں گی میں

خوشخبری دی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی بولی ہائے خرابی میرے بچہ

وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ

حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے خاوند بوڑھے بے شک یہ البتہ چیز ہے

ہوگا۔ اور میں بوڑھی ہوں اور یہ ہیں میرے شوہر بوڑھے بیشک یہ تو اچنبھے کی بات ہے

عَجِيبٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ

عجیب فرشتے بولے کیا تم نے تعجب کیا سے امر اللہ کے رحمت اللہ کی

فرشتے بولے کیا اللہ کے کام کا اچنبا کرتی ہو اللہ کی رحمت

وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿٧٣﴾

اور برکتیں پر تمہارے اسے اہل بیت بے شک وہی ہے تعریفوں بزرگیوں والا ...

اور اس برکتیں تم پر اسے گھر والو بے شک وہی سب خوبیوں والا عزت والا

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں اس سلسلے کی چوتھی حکایت کا ذکر ہوا کہ حضرت ابراہیم کے زمانے میں کافر قوم نے کیسی کیسی بیہودگیاں کیں اور ان پر کیسے کیسے عذاب آئے۔ اور اور عذاب کے فرشتے اس طریقے سے بھیجے گئے کہ حضرت ابراہیم بھی پہچان نہ سکے یہ ایک تعجب خیز بات تھی۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ فرشتوں کا بھیس بدل کر آنا اتنی حیرانی اور ڈرنے کی بات نہیں۔ اس سے زیادہ حیران کن تو بڑھاپے کی اولاد ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت و رحمت سے تو وہ بھی بعید نہیں **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں ان کافر قوموں کا ذکر ہوا جنہوں نے انبیاء اور ان کے معجزات پر ظلم کیا تھا۔ اب اس جگہ ان کافروں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور پچھلی قوموں کی طرح عذاب میں مبتلا ہوئے۔

تفسیر نحوی فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً .... فاء بمعنی ثُمَّ رَاٰ فعل ماضی رای سے مشتق ہے بمعنی باغور دیکھنا قلب و نظر سے۔ اَيْدِيَهُمْ اَيْدِيَ۔ جمع ہے ید کی بمعنی ہاتھ بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے رَاٰ کا اور ذوالحال ہے اگلے جملے کا ھُمْ ضمیر کا مرجع رُسُل ہے۔ اَيْدِیْ منقوص ہے لَا تَصِلُ مضارع منفی وَصْلٌ سے بنا بمعنی ملنا اِلٰی ظرفیہ ہ ضمیر کا مرجع عِجْل ہے جملہ حال ہے لَمَّا حرف شرط تھا نَكِرَ اس کی جزا باب سَمِعَ کا ماضی بمعنی انکر یا اِسْتَنْكَرَ بمعنی اجنبی پایا۔ ھُمْ کا مرجع رُسُل واؤ عاطفہ سببیہ اَوْجَسَ وَجْسٌ سے بنا اس کا لغوی ترجمہ قلبی آواز ہے یہاں بمعنی محسوس کیا۔ مِنْ بمعنی قِبَل یعنی طرف سے ھم سے وہی رسل فرشتے مراد ہیں خِیْفَۃ بروزن فِعلۃ جیسے قِبْلَۃ مبالغہ کے لئے خوف سے بنا ہے بمعنی پریشانی قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ۔ فعل ماضی جمع فاعل وہی ملائکہ ہیں لَا تَخَفْ فعل نہی واحد حاضر اِنَّا دو لفظ ہیں اِنَّ اور نَا حرف تحقیق و ضمیر جمع متکلم اس کا اسم منصوب متصل اُرْسِلْنَا جمع متکلم ماضی مجہول اِلٰی حرف جر انتہائیہ قوم معنیً جمع لفظاً واحد مضاف بطرف لوط علیہ السلام یہ لفظ منصرف ثلاثی ہے وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ...

واؤ حالیہ اِمْرَاَتُہٗ بمعنیٰ عورت عام ہے مگر بحالت اضافت مراد بیوی ہے یہاں بوجہ مضاف ہونے ہٗ ضمیر کی طرف حضرت ابراہیم کی بیوی پاک مراد ہیں قَآئِمَۃٌ اسم فاعل مونث فاء تعقیبیہ ضَحِکَتْ باب سَمِعَ کا ماضی مونث ہے۔ فاء تعقیبیہ بَشَّرْنٰا بصیغہ جمع متکلم اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ھا ضمیر کا مرجع امرأتہ ہے باسحٰق باء جارہ برائے مفعولیت اسحٰق عجمی علم ہے لہذا غیر منصرف واؤ عاطفہ مِنْ جارہ وَرَآءِ بمعنیٰ علاوہ یا بعد اسحٰق غیر منصرف۔ بحالت جر مضاف الیہ ہے۔ یَعْقُوْبَ عَقْبٌ سے مشتق ہے اِسْحٰقَ سَحْقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ قدرتی خوشبو والا عَقْبٌ کے معنیٰ ایڑی یعقوب ایڑی سے جڑا ہوا یہ غیر منصرف ہے مگر یا بحالت جر ہے تو وراء سے متعلق ہے اور یا بحالت نصب بَشَّرْنَا کا مفعول بہ ہے قَالَتْ یٰوَیْلَتٰۤی ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ قَالَتْ۔ بیوی صاحبہ کا مقولہ یا حرف ندا ویلتیٰ وَیْلٌ کا مونث یا بمعنیٰ ہائے ویلتیٰ لغواً ہلاکت۔ برائی۔ تعجب یہاں یہ ہی مراد ہے ءَ ہمزۂ استفہام سوال تعجب کے لئے نہ کہ انکاری اَلِدُ فعل مضارع متکلم بمعنیٰ مستقبل واحد متکلم ولد سے مشتق ہے اس کا معنیٰ ہے جَنُنا واؤ حالیہ اَنَا ضمیر مرفوع منفصل عجوزٌ عجزٌ سے بنا بمعنیٰ انتہائی کمزوری بروزن فعول بوڑھی عورت کے لئے مستعمل ہے جو نا قابل اولاد ہو۔ واؤ عاطفہ ھٰذا اسم اشارہ قریبی بَعْلٌ خاوند بروزن فَحْلٌ اس کی مونث اور مصدر بَعُوْلَۃٌ بمعنیٰ چڑھنے والا یا کھڑے ہونے والا۔ شَیْخًا عربی لفظ ہے شاخ یشیخ کے باب کا صفت مشبہ مبالغے کے لئے اس کا مونث شیخۃٌ ہے بمعنیٰ بہت بوڑھا۔ اِنَّ حرف تحقیق یہ جملہ وجہ تعجب کے بیان کے لئے ہے ھٰذا اسم اشارہ اس کا مشار الیہ یہ بشارت لشیءٌ بمعنیٰ چیز یعنی مشیت عجیبٌ بروزن فعیلٌ بمعنیٰ حیران کرنے والی قَالُوْۤا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ - - قَالُوْا فعل جمع اس کا فاعل رُسل۔ اگلا سب جملہ مقولہ ہے قول کا۔ اَ ہمزہ استفہام انکاری ہے تَعْجَبِیْنَ فعل مضارع صیغہ واحد مونث حاضر عَجَبٌ سے بنا من جارہ بیانیہ یا بعضیت کا امر بمعنیٰ مشیت ورضا یا قانون لفظ اللہ ذاتی عَلَم ہے رحمۃ بمعنیٰ رحم و شفقت مضاف ہے بسوئے لفظ اللہ مرفوع بوجہ مبتدا یا بوجہ فاعلیت کے فعل محذوف کے واؤ عاطفہ بَرَكَاتٌ جمع ہے برکت کی ہٗ ضمیر کا مرجع لفظ اللہ اگر وہاں ثَبَتَ پوشیدہ نہ ہو تو یہاں ثابتٌ پوشیدہ خبر مبتدا ہے علیٰ جارہ اپنے مجرور کُمْ ضمیر سے مل کر اسی کے متعلق ہے۔ اَھْلُ اپنی اصلیت پر ہے اس کی تصغیر اُھیل ہے اصل کی ھا کو الف مقصورہ سے بدلو تو آل بن جاتا ہے جس میں عمومیت پیدا ہو جاتی ہے اصل میں خصوصیت ہے اسی لئے حقیقۃً بیوی کو اصل کہا جاتا ہے غیر کو مجازاً بیت بروزن بیعٌ مصدر ہے بمعنیٰ بیت اسم ظرف بمعنیٰ رات گذارنے کی جگہ اصطلاح میں کوٹھڑی کو بیت کہا جاتا ہے یہاں مراد پورا گھر ہے۔ اہل بیت مرکب اضافی ہے بحالت نصب ہے منادیٰ مضاف ہے حرف ندا۔ یا پوشیدہ ہے اِنَّ حرف تحقیق ہٗ ضمیر کا مرجع ذات باری تعالیٰ اسم اِنَّ ہے جملہ ابتدائیہ حَمِیْدٌ بروزن کریم مبالغہ ہے محمود کا نہ حامد کا یعنی لائق حمد مَجِیْدٌ مَجْدٌ سے مبالغہ ہے بمعنیٰ ماجد۔ یعنی بہت ہی بزرگی والا دونوں مرفوع ہیں بوجہ خبر اِنَّ۔

تفسیر عالمانہ :- فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّا

اُرْسِلْنَا اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ پس جب حضرت ابراہیم نے ان کے ہاتھوں کو دیکھا کہ وہ ہاتھ ان میں سے کسی کے اس کھانے کی طرف نہیں بڑھتے ۔ تو برا لگا حضرت ابراہیم کو ان مہمانوں کا یہ رویہ ۔ کیونکہ حضرت ابراہیم بہت مہمان نواز تھے ہر کھانے پر مہمان کا انتظار فرماتے ان دنوں چند روز سے کوئی مہمان نہیں آیا تھا ان مہمانوں کو دیکھ کر بہت ہی خوش ہوتے فوراً بغیر ان کی حقیقت ان کی شخصیت میں غور کئے کھانا لگوادیا ۔ اوّلاً یہ نہ پوچھا تم کون ہو ۔ دو وجہ سے پہلی وجہ یہ کہ انبیاء کرام اللہ کی طرف سے قوم کے داتا بن کر آتے ہیں جس نے دینا ہی ہے وہ کبھی لینے والے کی شخصیت میں غور نہیں کرتا ۔ اس کی تو شان عطا ہی یہ ہوتی ہے کہ ؎ ہاتھ جس سمت اٹھے غنی کر دیا

ان کریم جوادوں کی نگاہیں نیچی ہوتی ہیں ہاتھ اونچے اٹھے ہوتے ہیں تاکہ اپنا پرایا مستحق غیر مستحق سب ہی بڑھ بڑھ کر لیتے رہیں کوئی جھجک محسوس نہ کرے ۔ ان کی اس عام عطا سے احمق سمجھتے ہیں کہ شاید نبی بے خبر ہے اس کو غیب کا علم نہیں ۔ دوسری وجہ یہ کہ خوشی کی وارفتگی میں ان کی اصلیت کی طرف توجہ ہی نہ دی اس بے توجہی سے بے علمی ثابت نہیں ہوتی انسان انتہائی خوشی کے جذبات میں قریبیوں کو بھول جاتا ہے ۔ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا اے میرے معزز مہمانوں کھاتے کیوں نہیں ۔ تو ان میں سے بڑے مہمان یعنی حضرت جبریل نے عرض کیا ہم لوگ بغیر قیمت کھانا نہیں کھایا کرتے آپ اس کی قیمت ہمیں بتائیں اور لیں تب آپ کی دعوت قبول ہو گی حضرت ابراہیم نے فرمایا ۔ ہاں میرے کھانے کی قیمت ہے ۔ وہ یہ کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھو کھانے کے بعد الحمد للہ کہو ۔ حضرت جبرئیل نے میکائیل کو دیکھا اور آہستہ سے کہا ۔ واقعی یہ سرکار ۔ خلیل اللہ ہونے کے لائق ہے ۔ لیکن جب پھر بھی انہوں نے کھانے کو ہاتھ نہ لگایا ۔ تو محسوس کیا ابراہیم علیہ السلام نے ان کی طرف سے خوف ۔ اَوْجَسَ وَجْسٌ سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے پریشانی اور غم ۔ رنج اس کا مصدر وجوش بر وزن دخول آتا ہے ۔ خیفۃ کا معنیٰ خوف یہ لفظ بہت معنیٰ میں مشترک ہے اور خوف بہت طرح کا ہوتا ہے ۔ یہاں خوف یا اس معنیٰ میں ہے کہ شاید یہ کھانا ان مہمانوں کو پسند نہیں یا شاید یہ ہم سے کچھ ناراضگی رکھتے ہیں ۔ یا ہم سے ان کو کچھ شکایت ہے یا یہ ہم سے لڑنے آئے ہیں اس زمانے میں طریقہ تھا کہ ہر آنے والے کو پہچاننے کے لئے اس کے سامنے کھانا رکھا جاتا تھا اگر وہ کھانے لگتا تو میزبان اس کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ورنہ سمجھتا کہ یہ دشمن ہے اور اس سے نبٹنے کے لئے تیاری کرنے لگتا ۔ حضرت ابراہیم کو ان قسموں میں سے کوئی پریشانی لاحق ہوئی اس کو اصطلاح میں خوف رحمت و شفقت کہا جاتا ہے ۔

حضرت ابراہیم یا کسی بھی نبی کو کبھی خوف بشریت یعنی جان کا خوف نہیں ہو سکتا کیونکہ جان کا خوف بزدلی ہے ۔ اور بزدلی حقیر ترین عیب ہے ۔ حضرت موسیٰ کا سانپ بننے کے وقت بھاگنا اور رب تعالیٰ کا ان کو لاتخف فرمانا ۔ یہ سانپ کا خوف نہ تھا ۔ بلکہ اچانک کلام الٰہی کی ہیبت تھی جس کا ظہور اس سانپ کو دیکھ کر ہو ۔ جیسے کہ اندھیرے سے ہیبت کھانے والے کی ہیبت کا ظہور پتہ گرنے سے ہوتا ہے ۔ یا جیسے کہ پہلی وحی کے وقت کلام الٰہی کی ہیبت جسم پاک مصطفٰے پر وارد ہوئی ۔ اگر نبی کو جان کا خوف ہوتا تو خار نمرود کے وقت اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ فرما کر اس دلیری اور بےخوفی

کا اظہار نہ فرماتے۔ کچھ مفسرین نے نَکِرَ اور اَوْجَسَ کا معنیٰ یہ بھی کیا ہے۔ آپ کا چہرہ مبارک جو ان کے آنے کی خوشی سے چمک اٹھا تھا وہ اُن کے اِس رویے سے پریشانی یا رنج میں بدل گیا۔ تو اُن فرشتوں نے کہا اے ابراہیم خوف نہ کرو۔ کیونکہ ہم آپ کے مہمان نہیں نہ آپ ہماری میزبانی فرمائیں۔ بے شک ہم اللہ کے فرشتے بھیجے گئے ہیں عذاب کے ساتھ آپ کی یعنی نمرود وغیرہ کی طرف نہیں بلکہ لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف لہٰذا آپ کوئی غم نہ کریں نہ اس بات کا کہ ہم نے کھانا کیوں نہیں کھایا اور نہ اب یہ سن کر کہ ہم عذاب لے کر آئے ہیں اپنی قوم کا فکر کریں۔ اس وقت تو فقط قوم لوط پر عذاب ہوگا۔ حضرت لوط نبی تھے متفق علیہ یا حضرت سارہ کے سگے بھائی تھے یا حضرت ابراہیم کے بھتیجے تھے۔ یہاں لفظ خیفۃً فرمایا گیا۔ مفسرین جس کا معنیٰ خوف کرتے ہیں مگر لغوی طور پر خوف اور خیف میں یہ فرق ہے کہ جب ڈر کا اثر چہرہ پر ظاہر ہو تو وہ خیف ہے اور جب دل میں ہی ہو ظاہراً کچھ آثار نہ ہوں تو وہ خوف ہے۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ آپ نے اس وقت فرشتوں کو خود ہی پہچان لیا تھا جب انہوں نے کھانا نہ چھوا اس وقت آپ نے ذرا تفکر کیا اور اپنے قوت علمی سے پتہ لگا لیا پھر خوف اسبات کا ہوا کہ یہ لباس بشری میں آئے ہیں اور اس طرح ان کا آنا خطرناک ہوتا ہے یعنی پتہ نہیں کس کی شامت آنے والی ہے۔ آیا گناہگاروں کی یا کافروں کی۔ تب اس طرح کا جواب ملائکہ نے دیا بعض نے کہا کہ خیفۃً خِفَّۃً کے معنیٰ میں ہے یعنی اپنی بے توجہی میں کھانا رکھ دینے کی شرمندگی۔ کیونکہ آپ نے ملائکہ کو پہچان لیا تھا اور آپ یہ بھی جانتے تھے کہ ملائکہ کھانا نہیں کھایا کرتے جیسے کوئی بھول کر بے خیالی میں روزے دار کے سامنے کھانا رکھدے حالانکہ پہلے جانتا ہو کہ یہ روزہ دار ہے۔ پھر ایک دم خیال آنے پر خفت محسوس کرتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ اور حضرت ابراہیم کی بیوی سارہ بنت ہاران بن ناخور یا بنت آذر بن باجور اس طرح حضرت سارہ خلیل اللہ کی چچا زاد بہن بنتی ہیں۔ قریب ہی کھڑی تھیں پردے کے پیچھے۔ بعض نے کہا کہ بلا پردہ کیونکہ بوڑھی تھیں بعض نے کہا بلا پردہ اس لئے کہ پردے کے احکام پچھلی امتوں پر نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سنت ھاجرہ قائم کرنے کے لئے اب بھی عورت وہاں بحالت احرام منہ نہیں ڈھک سکتی۔ ملائکہ کی باتیں سن رہی تھیں۔ تو وہ ہنس پڑیں یا اس وقت جبکہ ملائکہ آئے اور حضرت ابراہیم نے ان کی طرف توجہ نہ دیتے ہوئے کھانا فوراً پیش کیا تو آپ اس بنا پر ہنسیں کہ حضرت ابراہیم نے ان کو پہچانا نہیں حالانکہ حضرت سارا نے پہچان لیا تھا۔ یا اس لئے ہنسیں کہ حضرت ابراہیم کے پاس ہزاروں خادم نوکر چاکر تھے پھر آپ کیوں گھبراتے۔ اس توجیہ سے ثابت کہ حضرت سارہ بھی نہ پہچان سکیں انہوں نے ان فرشتوں کو اپنے خدام کے مقابل چند نفر سمجھا لہٰذا ہنسیں۔ جمل یا اس وقت ہنسیں جب ملائکہ نے بتایا کہ ہم ملائکہ ہیں اور حضرت ابراہیم کی پریشانی جاتی رہی۔ یا اظہار شفقت کے لئے ہنسیں تاکہ یہ اجنبی مہمان جو ہمارے بچوں کی مثل ہیں بزرگانہ محبت و شفقت کو دیکھ کر مانوس ہوں اور کھانا کھائیں یا اس وقت ہنسیں جب فرشتوں نے کہا لَا تَخَفْ۔ تب سرور میں ہنسیں یا اس وقت ہنسیں جب بشارت ملی۔ مگر یہ درست نہیں کہ سیاق کلام کے خلاف ہے۔ سب سے درست توجیہ یہ ہے کہ آپ اس وقت ہنسیں جبکہ ملائکہ نے کہا کہ ہم قوم لوط کے کفار کو عذاب

دینے والے فرشتے ہیں۔ اس بشارت ہلاکت کفار پہ آپ ہنسیں کیونکہ آپ چند دن پیشتر خواب میں قوم لوط کا عذاب دیکھ چکیں تھیں اور حضرت ابراہیم کو بتا چکیں تھیں تعبیر کے ظاہر ہونے اپنے خواب کی سچائی پر ہنسیں بطور شکریہ اور اس ہنسی کی آواز سن کر فرشتے ان کی طرف متوجہ ہوتے۔ کیونکہ ہنسی وہی ہوتی ہے جس میں آواز پیدا ہو بے آواز اظہار مسرت کو تبسم (مسکراہٹ) کہا جاتا ہے (جمل۔ صاوی۔ کبیر۔ بیان۔ معانی۔ خازن) تو ہم نے یعنی اللہ تعالیٰ نے بزبان ملائکہ۔ ان بیوی سارہ کو بشارت دی۔ بشارت کے معنی جسم یا پھول کا کھلنا خوش کن بات سن کر منہ کھل جاتا ہے اس لئے بُشریٰ و بشارت کہہ دیا جاتا ہے بشرۃ کے معنی ہیں ظاہری کھال۔ اس بشارت کی نسبت سارہ کی طرف اس لئے کی گئی کہ حضرت ابراہیم تو بواسطہ ھاجرہ آج سے تیرہ یا چودہ سال پیشتر حضرت اسماعیل سے صاحب اولاد ہو چکے تھے طلب اولاد و چاہت تو حضرت سارہ کو تھی اور پھر بیٹے کی خوشی باپ سے زیادہ ماں کو ہوتی ہے لخت جگر۔ اسحاق کی بشارت یہ عبرانی لفظ ہے دراصل تھا ضحاک یا ضحّاکٌ بمعنی ہنسانے خوش رکھنے والا اور ان کے بعد لفظ وَرَاءٌ بروزن فعالٌ ہے اصلاً ظرف مکانی کے لئے ہے یہاں عاریۃً ظرف زمانی کے لئے جب مضاف ہوتا ہے تو فتحہ پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ زیر ہوتی ہے حرف جر کی بنا پر اس لئے یہاں وَرَاءِ ہے۔ یعقوب کی خوشخبری ہے۔ یعنی اے سارہ صرف یہی بشارت نہیں کہ تم بیٹے کو پاؤ گی بلکہ اپنے بیٹے کی بہاریں بھی دیکھو گی کہ اپنے پوتے یعقوب کو بھی کھلاؤ گی۔ تفسیر کبیر وغیرہ نے ایک تفسیر یہ بھی کی ہے کہ اِمْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ - ان ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ بھی وہاں موجود تھیں ابھی یہ مکالمہ ہو ہی رہا تھا کہ وہ حائضہ ہو گئیں۔ ان مفسرین نے قَآئِمَةٌ کے معنی موجودہ کئے اور ضحکتْ کا معنی حائضہ ہونا کیا عربی میں بہت جگہ کلام شعراء میں ضحک بمعنی حیض آنا ہے کیونکہ وہ کافی زمانے سے بوجہ بڑھاپے کے آئیسہ یعنی حیض سے مایوس تھیں اور حیض ہی علامت جوانی ہوتا ہے اور جوانی علامت اولاد ہونا ہے۔ مگر یہ قانون الٰہی ہے جو عوام کے لئے ہے اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کی خوشنودی کے لئے قانون توڑ کر قدرت عجیبہ کا اظہار فرماتا ہے ابھی حضرت سارا اسی حیض کی حیرانی میں تھیں کہ ملائکہ نے بیٹے اور پوتے کی بشارت دی تو قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ - اس خوشخبری کو سن کر خوشی اور تعجب کے ملے جلے جذبات سے بولیں ہائے حیرانی يٰوَيْلَتٰى دراصل تھا يٰوَيْلَتِىْ تخفیف کے لئے کسرہ دوری کو ہٹا کر الف اور فتحہ لایا گیا۔ اصلاً شر اور مصیبت کے اظہار کے لئے ہے مگر اصطلاحاً تعجب کے لئے یا عام معنی ہیں۔ جیسے سبحان اللہ اصلاً حمد باری ہے مگر خوشی و فرحت کے موقعہ پر بولا جاتا اسی طرح لَاحَوْلَ حمد ہے مگر شرارت کے وقت مستعمل ہے۔ کیا میں جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں ننانوے سال کی اس عمر میں کب کبھی عورت کے بچہ پیدا ہوتا ہے اور یہ میرے خاوند جو تمہارے سامنے ہیں یہ بھی بڑھاپے کی حالت میں ایک سو بیس سال کی عمر میں لفظ بعل کا ایک معنی اصل یعنی جڑ ہے چونکہ خاوند اولاد کے حق میں بیوی کی جڑ کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس کو بعل کہتے ہیں۔ ان ہر دو طرفہ ضعیفی کی وجہ سے بے شک یہ اولاد کا ہونا البتہ قانون الٰہی کے اعتبار سے تعجب ناک بات ہے یہ جملہ فقط استعجابی ہے جو عادت بشری اور تقاضاءِ فطرت کے لحاظ سے نہ کہ

استبعاد۔ اللہ کی بارگاہ میں قدرت پر تعجب کفر ہے اسی کو استبعاد کہتے ہیں۔ لیکن استعجاب عادی یعنی قانون پر تعجب جائز ہے وہابی لوگ اسی فرق کو نہیں سمجھتے اور کرامات کا انکار کر دیتے ہیں۔ اگر ہر قسم کا تعجب کفر ہوتا تو سارہ کبھی ایسا نہ کہتیں اور اسی سوالیہ تعجب سے وجہ پوچھ کر اپنی خوشی کو مکمل کرنا چاہتی تھیں اور یہ عام عادت انسانی ہے قَالُوْۤا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔ چونکہ یہ تعجب بھی صرف حضرت سارہ کو ہوا تھا ابراہیم علیہ السلام کو بالکل تعجب نہ ہوا تھا اس لئے ان ہی سارہ سے مخاطب ہو کر سب فرشتوں نے بیک دم یا وقفے سے کہا کہ اے محترمہ سارہ کیا تم تعجب کر رہی ہو اللہ کے فیصلہ قدرت سے حالانکہ تم دن رات معجزات اور عجیب عجیب قدرت کے کرشمے دیکھتی رہتی ہو کیونکہ اعلیٰ نبی خلیل اللہ کے گھر میں رہتی ہو۔ تم پر تو اللہ کی بے حد رحمتیں ہیں اور اس کی برکتیں ہیں۔ اے نبی کے اہل بیت حقیقی اصلی پہلا مقولہ سوالیہ تعجب پر تعجب ہے اور سوال انکاری ہے یعنی یہ تعجب اور قانون کی طرف خیال کرنا تمہاری شان کے لائق نہیں۔ اگلا مقولہ یا خبر یہ ہے یا دعائیہ اگر خبر یہ ہے تو سوال انکاری کی وجہ ہے اور دعائیہ ہے تو اہل بیت کی ثنا مقصود ہے۔ قانون تو عمومی ہے مگر وہ اللہ بے شک اپنے پیارے بندوں کے لئے حمید ہے کہ قانون چھوڑ کر کرشمۂ قدرت کا اظہار فرماتا ہے جس پر وہ لائق حمد ہے کہ بندوں پر حمد اس کی واجب ہو جاتی ہے اور بندے اس کی حمد پر مجبور ہو جاتے۔ کیونکہ انسانی عادت ہے کہ جب کسی سے اچھی بات سنتا ہے جو سامع کی طاقت سے باہر ہو تو خود بخود تعریفی نعرے بلند کرنے لگتا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی حمد کر رہا ہے کیونکہ وہ حمید ہے اور چونکہ وہ اپنے بندوں کو بلا عوض رحمتوں برکتوں انعاموں سے نوازتا ہے اس لئے وہ مجید ہے۔ مجید مجدٌ سے بنا ہے مجید مبالغہ کا صیغہ ہے امام غزالی نے فرمایا مجید وہ ہے کہ ذاتہ جمیل افعالہ جزیل۔ عطاؤہ کثیر غضبہ قلیل نوالہٗ شریفٌ جس میں یہ صفات ہیں وہ ہے مجید۔

فائدے اس آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** مہمان کو پاس بٹھانا اور کھانا پیش کرنا اور اس کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔ اور اس کو کہنا کہ کھاؤ احسن طریقہ اور آداب میزبانی ہے۔ یہ فائدہ فَلَمَّا رَاٰ سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** مسلمان عورتوں پر پردہ لازم ہے یہ فائدہ قَآئِمَۃٌ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو جب نبی کی بوڑھی بیوی پردہ فرماتی ہیں جو عند اللہ گناہوں سے محفوظ ہیں اور بتقاضاء عمر بھی گناہوں سے دور ہیں جہاں گناہ کا شائبہ بھی نہیں تو آج کل کی جوان بہو بیٹی پر پردہ کیوں نہ فرض ہوگا **تیسرا فائدہ** پردہ ویسے بھی فرض ہے اگرچہ گناہ کا اندیشہ نہ ہو۔ یہ فائدہ عجوزٌ سے حاصل ہوا لہذا بوڑھی مسلمان عورت بھی چادر یا برقعے سے باہر نہ ہو۔ پردے کا حکم عام ہے خواہ غریب کی بہو بیٹی۔ بیوی ہو یا حاکم۔ وزیر۔ بادشاہ کی۔ آفرین ہے صدر ایوب مرحوم پر کہ انہوں نے تاعمر اپنی بیوی کو باپردہ رکھا۔ جبکہ آجکل بڑے بڑے اسلام کے دعویدار حکام اپنی بیوی بیٹی کو بے پردہ اخبار میں لے آتے ہیں **چوتھا فائدہ** واحد کے لئے جمع کا صیغہ بولنا ادب واحترام کے لئے ہوتا ہے عربی میں مستعمل ہے۔ جیسے کہ یہاں اَتَعْجَبِیْنَ جمع کا لفظ اور ایک دوسری آیت میں یاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمْ۔ واحد کے لئے جمع بولا گیا محض ادب کے لئے۔ لیکن اللہ کا ادب۔ جمع بولنے میں نہیں۔ بلکہ

اس کی بارگاہ میں یہ گستاخی ہے۔ وہاں تو وحدت کا صیغہ ہی لائق توحید ہے۔ توحید کے ٹھیکیدار وہابی اللہ کے لئے جمع کا صیغہ بولتے ہیں۔ گویا کہ خود اپنی توحید کا حلیہ بگاڑتے ہیں۔ اگر اللہ کے لئے جمع کا صیغہ بولنا اس کا ادب ہوتا تو اسی طرح ضرور کوئی نبی کوئی صحابی کوئی فرشتہ۔ جمع کے صیغے سے بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا۔ مگر کہیں ثابت نہیں یہ وہابی لوگ ہم سے ہر بات کا ثبوت مانگتے ہیں ذرا اپنی اس ایک بات کا تو ثبوت دکھادیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** قدرت پر تعجب کفر ہے تو حضرت سارہ نے یہاں تعجب کیوں کیا؟ جواب اس کا جواب ابھی تفسیر میں دیا گیا کہ یہ تعجب قدرت پر نہیں جس کو استبعاد کہتے ہیں بلکہ یہ تعجب حسب عادت وعرف قانونی لحاظ سے ہے۔ اور پھر یہ تعجب بطورِ انکار نہیں جس طرح آجکل کے وہابی بہت سی کرامات اولیاء کا انکار کردیتے ہیں یہ تعجب کفر یا گناہ نہیں۔ بلکہ حضرت سارہ کا تعجب بطور استفسار تھا جس میں بھی شکر خداوندی کا ایک پہلو مضمر تھا **دوسرا اعتراض** حضرت علی۔ عباس۔ عقیل سب ہی اصل بیت نبی ہیں اور اصل اہل بیت یہی ہیں بیوی وغیرہ اگرچہ اہل بیت ہیں مگر اصل نہیں۔ دیکھو بیوی سارہ کے لئے فرشتوں نے عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ کہا حالانکہ وہ اکیلی تھیں اور مونث تھیں علیکم جمع مذکر ضمیر ہے۔ مراد ہے اصل گھر کے مردان کی اتباع میں حضرت سارہ بھی شامل ہوگئیں (شیعہ) جواب اس کے دو جواب ہیں پہلا جواب الزامی یہ کہ پھر تو حضرت علی اہل بیت نہیں ہونے چاہئیں کیونکہ حضرت ابراہیم کا کوئی داماد نہیں تھا جس کو یہاں اہل بیت میں شامل کرکے قیاس کردو۔ بلکہ مردوں میں یا حضرت ابراہیم تھے یا خدام غلام نوکر چاکر ان کو تم بھی اہل بیت نہیں مانتے حالانکہ تمہارے اس اعتراض اور عقیدے سے وہ نوکر بھی اہل بیت بن جاتے ہیں۔ دوسرا جواب تحقیقی یہ ہے کہ علیکم میں خطاب صرف حضرت سارہ کو ہے کوئی دوسرا داخل نہیں ہوسکتا اس لئے کہ علیکم کا مرجع وہی ہے جو أَتَعْجَبِينَ کا ہے أَتَعْجَبِينَ کا مرجع بجز سارہ کے کوئی نہیں ہوسکتا ورنہ جھوٹ لازم آئے گا۔ جس سے فرشتے معصوم ہوتے ہیں۔ تو لازم آیا کہ علیکم کا مرجع بھی بجز انکے کوئی نہ ہو ضمیر جمع مذکر کو مونث واحد کے لئے لانا اظہار عظمت کے لئے ہے نہ اتباع کیلئے اور اصل اہل بیت بیوی ہوتی ہے کیونکہ گھر بنتا ہی بیوی سے ہے بیوی کے بغیر تو صاحب خانہ خود اہل بیت ہوتا ہے نہ صاحب خانہ دیکھو حضرت عیسیٰ کے کوئی اہل بیت نہیں۔ کیونکہ ان کی بیوی کوئی نہیں۔ باقی سب اہل بیت بیوی کے تابع ہوتے ہیں۔ بیوی ہوگی تو اولاد و داماد ہوں گے۔ مگر اوندھی عقل والوں کو کیا کہا جائے۔

تفسیر صوفیانہ عالم قدس کے باشندے عالم ناسوت کی چیزوں کو پسند نہیں کرتے عشق والے عقل کی میزبانی سے لگاؤ نہیں رکھتے اس لئے دنیاء فنا کی دلچسپیوں کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے خلیل شوق نے جب دیکھا کہ انوار کے قاصد مہمان عرش جگر مذبوح کے بچھڑے کو ہاتھ نہیں لگاتے تو ان کو قہر وجلال والا جانا آثار خشیت مغلوبیت ظاہر ہوئے خلیل رحیم نے نور جمال کو نار جلال جانا تو قاصدان نور بولے اے قلب وقالب کے سلطان اعظم خلیل اکرم خوف شفقت نہ کر نفس بدکار پر رحمت سے غم نہ کر بے شک ہم لوط مطمئنہ کی قوم ذمیمہ کی طرف وادی قہر اور بحر غضب سے بھیجے گئے

ہیں حجاب ندامت اٹھا دیئے گئے اور عتاب کے پتھر برسا دیئے گئے خلیل رحیم کی ازلی ساتھ دینے والی لطیفہ سری پاس ہی قائم تھی سرور ایمانی لذت ایقانی سے خوشی ہوئی تب ہم ذات قدیم نے اس کو زینت دنیا کی خوشخبری دی اور زینت دنیا کے بعد زیور ایمانی کی بشارت سنائی لطیفۂ سری نے عرض کیا مولیٰ مجھ کو قوم اعضاء ظاہری کے بچنے سے سرور ہے بحر حیرانی اور امواج تعجب نے گھیر لیا کہ اب مجھ سے یہ انوار کس طرح ظاہر ہوں گے۔ مجھ میں ضعف بشری عجز فعلی ہے اور میرے اس رہبر منزل خلیل فواد میں ناتوانی ناسوتی ہے بے شک اے صانع کائنات ان نعمتوں کا وجود تیری قدرت عجیبہ ہے۔ عالم قدس کے یہ پیغامبران ملکوتی بولے اے لطیفۂ سری کیا تجھ کو امر الٰہی سے حیرانی ہے۔ عالم دھر میں اللہ تعالیٰ قادر مطلق کی امر سنت اور امر قدرت دونوں جاری ہیں۔ امر سنت امر عوام ہے اور امر قدرت امر خواص ہے یہی اظہار آیات سے اعجاز قدرت ہے کہ لطیفۂ سریہ کو حیض پلید سے بچا کر لذات فنا بقا عطا کیں۔ اے بیت مشاہدات میں سکونت کی اہلیت ولیاقت رکھنے والو تم پر ہی قرب کی رحمت اور جمال کی برکتیں ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ کہ قلب جسمانی سے چھ لطیفے ہیں ۱؎ لطیفۂ سری یہ سب سے پہلے اور غالب ہے یہی مقام روح ہے اور منزل انوار ہے اسی پر سلطان الوالارواح کا پایۂ تخت ہے یہیں سے انوار غیبیہ کا طلوع وظہور ہوتا ہے اسی مقام احدیت سے خلیل وحبیب کا فرق معلوم ہوتا ہے کہ حبیبؐ کو بلا واسطہ اور خلیل کو واسطے سے سلام ابدی کا مژدہ سنایا جاتا ہے ۲؎ لطیفہ کشف ۳؎ لطیفۂ دماغ ۴؎ لطیفۂ روح ۵؎ لطیفۂ صوت سرمدی یہ مقام وحی والہام ربانی ہے ۶؎ لطیفۂ خیرات ہر لطیفے پر تین حجاب ہیں ۱؎ حجاب ظلمت ۲؎ حجاب کثافت ۳؎ حجاب نور طالب مولیٰ ان حجابوں سے پار نکل جاتا ہے اور قرب کی رحمتیں وصل کی برکتیں پا لیتا ہے بشرطیکہ مرشد خلیل کی ہمراہی ہو۔ بغیر مرشد حجاب ظلمت پر ہی تعجب کے حدوں میں محدود رہ جاتے ہیں۔ مگر یہ کم ہمتوں کا کام ہے۔ (روح البیان وعرائس مع زیادت)

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى
تو جب جاتی رہا سے ابراہیم پریشانی اور آئی ان کو خوشخبری تو ضد
پھر جب ابراہیم کا خوف زائل ہوا اور اسے خوشخبری ملی
يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ
کرنے لگے ہم سے بارے میں قوم لوط کے کیونکہ ابراہیم بہت ہی نرم دل آہیں کرنے
ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا ابراہیم تحمل والا بہت آہیں

مُنِيبٌ ﴿٧٥﴾ يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۖ إِنَّهُ قَدْ جَاءَ

والے لوٹ لوٹ کر آنیوالے ہیں اے ابراہیم علیحدہ ہو جائیے سے اس خوم کیونکہ بیشک آچکا امر

کرنے والا رجوع کرنیوالا ہے اے ابراہیم اس خیال میں نہ پڑ بے شک تیرے

أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿٧٦﴾

رب تمہارے کا اور بیشک وہ لوگ آکر رہنے والا ہے ان کو عذاب نہ پھرا ہوا

رب کا حکم آچکا اور بے شک ان پر عذاب آنے والا ہے کہ پھیرا نہ جائے گا

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ

اور جب آئے ہمارے قاصد لوط کے پاس پریشانی کی گئی وجہ سے ان کی اور تنگ

اور جب لوط کے پاس ہمارے فرشتے آئے اسے ان کا غم ہوا اور ان کے سبب

ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿٧٧﴾

دل ہوئے وجہ سے ان کی کہا اور فرمایا یہ دن مشکلات کا

دل تنگ ہوا اور بولا یہ بڑی سختی کا دن ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح ہے پہلا **تعلق** پچھلی آیات میں۔ حضرت ابراہیم کی مہمان نوازی اور مہمان کے کھانا نہ کھانے سے پریشانی کا ذکر تھا جس کو لفظ خوف سے تعبیر کیا گیا یہ آپ کی انتہائی نرم دلی اور حلم کا اظہار تھا اب ان آیات میں آپ کے حلم و شفقت کا دوسرا ثبوت پیش فرمایا جا رہا ہے کہ جب عذاب قوم لوط کا سنا تو اللہ کے حضور فوراً ان کی سفارش کے لئے عرض و معروض میں مشغول ہو گئے یہ بھی آپ کی حلیمی و کریمی تھی اسی لئے رب تعالیٰ بالوضاحت فرمادیا لحلیم' **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں ملائکہ کے آنے کا ذکر تھا اب یہاں آنے کی وجہ کا تذکرہ ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں انبیاء سابقین کی تبلیغی سلسلے میں چوتھا واقعہ ذکر ہوا تھا یہاں سے اب پانچواں واقعہ شروع ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ۔ فاء تعقیبیہ برائے رابطہ و سببیہ لَمَّا حرف شرط ذَهَبَ فعل ماضی واحد غائب ذَهْبٌ سے بنا بمعنی جانا ختم ہونا

نشان مٹنا یہاں آخری دو معنی بن سکتے ہیں عَنۡ بمعنی مِنۡ ہے اِبۡرَاہِیۡمُ یہ لفظ عجمی عَلَم ہے لہذا غیر منصرف اَلرَّوۡعُ مصدر ہے اس کا فعل باب نصر سے متعدی بنفسہٖ ہوتا ہے ایک قرأت میں رُوۡعُ را کے ضمہ سے بمعنی دل کا وہ حصہ جو مقام تفکر ہے یہی مقام رَوۡعٌ یعنی خوف ہے واؤ عاطفہ برائے سبب جَاءَتۡ فعل ماضی مونث ہٗ کا مرجع حضرت ابراہیم دراصل تھا عِنۡدَہٗ یعنی ان کے پاس اَلۡبُشۡریٰ الف لام عہد ذہنی بُشۡریٰ بر وزن فُعۡلیٰ قُرۡبیٰ مادۂ اشتقاق بِشۡرٌ ہے مصدر ہے بمعنی خوشخبری یُجَادِلُ باب مفاعلۃٌ کا فعل مضارع جَدَلٌ سے بنا ہے بمعنی دو طرف بذریعہ سوال بحث کرنی مگر یہاں یا فرشتوں سے مکالمہ مراد ہے یا عذاب ٹلنے کے لئے گڑگڑا کر دعا مانگنی فی ظرفیت کا ہے قوم سے مراد کفار مضاف ہے طرف لفظ لوط کے نام ہے ایک پیغمبر علیہ السلام کا اِنَّ اِبۡرَاهِيۡمَ لَحَلِيۡمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيۡبٌ ۔ اِنَّ حرف تحقیق ابتدائیہ ہے ابراہیم بحالت زبر ہے اسم ہے لام کَنۡ ہے حَلِیۡمٌ حِلۡمٌ سے صفت مشبہ مبالغہ کے لئے بمعنی بردبار جو انتقام لینے میں دیر لگاتے ۔ اَوَّاہٌ بروزن فعّالٌ جیسے ضرّاب قتّال اسم فاعل بمعنی نرم دل کسی کے دکھ پر آہیں بھرنے والا۔ مُنِیۡبٌ نوبٌ سے بنا بمعنی بار بار لوٹنا اسی سے ہے نائبۃ بمعنی حادثہ اور نائب خلیفہ جو اصل کی غیر حاضری میں بار بار لوٹ کر آتا ہے۔ منیب یعنی اللہ کے حضور ہر معاملے میں بار بار لوٹنے والا۔ يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدۡ جَآءَ اَمۡرُ رَبِّكَ ۔ یا حرف ندا سے پہلے قَالَتۡ یا قُلۡنَا پوشیدہ ہے لفظ ابراہیم مفرد ہے لہذا مرفوع ہے اَعۡرِضۡ فعل امر واحد مذکر باب افعال عَرۡضٌ سے بنا بمعنی ایک طرف ہونا چھوڑنا یہاں دوسرے معنی مناسب ہیں عَنۡ حرف جار بمعنی مِنۡ ھٰذَا اسم اشارہ مشار الیہ مجادلہ پوشیدہ اِنَّ ابتدائیہ ہٗ ضمیر شان قَدۡ جَاءَ ماضی قریب امر بمعنی فیصلہ اگر امر سے مراد عذاب ہے تو ماضی بمعنی مستقبل ہوگا۔ اور استعمال ماضی بوجہ یقین کامل ہے رَبّ یعنی اللہ تعالیٰ کَ ضمیر مخاطب کا مرجع ابراہیم وَاِنَّهُمۡ اٰتِيۡهِمۡ ۔ واؤ سر جملہ اِنَّ ابتدائیہ لہذا مکسورہ اٰتِیۡھِمۡ اسم فاعل اَتۡیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے ایک قرئت میں اٰتٰھُمۡ ماضی سے ہے اِنَّھُمۡ کی ضمیر جمع غائب شان ہے لہذا اسم فاعل بمعنی مستقبل کے ضمیر جمع آئی۔ دراصل تھا اٰتِیۡ علیھم حرف جار محذوف ہوا اور بحالت نصب مفعول فیہ بنا۔ عَذَابٌ فاعل ہے اٰتِیۡ کا موصوف ہے غَیۡرُ صفت ہے اور مضاف ہے مَرۡدُوۡدٍ اسم مفعول کا رَدٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا وَلَمَّا جَآءَتۡ رُسُلُنَا لُوۡطًا سِیۡٓءَ بِهِمۡ وَضَاقَ بِهِمۡ ذَرۡعًا واؤ سر جملہ لَمَّا حرف شرط بمعنی ظرفیت جملہ خبریہ ہے۔ نہ کہ انشائیہ۔ رُسُلُ یعنی فرشتے لُوۡطًا اصل میں تھا عِنۡدَ لُوۡطٍ مفرد منصرف صحیح ہے منصوب ہے بوجہ مفعول بہ سِیۡٓءَ فعل ماضی مجہول یہاں غیر اختیاری فعل کے لئے استعمال ہوا فعل ذم ہے بمعنی فعل معروف ہے یعنی غم ہوا یا برا لگا بِھِمۡ میں باء سببیہ ھِمۡ کا مرجع رسل واؤ عاطفہ ضَاقَ فعل ماضی یہ جملہ عطف سابقہ شیٔ پر اور دونوں معطوف علیہ معطوف جواب شرط ہے۔ ضَیۡقٌ سے مشتق ہے بمعنی مطلقًا تنگی یہاں مراد قلبی گھبراہٹ پریشانی بِھِمۡ ب سبب کی ہے ھِمۡ کا مرجع بھی رُسُلُ ملائکہ ہیں ذَرۡعًا تمیز مفرد ہے لغت میں ہاتھ کو کہا جاتا ہے کہنی سے پنجے تک کپڑا ناپنے کے پیمانے کو بھی ذرع کہا جاتا ہے کہ وہ بھی آدھے ہاتھ برابر ہوتا ہے یہی عربی گز کہلاتا تھا۔ چونکہ سارے جسم کی طاقت ہاتھ میں ہوتی ہے اس لئے ذرع بمعنی کلائی سے مطلق طاقت بھی

مراد ہو جاتی ہے یہاں یہی مراد ہے وَقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ واؤ سر جملہ قَالَ فعل جوارح سے ہے ھٰذا اسم اشارہ مشار الیہ باطنی ہے یعنی یہ آنا یا ظاہری یہ وقت یَوْمٌ بمعنی وقت یہ مشار الیہ کا مرکز ہے موصوف ہے عَصِیْبٌ بروزن فعیل اسم فاعل کے معنی ہیں مبالغہ ہے عصبٌ سے بنا بہت سخت چیز یا واقعہ۔ انسانی پٹھے کو بھی عصب کہہ دیا جاتا ہے بمعنی شدت گرم دن غمناک دن۔ پریشانی لانے والے وقت کو بھی یوم عصیب کہا جاتا ہے یہاں تیسرے معنی موزوں ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ تو جب ابراہیم علیہ السلام سے وہ پریشانی جاتی رہی۔ جو پہلے وارد ہوئی تھی فرشتوں کی حقیقت کی طرف متوجہ نہ ہونے سے اور ان کو خوشخبری بھی مل گئی یا قوم کی نجات کی یا بیٹے پوتے کی ولادت کی اصل خوشی اگرچہ بیوی صاحبہ کو ہوئی لیکن ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی لازمی خوشی ہوئی اسی لئے دوسری جگہ ارشاد ہے وبشرناہُ ہم نے ابراہیم کو خوشخبری دی پھر ملائکہ کی طرف بغور متوجہ ہوتے اور جان لیا کہ اس وقت رب کریم کا رحمت کا دریاء محبت جوش میں ہے اس وقت جو چاہا جاتے کامل جائے گا دل میں خیال آیا کاش قوم لوط کو کچھ اور مہلت مل جاتے ہو سکتا ہے وہ قوم راہ راست پر آجاتے مومن ہو جاتے میرا رب تو حمید مجید ہے اس کے قانون پر اس کی قدرت اس کے غضب پر اس کی رحمت غالب وہ ہزاروں قانونوں کو اپنے پیاروں کے لئے توڑ کر قدرت کا کرشمہ دکھا دیتا ہے۔ اگرچہ فیصلۂ عذاب ہو چکا ہے مگر اس کا ٹالنا اس کی قدرت میں کیا مشکل ہے وقت بھی کرم کا ہے کہ بشارت عظمیٰ ابھی ابھی ملی ہے۔ اس بنا پر یُجَادِلُنَا۔ ہم سے یعنی ہمارے فرشتوں سے۔ یا بلا واسطہ ہم سے ہی۔ اپنے سجدوں دعاؤں میں بڑے ہی ناز سے جھگڑا کرنے لگے۔ قوم لوط کے اس وقت چھٹکارے کے بارے میں یہ ایسا ہی جھگڑا تھا جیسا کہ پیارا بیٹا شفیق باپ سے یا لاڈلا شاگرد مہربان استاد سے یا غلام اپنے کریم آقا سے۔ یا محبوب اپنے حبیب سے کسی کی سفارش میں جھگڑا کرتا ہے۔ یہ جھگڑا کریم آقا شفیق باپ۔ حبیب کو برا نہیں لگتا بلکہ ایسی ضدوں سے تو پیار بچہ اور پیارا لگتا ہے۔ یہ ضعیف کا جھگڑا قوی سے ہے فقیر محتاج کا جھگڑا کریم غنی سے ہے۔ اس جھگڑے کا ذکر کر کے شان ابراہیم بتائی جا رہی ہے کہ بارگاہ الٰہیہ میں مقام خلیل کیا ہے۔ جھگڑا اس طرح ہوا کہ اے میرے رب کے معزز فرشتو تم اس قوم کو سب کو ہلاک کر دو گے اگرچہ اس میں پچاس مومن ہوں ملائکہ نے کہا نہیں۔ فرمایا اگرچہ چالیس ہوں بولے نہیں فرمایا اگرچہ تیس ہوں بیس ہوں۔ یا دس ہوں پانچ ہوں بولتے رہے نہیں۔ نہیں۔ فرمایا اگرچہ ایک ہی ہو بولے نہیں۔ تو فرمایا کہ ان میں حضرت لوط موجود ہیں پھر کس طرح ان پر عذاب آئے گا۔ بولے ملائکہ ان کو بچانے کا وعدہ ہو چکا ہے۔ یا جھگڑا کہنا مجازاً کیونکہ بہت اصرار کر کے یہ سوال کیا تھا کہ کیا واقعی اب عذاب ہی آئے گا اور کامل فیصلہ ہو چکا یا صرف ڈرادا دینا ہے اور کیا اب مہلت نہیں مل سکتی۔ آج کون کسی کے لئے جھگڑا کرتا ہے کون کسی کو بچانے کی کوشش کرتا ہے یہ انبیاء کرام کا ہی کرم و محبت ہے کہ دشمنوں کی جان بخشی کے لئے بھی انتہائی کوشش فرما رہے۔ اس مجادلانہ سفارش میں کوئی ذاتی منفعت نہیں وجہ صرف یہ ہے کہ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام

البتہ بہت ہی حلیم ہیں۔ یعنی دشمن سے انتقام لینے میں جلدی نہیں فرماتے خون کے پیاسے کو بھی مہلت دلانا چاہتے ہیں۔ اَوَّاہ ہیں۔ بہت نرم دل ہیں کہ دوسروں کا دکھ دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرنے والے غم سے نڈھال ہونے والے یا ماتوں کو یادالٰہی عشق خدائی میں آہیں بھرنے والے۔ دل میں کسی کو غمزدہ دیکھ کر خود غمگین ہونے والے۔ منیب ہیں ہر دم ہر حالت میں اللہ کی طرف رجوع فرمانے والے۔ اسی ذات کبریائی کو کامل سہارا سمجھنے والے۔ کہ لینا ہے تو اسی سے مچلنا ہے تو اسی کے دروازے پر کہنا ہے تو اسی سے سننا ہے تو اسی کی۔ ضد کرنا ہے تو اسی سے کون کسی کی ضد سنتا ہے بجز رب کریم کے کیسا پیارا ہے وہ آستانہ۔ یہ اس کا کرم ہی تو ہے کہ اس نے ادھر تو حضرت ابراہیم کو۔ حلیم۔ اوّاہ۔ منیب۔ تین عظیم صفتوں سے مزین فرمایا اور ادھر ہمارے لئے اپنے پیارے نبی محمد مصطفٰے احمد مجتبیٰ کو ایسا رحمت عالمین بنایا کہ دنیا پکار اٹھی۔ شعر

سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں ❖ سلام اس پر کہ سب گستاخیاں سن کر دعائیں دیں

ہمارے ابراہیم تو حلیم اور اوّاہ ہیں اپنے گستاخ مجرم کی بھی شفاعت پر کمربستہ ہیں۔ مگر ہم قہار و جبار بھی ہیں ہم نبی کی گستاخی گوارہ نہیں کرتے اور گستاخوں کو ہرگز مزید مہلت نہیں دیا کرتے لہٰذا ہم نے کہہ دیا ابراہیم علیہ السلام سے یَآ اِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَاِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ۔ چونکہ یہ فیصلہ تقدیر مبرم تھا جو ٹل نہیں سکتی تھی اس لئے عنایت پیار و محبت سے یا خود رب تعالیٰ نے یا اس کے حکم سے فرشتوں نے کہا اے ابراہیم چھوڑ دیجئے اب اس بدکار قوم کا غم اور ایسی ناکارہ خلائق گندی قوم کو مہلت دلوانے کا خیال۔ کیونکہ اب بے شک حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ آپ کے رب کا مبرم فیصلہ ہو چکا ہے کہ گندوں سے زمین خدا پاک کر دی جائے اب ان کو مرنے ہی دیجئے ہم کو معلوم تھا کہ تمہاری رحیمی کریمی والی عادت تم کو اپنے بھتیجے کی قوم کو بچانے پر آمادہ کرے گی ہم نے اسی لئے پہلے تم کو بشارت دے کر سمجھا دیا کہ ہم قدرت والے ہیں لیکن اب یہ بھی سمجھ لو کہ رب تعالیٰ کا قانون مبرم جب جاری ہو جائے تو ٹلا نہیں کرتا بے شک وہ کافر لوگ اس حالت میں ہیں کہ ان پر آنے والا عذاب قطعًا یقینًا غیر مردود ہے یعنی اب پھیرا اور ہٹایا نہیں جائے گا۔ اس طرح کہ نہ کسی کی دعا کام آئے تو سفارش ہاں اے ابراہیم تم کو ان کے دین میں آنے کی تمنا والی سفارش کا ثواب مل جائے گا۔ اور یہ عذاب اس لئے نہیں پھیرا جائے گا۔ کہ ان کے تین جرم ان میں مضبوط ہو چکے ہیں ایک ان کا سخت کافر ہونا دوم نبی کی گستاخی اور تکذیب سوم بد معاشی یعنی لواطت سے لڑکوں کے ساتھ وطی کرنا۔ یہ اتنے بڑے جرم ہیں جو اس سے پہلے کسی نے نہ کئے۔ قانون شرعی کے مطابق تقدیر دو قسم کی ہے ۱۔ مبرم یعنی اٹل ۲۔ معلق یعنی کسی پیارے بندے کی سفارش سے ٹل جانے والی۔ مردود۔ مرجوع۔ مصروف۔ مدفوع یہ چاروں اسم مفعول ہیں قریبًا ہم معنیٰ ہیں مگر یہاں مردود فرمایا گیا اس لئے کہ اگرچہ یہ چاروں صیغہ تقریبًا ایک ہی مقصد ظاہر کرتے ہیں لیکن فرق اس طرح ہے کہ مدفوع۔ جس کو وہ پھیرے جس کے پاس آیا ہے مصروف وہ عذاب یا وہ چیز جس کو بھیجنے والا خود اپنی طرف پھیرے یا کبھی اور کی طرف۔ مرجوع وہ عذاب یا چیز جو خود ختم ہو جاتے۔ مردود ان سب کو عام ہے۔ یعنی یہ عذاب قوم لوط کا کسی طرح نہیں ٹل سکتا وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ

ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ۔ اور حضرت ابراہیم سے رخصت ہو کر جب دوپہر کے وقت آئے ہمارے فرشتے حضرت لوط کے پاس۔ جاءت ماضی ہے واحد مونث اس کا فاعل رُسُلُنَا یہاں ذَھَبَتْ نہیں فرمایا کہ یہ قرب شانِ جلالوندی کے اظہار کے لئے ہے حضرت لوط شہر سدوم میں رہتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام چھ میل ادھر مقام الخلیل میں جو فلسطین کے سرحدی علاقوں میں ہے پہلے اس کا نام کچھ اور تھا اب اس کا نام الخلیل ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ملائکہ بغیر راستہ پوچھے سیدھے حضرت لوط کے پاس پہنچے اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ جب بستی میں داخل ہوتے تو کوئیں پر پہنچے وہاں حضرت لوط کی بیٹیاں اور کچھ عورتیں پانی بھر رہی تھیں ان اجنبی لڑکوں کو دیکھا تو پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو جلدی بھاگ جاؤ ورنہ یہاں کے لوگ تم کو پکڑ کر غلام بنالیں گے یہ بات انہوں نے بدلا کر بہت شرم سے کی۔ ملائکہ بولے کیا یہاں کوئی مہمان نواز نہیں ہے جو کچھ دیر ہمیں ٹھہرائے تو لوط علیہ السلام کی بیٹی محترمہ نے اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا کہ وہاں چلے جائیے۔ وہ بزرگ آپ لوگوں کو ٹھہرا سکیں گے۔ وہ سب وہاں گئے تو سلام کیا۔ حضرت لوط اپنے گھریلو کھیت میں کچھ کام کر رہے تھے اجنبی مہمانوں کو جو خوبصورت قریب البلوغ لڑکوں کی شکل میں تھے۔ دیکھا گھبرا کر کھڑے ہو گئے پریشان ہوتے اور غمزدہ سِیْٓءَ فعل ماضی مجہول کا مقصد ہے ایک دم پریشانی نازل ہونا۔ جس سے انسان حواس کھو بیٹھے یہاں مراد ہے انتہائی دکھ افسوس۔ اس فعل سے ثابت ہوا کہ حضرت لوط نے اس اچانک پریشانی کی وجہ سے ملائکہ کو نہ پہچانا اگر دور سے دیکھ لیتے اور غور کا موقعہ مل جاتا تو پہچان لیتے لہٰذا کوئی شخص اس سے علم غیب کی نفی نہیں کرسکتا۔ حضورِ علم کی نفی ہے نہ کہ علم کی۔ اور حضورِ علم کی نفی میں ہزار ہا حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں یہ سب دلائل سِیْٓءَ کے مجہول فرمانے سے ظاہر ہے۔ پریشانی اس لئے لاحق ہوئی کہ اس سے پہلے بھی آپ اجنبی ان مہمانوں کو اپنی پناہ میں لے لیتے تھے جو بدمعاشوں سے گھبرا کر بھاگتے پناہ ڈھونڈتے تھے آپ کی قوم آپ سے لڑتی تھی کہ تم ان کو کیوں چھپاتے ہو ہمارے حوالے کرو حضرت لوط ان کو جھڑکتے لعنت ملامت کرتے۔ حضرت لوط کی بیوی کو کفار نے لالچ دے کر فرنالیا تھا وہ چھپے ہوؤں کی مخبری جا کرتی تھی۔ تو قوم آکر جھگڑتی تھی۔ اس سے چند دن پیشتر ایسا ہی واقعہ ہو چکا تھا اور قوم نے کہہ دیا تھا کہ اب اگر آپ نے کسی مہمان کو گھر میں رکھا یا پناہ دی تو ہم جبراً آپ کی پناہ توڑ کر ان کو اٹھا کر لیجائیں گے اس لئے اب ان بھولے بھالے خوبصورت بچوں کو دیکھ کر ان کی معصوم شکلوں کو دیکھ کر ترس کھاتے ہوتے غمزدہ ہوتے کہ ابھی قوم کو پتہ لگ جائے گا اور وہ بدبخت سرکش لوگ ان کی بھی بے عزتی کر دیں گے اور میری بھی توہین ہو جائے گی۔ اور سمٹ گئیں ان کی وجہ سے حضرت لوط کی ساری طاقتیں یعنی حضرت لوط نے اپنے آپ کو اس موقعہ پر بالکل بے بس کمزور سمجھا اور دل تنگ ہوتے اگر کوئی شرافت کی جنگ ہوتی تو لاکھوں کے سامنے بھی نبی کی یہ حالت نہیں ہوتی کیونکہ اللہ کے نبی کی طاقت ساری کائنات سے زیادہ ہوتی ہے۔ مگر یہاں تو بے غیرتی کا مقابلہ تھا۔ بہادر انسان شیروں سے تو لڑ سکتا ہے مگر کتوں سے کیونکر ہاتھا پائی کرے جہاں ایک شریف آدمی شرم سے ہی پانی پانی ہو رہا ہے۔ بہادر پہلوان کو تو مار گرایا جا سکتا ہے۔ مگر بازاری عورت سے مقابلہ کون کرے۔ اور پھر وہ قوم اپنی ہی کہلاتی تھی یہ مزید شرمندگی تھی ذَرْعًا کی تحقیق تفسیر نحوی میں کر دی

گئی۔ سب طرف سے گھبرا کر بولے هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ یہ آج کا دن میرے لئے بہت سخت دن ہے۔ مصیبتوں کا دن ہے جس نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں پٹھے اور رگیں سکیڑ دیں ہیں۔ غم خوف اور پریشانی میں انسان کا یہی حال ہوتا ہے۔ پھر اپنی بیوی کو دیکھا اور کہا کہ تجھ کو ہلاکت ہو اندر چھپ جا کسی کو نہ بتانا۔ کفار سے اس کو لالچ تھی تھوڑی دیر تو صبر سے پاس بیٹھی رہی پھر پیشاب یا کسی ضرورت کا بہانہ کر کے باہر نکلی تو گھر گھر خبر دیتی آئی اور بتاتی آئی کہ ایسے خوبصورت چہرے جسم اچھے لباس والے خوشبودار مہمان لڑکے ہمارے گھر آتے ہیں سِیْئَ اور ساءَ معروف مجہول یہ دونوں صرف لازم ہی ہوتے ہیں بعض لوگ ان کو نادانی سے متعدی بھی کہہ دیتے ہیں۔ متعدی تب ہو گا جب افعال میں آکر اَسَاءَ ہو گا۔ (صاوی۔ جمل۔ معانی۔ بیان۔ کبیر۔ خازن۔ سراج منیر۔ ابن کثیر)

فائدے اس آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** اللہ کے پیارے بندے اللہ تعالیٰ پر ناز فرماتے ہوتے اس سے جھگڑتے بھی اس پر ضد بھی کر لیتے ہیں ان کی یہ ضد رب کریم کو پسند ہے **دوسرا فائدہ** رب تعالیٰ کے بندوں سے بات کرنی رب ہی سے بات کرنی ہے۔ دیکھو حضرت ابراہیم نے ملائکہ سے بات کی تھی مگر رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یُجَادِلُنَا ہم سے مجادلہ کیا۔ یہ فائدہ یُجَادِلُنَا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** کفار کے لئے شفاعت جائز نہیں۔ نہ کوئی نبی ولی کافر کی شفاعت کر سکتا ہے۔ دیکھو کافر کی سفارش کو جدال فرمایا گیا اس سے روک دیا گیا۔ حالانکہ حضرت ابراہیم نے کفار کو بچانے کا ذکر نہ کیا تھا بلکہ مہلت کا تذکرہ تھا کہ شاید ایمان لے آئیں یہ فائدہ یُجَادِلُنَا اور اَعْرِضْ فرمانے سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** تقدیر مبرم کسی کی دعا سفارش سے نہیں ٹل سکتی نہ کسی مخلوق میں طاقت ہے کہ تقدیر مبرم کو بدل سکے۔ تقدیر معلق بدل سکتی ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔ یہاں تقدیر معلق مراد ہے۔ یہ فائدہ غَيْرُ مَرْدُودٍ سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** رب تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء کرام کی بہت عزت ہے۔ لہٰذا اگر ان کی زبان پاک سے ایسی بات بھی نکل جائے جو نہ ہونے والی ہو تو ان کو اس کی حکمت سمجھا کر دعا سے روک دیا جاتا ہے۔ یہ فائدہ اِنَّهُمْ اٰتِيهِمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** ملائکہ نے فوراً جاتے ہی عذاب کیوں نہ نازل کر دیا۔ پہلے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر مہمان بن کر کیوں گئے۔ جس طرح کہ سابقہ کفار پر قوم نوح۔ قوم عاد۔ قوم ثمود پر ایک دم فرشتوں نے عذاب نازل کر دیا تھا **جواب** اس کی وجہ تفسیر جمل نے اس طرح بیان فرمائی کہ پچھلی امتوں پر عذاب صرف ان کے کفر اور گستاخیٔ انبیاء کرام کی وجہ سے آئی۔ جو ہر وقت ان کے ساتھ ظاہر تھا لیکن قوم لوط پر تین وجہ سے عذاب آیا۔ ایک کفر دوسری وجہ گستاخیٔ نبوت۔ تیسری وجہ۔ یہ بدکاری لواطت۔ اس لئے ان کو تینوں چیزوں کی سزا ملتی تھی۔ دو جرموں پر عذاب اور تیسرے جرم یعنی بدکاری پر شرعی تعزیر۔ اور شرعی تعزیر کے لئے جرم کی شہادت ضروری ہے۔ اس لئے اولاً حضرت لوط کے گھر جا کر ان کی گواہی لی۔ پھر جب قوم کو ان مہمانوں کا پتہ لگا تو وہ دوڑ کر آئے اور حضرت لوط سے بات چیت کی تو

ملائکہ کو مجرم کا بحالت جرم مشاہدہ بھی ہوگیا اور اقراری گواہی بھی مل گئی۔ کہ انہوں نے بے غیرتی دکھاتے ہوئے کھلم کھلا جرم کا اقرار کیا جس سے شرعاً تعزیر واجب ہوگئی۔ اور یہ گواہی علم ملائکہ کے لئے نہیں تھی بلکہ قانون شریعت کو پورا کرنے کے لئے تھی۔ یہی رب کا حکم تھا۔ اسی حکمت سے ان کو لڑکوں کی شکل میں بھیجا گیا **دوسرا اعتراض** حضرت لوط نے مہمانوں کو دیکھ کر دل تنگی کیوں کی مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتا ہے۔ یہ عادت شان نبوت کے خلاف ہے جواب اس کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کردیا گیا۔ کہ دل تنگی مہمانوں کی وجہ سے نہ تھی قوم بدکار کی وجہ سے تھی اور اپنی بیوی کی خباثت نفس کی وجہ سے تھی۔ اور مہمان کے لئے وہ تنگی منع ہے جو محض کنجوسی اور سختی دل کی بنا پر ہو **تیسرا اعتراض** تم کہتے ہو کہ نبی کی ہر بات بارگاہ خداوندی میں قبول ہوتی ہے مگر حضرت ابراہیم نے اتنا جھگڑا کیا لیکن قوم لوط کو نہ بچا سکے (وہابی) جواب اس کا ایک جواب تو ابھی تفسیر میں دیا گیا کہ یہ تقدیر مبرم تھی حضرت ابراہیم نے سمجھا یہ معلق ہے۔ اس لئے جواباً اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھا دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے کب ان کو بچانا چاہا تھا بلکہ آپ کو اپنی نرم دلی کی بنا پر امید تھی کہ شاید وہ کل ایمان لے آئیں لہذا اگر کچھ مزید مہلت مل جاتے تو وہ سیدھے بندے بن جائیں اور یا یہ پوچھنا مقصود تھا کہ یہ فیصلۂ عذاب تقدیر مبرم ہے یا معلق لہذا اب کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔

تفسیر صوفیانہ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ۔ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ ۔ علماء شریعت کا ملک وملکوت تمام عالم ظاہر ہے مشرق ومغرب پر شریعت کا دور دورہ ہے مگر صوفیاء طریقت کی سلطنت جسم انسانی پر ہے۔ ظاہراً سرزمین دنیا بہت وسیع نظر آتی ہے مگر باطن میں نفوس انسانی عالم بیکنار ہے۔ اسی میں تخار ہیں اسی میں غار ہیں بحر وبر ہیں۔ یہیں پھول وکانٹے ہیں یہیں طور عرفان اور آحد شریعت ہے یہیں آتش نمرود ہے یہیں عشق خلیل اسی محل میں نوح روح ہے اور قلب صود اسی جگہ طوفان عذاب ہے اور یہیں کشتی شریعت اسی قالب زمین میں خلیل وحبیب ہیں یہیں زینت اسحق اور رونق یعقوب ہے یہیں نفس بدکار ہے اور یہاں ہی غیرت لوط ہے۔ یہاں ہی انوار کے پیغامبر آتے ہیں اور مکاشفات اسرار کی بشارتیں ملتی ہیں۔ یہیں پر بقا ملتی ہے یہیں پر فنا۔ یہی قلب وقالب درست ہو تو نجات دائمی ہے اگر جسم ہی بگڑ جاتے تو عذاب ابدی ہے۔ ان ہی نفوس کی وادئ حیرت میں گم ہونے والا فنا کی دلدل میں پھنس کر ہلاک ہوتا ہے۔ لیکن تدبیر سے سنبھلنے والا مقام بقا پا جاتا ہے۔ بصیرت سے کام لینے والا دریاء مشاہدات میں غوطے لگاتا ہوا کنارۂ قرب کے افلاک پر پہنچ جاتا ہے۔ غرضیکہ جسم انسانی قالب ایمانی قدرت کا عجیب شاہکار ہے۔ علماء شریعت ظاہر کو درست کرتے ہیں اور صوفیاء طریقت باطن کو۔ ظاہری اشیاء عالم باطن کا سبب ہیں اور باطنی اوصاف لطیفہ وکثیفہ ظاہر کی علت ہیں۔ اسی قالب اسی مرکز روح میں جب انوار کے قاصد آتے ہیں اور بشارت حسن عرفانی دیتے ہیں تو جب خلیل یزدانی سے خوف حمایت وشفقت ختم ہوا اور سلامتی حسن ابدی کی بشارت مل گئی تو سراپا اہل ناز بن کر لوط غیرت باطنی کی قوم ذمیمہ ورذیلہ کے بچانے میں یا مہلت ریاضت وتوبہ کے چاہنے میں محبت کے جھگڑے کرنے لگا

سفارش کے ناز دکھانے لگا کیونکہ بے شک خلیل فؤاد البتہ ہمیشگی سے علم لطیف والا ذکر وعشق سے آہیں بھرنے والا۔ منزل وصل کی طرف رجوع کرنے والا ہے یَاِبْرَاهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۔۔۔۔ جب ہمارے اسرار خاص کے پیارے خلیل سے بُعد کا خوف دوری کا کھٹکا چلا گیا اور قرب کی بشارت مل گئی محبت قلبی کا مزہ چکھ لیا خلیل کے چہرۂ نور پر خلت کا سکر چھا گیا۔ طالب و مطلوب خلیل ومحبوب کا ملاپ ہو گیا اور محبت نار نے محبوب نیاز سے طلب رحم کے جھگڑے کر لئے شراب وصل پالیا جو خلیل ہی کے لائق تھا کیونکہ وہ حلیم قوم ہے بد دعا نہیں کرتا خود ہی آتش عشق میں کود جاتا ہے۔ دیدار جمال کے لئے ذکر کی آہیں بھرنے والا ہے یہی اہل عشق کا طریقہ ہے۔ مشاہدہ ملکوت کے لئے مجالس اُنس کی طرف رجوع فرمانے والا ہے ایسے خلیل کا جھگڑا بھی جہالت سے نہیں کرامت وشفقت سے ہے۔ محبوبِ کُل جَل مجدہٗ۔ عارفین کا غضب محبین کا غصہ صدیقین کا مجادلہ اور عاشقین کا کھلا ناز کرنا پسند کرتا ہے۔ یہ افعال بجز ان پیاروں کے کسی کو لائق نہیں۔ جب طالب کی طرف ناز ہو تو مطلوب کی طرف نیاز ہوتا ہے جب عاشق کی طرف پیار کا جھگڑا ہو تو معشوق کی طرف شفقت کا سمجھانا ہوتا ہے۔ ابراہیم باطنی نے جب محبوبانہ جھگڑا کیا تو ہم نے حبیبانہ طریقے سے سمجھایا اے ابراہیم تم ان رحیمانہ سفارشوں مشفقانہ شفاعتوں سے علیحدہ ہو کر ہمارے ذکر کے سکر میں چلے جاؤ تم ہمارے ہو ہم تمہارے ہیں تم خلوت خانۂ جمال میں لذت دیدار کے مزے لوٹو۔ تمہارے رب کا فیصلۂ ازلی آ چکا ہے۔ اب اوصاف ذمیمہ خصائل رذیلہ پر فنا کا ایسا عذاب آنے والا ہے جو کبھی نہ لوٹایا جائے گا۔ کیونکہ لوط باطن اور زمین کی یہ قوم اب سنبھلنے والی درست ہونے والی نہیں یہ انوار جمال کے قاصد نار قہر اور آتش جلال کے ساتھ آتے ہیں یہ قاصد بارگاہ خلت و الفت میں نور جمال ہیں اور لیکن جب اوصاف رذیلہ کی وادیٔ ندامت میں پہنچیں گے تو قہر ذوالجلال بن کر ظاہر ہوں گے وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ـــــــ اور جب ہمارے رسولان اہل تدبیر قہر قہار بن کر نفس مطمئنہ کے حضور آتے تو حسن جلال اور لطف رحمان کی جھلکیاں چہرۂ تاباں میں دیکھ کر اپنی قوم ذمیمہ خصائل رذیلہ کی بے حمیتی کی وجہ سے کلفت وپریشانی ہوئی کہ اے مولیٰ گندے مقام اور نفسانی خباثتوں کی پلید جگہ پر یہ حسن وجمال کی بارش کیوں ہو رہی ہے یہ نفسانی بدکار گندگیاں تو ان پیکران حسن رعنائی کو خراب کریں گے اس تصور وگمان سے نفس مطمئنہ دل تنگی میں آیا اور بارگاہِ لطیف وعلیم میں گڑگڑا کر بولا هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ یہ دن غیرت ایمانی کی موت کا سخت دن ہے۔ نفس ونفسانیات کی زندگی غیرت وحمیت کی موت ہوتی ہے۔ عالم قدس کے مہمان جب قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ تو قلب کے وزراء حلم وکرم ان کی پذیرائی ومیزبانی کا شرف حاصل کرنے میں اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں مگر جہاں نفس ونفسانیات کے طبیعیات خبیثہ کا راج ہو اوصاف رذیلہ کا تسلط ہو عادات ذمیمہ کا غلبہ ہو۔ وہاں لوط مطمئنہ اوصاف حمیدہ خلوت خانۂ غمگینی میں اندوہگیں ہو کر بیٹھتے ہیں۔ اس غلبۂ شیطانی کے قالب میں جب قلب وجگر کی خاطر انوار کے مہمان نزول کرتے ہیں تو غیرت ازل والے۔ پریشان ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس بٹھانے

کو جگہ ٹھہرانے کو مقام عفت نہیں ہوتا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اہل صفا اور طالبان حق کو ابتدائی مراحل میں یہ دشواریاں پیش آتی ہیں تب فریاد کناں پکارتے ہیں ع

نفس وشیطان زد کریما راہ من

جس نے استقامت کی اس نے تائید رحمانی سے غلبہ پایا۔ اور اپنی محنت شاقہ و اولادِ اعضاءِ رئیسہ اور اعمال مومن کو بچا کر وادیِ ظلمات سے نکل کر عافیت خلیل میں قرار پالیا اور بدبخت و بے حمیت خواہشات رذیلہ رکھنے والوں کو فنا کے عذاب سے ہلاک کر دیا۔ (عرائس البیان)

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا

اور آئی ان کے پاس قوم ان کی دوڑاتے جاتے ہوئے طرف انکے اور سے پہلے تھے وہ عمل

اور اس کے پاس اس کی قوم دوڑی آئی اور انہیں آگے ہی سے برے

يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ

کرتے بدمعاشی کے فرمایا اے قوم میری یہ ہیں قومی بیٹیاں میری یہ پاکیزہ ہیں

کاموں کی عادت پڑی تھی کہا اے قوم یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں یہ تمہارے

اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ

لیئے تمہارے تو ڈرو اللہ سے اور نہ پریشان کرو تم مجھے بیچ مہمان میرے کیا نہیں

لیئے ستھری ہیں تو اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو کیا تم میں

مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ

سے تم میں کوئی مرد سمجھدار سب بولے البتہ بے شک جان لیا تم نے کہ نہیں

ایک آدمی بھی نیک چلن نہیں بولے تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری قوم کی بیٹیوں میں

بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾ قَالَ لَوْ

ہے بیئے ہمارے بیچ قومی بیٹیوں تمہاری حق اور بیشک تم نہیں جانتے جو چاہتے ہیں ہم فرمایا کاش

ہمارا کوئی حق نہیں اور تم ضرور جانتے ہو جو ہماری خواہش ہے بولے اے کاش

اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾

بے شک ہیئے میرے پر تم طاقت یا پناہ لیتا میں طرف پائے مضبوط کی

مجھے تمہارے مقابل زور ہوتا یا کسی مضبوط پائے کی پناہ لیتا

تعلق ان آیات کریمہ کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں قوم لوط کی ہلاکت و عذاب کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں ان کی اس ہلاکت کی وجہ یعنی بدکاری بدمعاشی کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حلیمانہ مشفقانہ سفارش کا ذکر ہوا کہ آپ نے کس طرح قوم لوط کو بچانے کا ارادہ فرمایا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے بھی آخری بار عذاب سے بچانے کی بہت کوشش فرمائی اور طرح طرح سے سمجھایا **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ ہم نے اس عذاب کے نازل ہونے کو اس طرح پوشیدہ رکھا کہ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم بھی نہ پہچان سکے کہ یہ ملائکہ عذاب ہیں یا انسانی مہمان۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ اس پوشیدگی کو قائم رکھتے ہوئے ہم نے خود حضرت لوط کو بھی پہچان نہ ہونے دی۔ تاکہ بدکار قوم سے وجہ عذاب پوری طرح ظاہر ہو جائے اور اتمام حجت ہو۔

تفسیر نحوی وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ۔ واؤ سر جملہ جاءَ فعل ماضی بصیغۂ واحد کیونکہ فاعل ظاہر ہے قَوْمُ پہلے ہٗ اور دوسرے ہٗ کا مرجع لوط علیہ السلام پہلی ضمیر منصوب متصل دوسری مجرور متصل جاءَہٗ دراصل تھا جاءَ عندہٗ عِنْدَ محذوف کی وجہ سے ہٗ مفعول فیہ یُهْرَعُوْنَ فعل مجہول بصیغۂ جمع هَرَعٌ سے مشتق ہے۔ لغوی معنی خون کی تیز گردش، یہاں مراد تیزی دوڑنا جیسے کوئی بھگا رہا ہو یا دشمن پیچھے لگا ہو مجہول کہنے میں اور بھی شدید دوڑ کی طرف اشارہ ہے۔ گویا بھگاتے جا رہے تھے اور بھگانے والا مجہول ہے۔ اِلٰی حرف جر انتہاء غایت کے لئے ہٗ مرجع لوط۔ واؤ حالیہ من جارہ ابتدا کے لئے قبل ظرف مفرد ہے۔ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ماضی استمراری بصیغہ جمع السَّیِّاٰت جمع مونث سالم سَیِّئَۃٌ کی جمع ہے مفعول بہ ہے ماضی استمراری کا قَالَ یٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ۔ قَالَ ماضی قول ہے حضرت لوط کا یا ندائیہ قریبی قوم دراصل تھا قَوْمِیْ یاءِ متکلم کو حذف کیا تخفیف کے لئے اور زیر کو قائم مقام کیا هٰۤؤُلَآءِ اسم اشارہ جمع برائے تنبیہ بنات جمع سالم ہے بِنْتٌ کی اضافت یاءِ متکلم کی طرف بمعنی بیٹی مراد عام عورت ہے هُنَّ ضمیر جمع مونث اَطْهَرُ اسم تفضیل خبر ہے هُنَّ مبتدا کی اسم تفضیل واحد مذکر ہے جبکہ هُنّ جمع مونث بوجہ فعل نکاح واحد ہونے کے لَكُمْ لام جارہ كُمْ ضمیر کا مرجع وہ آنے والے قومی لوگ یا ساری قوم فا سببیہ یا جزائیہ اِتَّقُوْا مرجع ہے تقوے سے مشتق ہے لفظ اللہ مفعول بہ بحالت نصب واؤ عاطفہ جملے کا جملے پر عطف ہے

لاتُخْزُوْنِ خَزَیٌ بمعنی رسوائی سے مشتق ہے فعل نہی بصیغۂ جمع باب افعال سے متعدی بیک مفعول نِ دراصل تھا۔ نِیْ نون وقایہ یاءِ متکلم مفعول بہ۔ فعل نہی اصل میں لاتُخْزِیُوْنِیْ تھا نون نحو یا حرف علت گر گئی نی ظرفیت کے لئے ضیف بمعنی مہمان بروزن مُثَل مبالغے کا صیغہ اسی سے ہے ضیافت کہ محبت ومیلان مہمانوں اور دعوتوں میں نمایاں ہوتی ہے یاءِ متکلم سے مراد حضرت لوط ہیں اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ۔ ا ہمزہ استفہام تعجب کے لئے ہے لَیْسَ فعل ناقصہ سے جملہ انشائیہ نہ کہ خبریہ مِنْ بمعنی فِی کُمْ ضمیر مخاطب کا مرجع موجودہ اوباش لوگ رَجُلٌ نکرہ مفرد تنوین تنکیری بمعنی کوئی موصوف ہے رشید بمعنی مرشد یا مرشَد یعنی ہدایت دینے والا یا ہدایت دیا ہوا قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِکَ مِنْ حَقٍّ وَاِنَّکَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ۔ قَالُوْا۔ فعل ماضی کا فاعل وہی قومی بدمعاش لوگ ہیں لَقَدْ عَلِمْتَ لام کے بمعنی البتہ یقینًا قَدْ عَلِمْتَ ماضی قریب بصیغۂ واحد مذکر حاضر یہ جملہ مقولہ ہے مانافیہ لَنَا کا لام جارہ نفع کا یا ملکیت کا نا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل فی ظرفیہ بنات۔ جمع مونث سالم کَ ضمیر حاضر کا مرجع حضرت لوط ہیں اور بنات مجازی معنی میں ہے۔ مِنْ تبعیضیہ تنکیر یہ حَقٍّ بمعنی تعلق یا مطلب۔ حق سات معنی میں مشترک ہوتا ہے۔ واؤ سر جملہ اِنَّ حرف تحقیق کَ ضمیر واحد کا مرجع حضرت لوط ہیں۔ تَعْلَمُ فعل مضارع مثبت بمعنی تَعْرِفُ علم سے مراد معرفت ہے لام تحقیق کا ہے۔ ما میں تین احتمال یا موصولہ یا مصدریہ یا استفہامیہ مفعول بہ ہے فعل متصل کا۔ نُرِیْدُ فعل مضارع معروف بصیغۂ جمع متکلم جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا ما کا اگر اس کو موصولہ مانا جائے۔ اگر استفہامیہ مانا جائے تو یہ متعلق تَعْلَمُ کا قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ۔ قَالَ کا فاعل لوط علیہ السلام جوابی قول ہے۔ لَوْ شرطیہ جزا محذوف ہے یا لَوْ برائے تمنا ہے بمعنی کاش تب مقدر کچھ نہیں اَنَّ حرف مشبہ ہے درمیانِ کلام ہے لہٰذا نصب ہمزہ سے ہے لی جار و مجرور متعلق ہے ثابتٌ پوشیدہ کا وہ اسم اَنَّ ہے بِکُمْ متعلق دوم پوشیدہ عامل کا باء بمعنی علیٰ کُمْ سے مراد وہی آنے اور گھیراؤ کرنے والے لوگ ہیں قُوَّۃً نکرہ مصدر ہے تنوین تنکیری ہے منصوب ہے بوجہ تمیز پوشیدہ عامل ثابتٌ کے فاعل کا یا یہاں مِنْ بعضیت کا محذوف ہے یعنی مِن قُوَّۃٍ تب متعلق ہے اور نصب حذف جار کی بنا پر ہوا۔ اَوْ حرف عطف یا اپنے معنی میں ہے یا بمعنی بل ماقبل جملہ معطوف علیہ ہے ما بعد کا جملہ معطوف ہے۔ اٰوِیْ فعل مضارع واحد متکلم باب ضَرَبَ سے ہے اَوْیٌ لفیف مقرون سے مشتق ہے۔ اِلٰی رُکْنٍ اِلٰی جارہ بلائے انتہا رُکْنٍ مصدر مادہ ہے لغوی ترجمہ ہے پناہ گاہ۔ اگر اَوْ بمعنی بل ہو تو اٰوِیْ فعل حال ہوگا اور رکن سے مراد اللہ کی پناہ اگر اَوْ بمعنی یا ہو تو اٰوِیْ تمنائی مضارع ہوگا اور رکن سے مراد گوشۂ مضبوط یا برادری کی قوت ہوگی۔ شَدِیْدٍ بروزن فعیل اسم فاعل صیغہ صفت ہے بمعنی قوت وشدت والا۔

تفسیر عالمانہ وَجَآءَہٗ قَوْمُہٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ وَمِنْ قَبْلُ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ۔ اور اس حال میں کہ حضرت لوط اپنے مہمانوں کے سامنے اس قسم کی قوم کے متعلق باتیں کر رہے تھے اور چاہتے تھے کہ یہ لوگ چلے جائیں۔ آپ کی کافر قوم سب کی سب اس طرح دندناتی بھاگتی آئی گویا ان کو ہانکا جا رہا ہے یا ایک دوسرے کو اکساتے

دھکیلتے لئے چلے آئے یا ان کی شہوت ان کو دھکیلتی لائی یا خود ہی گرتے پڑتے بے حیائی دکھاتے ہوئے چلے آئے کچھ تو بھاگنے کی وجہ سے اور کچھ جوش شہوت سے جسموں پر کپکپی طاری تھی۔ سیدھے حضرت لوط کی طرف چلتے چلے آئے۔ یہ خبر ان کو یا تو لوط علیہ السلام کی بیوی نے دی ان بیسوں کی لالچ میں جو کفار نے لالچ دے رکھا تھا یا کسی اور نے راہ چلتے دیکھ کر۔ آج اس بے غیرتی بے حیائی سے اس لئے آگئے کہ ان کی شرم و حیا پہلے سے اتری ہوئی تھی اور مِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ۔ پہلے زمانوں سے ہی بہت قسم کی برائیاں کرتے رہتے تھے۔ یا لواطت پہلے سے کرتے رہتے تھے۔ روایت ہے کہ قوم لوط کو سب سے پہلے کبوتر بازی کی عادت پڑی۔ پھر پرندوں کی بولیاں بولتے پھر آداب مجلس کا خیال نہ رکھنا بزرگوں کے سامنے ہی ایک دوسرے کو سیٹیاں مارنا گوز مارنا تالیاں بجانا پھر ان بدتمیزیوں پر قہقہے لگانا۔ کوئی بزرگ ان سے بات تو درکنار ان کے پاس بیٹھ نہ سکتا تھا بلکہ ان کے پاس سے صحیح سلامت باعزت گزر نہ سکتا تھا۔ پھر ان میں تیسرا عیب یہ پیدا ہوا کہ راستوں کے کنارے پر بیٹھ جاتے اور ہر آتی جاتی بہو بیٹی پر آوازے کستے کوئی منع کرنے والا نہ تھا ہر شریف آدمی ان کے اس کردار سے گھبرایا ہوا تھا۔ کوئی اگر منع کرنے کی جرأت کرتا بھی تو بجائے شرمندگی یا وقتی طور پر لحاظ اور ادب کرنے کے اس کو مذاق کا نشانہ بناتے (بیان) ان لوگوں کے پاس گندم کی منڈی تھی لوگ دور دور سے گندم لینے آتے تھے۔ کئی دفعہ حاجتمند ایسے وقت میں بھی آجاتے جب ان کے آرام کا وقت ہوتا تو یہ بڑے پریشان ہوتے ایک دفعہ انہوں نے مشورہ کیا کہ ہم کیا کریں کہ لوگ فلاں فلاں وقت نہ آئیں تو ابلیس نے شکل انسانی میں آکر ان کو لواطت کا مشورہ دیا پہلی مرتبہ تو جان چھڑانے کے لئے اس بدفعلی کے مرتکب ہوتے پھر تو اتنی بے غیرتی لادی کے بر سر عام بھی شروع ہو جاتے اور کسی سے نہ جھجکتے آج یہی بے جھجکی بے غیرتی نے یہاں تک گل کھلایا کہ نہ دن دیکھا نہ رات نہ شرم نبی نہ مہمانوں کی غیرت حاصل اپنے حال سے غافل اپنے مال سے سَیِّئَات اسی لئے جمع فرمایا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ عیب صرف یہی تھا سیئات کو جمع اس لئے کہا گیا کہ یہی عیب پے درپے دن رات بار بار کرتے تھے۔ اور یہ حال تھا کہ راستہ چلتوں کو پکڑ لیتے۔ جب ان نووارد اجنبی مہمانوں پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کرنے لگے تب حضرت لوط نے فرمایا قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ۔ بولے اے میری قوم یہ سب پاس کھڑی قوم کی عورتیں میری بیٹیاں ہیں۔ ان لوگوں کی اس بے تحاشہ بھاگ دوڑ کا تماشہ دیکھنے کے لئے بچے بوڑھے اور عورتیں سب جمع ہو گئے تھے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ بنات جمع ہے بنت کی۔ ان میں سے بعض تمہاری بیویاں ہیں تم ان کے خاوند ہو۔ بعض غیر شادی شدہ ہیں تو تم میں کنوارے لوگ عام شریفانہ رواج کے مطابق ان سے نکاح کر لو یہ میری قومی بیٹیاں تمہارے لئے بہت ہی پاکیزہ ہیں۔ تفسیر روح البیان نے کہا کہ بیٹیوں سے مراد نسبی بیٹیاں ہیں مگر یہ عقلاً نقلاً غلط ہے اولاً اس لئے کہ لوط علیہ السلام کی صرف دو بیٹیاں تھیں اور اس وقت نابالغہ تھیں ان کا نام رتیا و زعورا تھا یہاں فرمایا گیا بناتی جو جمع ہے دوم اس لئے کہ اگر اپنی بیٹیوں سے نکاح کرانا ہوتا تو پہلے کیوں

نہ کر دیا ہوتا۔ سوم اس لئے کہ قوم کے سینکڑوں آدمی آئے تھے بلکہ سارے ہی جیسا کہ قَوْمُہٗ کے اطلاق بلا حرف بعضیت سے ظاہر ہے۔ تو دو بیٹیوں والا ساری قوم کو دعوت کس طرح دے سکتا ہے۔ چہارم اس لئے کہ قوم کے کفر کے متعلق تو کہا جا سکتا ہے کہ اس شریعت میں کفار سے مومنہ کا نکاح جائز تھا جیسا کہ ابتداءً اسلام میں بھی جائز تھا۔ مگر عام شریف آدمی بھی گوارا نہیں کرتا کہ میری بیٹی کا نکاح گندے بے غیرت بدمعاش سے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کا مکرم اس نکاح کا خیال تک کیسے کر سکتا ہے۔ آنکھیں بند کر کے تفسیر لکھ دینی کوئی کمال نہیں۔ اتنا کلام فرما کر پھر جھڑکتے ہوئے فرمایا اللہ سے ڈرو کہ گناہ اور ایسی بیہودہ حرکات کو چھوڑو اور مجھ کو رسوا نہ کرو میرے مہمانوں کے سامنے یا ان کے ذریعے کیونکہ مہمان کی ذلت میزبان کی ذلت ہوتی ہے۔ جیسے کہ مہمان کی عزت کرنا میزبان کی عزت ہے۔ لفظ ضیف مصدر اسم جنسی ہے جو قلیل کثیر سب کے لئے مستعمل ہے۔ مگر اس کی جمع اضیاف اور تثنیہ ضیافان آتی ہے یہاں ضیف بمعنی اضیاف ہے۔ ضیف کا لغوی ترجمہ ہے۔ ضیافت یعنی دعوت کھانے والا۔ جب اتنی باتوں کا بھی اثر ہوتا نہ دیکھا تو فرمایا کہ کیا تم میں کوئی لائق ہدایت یافتہ مرد نہیں ہے یا قابل ہدایت جو میری باتوں کو سن کر ہدایت اور سمجھداری قبول کرے اور یہاں سے ہٹ جائے۔ یا تم میں کوئی ان سب بے غیرتوں کو بھگانے والا نہیں ہے۔ یہاں رشید بمعنی مرشد ہے یا مرشد دوسرے معنی درست ہیں۔ ایسا دردناک وعظ کلام سن کر بھی نہایت بے غیرتی سے کھڑے رہے اور قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ سب بیک زبان بولے یا ایک ان سب میں زیادہ بے باک سب کی طرف سے بولا اے لوط البتہ تو نے پہلے ہی جانا ہوا ہے کہ نہیں ہے ہمیں کوئی حاجت تیری ان قومی بیٹیوں میں جو ہماری بیویاں بنی ہوئی ہیں عَلِمْتَ بمعنی عَرَفْتَ ہے۔ کیونکہ علم کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور عرف کا تعلق دماغ سے یہاں دل سے جاننا مراد نہیں بلکہ عقل اور آنکھ سے جاننا۔ یعنی اے لوط تو ہم کو پہلے سے ہی جانتا ہے۔ ہماری بیویاں حق زوجیت ادا نہ کرنے کی شکایات تیرے پاس ہی لے کر آتی ہیں۔ یا تو نے آنکھوں سے کئی دفعہ دیکھا ہوگا کہ ہم بیویوں سے بالکل دور ہیں۔ ہم کو بیویوں سے بالکل شہوت نہیں آتی لہٰذا اب ہمیں ان کی کیا حاجت رہی۔ حق کے معنی حاجت یا ضرورت ہیں تاریخوں میں لکھا ہے کہ ان کی طبیعت بالکل کتوں اور جانوروں جیسی ہو گئی تھی جس طرح کتے کو اس وقت تک شہوت نہیں آتی جب تک کتیا میں یہ خاص بو نہیں پیدا ہوتی۔ اسی طرح ان لوگوں کو بیویوں کو دیکھ کر یا خلوت صحیحہ میں جا کر بھی شہوت نہیں پیدا ہوتی تھی۔ اور یہ بات عام مشہور ہو چکی تھی ان کی کافرہ عورتیں دوسروں سے زنا کراتی پھرتی تھیں اور سب کچھ دن دھاڑے ہوا کرتا تھا۔ کسی کی غیرت روکنے والی نہ تھی۔ بدیں وجہ انہوں نے کہا مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ۔ کہ جس کو تم اپنی بیٹیاں کہہ رہے ہو۔ ہمیں ان کی حاجت نہیں۔ اور بے شک تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہمارے ارادے کیا ہیں۔ اس لئے ہم نے پہلے ہی تم سے کہہ دیا تھا کہ ہر ایک کو تم پناہ مت دیا کرو اور ہمارے راستے کے لئے رکاوٹ نہ بن جایا کرو لہٰذا اب بھی دروازہ چھوڑ دو اور ہمیں اندر جانے دو جہاں وہ اجنبی مہمان بیٹھے ہیں۔ حضرت لوط نے جب ان

کی بے غیرتی کا ظاہر ظہور یہ حال دیکھا تو اس آخری تبلیغ کے بعد ان کی ہدایت اور درستی سے بالکل مایوس ہو کر فرمایا لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِیْدٍ بولے کاش اس وقت میرے لئے تمہارے سامنے کچھ قوت ہوتی کہ تم کو یہاں سے بھگا سکتا۔ یا اس طرح کہ باقاعدہ ہتھیار لے کر تم سے اکیلا ہی جنگ کرتا یا دوسری قوم کے لوگوں کو بلا کر لاتا جو تم سے نمٹتے اور تم کو مار کر بھگاتے۔ مگر حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ میں کہیں جا نہیں سکتا تم سے زیادہ دیر جھگڑا کر نہیں سکتا۔ گھر میں مہمان بیٹھے ہیں۔ میں اکیلا ہی ان کا میزبان ہوں۔ وہ اجنبی مسافر ہیں۔ تم ان کے درپے ہو۔ میں ان کی حفاظت میں ہوں میرے ساتھ اور کوئی معاون بھی نہیں۔ تم کو ذرا غیرت نہیں۔ مہمان تمہارے متعلق کیا سوچیں گے کیا دنیا میں تم جیسا کوئی بے حمیت اور مہمانوں کو ستانے والا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کا بیٹا کوئی نہ تھا جیسا کہ تاریخوں سے ظاہر ہے۔ مقصد کلام یہ ہے کہ اگر مجھ کو پہلے پتہ ہوتا کہ تم نے آج ایسی سخت بے حیائی دکھانی ہے تو میں یا تو پہلے ہی تیاری کر لیتا یا کسی پہاڑ کے رکن یعنی غار میں چھپ کر پناہ پکڑ لیتا اور مضبوط رکن جو بہت خفیہ ہوتا وہاں جا چھپتا۔ تاکہ نہ میں یہاں ہوتا نہ یہ مہمان یہاں ٹھہرتے نہ میں آج اس طرح ان پیارے مہمانوں کے سامنے رسوا ہوتا۔ رکن کا معنیٰ ہے مضبوط ستون جس پر پوری چھت کا بوجھ ہوتا ہے۔ پہاڑ کے غار کو بھی رکن کہہ دیا جاتا ہے کہ باقی پہاڑ اس کے اوپر ہوتا ہے۔ رکن کا معنیٰ قوم کا اونچا فرد بھی ہے۔ شدید بمعنیٰ سخت۔ اس سے چیز کی سختی مراد ہوتی ہے یہ خود ناقص ہے کسی کے ساتھ مل کر اپنا معنیٰ دیتا ہے جیسی شی ہو اسی قسم کی شدت ہوتی ہے غار کی شدت زیادہ گہرائی۔ ستون کی شدت زیادہ مضبوطی اور موٹا ہونا ہے۔ سردار کی شدت زیادہ امیر ہونا ہے بادشاہ کی شدت زیادہ رعایا۔ آقا کی شدت زیادہ غلام۔ باپ کی شدت زیادہ بیٹے۔ امیر کی شدت زیادہ دولت۔ یہاں رکن شدید کے معنیٰ یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کاش میری اس قوم کے سردار ہی میرے ساتھ ہوتے مومن بن گئے ہوتے تاکہ ان کے ذریعے تم کو دفع کرتا یا پھر تم کو اس طرح آنے کی جرأت ہی نہ ہوتی۔ ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ رکن شدید سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے اور مقصد یہ ہے کہ کاش میں آج سے پہلے اللہ کو پیارا ہو چکا ہوتا۔ جس میں تمناء موت کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ کیونکہ سب سے زیادہ شدید رکن ذات باری تعالیٰ ہے۔ بہر حال رکن کے معنیٰ ہیں مضبوط عضو کو نماز کے داخلی فرض کو۔ کسی جماعت کے فرد کو رکن اسی معنیٰ میں کہا جاتا ہے۔

فائدے ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** انبیاء کرام قوم میں مثل باپ کے ہوتے ہیں اور سب قوم مثل بیٹوں کے اور ان کی عورتیں بیویاں مثل بیٹیوں کے ہوتی ہیں یہ نبی کا کرم ہوتا ہے کہ کافروں کو بھی اپنے بیٹے بیٹیاں سمجھتے ہیں۔ اور ان کی گستاخی کو برداشت کرتے ہوئے ان سے بچوں جیسا پیار کرتے ہیں۔ حضرت لوط نے ان عورتوں کو اسی طرح بیٹی فرمایا جیسے بزرگ چھوٹی بچیوں کو بلکہ بہوؤں کو بیٹی کہہ دیتے ہیں **دوسرا فائدہ** مہمانوں کی خدمت اور ان کی حفاظت سنت انبیاء ہے اگرچہ مہمان اجنبی ہو **تیسرا فائدہ** مہمان کی عزت کرنے سے میزبان کی خوشی ہے دیکھو حضرت لوط کی یہی خواہش تھی کہ قوم والے ان میرے مہمانوں کی عزت کریں ذلت نہ کریں لہذا آقاء دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی بھی یہ ہی خوشی ہوتی ہے کہ اہل مدینہ ان لوگوں کی عزت کریں جو مدینہ منورہ میں زائرین بنکر جائیں۔ اور واقعی اہل مدینہ شفقت و عزت کرتے ہیں۔ ان کی عزت کرنے کی دلیل یہ ہی آیت ہے۔ اسی طرح سب اہل مدینہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں ان کی عزت ہم سب مسلمانوں پر فرض ہے۔ یہ فائدہ فَاتَّقُوا اللّٰہَ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** غیر خدا کا سہارا پکڑنا یا اس سہارے کی تمنا کرنا شرک نہیں یہ فائدہ لَوْ اَنَّ اور اٰوِیْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضرت لوط علیہ السلام نے اس بات پر افسوس کیا کہ قوم نے میری مدد میرا تعاون نہ کیا اور اس مشکل وقت میں کسی نے مجھ کو سہارا نہ دیا۔ اگر غیر کا سہارا شرک ہوتا تو اللہ کے نبی حضرت لوط اس طرح کبھی خیال نہ کرتے۔ (تفسیر معانی۔ کبیر۔ بیان صاوی۔ جمل۔ خازن۔ جلالین۔ مظہری۔ ابن کثیر)

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** خاوند پر بیوی کے اور بیوی پر خاوند کے بہت سے حقوق ہوتے ہیں خاوند اور بیوی ہونا بھی ایک حق ہے۔ یہاں قوم نے یہ کیوں کہا مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِکَ مِنْ حَقٍّ یہاں حرف جر مِنْ بیانیہ ہے جس سے کلیت ثابت ہوتی ہے یعنی کوئی حق نہیں کسی قسم کا **جواب** مفسرین نے اس اعتراض کے کچھ جواب دیتے ہیں کسی نے فرمایا حَقّ سے مراد نکاح ہے اور مَالَنَا کا مطلب ہے کہ ہم نکاح نہیں کریں گے کسی نے کہا کہ بَنٰتِکَ سے مراد آپ کی بیٹیاں ہیں اور حق سے مراد نکاح اور مطلب یہ کہ ہم آپ کی بیٹیوں سے نکاح نہیں کریں گے کیونکہ آپ ایمان لانے کی شرط لگائیں گے وہ ہم کو منظور نہیں۔ مگر صحیح جواب وہی ہے جو ہم نے تفسیر میں عرض کیا کہ قوم والے تقریباً سب ہی شادی شدہ تھے اور ان کی بیویاں موجود تھی حق سے مراد ہے حاجت یعنی وہ کہہ رہے تھے کہ ہم کو ان کی حاجت نہیں ہمارے اس جواب کی دلیل وہ آیت کریمہ ہے جو رب نے فرمائی وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَکُمْ رَبُّکُمْ مِّنْ اَزْوَاجِکُمْ یہ بھی حضرت لوط کا فرمان ہے جس کا ذکر سورۂ شعرا میں آیت ۱۶۶ میں ہوا کہ۔ اور چھوڑتے ہو تم اس کو جو تمہارے رب نے تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے پیدا کیا **دوسرا اعتراض** لواطت کرنا اور اس کی سزا و تعزیر شرعی جرم ہے۔ شریعت کے احکام تو صرف مومنوں پر جاری ہوتے ہیں کافران کے مکلف نہیں ہوتے تو حضرت لوط ان کو باز رہنے کی تکلیف کیوں دیتے رہے اور رب تعالیٰ ان کو اس جرم کی سزا کیوں دے رہا ہے۔ **جواب** شریعت کے قانون تین قسم کے ہیں ۱۔ عقائد ۲۔ معاملات ۳۔ عبادات۔ کافر صرف عبادات کا مکلف نہیں۔ باقی پہلے دو کا مکلف ہے۔ لواطت معاملات و حقوق العباد کا جرم ہے اس لئے ان کو دنیوی سزا ملی یہاں اُخروی سزا ان کو صرف کفر کی ہوگی **تیسرا اعتراض** لَوْ اٰوِیْ کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط نے موت کی تمنا کی حالانکہ شریعت کا قانون ہے کہ موت مانگنا حرام ہے تو حضرت لوط نے موت کیوں مانگی؟ **جواب**۔ موت نہیں مانگی۔ بلکہ تمناءِ موت کی وہ بھی زمانۂ ماضی میں یہ تمنا حرام نہیں جیسا کہ حضرت مریم نے کہا تھا یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا ہائے کاش میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی یہ بھی تمناءِ موت تھی مگر حرام نہیں۔ زمانۂ حال یا زمانہ مستقبل کی تمناءِ موت حرام ہے۔ جیسے کہ کاش میں مر جاؤں۔ اسی کو دعاءِ موت کہتے یہ حرام ہے **چوتھا اعتراض** حضرت

لوط نے کفار کی قوت و طاقت دیکھ کر یہ تمنا کیوں کی کہ کاش مجھ کو بھی طاقت ہوتی طاقت جسمانی دنیوی چیز ہے اور دنیوی چیز پر حسد یا رشک حرام ہے۔ دامن نبوت اس سے پاک ہونا چاہیئے **جواب** کفار کی طاقت دیکھ کر یہ تمنا نہ کی بلکہ کفار کی بے غیرتی بدتمیزی دیکھ کر اسلام کے غلبے کے لئے یہ تمنا کی کہ کاش مجھ کو طاقت ہوتی تو میں اسی وقت تم کو یہاں سے بھگا کر شرعی قانون کی حفاظت کرتا۔ کہ مہمان کی حفاظت شریعت کا حکم ہے۔ رہا قوم کے تعاون کی تمنا تو یہ اسلامی غلبے کیلئے ہے نہ کہ اپنی ذات کے لئے۔ دین و ایمان کے لئے دولت۔ طاقت۔ سلطنت کی تمنا بلکہ مطالبہ جائز ہے۔ دیکھو حضرت یوسف نے دین پھیلانے کے لئے ملک لینے کا ارادہ و مطالبہ کر دیا کہ فرمایا قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ومایا۔ سلطنت کے خزانے میرے سپرد کر دے **پانچواں اعتراض** لَوْ اَنَّ لِیْ یہ جملہ اسمیہ ہے اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ یہ جملہ فعلیہ ہے ان دونوں کا حکم جداگانہ ہوتا ہے۔ اسمیہ میں دوام ہوتا ہے فعلیہ میں عدم دوام تو حرف اَوْ سے عطف کیوں کیا گیا حالانکہ عطف ایک حکم پیدا کرتا ہے؟ **جواب** تفسیر کبیر نے یہاں دو جواب دیئے پہلا یہ کہ اَوْ کے بعد اَنْ ناصبہ پوشیدہ اَنْ ناصبہ مصدریہ فعل کو مصدری معنی میں کر کے جملہ اسمیہ کے درجے میں لے آتا ہے۔ اب آیت کے معنی یہ ہوتے کہ کاش مجھے قوت ہوتی اور مجھ کو چھپنا ملتا دوسرا جواب یہ کہ حرف اَوْ بمعنی واؤ ابتدائیہ ہے عاطفہ نہیں ہے لہٰذا اب اعتراض ختم ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ قَالَ یٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ۔

خصائل ذمیمہ ان رسولان جمال حسن کے لئے نفس مطمئنہ کو گھیرنے آتے جو راہ خلافت میں اسی کی طرف بھگائے جاتے تھے۔ حالانکہ یہ نفسانیات اور شیطانیت کی پیروی کرنے والی قوم پیدائشی طور پر پہلے سے ہی بدکاری اور اعمال خبیثانہ کے مرتکب تھی ایسے ہی فسق کرتی تھی۔ لوط مطمئنہ نے فرمایا اے میری قوم رذیلہ و خبیثہ و اوصاف ذمیمہ یہ قالب جسدی کی پاکیزہ بیٹیاں عفت و عصمت۔ غیرت و حمیت۔ عظمت و جرأت۔ حسن سیرت و صورت میں مثل میری بیٹیوں کے ہیں خانۂ عیرت کی رونق انہی سے ہے یہ ہی تمہارے لئے پاک و منزہ ہیں اپنی عادات ابلیسیہ کو چھوڑ کر ان مستور باطنی کو اختیار کرو اور نہ رسوا کرو تم مجھ کو میرے قدسی مہمانوں کے سامنے اپنی نجاستیں پھیلا کر۔ کیا تم میں ایک بھی خصلت حمیدہ نہیں ہے لوط مطمئنہ اس سے سے قبل مقام فراست میں تھا حسن ورجا محل ناز میں رہا تھا یاس و عذاب سے واقف نہ تھا اسی لئے قہر جلال کو نہ پہچانا حال بسط میں مشغولیت حق کے ساتھ ہونے کی وجہ سے۔ اس لئے کہ قرب لطیف کا ساکن اور رجاء محبت میں قائم دائیں بائیں کا ہوش نہیں رکھتا اور عارضی بے توجہی کی وجہ سے جمال و جلال میں امتیاز نہیں کر سکتا قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ - اہل دنیا اور مریدین ابلیس گناہ کرتے ہیں جو موجب ہلاکت و عذاب ہوتے ہیں پھر جب عذاب آتا ہے تو عذاب کو حسن ظاہر سمجھ کر اس کی طرف بھاگتے ہیں آگ کو سونا اور زہر کو شربت سمجھتے ہیں اور خباثت نفسی سے اپنی نجاست ظاہر کرتے ہیں یہاں تک کہ مکمل شقاوت اور سرعت عذاب کے مستحق ہو جاتے

ہیں اور بدبختی کو نہ سمجھتے ہوتے کہتے ہیں اے مطمئنہ تجھ کو ہماری رذالت ازلی کا پتہ ہے تو جانتا ہے کہ ہم کو عفت وعصمت سے کیا کام ہمارے اوصاف پلیدہ کو ان پاکیزگیوں میں کوئی حق وحصہ نہیں اور اے ہمارے ابتدا کے ساتھی تو جانتا ہے کہ ہمارے ارادے کس نجاست وخباثت کے ہیں مگر نفس مطمئنہ باربار پکارتا ہے کہ گروہ رذیلہ وذمیمہ والو کیا تم میں کوئی بھی قابل تعریف صفت نہیں ہے جو میری نصیحت کو قبول کرے اور بطریقۂ صدق حضور صمدیت میں توبہ کرے تاکہ اس کی برکت سے عذاب فنا اور حجاب فراق سے نجات پالے جب کوئی بھلائی ظاہر نہیں ہوتی تو۔ نہایت عجز وانکسار کے اظہار سے نفس مطمئنہ کہتا ہے قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ۔ جب نفس مطمئنہ نے خود کو ابتلا اور امتحان وآزمائشوں کی منزلوں میں پایا اور دیکھا کہ مشاہدات کے دروازے مکاشفات کے دریچے اور واردات کے روشن دان سب بند ہیں اور بیت تنہائی سے باہر مکر کے چہرے دھوکے وخداع اجسام ومحلات ہیں اور تکبر وبڑائی کا خطرہ ہے تو بولا اگر مجھ کو اس ساعت ابتلا میں صفات قدرت وقوت سے ملاپ ہوتا اور قدر ازلی اسی طرح میرے پاس ہوتی جیسا کہ اس امتحان وآزمائش سے پہلے تھی تو یقیناً اے خباثت ونجاست کے اندھیرے دلدل میں پھنسنے والو اور بدکاری کی لذت فنا میں اندھے ہونے والو تم کو کفر وگناہ ذلیل سے دور کردیتا یا تمہارے اس کفر وطغیانی سرکشی بے حیائی خباثت ونجاست کا بدلہ لیتے ہوتے تم کو یہاں فنا کی وادی میں دفع کردیتا۔ یا اگر عدم کے قوام کے کناروں میں سے کوئی کنارہ مجھ پر منکشف ہوجاتا تو ادھر ہی تمہارے چہروں سے دور ہوکر عالم ملکوت کے کسی مضبوط رکن لم یزل کے قرب میں پہنچ جاتا اور اس یوم عصیب کی ندامت سے بچ جاتا اور اگر مجھ کو تمہاری ہدایت کی امید ہوتی تو تم کو ربانی اور رحمانی زبان سے دعوت مشاہدات جمال دیتا اور پھر تم ان قدسی مہمانوں کے چہرۂ جمال کے انوار کے بجائے خالق الوار کو دیکھتے اور تجلیات کا دیدار کرتے تاکہ حقوق اللہ کو پہچانتے۔ یا اگر مجھ کو اہل جلال سے بنایا جاتا اور مجھ کو بددعا کی جرأت جلالی ہمت غضبی ہوتی تو میں تم کو بددعا دیتا۔ تم کو معلوم ہوتا کہ نبی کی ظاہری اور باطنی شان کیسی ہوتی ہے۔ اور غیب کے رکن اعظم کی پناہ میں چلا جاتا۔ لیکن اب شقاوت وسعادت کا فیصلہ ہوچکا ہے۔ اے نفسانیو بے حیتی کی ناپاک پٹی باندھنے والو تمہاری فنا کا وقت اب آچکا ہے تمہاری موت ہی سے قالب ناسوتی میں سکون وراحت ہے

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ

مہمان بولے اے لوط۔ بیشک ہم قاصد ہیں رب کے تمہارے ہرگز نہیں پہنچیں گے طرف آپ

فرشتے بولے اے لوط ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں وہ تم تک نہیں پہنچ

بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا

کی تو نکال لے جاؤ راتوں رات کو اہل بیت اپنے میں ٹکڑے سے رات کے اور نہ پیچھے تو جہ کرے میں

سکتے تو اپنے گھر والوں کو راتوں رات لے جاؤ اور تم میں کوئی پیٹھ پھیر کر نہ دیکھے سوائے تمہاری

امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ

سے تم کوئی مگر بیوی تمہاری شان یہ ہے پہنچنے والا ہے اس کو وہ جو گویا پہنچے گا ان سب

عورت کے اسے بھی وہی پہنچنا ہے جو انہیں پہنچے گا بے شک ان کا وعدہ صبح کے

الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا

کو بے شک وعدہ کا وقت ان کا صبح ہے۔ کیا نہیں ہے صبح قریب تو جب آیا امر ہمارا بنادیا ہم

وقت ہے کیا صبح قریب نہیں پھر جب ہمارا حکم آیا ہم نے

جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً

نے اوپر کو اس بستی کے نیچا اس کا اور برسائے ہم نے پر اس پتھر سے کنکر لیے لگاتار

اس بستی کے اوپر کو اس کا نیچا کردیا اور اس پر کنکر کے پتھر لگاتار

مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ

نشان لگے ہوئے پاس سے رب کے آپ کے

برسائے جو نشان کیے ہوئے تیرے رب کے پاس ہیں

وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ﴿۸۳﴾ ع النصف

اور نہیں وہ پتھر سے ظالموں کچھ دور

اور وہ پتھر کچھ ظالموں سے دور نہیں

تعلق اس آیات کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ لوط علیہ السلام نے فرشتوں کو نہ پہچانا یہ نہ پہچاننا حکمت رب سے تھا نہ ہی کفار نے پہچانا جس کی وجہ سے لوط علیہ السلام پریشان ہوئے

اب خود فرشتوں کی زبانی تعارف کرا کے پریشانی دور کرادی گئی اور مقصد آمد ظاہر ہوا اور جن کی آمد نے حضرت لوط کو پریشان کیا تھا خود انہیں کی زبانی خوشخبری پہنچی **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت لوط نے اپنی کمزوری اور قوم کی غنڈہ گردی اور خبیثانہ قوت وگھیراؤ کا اظہار کیا تھا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ حقیقت میں کفر ہی کمزور ہوتا ہے اگرچہ باطل میں شور کتنا ہی کیوں نہ ہو۔ زور وقوت حق میں ہی ہوتا ہے۔ کفر وبطلان کا انجام کار ہلاکت ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں فرشتوں کے خاص شکل انسانی میں آنے کا ذکر تھا جس سے خیال گزرتا تھا کہ شاید ان کا آنا ہی عذاب ہے۔ اب اس خیال کو رد کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ فرشتے عذاب نہ تھے بلکہ آزمائش اور مخبر عذاب تھے۔ عذاب کا ذکر اب کیا گیا ہے۔

تفسیر نحوی

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ - - قَالُوْا کا فاعل هُمْ ضمیر جمع غائب ہے اس کا مرجع رُسُلٌ ملائکہ ہیں اگلی عبارت مقولہ ہے قول کا یا حرف ندا کا منادا لفظ لوط ہے لوط کا لغوی ترجمہ خوشبو سے لتھڑا ہونا (منجد عربی)، اِنَّا حرف تحقیق یا ضمیر جمع متکلم اسم اِنَّ رُسُلُ بحالت رفع خبر اِنَّ تنوین سے مانع اضافت ہے رَبِّ حالت جری میں ہے كَ ضمیر کا مرجع لوط ہیں لَنْ يَّصِلُوْٓا - نفی تاکید بلَنْ بصیغۂ جمع بمعنیٰ مستقبل وَصْلٌ بمعنیٰ قرب مکانی سے ملنا۔ اِلٰی جارہ انتہاء غایت کے لئے كَ ضمیر مجرور متصل سے مراد حضرت لوط ہیں فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ - فا سببیہ ہے اَسْرِ باب افعال کا امر ہے۔ سَرٰی ناقص یائی سے مشتق ہے۔ لغت میں رات کو سفر کرنا مراد ہے باء بمعنیٰ مع ہے یعنی ساتھ یا یہ ب مفعولیت کی ہے اہل سے مراد اہل بیت حقیقی یعنی صرف گھریلو افراد بِقِطْعٍ با بعضیت کی قِطْعٍ مجرور بمعنیٰ حصہ مِن جارہ بعضیت کے لئے ہے الَّيْل الف لام عہد ذہنی یا عہد خارجی ہے لَيْل بمعنیٰ رات واؤ حالیہ یا عاطفہ ہے لَا يَلْتَفِتْ فعل نہی بصیغۂ غائب لَفْتٌ بمعنیٰ طرف سے بنا ہے مِنْ تبعیضیہ كُمْ سے مراد اہل نبوت اَحَدٌ نکرۂ مفرد ہے اِلَّا امْرَاَتَكَ اِنَّهٗ - اِلَّا حرف استثناء ہے اس کا مستثنیٰ مِنْهُ فَاَسْرِ ہے نہ کہ لَا يَلْتَفِتْ اِمْرَاَتَكَ مستثنیٰ منصوب كَ ضمیر کا مرجع اِنَّ ابتدائیہ نیا جملہ ہے هٗ ضمیر شان ہے مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ مُصِيْبٌ۔ اسم فاعل صیبٌ یا صَوْبٌ سے بمعنیٰ پہنچتا ھا ضمیر کا مرجع اِمْرَاَتٌ مبتدا۔ مَا موصولہ اپنے صلہ کے ساتھ خبر مبتدا اَصَابَ فعل ماضی بمعنیٰ مستقبل هم ضمیر کا مرجع قوم کفار اِنَّ ابتدائیہ یہ سب علیحدہ علیحدہ مقولے ہیں مَوْعِدَ اسم ظرف زمانی ہے باب ضَرَبَ سے وَعْدٌ سے بنا مضاف منصوب ہے بوجہ اسم اِنَّ هُمْ ضمیر مضاف الیہ اَلصُّبْحُ بحالت رفع خبر اِنَّ ہے وقت صبح اشراق کے آخری وقت تک ہوتا ہے یہاں مراد سحر ہے قبل طلوع آفتاب۔ اَ ہمزہ سوالیہ انکاری ہے لَيْسَ فعل ناقصہ سے تامہ ہے اَلصُّبْحُ فاعل ہے بِقَرِيْبٍ با زائدہ قریب بر وزن فعیل بمعنیٰ مفعول یعنی بہت قریب کیا ہوا یہ جملہ علت کی تاکید کے لئے فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ——————

فا تعقیبیہ لَمَّا حرف شرط جَاءَ فعل ماضی اَمْرُ بمعنی عذاب نا ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ یہ جملہ شرط ہے اگلا جملہ پورا معطوفہ جزاء شرط ہے جَعَلْنَا جمع متکلم کا صیغہ ہے جَعْلٌ سے مشتق ہے بمعنی فِعلٌ یعنی کر دیا ہم نے متعدی بدو مفعول ہے عَالِیَھَا عُلُوٌّ سے بنا بمعنی مکانات وغیرہ ھَا سے مراد بستی یا بستی والے سَافِلَھَا سَفلٌ سے بنا مفعول دوم ھا ضمیر مضاف الیہ واؤ عاطفہ اَمْطَرْنَا باب افعال کا ماضی مطلق مَطَرٌ سے بنا عَلیٰ جارہ بمعنی فوقیت ھَا سے مراد بستی والے حِجَارَۃً جمع ہے حَجَرٌ کی بمعنی پتھر مگر یہاں مراد اینٹ ہے من اضافت کا ہے سِجِّیل سَجَلٌ سے بنا دراصل تھا سَجَّیْنٌ سِجِّیْن جہنم کا ایک ناری طبقہ کا نام بھی یہاں آگ کا پکا ہوا مٹی کا ٹکڑا مراد ہے یعنی اینٹ مَنْضُوْدٍ اسم مفعول ہے نَضْدٌ سے بنا بمعنی پے در پے لگانا مجرور ہے سجیل کی صفت ہے بعض نے کہا حِجَارَۃً کی صفت ہے مگر بحالت جر ہے جوار کی وجہ سے مُسَوَّمَۃً عِنْدَ رَبِّکَ مُسَوَّمَۃً حِجَارَۃً کی صفت دوام ہے اسم مفعول مؤنث ہے سَوْمٌ سے بنا بمعنی نشان لگانا یا لگنا یہاں لازم عِنْدَ ظرف ہے قرب مکانی کے لئے رَبِّ بحالت جر مضاف الیہ ہے کَ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ لفظ رب کا وَمَا ھِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ۔ واؤ ابتدائیہ ما نافیہ ھِیَ ضمیر مبتدا اس کا مرجع حجارۃ مِنْ جارہ ابتدائیہ بمعنی عَنْ الظّٰلِمِیْنَ الف لام عہد ذہنی ظالمین جمع ہے ظالم کی مراد قوم لوط ہے ببعید با جارہ زائدہ ہے بعید بروزن فعیل اسم فاعل بُعْدٌ سے بنا لازم ہے نہ کہ متعدی۔

تفسیر عالمانہ | قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ فَاَسْرِ بِاَھْلِکَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْکُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَکَ ۔ حضرت لوط نے مہمانوں کو اندر بٹھا کر باہر کا دروازہ بند کر دیا تھا تاکہ کوئی ان معصوموں کو ایذا نہ دے سکے۔ ابھی تک حضرت لوط نے ان کو پہچانا نہیں تھا کیونکہ ان کی طرف توجہ کرنے کی مہلت ہی نہ ملی اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی نامعلوم کتنی حکمتیں کتنے راز پوشیدہ تھے کہ ان ملائکہ کو اوّلاً اوّلاً حضرت ابراہیم سے بھی پوشیدہ رکھا ان کی بھی توجہ ادھر سے ہٹا دی گئی پھر جب حضرت لوط کے پاس پہنچے تو ان کی توجہ بھی قوم کی طرف سے پریشانی کی طرف پھیر دی کہ وہ بھی نہ پہچان سکے۔ حالانکہ دونوں نبی علم غیب کے زیور سے مزین تھے مگر توجہ نہ رہی۔ توجہ کی نفی سے غیب کی نفی نہیں ہوتی۔ اسی ناپہچان میں حضرت لوط انتہائی غمزدہ ہو کر قوم سے یہ باتیں فرما رہے ہیں۔ جب ملائکہ نے دیکھا کہ قوم کو حضرت لوط کی کوئی بات پسند نہیں آتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہ نبی ہماری حفاظت کی طرف سے پریشان ہو رہے ہیں۔ تب بولے سب فرشتے۔ یا بیکدم۔ یا باری باری یا ایک ہی فرشتہ سب کی طرف سے۔ اے حضرت لوط۔ یہ عبارت ملائکہ کا مقولہ ہے۔ بے شک ہم آپ کے رب کے رسول یعنی قاصد ہیں ہم نے مجرموں کے جرموں کا بھی مشاہدہ کر لیا اور آپ کی زبان مبارک سے بھی تین چار مرتبہ ان کے جرموں کی گواہی سن چکے ہیں لہٰذا اب ان کے ہلاک ہونے کا وقت آ چکا ہے۔ آپ دروازہ کھول دیں لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْکَ ۔ یہ لوگ آپ پر کسی قسم کا کوئی حملہ نہ کر سکیں گے اور اب نہ آپ کے سامنے بڑھ چڑھ کر چرب زبانی کر کے آپ کی بے ادبی کر سکیں گے۔ کیونکہ آپ کا رکن یعنی رب تعالیٰ کی پناہ بہت شدید اور قوی ہے اب آپ لے اس

طرف توجہ دی اور فوراً پہچان لیا کہ یہ جبرئیل ہیں یہ میکائیل وغیرہ پھر سجدۂ شکر کر کے دروازہ کھول دیا۔ ملائکہ تو کہہ رہے ہیں کہ دروازہ کھول دو یہ آپ کو تکلیف نہ دے سکیں گے مگر حضرت لوط کو اپنا خطرہ نہ تھا نہ اس سے پہلے ورنہ دروازے سے باہر کھڑے ہو کر اتنی دلیری بہادری سے کلام نہ فرماتے۔ بلکہ کافر قوم بھی جانتی ہے کہ نبی کا ہم کچھ بگاڑ نہیں سکتے رعب کا یہ عالم ہے کہ دور سے کھڑے باتیں تو بنا رہے ہیں مگر قریب آ کر خود دروازہ کھولنے کی جرأت نہیں کرتے اتنا کثیر مجمع ہے لیکن حضرت لوط کو دروازے سے کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حضرت لوط نے اندر سے دروازہ بند کر لیا تھا اور خود بھی مہمانوں کے ساتھ مقید ہو گئے تھے اور یہ ساری گفتگو اندر سے کواڑوں کی درازوں سے کی۔ یہ سب بناوٹی اور غلط باتیں ہیں۔ روش کلام بتا رہی ہے کہ یہ بالمشافہ گفتگو ہوئی کیونکہ آپ نے دور کھڑی عورتوں کو دیکھ کر هٰؤُلَاءِ سے اشارہ کیا۔ کواڑ کی درزوں سے دور کی چیز نظر نہیں آتی۔ اور پھر اگر اندر مقید ہو کر اتنی دلیرانہ گفتگو فرماتے تو قوم طعنہ دے سکتی تھی۔ ثابت ہوا کہ دروازہ باہر سے بند کیا تھا۔ صرف نو عمر لڑکے مہمانوں کی حفاظت کے لئے۔ اور جب دروازہ کھول کر اندر گئے تو ملائکہ نے عرض کیا فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ ابھی آج رات اپنے گھر والوں کو رات کے کسی حصے میں لے کر چلے جاؤ۔ ظہر کے وقت یہ ملائکہ آئے تھے اور اب رات ہو گئی تھی۔ سب کو کھانا پینا بھولا ہوا تھا کافروں کو بھی مومنوں کو بھی مگر فرق کتنا عظیم ہے۔ مومن کا یہ ترک طعام دین کی حفاظت میں ہے اور کفار کا شیطانیت میں۔ آج یہ رات سب پر آئی مگر سب ہی جاگے کوئی نہ سو سکا۔ مگر کسی کا جاگنا یادِ خدا حفاظت دین میں اور کسی کا جاگنا شہوت و بدکاری کے خیال میں۔ حضرت لوط گھر سے نکلنے کی تیاری میں لگ پڑے اپنے اہل یعنی خود اور دو بیٹیاں فقط۔ آپ کی قوم میں سے ایک بھی مسلمان نہ ہوا تھا۔ جب تیار ہو گئے تو ملائکہ نے کہا کہ جس وقت عذاب آئے گا آپ جا رہے ہوں گے آپ کو آوازیں آ رہی ہوں گی مگر پیچھے مڑ کر تم میں کوئی نہ دیکھے نہ پیچھے توجہ کرے کہ یہی حکمت ہے نہ واپس لوٹے۔ ہاں البتہ آپ کی بیوی اس حکم سے علیحدہ ہے۔ یا اس طرح کہ آپ کے ساتھ جائے گی ہی نہیں یا۔ جاتی ہو گی مگر اس کے دل میں یاد پچھلوں کی ہو گی۔ اور وہ پیچھے مڑ کر دیکھ لے گی۔ ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ کفار اندر داخل ہوتے حضرت جبرئیل نے رب تعالیٰ سے کچھ کرنے کی اجازت مانگی اجازت مل گئی تب جبرئیل امین اپنی اصلی شکل میں آ گئے یا اسی طرح ان کے چہروں پر یکدم اپنا ہاتھ پھیرا پر پھیرا تو سب کے سب ایک دم اس طرح اندھے ہو گئے کہ آنکھیں سرے سے نابود ہو گئیں۔ روتے چیختے گرتے پڑتے پیچھے بھاگے یہ کاروائی آناً فاناً ہوئی کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا ہوا۔ بس یہی پکارتے تھے کہ بچاؤ۔ بچاؤ یہاں تو جادوگر ہیں۔ اور پھر بجاتے تو یہ کہ حضرت لوط کو برا بھلا کہتے بھاگے جاتے تھے جیسے اندھا بھاگتا ہے اور کہتے جاتے تھے کہ اے لوط ہم تجھ کو کل اس کی سزا دیں گے اور کل تو دیکھے گا کہ ہم تیرے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ جب وہ سب نکل گئے تو حضرت لوط نے ملائکہ سے پوچھا کہ عذاب کب ہو گا۔ میری بیوی کا کیا بنے گا۔ تب جواباً فرشتوں نے کہا اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ

اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ۔ یقیناً وہی کچھ آپ کی بیوی کو پہنچنے والا ہے جو باقی تمام کافروں کو پہنچے گا۔ اِلَّا کا استثناء اس میں دو قول ہیں پہلا یہ کہ یہ استثنا متصل ہے اور یہی قول قوی ہے اسلئے اسکا مستثنیٰ منہ یا بِاَھْلِكَ ہے تب اس کا تعلق اَسْرِ امر سے ہے کہ اے لوط اپنے اہل کو راتوں رات اس بستی سے نکال کر لے جاؤ مگر بیوی کو نہ لے جانا یا اس کا مستثنا منہ اَحَدٌ ہے تب معنی یہ ہے کہ اے اہل بیت تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے سوائے اے لوط علیک السلام آپ کی بیوی کے کہ وہ ضرور دیکھے گی اور ہلاک ہوگی۔ پہلی بات مضبوط ہے کہ ان کو لے کر ہی نہ جانا اگر خود چل بھی پڑی تو راستے میں اسی عذاب سے ہلاک ہوگی جس سے باقی کفار دوسرا قول یہ کہ یہ استثنا منقطع ہے۔ اس لئے بیوی کافرہ تھی اور کافرہ مومنین اور اھل میں داخل نہیں ہو سکتی اور تمہارا یہ پوچھنا کہ کب شروع ہوگا تو سنو اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ عذاب کے وعدے کا وقت صبح سویرے ہے۔ اور اکثر رب کے عذاب دنیوی کفار پر صبح کے وقت ہی آتے رہے ہے۔ لوط علیہ السلام کو چونکہ ان کے گندے وجود سے سخت نفرت تھی اور اب اس واقعے سے اور بھی دل تنگ ہو گیا۔ پوچھا کہ اس سے جلدی عذاب شروع کر دو ملائکہ نے بڑے ادب سے عرض کیا اے لوط علیہ السلام اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ کیا صبح بالکل ہی قریب نہیں بعض مفسرین نے فرمایا مَوْعِدَهُمْ کا جملہ علت ہے اَسْرِ اَمْر کی یعنی تم رات کے کسی حصہ میں بستی سے نکل جاؤ کیونکہ یا تاکہ صبح کو عذاب آجاتے۔ ثابت ہوا کہ عذاب کی یہ تاخیر اھل بیت کو نکلنے کی خاطر تھی۔ اَسْرِ کی ہمزہ یا اصلی ہے یا وصلی اگر اس کا مادۂ اشتقاق اَسْرٌ ہے تب اصلی ہے اگر سَرْیٌ ہے تب وصلی۔ اَسْرٌ کا معنی ہے رات کو سیر کرنا اور بِقِطْعٍ تاکید یا بعضیت کیلئے ہے۔ اگر سَرْیٌ سے ہو تو معنی ہوئے نکلنا لہٰذا رات کا ذکر بیان تکمیل کے لئے ہے۔ صبح کے وقت عذاب دو وجہ سے آتے ہیں ا۔ یہ وقت کافروں کی غفلت و آرام کا ہوتا ہے۔ اس وقت کے عذاب سے بھاگنا تو در کنار سنبھلنے کا موقعہ نہیں ملتا ۲۔ عبرت کے لئے تاکہ لوگ اس وقت میں خاص طور پر جاگیں۔ حضرت لوط چل پڑے اور بستی سے نکل کر ایک پہاڑی پر بیٹھے یہ تہجد کا وقت یہ تینوں حضرات ایک والد اور دو بیٹیاں ذکر الٰہی میں مشغول رہیں اور بیوی غفلت میں جب فجر طلوع ہوئی تو عذاب نازل ہو گیا آپ مع اہل بیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف چل پڑے بیوی پیچھے پیچھے قوم کی یاد لئے ہوتے جا رہی تھی ہوا فضا پتھروں کی شائیں شائیں برابر آ رہی تھی بیوی نے اچانک مڑ کر دیکھا اور مرتے ہوؤں کو دیکھ کر کہا ہائے قوم بس ایک پتھر آیا کہ اس کا کام بھی تمام ہو گیا۔ حضرت ابراہیم کا دولت خانہ اگرچہ چھ میل کے فاصلے پر تھا مگر رب کریم نے طَیِّ الارض فرما کر آن کی آن میں پہنچا دیا۔ ادھر تو با خیریت پہنچے اور ادھر فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ مَّنْضُوْدٍ۔ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ۔ پس جبکہ ہمارا امر یعنی عذاب یا فیصلہ تقدیر مبرم والا عذاب صبح کے وقتِ مقررہ پر آ گیا۔ ہم نے اپنی پوری قدرت کاملہ سے بذریعہ ملائکہ ان بستیوں کو الٹا کر دیا اس طرح کہ حضرت جبرائیل نے بحکم پروردگار ان پانچ بستیوں والے صوبے کو اٹھایا بلندیوں پر لے جا کر الٹا کر پھینک دیا کہ نیچے کی جگہ اوپر اور اوپر کی نیچی ہو گئی۔ قوم لوط حضرت لوط کا خاندان نہ تھی اس لئے حضرت لوط کو قوم کا بھائی نہ فرمایا گیا بلکہ آپ غیر قوم کیطرف مبعوث ہوئے اس قوم کی تعداد (مردم شماری) چار لاکھ تھی

جو پانچ قریبی شہروں میں آباد تھی اس صوبے کا نام موتفکات تھا ان میں بڑا شہر سلام تھا یہیں حضرت لوط کی رہائش تھی کوئی بھی ایمان نہ لایا تو پانچوں بستیاں الٹادی گئیں۔ اور ساتھ ہی ہم نے ان بستیوں پر پتھر برسائے جو کھردرے تھے۔ من حرف جر بیانیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ یعنی سارے پتھروں کی حالت کھردری نوک دار تھی چکنے صاف پتھر نہ تھے کیونکہ صاف پتھر کی چوٹ سے کم زخم ہوتے ہیں۔ اور برسائے اس طرح پے در پے کہ موسلا دھار بارش کی طرح۔ منضود نضدٌ سے بنا ہے اس کا معنی ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہونا۔ اور قدرت الٰہیہ سے ان پر ہر مجرم کا نام لکھا تھا۔ وہ اسی کو لگتا جس کا نام لکھا ہوتا۔ اے پیارے حبیب وہ پتھر یا وہ عذاب۔ یا وہ پتھروں کی لکھائی آپ کے رب کے پاس سے تھے۔ ان پتھروں سے کوئی کافر نہ بچ سکا۔ جو باہر سفر میں ان کو سفر میں ہی جا لگا اور وہیں ہلاک کر دیا روایت ہے کہ ایک کافر حرم کعبہ میں چھپ گیا تو اس کے نام کا پتھر چالیس دن تک زمین و آسمان کے درمیان لٹکا رہا۔ جب وہ مطمئن ہو کر نکلا تو پتھر لگا اور مر گیا (روح البیان) اور ہمارا وہ عذاب یا وہ پتھر اگرچہ آسمان سے نازل ہوئے تھے مگر اپنی تیزی اور جلدی آنے کی وہ مجرموں سے دور نہیں تھے دیکھنے سے ایسا پتہ لگتا تھا کہ کہیں قریب سے ہی آ رہے ہیں۔ ہمارے دور کے ایک نادان مفسر لکھتے ہیں آتش فشاں پھٹا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اب کیوں نہیں پھٹتا۔ اگر آتش فشاں پھٹتا تو مُسَوَّمَۃً کہنا غلط ہو گا۔ یا اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم وہ عذاب اب بھی کچھ دور نہیں ہے اگر ظالم ظلم و بدکاری سے باز نہ آئے تو اب بھی اس طرح کا عذاب آسکتا ہے یہ کفار تو آپ کے طفیل بچے ہوتے ہیں بہر حال اس جملے میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر بعید کا مظروف یا قوم لوط ہے تب یہ جملہ خبر ہے یا موجودہ کفار ہیں تب یہ عبارت عبرت ہے۔ نہ ایسا عذاب کسی قوم پر آیا کہ پہلے تھپڑوں سے اندھا کیا گیا۔ پھر بستی الٹی گئی پھر پتھر برسائے گئے۔ اور نہ ایسی بدکاری پہلے کسی قوم نے کی۔ مسئلہ امام اعظم کے نزدیک لواطت کرنے اور بخوشی کرانے والے کو تعزیر لگائی جائے گی حد نہیں۔ تعزیر کرنے میں عدالت با اختیار ہے کہ چاہے قتل کرے چاہے اونچی جگہ سے پھینک کر مارے چاہے اسی طرح رجم کرے جس طرح ملائکہ نے رجم کیا۔ ببعید سے مراد ظرف مکانی ہے اور خطاب کفار مکہ سے ہے کہ اے کافرو یہ علاقہ تم سے کچھ دور نہیں اب بھی جا کر اس کی تصدیق کر لو۔ کیونکہ یہ بستیاں ملک شام میں ہیں جو مکے سے بالکل قریب ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** کفار کی ہلاکت پر غم کرنا گناہ اور باعث عذاب ہے یہ فائدہ اِلَّا امْرَاَتَكَ سے حاصل ہوا لوط علیہ السلام کی بیوی نے کافر قوم کی ہلاکت پر غم کرتے ہوئے کہا تھا ہائے میری قوم تو ہلاک ہوئی اگرچہ اس کی ہلاکت مقدر تھی مگر یہ کہنا اس کا سبب بنا۔ اس سے ان ہندو نواز لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیئے جو مسلمانوں کے مخالف ہندوؤں کی محبت کا دم بھرتے ہیں **دوسرا فائدہ** سب گناہوں سے بڑا گناہ بدکاری ہے اس لئے اس کی سزا بھی بہت سخت۔ اسلام میں قتل کی سزا قتل ہے جو آناً فاناً ہو جاتا ہے مگر زنا کی سزا رجم ہے جو سخت سسک سسک مارتا ہے۔ قوم عاد و ثمود کو بھی عذاب سے مارا گیا مگر اتنا سخت عذاب کسی

پر نہ آیا کہ پہلے اندھے ہونے کا عذاب ٹھوکریں کھاتے رہے گرتے پڑتے زخمی ہوتے رہے پھر بستی اوندھی ہوئی پھر پتھر برسے یہ سختی بدکاری وجہ سے ہے یہ فائدہ مَا اَصَابَہُمْ کی تفسیر اور اَمْطَرْنَا سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** بوقت مقابلہ کفار نبی کو مغلوب نہیں کر سکتے خواہ کتنے ہی طاقتور کفار ہوں یہ فائدہ لَنْ یَّصِلُوْا فرمانے سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** گناہگار فاسق کی عزت کرنا اور گناہ پر اس کی امداد کرنا بھی سخت تر گناہ ہے اور دونوں کی سزا ایک جیسی ہوتی ہے عِنْدَ اللّٰہِ یہ فائدہ مُصِیْبُہَا فرمانے سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** گناہگار مسلمان بلکہ فی زمانہ کفار بھی آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل عذاب سے بچے ہوتے ہیں یہ فائدہ ببعید کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** کیا وجہ ہے کہ ملائکہ اپنی شکلوں کو بدل کر آتے اپنی اصلی صورتوں میں کیوں نہ آتے۔ یہ تو دھوکا دینا ہوا۔ دھوکا دینا بھی بدترین گناہ اور جرم ہے۔ فرشتے معصوم ہیں تو یہ گناہ ان سے کیوں سرزد ہوا۔ **جواب** قانون شریعت کے مطابق۔ نیک مسلمان کو اس طرح دھوکہ دینا کہ اس کا نقصان ہو جرم ہے۔ اور اسی کو دھوکا کہا جاتا ہے ان ملائکہ کے بھیس بدلنے سے انبیاء کرام کو کچھ نقصان نہ ہوا بلکہ فائدہ ہوا کہ دشمنوں کو ختم کیا گیا اور کفار کو موذی ظالم کو دھوکہ دینا جائز بلکہ ثواب ہے۔ جیسے کہ پولیس مجرم کو پکڑنے کیلئے وردی اتار دیتی ہے یہاں تک کہ مجرم جرم میں اپنے ہاتھ رنگے ہوتا ہے یعنی ملوث کئے ہوتا ہے کہ پکڑا جاتا ہے اسی کو کہتے ہیں رنگے ہاتھوں پکڑا جانا۔ یا مجرم کا جرم ثابت کرنے کے لئے خفیہ پولیس بنائی جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنگ میں دھوکا جائز ہے **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا اِلَّا امْرَاَتَکَ الاحرف استثناء ہے حالانکہ یہاں استثنا متصل ہو سکتا ہے نہ منقطع۔ نہ مفرغ۔ متصل اس لئے نہیں ہو سکتا کہ مستثنیٰ مِنْہُ اہل ہے اور اہلیت کفر سے ختم ہو گئی جب اہل میں داخل ہی نہ ہوئی استثنا متصل نہ ہوا۔ منقطع اس لئے نہیں مشہور قرأت میں اِمْرَءَتُہٗ بحالت رفع ہے اور مرفوع مستثنیٰ نہیں ہو سکتا بدل بن جاتا ہے اَحَدٌ کا **جواب** بحالت رفع مشہور قرأت نہیں مشہور نصب ہی ہے اور یہ مستثنیٰ متصل ہے۔ کیونکہ اہل میں داخل تھی بعض نے کہا کہ بیوی کافرہ نہ تھی صرف فاسقہ تھی کیونکہ فاسقوں کی مدد کرتی تھی یا صرف محبت قومیت میں یا رشوت کے لالچ میں اور یہ ہلاکت اس کے لئے عذاب نہ تھی بلکہ عتاب تھی۔ اکثر نے اسکو کافرہ مانا مگر بیوی ہونے کی وجہ سے اہلیت ختم نہیں ہوئی جب ان کی شریعت میں کفر کی وجہ سے نکاح ہی نہیں ٹوٹا تو اہل ہونا کیسے ختم ہو۔ اگر اہلیت ختم ہو جاتی تو اس کو اِمْرَاَتَکَ نہ فرمایا جاتا **تیسرا اعتراض** اہل سنت کا مسلک ہے کہ نبی کی بیوی فاحشہ بدکارہ نہیں ہو سکتی مگر حضرت لوط کی بیوی فاحشہ اور بدکارہ ہوئی اسی لئے ایک جیسی سزا ملی **جواب** واقعی نبی کی بیوی بدکارہ زانیہ نہیں ہو سکتی۔ حضرت لوط کی بیوی فاسقہ تھی کہ فاسقوں کی مدد کرتی تھی ورنہ خود اس کا نہ کوئی گناہ ثابت نہ زنا۔ اور سزا کے ایک ہونے کی وجہ فاسق قوم کی محبت ہے۔ سزا کے ایک ہونے سے جرم کا ایک ہونا ثابت نہیں ہوتا اسلام میں بہت سے جرموں کی سزا کوڑے ہیں۔ اسی طرح قتل کی سزا بھی قتل ہے بطور حدِ شرعی

اور ماہ رمضان کی بے حرمتی کرنے والے۔ اغلام بازی کرنے والے۔ بغاوت کرنے والے کی سزا بھی قتل ہے بطور تعزیر

تفسیر صوفیانہ

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ۔

جب عارف نفس مطمئنہ ضعف بدنی کو ذوق کی حالت میں دیکھتا ہے تو بارگاہ ذو الجلال میں قوت جبروتی کی تمنا کرتا ہے ذاکر کامل عارف اکمل اپنے ذکر کی طلب اور دوام میں انتہاءِ عجز و ضعف میں ہوتا ہے کیونکہ عاجزی محبوب درگاہ خدا ہے یہ تاثیر وحدت جمعیت کے تحت ہو نیکی ہے۔ صوفیاء عظام فرماتے ہیں کہ عارف حق موکل ہوتا ہے اور حق تعالیٰ اس کا وکیل ہوتا ہے۔ وکیل متصرف کلی ہوتا ہے۔ موکل منتہاء عجز میں ہر چیز کو اسی کے سپرد فرما دیتا ہے تب مقام عبدیت نصیب ہوتا ہے۔ موکل وکیل کے قبضہ و اختیار میں ہوتا ہے کہ ہمت تصرف عطا کرے تو تصرف کرے منع کرے تو رک جائے اختیار کائنات دے تو مختار کل ہو جائے۔ یہی بندے کا رکن شدید ہے۔ ظاہر بین انسان کی نگاہ خالق سے ہٹ کر مخلوق کی طرف لگ جاتی ہے اس لئے اس کو قنوط و مایوسی کی بیماری لگ جاتی ہے اور ناشکروں میں لکھا جاتا ہے باطن کو جاننے والا مخلوق سے ہٹ کر خالق کی طرف نگاہیں پھیرتا ہے تو وہ مقام اطمینان پر فائز ہوتا ہے اور مخلوق کو بتا دیتا ہے کہ نہ میرے پاس قوت جسد خاکی ہے نہ دنیوی کسی رکن شدید کا بھروسہ ہوتا ہے۔ اگر یہ میرے پاس ہوتیں تو میں تم میں نہ ہوتا مقام اسفل سے اٹھ کر اعلیٰ علیین میں پہنچ جاتا۔ مگر مجھ کو تم میں اصلاح حال کے لئے رکھا گیا ہے جب بندۂ رب اس مقامِ توکل پر قیام کرتا ہے تب انوارِ سرمدی کے قاصد عرض کرتے ہیں کہ اے بارگاہِ احدیت کے منظور و مقبول لوطِ مطمئنہ ہم جمال و حسن کے پیکر مہمان نہیں بلکہ قہر ذی الجلال کے امانت عذابِ ہلاکت لانے والے قاصد با اختیار ہیں اے نفس مطمئنہ اوصاف ذمیمہ کی نجاستیں تجھ تک نہیں پہنچ سکتیں اب تیرا کام ختم ہوا بد کاروں کا انجام شروع ہوا آج شب وصل کے حصۂ آخری میں جو وصل محبوب کا وقت خاص ہوتا ہے وادی مکر و فریب ذخیرۂ ظلمات کے جاء نجاست سے اپنے اہل اعضاء ظاہری کے ساتھ کعبۂ وصل کی بلندیوں میں نکل جانا اور توجۂ سابقہ کو پیچھے نہ چھوڑنا تاکہ قالب خاکی اعمال سفر میں اور قلب نوری ذکر یار میں اور فکر مقال میں یکسو رہے غیر اللہ کا خیال بھی نہ آئے اس لئے کہ خیال باطن نگاہ ظاہر کے تابع ہوتا ہے لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا هُوْ - کا تصور لئے ہوئے نگاہوں کو قبلہ قدس کی طرف رکھنا اشرار دنیا میں نہ گھمانا مگر تیری بیوی خواہش بشری جس کی نگاہیں خیال اغیار سے لگی ہوں گی بے شک وہ عذابِ فنا اور غضب فراقِ عتابِ ہلاکت اس خواہش بشری کو بھی پہنچنے والا ہے جو اوصاف ذمیمہ خیالات رذیلہ عادات خبیثہ کی قوم مطمئنہ کو ہلاک کرے گا۔ جب بندہ صادق مقام قرب میں پہنچنے لگتا ہے تو منزل مراد سے پہلے ہی خواہش بشری کو بحر فنا میں ڈبو دیا جاتا ہے اور مغلوبیت کے پتھروں سے خواہشات کو کچل دیا جاتا۔ بے شک عذاب فنا کا وعدہ انوار یزدانی کے صبح عبرت میں ہے۔ اے قرب یار کے طالب فکر کر اور سوچ کہ کیا نور ازلی کی صبح قریب نہیں ہے

فرقت و مصائب کی رات ختم ہونے والی ہے اور ہر رات کے بعد صبح لذات ہے۔ شب انتظار ختم ہونے والی ہے اور واردات غیب صبح مشاہدات آنے والی ہے مجالس جبروت میں مکاشفے کا سورج طلوع ہونے والا ہے عنایات الہیہ کا مشرق رویت جلال سے چمکنے والا ہے یہ پیشگی خوشخبری اس لئے ہے کہ قلوب ابرار کو مشقت انتظار کی برداشت نہیں فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۔ جب آیا ہمارا حکم ازلی اور پکڑ لیا عذاب جاری نے تو ہم نے ان کی بستی عیش و عشرت اور لذات خبیثہ کے گھروں اور زمین نجاست کو الٹا کر دیا ان کے غرور اعلیٰ کو ذلت اسفل بنا دیا اور پھر لعنت و قہر کے سخت پتھر لگاتار برسائے ہر پتھر پر ازلی شقاوت کا نشان تھا یہ عذاب الیم اے نورِ ازلی مدینۂ شوق مکۂ عشق کے حبیب تیرے اس رب کے پاس آیا تھا جو اپنے محبوب کو غذاءِ دیدار جمال سے پالتا ہے۔ اے حبیب خلوت رضا یہ حجاب عذاب فراق کا بُعد تارک سنت اور منکرِ اتباع سے دور نہیں ہے کیونکہ یہ منکرین غفلت و بے پرواہی کے ظلم کرنے والے تھے اور غلط تاویلوں سے حرام کو حلال کہنے والے ظالم تھے چونکہ انہوں نے غفلت و سستی سے امر الٰہی کو دور سمجھا اور غلط مطلب و تاویل کر کے نہی خداوندی کو قریب کیا اس لئے لعنت کا عذاب ان سے دور نہ رہا (عرائس مع زیادت)

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور طرف مدین بھائی ان کا شعیب فرمایا اے قوم میری عبادت کرو اللہ

اور مدین کی طرف ان کے ہم قوم شعیب کو کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ

کی نہیں ہے لیے تمہارے کوئی معبود سوائے اس کے اور نہ کم کرو تم ناپ

اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو

وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ

اور ترازو بے شک میں دیکھ رہا ہوں تم کو امیری میں اور بے شک میں ڈرتا ہوں پر تم

بے شک میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تم پر گھیر لینے والے دن

عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَ

عذاب دن گھیرنے والے کے | اور اے قوم میری پوری کرو تم ناپ اور

کے عذاب کا ڈر ہے | اور اے میری قوم ناپ اور تول انصاف

الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ

ترازو سے انصاف | اور نہ کم دو تم لوگوں کو چیزیں ان کی

کے ساتھ پوری کرو | اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور نہ پھرو تم میں زمین فساد پھیلانے والے ہو کر

اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں نافرمان قوموں میں سے پانچویں قوم کی سرکشی اور ہلاکت کا پورا اختصاراً واقعہ نقل ہوا اب ان آیات میں چھٹی قوم جس کو مدین کا نام دیا جاتا تھا اس کا ذکر ہو رہا ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں ہر نافرمان سرکش کافر قوم کے کفر کے علاوہ دوسری خصوصی بری خصلتوں کا ذکر ہوا تھا اب یہاں قوم مدین کے خصوصی افعال مذمومہ واعمال بد کا ذکر ہو رہا ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں قوم لوط کی بدعملیوں کا ذکر تھا جو ان کا اپنی جانوں پر ظلم تھا۔ اب یہاں قوم مدین کی ان بدعملیوں کا ذکر ہے جو دوسروں پر ظلم تھا۔ گویا کہ پہلے بے غیرتی کا ذکر ہوا اور اب حرام کمائی کا جو بے غیرتی کا سبب ہے۔

تفسیر نحوی وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا واؤ سر جملہ الی جارہ سے پہلے ارسلنا فعل ماضی بصیغہ جمع متکلم پوشیدہ محذوف کا قرینہ الی ہے کیونکہ جارہ کبھی ابتدا میں نہیں آسکتا مَدْيَنَ اولاً ایک آدمی کا نام تھا پھر قوم کا پھر بستی کا نام ہوا مضاف الیہ ہے اس کا مضاف یا اولاد یا قوم یا اہل ہے منصوب ہے بوجہ مضاف محذوف منوی ہونے کے اَخَا بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے فعل پوشیدہ کا هُمْ کا مرجع اہل مدین ہے جو معنًی جمع ہے یہ مبدل منہ ہے اس کا بدل الکل لفظ شعیبًا ہے بحالت زبر ہے بوجہ تابع ہونے کے نام ہے حضرت ابراہیم کے چوتھی جگہ پوتے کا یہ نبی ہیں قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَالَ فعل کا فاعل حضرت شعیب ہیں اگلا جملہ مقولہ ہے یٰقَوْمِ یا ندائیہ قوم مرکب اضافی ہے یاء متکلم محذوفہ کی طرف مراد اہل مدین اُعْبُدُوا اللّٰهَ امر بصیغہ جمع ہے عَبَدَ سے

مشتق ہے باب نصر سے ہے متعدی بیک مفعول ہوتا ہے لفظ اللہ اس کا مفعول ہے مَا نافیہ مشبہ بلَیْسَ لَکُمْ جار مجرور متعلق ثَابِتٌ پوشیدہ کے مِنْ تنکیریہ بیانیہ اِلٰہٍ نکرہ مفرد ہے تنوین تنکیری غَیْرُہٗ بحالت رفع بمعنی اِلَّا استثنائیہ یا بحالت جر۔ اگر یہ لفظ غیر مستثنا ہو اِلٰہٍ کا تو حالت زیر میں ہے اگر غَیْرُہٗ اپنے معنی میں ہو کر صفت مانافیہ کے اسم کی تو حالت رفع میں ہے ہٗ ضمیر کا مرجع اِلٰہٍ ہے وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ اِنِّیْ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّیْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيطٍ — واؤ عاطفہ ہے عبارت سابقہ متصلہ معطوف علیہ ہے مابعد معطوف ہے۔ لَا تَنْقُصُوْا نَقْصٌ۔ سے بنا فعل نہی بصیغۂ جمع متعدی بدو مفعول ہے۔ مفعول اوّل مکیال ومیزان مفعول دوم اصلاً یا شیئًا پوشیدہ۔ مکیال ومیزان جملہ معطوفہ ہے درمیانی واؤ عاطفہ ہے دونوں صیغے اسم آلہ کے ہیں کَیْلٌ اور وزنٌ سے مشتق ہیں۔ کیل بمعنی ناپنا برتن یا پیالے سے وزنٌ بمعنی تولنا۔ اِنِّیْ اِنَّ ابتدائیہ ہے یہ نیا کلام ہے یاءِ متکلم اس کا اسم ہے اَرٰی رَاٰیٌ مہموز العین وناقص یائی سے مشتق بمعنی آنکھ سے دیکھنا اور دل دماغ سے سمجھنا سوچنا بصیغۂ واحد متکلم کُمْ مفعول بہ۔ بِخَیْرٍ باء بمعنی فِیْ خَیْرٍ بحالت جر مراد دنیوی دولت واؤ عاطفہ اِنِّیْ اِنَّ اپنے اسم یاءِ متکلم کے ساتھ ابتدائیہ ہے نیا کلام ہے اَخَافُ فعل مضارع بصیغہ واحد متکلم بمعنی اَضْطَرِبُ پریشانی کے لئے ہے۔ عَلَیْکُمْ علیٰ جارہ کُمْ مجرور متصل متعلق ہے اَخَافُ سے عَذَابَ مفعول بہ بحالت زبر مضاف ہے طرف یَوْمٍ کے۔ لفظ یوم سے مراد مطلق ہے خواہ دن خواہ رات بوجہ عموم مجاز مگر لفظ محیط نے اس کی صفت بن کر عموم ظرفیت کو توڑ دیا اور مراد ہے روز قیامت یا دنیوی زمانہ محیط اسم فاعل ہے باب افعال کا حیطٌ سے مشتق ہے بمعنی چار دیواری۔ گھریلو باغ کو حیطان اسی لئے کہا جاتا ہے۔ یہاں مراد ہے گھیرنے والا عذاب وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ — واؤ سر جملہ۔ کلام نیا ہے۔ یا تکرار کلام ہے۔ یا یہ دوسرے موقعے کا دوسرا وعظ ہے یا ندائیہ قائم مقام اَدْعُوْ قَوْمِ منادیٰ مضاف۔ مضاف الیہ محذوف منوی ہے۔ اَوْفُوْا فعل امر بصیغہ جمع مذکر حاضر وَفْیٌ سے بنا ہے۔ بمعنی پورا کرنا۔ موت کو وفات اسی لئے کہتے ہیں کہ مردہ اپنی عمر طبعی کو پورا طے کر چکا ہوتا ہے۔ مکیال کَیْلٌ سے مشتق ہے کیل بمعنی ناپ۔ اندازہ یہاں ہر دو جگہ اسم آلہ بمعنی مصدر ہے۔ واؤ عاطفہ۔ المیزان۔ الف لام تمام جگہ جنسی یا استغراقی ہے۔ میزان اسم آلہ بمعنی مصدر ہر دو جگہ وزنٌ سے بنا۔ تین معنی کا مشترک ہے ۱؎ وزن کرنا ۲؎ عدل کرنا ۳؎ مقدار صحیح رکھنا۔ یا مقدار کا پتہ لگانا باء سببیہ ہے اَلْقِسْطِ لغوی ترجمہ حصہ اصطلاحًا انصاف مراد ہے واؤ عاطفہ ہے لَا تَبْخَسُوْا فعل نہی باب فَتَحَ سے متعدی بدو مفعول بَخْسٌ سے بنا۔ بمعنی تھوڑی چیز۔ ناقص چیز۔ ظلم سے کم کردہ چیز۔ یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔ النَّاس۔ الف لام استغراقی ہے مراد سب انسان خریدار بلا امتیاز مومن وکافر۔ مفعول بہ اوّل ہے بدیں وجہ بحالت زبر میں ہے اشیاء شیٌ کی جمع بمعنی مشیت یعنی جس کو خریدنے کی خریدار کو چاہت ہے ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع النَّاس ہے۔ یہ مفعول دوم ہے وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔ واؤ عاطفہ لَا تَعْثَوْ فعل نہی معروف بصیغہ

جمع مذکر حاضر عثیٌ سے بنا ہے بمعنی بلا ترتیب زمین میں بکھر جانا یہاں مراد کفار کا اپنی من مرضی کرتے پھرنا فی جارہ علی کے معنی میں ہے۔ یعنی زمین پر۔ مفسدین اسم فاعل ہے باب افعال کا بحالت زبر ہے حال ہے لا تعثوا کے فاعل کم ضمیر کا فسدٌ سے مشتق ہے بمعنی چیرنا پھاڑنا۔ یہاں مراد ہے ظلم، چوری، ڈکیتی یا لوٹ مار۔

تفسیر عالمانہ

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ۔ جتنے بھی جملے اس طرح کے پہلے گذرے وہ سب یا تو معطوف ہیں پہلے لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا پر یا ہر جگہ واقعے میں ایک ارسلنا پوشیدہ ہے اور معنی یہ کہ۔ اور ہم نے بھیجا قوم مدین کی طرف یا شہر مدین کی طرف مدین ایک بزرگ آدمی کا نام تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پوتا تھا یا بیٹا۔ پھر اس کی نسل کا نام اسی کے نام پر چلا اور قبیلہ مدین بن گیا اسی قوم مدین نے اپنے علاقے کا نام بھی مدین رکھا یہ علاقہ حجاز اور شام کے درمیان ہے ان کے بھائی نسبی یا قومی یا شہری۔ پہلے دو قول زیادہ صحیح ہیں جیسا کہ شجرۂ نسب سے ثابت ہے۔ شعیبًا۔ شعیب علیہ السلام کو یہ عطف بیان ہے۔ مدین آپ کا تیسرا دادا ہے۔ شجرۂ نسب اس طرح ہے۔ شعیب بن میکائیل بن یشجر بن مدین۔ بھیجنے کا مطلب ہے مبعوث نبوت فرمانا۔ نہ کہ کسی دوسری جگہ سے بھیجنا۔ جیسا کہ لوط علیہ السلام کو دوسری جگہ سے بھیجا گیا۔ فرمایا اے میری قوم یہ جملہ استینا فیہ بیانیہ ہے۔ معبود مانو تم ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کو۔ اس طرح کہ کسی بت وغیرہ کی عبادت نہ کرو اس کی کسی فرمانبرداری میں کسی غیر کو شریک نہ سمجھو نہ کہو۔ کیونکہ نہیں ہے تمہارے لئے کوئی معبود اس کے سوا۔ اور میرے کہنے سے اس کو معبود مانو تاکہ مجھے پہلے رسالت پھر توحید پر ایمان لیے سب انبیاء کرام کی تبلیغ تھی اور اس کی عبادت کا حکم پہلے کیوں دیا گیا کہ یہی اصل اور قوام ایمان ہے۔ ایمان پہلے اعمال بعد میں کیونکہ ایمان حق اللہ ہے۔ بندوں کے لحاظ سے پہلے حق اللہ پھر حق النبی پھر حق العبد مگر سزا جزا کے اعتبار سے پہلے حق العبد پھر حق اللہ یہ رب تعالیٰ کی کریمی ہے کہ اپنے حق کو خود موخر فرمایا۔ لیکن حق النبی بہر حال حق العبد سے مقدم ہے۔ فرماں برداری اور بندے کے عمل میں حق اللہ مقدم ہے کہ جب کوئی انسان حق اللہ رسول کا ہی ادا کرے تو بندے کا حق کیونکر پورا کرے گا اور اس کو بندے کی کیا پرواہ ہوگی بدیں وجہ انبیاء کرام کی تبلیغ میں سب سے پہلے حقوق باری تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے۔ پھر قوم کی اس بدعملی اور اخلاقی کمزوری کا جس کا تعلق قانون الٰہی میں حق العبد سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی تلفی فساد روح کا باعث ہوتی ہے اور بندوں کی حق تلفی فساد جسم اور ملک کا باعث ہوتی ہے اسی لئے ایمان اور معرفت الٰہی کا درس دینے کے فوراً بعد فرمایا وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ۔ اور بالکل بھی کم مت کرو تم اپنے پیمانوں اور ترازوؤں کو۔ نہ اس طرح کہ ناپ تول بھی دیتی دفعہ کمی کرو۔ کم تولو۔ کم ناپو۔ نہ اس طرح کہ قیمت لیتی دفعہ بھاؤ سے زیادہ لو۔ یا اس طرح کہ جب تم بیوپاریوں سے خریدو تو بھارے باٹ یا بڑے پیمانے سے خریدو جب دوسرے گاہکوں کو دینے لگو تو ہلکے باٹ یا چھوٹے پیمانے نکال لاؤ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ قوم مدین والوں نے دو قسم کے پیمانے اور ترازو بنائے ہوتے تھے۔ چھوٹے دینے کے لئے

اور بڑے لینے کے لئے۔ اے قوم والو میں تم کو اس لئے ان بدعملیوں سے منع کر رہا ہوں کہ تم کو بے شک میں بہت خیر یعنی عیش و آرام اور دولت مندی میں دیکھتا ہوں۔ اس طرح کہ رذیل حرکتیں اور غریبوں پر ظلم تو وہ کرے جس کو پوری نہ پڑتی ہو۔ تم تو عاجز مسکین نہیں ہو پھر تم لالچ کیوں کرتے ہو۔ رب نے تم کو امیر کبیر بنایا ہے اس کا شکریہ تو یہ تھا کہ تم اس کے غریب بندوں پر صدقہ و خیرات کرتے چیزیں سستی بیچتے غریبوں کی سہولت ہوتی دیہاتی کاشت کاروں کو فائدہ پہنچاتے مگر تم نے تو بالکل ہی مسکینوں کا رہا سہا خون بھی چوس کر راتوں رات امیر ہونا چاہا ہے۔ جو والی وارث خالق و مالک تمہارا ہے وہی ان غریبوں کا ہے مظلوموں کی آہ و فریاد سننے والا ہے۔ سدا وقت ایک جیسے نہیں رہتے اگر تمہارے یہی کرتوت رہے تو اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ بے شک مجھ کو تم پر خوف ہے ایسے عذاب کا جو تمہارے پورے زمانے پر محیط ہو جاتے اور کہیں بچنے کا راہ نہ ملے لاتنقصوا فعل متعدی بدو مفعول ہے پہلا مفعول ظاہر ہے معطوف علیہ معطوف۔ دوسرا مفعول اصلاً پوشیدہ ہے جس کا معنیٰ ہے بالکل۔ عذاب عَذۡبٌ سے بنا ہے اس کا معنیٰ ہوتا ہے روکنا۔ پانی کو عذبٌ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ پیاس کو روکتا ہے یہاں مراد ہے ظلم۔ سرکشی۔ کفر کو روکنے مٹانے والا۔ یوم محیط۔ محیط دراصل صفت ہے عذاب کی ... یوم کی طرف اسناد مجازاً ہے۔ دوسری تفسیر اس طرح ہے کہ آج کل تم بہت مزے میں ہو کہ رزق میں برکتیں ہیں ہر چیز سستی ہے تھوڑی چیز بہت افراد کو کافی ہو جاتی ہے۔ رحمتوں میں زندگی بسر کر رہے ہو۔ یہ سب کچھ اس کا محض کرم ہے اگر تم ان کنجوسیوں ظلموں سے باز نہیں آتے تو یہ سب کچھ ختم ہو جاتے گا ظاہراً سب کچھ نظر آتا رہے گا مگر برکتیں ختم ہو جائیں گی۔ اور یہ بھی ایک عذاب ہے جس کی مدت دراز ہوتی ہے۔ یا مراد ہے قیامت کا عذاب مگر قوی تفسیر یہ ہے خصوصی ہلاکت کا عذاب مراد ہے وَ یٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِکۡیَالَ وَ الۡمِیۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَ لَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَہُمۡ وَ لَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ ۔ چونکہ تمہارا غریبوں کو کم تول کر دینا قیمت زیادہ کی وصول کرنا ایسی بددیانتی ہے جو باعث عذاب ہے لہٰذا اے میری قوم پورا کیا کرو ناپ کو اور تول کو تاکہ تم بھی مطمئن ہو اور تمہارے گاہک اور تاجر بھی تم سے مطمئن رہیں میں یہ بھی نہیں کہتا کہ تم اپنا نقصان کرو بلکہ بِالۡقِسۡطِ انصاف سے کام لو اور عدل و مساوات کی حالت میں تجارت کرو حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ دوسرا وعظ ہے۔ یا ایک محفل میں پہلے نفی سے تبلیغ فرمائی پھر امر سے اور سمجھانے کا بہت اعلیٰ طریقہ ہے۔ حضرت شعیب بہت فصیحانہ کلام فرمایا کرتے تھے اسی لئے ان کا لقب تھا خطیب الانبیاء آپ نے اس مختصر وعظ میں پہلے تفصیلی طور پر ان کے عیوب بیان فرماتے ہوئے ان کے نا کرنے والے اور کرنے والے کاموں کا تذکرہ فرمایا۔ پھر اجمالی طور پر اسی وعظ کو دہرایا۔ کہ نہ تم ناپ میں کمی کرو نہ ترازو کی ڈنڈی مارو نہ اپنا نقصان کرو نا خود کو بدنام کرو۔ غرضکہ لَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ مطلقاً لوگوں کی چیزوں کو گھٹایا مت کرو یعنی لوگوں کو گھاٹے میں مت رکھا کرو۔ خواہ اپنے ہوں یا پرائے اور خواہ ناپ طول کی چیز کا لین دین ہو یا ان کی قیمت کا اور یا کوئی اور امانت وغیرہ تمہاری نظر میں وہ چیز معمولی ہو یا جلیل الشان۔ کیونکہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر جلا دیتی ہے اور کبھی ایک

قطرہ پانی جان بچا لیتا ہے۔ نہ معمولی گناہ کرو نہ چھوٹی نیکی چھوڑو۔ اس قوم کی عادت یہ بھی تھی کہ جب خریداری کا وقت آتا تو باہمی مشورے سے چیزوں کے بھاؤ گرا دیتے اور آنے والے مزدوروں کسانوں کاشت کاروں کو کہہ دیتے کہ سب منڈی سے پتہ کر لو بھاؤ گر گئے ہیں چیزیں سستی ہو گئیں ہیں۔ اس طرح خریدتے بہت معمولی قیمت میں اور ناپ تول کے وقت بڑے برتن اور باٹ سے تول کر مزید ظلم کرتے۔ اور دوسرے دن بیچنے کا وقت آتا تو پھر باہمی مشورے سے بھاؤ بڑھا لیتے اور پیمانے چھوٹے لے آتے۔ یہ انتہائی درجے کا ظلم تھا اور ظلم سے ہی دنیا کا فساد ہے اسی لئے حضرت شعیب نے فرمایا۔ نہ پھرو تم زمین میں یعنی اپنے علاقے میں یا سارے جہان میں کہ تم کو دیکھ کر دوسروں کو بھی بد دیانتی کی عادت پڑے گی یا تاریخ عالم میں تمہاری خیانتیں نشر ہوں گی اور بروں کو برائی کے طریقے آئیں گے وہ تمہاری بری خصلتیں اپنائیں گے اور اس کے ذمہ دار تم مفسدین ہی ہو گے۔ لہٰذا تم فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ لَا تَعْثَوْا عَثِيَ سے بنا ہے جس کے معنی بہت سخت فساد یا دائمی فساد۔ فساد کا معنی ہے حقوق کو کم کرنا۔ افساد کا معنی ہے فساد کی عادت ڈالنا یہاں مفسدین فرما کر یہ بتایا گیا کہ تم نے ایسے فساد کی عادت ڈال دی ہے جس سے ایک دو کی نہیں بلکہ ملکوں سلطنتوں بادشاہتوں کی تباہی ہوتی ہے۔ غریب عوام محنت کش کسان مفلس مزدور کب برداشت کریں گے آج ظالم۔ اس طرح غریب کا خون چوس کر غریب کو غریب تر کر کے یہ چاہتا ہے کہ یہ طبقۂ مساکین امیر کے سامنے بولنے کے قابل نہ رہے جس سے اولاً تو نتیجہ خوش کن نظر آتا ہے مگر جب اللہ تعالیٰ کی بے آواز لاٹھی اٹھتی ہے تو یہی کمزور نادار آفت ناگہانی بن کر محلات میں ہوتے ہوتے غافل ظالم کو خس و خاشاک کر دیتے ہیں پھر کبھی اسی فساد کو بغاوت کا نام دیا جاتا ہے۔ کبھی حق مانگنے والے کو غدار کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ تاریخ کچھ بھی کہتی رہی لیکن قانون الٰہی میں مفسدین وہی ظالم ہیں جنہوں نے اس ظلم۔ بد دیانتی کی بنیاد ڈالی۔ دنیا میں ایسے ظلم ہوتے رہے۔ فساد پھیلتے رہے۔ غریب پستے رہے۔ مزدور کچلے جاتے رہے مگر کسی امیر نے خواب غفلت سے کروٹ تک نہ لی کوئی غریب پروری مزدور دوستی کے نعرے لگانے والا لیڈر کسی بے بس۔ بے کس کا سہارا نہ بنا۔ ہاں ایسے موقعوں پہ اگر کوئی غریب کا سہارا بنا تو وہ دامن نبوت ہی ہے اگر کسی نے ظالم کو جھنجوڑا تو وہ دلیرانہ جرأت دکھانے والی ذات نبی ہی ہے۔ کیونکہ رب کائنات ہی اپنے بندوں کا سچا سہارا ہے۔ مقصد کلام یہ کہ اے قوم والو اللہ تعالیٰ کو ایسا معبود سمجھو ہر وقت اسی کی عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاؤ تاکہ تمہاری روح درست ہو اور پھر تمہارے دل میں اس عذاب کا خوف پیدا ہو جس کا دھڑکا تمہارے متعلق مجھ کو لگا ہوا ہے اور اس عذاب سے ڈر کر یا اللہ کو سچا واحد معبود سمجھ کر ظلم سے باز آ جاؤ اور ناپ تول میں کمی نہ کرو تم کوئی غریب نہیں اچھے کھاتے پیتے ہو۔ اس ممانعت کو سن کر تم بالکل تجارت مت چھوڑ دو۔ بلکہ خوب تجارتیں کرو مگر انصاف ناپ تول پورا کرو۔ تجارت بری چیز نہیں۔ اس میں بے ایمانیاں ملاوٹیں اور بد دیانتی بری ہیں ان بری عادتوں سے بچایا جا رہا ہے نا کہ حلال تجارت سے اور پھر تجارت ہی کیا۔ کسی چیز میں بھی لوگوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ کیونکہ یہ ظلم اور فساد

ہے۔ فساد کی مدت تھوڑی ہوتی ہے نتیجہ دائمی تباہی ہوتا ہے (تفسیر مدارک۔ خازن۔ صاوی جلالین۔ کبیر۔ معانی۔ بیان۔ جمل۔ سراج منیر۔ مظہری۔ تفسیر الحدیث۔ ابن کثیر)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** جب گناہ بہت زیادہ ہوجاتے ہیں اور فساق گناہ پر فخر کرنے لگتے ہیں تو رب تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام مبعوث ہوتے ہیں۔ وہ قوم کو سمجھاتے ہیں جب کفار و فساق ان کی وعظ و نصیحت قبول نہیں کرتے تب ان پر ایسا عذاب آتا ہے جس میں ان کے بے گناہ بچے اور جانور بھی ہلاک ہوجاتے ہیں اسی کو عذاب محیط کہتے ہیں۔ یہ فائدہ۔ اِلٰی مَدْیَنَ اور یوم محیطٍ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** معاملات شرعیہ میں کافر بھی مکلف ہیں۔ اگرچہ عبادات شرعیہ میں مکلف نہیں یہ فائدہ وَلَا تَنْقُصُوا کے واؤ کے ذریعے لَا تَنْقُصُوا کو اُعْبُدُوا پر معطوف کرنے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ واؤ عاطفہ جمع کے لئے ہوئی جس سے پتہ لگا کہ کفار ایمان لانے اور معاملات درست کرنے کے بیک وقت مکلف ہیں۔ لیکن نماز روزے کے مکلف ایمان لانے کے بعد ہوں گے۔ چوری ڈکیتی سود خوری جو مسلمان سے ہو۔ اسی طرح ملاوٹ۔ مہنگائی۔ کم ناپ تول سے حکومت اسلامیہ جس طرح مسلمانوں کو روکے گی اسی طرح کفار کو بھی سختی سے روکا جائے گا اور جس طرح ان معاملات کا مجرم مسلمان شرعی سزا کا مستحق ہوگا اسی طرح کافر بھی سزا پائے گا یہ فائدہ مدین کے کفار کو لَا تَنْقُصُوا فرمانے سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** کسی اچھے کام میں اگر لوگوں کی بدنیتی سے برائی شامل ہوجائے تو وہ کام برا نہ ہوگا اور کام کو نہ چھوڑا جائے گا بلکہ اس برائی کو ختم کیا جائے گا۔ کام بدستور جاری رکھا جائے گا یہ فائدہ لَا تَنْقُصُوا کے بعد اَوْفُوا فرمانے اور اس کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا لہٰذا۔ عرس اولیاء۔ محافل میلاد۔ جلوس عید میلاد۔ مجالس گیارھویں جیسے کارہائے خیر میں اگر احمق لوگ غلط رسومات شامل کر دیں تو وہ رسومات مٹائی جائیں گی نہ کہ یہ پاک اعمال۔ اگر مسجدوں میں جوتی چوری ہونا شروع ہوجائے تو چوری کو بند کیا جائے گا نہ کہ مسجدوں کو **چوتھا فائدہ** مومن کامل وہ ہے جو تمام شرعی حقوق و معاملات میں درست ہو خواہ تجارتی ہوں یا گھریلو اپنوں سے ہوں یا پرایوں سے۔ عدل و انصاف میں کسی کی رورعایت نہیں چاہیئے۔ یہ فائدہ کیال و میزان کی مساوات کے بعد وَلَا تَبْخَسُوْا فرمانے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں پہلے فرمایا گیا وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ الخ جس میں ناپ تول کی کمی سے ممانعت فرمائی گئی جس سے معنوی طور پر یہ ثابت ہوگیا تھا کہ پورا ناپو۔ پورا تولو پھر بعد میں اَوْفُوا الْمِكْيَالَ الخ کیوں فرمایا یہ معنًا تکرار ہے اور تکرار بلا فائدہ ہے۔ اس کے بعد پھر فرمایا گیا وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ الخ یہ کلام بعینہٖ پہلے اور دوسرے کلام کے مطابق ہے یہ بھی تکرار ہے۔ اس دوہری تکرار کا کیا فائدہ ہے **جواب** تفسیر خازن نے اس کا جواب یہ دیا کہ چونکہ قوم والے بہت عرصے سے بری طرح اس بددیانتی کے ظلم میں مبتلا تھے اس لئے پہلے ان کو منع کیا گیا کہ کم مت دو۔ پھر ان کو امر کیا گیا کہ پورا دو اس تکرار سے ان امر و نہی کی اہمیت بیان کی گئی اس تکرار سے

نے شدۃ اہتمام کا فائدہ دیا اور لا تبخسوا میں تکرار نہیں بلکہ دیگر معاملات میں کمی سے روکا گیا ہے۔ تفسیر کبیر نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا کہ لا تنقصوا میں ان کو بددیانتی سے ممانعت ہے۔ اور اَوفُوا کے امر میں عدل و انصاف قائم کرنے کا حکم ہے اور لَا تَبْخَسُوْا سے یہ فرمایا گیا۔ برابر تول سے بھی کچھ نیچا تول کر دیا کرو۔ اور ناپ کو برابر کر کے بھی تھوڑا سا زائد ڈال دیا کرو تاکہ انصاف کا یقین ہو جائے اور تمہاری محبت و انصاف کا چرچا ہو۔ اور چند دانے ڈال دینے سے تمہیں کچھ فرق نہ پڑے گا مگر ہم نے تفسیر میں اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ لا تنقصوا کی نہی نے صرف تجارت اور معاملات کی بددیانتی کو روکا۔ اور اَوفُوا کے امر نے آئندہ تجارت صحیح طریقے سے کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ صحیح تجارت بھی عبادت ہے اور لا تبخسوا کی نہی میں تجارت کے علاوہ دیگر معاملات میں ایمانداری کا سبق ہے لہذا یہاں تکرار نہیں دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا لا تعثوا فی الارض۔ عَثو کے معنی بھی فساد ہے تو لَا تُفْسِدُوْا فرما دینا کافی تھا دراز عبارت کرنے کا کیا فائدہ جواب یہاں کثرت فساد کا ذکر ہے کہ ایک تو تم کافر ہو اور دوسرے تم بددیانت ہو۔ تمہارے وجود سے خالق و مخلوق دونوں ناراض ہیں بخلاف لفظ فساد کے کہ وہاں صرف خرابی تو ثابت ہوتی ہے مگر کثرت خرابی کا پتہ نہیں لگتا یا مقصد یہ کہ تفسدو میں صرف دوسرے کے نقصان کا ذکر ہوتا ہے لیکن لَا تَعْثَوْا نے یہ بتایا کہ جو کام تم کرتے ہو اس میں صرف دوسروں کا ہی نقصان نہیں بلکہ تمہارا نقصان ہے کہ تمہاری تباہی کا باعث ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ شریعت کے ارکان جسم خاکی پر جاری ہوتے ہیں مگر اس کے انوار اعضا باطنی پر موثر ہوتے ہیں اسی لئے پہلے شریعت ہے بعد میں طریقت و معرفت اور جب اللہ خالق ظاہر و باطن نے تمام قالب مدین کی طرف ان کے خیر خواہ طالب عافیت بھائی شعیب بصیرت کو بھیجا تو سب سے پہلے اس نے قالب ناسوتی کو شریعت کا حکم سنایا کہ عبادت سے جھک جاؤ اپنے اللہ کے حضور کسی طرف نہ دیکھو ہر حال میں وحدت الوجود کی تکبیریں بلند کرتے ہوتے یہ یقین بصدق دل رکھو کہ اس کے علاوہ عالم دھر میں کوئی معبود نہیں جب یہاں خلوص و خشیت کا اظہار کامل ہو جائے تو اب عناصر اربعہ کی منڈی آگ و آب و باد و خاک کے بازار میں جب محبت کے سودے طلب کے بیوپار عشق کی تجارتیں کرنے لگو تو محبت کے ناپ اور طلب کی ترازو کو کم نہ کرنا محبت مکیال اور پیمانہ ہے دنیا و خواہشات دنیا کی محبت یہ کمی ہے اللہ کی محبت اور ماسوا اللہ کی دشمنی یہ پورا ناپ تول ہے یہی سچی تجارت ہے جیسا کہ عارف قلب خلیل حق نے فرمایا سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے جب بندۂ عارف کسی بھی گھڑی اللہ کے ساتھ ماسوا اللہ کی محبت لاتا ہے تو مکیال محبت میں کمی کرتا ہے یہی شرک اہل معرفت و راہ طریقت ہے۔ شریعت و طریقت کی طرف قدم بڑھانا ارادۂ مضبوط سے سیر الی اللہ کرنا اہل اللہ کے نزدیک میزان طلب ہے جب سیر ملکوتی چمن شریعت کی طرف اٹھنے والے قدموں میں ذرہ برابر بھی یا سستی ہوئی اور کوئی قدم غیر راہ پر پڑ گیا تو یہی میزان کی کمی ہے۔ پس بازاں

محبت میں عشق کی منڈی میں عرفان کی دکان سجانے والے سالک مستقیم پر واجب ہے کہ انبیاء کرام اور شریعت وطریقت کے اولیاء کے آداب واعمال کے باٹ پیمانہ۔ ترازو اختیار کرے اور جس طرح قدم رکھنے کا حکم دیا جاتے اسی طرح قدم رکھے ہر مومن پر خاص کر بندۂ عارف پر امانت اسرار اور استقامت دائمی شرط ہے۔ اور غرض ہے کہ جسد روح۔ ظاہر وباطن کے اعضاءِ جمیلہ ورئیسہ کے حقوق ازلی ابدی کو ادا کر دے جب بندہ اس مرتبہ دیانت پر پہنچتا ہے تب دنیا میں قبول ومدح سے اور آخرت میں ثواب وانعام سے نوازا جاتا ہے اس کی موت بھی سعید حیات بھی سعید ہوتی ہے لیکن جب ملک ناسوتی میں غداری کرے سلطنت شریعت میں فسق کی بغاوت پھیلاتے امانت اسرار میں خیانت کرے ظلم و تکبر سے بازار محبت صمدیت کو خراب کرنا چاہے تو پھر اِنِّیْ اَرٰىكُمْ کا اعلان سنا کر بتایا جاتا ہے کہ تم خیرات الٰہیہ میں رہ کر پھر بددیانتی کرتے ہو شعیب بصیرت کہتی ہے کہ گھیرنے والی ظلمات کے یوم عذاب کا تم پر خطرہ اور اندیشہ ہے۔ اگر تم درست نہ ہوئے تو دنیا میں عدل وانصاف کے قانون خداوندی عذاب یقینی مردودیت میں اور ذلت ورسوائی میں اور یوم آخرت میں انتقام اور عقاب کا عذاب دائمی ہوگا۔ نہ فضل رب ملے گا نہ معافی اور زندگی بھی شقاوت کی آخرت بھی حشر بھی بدبختی میں جتنی معرفت اور قرب زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی خوف الٰہی زیادہ ہوتا ہے۔ مردود بارگاہ کو بے خوفی کی لعنت ہوتی ہے ازلی انعام سب کیلئے یکساں ہیں بدبخت کھو بیٹھتا ہے اور خوش نصیب محفوظ رکھتا ہے وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ — اے قالب مدین کے رہنے والی میری قوم پورا کرو پیمانۂ عشق و محبت کو اور طلب مشاہدات کی میزان کو انصاف شریعت سے اور حقوق ذات کو ان کی روحانی غذائیں وضرورت عبدیت کی چیزیں پوری دو۔ زمین قالب میں فساد فسق وگناہ رذالت وذمامت خیانت وخباثت نہ پھیلاتے پھرو۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ
برکت اللہ کی اچھی ہے لیئے تمہارے اگر ہو تم ایمان والے اور نہیں
اللہ کا دیا جو بچ رہے وہ تمہارے لیئے بہتر ہے اگر تمہیں یقین ہو اور میں
اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ
ہوں میں پر تم سے محافظ سب بولے اے شعیب کیا تمہاری نماز حکم دیتی
کچھ تم پر نگہبان نہیں بولے اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں

تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ

تم کو اس کا کہ چھوڑ دیں ہم اس کو کہ عبادت کرتے تھے باپ دادا ہمارے یا یہ کہ

یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے خداؤں کو چھوڑ دیں

فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

کریں ہم مالوں اپنے میں جو چاہیں ہم بیشک تم ہی البتہ بڑے عقلمند نیک چلن اور لائق

یا اپنے مال میں جو چاہیں نہ کریں ہاں جی تمہیں بڑے عقلمند نیک چلن ہو

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی بداعمالی بد دیانتی دنیوی حرص و ہوس کا ذکر ہوا اب حضرت شعیب علیہ السلام کی اسلامی تبلیغ اور پچھلے کا ذکر ہے کہ اے لوگو حرص و ہوس سے پوری نہیں پڑتی۔ برکت تو رب کی خیر سے ہوتی ہے دوسرا تعلق پچھلی آیات میں پہلی قوموں کی مخالفت انبیاء کا ذکر تھا کہ انہوں نے انبیاء کرام کی مشفقانہ پیاری تبلیغ کا کس طرح مقابلہ کیا۔ اب حضرت شعیب کی قوم کی مخالفت کا ذکر ہے۔ یہ سب اسی سلسلے کی کڑی ہے تیسرا تعلق پچھلی آیتوں میں اشارۃً ثابت کیا گیا تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نہایت حلیم کریم مشفق ہوتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ کفار دیگر صفات انبیاء کے منکر ہونے کے ساتھ اس صفت کے بھی در پردہ منکر ہیں اسی لئے ازراہ مذاق و انکار و استفہام ایسی گفتگو کرتے ہیں۔

تفسیر نحوی بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ لفظ بَقِيَّۃ میں قرّاءِ عرب کے تین اقوال ہیں ایک یہ کہ بقیہ بمعنی ابقاء باب افعال کا مصدر متعدی۔ دوم یہ کہ بقیہ بمعنی باقی اسم فاعل سوم یہ کہ بروزن فعیلٌ مبالغے کا صیغہ ہے مراد ہے حلال نفع مضاف ہے بطرف لفظ اللہ مرکب اضافی مبتدا ہے خَیْرٌ بمعنی دنیوی فائدہ مند یعنی عزت کی روزی لفظ خیرٌ بروزن بَیْعٌ مصدر ہے بمعنی مفعول لکم الف لام نفع کا ہے کم ضمیر کا مرجع قوم شعیب علیہ السلام۔ اِنْ حرف شرط ہے جزاء مقدم کی بعض نے فرمایا کہ شرط مقدم ہے اس کی جزا فارضوا علیہ پوشیدہ یعنی اگر تم مومن ہو تو اللہ کی عطا پر راضی ہو۔ کُنْتُمْ فعل تامہ نہیں بلکہ ناقصہ ہی ہے اسکا اسم پوشیدہ ہے یعنی اَنْتُمْ مؤمنین جمع سالم ہے منصوب ہے اسی فعل شرطیہ ناقصہ کی خبر ہے وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ واؤ سرجملہ ہے یا عاطفہ یا حالیہ تینوں مناسب ہوسکتی ہیں مانافیہ انا ضمیر واحد متکلم مرفوع منفصل اسم ما علیکم علی جارہ بمعنی مع یا بمعنی عِنْدَ کُمْ ضمیر حاضر مجرور متصل کا مرجع قوم ہے بحفیظ باجارہ زائدہ ہے حفیظ بمعنی حافظ یعنی ذمہ دار یا بمعنی حافظ یعنی نگہبان قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۔ قَالُوْا قوم شعیب کا جوابًا قول ہے یا ندائیہ شعیب ان کی طرف مبعوث نبی کا اسم پاک ہے اَ ہمزہ استفہام انکاری۔ لفظ صلوٰۃ

بعض قراء کے نزدیک. جمع ہے صَلٰوٰت ان کی دلیل ہے کہ اگر لفظ صَلٰو واحد مضاف ہوتو بغیر واؤ یعنی صلات آتا ہے یہاں چونکہ واؤ کے ساتھ ہے لہذا جمع ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ واحد ہے اور یہی کثیر کا مسلک ہے واؤ کا آنا قرأت کی سہولت کے لئے ہے کَ مضاف الیہ ہے مرکب اضافی مبتدا تَامُرُ فعل مضارع معروف با فاعل متعدی بدو مفعول دوسرا نَترُکَ مفعول ہے پورا اور پہلا مفعول کَ ضمیر منصوب متصل اور یہ متعدی بدو مفعول کا جملہ فعلیہ خبر ہے۔ مبتدا کی اَنْ ناصبہ نترک مضارع منصوب ہے اس کا فاعل ضمیر جمع متکلم اس میں ہی پوشیدہ ہے مَا موصولہ مفعول بہ ہے اپنے اگلے صلے کے ساتھ یَعْبُدُ وا فعل مضارع عَبْدٌ سے بنا ہے آباء جمع اَبٌ کی بمعنیٰ باپ مراد باپ دادے اور خاندانی بزرگ۔ اَوْ حرف عطف بمعنیٰ یا اَنْ ناصبہ مصدریہ پہلے اَنْ پر عطف ہو کر مفعول تابع ہے نَترُکَ فعل ظاہری کا نَفعَلَ یا اَوْ بمعنیٰ واؤ عاطفہ ہے اور جملہ علیحدہ ہے عاطفہ نہیں کیونکہ اس طرح نَفعَلَ کا عطف ماننا پڑے گا تَامُرُ پر اور یہ غلط ہے کیونکہ اَنْ نَفعَلَ جواب نہی ہے نہ کہ جواب امر۔ فِیْ ظرفیہ ہے یا فی بمعنیٰ مع ہے مَا اسم موصول مفعول ہے نَفعَلَ کا نَشَاءُ فعل مضارع نہ کہ حال کے معنیٰ میں نہ مستقبل کے معنیٰ میں بلکہ اپنے ہی معنیٰ میں شَیْءٌ بمعنیٰ چاہت سے مشتق ہے یہ جملہ فعلیہ صلہ ہے اِنَّکَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ۔ ان حرف تحقیق کَ اسم اِنَّ لَاَنْتَ لام کے معنیٰ البتہ ضمیر منفصل اَنْتَ پر داخل ہوا اَنْتَ کا مرجع حضرت شعیب ہیں الحلیم الرشید ہر دو جگہ الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ ہے حِلْمٌ واشدٌ سے بنا۔ حلم بمعنیٰ نرم طبیعت رشد بمعنیٰ ہدایت یافتہ یہ جملہ یا استہزائیہ ہے یا حقیقیہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ۔ اے قوم والو تم کو کثرت دولت کی ہوس میں پڑے ہو۔ تم کو کیا معلوم کہ حلال روزی میں کتنی برکتیں ہیں۔ حرص و ہوس کو چھوڑ کر صرف وہی لو جو اللہ کی طرف سے تم کو اس تجارت سے باقی مال حلال ملے۔ کیونکہ اللہ کا بقیہ جس کو اللہ تمہارے لئے باقی بچاتے وہی تمہارے لئے خیر و برکت والا ہے بمقابلے اس زیادتی کے جو تم گاہکوں تاجروں سے ظلم اور کم ناپ تول کر جمع کر رہے۔ اس لئے کہ تمہاری بد دیانتی سے کمائی ہوئی دولت ہبا منثورہ اُڑتی دھول کی طرح فانی ہے بے برکتی ہے لیکن دیانت داری سے کمائی ہوئی دولت ہی اصل میں شرافت اور حلال کی روزی ہے اس کو اللہ اتنا بابرکت کرتا ہے کہ بقیۃ اللہ کا لقب پاک حاصل کر کے تا عمر بلکہ تا قیامت باقی باللہ ہو جاتی ہے کہ اللہ راضی مخلوق خوش اور خود صاحب دولت مطمئن ہوتا ہے۔ بخلاف حرام دولت کے کہ دولت والا کتنا ہی امیر کبیر بن جاتے اور کتنا ہی حرام ذریعوں میں دولت خرچ کرے مگر نہ مخلوق خوش ہو نہ دولت مند کو اطمینان نصیب ہو ہر وقت حرص دنیا کی بے چینی لگی رہتی ہے مولانا رومی نے فرمایا۔ شعر

اہل دنیا کافرانِ مطلق اند ✲ روز و شب در زق زق و در بک بک اند

حلال روزی تھوڑی ہو تو بہت معلوم ہوتی ہے گھر بھرا بھرا رہتا ہے۔ یہی مطلب خیرٌ لکم ہونے کا ہے مگر یہ اسرار و رموز اسی وقت کھلیں گے یہ حقیقت تب آشکارا ہوگی اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اگر تم مومن بن جاؤ جب تک مومن نہ بنو گے تم کو اس کی طرف

آنے کی توفیق ہی نہ ملے گی کہ تم حرام چھوڑ حلال کماؤ۔ یا یہ تفسیر ہے کہ اگر تم میری ان باتوں کو تسلیم کرتے ہو تو تب تمہاری دولت تمہارے لئے خیر ہوگی۔ اور اللہ اس کو ایسی بقا عطا فرماتے گا کہ تم سے ختم نہ ہو سکے گی۔ اور وہی دولت تمہارے دل کا سرور دنیا کا ظہور آخرت کا نور بن کر رضائے رب غفور ہوگی لہذا فضل یعنی زیادتی کے طالب نہ بنو۔ برکت کی دعائیں مانگو۔ لفظ بقیۃ بروزن فعیلۃ مفعول مستقبل کے معنیٰ میں ہے اور یا اضافت تشریفی ہے۔ جیسے ناقۃ اللہ۔ بیت اللہ اور یا اضافت فاعلی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کو باقی رکھنے والا ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ۔ اللہ حرام سود کو مٹاتا ہے۔ صدقات حلال کو پرورش فرماتا ہے بقیۃ اللہ کی تفسیر تقیۃ اللہ اور اطاعت اللہ بھی کی گئی ہے یہ تجربہ ہے کہ حرام روزی کے تین نقصان اور حلال روزی کے تین فائدے صاحب روزی کو پہنچتے ہیں ۱ حرام روزی میں برکت نہیں ہوتی ۲ حرام روزی اچھی جگہوں میں خرچ نہیں ہوتی حرام کے راستہ میں ہی جاتی ہے ۳ حرام روزی مفید نہیں ہوتی طرح طرح کی بیماریوں سے صاحب دولت کو کھانا برتنا نصیب نہیں ہوتی ڈاکٹر لوگ پرہیز پر پرہیز بتاتے چلے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر۔ وکیل اور دیگر لوگ اس دولت سے مزے اڑاتے ہیں اور خود دولت والا پرہیزی کھانے ابلے ساگ کھا کھا کر اور چارپائی پر یا ہسپتالوں میں پڑے پڑے مرجاتا ہے۔ حلال روزی میں اس کے برعکس تینوں فائدے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ دو عملوں کی وجہ سے مسلمان دو مصیبتوں سے بچا رہتا ہے ۱ اللہ تعالیٰ کی قطار یعنی نماز با جماعت کی صف میں پابندی سے لگا رہنے والا دنیا کی ساری قطاروں سے بچے گا جو اللہ تعالیٰ کی اس قطار سے بھاگے گا وہ دنیا کی قطاروں میں دھکے کھاتا نظر آتے گا۔ کہ کبھی تیل کے لئے کبھی آٹے چینی کے لئے کبھی سیمنٹ وغیرہ کے لئے۔ قطاروں میں لگتا پھرے گا اگر ہم سچے دل خوف خدا عشق مصطفےٰ سے اللہ کی قطاروں میں لگیں تو ہمارے سارے ملک سے دنیا کی الجھنیں مصیبتیں دور ہو جائیں ۲ اللہ تعالیٰ کے بتاتے ہوئے صرف ایک پرہیز کو مضبوط پکڑنے والا کسی موقعہ پر نہ پھسلنے والا۔ دنیا کے باقی پرہیزوں سے بچ جاتا ہے۔ جو حرام سے مکمل پرہیز کرے گا رب تعالیٰ اس کو حلال سے پرہیز نہ ہونے دے گا۔ حلال روزی کے پرہیز میں وہی مبتلا ہوتا ہے جو حرام سے پرہیز نہ کرے۔ جس طرح ناممکن ہے کہ بیک وقت رات و دن جمع ہوں۔ نور و ظلمت اکٹھے ہوں اسی طرح ناممکن ہے ایک بندۂ مومن جو نماز کی صف میں کھڑا ہوتا ہو پھر دنیا کی قطاروں میں دھکے کھائے یا ایک سینے میں حرام و حلال غذائیں جمع ہوں۔ چونکہ حلال روزی ان ہی دنیا و آخرت کی مصیبتوں سے بچاتی ہے اس لئے اسی کو حضرت شعیب نے خیر لکم فرمایا کہ اے میری قوم یہ ہی تمہارے لئے حقیقۃً خیر ہے بشرطیکہ تم میری بتائی ہوئی شریعت پر ہر طرح ایمان لاؤ اور میں نہیں ہوں تم پر ہر وقت محافظ میں نے تم کو تبلیغ بہت صاف صاف کر دی اچھا برا سمجھا دیا۔ آئندہ تم خود سمجھدار

شعر

من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم ٭ تو خواہ از سخنم پند گیر وخواہ ملال

فقط تبلیغ ہی کا مجھ کو حکم تھا مجھ کو کفار سے جہاد کا حکم نہیں خیال رہے کہ انبیاء کرام دو قسم کے گروہ میں منقسم ہوئے ہیں۔ ۱ جن کو کفار سے جنگ کا حکم ملا موسیٰ داؤد و سلیمان علیہم السلام ۲ جن کو صرف تبلیغ کا حکم ملا جیسے حضرت نوح۔ لوط ابراہیم

شعیب عیسیٰ علیہم السلام وغیرہم۔ زمین میں اللہ تعالیٰ کی ترازو عدل ہے خواہ عبادات اور احکام ہوں یا معاملات جب کوئی اس سے عدول کرتا ہے تو پکڑ میں آتا ہے۔ پس چاہیئے کہ بندہ ظلم سے بچے۔ ظلم ہر وہ کام ہے جس سے کسی کو ضرر پہنچے خواہ قلبی ضرر یا بدنی یا ایمانی۔ عدل ہر وہ کام ہے جس سے غیر کو فائدہ پہنچے۔ تفسیر روح البیان نے بروایت سعید بن مسیب فرمایا کہ جب تاجر لوگ کھوٹ اور ملاوٹ زیادہ کرنے لگیں تو غیر قوموں کا غلبہ اور رعب طاری ہو جاتا ہے اور جب بدمعاشی اور زنا کثرت سے ہو تو موتیں زیادہ ہوتی ہیں اور جب ناپ تول میں بد دیانتی ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ رزق کے دروازے بند فرما دیتا ہے اور جب خون ریزیاں زیادہ ہوں تو حاکم ظالم مسلط ہو جاتے ہیں۔ آج یہ سب بیماریاں ہم میں موجود ہیں خدا تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے ہم کو بچائے۔ حکایت ایک آدمی ہر روز دودھ میں خوب پانی ملاتا تھا اور زیادہ کر کے بیچا کرتا ایک دن سیلاب آیا اور اس کی گائے کو بہا کر لے گیا۔ اس کی ایک چھوٹی بچی تھی بولی ابا جو پانی تم دودھ میں ڈالا کرتے تھے وہی پانی سیلاب بن کر آیا اور ہماری گائے کو ہی لے گیا (تفسیر روح البیان) یہ سب عبرت ناک وعظ و نصیحت ہیں مگر نہ ہم سنتے ہیں نہ سن کر عمل کرتے ہیں اور نہ قوم مدین نے حضرت شعیب کی ان فائدہ مند باتوں کو مانا بلکہ بجائے ماننے کے قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ۔ جب حضرت شعیب کو اجازت تبلیغ ملی تو آپ نے دن کا تمام وقت اسی قسم کی تبلیغ پر صرف کرنا شروع فرما دیا اور رات کو تو پہلے ہی بہت نمازیں پڑھا کرتے تھے اب دن کی نمازیں بھی رات کو شروع فرما دیں۔ آں کثرت تبلیغ سے اکتا کر بلکہ بہت غیض و غضب میں آ کر اور از راہ مذاق کرتے اور طعن دیتے ہوئے بولے اے شعیب کیا تمہاری نماز تم کو یہی حکم دیتی ہے کہ تم ہمارے ساتھ چھیڑ خانی کرو اور ہم کو ستاؤ تاکہ ہم اس عبادت یا ان معبودوں کو چھوڑ دیں جس کی ہمارے باپ دادے عبادت کرتے رہے۔ یہ جملہ استفہام استہزائی ہے۔ یا انکاری یعنی ایسا مت کرو۔ اور ہم کو بتوں کی عبادت سے مت روکو ہم غلط ہو سکتے ہیں ہمارے باپ دادا تو غلط نہیں ہو سکتے۔ آج سے پہلے ہم کو کسی نے نہ روکا صرف تم کہاں سے آ گئے ہم کو روکنے والے یہ ضرور تمہارے دل کا ذاتی وسوسہ ہے کوئی خدائی حکم نہیں یہ حضرت شعیب کی پہلی تبلیغ کا جواب احمقانہ ہے۔ اور تمہاری یہ نمازیں سجدہ ریزیاں یہ بھی کہتی ہیں کہ تم ہم کو ہماری پرانی تجارتوں اور تجارت کے سیاسی طریقوں سے روکو اور اس بات سے کہ ہم اپنے مالوں میں جو اب تک چاہتے چلے آئے اب بھی ویسا ہی کریں۔ آخر ہم اپنے مالوں میں اپنی من مانی کیوں نہ کریں۔ ہم کو پہلے کسی نے نہ روکا۔ کیا بے شک تم ہی البتہ بہت نرم مزاج غریبوں کے خیر خواہ اور لائق فائق رہ گئے ہو۔ یہ جملہ بھی استفہامیہ ہے یا پہلی ہمزہ کے تحت ہے یا نئی ہمزہ پوشیدہ۔ اور استفہام استہزائی ہے تب تو وہ ہی تفسیر ہے جو بیان ہوئی اور اگر استفہام انکاری ہے تو تفسیر اس طرح ہے کہ بے شک البتہ تم کہاں کے حلیم و رشید آ گئے ہو، یعنی تم حلیم و رشید نہیں نہ تم میں غریبوں کی کوئی ہمدردی ہے صرف ہم کو ستانے ہم میں بڑا بننے کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہو۔ صلوٰۃ میں چند قول ہیں بعض نے فرمایا صلوٰۃ سے مراد دین ہے یعنی کیا تمہارا دین تم کو یہ حکم دیتا ہے۔ بعض نے قرأت اور

دعا مراد لئے ہیں۔ بعض نے وظائف مراد لئے ہیں بعض کے نزدیک صلوات جمع ہے اموال سے مراد یا درہم دینار ہیں یا غلوں کا خریدنا بیچنا یا بھاؤ گھٹانا بڑھانا۔ یہاں حلیم کے معنی نرم دل ہیں۔ رشید رشدٌ سے بنا یہاں اس کے معنی ہیں لائق کفار مدین نے شعیب علیہ السلام کی دونوں باتوں کا جواب اس طرح دیا کہ دین کا معاملہ محض تقلید کا ہے لہذا ہم باپ دادا کی تقلید نہیں چھوڑ سکتے اور دنیا کا معاملہ محض عقل پر ہے لہذا وہ ہم اپنی عقل کے مطابق درست کر رہے ہیں کہ ہماری چیز ہے جس طرح چاہیں لیں جس طرح چاہیں دیں اس کا دین سے کچھ تعلق نہیں تمہارا دین ہم کو کیوں روکتا ہے یہی نظریہ اسلام اور قانون الٰہی کے خلاف ہے۔ انبیاء کرام نے آکر اسی باطل نظریہ کو ختم کیا نہ دین محض تقلید کا نام ہے نہ دنیا فقط عقل سے چل سکتی ہے۔ حلیم ورشید میں تین تفسیریں ہیں ایک وہ جو ہم نے بیان کی دوسری یہ کہ بے شک تم اپنی قوم میں حلیم ورشید ہو گئے ہم تم کو کیا سمجھتے ہیں۔ تیسری یہ کہ ہم تو تم کو حلیم ورشید سمجھتے تھے اب تم کو کیا ہو گیا جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگے۔ مقصد کلام یہ ہے کہ جب حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میری قوم زیادہ کی ہوس مت لو جو نفع تمہارے لئے اللہ عطا فرمائے اور دے دلا کر اس کا مال علیحدہ کر کے جو باقی بچے اس کو اللہ کی طرف سے حلال وطیب ستھری روزی جانو اور وہی تمہارے لئے خیر وبرکت ہے۔ اگر تم مومن بن جاؤ یا اگر تم مومن ہو تو اسی اللہ کی عطا پر راضی رہو۔ اور یہ معاملات کی صفائی ایمانداری اللہ کو وحدہ لاشریک مان کر اس کی عبادت ٹھیک ٹھاک ناپ تول میری وجہ سے یا مجھ کو دکھلانے کے لئے یا میری شرما حضوری کے لئے مت کرو۔ میں تم پر ہر وقت محافظ نہیں بلکہ اللہ کی رضا کے لئے کرو وہی تم پر حفیظ ہے نہ لوگوں کے دکھلاوے کے لئے کرو تاکہ ریاکار نہ بنو تب جواباً قوم نے بہت گستاخی سے آپ کا فقط نام لے کر پکارتے ہوتے کہا اے شعیب تمہاری نماز یا تمہارا دین تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تمہارے منع کرنے سے ہم چھوڑ دیں اپنے باپ دادا کا دین یا ہم اپنے مالوں کی اپنی مرضی سے خرید وفروخت کرنا چھوڑ دیں ایک تفسیر کے مطابق۔ اے شعیب تمہاری نماز تم کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہمارے مالوں کو تم اپنی مرضی سے بکواؤ یعنی مال ہمارا ہو اس میں مرضی تم اپنی چلواؤ۔ تم تو بڑے حلیم غریبوں کے خیر خواہ اور کچھ زیادہ ہی عقل والے بنے پھرتے ہو۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** دین وایمان کے تمام کاموں میں نماز افضل ہے اور سب سے زیادہ اہم عبادت نماز ہی ہے گویا کہ نماز راس الاسلام ہے۔ دیکھو مفسرین کے نزدیک صلوٰۃ سے مراد دین ہے۔ جیسے کہ شریعت میں سر بول کر پورا جسم مراد لیا جا سکتا ہے کیونکہ سر بہت اہم ہے۔ اسی طرح نماز بول کر پورا دین مراد لیا جا سکتا ہے۔ اور جس طرح سر کٹ جائے تو جسم مردہ بیکار ہو جاتا ہے اسی طرح اگر نماز چھوڑ دی جائے تو باقی اعمال ٹھیک نہیں رہتے۔ یہ فائدہ اَصَلٰوتُکَ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** نمازیوں کا مذاق اڑانا کفار کا طریقہ ہے۔ اور یہ بیماری آج کے فاسق وفاجر اور خدا سے غافل لوگوں سے شروع نہیں ہوئی بلکہ آج سے ہزاروں سال پہلے سے ہے۔ یہ نئی روشنی نہیں بلکہ پرانی ظلمت واندھیرا ہے۔ ہر کافر وفاسق نمازیوں کو صرف اس لئے طعن کرتا

کرتاہے کہ وہ گھبراتا ہے کہ یہ ہم کو برائیوں سے نہ روکے۔ اور ہماری آزادی اور خود مختار بے راہ روی کے لئے آڑنہ بن جائے۔ یہی وجہ ہے کہ بدکار اور بد دیانت انسانوں کو متقی پرہیز گار مخلص مومن ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اس کی دینداری نمازیں۔ صرف تنقید و مذاق بنتی رہتی ہیں یہ سبق و فائدہ حَلِیْمُ الرَّشِیْدُ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف نماز روزے کا نام ہی نہیں اور رب تعالیٰ کی فرمانبرداری صرف مسجدوں میں سجدہ ریزی سے ہی نہیں مکمل ہو جاتی۔ بلکہ ہر شعبۂ معیشت میں رب کی حاکمیت تسلیم کرتے ہوئے۔ اسی کے احکام و قوانین کو زندگی کا نمونہ بنایا جائے۔ آج ہمارے معاشرے کا کتنا غلط طریقہ ہو گیا ہے کہ بیوقوف مسلمانوں نے اسلام کو صرف مسجدوں تک محدود سمجھ لیا اور قرآن مجید کو صرف الفاظ گردانی تک ہی جانا اور عوام نے اسلام کی پوری خدمت صرف اس کو سمجھ لیا کہ بچوں کو مسجدوں سے قرآن کریم کے الفاظ پڑھوا دیئے بس حق اسلام ادا ہو گیا قانون ہے تو کافرانہ معاشرہ ہے تو ظالمانہ رسم و رواج ہے تو ہندوانہ شکل و صورت ہے تو یہودیانہ۔ کھانا پینا ہے تو جانورانہ۔ یہی اخلاقی بیماریاں عذاب الٰہی کا باعث ہوتی ہیں ان سے مسلمانوں کو بچنا چاہیئے۔ یہ سبق اور فائدہ بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّکُمْ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** حلال رزق میں برکت ہے حرام میں بے برکتی دیکھو بکری دو بچے دیتی ہے اور بکریاں ہزاروں کی تعداد میں روزانہ ذبح ہوتی ہیں کتیا سویا کوئی نہیں مگر دنیا کے ہر گوشے میں ریوڑ بکریوں کے دیکھے جاتے ہیں کتیوں کے نہیں۔ سوروں کے شاذ و نادر یہ فائدہ خَیْرٌ لَّکُمْ فرمانے سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** توہین کی نیت سے اچھے الفاظ بولنے بھی کفر ہیں۔ دیکھو حلیم و رشید اچھے لفظ ہیں مگر کفار نے حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بنیت مذاق کہے تو یہ ہی کفر بن گیا۔ اسی لئے نعت گو شعرا کو نیت خیر چاہیئے کہ ثواب بقدر نیت ملتا ہے یہ فائدہ حَلِیْمُ الرَّشِیْد کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **چھٹا فائدہ** اللہ رسول کی تعریف کرنے کے لئے عقیدے کی درستی شرط اوّل ہے۔ مدین والوں نے شعیب علیہ السلام کو حلیم و رشید سمجھا مگر ان کے متعلق عقیدہ غلط رکھا تو ان کو یہ نبی کی تعریف مفید نہ ہوئی یہ فائدہ حلیم و رشید کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نعتیں غیر مسلم لکھتے ہیں مثلاً ھندو شاعروں نے یا جو نعتیں مرزا غلام قادیانی نے لکھیں اس پر ان کو کوئی ثواب نہیں۔ اسی طرح بدعمل شعراء جو نعتیں محض فن کاری چمکانے پیسے کمانے کے لئے لکھ لیتے ہیں وہ باعث ثواب نہیں۔ جو نبی کی ذات اہم ہے تو اس ذات کی نعت بھی اہم ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ یعنی یہ حلال نفع جائز منافع تم کو تب مفید ہے جب تم مومن بنو مفید اور خیر ہونے کے لئے ایمان کی شرط کیوں لگائی گئی جائز منافع تو کفار کو بھی مفید ہے۔ دنیا میں اس طرح کہ ناموری ہوگی جس سے تجارت خوب چمکے گی آخرت میں اس طرح کہ بد دیانتی کا عذاب نہ ہوگا لہٰذا یہ شرط بے فائدہ ہے **جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک تو وہی جو ہم نے تفسیر میں دیا کہ اِنْ کُنْتُمْ۔ ایک تفسیر کے مطابق شرط موخر نہیں اور اس کی جزا پہلا جملہ مبتدا اور خبر نہیں

یا صرف خَيْرٌ لَّكُمْ نہیں بلکہ یہ شرط مقدم ہے اور اس کی جزاء پوشیدہ ہے فَاحْمَدُوْا اللّٰهَ عَلٰی عَطِیَّۃِ اللّٰهِ تب تو کوئی اعتراض نہیں دوسرا جواب امام بن عبدالقادر رازی نے دیا کہ خَيْرٌ سے مراد صرف دنیوی فائدہ نہیں بلکہ رزق کی بقا۔ دنیوی برکات توفیق خیر۔ اور اخروی ثواب سب کو جامع ہے۔ جو ایمان لانے سے زیادہ ظاہر ہوگا کہ ایمانی چمک بھی نمایاں ہوگی آخرت کے عذاب عقاب سب سے مطلقاً امن ہوگی۔ اور کافر کو یہ فائدہ نہیں کہ جب اس کو دنیا و آخرت انجام کار عذاب کفر ہونا ہی ہے تو نوعیت عذاب کے تبدیل ہونے سے کیا فرق پڑے گا۔ جب عذاب ہی ہے تو کیا کفر کا کیا بد دیانتی کا معذب کے لئے یکساں۔ فائدہ تو تب ہے جب بالکل عذاب ختم ہو۔ اور اس کے لئے ایمان شرط ہے۔

ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم میری نصیحت کو مانو ایمان بمعنی تسلیم ہو **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ یہ جملہ مشبہ ہے اور حرف عطف اَوْ ہے معطوف علیہ نَتْرُكَ ہے۔ تو معنی یہ ہوا کہ اے شعیب تمہاری نماز تم کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم بتوں کی پوجا چھوڑ دیں اور یہ حکم دیتی ہے کہ ہم کریں اپنے مالوں میں جو ہم چاہیں اس سے لازم ہوا کہ نماز نے برائی کا حکم دیا جواب مفسرین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اَوْ بمعنی واؤ ہے اور عطف نترک پر نہیں بلکہ ما یَعْبُدُ پر ہے اَنْ مصدریہ نے نَفْعَلَ کو بمعنی مصدر بنا کر مفعول بہ کے درجے میں کر دیا ہے۔ اور معنی اس طرح ہے کہ اے شعیب تم کو تمہاری نماز یہ حکم دیتی ہے کہ ہم بتوں کی عبادت کو چھوڑیں اور اپنے مالوں میں اپنی من مانی کرنا چھوڑیں۔ لہٰذا اعتراض ختم ہو گیا کیونکہ اب معطوف علیہ معطوف دونوں ایک نَتْرُكَ کے تحت ہو گئے۔ بعض نے ایک اور نَتْرُكَ مقدر مانا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ فعل اَنْ نَّفْعَلَ جمع متکلم نہیں بلکہ اَنْ تفعل واحد مذکر حاضر ہے اور مطلب ہے ہمارے مالوں میں تم جو چاہو کرو۔ بہر حال اعتراض کسی صورت نہیں پڑتا۔

تفسیر صوفیانہ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ۔ اے حرص و ہوس کے پرستار و ہوس کا پیٹ تو کبھی بھرتا ہی نہیں۔ قناعت کے گوشۂ تنہائی میں بیٹھو صبر کی دکان کھول کر شکر کے سودے رکھو اعمالِ صالحہ عرفانِ کاملہ کی نعمتوں سے بازارِ قالب سجاؤ پھر جان لوگے کہ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ اللہ کے قرب کا بقیہ وصال انوار کا سچا نفع اولیاء قدس کی کرامات سنیہ کا ذخیرۂ درجات رفیعہ کا سرمایۂ راس المال ہی خیر دنیا جہان جن طریقوں سے تم دولت جمع کرنا چاہتے ہو وہ نرا فسادِ اعمال ہے جو باعثِ عذابِ نار ہے اگر تم شعیبِ بصیرت کے بتائے ہوئے اسرارِ غیبیہ پر ایمان لاتے ہو تب ہر عمل خیر ہے ورنہ ہر کام فساد شر ہے۔ جب تک تم ناصحِ اسرار کی بات نہ مانوگے اس وقت تک شرک خفی کے پردوں میں افکارِ باطلہ کے حجابوں میں حق سے محجوب رہوگے مالِ خبیث کی جستجو میں اپنے اوقاتِ عظیمہ ضائع کرتے رہوگے یہ حیاتِ عارضی طلبِ معاش میں برباد کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ مقامِ سفلیہ سے درجاتِ علویہ تک پہنچنے کے لئے یہ زندگی ملی ہے۔ نفسِ امارہ خواصِ بہیمیہ سکھاتا ہے۔ شریعت کمالِ انسانیت عطا فرماتی ہے تصوف کی وادی سے کمالِ روح اور رونقِ قلب حاصل ہوتی جب بندۂ صدق دل سے شاہراہ

شرع کو چھوڑ طریقت پر گامزن ہوتا ہے تو عین حفاظت جلال میں آجاتا ہے پھر کسی حفاظت کی ضرورت نہیں رہتی لیکن ظلم و فساد کے انتہائی گہرے غار میں گرنے والے کی حفاظت کون کرتا ہے۔ بچانے والا بھی کہہ دیتا ہے وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ ۔ میں تمہاری حفاظت نہیں کر سکتا نہ ہر وقت تم کو سنبھالنے کی ذمہ داری قبول کر سکتا ہوں میرا کام سمجھانا تھا درس بصیرت سے بصارت کو جگانا تھا۔ تم نہیں مانتے لہٰذا میں ذمہ دار نہیں قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ جب شعیب بصیرت نے کہا کہ اے قالب مدین میں رہنے والو جو سعادتیں بارگاہ رب العزت میں اور کمالات دربار احدیت میں تمہارے لئے باقی ہیں وہی خیر ہیں ان تجارات فانیہ سے تو مدین قالب والے بولے اے بصیرت فطریہ کیا تیری ریاضت اور عبادات جو ہمارے عقل و ہوس سے وراء ہے۔ تجھ کو اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم اس پرستش کو چھوڑ دیں جو ہمارے بت پرست باپ دادا کرتے رہے یعنی نفس امارہ جو سب کفریات و فواسق کا باپ دادا ہے بتِ خواہشات اور صنمِ حرص و ہوس کا پرانا پجاری ہے اسی کے حکم اور اسی کی نقل میں دماغ و عقلیات، شیطانیہ حرص و ہوس کی نجاستوں سے ملوث ہوتے اور بدباطنی سے ذلت کو عزت۔ خیانت کو امانت داری۔ دولت فانی کو خزانۂ باقی سمجھنے لگے حیات دنیا کے جھمیلوں میں جب تک مشغول رہتے تب تک عیش و عشرت کو ہی مقصدِ دنیا سمجھتے ہیں مگر موت کی کڑواہٹ سب لذتوں کو ختم کر دیتی ہے۔ تمام کمائیاں لٹ جاتی ہیں باقی صرف ذکر خدا نعت مصطفٰے کا خزانہ ہے موت سے پہلے بدخصلت کو سمجھ نہیں آتی اور کہتا ہے کہ اعضاءِ ظاہری میرے غلام ہیں ان کے اعمال میری دولت اور میرے مال ہیں۔ ہم اپنے مال میں جو چاہیں کریں ہر خود پرست اور دولت کا پجاری اسی خیال خام میں مبتلا ہے وہ نہیں جانتا کہ ہر چیز کسی اور ہی ذات کی امانت ہے مالک کائنات ملکیت عارضی تو عطا فرما دیتا ہے مگر اس ملکیت سے ناجائز فائدہ اور ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ ذات یکتا جَلَّ مجدہٗ کو کسی نے دنیا میں دیکھا نہیں مگر منشا اسی کا پورا ہوتا ہے۔ ہر طرف قانون اسی کا جاری و ساری ہے۔ غلبۂ تامہ اسی کا ہے بندوں کے پاس یہ سب طاقتیں اور قوتیں دولتیں چند روزہ ہیں چشم بصیرت دیدۂ بصارت کو یہی سمجھاتی بتاتی ہے مگر ناسمجھ نصیحت و عبرت کے بجائے الٹا زبان طعن دراز کرتے ہوتے کہتے ہیں کہ کیا تو ہی سارے قالب ناسوتی میں حلم اور بردباری والا اور علم و لیاقت و ہدایت والا رہ گیا ہے۔ یہ گفتگو اگرچہ بطور طعن کی جاتی ہے مگر اہل حقیقت جانتے ہیں کہ واقعی شعیب بصیرت حلیم و رشید ہے۔ سب قوتوں پر اس کا غلبہ ہے۔ مگر یہ حقیقت کس سے پوشیدہ ہے کہ شریعت اسلام جتنی آسان ہے راہ تصوف اتنا ہی مشکل ہے۔ اس پر چلنا اغیار کے طعنے برداشت کرنا ہر ایک کا کام نہیں (عرائس البیان۔ ابن عربی)

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ

فرمایا اے قوم میری رائے دو تم اگر ہوں میں پر روشن دلیل طرف سے رب اپنے

کہا اے میری قوم بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل

وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ

اور رزق دیا اُسنے مجھ کو پاس سے اپنے رزق اچھا اور نہیں چاہتا میں یہ کہ خود مخالفت کروں

پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے اچھی روزی دی اور میں نہیں چاہتا ہوں

اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا

میں تمہاری طرف اس بات کے منع کروں میں تم کو سے جس نہیں چاہتا میں مگر درستی جتنی

کہ جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگوں میں تو

الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ

جہاں تک بنے سنوارنا ہی چاہتا ہوں اور نہیں ہے توفیق میری مگر سے طرف اللہ

جہاں تک بنے سنوارنا ہی چاہتا ہوں اور میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَا

کی پر ہی اس بھروسہ کیا میں اور ہی طرف اس کی لوٹتا ہوں اور اے قوم میری نہ مجرم

میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں اور اے قوم میری ضد

يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْۤ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ

بنا دے تم کو مخالفت میری یہ کہ پہنچے تم کو مثل اس کے جو پہنچا قوم نوح کو یا قوم

پر نہ کمواوے کہ تم پر پڑے جو پڑا تھا نوح کی قوم

قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ

یا قوم ہود کو یا قوم صالح کو اور نہ گزری قوم لوط سے تم کچھ دور پر اور لوط کی قوم تو کچھ

یا ہود کی قوم یا صالح کی قوم پر اور لوط کی قوم

مِّنۡكُمۡ بِبَعِيۡدٍ ﴿۸۹﴾
تم سے دور نہیں
تو کچھ تم سے دور نہیں

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت شعیب کی سیدھی سادھی تبلیغ اور سمجھانے کا ذکر تھا جس کا انہوں نے بے سوچے سمجھے محض باپ دادا کی رسمیں سمجھتے ہوتے فقط ضد سے انکار کیا تھا۔ اب ان کو دعوت غور وفکر اور عقل سے کام لینے کی تبلیغ نقل کی گئی کہ اے بدنصیبو ہٹ دھرمی نہ کرو بلکہ عقل سے سوچو تب بھی میری حقانیت آشکارا ہو جاتے گی **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں قوم مدین کی لالچی اور حریصانہ فطرت کا ذکر ہوا۔ اب بتایا جارہا ہے کہ انبیاء کرام۔ متوکل علی اللہ اور قناعت پسند اور حرص وہوس ولالچ وطمع سے بالکل پاک صاف وطیب ومنزہ ہوتے ہیں **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں کافروں کے حرام مال اور پلید روزی کا ذکر ہوا جو وہ ظلماً اور دھوکہ دہی سے حاصل کرتے تھے۔ اب انبیاء کرام کے طیب مال ودولت اور رزق حسن کا ذکر ہے کہ اے لوگو رب کریم کی روشن دلیل ہدایت وعلم کی کوشش کرو۔ رزق حسن خود بخود تم کو ملتا رہے گا جیسے کہ مجھ کو بینہ بھی عطا ہوئی تو اس کے سبب سے وافر رزق حسن بھی۔

تفسیر نحوی قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ وَرَزَقَنِىۡ مِنۡهُ رِزۡقًا حَسَنًا —— قَالَ فعل ماضی خطاب ہے حضرت شعیب کا یَا قَوۡمِ فقرہ ندائیہ ہے مقولہ ہے قول کا اَرَءَيۡتُمۡ۔ آری ء سے بنا جس کا معنی ہے قلب ونظر سے دیکھنا بغور دیکھنا مراد ہے غور کرو اِنۡ كُنۡتُ فعل تامہ جملہ شرطیہ ہے اس کی جزا پوشیدہ ہے یعنی اگر میں اتنا انعام یافتہ ہوں تو کیا میں تبلیغ روک سکتا ہوں کُنۡتُ فعل با فاعل ہے عَلٰی بَيِّنَةٍ علی جارہ بینۃ مجرور بَیَّنَ سے مشتق ہے بمعنی ظاہر دلیل مِنۡ ظرفیہ بمعنی قبل رَبِّیۡ مرکب اضافی ہے یاء متکلم کی طرف واؤ عاطفہ رَزَقَ فعل ماضی نون وقایہ یعنی اعراب کو بچانے والی نون یاء متکلم مفعول بہ رِزۡقٌ سے مشتق ہے مِنۡ بمعنی قبل طرف سے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب سے ذات پاک رِزۡقًا مفعول مطلق ہے موصوف ہے حَسَنًا صفت ہے۔ حُسۡنٌ سے بنا بمعنی نفع اور فائدے والا جس میں لذت بھی ہو وَمَا اُرِيۡدُ اَنۡ اُخَالِفَكُمۡ اِلٰى مَاۤ اَنۡهٰٮكُمۡ عَنۡهُ ۔ واؤ سرجملہ مانافیہ اس کے بعد اَنۡ پوشیدہ یعنی نہیں یہ بات کہ ارادہ کروں تمہاری مخالفت کا اُرِيۡدُ فعل مضارع بحالت رفع ہے کیونکہ اَنۡ ظاہر نہیں ان ناصبہ اپنے منصوب کے ساتھ مفعول بہ ہے اُرِيۡدُ کا اُخَالِفَ فعل مضارع اپنے معنی میں اَنَا ضمیر فاعل کا مرجع حضرت شعیب ہیں کُمۡ ضمیر مفعول بہ اِلٰی جارہ انتہا کے لئے مَا موصولہ اَنۡهٰی فعل مضارع متکلم باب فَتَحَ سے نَهۡیٌ سے بنا ہے کُمۡ مفعول

بہ کا مرجع قوم عَنْہُ جار مجرور متعلق ہے اَنْہٰی کے ہُ کا مرجع اصلاحی فعل یعنی جو ما صولہ کا مطلب ہے۔ عَنْ برئ
ترک فعل کے لئے ہے اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ اِنْ نافیہ اُرِیْدُ فعل مضارع میں حصر پیدا کیا اِلَّا
حرف استثناء نے نفی کو توڑا لغو عمل ہے اَلْاِصْلَاحُ صُلْحٌ سے بنایا گیا ہے باب افعال کا مصدر بحالت زبر ہے۔
مفعول بہ کی وجہ سے بعض نے کہا بدل بعض کا بدل منہ ہے۔ بعض نے کہا بدل اشتمال کا ہے تب یہاں منہ مقدر ہے
بعض نے کہا بدل کل کا ہے۔ تنوین سے مانع الف لام عہد ذہنی ہے۔ معنٰی ہیں درستی۔ مَا موصولہ نے مصدری معنٰی پیدا
کئے ظرفیت کیلئے ہے اِسْتَطَعْتُ عامل ہے ما موصولہ میں اگر لفظ اصلاح مبدل منہ ہو تو یہ بدل ہے۔ اِسْتَطَعْتُ باب
استفعال کا ماضی ہے طَوْعٌ سے مشتق ہے بمعنٰی طاقت پانا یا طوعٌ سے مشتق ہے بمعنٰی وہ کام کرنا جس سے خوشی محسوس
ہو دراصل تھا اِسْتَطْوَعْتُ۔ واؤ کی حرکت فتح ماقبل کو دی اور واؤ کو الف سے بدل دیا۔ پھر الف گر گیا ساکنین کی وجہ سے
وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔ واؤ ابتدائیہ ما نافیہ برائے توفیق باب تفعیل کا مصدر ہے وَفْقٌ
سے بنا بمعنٰی مقصد کے مطابق حالات درست ہونا یاء کی طرف مضاف اِلَّا نے نفی کو توڑ جس سے حصر پیدا ہوا۔ با بمعنٰی علی
ہے لفظ اللہ مجرور۔ علی جارہ اپنے مجرور کے ساتھ مقدم ہوا تَوَكَّلْتُ اپنے عامل فعل پر جس سے حصر پیدا ہوا۔ تَوَكَّلْتُ وَكْلٌ
سے مشتق ہے بمعنٰی سپرد کرنا بھروسہ کرنا باب تفعّل کا ماضی متکلم ہے واؤ عاطفہ الیہ جار مجرور کے تقدم نے بھی حصر پیدا کیا
اُنِيْبُ باب افعال کے مصدر اِنَابَةٌ سے مشتق ہوا اِنابت کا معنٰی طلب توفیق ہے فعل مضارع متکلم ہے بمعنٰی ماضی
وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ واؤ سر جملہ یا حرف
ندا اس کے منادی حضرت شعیب علیہ السلام ہیں اور منادیٰ مرکب اضافی بسوء یاء متکلم قوم ہے۔ مضاف الیہ محذوف
ہے کلام خفیف کرنے کے لئے لَا يَجْرِمَنَّ نہی معروف با نون ثقیلہ جرمٌ سے مشتق ہوا متعدی بدو مفعول ہے كُمْ ضمیر مذکر
جمع مفعول اوّل ہے اس کا مرجع قوم شعیب ہے۔ شقاق بروزن فعال کتاب حساب بمعنٰی مشقوقٌ اسم مفعول بزمانہ ماضی
یا بمعنٰی مصدر ہے شُقُوْقٌ سے بنا لغوی ترجمہ چرنا۔ یہاں مراد مخالفت ہے یاء متکلم مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی فاعل ہے
لَا يَجْرِمَنَّ کا۔ اَنْ ناصبہ مصدریہ اپنے منصوب سے مل کر مفعول دوم ہے لَا يَجْرِمَنَّ کا۔ يُصِيْبَ فعل مضارع باب افعال
ہے جو صَيْبٌ سے مشتق ہے بمعنٰی لگنا یا پہنچنا كُمْ ضمیر مفعول بہ ہے۔ مِثْلُ لفظ تشبیہ ہے بحالت رفع فاعل ہے
مثل کا تنوین سے مانع اضافت ہے ما اسم موصول بحالت جر معنوی بوجہ مضاف الیہ ہونے کے اَصَابَ فعل ماضی
متعدی بیک مفعول یہ جملہ صلہ ہے قَوْمَ نُوْحٍ مرکب اضافی مفعول بہ ماقبل فعل کا اَوْ حرف عطف قَوْمَ ہود مرکب اضافی
درمیانی عطف اَوْ عاطفہ قَوْمَ صالح آخری عطف۔ حرف اَوْ برائے تفریق یہ سب عبارت اَنْ يُّصِيْبَ سے مل کر مفعول
دوم لَا يَجْرِمَنَّ کا۔ یہ سب جملہ تعلیلیہ ہے وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ۔ واؤ سر جملہ یہ جملہ ابتدائی ہے تعلیل ثانی کیلئے
ما نافیہ قوم مرفوع ہے بوجہ مبتدا ہونے کے لُوْطٍ لفظ لوط مضاف الیہ ہے۔ ما نافیہ کے بعد کَانَ تامہ پوشیدہ ہو تو قوم

اس کا فاعل ہے اور من جارہ اپنے مجرور سے مل کر اس فعل پوشیدہ کا متعلق اوّل ہے مِنْ ابتداءِ مکانی یا زمانی کیلئے
بعید باء زائدہ حرف جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق دوم ہے کان پوشیدہ کا بعید بر وزن فعیل مبالغے کا ظرف زمانی
یا مکانی ہے۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَّمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

فرمایا حضرت شعیب نے اے میری قوم تمہاری باتیں سن لیں سمجھ لیں کہ میرے بارے اور میری نصیحتوں کے بارے تم کو شک ہے میں تمہارا شک بجز اس کے کس طرح دور کر سکتا ہوں کہ تم خود غور کر کے مجھ کو رائے دو اور خبر دو اگر میں واقعی اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے ظاہر روشنی یعنی نبوت کے ساتھ ہوں اور اس نے مجھ کو نبی بنا کر اس وعظ کرنے کی وحی فرمائی ہو۔ اور اس ہی اللہ کریم نے مجھ کو اپنے پاس سے بلا محنت و مزدوری رزق حسن یعنی نبوت حکمت خطابت سمجھداری عقل سلیم کا رزق بھی دیا ہو یا تم اے قوم والو دیکھتے ہو کہ اس رب نے مجھ کو کتنا رزق حسن یعنی مال دولت دے رکھا ہے جس میں حرام کا شائبہ بھی نہیں، روایات سے ثابت ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام بہت امیر آدمی تھے چھ پیغمبران کرام بہت مالدار گذرے ۱ ابراہیم علیہ السلام ۲ شعیب علیہ السلام ۳ داؤد علیہ السلام ۴ ایوب علیہ السلام ۵ سلیمان علیہ السلام ۶ حضرت ذی القرنین ان کی نبوت میں اختلاف ہے۔ سوچو کہ آخر میں اپنے اس رب کریم کے کہنے سے تبلیغ کیوں نہ کروں اور جو چیز تم کو تباہ کر رہی ہے ہلاکت کے قریب لے جا رہی ہے میں اس سے تم کو کیوں نہ روکوں۔ میرے اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد یہی ہوا کرتا ہے۔ تم باوجود اپنے تمام جوہروں فلسفوں ہنر مندیوں عقلوں کے علم نبی کے سامنے مثل نادان بچوں کے ہو۔ اپنی سمجھ لوجھ کے ذریعے برائیوں تباہیوں سے نہیں بچ سکتے کوئی عقل والا بھی نہیں بچا سکتا جب تم کو بچائے گا تو دامن نبی ہی بچائے گا۔ جن برائیوں سے میں تم کو بچانا چاہتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں تم باز آ جاؤ میں ارادہ بھی نہیں کر سکتا کہ خود ان ہی برائیوں کی طرف لگ جاؤں۔ اس طرح کہ تم تو بچ جاؤ اور میں وہی برے کام کرنے لگ جاؤں اور تمہارے مخالف کام کرنے لگ جاؤں یا اس طرح کہ تم کو نصیحت کرنے سے پیچھے ہٹ جاؤں یا اس طرح کہ میرے دل میں کوئی لالچ ہو سنو میرے دل میں یہ طمع نہیں کہ تم کو ہٹا کر خود اسطرح کا کاروبار شروع کر دوں اور تمہاری ناجائز تجارت پر خود قابض ہو جاؤں۔ کیا تم نے کبھی مجھ کو میری ساری زندگی میں اس قسم کی بد دیانتی کرتے دیکھا ہے میں ایسا واعظ نہیں کہ صرف زبانی وعظ کروں عمل نہ کروں۔ روایت میں آتا ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے ابن مریم پہلے خود کو وعظ کر پھر لوگوں کو۔ ورنہ وعظ چھوڑ دے (روح البیان) اور جب اے قوم مدین والو تم جانتے ہو دیکھتے ہو کہ میرا عمل و قول برابر ہے تو سمجھ لو کہ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ۔ میں فقط یہی چاہتا ہوں کہ اصلاح ہو اور نہیں ارادہ کرتا میں مگر طاقت کے مطابق اصلاح و درستی پر معاشرہ کا۔ یا نہیں ارادہ کرتا ہوں میں مگر اس درستی کی جو مجھ

کو طاقت ہے۔ ما استطعتُ کا ما یا مصدریہ ہے یا موصولہ۔ اعلیٰحضرت کے ترجمے میں ما مصدریہ ہے جس سے کلام
میں زیادہ جذبہ و ہمت کا اظہار ہوتا ہے۔ بعض نے ما مصدریہ کو ظرف کی جگہ مانا ہے۔ تب مطلب یہ ہوگا کہ جب
تک میں تم میں رہوں گا اصلاح و درستی کے سبق ہی دیتا رہوں گا خواہ تم مجھ سے راضی ہو یا ناراض۔ شیخ سعدی نے فرمایا

شعر
بگو آنچہ دانی سخن سود مند — وگر ہیچ کس را نیاید پسند

اور یہ توفیق مجھ کو صرف میرے رب نے عطا کی ہے لہٰذا میں کسی ظالم سے ڈرتا نہیں بلکہ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ اسی ذات کریم پر میں
نے بھروسہ کیا ہے اس لئے کہ وہ قادر ہے ہر مقدور پر اور ماسوا اللہ عاجز ہیں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تم کو اپنی اولاد یا مال،
پر بھروسہ ہوگا کہ اس طرح کے طعن و تمسخر کرتے ہو۔ مجھ کو نہ مال پر بھروسہ ہے نہ اولاد پر۔ اسی اللہ پر توکل ہے۔ علیہ کو مقدم کرنے
سے حصر کا فائدہ ہوا۔ بدیں وجہ میں اپنے سارے کام کاج معاملات اپنی ذات و صفات کو اسی رب کریم کی طرف لوٹاتا ہوں
ہر بات میں اسی کا سہارا لیتا ہوں یا جو کچھ میں تم کو تبلیغ کر رہا ہوں سب اسی سے پوچھ کر ہے۔ میں نے اس پر بھروسہ کیا
تم مجھ پر بھروسہ یعنی اعتماد کرو میں تم کو غلط راہ نہیں ڈال رہا۔ میری پہنچ رب تک ہے اور تم مجھ تک پہنچنے میرے قریب آنے
کی کوشش و ہمت کرو۔ میں تم کو اسی اچھائی کا حکم دے رہا ہوں جس کا اپنے آپ کو کافی مدت سے پابند کئے ہوتے ہوں
کیا شان ہے حضرت شعیب کے اس تبلیغی وعظ کی مختصر سے کلام میں بلاغت کے دریا بہا دیئے۔ بینۃٍ فرما کر بتا دیا کہ علم ہدایت
عقل۔ دین۔ نبوت۔ لیاقت۔ امانت الٰہیہ میرے ہی پاس ہے رزقنی فرما کر بتایا کہ میں کوئی بھوکا ننگا نہیں کہ تمہارا رعب
برداشت کروں۔ رزقاً حسناً فرما کر بتایا کہ روحانی رزق۔ جسمانی رزق۔ دنیوی رزق۔ اخروی رزق۔ حلال رزق۔ مفید چیزیں
برکتیں۔ رحمتیں تو سب مجھ کو دے دی گئیں ہیں تم مجھ سے جدا ہو کر یہ خزانے کہاں سے پاؤ گے یہ سب خزانے تو آستانۂ
نبوت سے ملتے ہیں اَرَءَيْتُمْ کہہ کر یہ بتایا کہ یہ گفتگو تمہارے اس طعن کا جواب ہے جو تم نے حَلِيْمُ الرَّشِيْدُ کہہ کر دیا تھا واقعی
میں حلیم ہوں کہ رب تعالیٰ کے حکم کی تبلیغ نہایت حلم و بردباری سے کر رہا ہوں اور واقعی میں رشید ہوں کہ رب کی
امانت رکھنے لینے کے لائق ہوں۔ تم نے تو حلیم و رشید کہہ کر یہ طعنہ دیا کہ اے شعیب تم حلیم و رشید ہو کر ہم کو بت
پرستی سے منع کرتے ہو۔ میں جواباً کہتا ہوں کہ چونکہ میں حلیم و رشید ہوں اسی لئے تم کو منع کر رہا ہوں۔ اور کیوں نہ منع
کروں کہ اس ذات پاک نے مجھ کو اتنی نعمتوں سے نوازا نبوت دی وحی بھیجی رزق حلال دیا۔ یہاں یہ جواب پوشیدہ ہے
بھلا میں اس کا حکم کیوں نہ مانوں جو اتنی نعمتیں لے کر منعم کا حکم نہ مانے وہ تو خائن ہے۔ اَنْ اُخَالِفَكُمْ کے بعد اِلٰى فرمانے
میں یہ فائدہ ہوا کہ جو تم کر رہے ہو وہ میں نہ کروں گا۔ اگر یہاں حرف عَنْ ہوتا مطلب الٹ ہوتا۔ مقصد کلام یہ کہ اے
مدین والو مجھ کو رلاتے دو کہ جب مجھ کو دنیا و آخرت کی روحانی جسمانی اتنی دولتیں مل ہیں تو کیا میرے پاس کوئی گنجائش
باقی رہ گئی ہے کہ میں رب تعالیٰ کے حکم کی تم کو تبلیغ نہ کروں۔ لہٰذا تم میرے قول و عمل سے متاثر ہو کر بد دیانتی سے باز آ
جاؤ اور پھر دیکھنا کہ جس راہ سعادت پر میں نے تم کو چلایا ہے میں بھی اس میں تم سے پیچھے نہ رہوں گا لہٰذا اب تم بھی راہ

راہ راست پر آجاؤ ۔ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۔ اور اے میری قوم میں چاہتا ہوں کہ نہ مجرم بناتے تم کو یا نہ مجرم بڑھاتے تم کو میری مخالفت اور دشمنی لَا يَجْرِمَنَّ یہاں متعدی بدو مفعول ہے پہلا مفعول ضمیر کم ہے دوسرا مفعول اَنْ يُصِيْب اس حالت کو کہ پہنچے تم کو اس کی مثل عذاب جو پہنچا حضرت نوح کی قوم کو غرق سے ۔ یا قوم ھود کو آندھی سے یا قوم صالح علیہ السلام کو چیخ سے ۔ ان تاریخی عذاب کے واقعات کو تم جانتے ہو تم اپنے بڑوں سے سب کچھ سن رکھا ہے ۔ قصوں کی کتابوں میں تم نے یقیناً پڑھا بھی ہوگا اور اب میں تم کو سنا رہا ہوں ۔ لیکن ان دور کے واقعات کو اگر بھول چکے ہو تو وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ قوم لوط کے عذاب و ہلاکت کا واقعہ تو تم کسی طرح بھی دور نہیں ۔ نہ ان کے عذاب کو زیادہ زمانہ گذرا ۔ نہ ان کی بستی کے کھنڈرات تم سے زیادہ دور ہیں اس تباہ شدہ اجڑی بستی کو تم دن رات آتے جاتے سفروں میں دیکھتے ہو ان کی تو ہڈیاں بھی ابھی سفید نہیں پڑیں یہ تفسیر زیادہ مناسب ہے کیونکہ زمانی بُعد تو بہت زیادہ ثابت کہاں زمانہ ابراہیم و لوط ۔ کہاں زمانہ شعیب و موسیٰ علیہم السلام نہ ان کا جرم تمہارے جرم سے کچھ زیادہ دور ہے کہ وہ بدکار ہو کر ظالم بنے تو بددیانت ہو کر ۔ آخر تم میں کون سی صلاحیت ہے کہ تم پر وہ عذاب نہ آتے اگر تم اپنے اسی بطلان پر ڈٹے رہے تو عذاب یقیناً آتے گا ۔ لفظ قوم مذکر و مونث میں یکساں ہے اسی لئے بعید واحد لایا گیا کیونکہ لفظ بعید ۔ قریب ۔ قلیل ۔ کثیر مصادر کے ہم وزن ہونے کی بنا پر تذکیر و تانیث میں برابر ہوتے ہیں ۔ شقاقی میں اضافت مفعولی ہے ۔ یعنی تمہاری دشمنی مجھ سے ہے لہٰذا میری دشمنی میں اتنی ہمیشگی نہ دکھاؤ بلکہ ان واقعات گزشتہ سے عبرت پکڑ لو ۔ بعض نے فرمایا کہ قوم لوط اور قوم مدین بلحاظ رشتہ داری کے بھی بہت قریب تھے کچھ بُعد نہ تھا اس لئے فرمایا کہ تمہارے یہ رشتہ دار جنہوں نے اپنے نبی کی مخالفت کی تو ان کی شقاق کا جو نتیجہ نکلا وہی تمہارا انجام ہونا ہے ۔ نبی کا ہم قوم ہونا اگرچہ بڑا درجہ ہے مگر نہ ان کو مفید رہا نہ تمکو مفید رہے اگر تم نے عبرت نہ لی ۔ بعض نے کہا کہ قوم لوط طاقت میں تم سے دور یعنی کم نہ تھی یا تعداد افراد میں تم سے کم نہ تھی ۔ یا دولت میں تم سے کم نہ تھی ۔ ان تفسیروں میں بعید بمعنیٰ کم ہے ۔ اور یہ جملہ خبریہ ماضی بعید کے معنیٰ میں ۔ اور مطلب یہ کہ ان کی طاقت ۔ دولت ۔ نفری ان کے کام نہ آئی تو تم کو یہ چیزیں عذاب سے کس طرح بچا سکتی ہیں لہٰذا ان پر گھمنڈ مت کرو ۔ اور آستانۂ نبی پر پناہ لو ۔ لفظِ بعید ان تمام احتمالات کا جامع ہے یعنی معنیٰ بن سکتے ہیں ایک غیر معروف روایت ہے کہ قوم مدین کی تعداد بھی چار لاکھ تھی اور قوم لوط کی تعداد بھی اتنی ہی تھی ۔ اور حضرت شعیب کے اس فرمان کے وقت ۔ قوم لوط کی ہلاکت کو تقریباً آٹھ ہزار چار سو ستر سال گذرے تھے یہاں قوم لوط کے لئے قرب کا ذکر بمقابلے دیگر عذابوں کے ہے کہ قوم لوط کا عذاب قوم عاد و ثمود کے بعد ہے اس درمیان مدین تک کوئی عذاب نہیں ۔ ورنہ قوم لوط و مدین میں بہت دراز فاصلہ ہے کہ لوط ہم زمانۂ ابراہیم اور شعیب علیہ السلام ہم زمانۂ موسیٰ ہیں (مواہب مع زیادت) کبیر ۔ معانی ۔ بیان ۔ جمل ۔ مظہری ۔ خازن)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** حلال روزی سے صرف جسم کو ہی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ روحانی ایمانی ہر طرح فائدہ حاصل ہوتا ہے یہ فائدہ رزق کو حسن کہنے سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** حلال رزق وہ ہے جس میں حرام کا شائبہ بھی نہ ہو لہٰذا مخلوط مال کو رزق حلال نہیں کہا جا سکتا۔ یہ فائدہ بھی رزقاً حسناً سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** انبیاء کرام گناہ تو درکنار ارادۂ گناہ سے بھی معصوم ہیں۔ نہ وہ گناہ پر قادر۔ یہ فائدہ ما اُرِیْدُ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا بلکہ انبیاء کرام کی طرف سے شیطان مایوس ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے شروع میں ہی کہہ دیا تھا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اے ابلیس میرے بندوں پر تیرا کوئی داؤ نہیں چل سکتا۔ ارادۂ گناہ بھی ابلیسی داؤ ہے۔ لہٰذا انبیاء کرام اس سے معصوم ہیں۔ شیطان کو خود بھی پتہ ہے کہ انبیاء کرام پر میرا فریب نہیں چل سکتا۔ لہٰذا جو شخص یہ کہے کہ انبیاء کرام گناہ کر سکتے ہیں مگر کرتے نہیں وہ شیطان سے بدتر ہے **چوتھا فائدہ** کوئی شخص رب تعالیٰ کی ہدایت نبی اکرم کی دستگیری کے بغیر محض اپنی عقل سے اسلام کی توفیق نہیں پا سکتا نہ سچے راستے کو سمجھ سکتا ہے یہ فائدہ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ فرمانے سے حاصل ہوا۔ فرمایا یہ جا رہا ہے کہ اے لوگو۔ میرا ہاتھ رب کے ہاتھ میں ہے اور تمہارا میرے ہاتھ میں ہونا چاہیئے۔ میں رب کا محتاج تم سب میرے محتاج ہو **پانچواں فائدہ** رب تعالیٰ سے براہ راست تعلق بلا وسیلہ صرف پیغمبران کرام کا ہوتا ہے۔ باقی لوگ ان کے وسیلہ سے رب تعالیٰ تک پہنچ سکتے ہیں۔ نبی کو چھوڑ کر یا ان پیاروں کی مخالفت کر کے کوئی کتنے ہی اچھے کام کرے خدا تک رسائی نہیں ہو سکتی یہ فائدہ شِقَاقِیْ سے حاصل ہوا **چھٹا فائدہ** جب انسان کو شیطان ورغلا دے تو وہ اولیاء انبیاء کی مخالفت میں ایسا اندھا ہو جاتا ہے کہ اپنے نفع نقصان کو بھی نہیں سوچتا یہ سبق اور فائدہ بھی شقاقی اَنْ یُّصِیْبَكُمْ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِیْدٍ۔ ترکیب نحوی کے اعتبار سے لفظ بعید متعلق ہے کان تامہ پوشیدہ کے اور مراد قوم کی حالت ہے۔ جیسا کہ تفسیر نحوی سے ثابت ہو چکا لفظ قوم معناً جمع ہے اور لفظاً مونث ہے۔ کیونکہ اس کی تصغیر قُوَیْمَۃٌ آتی ہے تو یہاں لفظ بعید واحد اور مذکر کیوں آیا چاہیئے تھا کہ یا بَعِیْدَۃٍ آتا یا بَعِیْدِیْنَ آتا ۔ کسی چیز کا تو لحاظ رکھا جاتا۔ یا بُعَدَاءٍ جمع مکسر آتا۔ جواب اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب یہاں ھلاک پوشیدہ دراصل تھا وَمَا کَانَ ھَلَاكُ قَوْمِ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِیْدٍ۔ لہٰذا لفظ بعید کا تعلق قوم سے نہیں بلکہ لفظ ہلاک سے ہے اور ہلاک واحد بھی ہے مذکر بھی ہے اس لئے بعید واحد مذکر بالکل ٹھیک ہے دوسرا جواب جو ہم نے تفسیر میں دیا ہے کہ لفظ قوم اور لفظ بعید مذکر مونث سب کے لئے یکساں مستعمل ہے۔ اسی طرح قوم اگرچہ معنیً جمع ہے مگر لفظاً واحد ہے اور ظاہری طور پر لفظی حکم جاری ہوگا نہ کہ معنی کا رہی تصغیر تو قُوَیْمٌ بھی آتی ہے قُوَیْمَۃٌ بھی جب ذوی العقول کے لئے لفظ قوم استعمال ہوگا تو تصغیر قُوَیْمٌ ہوگی جب غیر ذوی العقول کے لئے ہو تو تصغیر قُوَیْمَۃٌ ہوگی (تفسیر روح المعانی و مسائل الرازی) **دوسرا اعتراض** یہاں حضرت شعیب نے اَرَءَیْتُمْ کیوں فرمایا۔ یہ سوال تو شک کے لئے ہوتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ بعض دفعہ انبیاء کرام کو اپنی نبوت بھول جاتی ہے یا ابتداءً نبی کو معلوم نہیں ہوتا کہ میں نبی ہوں

حضرت شعیب علیہ السلام کی یہ پہلی تبلیغ تھی اس لئے ابھی یقین سے نہیں کہہ سکتے تھے بدیں وجہ فرمایا اَرَءَیْتُمْ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پہلی وحی پر غار حرا میں جبرائیل علیہ السلام کو نہ پہچانا تھا (وہابی) اور جب انبیاء کرام بھول سکتے ہیں تو حضرت جبرائیل بھی وحی کے مقام اور مہبط وحی کو بھول سکتے ہیں کہ بعض وحی حضرت علی کی طرف لانے کی بجائے محمد مصطفےٰ کی طرف لے آئے (رافضی شیعہ) جواب یہ اعتراض دو شقوں میں ایک شق وہابیوں نے نکال کہ گستاخیٔ نبوت کی دوسری شق شیعہ لوگوں نے بنا کر کفر کیا۔ مگر ہر دو کا جواب تحقیقی یہ ہے کہ نہ انبیاء کرام کو بھول ہوتی ہے نہ جبرئیل علیہ السلام کو اگر معاذ اللہ نبوت یا وحی میں بھول کا امکان ہو تو سارا دین۔ قرآن بلکہ توحید و رسالت اور کل صفات باری مشکوک ہو جائیں اَرَءَیْتُمْ فرمانا قوم کفار کے لحاظ سے ہے اور یہ کفار کو دعوت فکر ہے جس سے سمجھنا سہل ہوجاتا ہے۔ بس یہ سمجھانے کا ایک فصیحانہ طریقہ ہے نہ کہ شک کے لئے اور مدمقابل کے منہ سے جواب سننے کے لئے ایسا کلام کیا جاتا ہے۔ جیسے مناظر اپنے مقابل سے کہتا ہے کہ بتاؤ کیا یہ بات تمہاری کتاب میں لکھی ہے کہ نہیں یا بتاؤ اس وقت دن ہے کہ نہیں ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ بات میری کتاب میں ہے اور سب جانتے ہیں کہ اس وقت دن ہے شک کسی کو نہیں ہوتا۔ اسی طرح حضرت شعیب کا یہ کلام ہے۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَرَزَقَنِىْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰٮكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ بصیرت کاملہ نے اہل قالب کو فرمایا کہ اے میری بھٹکی ہوئی قوم فکر بصیرت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو اور سوچو کہ اگر میں توحید باری کی برھان یقینی پر ہوں۔ نوری غذاؤں سے پالنے والے کریم و رحیم و عمیم رب کی طرف سے اور اس ذات جمال نے مجھ کو حکمت علمیہ توفیق عملیہ کمال ابدیہ تکمیل قویہ سے استقامت کا رزق حسن عطا فرمایا ہو تو کیا میں شرک باطن کی نہی الٰہی ظلم کثافت کی حرمت ازلیہ کو چھوڑ دوں اور نہ مانوں۔ تزکیہ سے اصلاح قالب تخلیہ سے حصول وصل چھوڑ دوں۔ اور مثل تمہاری قبض و خباثت میں پڑ جاؤں۔ کیا تم اس میں غور نہیں کرتے کہ تمہاری کیا خوش نصیبی ہے جو تمہارے ہی قریبی کو انوار جمال کا مشاہدہ ہو رہا ہے اور عنایات سرمدیہ حاصل ہیں جب اہل دنیا اپنے قریبی خاندان والے کو دنیوی مرتبہ ملنے پر خوشیوں کا اظہار کرتے ہیں اور اس انعام والے کے ساتھ تعلق جوڑنے قرب حاصل کرنے کی تمنا کرتے ہیں تو اے قوم والو دینی مرتبہ ملنے پر تم خوش کیوں نہیں ہوتے اور میرے قریب آنے میرے ساتھ تعلق جوڑنے کی تمنا کیوں نہیں کرتے۔ دنیا دار تم کو کچھ نہیں دے سکتا میں تو تم کو عنایات ازلیہ کے تحفے دے رہا ہوں مجھ کو تم سے لالچ نہیں ہے میں تمہاری مخالفت کا ارادہ نہیں رکھتا نہ مجھ کو تمہاری امیری دولت مندی سے حسد ہے قالب جسدی میں تمہارا عیش و عشرت مجھ کو برا نہیں لگتا۔ میں تو یہ چاہتا ہوں تمہارا یہ عیش و آرام دائمی ہو جائے مدت فنا کے بعد بھی لذت بقا حاصل رہے۔ میں تم کو اوصاف ذمیمہ سے اس لئے منع کر رہا ہوں تاکہ تم ان بری عادتوں سے باز آؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اوصاف ذمیمہ تم کو ہلاکت خیز گرداب بلا میں نہ لے جائیں مگر تمہیں کچھ اور ہی خیال بنائے ہوئے

ہیں۔ میں صرف یہ ارادہ کرتا ہوں کہ جب تک میری ہمت ہے اس وقت تک اپنی تمام تر طاقت سے قوم بد دیانت کی اصلاح کرتا رہوں۔ میری زندگی میرا وقت میری طاقت میرا علم میری قوت میرا شعور اسی میں صرف ہو اور اپنے دتمہارے نفسوں کو قبول حکمت کے لئے تزکیۂ و تصفیت اصلاح سے کر دوں۔ کیونکہ صادقین اہل اللہ خلق کے ساتھ اسباب دنیا کے لئے مخالفت نہیں کرتے ان نفوس قدسیہ کو دولت و ثروت دنیا کی حقیقت کا علم ہوتا ہے ان کی شاہین نظروں میں دنیا کی تمام زیب و زینت محض کچرے کی کیھری اور کوڑے کا ڈھیر ہوتی ہے طیب لوگ دنیا پرستوں کی اس وقت مخالفت کرتے ہیں جب اہل دنیا ترک سنت اتباع شریعت سے علیحدہ ہوتے ہیں اور انبیاء اولیاء کے کمالات و استمداد کے گستاخانہ منکر ہوتے ہیں ان کی مخالفت بھی مصلحانہ شفقت ہے۔ اور اصلاح وہی کر سکتا ہے جو خود عامل ہو بے عمل عالم بے علم صوفی کی نصیحت غلط۔ وعظ بے اثر ہوتا ہے۔ اہل دل صاحب بصیرت کہتا ہے کہ میری عقل میری نیت میں صرف اصلاح ہے مگر جس طرح میری قوت طاقت الٰہی سے ہے اسی طرح وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ وَيَا قَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِنْكُمْ بِبَعِيدٍ۔ میری یہ توفیق اور بارگاہ قدس میں تمام اعضاء رئیسہ و شیفہ کو چھوڑ کر صرف مجھ کو کارخانہ قدرت کیلئے چن لینا اور ولایت اختیار عطا فرمانا صرف اللہ کے کرم کریمانہ کی طرف سے ہے۔ میرا سکون دولت و ثروت اور عیش و آرام سے نہیں بلکہ اسی رب کائنات کے بھروسے پر ہے تم کو اس کے وعدوں پر شک ہے اور دنیا فانی پر ناز ہے کیونکہ تم راہ ابلیسیت پر ہو مگر مجھ کو اسی کے وعدوں پر بھروسہ ہے میرا سب کچھ وہی ہے اسی کی طرف ہر رنج و راحت میں دوڑتا ہوں نعت شوق میں بقاء رب کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ صوفیاء کے نزدیک توفیق حسن عنایت کا نام ہے جو اللہ کی طرف سے بندے کو ملے۔ اور توکل یہ ہے کہ شدت فاقہ کے باوجود اسباب کی طرف نظر نہ اٹھے خالق اسباب کو دیکھے اطلاع غیب کے باوجود سکون الی الحق رہے۔ اور اے میری قوم کہیں میری مخالفت تم کو مجرم اشرار نہ بنا دے۔ اور تم کو وہی فراق کا عذاب ذلت کی آگ پہنچے جو روح نوح کی قوم قلب نفسانیہ اور قلب ھود کی قوم نفس یا ضمیر صالح کی قوم دماغ کو پہنچا اور لوط شعور کی قوم ذمیمہ کی وادی قہر تو تم سے کچھ دور ہی نہیں نظر بصارت سے تو آتے جاتے دیکھتے ہو نگاہ عبرت سے بھی دیکھو۔ انسان کی جبلی فطرت ہے کہ جب اس کو الٰہی امر ملتا ہے تو انکار اور تکبر سامنے لاکر ابلیسیت کا مظاہرہ کرتا ہے اور جب نہی کا قانون ملتا ہے تو حرص آدمیت سامنے رکھتا ہے۔ صفات شیطانی اور طبیعت انسانی کے لشکر دونوں یہیں جمع ہیں۔ خالق تعالیٰ کی اطاعت مخلوق کی اطاعت سے زیادہ آسان ہے۔ اطاعت مخلوق میں ذلت ہے اطاعت خالق میں عزت روح قلب۔ نفس کی تکسیر دخواری ہے پس جس کو عنایات ازلیہ رعایات ابدیہ کی توفیق ملتی ہے وہ امر کا عامل نہی کا فاجر۔ اور گناہ سے دور رہتا ہے۔ اور باطنی قاصدوں کی اطاعت کرتا ہے یہ اطاعت اس کو صفات مخلوقیت کے ظلمات سے نکال کر صفات خالقیت کے انوار میں لے جاتی ہے لیکن جس کے پھوٹے نصیب میں شقاوت بدبختی لکھی ہو وہ ذلیل نفس کے پیچھے رہتا ہے اللہ رسول کی اطاعت نہیں کرتا ایمان سے تکبر اور قبول دعوت حق سے تمرد کرتا ہے۔ لہذا اسی قہر میں مبتلا ہوتا ہے جو نفس و شیطان عقل و

دماغ پر پہنچا۔ (روح البیان۔ عرائس البیان۔ تفسیر ابن عربی)

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ

لہٰذا بخشش مانگو تم سب رب سے اپنے پھر توبہ کرو تم سب طرف اس کے بیشک رب میرا ہمیشہ

اور اپنے رب سے معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع لاؤ بے شک میرا رب

وَّدُوْدٌ ۹۰ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا

رحیم ہے اور محبت فرمانیوالا ہے سب بولے اے شعیب نہیں سمجھتے ہم بہت کو سے اس جو کہتے ہو

مہربان محبت والا ہے بولے اے شعیب ہماری سمجھ میں نہیں آتیں تمہاری بہت سی

تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

تم اور بیشک ہم البتہ دیکھتے ہیں تم کو بیچ اپنے کمزور اور اگر نہ ہوتا خاندان

باتیں اور بے شک ہم تمہیں اپنے میں کمزور دیکھتے ہیں اور اگر تمہارا کنبہ نہ ہوتا

لَرَجَمْنٰكَ ۡ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۹۱ قَالَ يٰقَوْمِ

تمہارا البتہ سنگسار کر دیا ہوتا ہم نے تم کو اور نہیں تو پر ہم کچھ غالب فرمایا اے قوم میری

تو ہم نے تمہیں پتھراؤ کر دیا ہوتا اور کچھ ہماری نگاہ میں تمہیں عزت نہیں کہا اے میری قوم

اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ

کیا میرا خاندان زیادہ غالب ہے پر تم سے اللہ اور ڈال دیا ہے تم نے اس کو پیچھے

کیا تم پر میرے کنبے کا دباؤ اللہ سے زیادہ ہے اور اسے تم نے اپنی پیٹھ کے

ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۹۲

پیٹھ کے بے شک رب میرا کو اس جو تم کرتے ہو گھیرنے والا ہے

پیچھے ڈال رکھا بے شک جو کچھ تم کرتے ہو سب میرے رب کے بس میں ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ اگر تم اس دھوکہ دہی اور حرام روزی سے نہ بچے تو تم پر عذاب آجائے گا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ حضرت شعیب نے ان کو عذاب سے بچنے کا ایسا طریقہ بتایا کہ جس سے پچھلے گناہ معاف ہوتے اور آئندہ عذاب سے بچے رہتے۔ اور دولت مند بھی بن جاتے مگر انہوں نے نہ مانا **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت شعیب کی دعوت غور و فکر اور عقل سے سوچنے کا ذکر تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان حمقا کے پاس سوچنے کی صلاحیت اور عقل ہی نہ تھی۔ اس لئے کہ

ع خدا جب دین لیتا ہے عقل بھی چھین لیتا ہے

حضرت شعیب کی صاف ستھری باتیں بھی اگر سمجھ نہ آئیں تو بے وقوفی کے سوا کیا ہو سکتا ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ قوم مدین جس رزق کو حرام طریقے سے حاصل کرتی تھی وہ صرف جسم کی پرورش کر سکتا ہے اور اس سے گوشت پوست موٹا ہو سکتا ہے مگر روح کو کوئی فائدہ نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے۔ یہ لوگ اسی کو اپنی بڑی عقل مندی سمجھتے تھے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ حضرت شعیب نے فرمایا اے لوگو وہ رزق حاصل کرو جس سے روح اور بدن دونوں کی پرورش ہو یہی عقلمندی ہے۔ وہ رزق حسن اور ذکر اللہ ہے۔

تفسیر نحوی وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ۔ واؤ سر جملہ استغفروا فعل امر حاضر بصیغہ جمع مذکر استغفار سے بنا اس کا مادہ غَفْرٌ ہے آٹھ معنی میں مشترک ہے۔ ڈھانکنا۔ مٹا دینا۔ واپس کرنا۔ محفوظ رکھنا۔ بچانا۔ پناہ دینا۔ بخش دینا۔ معاف کرنا۔ باب استفعال میں آکر طلب کے معنی پیدا ہوتے یہاں آخری دو معنی بن سکتے ہیں یعنی بخشش مانگو یا معافی مانگو لہٰذا گزشتہ گناہوں کا ذکر ہے۔ رَبَّ مِنْ پوشیدہ ہے لہٰذا مفعولیت کی بنا پر زبر آیا کُمْ ضمیر کا مرجع وہی قوم۔ ثُمَّ حرف عطف تراخی کے لئے ہے توبوا کَوْبٌ سے بنا یہ بھی امر ہے پانچ معنی میں مشترک ہے ۱ آئندہ گناہوں سے بچنا ۲ رجوع کرنا ۳ روش بدلنا ۴ اعمال یا حالات زندگی بدلنا ۵ بندوں پر رحم کرنا یہاں سب معنی بن سکتے ہیں۔ لیکن حرف الیٰ جارہ کی وجہ سے دوسرے معنی یعنی رجوع کرنا مناسب ہیں۔ الیٰ انتہا کے معنی میں ہ ضمیر واحد کا مرجع ذات باری تعالیٰ ہے اِنَّ حرف تحقیق ابتدائیہ تعلیلیہ بمعنی کیونکہ رَبِّیْ مرکب نعت و حمد ہے۔ رَحِیْمٌ رَحِمٌ سے بنا بمعنی شفقت مبالغے کے لئے ہے وَدُوْدٌ بھی مبالغے کا ہے بروزن فعول وُدٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا لغوی ترجمہ خانۂ قلبی ہے۔ اصطلاحی ترجمہ میلان قلبی۔ اس سے رب پاک ہے۔ اسی لئے اکثر قرآء و نحاۃ نے ودود بمعنی مفعول مانا یعنی محبت کیا ہوا۔ جنہوں نے بمعنی فاعل کہا۔ انہوں نے مجازی معنی مراد لئے قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا یہ قوم کا کلام ہے۔ یٰشُعَیْبُ یہ جملہ مقولہ ہے مَا نَفْقَہُ مضارع منفی جمع متکلم فِقْہٌ سے مشتق ہے بمعنی دنیوی یا دینی سمجھ یہاں پہلے معنی مراد ہے۔ متعدی بیک مفعول ہے۔ کَثِیْرًا مفعول بہ ہے فعل کا کُثْرٌ سے مبالغہ ہے یا بمعنی اکثر ہے۔ مِنْ جارہ ما موصولہ سے مل کر متعلق ہے فعل کا تَقُوْلُ فعل مضارع

بمعنی حال صلہ ہے واؤ استدائیہ یا عاطفہ یا حالیہ اِنَّ حرف تحقیق نا ضمیر جمع متکلم اس کا اسم ہے لَنَرٰکَ لام کے بمعنے
البتہ نَرَا مضارع جمع متکلم رَئیٌ سے مشتق ہے بمعنی سمجھنا کَ ضمیر کا مرجع شعیب علیہ السلام ہیں فی جارہ ظرفیہ مکانی ہے
ضَعِیفًا بروزن فعیلاً ضَعفٌ سے بنا بمعنی انتہائی کمزوری جسمانی یا مالی یا قومی وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْنَا
بِعَزِیْزٍ ۔ وَلَوْ میں لَوْ حرف شرط لَا مشبہ بلیس رہط لغتًا قبیلہ اصطلاحًا دہ چند خصوصی قریبی برادری والے جو ہر
وقت مدد کو پہنچ سکیں۔ اور لوگوں میں سرکردہ ہوں مضاف بسوۓ ضمیر مخاطب۔ کَ ضمیر کا مرجع شعیب علیہ السلام ہیں لَرَجَمْنٰكَ
لام کے رَجَمنا ماضی جمع متکلم رَجْمٌ سے بنا بمعنی پتھر پھینکنا مراد ہے بری طرح قتل کرنا واؤ حالیہ ما نافیہ برائے فعل پوشیدہ دراصل
تھا ما کُنتَ اَنتَ۔ انت ضمیر منفصل تاکیدی فاعل ہے علیٰ حرف جر بمعنی غلبہ نا ضمیر جمع متکلم کا مرجع یہ سردار قوم ہیں متعلق
اوّل ہے کنت فعل کا بِعَزِیْزٍ باء زائدہ ہے عزیز بروزن فعیل عِزٌّ سے بنا بمعنی عزت والا ہر لحاظ سے جسمًا۔ قوۃً مالاً وغیرہ
متعلق دوم ہے قَالَ یٰقَوْمِ اَرَهْطِیْٓ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۔ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّا ۔ قال جوابًا قول ہے یٰقوم
جملہ ندائیہ مقولہ ہے۔ اَ ہمزہ استفہام تعجب انکاری ہے۔ رہط اسم جامد ہے مراد قریبی رشتہ دار جو قوت اور بات والے ہوں اَعَزُّ
اسم تفضیل عِزٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا غیر منصرف مرفوع ہے خبر ہے مبتدا رہطی کا علیٰ جارہ بمعنی عِندَ کُم ضمیر جمع مذکر حاضر
سے مراد یہی قومی کفار ہیں مِنْ جارہ بمعنی مقابلے یا بدل کے لئے لفظ اللہ مجرور۔ واؤ عاطفہ اتَّخَذْتُمُوْهُ باب افتعال کا
کا ماضی جمع ہے اَخْذٌ سے بنا ہے اصلی ہمزہ کو تا بنایا اور دونوں تا کا ادغام کیا۔ بمعنی بنانا یا ڈالنا یہاں دوسرے معنی
مناسب ہیں ظِهْرِیًّا ظَهْرٌ سے بنا۔ بمعنی پیٹھ یاء نسبت لگنے سے مطلب ہوا پیٹھ والا یا پیٹھ پیچھے یعنی بیکار بحالت نصب
مفعول بہ دوم ہے مفعول اوّل ہے ہٗ ضمیر غائب وَرَآءَكُمْ مرکب اضافی ظرف زمان ہے اتَّخَذْتُمُوْا۔ کا متعدی
بدو مفعول ہے۔ وَرَآءَ کے لغوی معنی ہیں۔ علاوہ پیچھے۔ بیکار۔ یہاں بمعنی پیچھے اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ۔ اِنَّ
حرف تحقیق شروع کلام میں ہے۔ رَبِّی کلام محمد ہے بِمَا باء تعدیہ کی ہے یا بمعنی علیٰ ہے ما موصولہ ہے تَعْمَلُوْنَ مضارع
بمعنی حال عَمَلٌ سے بنا ہے جملہ فعلیہ صلہ موصول ہو کر متعلق مقدم ہے محیط کا۔ اسم فاعل ہے باب افعال سے حَیْطٌ سے
مشتق ہے بمعنی سب طرف سے گھیرنا اسی سے ہے احاطہ۔ بحالت رفع خبر انّ ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ ۭ اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَّدُوْدٌ اور اے میری قوم والو چونکہ تم پہلے زمانہ
ماضی میں بہت گناہ اور ظلم کر چکے ہو اس لئے ان گناہوں کی بخشش مانگو اپنے رب تعالیٰ سے
پھر اس استغفار پڑھنے بخشش مانگنے کے بعد چونکہ آئندہ بھی تم نے اچھے اعمال کرنے کا عہد کرنا ہے اس کے لئے توبہ کرو
رجوع کرو اسی رب تعالیٰ کی طرف یا چونکہ تم بت پرستی کرتے رہے شرک میں مبتلا رہے اس لئے استغفار کرو اور چونکہ
تم کم ناپ تول کرتے رہے بد دیانتی سے غریبوں پر ظلم کرتے رہے لہٰذا اس اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ یا یہ کہ پہلے استغفار
کرو یعنی ایمان لاؤ کہ مجھ کو اللہ کا نبی صاحب شریعت رسول مانو اور اللہ کو وحدہٗ لاشریک معبود مانو۔ پھر میرے حکم پر چل

کہ جس طرح میں توبہ کراؤں اس طرح پچھلے گناہوں کی معافی مانگنے۔ آئندہ ظلم کفر فسق نہ کرنے کا عہد کرکے سچی توبہ کرو کیونکہ پہلے ایمان شرط ہے ہر توبہ کے لئے اور اے میری قوم والو تم اس توبہ استغفار میں نہ جھجکو شرم کرو نہ مایوس ہو کیونکہ بے شک میرا رب ہمیشہ سے ہمیشہ تک رحم کرنے والا ہے وہ اپنی طرف آنے والے بندوں پر ایسی نظر شفقت فرماتا ہے اتنی نعمتیں دیتا ہے کہ ساری جھجکیں شرمیں ٹوٹ جاتی ہیں اور بندہ عاجزی نیاز کرتا ہے اور وہ رب میرا ودود ہے۔ کہ کوئی بھی اس کے در سے مایوس نہیں پھرتا بلکہ کائنات کا محبوب ہے۔ اگر لفظ وَدُوْدٌ بمعنیٰ مفعولٌ ہو۔ اور اگر بمعنیٰ فاعلٌ ہو تو مطلب ہے کہ میرا رب اپنے پیارے بندوں آستانے پر آنے والوں سے محبت کرنے والا ہے۔ بلکہ اتنی جلدی توبہ قبول فرماتا ہے کہ توبہ کرنے والے بندے کا دل حیرانی اور محبت کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے۔ گویا کہ وہ رب بندے کی توبہ کے ہی انتظار میں تھا۔ کہ کب بندہ یا اللہ کہہ کر اس کی طرف دوڑے اور وہ کب اے میرے بندے کہہ کر اس کو آغوش قرب میں لے۔ اہل لسان کے نزدیک وَدُوْدٌ میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ لفظ اسماء الٰہیہ میں سے ایک اسم ہے۔ جیسا کہ امام ازہری نے اپنی کتاب شرح اسماء اللہ تعالیٰ میں لکھا اسی لئے اس لفظ کے وظیفے حب کے لئے پڑھے جاتے ہیں۔ دوم یہ کہ ودود بروزن رکوب اور حلوب بمعنیٰ مفعول ہے اس معنیٰ سے مقصد ہو گا کہ بندے رب سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا محبوب ہے سوم یہ کہ وَدُوْدٌ بروزن غَفُوْرٌ اور شَکُوْرٌ ہو کر بمعنیٰ فاعلٌ ہو تب معنیٰ یہ ہوں گے کہ وہ اپنے نیکوں سے محبت کرنے والا ہے اور بندے اس کے محبوب ہیں۔ حضرت شعیب نے اپنی اس تقریر دلپذیر میں وعظ کے ساتھ اپنی حقانیت کے بھی پانچ دلائل پیش فرماتے ۱ مجھ پر اللہ کے کثیر انعام ہیں۔ اور جس پر کثیر انعام ہوں وہ تبلیغ میں خیانت کیوں کر سکتا ہے ۲ جب تم جانتے ہو کہ حلیم و رشید ہوں تو میں کیوں نہ تم کو بھی حلم اور ہدایت کی دعوت دوں میں خود کس طرح وہ کام کر سکتا ہوں جس سے تم کو منع کر رہا ہوں ۳ میری اس دعوت حق صلاحیت میں اور درستیں ہی ظاہر ہوں گی اور فتنے ختم ہوں گے لہذا ایسی دعوت غلط کیسے ہو سکتی ہے ۴ محض میری مخالفت اور عناد کی خاطر دین حق سے نہ پھرو باطل پر مت اڑو یہ ہٹ دھرمی اور میری دشمنی تم کو عذاب شدید کی طرف لے جاتے گی۔ جیسے کہ پہلوں کو لے گئی ۵ یہ باتیں فرما کر پھر اسی توحید کی طرف لوٹے جس سے تبلیغ کی ابتدا کی تھی ذرا غور کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ انتہائی باکمال وعظ ہے لیکن ان عقلوں کے اندھوں نے ایسا بے مثل وعظ سن کر بھی عبرت نہ لی بلکہ قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ بولے وہ سرکردہ قوم والے آپ کی شفقانہ مخلصانہ تبلیغ کا تردیدی جواب دیتے ہوئے۔ یا شعیب نہیں سمجھتے ہم۔ فقہ کا لغوی ترجمہ ہے متکلم کے کلام سے اس کی غرض کا پہچاننا۔ یعنی نہیں پہچانتے ہم تمہاری ان بہت سی باتوں کو جو تم کہتے رہتے ہو یا یہ جواب اس لئے ہے کہ ہم تمہاری باتوں کو سنتے ہیں مگر ہم کو تمہاری باتوں سے باوجود سننے کے ۔۔۔ ۔۔ مقصد کا پتہ نہیں چلتا کہ تمہارے ارادے کیا ہیں۔ یا یہ جواب اس لئے ہے ہماری سمجھ سے ورا باتیں کر رہے ہو۔ یہ فطرتی امر ہے کہ جب کسی کی قسمت میں سچا دین نہیں ہوتا تو اس کی عقل اوندھی ہو جاتی ہے صحیح صاف سیدھی باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ ع خدا جب دین لیتا ہے عقل بھی چھین لیتا ہے۔

یا یہ جواب از راہ مذاق ہے کہ تم اسے شیب انوکھی ہی عقل لے کر آتے ہمارے پلے کچھ نہیں پڑتا یا یہ جواب بطور بے پرواہی ہے کہ کرتے رہو باتیں ہم کچھ نہ سمجھیں گے ہمیں کوئی ہمت والا ہی سمجھا سکے گا تم میں بھلا کیا طاقت جو ہم کو بتوں کی عبادت۔ اور ناپ تول کی کمی سے روک سکو۔ حالانکہ بے شک ہم تم کو اپنے علاقے میں یا اپنے گروہ میں یا اپنے مقابلے میں انتہائی کمزور سمجھتے ہیں یا عقل میں کمزور یا جسم میں کہ تم وہ سیاست کاروباری نہیں جانتے جو ہم جانتے ہیں یا تم کو کوئی پوچھتا نہیں اپنے پاس نہیں بیٹھنے دیتا ہم خاندانی اور پارٹی والے آدمی ہیں تم اکیلے ہو تمہاری کوئی بات سننا پسند نہیں کرتا اگر تم عقل کی باتیں کرتے تو لوگ تمہاری باتیں سنتے سناتے۔ یا تم ویسے ہی اکیل مار ہو تمہارے ساتھ کون لگے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ جس طرح عقلاء حضرات احمقوں کو ضعیف الرائے سمجھتے ہیں اسی طرح احمق لوگ بھی عقل مندوں کو بری رائے اور کمزور مشورے والے سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ آجکل عام دیکھا جا رہا ہے کہ جب برادری کے حمقا دنیا دار لوگ کسی مشورے میں بیٹھتے ہیں تو اگر ان سے کہا جاتے کہ کسی عالم سے بھی رائے لیلو یا اپنی ہی برادری کے فلاں نمازی متقی نیک آدمی کو شامل کر لو تو بڑی نفرت سے کہتے ہیں کہ اس نے کیا بات کرنی ہے وہ تو نرا مسجد کا لوٹا ہے۔ اس نے تو مسئلہ ہی بتانا ہے۔ وہ تو کتابوں کا ہی کیڑا بنا رہتا ہے اس کو کیا عقل وہ برادری کی گتھیوں کو کیا جانے۔ یہی بیماری اور احمقانہ روش معاشرے کی تباہی کا باعث اوّل ہے یہ بیماری آج کی نہیں بلکہ سینکڑوں سال پہلے کی ہے۔ ہر دیوانہ صحیح الدماغ کو دیوانہ سمجھتا ہے اسی بیماری میں قوم مدین مبتلا تھی۔ یہی وجہ ہے ان کے دلوں میں دنیا داروں اور دنیوی سرداروں کا تو احترام تھا مگر اللہ کے برگذیدہ نبی کی شرم نہ تھی حضرت شعیب کو اس لئے ضعیف سمجھ رہے تھے کہ وہ اکیلے یا بوڑھے تھے۔ بجائے احترام کے کس دیدہ دلیری سے کہتے ہیں کہ اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تم کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے یا تم کو سخت گالیاں دیتے لیکن ہم یہ لحاظ کیوں کر رہے ہیں؟ صرف اسلئے کہ تمہارے خاندان کے دس بارہ آدمی ہم میں سردار ہیں یا تمہاری برادری والے ہمارے دینی بھائی بنے ہوتے ہیں یا تمہارا خاندان پرانا اونچا خاندان ہے ہم تم سے یا تمہارے خاندان سے ڈرتے نہیں صرف قومی عزت و احترام ہے۔ اور فقط تم ہم پر غالب نہیں ہو۔ یا تم ہم کو بالکل پیارے نہیں ہو۔ کہ تمہارا خیال یا تمہاری عزت یا تمہارا رعب ہم کو ہمارے ان اعمال سے روک دے یا تمہارے رحم و قتل سے ہم کو روک دے ہم تو صرف اپنے ان دینی بھائیوں کی وجہ سے تمہارا لحاظ کرتے ہیں جو تمہارے خاندان کے اونچی عزت والے ہیں لفظ رَھط زیادہ سے زیادہ چالیس آدمیوں کے گروہ کو کہتے ہیں۔ یہ تھا قوم کا متعصبانہ جواب جو انہوں نے حضرت شعیب کی با دلائل بہترین تبلیغ کی تردید کرتے ہوتے دیا۔ بعض مفسروں نے ضعیف کا معنی نابینا کہا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت لی ہے۔ مگر یہ سب کچھ غلط اور روایت ضعیف ہے۔ مستدرک حاکم اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ لیکن تفسیر کبیر نے فرمایا کہ حاکم کا کسی روایت کو صحیح قرار دینا محدثین کے نزدیک معتبر نہیں۔ مذہب اہلسنت یہ ہے کہ کوئی نبی پیدائشی یا دائمی نابینا نہیں ہوئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا آنکھوں پر سفید موتیا آجانا عارضی چیز تھی جو قمیص یوسفی سے جاتی رہی۔ قوم کا یہ جواب سن کر حضرت شعیب بولے قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ

وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ فرمایا اے میری قوم کیا میرا قبیلہ زیادہ عزت دار ہے تمہارے نزدیک اور تم کو زیادہ پیارے دوست ہیں اللہ کے مقابل یعنی میں نے اب تک جو کچھ تم کو سنایا ہے وہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے میرا کچھ بھی نہیں یہاں تک کہ میں خود اللہ کا ہوں میری عزت اللہ کی عزت ہے میری بات ماننا اللہ کی بات ماننا ہے میرے در پر آنا اللہ کی بارگاہ میں آنا ہے تم جو مجھ پر یہ احسان چڑھا رہے ہو کہ تمہارے خاندان کی عزت کا پاس ہے میں کہتا ہوں کہ میرے خاندان کی عزت نہ نبھاؤ۔ اپنے خالق ومالک کی عزت کرو اس کی محبت اپنے دل میں لاؤ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم میری مانو میری بات نہ ماننا اللہ کی گستاخی نافرمانی ہے۔ تم نے تو اللہ تعالیٰ کو معمولی سمجھتے ہوئے پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہ ایک عربی محاورہ ہے جس کو بے اعتنائی لاپرواہی کے وقت بولا جاتا ہے۔ وَرَآءَ کا معنیٰ ہے۔ پیچھے وَرَآءَ اضافت فاعلی ہے ظہریا کے معنی پیٹھ یعنی تم نے پیچھے ڈالا ہے اپنی پیٹھ کے۔ اور مقصد یہ ہے کہ اللہ کی ذات وصفات اور اس کے احکام سے اس طرح لاپرواہ بے خوف ہو گئے ہو گویا کہ بیکار سمجھ کر پیٹھ پیچھے پھینک دیا حالانکہ بے شک میرا رب تم کو اچھی طرح جانتا ہے تمہارے سارے اچھے برے اعمال کو گھیرے ہوئے ہے۔ احاطہ کا معنیٰ ہے شئے کو اس کے کمال سے جاننا۔ تم اپنے اعمال بد کو بھول سکتے ہو مگر وہاں کوئی بھول نہیں میں نے تم سے کب کہا کہ میری برادری کا پاس کرو مجھکو تو خود اُنپر کوئی بھروسہ نہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر میرا احترام کرنا ہے تو اللہ کی خاطر کرو جو میرا بھی رب ہے تمہارا بھی۔ مجھ کو صرف اللہ پر بھروسہ ہے اسی لئے اتنی دلیری سے تم سب کے سامنے موجود ہوں اور تمہاری حقارت کے باوجود تم کو شفقت ونرمی سے سمجھا رہا ہوں۔ کیونکہ جانتا ہوں کہ میری سب طاقت وقوت رب کی طرف سے ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** توبہ بہت اہم چیز ہے اور بڑی اچھی عبادت ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوموں کو اس کا حکم فرمایا۔ توبہ گناہ سے ہوتی ہے کفر سے بھی یہ فائدہ وَاسْتَغْفِرُوْا کے بعد ثُمَّ تُوْبُوْا فرمانے سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** اس ترتیب ذکری سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جیسا جرم ویسی توبہ کفر کی توبہ کفر چھوڑ کر علانیہ گناہ کی توبہ علانیہ ہو پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ۔ حقوق کی توبہ ان کا ادا کرنا ہے۔ خواہ حقوق اللہ ہوں یا عبادت جب تک جسم پر یا ظاہری اعمال پر گناہ باقی رہے اسوقت تک منہ سے توبہ توبہ کافی نہ ہوگی لہذا کوئی مرد بلا وجہ ریشمی کپڑے پہنے ہو تو توبہ اتارنے سے شروع ہوگی پھر آئندہ نہ پہننے کا سچا عہد کرنے سے توبہ مکمل ہوگی اسیطرح داڑھی منڈوانے والا جب داڑھی منڈانا چھوڑ دے اور اسکی داڑھی بحد شرع چار انگل پوری ہو جائے تب اسکی توبہ شروع ہوگی پھر جب آئندہ نہ منڈانے کا نہ کترانے کا سچا وعدہ کریگا تو اسکی توبہ مکمل ہوگی کیونکہ یہ علانیہ گناہ ہیں ان کا وجود جب تک ختم نہ ہو زبانی توبہ کچھ فائدہ مند نہیں اسی قانون سے جب تک تین انگل سے کم داڑھی چہرے پر قائم ہے اس وقت تک وہ فاسق ہے اگرچہ قسمیں کھا کر کئی مرتبہ لوگوں کے سامنے زبانی توبہ کر چکا ہو۔ اور اور چونکہ فاسق کی گواہی اور امامت جائز نہیں لہذا یہ ایسا شخص اس وقت تک امامت وغیرہ نہیں کرا سکتا جب تک کہ چار انگل داڑھی پوری نہ ہو جائے۔ یہ فائدہ تُوْبُوْا کے لغوی ترجمے رجوع کرنے۔ روش بدلنے۔ مٹانے سے حاصل ہوا

تیسرا فائدہ انبیاء کرام کا کلام ظاہری عقل سے سمجھ نہیں آتا اس کے لئے ایمانی عقل چاہیئے۔ جیسے کہ نبی کو دیکھنے کے لئے ظاہری نظر نہیں بلکہ ایمانی نظر ہونی چاہیئے اور یہ عقلیں اور یہ فہمیں اور یہ نظریں ملتی بھی نبی کے آستانے سے ہے یہ فائدہ مَا نَفْقَهُ سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** انبیاء کرام اور ان کے غلاموں ولیوں کو کمزور سمجھنا کفار کا کام ہے۔ یہ فائدہ فِينَا ضَعِيفًا سے حاصل ہوا وہابی دیوبندی حضرات کو اس سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔ یا خود کو کافر سمجھ لینا چاہیئے **پانچواں فائدہ** دین کے مقابلے میں برادری سے خائف ہونا یا رشتہ داروں میں ناک کٹنے ذلیل ہونے سے ڈرنا بھی طریقۂ کفار ہے یہ فائدہ لَوْلَا رَهْطُكَ سے حاصل ہوا۔ نیک لوگ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں نہ کہ برادری سے **چھٹا فائدہ** جو خود ذلیل ہو وہ نبی ولی کی عزت نہیں جان سکتا۔ یہ فائدہ بِعَزِيزٍ سے حاصل ہوا۔ لہٰذا جس کی زبان یا کتاب سے انبیاء کرام یا اولیاء اللہ کی گستاخیاں سنو بس جان لو کہ یہ دنیا و آخرت میں ذلیل مردود ہے **ساتواں فائدہ** نبی کے فرمان کو پیٹھ پیچھے ڈالنا درحقیقت رب تعالیٰ کے فرمان کو پیٹھ پیچھے ڈالنا ہے۔ یہ سبق اور فائدہ وَرَاءَكُمْ ظِهْرِيًّا سے حاصل ہوا۔ پس لازم آیا کہ نبی اکرم کی بات ماننا ان کے پاس جانا۔ رب کے پاس جانا اس کی بات ماننا ہے۔ کیونکہ رب کریم کی جلوہ گری وہیں ہوتی ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** مفسرین حضرات ضَعِيفًا کے معنی اندھا ہونا لکھتے ہیں۔ کہ حضرت شعیب نابینا تھے اس لئے ان کو ضَعِيفًا کہا گیا۔ کیونکہ اندھا آدمی ضعیف ہوتا ہے حالانکہ مذہب اہل سنت ہے کہ کوئی نبی پیدائشی نابینا نہ ہوتے نہ ہی کسی معیوب بیماری میں مبتلا ہوتے۔ تو یہ مطابقت کیونکر ہو؟ جواب۔ مطابقت کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان مفسرین کا قول بالکل غلط ہے جنہوں نے حضرت شعیب کو نابینا لکھا ہے۔ مسلک اہلسنت برحق ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی نبی اللہ نابینا نہ ہوتے۔ حضرت یعقوب کی آنکھوں میں رونے کی کثرت سے چٹا موتیا اتر آیا تھا۔ رواجی و اصطلاحی طور پر بھی اس کو نابینائی نہیں کہا جاتا۔ کتب تفاسیر میں ایک حدیث غیر مشہورہ بروایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شعیب علیہ السلام عشق الٰہی میں بہت روتے تو رونے کی وجہ سے آپ کی روشنی جاتی رہی مگر کچھ دن بعد فضل الٰہی سے عود ہوئی۔ یہاں ضعیف سے مراد اندھا ہونا نہیں بلکہ جسمانی یا انفرادی کمزوری ہے۔ جیسا کہ تفسیر عالمانہ میں چند احتمال بیان کئے گئے۔ کیونکہ لفظ فینا بتا رہا ہے کہ یہاں کمزوری مراد ہے اگر اندھے ہوتے تو فینا نہ کہا جاتا کہ جو نابینا ہوتا ہے وہ ہر جگہ نابینا ہی ہوتا ہے نا کہ فینا۔ اعمیٰ ہونا کسی ملک۔ قوم۔ کسی جگہ۔ کسی وقت سے خاص نہیں ہوتا **دوسرا اعتراض** قوم مدین کا یہ کہنا کہ لَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ۔ عقلاً نقلاً اور رواجاً بتا رہا ہے کہ یہ فقط حضرت شعیب کے لئے ہے۔ بمقابلہ ان کی برادری سے ہے کہ تمہاری عزت نہیں تمہاری برادری کی ہے تو حضرت شعیب۔۔ رب تعالیٰ کے ذکر کو مقابلے میں کیوں سامنے لائے۔ رب تعالیٰ کا ذکر قوم نے نہیں کیا تھا؟ جواب۔ اس کا جواب تفسیر میں دے دیا گیا

کہ حضرت شعیب اس کلام سے یہ بتانا چاہتے تھے کہ تبلیغ میں تو میں نے اپنا نام تک نہیں لیا رب کے احکام ہی بتلاتے ہیں میرا کچھ بھی نہیں ہے لہذا میری مخالفت رب تعالیٰ کی ہی مخالفت ہے اور جب تم نے یہ کہا کہ ہم تمہاری عزت نہیں کرتے تمہاری برادری کی کرتے ہیں تو گویا تم نے یہ کہا کہ ہم رب کی نہیں کرتے ۔ لہذا یہ جواب بالکل ٹھیک ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۔ اے غرور دنیا و باطنی میں مبتلا لوگو، صفات کریمہ سے بخشش مانگو اور تمام معاملات بد دیانتی سے توبہ کرو اور اس کے بدلے میں عادات اسلامیہ و معاملات دیانت سے نفع لو کیونکہ اسی میں تزکیۂ نفس ہے پھر شریعت اور طریقت کے دونوں قدموں سے چل کر بارگاہِ الٰہی میں حاضری دو تاکہ اشیاء فنا سے ہٹا کر زیور بقا سے تم کو مزین کیا جاتے ۔ صفات ذمیمہ کی گندگی والوں کو زینت نہیں دی جاتی ۔ بے شک میرا رب رحم کی محبت کرنے والا ہے اور سب کے دلوں میں محبت ڈالنے والا ہے۔ استغفار کرو اپنی اس قدرت پر جو تم کو گناہ پر ملی اور تم نے گناہ کر لیا اور اس قدرت پر جو تم کو اطاعت فرمانبرداری نیکی کرنے کی ملی اور تم نے نہ کی۔ نیکی اور گناہ دونوں ہی سعادت وشقاوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہیں سے ازلی رضا و ناراضی کا ثبوت ہوتا ہے۔ پھر رجوع کرو اس اللہ جل جلالہ کی طرف اس طرح کہ اپنی ہمت وقوت کو چھوڑ کر عجز سے اس کی درگاہ میں گر جاؤ۔ جب تم نے کمالات قدرت کا یقین کر لیا اور تم اپنے وجود کی رویت اور اپنی ہستی کے علم سے نکل گئے اور مقام لاموجود پر آ گئے تم نے مان لیا کہ یہ اعضاء ظاہری و باطنی ہماری شی نہیں سب کچھ اسی کا ہے۔ اسی کے قبضے میں ہے۔ لہذا اسی کا قانون ان پر جاری ہوگا ہم اس کو اپنا مال سمجھ کر خود مختار نہ بنیں تب تم کو لباس معرفت پہنایا جائے گا بے شک میرا رب رحیم ہے کہ عرفان عطا فرماتا ہے اور ودود ہے کہ اہل ود کو قلبی محبت کی مٹھاس عطا فرماتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں۔ جس کے پاس صحیح توبہ کے ذریعے استغفار کی میراث نہیں اور صحیح محبت کے ذریعے توبہ کی میراث نہیں وہ کاذب ہے اور مبتلا ہے۔ ودود وہ ہے جو قدیم و جدید نعمتوں سے نوازے بلا استحقاق قالب مدین کے رئیسان نفس نے کہا اے شعیب قلب و جگر تو ایسی الٹی الٹی نصیحتیں کرتا ہے جس کو ہم نہیں سمجھتے بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے تیری رائے کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ اور بے شک قالب جسدی کے بڑے بڑے رئیسان باطلہ کے مقابل نفس و دماغ کے سامنے اور اپنے نزدیک ہر لحاظ سے ہم تجھ کو نہایت کمزور جانتے ہیں تیری رائے ناقص تیری عقل ضعیف عادات زمانہ ہے کہ جیسے عاقل بیوقوف کو عالم جاہل کو ضعیف سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی جہلا و حمقا لوگ علماء و عقلا کو بھی ضعیف سمجھتے ہیں۔ جب قلب وجود دین سے خالی ہو تو وہ اہل دانش کی خوش مقالی سے بے سمجھ رہتا ہے۔ اے شعیب جگر اس سے بڑھ کر ضعف عقلی اور کیا ہوگی کہ ہماری دولت مندی سیاسی تجارت اعضاء ظاہری پر غلبے کو تو برا سمجھتا ہے حالانکہ سب اس کو اچھا جانتے ہیں۔ اور اپنی نبوت رسالت نمازوں عبادتوں کو اچھا سمجھتا ہے حالانکہ اس کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا بجز اس کے کہ تجھ پر انتہائی بے کسی بے بسی طاری رہتی ہے۔ جو بات عقول خلائق سے وراء ہے تیرے معجزات

مشاہدات کس کی سمجھ آتے ہیں وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ. قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ اور اگر تیرے ساتھ اعضاء ظاہری اور عقل سلیم کا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تجھ کو وسوسوں کے پتھروں سے رجم کردیتے اور نہ تو ہم پر غلبہ پا سکتا ہے نہ شفقت سے ہم کو پیارا ہے۔ ہم تیرے مخالف تو ہم سے جدا۔ نفس شیطانی اور قالب مدین کے ساکنین قلب مسکین پر اعضاءِ باطنی وظاہری کے خوف سے وساوس ابلیسی کے ہتھیاروں سے حملہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے نہ کہ خوف الٰہی سے اس لئے کہ خلق کا پردہ راہ حق میں حائل ہے جس سے خشیت الٰہی کو سمجھتے ہی نہیں۔ اہل بطلان مردان حق کو پیارا اس لئے نہیں سمجھتے کہ قانون فطرت کی رو سے ہر شخص کو ایک ہی پیار مل سکتا ہے۔ یا خلق کا یا خالق کا جو بارگاہِ صمدیت میں پیارا وہ جہلا کو عزیز نہیں ہوسکتا یہ اس لئے ہے کہ عزت وشرافت دنیا پرست جہلا کے نزدیک دولت ومرتبے سے ہے۔ اور اہل حق کے نزدیک دین وکمال سے ہے۔ دنیا دار صورتوں اور مالوں کو دیکھتے ہیں اور حق تعالیٰ قلوب واعمال کو دیکھتا ہے۔ بارگاہِ لم یزلی میں کالا بدصورت غریب اہلِ کمال پیارا ہے۔ حسین بے کمال سے۔ شعیبِ فوادنے، پکارا اے میری قومِ جسد کیا تجھ کو میرے قبیلہ اعضاء کا زیادہ خوف ہے۔ خالقِ قبیلہ سے جس اللہ نے تم سب کو پیدا کیا اس کی بات کو غفلت کی پیٹھ پیچھے ڈال دیا ہے بے شک میرا رب تم سب کے اعمال کو وادیِ فنا میں گھیرنے والا ہے۔ منزل قرب سے دور بھٹکنے والے اہل غفلت اپنی شقاوت ازلیہ کی بنا پر محبتِ ذات کو بے رغبتی سے پھینکنے والے ہیں اور لیکن مقربینِ بارگاہ محبتِ الٰہی کو نور نظر اور نگاہ بصیرت کی آغوش لذت میں رکھنے والے ہیں اور مخلوق اور وسواس مخلوق کو نفرت کی پیٹھ پیچھے ڈالتے ہیں۔ اور کیسا ہی نظارۂ پرجمال کیوں نہ ہو مکاشفات اسرار سے ہٹ کر ہرگز اشیاء کونین کی طرف متوجہ نہیں ہوتے (عرائس۔ ابن عربی بیان)

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ سَوْفَ

اور اے قوم میری کیئے جاؤ پر اپنی جگہ بے شک میں (اپنی جگہ) کر رہا ہوں عنقریب

اور اے قوم تم اپنی جگہ اپنا کام کیئے جاؤ میں اپنا کام کرتا ہوں اب جانتا چاہتے

تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ

جان لوگے تم کون ہے وہ آتا ہے جس کو عذاب ذلیل کرے اس کو اور کون ہے وہ جو

ہو کس پر آتا ہے وہ عذاب کہ اسے رسوا کرے گا اور کون

كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ

جھوٹا ہے اور انتظار کرو تم بے شک میں ساتھ تمہارے انتظار کرنیوالا ہوں اور جب آیا

جھوٹا ہے اور انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں اور جب

اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ

امر ہمارا بچایا ہم نے شعیب کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ساتھ ان کے سے رحمت

ہمارا حکم آیا ہم نے شعیب اور اس کے ساتھ کے مسلمانوں کو اپنی رحمت

مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا

طرف سے اپنی اور پکڑ لیا ان لوگوں کو ظلم کیا جنہوں نے چیخ نے تو صبح کی انہوں نے میں

فرما کر بچالیا اور ظالموں کو چنگھاڑ نے آلیا تو صبح اپنے گھروں

فِىْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

گھروں اپنے ۔ اوندھے منہ

میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے

تعلق

ان آیاتِ کریمہ کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں حضرت شعیب کی تبلیغ کا ذکر تھا اب قوم مدین کے ایمان سے مایوسی کا ذکر ہے کہ یہ قوم اتنی عظیم تبلیغ سے مومن نہیں بن سکی **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں قوم شعیب کے لڑنے جھگڑنے اور شعیب علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دینے کا ذکر ہوا اب ان آیات میں انبیاء کرام کی جرأت قوت اور بہادری کا تذکرہ ہے کہ باوجود اکیلے ہونے کے اتنے عظیم لشکرِ اعدا کے مقابل تبلیغ حق فرماتے ہیں اور ان کا ایک ایک عیب گنواتے ہوتے عذاب سے ڈرا رہے ہیں **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں عذاب آنے کی پیشین گوئی تھی اب فرمایا جا رہا ہے کہ قوم مدین پر چیخ و چنگھاڑ کا عذاب آیا۔

تفسیر نحوی

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۔ اِنِّىْ عَامِلٌ واؤ سے جملہ قوم دراصل تھا قومی اِعْمَلُوْا امر جمع حاضر ہے امر توبیخی ہے نا کہ طلبی عَلٰی بمعنی فِیْ مَكَانَةٍ تَمَكُّنٌ سے بنا مصدر ہے آخر میں تا مصدریہ ہے اور اول کی میم اصلیہ ہے لازم ہے بمعنی قدرت پانا بعض نحویوں کے نزدیک یہ کَوْنٌ مصدر نا قص ہے بروزن مَفْعَلَةٌ

دراصل تھا مَكْوَنَةٌ واؤ کو الف سے بقاعدۂ تعلیل بدل دیا مَكَانَةٌ ہوا تب میم زائدہ ہے تا مصدری ہے مراد حالت ہے مضاف ہے کم ضمیر کی طرف اِنِّی اِنَّ حرف تحقیق تاکید کلام کے لئے ہے یاء متکلم اس کا اسم عَامِلٌ اسم فاعل مشتق ہے عَمَلٌ سے خبر اِنَّ۔ یہاں جار مجرور علیٰ مکانتی پوشیدہ ہے یعنی میں اپنی حالت یا اپنی جگہ عامل رہو۔ یہاں عمل کے مشتقات میں استمرار ہے یعنی عامل رہو اور رہوں سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ سَوْفَ حرف تقریب علامت فعلی ہے مبنی بر فتح تعلمون فعل مضارع جمع حاضر سوف نے معنی مستقبل کر دیا یہ جملہ ابتدائیہ نیا کلام ہے سوال مقدر پھر کیا ہوگا کا جواب ظاہری ہے بدیں وجہ فت نہیں آئیلہ انتم ضمیر مخفی اس کا فاعل ہے من موصولہ اپنے صلہ کے ساتھ اس کا مفعول بہ ہے علم بمعنی عرفان یعنی پہچان ہے یاتی مضارع بمعنی مستقبل ہ مفعول بہ جملہ فعلیہ صلہ ہے عذاب موصوف ہے عذب بمعنی پھیلنا سے بنا بحالت رفع فاعل ہے یاتی کا یُخْزِیْ خَزْیٌ سے بنا باب افعال کا مضارع بمعنی مستقبل متعدی بیک مفعول ہ ضمیر واحد غائب اس کا مفعول بہ جملہ فعلیہ شبہ ہے عذاب کی واؤ عاطفہ بمعنی اَوْ مَنْ موصولہ بحالت زبر پہلے مَنْ کا تابع عطفی ہے۔ هُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے کَاذِبٌ اسم فاعل کَذِبٌ سے بنا بمعنی جھوٹ بولنے والا لازم ہے۔ وَارْتَقِبُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ۔ واؤ عاطفہ ہے اِرْتَقِبُوْا باب افتعال کا امر حاضر ہے بصیغۂ جمع رَقْبٌ سے بنا۔ لفظ رقیب سات معنی میں مشترک ہے گردن ۲ لحاظ کرنا ۳ پابندی کرنا ۴ آنکھیں پھاڑ کر دیکھنا ۵ ادھر ادھر دیکھنا ۶ خیال رکھنا ۷ انتظار کرنا یہاں یہ آخری معنی مناسب ہیں اِنَّ حرف تحقیق مضبوطی کلام کے لئے ہے یاء متکلم اسم اِنَّ مع اسم ظرفی ہے زمانی نہ کہ مکانی کُمْ ضمیر سے مراد قوم کفار ہے رَقِیْبٌ بر وزن فعیل۔ یا بمعنی مُرْتَقِبٌ جیسے رفیع بمعنی مرتفع ہوتا ہے۔ یا بمعنی راقب جیسے ضریب بمعنی ضارب یا بمعنی مراقب جیسے عشیر بمعنی معاشر ہوتا ہے۔ فرق ہر سہ معنی میں یہ ہے۔ مُرْتَقِبٌ گردن اٹھا کر انتظار کرنے والا کامل بھروسے سے راقب بحالت پوشیدہ سکون سے انتظار کرنے والا۔ مراقب در پردہ انتظار کرنے والا ظاہراً اپنے اعمال میں مشغول رہے مگر دل میں ہر گھڑی انتظار ہو وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ——— واؤ ابتدائیہ لَمَّا حرف شرط جَاءَ فعل ماضی اَمْرُ فاعل مجازی معنی یعنی عمل یا فیصلہ مراد عذاب قانونی ہے۔ نا ضمیر جمع متکلم کا مرجع ذات باری تعالیٰ یہ جملہ شرطیہ انشائیہ ہے بمعنی خبریہ نَجَّیْنَا باب تفعیل کا ماضی جمع متکلم نَجْیٌ ناقص یائی سے بنا متعدی بیک مفعول ہے پورا جملہ جزائیہ ہے شعیبًا مفعول بہ ہے واؤ عاطفہ ہے شعیبًا پر عطف اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع کا ہے اٰمنوا فعل ماضی بصیغۂ جمع اس کا فاعل اس کے اندر پوشیدہ هُمْ ضمیر مراد قوم مسلم ہے مع ظرفیہ بمعنی علیٰ ہے ہ ضمیر سے مراد شعیب علیہ السلام ہیں برحمۃ میں باء سببیہ ہے یعنی اپنی رحمت کے ذریعے تب رحمت سے مراد نبوت شعیب ہے یا ب بمعنی مِنْ ہے تب رحمت سے مراد شفقت و پیار ہے مِنْ جارہ نا ضمیر کا مرجع ذات باری تعالیٰ مِنَّا یعنی اپنی طرف سے۔ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ۔

واو عاطفہ نجینا پر عطف ہے۔ اَخَذَتْ فعل ماضی بصیغہ مونث غائب تاء ساکنہ تانیثیہ کو عارضی زبر دیا وصل کے لئے متعدی بیک مفعول ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع اس کا صلہ ہے ظَلَمُوْا فعل ماضی بصیغہ جمع غائب موصول با صلہ مفعول بہ مقدم ہے اَلصَّیْحَۃُ فاعل پر۔ صَیْحٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی چیخ یا چنگھاڑ۔ فَاَصْبَحُوْا فا تعقیبیہ اَصْبَحُوْ فعل ماضی ناقصہ سے تامہ ہوا مراد ہے صبح کو ہو گئے یا اَصْبَحَ بمعنی صَارَ ہے فِیْ جارہ ظرفیہ دیار جمع ہے دار کی بمعنی گھر ھُمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع قوم کفار ہے جاثمین۔ اسم فاعل ہے بصیغہ جمع مذکر بحالت زبر خبر ہے اَصْبَحُوْا۔ اس کا اسم ھم ضمیر پوشیدہ ہے جَثْمٌ سے بنا بمعنی سینے کے بل اوندھے منہ گرنا۔ جیسے مردہ پرندہ گرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَیٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَمَنْ هُوَ کَاذِبٌ وَارْتَقِبُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ رَقِیْبٌ جب شعیب علیہ السّلام قوم کی درستی سے مایوس ہو گئے تب یہ آخری نتیجہ خیز کلام فرمایا کہ اے میری قوم اب تمہاری ضدی طبیعت کا مجھ کو پتہ لگ گیا اب تم سے کچھ نہ کہوں گا تم اپنی اسی گمراہی اور کفریہ حالت پر رہتے ہوتے جو چاہو عمل کرو یا اپنے گھروں دکانوں میں۔ یا تم اپنی جگہ جو چاہو عمل کرو جو تم سے ہو سکے میری مخالفت دشمنی میں وہ کر لو۔ میں اپنی جگہ اپنے وہ اعمال عبادت و ریاضت کے کروں جو مجھ کو رب ہدایت عطا فرماتے۔ مراد یہ کہ تم اپنی راہ لو میں اپنی راہ لوں۔ یہ تم کو چھوٹ نہیں بلکہ ڈھیل ہے۔ معافی نہیں بلکہ مہلت ہے اور یہ مہلت و ڈھیل تمہارے لئے اچھائی نہیں بلکہ برائی ہے۔ اس سے تمہاری خوش قسمتی وابستہ نہیں بلکہ بدبختی کا ظہور ہے اور یہ کلام تہدید عظیم اور وعید شدید ہے۔ ہوا کی یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ ہے۔ کیونکہ عنقریب جان جاؤ گے تم کہ کون وہ جس پر آتا ہے عذاب ایسا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا اس شخص کو یا بہت جلدی جان لو گے تم اس کو جس پر وہ عذاب آئے گا جو دونوں جہان میں اس کو رسوا کر دے گا۔ اور یہ بھی جان لو گے۔ کہ کون اس علاقے میں جھوٹا ہے۔ یا اس کو بھی جان لو گے جو جھوٹا ہے ابھی تو باتیں بنا رہے ہو مذاق کر رہے ہو۔ مجھ کو غلط خود کو صحیح سمجھ رہے ہو۔ اور عذاب کی جلدی مچا رہے ہو اور ذرا انتظار کرو تم بے شک میں بھی انتظار کرنے والا ہوں۔ تم اپنی بدنصیبی۔ ہلاکت۔ انجام کا انتظار کرو میں بھی تمہاری اسی حالت کا انتظار کر رہا ہوں۔ مَکَانَتِکُمْ استعارہ ہے حالت کا یا راستے کا۔ اِنِّیْ عَامِلٌ میں مکانتی پوشیدہ ہے جو مفعول فیہ ہے عَامِلٌ کا۔ مَنْ یَّاْتِیْهِ میں مَنْ یا استفہامیہ ہے یا موصولہ۔ اسی لحاظ سے ہم نے دو ترجمے کئے ہیں۔ اعلیٰحضرت نے سوالیہ مراد لیا ہے۔ مَنْ هُوَ کَاذِبٌ یہ معطوف ہے یَاْتِیْهِ پر۔ یہ قسیم نہیں (رقیب صیغہ مبالغہ ہے بوجہ صفت مشبہ ہونے کے مگر یہاں بمعنی راقب ہے۔ جس نے بتایا کہ اب انتظار کرنے والا ہوں۔ اگر رقیب اپنے معنی میں ہوتا تو مطلوب ہوتا کہ ہمیشہ سے یا پہلے سے ہی انتظار کرنے والا تھا اہل لغت کے نزدیک رقیب کے معنی ہیں ٹکٹکی باندھ کر سب کام کاج چھوڑ کر کسی کا انتظار کرنا۔ یا دیوار یا دروازے کی دراز سے کسی کو تاکنا جھانکنا۔ یہ جب ہوتا ہے جب وہ چیز بہت ہی قریب آ چکی ہو۔ یا منتظر انسان اس کو جلدی چاہتا ہو۔ مقصد کلام یہ ہے کہ اے قوم تم سے جتنی

طاقت لگ سکے گناہوں ظلموں بددیانتیوں پر لگالو۔ اور مجھ سے جتنی ہو سکے نیکیاں کیئے جاؤں۔ سوال ہوا کہ پھر کیا ہو گا۔ جواب آیا کہ عنقریب ایسا ذلیل کرنے والا عذاب آتے گا جو کھوٹے کھرے۔ سچے جھوٹے۔ اچھے برے۔ صحیح غلط کو سب کے سامنے نکھیر کر رکھ دے گا۔ اور سب دیکھ لیں گے تم بھی دیکھ لوگے۔ اور عنقریب کچھ دور نہیں بلکہ بس گھڑی کی گھڑی ملکشکی اور تانک جھانک ہی ہے۔ رقیب یا بروزن ضریب ہے بمعنی راقب ناظر۔ غور سے کسی کا انجام دیکھنا۔ یا بروزن ندیم ہے بمعنی مراقب۔ گوشہ نشین ہو کر کسی کا انجام دیکھنا۔ یا بروزن فقیر بمعنی مُرتقِب کسی کو انتظار گاہ تک کھینچ کرلے جانا۔ مکانتکم میں مکان کون سے ہے میم زائدہ ہے بمعنی ثابت قدم رہنا۔ یعنی اگر تم باپ کے بیٹے ہو تو اب اس بددیانتی وکفر پر ثابت رہنا ذرا نہ ہٹنا۔ شعیب علیہ السلام کا یہ آخری کلام ستر سال تبلیغ کے بعد ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یا اہل عرب اور آئندہ تا قیامت آنے والی نسلوں کو واقعے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ۔ اور جب آگیا ہمارا وہ فیصلہ یا عذاب جو ازل میں قوم شعیب کے لئے مقدر تھا لفظ امر واحد ہے امور کی تو بچا لیا ہم نے حضرت شعیب کو اور ان ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کو جو مومن ہو کر حضرت شعیب کے ساتھی بن گئے تھے۔ مع ظرفیہ سے مراد ظرفیت مکانی ہے۔ یا ظرفیت تشبیہی ہے تو مطلب ہے ان مومنوں کو بچا لیا جو شعیب علیہ السلام جیسا ایمان لے آتے تھے۔ معیت زمانی نہیں ہو سکتی کیونکہ نبی کا ایمان ازلی پہلے ہوتا ہے۔ اور امتی کا بعد تبلیغ نبوت۔ اٰمَنُوْا کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کو بھی ہم نے بچا لیا جو ہمارے پیارے نبی حضرت شعیب کے تابع فرمان بن گئے تھے۔ کسی بدلے میں نہیں بلکہ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا فقط اپنے رحم وکرم سے کیونکہ دنیا دار العمل ہے دار الجزا نہیں۔ ان پیاروں کے اعمال کا بدلا تو آخرت میں دیا جاتے گا۔ ہمارے وعدۂ کرم کے مطابق ان کے اعمال واقعی مستحق انعام وخیر الجزا تھے وہ اعمال دنیا میں ختم نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا دنیا کے انعام اور عیش وعشرت وحلال رزق کا میسر ہونا مسلمان پر محض کرمِ خداوندی ہے۔ ایک قول میں رحمت سے مراد توفیق ایمان ہے۔ مگر یہ ٹھیک نہیں کیونکہ توفیق ایمان تو پہلے ہی مل چکی ہے وہ بھی اگرچہ رحمت ہی تھی مگر یہ دوسری رحمت ہے۔ یعنی شفقت وپیار۔ اور جکڑ لیا یعنی ہر طرف سے پکڑ لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا غریبوں پہ کم تول کر کم ناپ کر زیادہ قیمت وصول کر کے بھاؤ بڑھا چڑھا کر یا مسلمانوں پر ظلم کیا طعنے بازی اور مذاق تمسخری اور مومنوں کے دل دکھا کر یا اپنے نبی پاک کی مخالفت ونافرمانی کر کے یا اپنی جانوں پر ظلم کیا بت پرستی کفر شرک اور بد دیانتی کر کے اور غرور انکارِ حق کر کے۔ ان سرکشوں کو پکڑ لیا زبردست چنگھاڑ نے جو اللہ کے حکم سے حضرت جبرائیل نے ماری تھی۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ صرف دھاڑ تھی یا الفاظ تھے۔ بعض نے فرمایا وہ ایک زوردار کلام تھا کہ موتو جمیعًا مر جاؤ سب فوراً اکثر کا قول ہے صرف آواز ہولناک تھی۔ اس آواز سے زلزلہ بھی پیدا ہوا مکانات گر گئے اور وہ عذاب چاروں طرف سے گونج کر ظاہر ہوئی۔ پہلے سخت گرمی پیدا ہوئی سب گھروں سے نکل کر درختوں کے نیچے آگئے پھر سیاہ بادل اٹھا اس سے بچاتے

بارش کے آگ کی بجلیاں لگاتار گرنے لگیں اور ساتھ ہی چیخ بلند ہوئی۔ زلزلہ آیا زمین پھٹی کچھ ہیجان سے کچھ آگ سے جل کر مرگئے۔ چنانچہ حال کیا ہوا۔ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ۔ اپنے گھروں میں صبح ہی صبح گھٹنوں کے بل اوندھے پڑے رہ گئے۔ یا اپنے علاقوں میں یا محلوں میں یا شہروں میں۔ کیونکہ یہ قوم چھوٹی چھوٹی قریبی بستیوں میں بٹی ہوئی تھی جن میں گلیاں محلے بنے ہوئے تھے لفظ دیار عام ہے سب کو۔ جٰثِمِیْنَ کی تفسیر پہلے بھی کر دی گئی ہے کہ اس طرح اوندھے منہ گر کر مرنا جیسے کوئی بیٹھے بیٹھے مرجاتا ہے۔ بڑی ذلت سے اوپر مکانات گرے۔ جس سے دھول مٹی میں کچلے بھی گئے یہ جثم یا جثوم سے بنا بمعنی پرندوں کا پر پھیلا کر گرنا اور منہ نیچے کر کے زمین پر بیٹھنا۔ ان کے مرنے کو اس طرح سے تشبیہ دی گئی ہے ان کی ذلت کے اظہار کے لئے۔ یہاں ہلاکت کفار اور نجات مومنین دونوں کا ذکر ہوا اس لئے کہ کفار کا عذاب وہلاکت میں عدل تھا اس کو کفر کفار کی طرف اضافت کیا گیا پس بتقاضاء حکمت اظہار رحمت وفضل بھی ضروری تھا اس لئے نجات مومنین کو رحمت کی طرف نسبت کیا۔ اور چونکہ فرمان خداوندی ہے کہ اِنَّ رَحْمَتِیْ لَسَبَقَتْ غَضَبِیْ ۔ بے شک میری رحمت میرے غضب قہر پر غالب ہے یعنی پہلے ہے اور زیادہ ہے۔ اس لئے رحمت سے پہلے بچانے کا ذکر ہوا غضب سے مارنے کا بعد میں قوم مدین کے عذاب کو مختلف آیات میں مختلف اسماء سے ذکر کیا گیا چنانچہ صیحۃ فرمایا گیا اعراف میں رَجْفَۃٌ یعنی اچانک جھٹکا ارشاد ہوا سورۂ شعراء میں عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّۃِ فرمایا۔ وجہ اس کی یہ کہ یہ امت واحدہ تھی اور عذاب بھی ایک تھا مگر نوعیت تین طرح کی تھی یا آگے پیچھے بیکدم یہ مختلف طریقوں سے عذاب آیا۔ صاوی نے کہا کہ مختلف بستیوں میں مختلف عذاب آئے مگر بیک وقت آئے اور یہ عذاب اس وقت آیا جب حضرت شعیب اپنا آخری مذکورہ وعظ فرماکر گھر تشریف لے گئے تو قوم سب جنگل میدان میں اکٹھے ہوتے اس بستی سے باہر نکل کر۔ اس وقت اس بستی میں صرف حضرت شعیب اور مسلمان رہ گئے۔ بستی میں سخت گرمی تھی اس لئے تمام کفار رات ہی کو میدانوں میں نکل گئے جہاں کالا بادل اور ٹھنڈی ہوا تھی۔ اس اجتماع میں مسلمانوں کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ قریب ہی اَیْکَۃ والی بستی تھی جس میں سب کفار تھے مسلمانوں کی یہ بستی اس وقت کفار سے خالی تھی اس لئے ان پر عذاب نہ آیا۔ میدان میں آگ برسنے کا عذاب آیا کہ کالے بادل نے آگ برسائی۔ اَیْکَہ والوں پر زلزلہ اور زمین پھٹنے کا عذاب چیخ سب تک پہنچی۔ ایکہ والے بھی قوم مدین کا ہی ایک قبیلہ تھا۔ مومنین ڈیڑھ لاکھ یا ایک لاکھ ایک ہی بستی میں شعیب علیہ السلام کے قرب ہی رہائش رکھتے تھے کچھ ابتداءً نقل مکانی کر کے تاکہ اطمینان سے سایۂ رحمت نبی میں عبادت کر سکیں۔ کفار تین لاکھ مختلف قریبی بستیوں میں ساکن تھے۔ فعل اَصْبَحَ یا تامہ ہے تو بمعنی صَارَ ہے یا ناقصہ ہے تو بمعنی دَخَلَ ہے یعنی صبح میں داخل ہوئے تو اس مردہ حالت میں۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ بجز قوم صالح اور قوم مدین کے کسی زمانے میں دو قوموں کو ایک جیسا عذاب نہیں آیا۔ یہ دونوں قومیں چیخ سے ہلاک ہوئیں اور زلزلہ بھی آیا اور اسی طرح اوندھے ہو کر مرے فرق صرف اتنا تھا کہ قوم صالح پر نیچے سے چیخ آئی اور قوم مدین پر اوپر سے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** نبی کی موجودگی میں عذاب نہیں آتا جب عذاب آنا امر تکوینی اور ازلی فیصلے میں مقدر ہو چکا ہو تو یا وہاں نبی علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نکال دیا جاتا ہے جیسے حضرت لوط علیہ السلام اور یا مجرم قوم کو اس بستی سے نکال دیا جاتا ہے جیسے قوم شعیب میں سے ان لوگوں کو جو بستی شعیب میں رہتے تھے یا جیسے فرعونیوں کو نکال کر دریا تک پہنچا دیا یہ فائدہ نجینا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** نیکوں کا ساتھ ہر مصیبت میں مشکل کشا ہے۔ دیکھو حضرت شعیب کے قریب رہنے نے مومنوں کو عذاب سے بچالیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی ان ہی پر ہوتی ہے جو اس کے نبی کے دامن میں پناہ گزین ہوں ورنہ اللہ بے نیاز ہے اس سے کہ دانوں کے ساتھ گھن پس جاتے یہ فائدہ مَعَہٗ کی تفسیر سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ کے نبی غیب جانتے ہیں۔ اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کون سا ازلی فیصلہ کب ہونے والا ہے۔ دیکھو عذاب کا آنا ایک انتہائی غیبی امر ہے مگر حضرت شعیب نے عین اس گھڑی خبردار کر دیا جب کہ چند ساعتوں کے بعد عذاب آنے والا تھا یہ فائدہ رَقِیۡبٌ اور وَارۡتَقِبُوۡا کے لغوی ترجمے اور تفسیر سے حاصل ہوا کیونکہ رَقۡبٌ کے معنیٰ ہیں بہت نزدیکی چیز کا انتظار **چوتھا فائدہ** پہلے زمانوں میں صرف انبیاء کرام پر تبلیغ فرض تھی راہبوں اور عالموں پر تبلیغ فرض نہ تھی۔ لیکن آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ہر فرد پر تبلیغ فرض ہے اور ہر حکم کی تبلیغ جو کسی کو آتا ہو دوسرے کو بتادے یہ فائدہ۔ ان تمام سورۂ ھود کے مذکورہ واقعات میں لقوم فرمانے سے حاصل ہوا۔ اور ہمارے آقا نے فرمایا بَلِّغُوۡا عَنِّیۡ وَلَوۡ اٰیَۃً وَّ حَرۡفًا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں کہا گیا تم اپنی جگہ عمل کر دو میں اپنی جگہ عمل کرتا ہوں پھر اس کے بعد عاملین کے انجام کا تذکرہ ہے تو اس طرح کہنا چاہیئے تھا کہ سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ یَّاۡتِیۡہِ عَذَابٌ یُّخۡزِیۡہِ وَمَنۡ ھُوَ صَادِقٌ ۔ تاکہ دونوں طرفوں کا ذکر ہوتا۔ موجودہ کلام میں تو صرف باطل لوگوں کا ہی ذکر ہوا **جواب** کفار دو باتیں علی الاعلان زور شور سے کہا کرتے تھے ایک یہ کہ اے مسلمانو تم پر ہمارے بتوں کی طرف سے مصیبت نازل ہوگی۔ دوسری یہ کہ اے شعیب تم جھوٹے ہو۔ اس کا تردیدی جواب دیا گیا اب دیکھنا کہ مصیبت ہم پر آتی ہے یا تم پر اور جھوٹے ہم ہیں یا تم۔ اس بنا پر مَنۡ ھُوَ کَاذِبٌ کہنا بالکل درست ہوا۔ اگرچہ قیاس یہی چاہتا ہے کہ یہاں مَنۡ ھُوَ صَادِقٌ کہا جاتا۔ مگر یہ تب درست تھا جبکہ محض خبر دینا مقصود ہوتا کہ کون سچا کون جھوٹا۔ لیکن یہاں تو ان کی گستاخی کا جواب دینا مقصود تھا **دوسرا اعتراض** حضرت شعیب نے اِعۡمَلُوۡا عَلٰی مَکَانَتِکُمۡ فرما کر ان کے اعمال سے رضامندی کا اظہار کیا اور قوم مدین کے اعمال کفر و بددیانتی والے تھے تو یہ کام کرنے کی اجازت دینا تو شرعاً درست نہیں کفر اور ظلم پر تو رضامندی بھی حرام ہے چہ جائیکہ اس کا حکم دینا۔ تو یہ قول شرعاً کیونکر درست ہوا **جواب** یہ قول حکم یا رضا نہیں بلکہ تحویل اور تہدید ہے یعنی جھڑک ہے۔ یا مایوسی کا اظہار ہے۔ کیونکہ حضرت شعیب نے اپنے غیب

کے ذریعے جان لیا تھا کہ ان پر عذاب آنے والا ہے اور یہ کفر پر ہی مریں گے۔ ایسے کلام تو دن رات اپنے محاورں میں بطور جھڑک مستعمل ہے تیسرا اعتراض یہاں سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ فرمایا گیا چاہیئے تھا کہ فسوف فا کے ساتھ فرمایا جاتا کیونکہ وصل ہے حرف وصل ضرور ہونا چاہیئے تھا جواب یہاں وصل ظاہری نہیں بلکہ وصل خفی ہے۔ اس لئے ف نہ لانا بہت ہی درست ہے۔ یہ کلام در اصل استینا فیہ یعنی شروع کلام ہے۔ کیونکہ سوال مقدر ہے کہ جب کہا گیا تم اپنی جگہ عمل کرو میں اپنی جگہ کرتا ہوں تو سوال پیدا ہوا کہ پھر کیا ہو گا۔ تب جواباً علیحدہ جملہ ارشاد ہوا کہ عنقریب جان لوگے اور اس طرح سے یہ جملہ خوفناک بن جاتا ہے کہ انجام کا ذکر ہے **چوتھا اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ قوم عاد اور قوم مدین پر عذاب کا ذکر ہوا تو وَلَمَّا حرف واؤ سے ابتدا ہوئی۔ اور جب درمیان میں قوم صالح اور قوم لوط پر عذاب کا ذکر ہوا تو فرمایا گیا فَلَمَّا حرف فا سے۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ جواب وجہ فرق ہے وعدہ کرنا قوم صالح و قوم لوط علیہم السلام پر عذاب آنے سے پہلے وعدے کا ذکر ہے۔ کہ قصہ صالح علیہ السلام کی آیات میں ہے وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ قوم لوط کی آیات میں ہے مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ۔ تو یہاں ف لانا ضروری تھا تاکید اور اظہار وعدہ کے لئے۔ بخلاف قوم عاد و مدین کے کہ وہاں وعدۂ عذاب کا ذکر نہیں لہذا واؤ مناسب تھی تاکہ کلام سر جملہ ہو جاتے کسی سے معلق نہ رہے۔ (بیان۔ صاوی۔ خازن۔ مدارک۔ بیضاوی)

تفسیر صوفیانہ

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْۤا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۔ بد کا انجام بد ہی ہوتا ہے اور اچھے کا آخری نتیجہ اچھائی ہی ہوتا ہے۔ قالب انسانی کے باطنی ناصح ضمیر کی آواز تبلیغ باطنی میں مصروف رہتی ہے ہر گناہ پر بڑی دلیری سے نفس کو سوتی ہے شروع شروع میں اس آواز شعوری کا سارے قالب میں گونج پیدا ہوتا ہے۔ نیک خصلت بڑی شدت سے ضمیر کی اس پکار کو محسوس کرتا ہے اور گناہ پر پچھتاتا ہے۔ پژمردہ ہو کر ندامت کے آنسو بہاتا ہے آئندہ کے لئے بچنے کا عہد کرتا ہے۔ مگر بد خصلت ناپاک طینت والا محسوس کرنے کے باوجود طرح طرح کے بہانوں سے اس آواز کو دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ باطنی حساس کی آواز دبتی چلی جاتی ہے اور آخر کار ختم ہو جاتی ہے تب آخری لمحات موت و سکرات فوت کیوقت باطنی پیغام ملتا ہے کہ اے میری اندرونی قوم نفسانیہ تم اپنی جگہ اوصاف ذمیمہ خصائل رذیلہ کا مظاہرہ کرتے رہو۔ میں اپنے مقام شہود میں اپنا کام کرتا رہوں گا۔ قہر جلال کا وقت آنے والا ہے۔ عنقریب جان لوگے کہ کون بد طینت ازلی ہے جس کو ذلت کا عذاب پکڑتا ہے۔ اور کون شہوات و لذات کی جھوٹی امیدوں میں مبتلا ہے۔ بس تھوڑا ہی انتظار کرو۔ حسرت کے بادل چھانے والے ہیں موت فنا طاری ہونے والی ہے میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں گروہ صوفیا کرام فرماتے ہیں۔ جب تک قلب و فواد۔ شعور و ضمیر کی شمعیں جسد کافوری میں روشن رہتی ہیں قالب کا بازار چمکتا ہے۔ جسم بیدار رہتا ہے۔ پھر جہاں نفس کی حکومت قائم ہو جاتی ہے چراغ معرفت بجھتے چلے جاتے ہیں اور ظلمات کے

پردے کھل جاتے ہیں بس ہلاکت ہی کا انتظار باقی رہ جاتا ہے۔ اکثر تو اس عذاب کو پوشیدہ ہی رکھا جاتا ہے مگر بڑے گستاخ کھلے فسادی کو دنیا میں ہی خواری و ذلت جسمانی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے جس سے وہ عبرت اقوام بن جاتا ہے۔ موت حیات کے وقت ایسے آثار پیدا ہوتے ہیں کہ دنیا میں ہی شقی کی شقاوت بے ادب گستاخ کی گستاخی منتظر لوگوں کے سامنے آجاتی ہے اور گستاخ ذلت کی موت مرتا ہے خاص کر گستاخ نبی علیہم السلام کی موت۔ جس کا دن رات مشاہدہ ہے اللہ تعالیٰ ہر مخلص کو اس سے بچائے وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۔ ظاہر کی موت روح وجسم کی جدائی ہے اور باطن کی موت انوار تجلیات کی جدائی اور رحمت ربانی کا فراق ہے۔ امر ازلی میں دونوں کی تقسیم جدا ہے جس طرح ظاہر اجسام شقی وسعید کی اخیر متفرق ہوتی ہے کہ موت سعید دعوت بارگاہ ہوتی ہے اور موت شقی وارنٹ گرفتاری اسی طرح باطنی موت بھی دو طرح کی ہے اہل شقاوت کے لئے امر ازلی مژدۂ نجات ہوتا ہے اور ان کو ازل کے الہام سے خوشخبری ملتی ہے اور جب ہمارا امر آیا تو نجات دی ہم نے شعیب جگر و قلب کو اور اس کے تابع فرمان اعضاء ظاہری کو جنہوں نے قلب وجگر کی وعید جلال مژدۂ جمال پر ایمان قبول کیا۔ یہ نجات کاملہ کسی بدلۂ اعمال میں نہیں ہے بلکہ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا فقط اپنی رحمت ازلیہ کرم صمدیہ کی بنا پر بچا پایا۔ اور یہی فیصلہ عدالت قہار دربار جبار جب شقاوت باطنی نفس رذیل دماغ لعیم اور مدین قالب کی طرف آیا تو قہر کے مواخذے سے پکڑ لیا ان بد باطنوں کو صوت سرمدی کی ایسی شدید چنگھاڑنے کہ اپنی خواہشات وشہوات کے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے قانون فطرت ہے کہ جس کی شام مستی میں گذرے اس کی صبح بدبختی میں ہوتی ہے اور جس کی شام شہوت میں اس کی صبح غفلت میں جس کی شام خباثت میں اس کی صبح ہلاکت میں ہوتی ہے۔ شعیب قلب کے تابع فرمان کو چاہیئے کہ شام خشیت الٰہی میں گزرے تاکہ صبح حمیت الٰہی پائے۔ شام ریاضت کل میں ہوتا کہ صبح سعادت کل حاصل ہو جائے شام دعا میں گذرے صبح نجات میں جس طالب حق کی شام درد فراق میں گزرتی ہے۔ اس کی صبح ازل لذت قرب میں بسر ہوتی ہے۔ خوش بخت ہے وہ جس کی شام عشق کی تڑپ میں رکوع وسجود کرتے گزرے اور صبح امید جمال محبت میں نصیب ہو۔ مردان راہ کی شام مناجات فریاد میں گزرتی ہے۔ اور صبح نغمات رحمت میں ملتی۔ حقوق روح وجسم کے ظالم بدنصیب کی شام ظلمت کفر کی گنگناہٹ میں گزرتی ہے اور صبح عبرت ہلاکت کی چیخ میں آتی ہے۔ یا اللہ ہم کو خوش نصیبوں میں شامل فرما بدنصیبوں سے بچا۔ (تفسیر روح البیان۔ عرائس البیان۔ محی الدین ابن عربی)

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ
گویا نہ بسے وہ میں اس بستی خبردار درکار ہے لیئے مدین کے جیسے کہ درکار سے ہوئے
گویا کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے ارے دور ہوں مدین جیسے دور ہوئے

ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۹۶﴾

ثمود اور البتہ بیشک بھیجا ہم نے موسیٰ کو نشانیوں اپنی اور طاقت ظاہر

ثمود اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور صریح غلبہ کے ساتھ

اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ

طرف فرعون اور سرداراس کے تو پیروی کی ان سب نے امر کی فرعون کے اور نہ تھا امر

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو وہ اپنی قوم کے آگے ہو گا

فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ ﴿۹۷﴾ یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ

فرعون کا سے سچائی آگے ہوگا وہ قوم اپنی کے دن قیامت کے تو کھینچ لائے گا

قیامت کے دن تو انہیں دوزخ میں لا اتارے

النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ

ان کو دوزخ میں اور برا ہے اترنے کا ٹھکانہ ڈالے گئے وہ میں اس دنیا

گا اور وہ کیا ہی برا گھاٹ اترنے کا اور ان کے پیچھے پڑی اس جہان

لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

لعنت اور دن قیامت کے میں برا ہے وہ انعام جو تحفہ دیا ہوا ہے

میں لعنت اور قیامت کے دن کیا ہی برا انعام جو انہیں ملا

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں عذاب کی نوعیت بتائی گئی تھی ان آیات میں عذاب کے نتیجے کا ذکر ہے کہ عذاب کے بعد اس بستی کا ایسا حال ہوا گویا کبھی یہاں بستی تھی ہی نہیں دوسرا تعلق پچھلی آیات میں اس سلسلے کے واقعات میں چھٹے واقعے کا ذکر ہوا تھا۔ اب ان آیات میں ساتویں واقعے کا ذکر ہے تیسرا تعلق پچھلی آیات میں ان انبیاء کرام کا ذکر ہوا جن کو صرف ایک ایک معجزہ عطا ہوا اور وہ صرف صاحب شریعت نبی تھے جن کو رسول کے معظم و مکرم القاب سے نوازا جاتا ہے اب حضرت موسیٰ کا ذکر ہے جو پہلے صاحب کتاب اور ایک سے زیادہ معجزے لے کر تشریف لائے چوتھا تعلق پچھلی آیات میں ان قوموں کا ذکر ہوا جنہوں نے صرف

بندوں سے مقابلہ کیا اب اس سرکش کافر کا ذکر شروع ہوا جس نے خدا سے مقابلے کی ٹھانی تھی گویا کہ پہلے کفر کی ابتداؤں کا ذکر ہوا تھا اب کفر کی انتہا کا۔

تفسیر نحوی كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ كَاَنْ ۔ کاف جارہ حرف تشبیہ اَنْ حرف تحقیق تشبیہ کی تاکید کے لئے اَنْ درمیان کلام کی وجہ سے مفتوح ہے اسم اَنْ پوشیدہ ضمیر ہے دراصل كَاَنَّهُمْ لَمْ يَغْنَوْا نفی جحد بلم بصیغۂ جمع غائب فاعل ھم ضمیر کا مرجع ہلاک شدگان غنوٌ سے بنا ہے بمعنی بسنا آباد ہونا فی ظرفیہ اپنے معنی میں ہے ھا ضمیر مونث کا مرجع علاقۂ مدین ہے۔ اَلَا حرف تنبیہ بعدًا بروزن فُعلًا بمعنی ذلت کی دوری یعنی پھٹکار لِمَدْيَنَ لام حرف جر بمعنی مفعولیت مَدْيَنَ غیر منصرف عجمی ہے لہٰذا بحالت جر زبر آیا۔ کَمَا کاف حرف تشبیہ ما کافہ بَعِدَتْ دراصل بَعُدَتْ تھا باب کَرُمَ کا ماضی بصیغۂ مونث ایک قرأت مشہورہ میں بَعِدَتْ باب سَمِعَ سے ہے بمعنی پھٹکار ہوئی۔ تشبیہ بہر حال نوعی ہے خواہ پھٹکار بمعنی عذاب ہو یا ناراضی رب تعالیٰ اس کا فاعل ہے ثَمُوْدُ۔ قوم صالح علیہ السلام کا نام وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ — واؤ سر جملہ لام کئے قَدْ اَرْسَلْنَا فعل ماضی قریب۔ قرب زمانی کے لئے ہے فاعل نا ضمیر متکلم مراد اللہ تعالیٰ موسیٰ اسم مقصورہ بحالت تقدیری فتح مفعول بہ ہے باء بمعنی مع یعنی ساتھ آیات جمع ہے آیت کی بمعنی معجزہ مضاف ہے نا ضمیر متکلم کی طرف واؤ عاطفہ سُلْطٰنٍ سَلْطٌ سے بنا بمعنی غلبہ اسی سے ہے تَسَلُّطْ بادشاہ کو سلطان اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کا غلبہ ہوتا ہے۔ یہاں مبالغے کا صیغہ ہے بروزن فعلان الف نون زائدہاں۔ بحالت جر ہے بوجہ عطف موصوف مبین صفت مجرور کا۔ اسم فاعل ہے باب افعال کا بَيْنٌ سے بنا بمعنی ظاہر کرنا۔ یاءِ مکسورہ کو ساکن کیا تخفیف کے لئے اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ — الیٰ حرف جار انتہاءِ ارسال کے لئے ہے لفظ فرعون لقب شاہی ہے غیر منصرف ہے بحالت جر میں زبر ہے واؤ عاطفہ ہے مَلَاءِ جمع ہے مَلَاٌ بمعنی دولت مند۔ ہٖ کا مرجع فرعون ف تعقیبیہ فعل ماضی بصیغۂ جمع باب افتعال اس کا فاعل یا مَلَاءِ ہے یا پوری قوم اَمْرَ بحالت زبر مفعول بہ ہے امر بمعنی حکم یا قانون فرعون مضاف الیہ بحالت جر ہے واؤ حالیہ ما نافیہ اَمْرُ بحالت رفع مبتدا لفظ فرعون غیر منصرف مضاف الیہ ہے بِرَشِيْدٍ با زائدہ جار و مجرور متعلق ہے صالح پوشیدہ کا رَشِيْدٌ رُشْدٌ سے بنا ہے بمعنی لائق درست۔ فائدہ مند ہدایت والا۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۔ يَقْدُمُ فعل مضارع بمعنی مستقبل قَدْمٌ سے بنا بمعنی آگے ہونا قَوْمَ مفعول بہ ہٗ کا مرجع فرعون يَوْمَ اسم ظرف بحالت زبر مفعول فیہ ہے مراد زمانہ یا وقت القیمۃ الف لام عہدی ہے۔ قیام بروزن فعال مصدر ہے آخری تا مصدریہ ہے مضاف الیہ ہے۔ فاء تعقیبیہ اَوْرَدَ فعل ماضی باب افعال سے بمعنی مستقبل۔ یقین کامل کی وجہ سے ماضی آیا وِرْدٌ سے بنا بمعنی پہنچانا هُمْ اس کا مفعول بہ النَّارَ الف لام عہد ذہنی مراد جہنم ہے نَارَ بحالت زبر مفعول فیہ ہے۔ نار

کا لغوی معنیٰ آگ ہے۔ واؤ حالیہ بئس فعل ذم ہے بزمانہ ماضی بوجہ یقین کامل کے ہے۔ اَلْوِرْدُ اسم مشتق ہے ورود مصدر سے بنا۔ بمعنی پانی کی طرف جانا۔ لغوی ترجمہ۔ نرم جگہ آسانی سے اور محبت سے چلنا آسان وظیفے کو بھی اسی لئے ورد کہتے ہیں۔ اس کی جمع ہے اَوْرَادٌ مخصوص بالذم ہے۔ المورود اسم مفعول فاعل ہے فعل ذم کا۔ اس کا مادہ بھی ورد ہے اسی سے وارد بمعنی آگے چلنے والا۔ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۔۔۔۔ اُتْبِعُوْا ماضی مجہول بصیغہ جمع۔ تبعٌ سے بنا۔ آٹھ معنی میں مشترک ہے ۱ نقش قدم پر چلنا ۲ پیروی کرنا ۳ خدمت کرنا ۴ مدد کرنا ۵ پیچھا کرنا ۶ جاری رکھنا ۷ مغلوب کرنا ۸ کام کا مسلسل ہونا یہاں یہ آخری معنی مناسب ہیں فِیْ ظرفیہ هٰذِهٖ اسم اشارہ قریب ہے۔ لَعْنَةً یا مفعول فیہ ہے اور تمیز ہے۔ اُتْبِعُوْا کے نائب فاعل ھم ضمیر جمع کا۔ لعنت مصدر ہے تاءِ مصدریہ آخر میں ہے بمعنی رحمت سے دوری۔ واؤ میں دو قول ہیں۔ پہلا یہ کہ عاطفہ ہے تب یَوْمَ کا تعلق اتبعوا فعل مجہول سے ہوگا۔ دوسرا یہ کہ واؤ سر جملہ ہے تب یہ نیا جملہ ہے اور مابعد کا تعلق آگے سے ہے۔ یَوْمَ بحالت زبر ظرف موخر ہے یا مقدم واؤ کی مناسبت سے دونوں احتمال ہیں۔ قیامت سے مراد میدان حشر ہے۔ بئس فعل ذم اَلرِّفْدُ اسم مشتق ہے بروزن وِرْدٌ اس کا مصدر رفود یا ارفاد ہے۔ تین معنی میں مشترک ہے ۱ ٹیک ۲ عطیہ ۳ مدد یہاں دوسرے معنی مناسب ہیں فاعل ہے فعل ذم کا اگلا لفظ المرفود ہے۔ بمعنی مفعول۔ یہ بئس ذم کا مخصوص بالذم ہے۔ مادہ اشتقاق دونوں کا ایک ہے۔

تفسیر عالمانہ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ۔ چیخ سے انسان مرے آگ سے درخت اور کھیتیاں جلیں طوفان اور زلزلے سے مکانات گرے اور ایسے ملیامیٹ ہو گئے آن کی آن میں گویا کبھی آباد ہوتے ہی نہ تھے۔ جیسے یہاں بستیاں تھی ہی نہیں۔ نہ وہ سرکشی رہی نہ ظلم و غرور کی اکڑ نہ وہ شور رہا۔ کہ باطل کا صرف شور ہی ہوتا ہے۔ زور اور بقا صرف حق کا ہوتا ہے۔ متنبہ رہو کہ پھٹکار پڑی قوم مدین پر جیسے کہ پھٹکارے گئے ثمود یا ملعون ہوتے ثمود اسی طرح مدین والے یا ہلاکت آئی مدین کے لئے جیسے ہلاک ہوتے ثمود۔ جرم اگرچہ دونوں کے مختلف تھے مگر کفر اور گستاخی نبی سب کی یکساں تھی اس لئے عذاب یکساں ہوا۔ صرف تھوڑا فرق ہوا۔ لفظ بعد اگر ب کے پیش سے ہو تو بمعنی دوری ہے اگر ب کے زیر سے ہو تو بمعنی ہلاکت ہے ان دونوں صورتوں میں عین کو حرکت ہوگی زیر یا زبر کی اگر ب کو پیش اور عین کو سکون ہو تو مصدر ہوگا۔ بمعنی ہلاک ہونا۔ یہاں تینوں اعتبار سے تین تفسیریں کی گئی ہیں۔ باب سمع سے ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ دونوں قومیں بالکل قریب قریب بستیاں تھیں اور ایک جرم یعنی ڈکیتی میں دونوں ملوث رہتے تھے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ۔ اور البتہ بے شک بہت اہتمام سے بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ظاہر نشانیوں کے ساتھ اور رعب دار روشن حجۃ قطعی کے ساتھ سورۂ ھود کا یہ چھٹا واقعہ ہے اس سے پہلے پانچ انبیاء کرام کا ذکر ہوا مگر ان میں لَقَدْ اَرْسَلْنَا ایک ہی دفعہ تھا۔ باقی واقعات میں اسی

ارسلنا کو عامل مانا گیا تھا یا پوشیدہ رکھا گیا۔ یہاں پھر وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا سے شروع فرمایا گیا اس کی چند وجہ ہیں پہلی یہ کہ حضرت نوح پہلے صاحب شریعت نبی ہیں جن کو اصطلاح شرعی میں رسول کہا جاتا ہے اور حضرت موسٰی پہلے صاحب کتاب نبی ہیں جن کو اصطلاحاً مرسل کہا جاتا ہے۔ نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار صحیح روایت کے مطابق ان میں رسول ۳۱۳ اور ان میں مرسل چار۔ حضرت نوح پہلے رسول نبی حضرت موسٰی پہلے مرسل نبی۔ اس لئے وہاں بھی وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فرمایا گیا اور یہاں بھی۔ حضرت ھود۔ صالح اور شعیب علیہم السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام متفق علیہ رسول ہیں حضرت لوط ایک قول میں صاحب شریعت نہیں بلکہ شریعت ابراہیمی کے نبی تھے۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام۔ دوسری وجہ پہلے انبیاء کرام اپنی اپنی قوم کی طرف تشریف لاتے مگر حضرت موسٰی دو قوموں کی طرف قبطی اور بنی اسرائیل کی طرف چوتھی وجہ پہلے انبیاء کرام قوم کے امراء اور سرداروں کی طرف مبعوث کئے گئے مگر حضرت موسٰی ایک سرکش بادشاہ اور اس کے ظالم و مغرور لشکر جرار کی طرف چوتھی وجہ پہلے انبیاء کرام ان کفار کی طرف بھیجے گئے جنہوں نے اپنے ہاتھ سے مٹی کی مورتیاں بنا کر ان کو خدا کہنا شروع کر دیا حضرت موسٰی اس کافر کی طرف بھیجے گئے جو خدا بن بیٹھا تھا ان خصوصیات کی بنا پر یہ واقعہ نئے سرے سے لَقَدْ فرما کر شروع فرمایا گیا۔ لام اور قد دونوں حرف تاکید ہیں یہاں ڈبل تاکید کرنے سے واقعہ کی اہمیت کا اظہار کیا گیا۔ اس اہمیت کی بنا پر بعض نے فرمایا یہاں باللہ قسمیہ پوشیدہ اور یہ جملہ قسم ہے۔ یعنی اللہ کی قسم ہم نے بھیجا۔ آیات جمع ہے آیت کی بمعنی معجزہ خواہ بشکل عذاب ہو یا بشکل نمائش۔ وہ عذاب جو ہلاکت نہ کرے وہ معجزوں میں شمار ہے۔ حضرت موسٰی کو اس طرح کے نو معجزے عطا ہوتے اتنے کسی نبی کو نہ ملے۔ بجز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ تو سراپا معجزہ تھے علماء کرام فرماتے ہیں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات چار لاکھ ہیں جن میں سے ہزاروں کا اب بھی مشاہدہ ہے موسٰی علیہ السلام کے معجزات جن کو یہاں آیات فرمایا گیا یہ ہیں ۱ عصا کا سانپ ۲ چمکتا ہاتھ۔ یہ دلیل معجزہ تھے ۳ طوفان ۴ مکڑی کا برسنا ۵ جوؤں کا آنا ۶ مینڈک کا آنا ۷ خون ہونا ۸ قحط ۹ انسانی جانوں کا نقصان۔ سلطان بنا ہے سلطٌ سے جس کا معنٰی ہے غلبہ۔ رعب اسی سے ہے۔ تسلط۔ سچی دلیل کو حجت اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے مخالف پر رعب طاری ہوتا ہے اور حجت کو سلطان اس لئے کہا جاتا ہے کہ حجت یعنی مضبوط دلیل سے لوگوں پر اس طرح غالب آجاتا ہے جیسے بادشاہ رعایا پر۔ بادشاہ کو سلطان اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین پر حجۃ اللہ ہوتا ہے۔ آیَاتِنَا کا عطف سلطان پر ایسا ہی ہے جیسا موصوف کا عطف صفت پر مبین سے مراد یا تو ظاہر ہونے والا تب یہ لازم ہے یا ظاہر کرنے والا تب یہ متعدی ہے۔ یہاں ان نو میں سے ایک معجزہ مراد ہے۔ اکثر کے نزدیک عصا مراد ہے جس نے جادوگروں کی موجودگی میں حق کو ظاہر و غالب کیا۔ یا حضرت موسٰی کا وہ پہلا وعظ ہے جس نے فرعون کو مبہوت کر دیا اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَاْئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ موسٰی علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا اور اس کے درباریوں کی طرف۔ لفظ مبین پر آیت مکمل ہو گئی تھی مگر مضمون مکمل نہ تھا اس لئے آیت پر وقف ناجائز تھا۔ حرف الٰی ارسلنا کا متعلق ہے۔ بدیں وجہ جملہ مکمل نہ ہوا تھا مگر آیت اس لئے مکمل تھی مبین پر مقصد مکمل ہو جاتا ہے۔ درباریوں سے قبطی مراد ہیں کہ وہی اس کے ہم قوم تھے ان ہی میں سے امرا فرعون کے مشیر خاص تھے

اصل حکومت قبطیوں کی تھی بنی اسرائیل اقلیت میں تھے اور قبطی ہی فرعون کے دینی متبع تھے وہی سب غرق ہوئے تمام چھوٹے بڑے عذاب ان پر ہی آتے رہے اسرائیلیوں نے فرعون کو دل سے معبود نہ مانا تھا وہ صرف نوکروں کی حیثیت سے وہاں پھنسے ہوئے تھے اگر کوئی اسرائیلی فرعون کو سجدہ کرتا بھی تھا تو مجبوراً صرف جسم سے نہ کہ دل سے۔ حضرت موسیٰ قبطیوں اسرائیلیوں سب کی طرف مبعوث تھے مگر چونکہ فرعون اور اس کے رؤسا کو سمجھانا اصل مقصود تھا کہ ان کے سمجھنے سے سب کا سمجھنا تھا اس لئے خصوصیت سے ارسلنا کا تعلق الی فرعون و ملائہ سے کیا گیا۔ حضرت موسیٰ نے بہت اچھے طریقے سے سمجھایا کہ ہر کس وناکس کی عقل سمجھ گئی کہ فرعون جھوٹا ہے بلکہ خود فرعون بھی آمادہ با یمان ہو گیا۔ لیکن حضرت موسیٰ کو ماننے میں اپنی ذلت سمجھ کر ضد کر بیٹھا پس اس کے درباری بھی اسی کے تبع ہوتے۔ اور حضرت موسیٰ کے معجزات کا زبانی کفر کیا حالانکہ ان کی عقلیں حقانیت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی گھبراہٹ مان گئیں۔ اور عقل انسانی تکذیب فرعون تو پہلے ہی کرتی تھی کہ بھلا بشر خدا کب ہو سکتا ہے مگر فرعون کے اتنے سو سالہ رعب کی وجہ سے حق کے ماننے اور توحید کے اقرار سے منکر ہوئے اور فرعونیوں کا یہ کفر بالکل ظاہر تھا لہٰذا اس کا ذکر یہاں نہ کیا جو فرعون کہتا رہا یہ امراء اس کی اتباع کرتے رہے ہاں میں ہاں ملاتے رہے اور فرعون ایسا جاہل تھا کہ اس کا کوئی کام عقل کا نہ تھا رشید رشد سے بنا ہے بمعنی ہدایت اور عقل والا کلام مقابل غی یعنی گمراہی سرکشی کے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ فرعون دھریہ تھا کسی کو خالق نہ مانتا تھا خود کو معبود کہتا تھا جبراً اپنی عبادت کراتا تھا یہ تمام امور بالکل ہی رشد و ہدایت سے خالی تھے۔ اس لئے فرمایا مَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ۔ فرعون کے احکام عقل کے نہیں يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ۔ حضرت موسیٰ نے ایسا وعظ وتبلیغ فرمائی جو ہر انسان کے عقل میں آنے والی تھی مگر کفار نے پھر بھی نہ مانی اور اندھے بن کر فرعون کے پیچھے لگے رہے اس لئے قیامت تک یہ کفار قبطی فرعونی عقل اور دل کے اندھے ہی بنے رہیں گے یہاں تک کہ روز محشر بعد حساب کتاب جب جہنمی جہنم میں جائیں گے تو فرعونیوں کی یہ مذکورہ حالت ہو گی کہ يَقْدُمُ قَدْمٌ سے بنا بمعنی آگے ہونا اسی سے ہے قائد۔ فرعون کفر و غرور کا جھنڈا پکڑ کر آگے آگے ہو گا اور اس کی یہ قوم کفار اس کے پیچھے چلے گی اپنے آگے بھڑکتا جہنم دیکھ کر رکنے کی کوشش کریں گے مگر رک نہ سکیں گے تب فرعون کو برا بھلا کہیں گے مگر اب کیا فائدہ۔ یہ جلوس سیدھا جہنم کے مقررہ طبقے میں چلے جائیں گے اور ظاہراً فرعون ہی ان کو لے جائے گا۔ اَوْرَدَ ماضی فرمایا گیا یقین کے لئے وردٌ کا معنی ہے پانی کا آنا پانی چونکہ نرم ہوتا ہے اس لئے اس مشابہت سے یہ بتایا گیا کہ ان کا جہنم کی طرف آنا بہت آسان ہو گا۔ لیکن باوجود آسانی کے یہاں آنا ٹھکانہ بنانا بہت ہی برا ہے۔ کیونکہ پانی پر آنا پیاس بجھانے اور کلیجہ ٹھنڈا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ مگر یہاں ان کو آگ نصیب ہو گی اور وہ بھی دائمی۔ مقصد کلام یہ ہے کہ دنیا میں وہ سرداری کا لالچی تھا اور قائد بننے کی تمنا لئے رہا اسی لالچ نے اس کو خدائی کے دعوے پر اکسایا۔ اس کی یہ تمنا قیامت میں بھی پوری کی جائے گی لفظ ورد کبھی بمعنی وارد اسم فاعل ہوتا ہے کبھی بمعنی ورود مصدر ہوتا ہے اور کبھی بمعنی مورود۔ یہاں ورد بمعنی وارد ہے یا ورود پہلے اعتبار سے بئس کا فاعل فرعون ہے دوسرے لحاظ سے یہ بمعنی وارد ہوتا ہے فرعون تو اپنی لالچ میں رہا مگر ہوا کیا وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ۔ دنیوی نفع کو صرف فرعون کو ہوا مگر پیچھے ڈالے گئے وہ سب اس دنیا میں بھی تا قیامت لعنت و پھٹکار میں کہ ہر شخص ان پر لعنت کرتا

ہے کوئی شخص نام لینا پسند نہیں کرتا بلکہ جس طرح لفظ یزید ظلم و سرکشی علامتی لقب بن چکا ہے اسی طرح لفظ فرعون بھی ظلم وتکبر کا لقب بن گیا ہے اور قیامت کے میدان میں ان پر خصوصی لعنت وارد ہو گی یا اس طرح کہ فرشتے لعنت کریں گے یا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے گا یا اس طرح کہ خود آپس میں ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرتے ہوں گے۔ یہ مفسرین کے اقوال ہیں میں کہتا ہوں یہ سب ہی عذاب ان پر ہوں گے کیونکہ معذب ہی ملعون ہوتا ہے۔ جیساکہ ذلیل ہی بے توفیق ہوتا ہے۔ برا ہے یہ عطیہ یعنی دنیا کی لعنت جس نے مدد کی اخروی لعنت پر یا بری ہے وہ دنیوی لعنت کی مدد جس کی وجہ سے اخروی لعنت ملی۔ اور اس طرح لعنت کے بعد لعنت ملتی رہی پہلی لعنت سبب ہوئی دوسری کی۔ اگر وہ نہ ہوتی تو یہ بھی نہ ہوتی۔ دنیا پرست چاہتا ہے کہ جہان میں میری عزت ہو مگر اس کے لئے غلط راستہ اختیار کرتا ہے تو بجائے عزت کے دنیا جہان کی لعنت اختیار کر لیتا ہے اور وہی اخروی لعنت کا سبب بن جاتی ہے۔ (تفسیر کبیر روح البیان۔ معانی۔ مظہری۔ خازن۔ مدارک جمل۔ صاوی۔ سراج منیر)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** حشر میں ہر کافر اپنے کافر گر پیشوا کے ساتھ ہوگا اور جس طرح وہ قائد کفر یہاں غرور و تکبر سے پیشرو بنا پھرتا تھا اسی طرح وہاں ذلت و پھٹکار کے ساتھ آگے لگا ہوگا پیچھے سے لعنتیں پڑتی جائیں گی یہ فائدہ یَقْدُمُ اور وردا مورود سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** برے ساتھ کا انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے تو اچھے ساتھی والے کا انجام اچھا ہی ہوگا یہ فائدہ رِفْدُ الْمَرْفُوْدُ سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** دنیا کی رسوائی اور ذلت نیک لوگوں کا کسی کو برا کہنا اخروی لعنت کا سبب ہے یہ فائدہ بھی مَرْفُوْدُ فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا نیک لوگوں کا کسی کا ذکر خیر کرنا اخروی کامیابی کی علامت ہے **چوتھا فائدہ** جو لوگ دنیا میں انسانوں کو گمراہ کرنے اور ورغلانے میں لگے ہوئے ہیں کل قیامت میں وہی لوگ اپنے گمراہ شدہ چیلوں مریدوں اور شاگردوں کے قائد ہوں گے۔ اور گمراہ لوگ انہیں کے جھنڈے نیچے ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ یہ فائدہ بھی یَقْدُمُ قَوْمَهٗ سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** باطل کا صرف شور ہوتا ہے اور کچھ نہیں ہوتا۔ جب قہر الٰہی کی ایک ہی لہر اٹھتی ہے تو باطل کا نام و نشان تک بھی مٹ جاتا ہے یہ فائدہ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں پہلے فرمایا گیا یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یہ فعل مضارع بمعنی مستقبل ہے۔ بالکل مناسب ہے پھر ساتھ ہی فرمایا گیا فَاَوْرَدَهُمُ یہ فعل ماضی سے ہے بالکل مناسب نہیں کہ زمانہ ورود تو بعد قیامت آئے گا مستقبل واقعے کو ماضی سے کیوں بیان فرمایا گیا چاہیئے تھا کہ یَقْدُمُ اور حقیقت کی مناسبت سے فَیُوْرِدُهُمْ کہا جاتا **جواب** بقاعدۂ نحویہ مستقبل چیز کو ماضی سے ذکر کرنے میں مبالغے اور یقینی صورت کا اظہار مقصود ہوتا ہے تو یہاں بھی اس کے اہتمام اور اظہار یقین کے لئے اَوْرَدَ ماضی ارشاد ہوا اس واقعے کی یقینی حالت بیان ہوئی گویا کہ ایسا ہو ہی گیا۔ کیونکہ ماضی ہمیشہ موجود کے وجود پر دلالت کرتی ہے **دوسرا اعتراض** مورود سے مراد نار ہے اور لفظ نار عربی میں مونث ہوتی ہے تو چاہیئے تھا کہ بِئْسَتِ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدَةُ فرمایا جاتا **جواب** نار

اگرچہ مونث ہے مگر نحوی قاعدہ ظاہر پہ جاری ہوتا ہے نہ کہ معنوی اور مراد پہ ۔ یہاں ظاہری لفظ جو بئس کا فاعل اور مخصوص بالذم بن رہا ہے وہ ورداور مورود ہے اور یہ دونوں مذکر ہیں ۔ ہاں البتہ یہاں بئست بھی کہنا جائز ہے معنی کا لحاظ رکھتے ہوئے مگر زیادہ مناسب بئس مذکر ہی ہے ۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے نِعْمَ الْمَنْزِلُ دَارُکَ اور نعمت الْمَنْزِلُ دَارُکَ لفظ دار مونث ہے تو جب دار کا لحاظ رکھا جائے گا تو فعل مونث پڑھنا جائز اور جب منزل کا لحاظ رکھا جائے تو فعل مذکر پڑھنا بہتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۗ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۔ دنیاء دون دولت مخزون عزت مرہون پر غرور کرنے والے آخر انجام اس طرح گم نام ہوجاتے ہیں اور ہلاکت کی وادی میں اس طرح فنا ہوتے ہیں گویا کبھی غنیٰ کی منزل پر آئے ہی نہ تھے ۔ اہل عشق کی بے نیازانہ جہل قدمی مفسدوں کے نشان راہ کو یکسر مٹا دیتی ہے اور اہل ہوا کو ان کی ہی ظلم کی آندھیاں اس طرح اڑالے جاتی ہیں کہ زمین قالب اور میدان عمل میں ان کا ایک نشان قدم ونقشہ سکونت بھی باقی نہیں چھوڑتیں ۔ یہ مظلوم قلب مسکین جگر اور قالب مدین کے ظلموں سے پریشان ہونے والے ضمیر وشعور کے قاصدان پیغام اسرار کی بددعاؤں کا نتیجہ ہے کہ دوری ابدی لعنت دائمی کا تمغۂ گمنامی نصیب ہوا ۔ جرم اگرچہ جدا ہیں ۔ کردار ظلم اگرچہ مختلف ہیں مگر دوری فراق کی لعنت قالب مدین پر بھی وہی وارد ہے جو ثمود دماغ ذمیمہ پر ڈالی گئی ۔ صاحب کفر اور اہل ہوا نے ۔ طلب دنیا اور شہوتوں کو پورا کرنے کے لئے قوت روحانی اور طاقت فطری میں فساد تباہی مچایا ۔ حق سے تکبر اور قبول ہدایت وادی انوار سے منہ پھیرا باطل کو لیا ۔ حق کو چھوڑا ۔ صورۃً اور معنیً ہلاکت کی راہ چلے ۔ صورۃً تو اس طرح اعضاء ظاہری گناہوں کے کیچڑ میں پھسلایا اور اعمال مفسدانہ کروائے اور معنیً اس طرح کہ جوار الٰہی اور عیش طیبہ سے دور رہے ۔ اسفل السافلین کے گروہ خبیثہ کے ساتھ قطعی قرب پایا ۔ پس یہی برے نصیب والے ہیں جو نار فرقت میں جلتے رہیں گے نہ زندگی پائیں گے نہ موت ۔ حیات فانیہ سے ان کو کوئی نفع نہیں ۔ جبرائیل سرمدی کی چنگھاڑ سے ایسے فنا ہوئے گویا تھے ہی نہیں ۔ لیکن بحر تجلیات پر ایمان لانے والے مومن شعیب قلب کے نغمات توحید اور نفخۂ حیات ابدی سے زندہ ہو کر سرور دائمی پا لیتے ہیں ۔ قلب وفواد کی زندگی اکسیر جسدی ہے جو اپنے قلب وجگر کی دوری اور موت کا خواہشمند ہے وہ ظالمین وبدقسمتوں میں ہے مردان صالحین کو چاہیئے کہ حالات ظالمین سے عبرت پکڑیں کیونکہ ظالمین بدبختوں نے دنیاء ذلیل کو پکڑا اور اسی پر آخرت کو استوار کیا پھر ان سے رب جلیل نے ایسا سلب باطن فرمایا اور دیار انوار سے ان کو ایسا نکالا گویا کہ انہوں نے کبھی نفع لاہوت پایا ہی نہیں اور کبھی وادی مشاہدات میں ٹھہرے ہی نہیں آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا خواب بنیند کا جھٹکا ہے ۔ آخرت حیات ابدی ہے اچھی اچھوں کے لئے بری بروں کے لئے ۔ جنت دنیا کی بکھیر کرنا ہے ۔ اور جہنم آخرت کو بکھیرنا ۔ خیر امت اطاعت الٰہی ہے ۔ مردان راہ ۔ طالب قافلہ کی طرح گروہ اصفیا اولیا کی تلاش میں سرگرداں ہیں ۔ قرار دنیا ۔ تلاش قافلہ کی مقدار ہے ۔ دنیا وآخرت کا فاصلہ پلک جھپکنا ہے ۔ اہل شقاوت زاہد آخرت وراغب دنیا ہے اور اہل سعادت زاہد دنیا وراغب آخرت ہے یہی وہ پہچان ہے جو

مالک بحر و بر مختار کل نبی ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ جبہ و دستار سے پہچان نہیں ہوتی وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ اہل بصارت جانتے ہیں کہ جنگل میں ایک ہی خار دار جھاڑی نہیں ہوتی بلکہ مختلف کانٹے خودرو جھاڑیاں اُگتی رہتی ہیں اور جنگل کے سالار قافلہ راہ قافلہ ہموار کرنے کے لیے ان کانٹوں کو اکھیڑتے توڑتے رہتے ہیں یونہی اہل بصیرت باطن انسانی کو جب دیکھتے ہیں تو وہاں بھی ہزاروں فرعون و شداد دکھائی دیتے ہیں مگر رب کریم اپنے کرم سے کانٹوں سے پھول۔ زہر سے تریاق۔ مصیبت سے راحت بناتا ہے۔ خود فرماتا ہے اور البتہ بے شک بھیجا ہم نے موسیٰ انوار کو اپنی آیات قدرت اخبار جلال۔ حقائق بارگاہ۔ فضائل معارف مکاشفات منتشرہ کے ساتھ اور سلطان نور ازلیہ کے ساتھ جو نشانات محبت میں مبین ہے۔ کلام شوق کی سلطنت کے ساتھ۔ اور قوت خطاب کی آیتوں اور دیدار جمال کے سلطان کے ساتھ اور بارگاہ الٰہی میں عجز کی آیتوں اور اعداء اللہ کے سامنے تکبر کلیمی کے سلطان ظاہر با دشاہت بینہ کے ساتھ فرعون عقل طاغوتی اور اس کے گروہ عقلیات کی طرف۔ عقلیات فانیہ نے عقل طاغوتی کے نقش قدم ہی کی پیروی کی حالانکہ فرعون عقل طاغوتی کا حکم اور فیصلہ منزل طور عشق تک پہنچانے والا نہ تھا بلکہ نار فساد میں جلانے والا اور بحر ظلمات میں ڈبونے والا تھا۔ وادی رشد جمال سے دور کرنے والا تھا یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ۔ عقل کی بھنور میں پھنسنے والی ذریت عقلیات سرکش کبھی منزل نجات نہیں پاتی محرومی قیامت اور محشر ہلاکت میں بھی عقل طاغوتی پیچھے نہ رہے گی بلکہ رذالت کی سالاری اوصاف ذمیمہ کے پیشوائی سے آگے ہی ہوگی تو آتش ظلمات میں دھکیل دے گی۔ آج نہیں سمجھتے مگر اس بے کسی کے وقت ہر شقی جان لے گا کہ عالم قہر میں سب سے بری یہی جگہ ہے اور اتباع عقل کا خسارہ یہ ہے کہ زمین قالب میں دوری بارگاہ صمدیت کی لعنت ہے اور محرومی قیامت میں حاضری کے دن خصائل ذمیمہ کی وجہ عذاب فراق اور آتش ہجر کا برا انعام ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ مرشد کلیم کے حضور سکوت زبان کی طہارت کا وضو کرنے والا۔ گندگی فرعونی سے ہٹ کر شیخ قلب کی اتباع میں تکبیر کہنے والا ہی رفیقان ابرار میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ بری خصلتیں اور اہل ھوٰی کی اتباع فاسقوں کی صحبت انعام ذلت ہے۔ کیونکہ انسانی طبیعت جاذبہ ہے اور میل ملاقات موثر ہے اور امراض شیطانی سرایت کرنے والے ہیں۔ اور رگیں ابلیسیت کی طرف جھکنے والی ہیں لہٰذا اے طالب خیر۔ شر شرک اور مجلس کفر سے دور ہو اور اخلاق ذمیمہ کی اتباع نہ کر ورنہ واردات خبیثہ کے مورود اور انعام قبیحہ مرفود میں نار ابدی میں جلنا ہوگا۔ (روح البیان۔ عرائس)

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ مِنْهَا قَآىٕمٌ

وہ سے خبروں بستیوں کی بیان فرماتے ہیں ہم ان کو بہ آپ سے ان بعض قائم ہیں

یہ بستیوں کی خبریں ہیں تمہیں سناتے ان میں کوئی کھڑی ہے اور کوئی

وَّحَصِيْدٌ ﴿١٠٠﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اور بعض کٹ چکیں اور نہ ظلم کیا ہم نے ان پر اور لیکن خود ظلم کیا انہوں نے جانوں اپنی پر

کٹ گئی اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا بلکہ خود انہوں نے اپنا برا

فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

تو نہ بچایا کو ان معبودوں نے ان کو وہ معبود پوجتے تھے سے سوا

کیا تو ان کے معبود جنہیں اللہ کے سوا پوجتے تھے ان کے کچھ

اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ

اللہ کے ۔ سے ذرا چیز جب کہ آیا عذاب رب کا آپ کے اور نہ زیادہ ہوئے وہ کافر

کام نہ آئے جب تمہارے رب کا حکم آیا اور ان سے انہیں ہلاک

غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿١٠١﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى

ان باطل معبودوں کی وجہ سے سوا ہلاکت کے اور اسی طرح ہے پکڑ رب کی آپ کے جب بھی پکڑا بستیوں کو

کے سوا کچھ نہ بڑھا اور ایسی ہی پکڑ ہے تیرے رب کی جب بستیوں کو پکڑتا

وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿١٠٢﴾

حالانکہ وہ بستیاں ظالم ہوں بے شک پکڑ اس کی دردناک سخت تر ہے

ہے ان کے ظلم پر بے شک اس کی پکڑ دردناک کرّی ہے

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں سات قوموں کے ذکر ان کے کفران کی سرکشی انبیاء کرام سے مقابلہ اور عذاب الٰہی سے کفر پر موت کا واقعہ بیان ہوا اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان واقعات کے بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ اے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کی تسلی ہو اور اقوام عالم کو پتہ لگ جائے کہ جس قوم پر بھی عذاب آیا ان کی اپنی ہی کفریہ حرکتوں کی بنا پر آیا۔ رب نے کسی پر ظلم نہ فرمایا **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں کافروں کی بت پرستی جھوٹے معبودوں پر بھروسہ کرنے کا ذکر ہوا اب فرمایا جا رہا ہے کہ جن پر کفار کو بھروسہ تھا وہ ان کے کسی کام نہ آئے نہ عذاب سے بچا سکے نہ جہنم کی تکالیف سے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں سابقہ امتوں کی نافرمانی اور عذاب،

ذکر ہوا اب فرمایا جارہا ہے کہ اللہ جبار و قہار اسی طرح ہر ظالم سرکش مغرور متکبر فسادی کافر۔ فاسق فاجر کی پکڑ فرمارہے گا اللہ کی سخت پکڑ سے بجز اس کے جو پیارے نبی کے دامن میں آگیا۔ کوئی نہیں بچ سکتا۔ گویا کہ پہلے اوّلین کی سزاؤں کا ذکر سنا کر اب آخرین کو عبرت دلاتے ہوتے خبردار اور متنبہ کیا جارہا ہے۔

تفسیر نحوی

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّ حَصِیْدٌ ۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی مشارالیہ کیلئے من تبعیضیہ انباء جمع ہے نبأ کی بمعنی سچی خبر۔ القُرٰی الف لام عہدی ہے قُرٰی جمع ہے قَریۃ کی۔ یہ ذٰلِكَ مبتدا ہے مِنْ جارہ سے پہلے اَلْمَوْجُوْدُ پوشیدہ ہے خبر اوّل ہے نَقُصُّ فعل مضارع بصیغہ جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ قَصَصٌ سے بنا بمعنی تفصیل سے بیان کرنا ہٗ ضمیر واحد غائب کا مرجع انباء ہے کیونکہ وہ بھی لفظی واحد ہے علیٰ جارہ بمعنی عندكَ ضمیر مخاطب کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا عام مسلمان۔ من بعضیت کا ھا ضمیر مونث کا مرجع قرای ہے۔ قَآئِمٌ اسم فاعل بمعنی مفعول یعنی موجود ہیں قیامٌ سے بنا۔ واوٗ عاطفہ حَصِیْدٌ بروزن فعیل بمعنی محصود یعنی اکھڑی ہوئی حَصْدٌ سے بنا جس کے معنی کھیت کاٹنا۔ یا جڑ سے اکھیڑنا یہ جملے کا جملے پر عطف ہے اور پھر یہ قری کا حال ہے وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ واوٗ سر جملہ مَا ظَلَمْنَا ماضی منفی بصیغہ جمع متکلم ظُلْمٌ سے بنا اس کا ترجمہ ہے بلاجرم سزا دینا یا نقصان کرنا ھُمْ ضمیر کا مرجع تباہ شدگان واوٗ عطف کا لٰکِنْ استدراکیہ ایک کی نفی کے بعد اس کو قائم رکھتے ہوتے دوسرے کو ثابت کرنا ظَلَمُوْا جملہ خبریہ فعل ماضی جمع اَنْفُس جمع نفس کی مراد اپنی ذات یعنی روح مع الجسم ھُمْ سے مراد تمام سابقہ کفار فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ۔ فا تعقیبیہ مَا اَغْنَتْ ماضی منفی باب افعال سے ہے غنیٰ سے بنا۔ یہ چھ معنی میں مشترک ہے۔ محتاج نہ ہونا ۱؎ باقی رہنا ۲؎ مالدار ہونا ۳؎ کافی ہونا ۴؎ نفع دینا ۵؎ کام آنا یہاں یہ آخری معنی مناسب ہیں۔ عَنْ زائدہ ھُمْ ضمیر سے سارے سابقین کفار مراد ہیں متعلق ہے اغنت کا آلہۃ جمع ہے اِلٰہ کی مرکب اضافی فاعل ہے اغنت کا اَلَّتِیْ اسم موصول مونث ہے۔ صفت ہے اٰلِهَة کی یَدْعُوْنَ فعل مضارع ہے یہاں کانوا پوشیدہ ہے اس لئے ماضی استمراری کے معنی میں ہے دَعْوٌ سے بنا بمعنی پکارنا مراد ہے پوجنا من جارہ عملاً زائد نہیں معنی زائد ہے دون اسم جامد ہے بمعنی مقابلہ مضاف ہے لفظ اللہ مجرور مضاف الیہ ہے مِنْ معنی زائدہ ہے شیٔ نکرہ مفرد مجرور بمعنی کچھ لَمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ ۔ لَمَّا حرف شرط۔ اس کا مابعد جملہ شرط یا شرط موخر ہے یا اپنے مقام پر اور اگلی عبارت اس کی جزا۔ جآء فعل ماضی اَمْر بمعنی قانون یا عذاب کا فیصلہ مضاف بطرف رب بحالت جر مضاف الیہ و مضاف کَ ضمیر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں یا عام مسلمان۔ واوٗ عاطفہ یا ابتدائیہ مَا زَادُوْ ماضی منفی بصیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل اٰلِهَة ہے متعدی بدو مفعول مفعول اوّل ھُمْ ضمیر جمع مذکر مفعول دوم غَیْرَ بحالت زبر مضاف ہے بطرف تتبیب باب تفعیل کا مصدر ہے متعدی ہے تَبٌّ سے بنا بمعنی ٹوٹنا۔ یا ہلاک کرنا پہلے معنی سے لازم ہے۔ یہاں دوسرے معنی مناسب ہیں وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِیَ ظَالِمَةٌ ۔ واوٗ سر جملہ كَذٰلِكَ حرف تشبیہ مبنی اصل ہے اَخذ مصدر متعدی مضاف ہے مشبہ ہے مشبہ بہ سابقہ تمام کلام ہے رَبّ، اسم مشتق ہے صفت مشبہ فاعل مضاف الیہ ہے

اخذ مصدر کا۔ اذا حرف شرط بمعنی کلما یعنی جب کبھی اَخَذَ ماضی معروف اس کا فاعل ذات باری تعالیٰ اَلْقُرٰی الف لام جنسی ہے قُرٰی جمع قَرْیَۃٌ کی واو حالیہ ہے ھِیَ مبتدا کا مرجع قُرٰی ہے۔ بمعنی بستی مراد ہیں۔ اہل بستی ظَالِمَۃٌ اسم فاعل بمعنی اپنا نقصان کرنے والی مونث کا صیغہ ہے اِنَّ اَخْذَہٗ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ ابتداء کلام ہے حرف تحقیق دفع شک کے لئے ہے اَخْذَ بحالت زبر مصدر متعدی ہے اِنَّ کا اسم ہے ہٗ ضمیر واحد غائب فاعل مضاف الیہ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ دونوں خبر اِنَّ ہیں بر وزن فعیل مبالغے کے لئے اَلَمٌ بمعنی دردناک سے بنا اور شَدِیْدٌ شَدٌّ بمعنی سخت سے بنا۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّہٗ عَلَیْكَ مِنْھَا قَآئِمٌ وَّحَصِیْدٌ ۔ ذٰلِكَ ۔ ترکیب نحوی میں مبتدا ہے اور یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے۔ جس کا ترجمہ اس طرح ہے وہ گذرے واقعات خبر ہے جو بتائیں ہم نے بستیوں کی خبروں سے۔ من جارہ بعضیت ہے یعنی ساری خبریں نہ بتائیں بلکہ چند واقعات بیان کئے ورنہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران کرام کے واقعات تو بہت زیادہ ہیں۔ ان واقعات میں نہ کچھ کمی زیادتی ہے نہ بھول چوک نہ جھوٹ یا غلط بیانی کیونکر نَقُصُّہٗ خود ہم خالق ارض و سماوات ان واقعات کو بیان فرما رہے ہیں۔ پھر کس کے سامنے عَلَیْكَ اے پیارے حبیب آپ جیسے شاہد نبی کے سامنے اگر ان مضبوطیوں کے باوجود یہ کفار یقین نہیں رکھتے تو تیری تصدیق یہ ہے کہ مِنْھَا قَآئِمٌ ان عذاب شدہ قوموں کی بستیوں میں سے بہت بستیاں ابھی بھی کھنڈرات کی شکل میں یا نشانات کی شکل میں یا ویران بے آباد مکانات کی شکل میں موجود ہیں۔ ان کو دیکھو اور ہمارے نبی کے فرمودات کی تصدیق کرو۔ اور ان بستیوں کی نشاندہی صحیح پاکر باقی ان بستیوں کے عذاب کے نزول پر بھی ایمان لے آؤ جن بستیوں کی حالت ہے وَّحَصِیْدٌ یہاں منہا پوشیدہ ہے۔ یعنی اور بعض ان میں سے وہ بستیاں بھی ہیں جن کے ساکنوں پر عذاب الٰہی آیا تو قوموں کے ساتھ بستیاں بھی ایسی ٹوٹ پھوٹ گئیں جیسے کٹی ہوئی کھیتی کہ ان کے نشان بھی مٹ گئے۔ صرف جغرافیہ سے سمتیں اور حدود اربعہ رہ گئے آج وہاں اجاڑ بیابان جنگل ہیں جن کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کبھی یہاں فلاں قوم آباد تھی ایسے چمن زار تھے۔ اتنی عظیم بستی تھی۔ یا آج صرف کھنڈرات ہیں۔ یا کچھ بھی نشان باقی نہ رہا تاریخ نے بالکل ہی ان کو بھلا دیا صرف علم الٰہی میں ہیں۔ یہ منہا کا جملہ نَقُصُّ کے جملے سے علیحدہ ہے۔ دوسری تفسیر اس طرح ہے اے نبی وہ تمام واقعات ہم نے آپ کو اس لئے بتلائے ہیں کہ ان میں آپ کی امت کے لئے آپ کی نبوت کے دلائل ہیں کیونکہ یہ سب غیبی چیزیں ہو گئی ہیں بعض کے تو کچھ نشانات بھی دیکھے جاتے ہیں جیسے قوم عاد و ثمود اور بعض تو بالکل نیست و نابود ہو گئیں کہ نشان بھی نہ رہا جیسے قوم نوح اور قوم لوط یہ واقعات دلائل نبوت اس لئے ہیں کہ باوجود اس کے کہ آپ نے وہ واقعات نہ پڑھے نہ سنے پھر بھی آپ کی زبان پاک کفار کے سامنے وہ قصے ایسے صحیح صحیح سنا رہی ہے کہ عقلا اور جغرافیہ دان حیران ہیں کہ عرب کا ایک امی لقب جو اپنے حجرے کی چار دیواری سے باہر نہ نکلا تاریخ دانوں سے نہ ملا کس طرح ان مقامات کی نشاندہی کر رہا ہے جن کو تم نے ہزار مشقتوں سفروں کے بعد دیکھا اور جغرافیائی طور پر درست پایا اے ہمارے نبی یہ واقعات اس لئے بھی آپ کی نبوت کے دلائل ہیں کہ منسوخ شدہ توریت و زبور میں یہ واقعات کچھ تو ہیں ہی نہیں اور جو چند

ایک ہیں وہ بھی غلط اور بیہودہ طرح پر ہیں۔ اور بہت سے واقعات حقیقت و جغرافیہ کے خلاف۔ یہی وجہ ہے کہ عیسائی جو بیان کریں وہ یہودی اور دیگر قومیں نہیں مانتیں اور جو یہودی بیان کریں وہ عیسائی جھٹلاتے ہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے واقعات کو اپنے پرائے سب نے مانا اور حقیقتاً مانا نہ کہ محض عقیدتاً۔ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ واقعات اس لئے بھی نبوت کے دلائل ہیں کہ اس نے عقلا کی عقلوں کو ماؤف کر دیا ہے اور اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یہ واقعات اس لئے بھی دلائل نبوت ہیں کہ ان کو بیان کرنے سے نبوت کی تبلیغ کا مقصد پایا جاتا ہے یہ محض قصہ ہی نہیں بلکہ عبرت کی انتہائی سرگذشتیں ہیں جن میں آخرت کے عذاب نافرمانوں کے انجام نیکو کاروں کی نجات۔ دامنِ نبی کا فائدہ دامن میں آنے والوں کی خوش نصیبی کا پورا خاکہ کھینچا گیا اہل عقل تو عبرت پکڑ کر سچے راستے پر آجاتے ہیں اور اہل دل بن جاتے ہیں۔ کفر میں لتھڑے ہوئے یار بارس کر کنارۂ عافیت پر لگ جاتے ہیں مگر اندھے بدباطن فقط قصہ ہی سمجھتے رہتے ہیں۔ پس عبرت لینے والا دنیا میں ثناء جمیل اور آخرت میں ثواب جزیل پاتا ہے۔ اور عبرت نہ لینے والا دنیا میں لعنت اور آخرت میں عذاب پاتا ہے

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ـــــ اور یہ جتنی قوموں پر جتنے بھی عذاب زلزلے چیخ دھار سے ہلاکتیں آئیں ہم نے ظلم نہ کیا ان پر۔ اس جملے اور اس سے پہلے کلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے ظَلَمْنٰ کے بعد علیٰ پوشیدہ ہے۔ یعنی ان بستیوں والوں پر۔ ظلم کا معنیٰ ہے بلا فائدہ یا اپنے فائدے کے لئے کسی کا نقصان کرنا یا اپنا نقصان کرنا۔ ظلم ہر طرح گناہ اور عیب ہے رب تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ اگرچہ باری تعالیٰ اپنی مخلوق پر کلی مختار ہے اس کا کوئی فعل ظلم نہیں ہو سکتا خواہ قصور سے مارے یا بلا قصور کیونکہ وہ مالک ہے۔ مالک اپنی مملوک میں جو چاہے کرے اس پر کچھ گلہ نہیں۔ یہاں ما ظلمنا فرمانا اظہار سبب عذاب ہے کہ ان پر عذاب کیوں آیا اگرچہ رب تعالیٰ بے قصور بھی ہزاروں بلکہ ساری مخلوق بگاڑ سکتا ہے۔ اور یہ بگاڑ ظلم نہیں۔ لیکن ان مذکورہ قوموں کو بلا قصور نہیں مارا وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ لیکن ان کافروں نے ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اس طرح کہ مرتکب ہوئے وہ ان کفریات کے جو ہلاکت کا سبب بنے حالانکہ ان کفریات اور شرکیات سے بے خبر نہ رکھے گئے تھے بلکہ ہمارے نبیوں نے سب کچھ ان کو سمجھا دیا تھا اس کے باوجود انہوں نے رزق اللہ کا کھایا زمین و آسمان اللہ کا استعمال کیا عبادت غیر اللہ کی مخلوق اللہ کی تھی مگر کہنا غیر اللہ کا مانا ہمارے نبیوں کا کہنا نہ مانا۔ ان کو دامن انبیاء میں آنا چاہیئے تھا مگر گئے اپنے جھوٹے معبودوں کے پاس اور اپنے بناوٹی بتوں کا سہارا پکڑا فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ تو نہ سہارا دیا نہ بچایا نہ غنی کیا نہ نفع نہ قدرت دی بچنے کی ان کافروں کو یہ معنیٰ بن سکتے ہیں اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ ان کے ان باطل معبودوں نے جن کو وہ کافر پوجتے تھے۔ اور جن کے سامنے اللہ رسول کو چھوڑ کر گڑگڑاتے تھے۔ يَدْعُوْنَ سے پہلے کانوا پوشیدہ ہے ماضی استمراری ہے جب کسی کے سامنے دعائیں مانگی جائیں اس کو معبود سمجھ کر تو اس دعا کا معنیٰ ہوتا ہے عبادت کرنا اور زیادہ گڑگڑا کر دعا مانگنا سجدے میں ہوتا ہے۔ اس لئے یدعون کے معنیٰ ہیں پوجنا عبادت کرنا اور اللہ کے مقابلے کسی کا سہارا پکڑنا اس کی عبادت کے مترادف ہے

حدیث پاک میں بھی ہے کہ الدُّعَآءُ عِبَادَةٌ دعا کے معنی عبادت بھی ہیں۔ اسی لئے یَدْعُوْنَ کے بعد قید لگائی گئی مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وہ گڑگڑاتے تھے اللہ کے مقابلے میں یا اللہ کو چھوڑ کر بس کچھ بھی فائدہ نہ ہوا۔ مِنْ شَیْءٍ میں مِنْ بعضیت نے کل کی نفی کر دی یہ جھوٹے معبود اپنے پجاریوں کی کیا مدد کرتے ان کا تو اپنا یہ حال تھا کہ لَمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّکَ جب کبھی اے پیارے نبی آپکے رب کا عذاب آیا تو۔ وَمَا زَادُوْهُمْ اور وہ بت کچھ بھی زیادہ نہ دے سکے۔ اپنے ان پجاریوں کو سوائے ہلاکت اور نقصان اور گھاٹے کے۔ کہ عذاب کیا روکتے خود بھی اپنے پجاریوں کے ساتھ ٹوٹ پھوٹ کر فنا ہوتے۔ حالانکہ خود کفار نے ان بتوں کی فنا کو دیکھا۔ زَادُوْا کا فاعل بت ہیں یہ فعل لازم ہے یعنی بت زیادہ نہیں مگر تتبیب یعنی ٹوٹ کر فنا ہونے میں غیر بمعنی الّا ہے یا فعل متعدی ہے کہ بتوں نے اپنے پجاریوں کا نقصان ہی بڑھایا کہ ان کا اعتقاد توڑا عذاب انہیں کی وجہ سے آیا۔ اچھے خاصے دنیا میں رہتے تھے اگر ایمان سے آتے مزے سے باعزت زندگی گزارتے نفع ہی نفع ہوتے۔ مگر بتوں سے بروں سے لگے تو مصیبت ہی مصیبت رہی شعر۔

اچھوں کے سنگ لگ کر میری جھولی پھول پڑے ؎ بدکاروں کے سنگ ہوا تو پہلے بھی گر گئے ؎

اے موجودہ کافرو عبرت پکڑو جب انکے بت عذاب الٰہی کو نہ روک سکے تو اب کون روک سکتا ہے۔ اب بھی اس طرح عذاب آ سکتے ہیں وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ - اور اسی طرح جس طرح کہ پچھلی قوموں کو اللہ قہار نے پکڑ کر فنا کر دیا جیسا کہ کفار نے سن لیا ان کی اجڑی بستیوں کے کھنڈرات سفروں میں راہ گزرتے یا آثار قدیمہ کی کھدائی کرتے دیکھ لئے اے نبی آپ کے رب کی پکڑ ہے۔ غافل و ظالم کفار و بدکار عبرت حاصل کریں ان کھنڈرات اور آثار قدیمہ کو محض اتفاقی نہ سمجھیں تماشے کے طور پر دیکھنے نہ جائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان واقعات کو دیکھنے کے باوجود سرکش و سرمست ہی رہو۔ ع

اور تماشہ دیکھنے والو تماشہ خود نہ بن جانا

جب کبھی رب تعالٰی نے کسی بستی یعنی اہل بستی کو عذاب سے پکڑا تو اس حالت میں کہ وَهِىَ ظَالِمَةٌ وہ قوم ظلم میں مبتلا تھی ہمارے نبی کی گستاخی نافرمانی میں آلودہ تھی لتھڑی تھی پھر جب پکڑا تو دنیا نے دیکھ لیا کہ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ۔ بے شک اس اللہ کی پکڑ دائمی درد اور تکلیف والی اور سخت ہے کہ کتنے ہی زور والا مجرم ہو خود کو چھڑا نہیں سکتا نہ چھوٹنے کی امید ہے حدیث پاک میں ہے کہ اولاً کافر اور بدکار ظالم کو کثیر مہلت دی جاتی ہے اس دوران انبیاء اولیاء اور علماء کے ذریعے اس کو بچانے توبہ کرنے پاک ہو جانے کی سب طرح کی تبلیغیں دی جاتی ہیں جب مدت مقررہ گذر جاتی ہے تب پکڑ میں آتا ہے تو ایسا شکنجہ چڑھتا ہے کہ چھوٹنے کی ساری آسیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ مقصد کلام۔ یہ کہ جو عذاب کے قصے ابھی سورۂ ہود میں تم کو سنائے وہ اس لئے ہوئے ہم کسی کو بغیر گناہ اور جرم اور بغیر اطلاع بے خبری میں نہیں مارتے کہ یہ قانونی ظلم ہے اور ہم ظلم نہیں کرتے بلکہ انسان خود اپنے پر ظلم کرتا ہے اور کرتا تھا کہ انبیاء کو چھوڑ کر بتوں کو مانا تو جب ہم نے اپنے انبیاء

کہنے سے یا خبر دینے کے مطابق کفار پر عذاب بھیجا تو کوئی بت عذاب دور کرکے اپنوں کو نہ بچا سکا بلکہ خود بھی فنا ہو گیا یہ کفار تو انبیاء اولیاء اللہ سے آسیں توڑ کر بتوں سے آسیں لگائے بیٹھے تھے مگر بتوں نے ان کا نقصان ہی کیا کہ ان ہی کی وجہ سے عذاب آیا۔ یہ موجودہ کفار نہیں سمجھتے تو نہ سمجھیں مگر ہماری پکڑ ہر ظالم بستی پر اسی طرح ہوتی چلی آئی ہے عین ظلم کی حالت میں پکڑ لیتا ہے پھر ایسا پکڑنا کہ تاریخ عالم نے جان لیا بے شک اس کی پکڑ نہایت دردناک اور سخت ہے کہ نہ مجرم خود اپنے کو چھڑا سکے نہ کوئی اس کو چھڑا سکے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** بتوں کی عبادت تو بہر حال حرام و نقصان دہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کی وہ عبادت جو نبی کے حکم کے بغیر کی اور تعلیم نبوت و ایمان کے بغیر کی جاتے وہ بھی حرام و نقصان دہ ہے یہ فائدہ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ کی تفسیر سے حاصل ہوا کہ سابقہ وہ قومیں بھی ہلاک ہوئیں جو اللہ کو مانتی تھیں مگر غلط طریقے نبی کی تعلیم کے مطابق نہیں مانتا تھا **دوسرا فائدہ** بروں کی بات ماننا اور ان کے ساتھ رہنا ہلاکت کا ہی باعث ہے تو لازم آیا کہ اچھوں کی قربت دنیا و آخرت میں مفید ہے یہ فائدہ مَا زَادُوْهُمْ فرمانے سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** انسانوں کے گناہ کی وجہ سے بے گناہ جانور اور بستیاں بھی ہلاک اور اجڑ جاتی ہیں تو لازمی بات ہے کہ نیکوں ولیوں کی برکت سے جانوروں حیوانوں کیڑے مکوڑوں پر کرم ہو جاتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ علماء کے لئے پانی کی مچھلیاں بھی دعا کرتی ہیں یہ فائدہ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** ان آیات میں مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہے کہ عبرت پکڑ کر مقرب بارگاہ بن جاتے غفلت چھوڑ کر قدرت و توفیق میں آجاتے ہیں مگر زندیق لوگ اور زیادہ پکڑ کے مستحق بن جاتے ہیں ان عبرت کے واقعات کو محض اتفاق سمجھتے ہیں یہ فائدہ وَهِيَ ظَالِمَةٌ فرمانے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ھِیَ ضمیر مونث کا مرجع قریۃ ہے تو قریۃ کو ظالم فرمایا گیا حالانکہ قریہ بستی کو کہتے ہیں بستی بے جان گھروں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ ظلم کرنا عقل والے انسانوں کا کام اینٹ پتھر تو ظلم نہیں کر سکتے۔ تو بستی کو ظالم کیوں کہا گیا؟ **جواب** یہ سوال محمد بن ابو بکر رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خود ہی اپنی کتاب مسائل الرازی میں قائم فرمایا اور خود ہی جواب فرمایا کہ ظلم کی نسبت قریہ یعنی بستی کی طرف مجازی ہے اور مراد اہل بستی ہیں جیسے کہ قرآن کریم میں ایک جگہ اس طرح ہے هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ **الفاظ الظالم** یہ ظالم بستی اور جس طرح کہ دوسری جگہ ارشاد ہے وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ۔ قریہ سے پوچھئے حالانکہ قریہ تکلم پر قادر نہیں تو جس طرح یہاں قریہ سے اہل قریہ مراد ہیں اسی طرح یہاں اور یہ عام عربی محاورہ ہے اس لئے فصاحت کے مطابق ہے کیونکہ یہاں التباس کا خطرہ نہیں اور نہ یہ بات نظری ہے بلکہ بدیہی ہے کہ جب ظلم کی نسبت بستی کی طرف کی جائے تو اہل بستی ہی کی طرف ذہن جاتا ہے۔ ہم بھی دن رات اسی قسم کی بات کرتے ہیں مثلاً پاکستان بڑا بہادر ہے۔ فلاں ملک شکست کھا گیا یا مار کھا گیا۔ نیز ایسے کلام سے اہل ملک ہی مراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی ہے **دوسرا اعتراض** ذٰلِكَ اسم اشارہ واحد

بعید کیلئے ہوتا ہے مگر یہاں اشارہ بہت سے قصوں کی طرف ہے تو یہاں ذٰلِكَ بولنا مناسب نہ تھا بلکہ ذٰلِكُمْ بولا جاتا یا ذَوَالِكَ بولا جاتا جیسا کہ بعض شعراء کے کلام میں اس طرح کی جمع ملتی ہے **جواب** ذالکَ کی جمع ذوالِكَ نہیں آتی۔ اگر کہیں ہے تو شاذ ہے اور شاذ کا استعمال فصاحت کے خلاف ہوتا ہے ذالِكَ خود ہی جمع تثنیہ اور واحد کے لیے مستعمل ہے۔ ذالکم بھی ذالِكَ کی جمع نہیں نہ یہ مشار الیہ کے جمع ہونے کے وقت اس طرح جمع کی ضمیر کے ساتھ آتا ہے بلکہ یہ جمعیت مخاطبین کے اعتبار سے ہے۔ اگر ذَالِكُمْ ذَالِكَ کی جمع ہوتی تو مشار الیہ کے جمع ہونے کی صورت میں ہی اس طرح ہوتی حالانکہ ایسا نہیں بلکہ دیکھو ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ مشار الیہ واحد ہے مگر ذالکم آیا۔ یہ جواب زیادہ مناسب ہے بعض نے یہ جواب دیا کہ ذالِكَ کا مشار الیہ قصے نہیں بلکہ اَلَّذِیْ ذَکَرْنٰکَ ہے یعنی سابقہ سارا کلام جو من حیث المجموعہ واحد ہے **تیسرا اعتراض** ذالِكَ سے اشارہ غائب کی طرف ہوتا ہے مگر یہاں ان قصوں کی طرف اشارہ ہے جو حاضر مذکور ہیں لہٰذا یہ اشارہ درست نہیں تھا **جواب** مفسرین نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ قصے اب نزول قرآن کے وقت غائب ہیں اور وہی مشار الیہ ہیں نہ کہ ذکر کرنا مگر یہ جواب کمزور ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ ذالِكَ اصل لغوی اعتبار سے بعید کے لئے نہیں ہے لہٰذا غائب کے لئے بھی نہ ہوا بعید ہی غائب ہوتا ہے صرف عرف عام میں اس کو بعید کہہ دیا گیا ہے جیسا کہ لفظ دابہ اصلاً ہر چوپائے کے لئے ہے مگر عرف میں صرف گھوڑے کے لئے۔ تو ضروری نہیں کہ ہر جگہ ہی عرف عام مراد ہو۔ لغوی معنی بھی مراد لئے جاتے ہیں جیسے کہ مَا مِنْ دَآبَّةٍ۔ اسی طرح یہاں ذالِكَ لغوی معنی میں مستعمل ہے لہٰذا عام حاضر غائب کے لئے ذالِكَ میں ذا اسم اشارہ لام تاکید اور كَ ضمیر مخاطب۔ اور ذا مطلق اشارے کے لئے وضع ہوا ہے۔ اسی سے پہلے ھا ضمیر لگی تو ھٰذا ہوا۔ لام و کاف بعد میں لگا تو ذالِكَ ہوا اسی کے اوّل کافِ تشبیہ لگا تو کذالک ہو گیا۔ یہ جواب ہر طرح درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ مِنْهَا قَآىٕمٌ وَّ حَصِیْدٌ۔ اے قلبِ سری کے شہنشاہ حبیبِ انوارِ روح۔ ضمیرِ خلائق کے روحِ رواں بحرِ مشاہدات کے تیراکِ اعلیٰ وہ وارداتِ غیوب جو وادیِ دل اور خانۂ تجلیات کی خبروں سے ہے وہ ہم ہی تجھ پر ظاہر کرتے ہیں ان میں سے بہت سی وہ خبریں ہیں جو پردۂ غیب پر غنچۂ شاخ کی مثل قائم ہیں نگاہِ عبرت و بصارت غیرت و بصیرت فطرت سے ان کو دیکھا جا سکتا ہے اور بہت سی ان میں سے وہ واردات ہیں جن کا نشان بھی زمین قالب پر نہ رہا کٹی ہوئی کھیتی کی مثل وہ دل کی دنیا سے دور پھینک دی گئیں۔ جو نفس و نفسانیات راہِ راست پر آ سکتے ہیں اور جو وسواسِ شیطانی نے بگاڑا ہے اس کی اصلاح درستی ہو سکتی ہے اور وہ قابلِ تدارک ہیں وہ قائم ہیں قوتِ یزدانی کے قدموں پر۔ اور جن نفسانیات کو موتِ فنا کی آری نے مایوسیِ فراق کی درانتی نے ایسا کاٹ کر رکھ دیا کہ قابلِ تدارک لائقِ اصلاح نہ رہا وہ نگاہِ حقیقت میں حصید ہے وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتْبِیْبٍ۔ اور ان خبثاء نفوسیہ پر ہم نے ظلم باطنی و ظاہری نہ کیا اور لیکن البتہ انہوں نے خود ظلم کیا اپنے آپ پر کہ ان امداد باطنی قواء خفی کو انعامات سری سے استمداد

روحانی کی وہ قوت ملی حصول کمال کے لئے توفیق کے ایسے آلے ملے جو ملائکہ مقربین کو بھی نہ ملے مگر ان ازل کے کور بختوں نے اس قوت روحانی اور آلہ جسمانی کو طبیعت رذیلہ کے کہنے پر استعمال کیا۔ حاکم قلب کے قانون شریعت کو چھوڑا پس طاغوت خواہشات کی عبادت کی دنیوی مورتیوں کو پوجا بتان شہوت کی پرستش کی پھر جب اسماء جلالیہ کے ہاتھوں ہلاکت کی مار پڑنے لگی تو ان کے کسی معبود باطل نے ان کو نہ بچایا نہ کوئی دنیوی خواہشات و شہوات مضطرب قہاری کو دور کر سکا۔ ان ہی کو اللہ کے سوا پوجتے تھے اور اہل باطل بجز خسارہ کچھ نہیں دے سکتے۔ اس لئے کہ جھوٹے دیس کے جھوٹے باسی جھوٹے ہی وعدوں میں ا ستوں کو ورغلاتے ہیں وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ سینۂ انسان گنجینۂ امارات عبرت ہے جب سینۂ قالب پر ظلمتوں کی آندھیاں چلتی ہیں، تو بستی ناسوتی قالب ملکوتی سے تبدیل ہو کر قریۂ ظلم بن جاتی ہے قہر الٰہی کی بجلیاں چمکتی ہیں جبر کی گھٹائیں چھا جاتی ہیں۔ سوتِ مواخذہ کی کڑک آتی اور سب کو جلا کر تباہ و برباد کر دیتی ہے یہ پکڑ الٰہی کسی خاص قوم کے لئے نہیں بلکہ اسی طرح ہر اس بستی اور اہل بستی کے لئے ہے جو ظلم ظاہری و باطنی میں مبتلا ہو جائے۔ بے شک اس جبار قدیم کی پکڑ دردناک بھی ہے اور شدید بھی۔ دردناک اس طرح کہ سینۂ باطل کی فریب کاری مکر شیطانی کو مسل کر رکھ دیا جاتا ہے اور شدید اس طرح کہ کسی تدبیر کسی ذریعے سے بچ نہیں سکتے۔ تو بندۂ مجبور کو بجز اسی کی بارگاہ میں توبہ و فریاد کے کچھ چارہ نہیں۔ (تفسیر روح البیان)

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ
بیشک میں اُن البتہ نشانیاں ہیں لیئے اُس شخص کے جو ڈرا عذاب سے آخرت کے
بے شک اس میں نشانی ہے اس کے لیئے جو آخرت کے عذاب سے ڈرے
ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾
وہ آخرت جمع کیئے ہوئے ہیں لیئے اُس دن کے سب لوگ اور وہ دن حاضر کیا ہوا ہے
یہ وہ دن ہے جس میں سب لوگ اکٹھے ہوں گے اور وہ دن حاضری کا ہے
وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ ؕ يَوْمَ يَاْتِ
اور نہیں ہٹاتے ہم اس کو مگر لیئے مدت کچھ گنی ہوئی وہ دن آئے گا تو نہ کلام
اور ہم اسے پیچھے نہیں ہٹاتے مگر ایک گنی ہوئی مدت کے لیئے جب

لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿١٠٥﴾

کرے گا کوئی نفس مگر سے اجازت اسکی پس سے ان میں برے ہیں اور اچھے

وہ دن آئے گا کوئی بے حکم خدا بات نہ کرے گا تو ان میں کوئی بدبخت ہے اور کوئی خوش

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ

تو لیکن وہ جو برے بنے پس وہ ہیں میں آگ لیے ان کے ہیں اس گدھے کی بولی ہے اونچی اور

نصیب تو وہ جو بدبخت ہیں وہ تو دوزخ میں ہیں اور اس میں گدھے کی طرح رینکیں

شَهِيْقٌ ﴿١٠٦﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ

نیچی　ہمیشہ رہنے والے ہیں میں آگ جب تک کہ قائم ہے آسمان　اور

گے　وہ اس میں رہیں گے　جب　تک　آسمان و زمین　رہیں مگر

الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿١٠٧﴾

زمین مگر جتنا چاہا رب نے آپکے بیشک رب آپ کا ہر طرح کرنیوالا ہے اسکو جو ارادہ کرے　وہ

جتنا تمہارے رب نے چاہا بے شک تمہارا رب جب جو چاہے　کرے

تعلق

ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں عبرت دلائی گئی تھی۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ کون شخص عبرت حاصل کر لیتا ہے کون نہیں **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں بکھری قوموں بکھرے مزاجوں اور مختلف دینوں اور مختلف عذابوں کا تذکرہ ہوا۔ اب فرمایا جا رہا ہے۔ اے جھوٹ بول کر سچے بننے والو اے باطل ہو کر حق جتانے والو ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے جب سب ایک جگہ ایک مزاج ایک رائے کے ساتھ ایک دربار میں حاضر ہوں گے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں مختلف قوموں کے عارضی دنیوی عذاب کا ذکر ہوا تھا اب ان پر جہنم کے دائمی عذاب کا ذکر ہے

تفسیر نحوی

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ——— اِنَّ حرف تحقیق برائے یقین فی جارہ ظرفیہ سے پہلے مَوْجُوْدٌ اسم مفعول اسم اِنَّ پوشیدہ ہے ذٰلکَ دور کے اشارے کیلئے لَاٰيَةً لام کے معنی البتہ تنوین تعظیمی ہے آیت بمعنی نشانِ عبرت بحالتِ زبر ہے خبر ہے اِنَّ کی لِمَنْ لام جارہ مَنْ اسم موصول متعلق ہے اٰيَةً مصدر کے یا ثَابِتًا صفت پوشیدہ کے خَافَ فعل ماضی خوفٌ سے بنا متعدی بیک مفعول ہے عذاب الآخرۃ مرکب اضافی

مفعول بہٗ خافَ کا جملہ فعلیہ صلہ ہے موصول کا ذٰلِكَ مَجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی مشارالیہ کے لئے مجموعٌ اسم مفعول بمعنی مستقبل۔ لَہٗ جارمجرور متعلق ہے مجموعٌ کا۔ ہٗ کا مرجع اللہ تعالیٰ یا ہٗ کا مرجع وہ روز قیامت ہے النَّاس اس کا نائب فاعل ہے واؤ عاطفہ ذالکَ بعیدی اسم اشارہ بعیدی مشارالیہ یومٌ مشہودٌ ہے مرکب توصیفی یوم بمعنی زمانہ مشہود اسم مفعول شہدٌ سے مشتق ہے بمعنی حاضر کیا ہوا ماضی کے معنیٰ میں ہے بوجہ یقین کامل گویا ہو ہی چکا وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ واؤ سر جملہ مانُؤَخِّرُ مضارع منفی باب تفعیل سے بنا اَخَّرَ مادہ بمعنی دیر لگانا پیچھے کرنا۔ یہاں دوسرے معنیٰ مناسب ہیں ہٗ ضمیر مفعول بہ الاحرف استثنا متصل کے لئے۔ لام تعقیبیہ اجل بمعنی پوری مدت اسم جامد ہے معدود اسم مفعول عدد سے بنا بمعنی گنا ہوا حساب لگایا ہوا يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ یوم ظرف مقدم ہے یات فعل مضارع مستقبل کا اذا حرف شرط پوشیدہ ہے لَا تَکَلَّمُ مضارع مستقبل باب تفعل سے جزا ہے دراصل لاتتکلمُ نفس اس کا فاعل اِلَّا حرف استثنار بمعنی غیر ہے نفی مطلق کو توڑا صحیح یہ ہے کہ اِلَّا اپنے معنیٰ میں ہے لغو ہے باذنِ باء جارہ متعلق ہے لا تتکلّمُ کے اذن بمعنی اجازت ہٗ کا مرجع ذات باری تعالیٰ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ۔ فاء استینافیہ من حرف جارھم ضمیر جمع مذکر مجرور متصل کا مرجع یا نفس ہے یا الناس۔ نفس اسم جنس ہونے کی بنا پر ضمیر جمع کا مرجع بن سکتی ہے۔ شقیٌّ مبتدا موخر فمن ھم خبر مقدم کا یہ جار مجرور متعلق ہوں گے موجودٌ پوشیدہ کا شقوٌ سے بنا بمعنی قلب کی سختی بروزن فعیلٌ شقیوٌ تھا واؤ کو یاء سے تبدیل کیا واؤ عاطفہ ہے سعیدٌ سعدٌ سے بنا لغت میں خوشبودار نرم گھاس کو کہتے ہیں یہاں مراد نرم دل ہے جس میں ایمان کی خوشبو ہو فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِى النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ فاء عطف بمعنی لٰکِنْ اَمَّا کی معاونت کے لئے اَمَّا حرف استدراک اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع شَقُوْا فعل ماضی جمع لازم ہے فاء جزائیہ فی جارہ سے پہلے داخلٌ پوشیدہ ہے۔ النَّار بمعنی آگ مراد دوزخ ہے۔ مظروف کو ظرف کی جگہ قائم کیا گیا ہے۔ الف لام عہدی ہے لَهُمْ نیا جملہ خبریہ ہے لام جارہ ھُمْ ضمیر مجرور متصل یہاں بھی اسم فاعل ثابتٌ پوشیدہ ہم اور فیہا ہر دو اس کے متعلق ہیں ھا کا مرجع النّار ہے زَفِیْرٌ بروزن فعیل زَفْرٌ سے مشتق ہے بمعنی تیزی سے اندر سانس کھینچنا۔ جس سے چیخ پیدا ہو جیسے گدھا چیختا ہے۔ شَهِیْقٌ بروزن فعیل شہقٌ سے بنا بمعنی سانس باہر پھینکنا جس سے آواز بھی پیدا ہو۔ جیسے گدھے کی آخری آواز۔ یہ ہر دو معطوف علیہ معطوف فاعل ہیں ثابتٌ پوشیدہ کا خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ خالدین اسم فاعل بصیغۂ جمع مذکر خلدٌ سے بنا بمعنی ہمیشہ رہنا اسی سے ہے خُلدٌ جنت کا نام اور خلود بروزن فعول مادام فعل ناقصہ بصیغۂ واحد مذکر فی جارہ ظرفیہ ھا کا مرجع اَلنَّار ہے۔ اسم ناقصہ اَلسَّمٰوٰتُ ہے جمع ہے سَمَآءٌ کی الف لام استغراقی واؤ عاطفہ الارض جمع جنسی معنوی ہے لفظاً واحد مؤنث الف لام جنسی ہے عطف ہے السَّمٰوٰتُ پر الا حرف استثنا ہے اس کا مستثنیٰ مِنْہُ خلود ہے ما موصولہ سے مراد خلود ہے شاءَ فعل ماضی ہے شیءٌ سے بنا بمعنی مشیت یعنی چاہت اس کا فاعل ربٌّ ہے بحالتِ رفع کَ ضمیر واحد مذکر مخاطب جملہ فعلیہ صلہ موصول کا اِنَّ

رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۔ اِنَّ حرفِ یقینی عامل ہے اسم و خبر میں ربّک مرکب اضافی اسمِ اِنَّ ہے لہٰذا بحالتِ زبر۔ فَعَّالٌ بروزنِ ضَرَّاب بمعنی کثیر الفعل مبالغے کا صیغہ ہے لِمَا لام جارہ بمعنی مفعولیت کا موصولہ بحالتِ جر۔ جار مجرور متعلق ہے فعّال صفت مشبہ کے یُرِیۡدُ مضارع مثبت بزمانۂ حالیہ بصیغہ واحد مذکر غائب ارادۃً سے بنا۔ بمعنی ارادہ کرنا۔ تیاری کرنا۔ آمادہ ہونا۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنۡ خَافَ عَذَابَ الۡاٰخِرَةِ ۔ ذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّجۡمُوۡعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّشۡهُوۡدٌ بے شک ان میں یعنی ان گذشتہ واقعات میں یا ان کو اس جگہ قرآن مجید میں ذکر کرنے میں لَاٰیَۃً البتہ سخت عبرت ہے منکروں کے لئے نصیحت ہے مومنوں کے لئے اس کی علامت یہ ہے کہ اس نے خوف رکھا قیامت کے عذاب کا یا زندگی کے آخری ایام کا یا قبر کے عذاب کا اس کے لئے یہ واقعات ایک بڑی نشانی جو بصیرت والے کے غور کے لئے کافی ہے لیکن جس نے انکار ہی کا راستہ پکڑا ہے اس کے لئے سب کچھ محض اتفاق ہے۔ حالانکہ کائنات میں کچھ بھی اتفاق سے نہیں ہوتا جو کچھ ہو رہا ہے یا ہوتا رہا یا ہوگا سب کچھ ایک بہت عظیم پروگرام کے مطابق ہے۔ جس کا انجام کار۔ ذٰلِكَ يَوۡمٌ وہ دن ہے جمع کئے ہوئے ہیں یا جمع کئے جائیں گے اس دن کے لئے تمام انسان اوّل زمانوں کے اور آخر زمانوں کے تاکہ قیامت تاکہ سب کا حساب کتاب جزا سزا ہو اور بتایا جائے کہ کس نے کیا کیا تھا اور کیوں عذاب آیا تھا۔ یہاں تو یہ واقعات کسی نے دیکھے کسی نے صرف سنائے کسی نے سنے۔ کسی نے ان سُنے سناؤں کو مانا کسی نے نہ مانا مگر ذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّشۡهُوۡدٌ وہ دن ایسا ہے کہ سب کا مشاہدہ کیا ہوا ہے کہ سب نے سب کو اور سب کچھ ہی دیکھ لینا ہے۔ آسمانی اور زمینی مخلوق ایک دوسرے کا مشاہدہ کریں گے اور ظالم و مظلوم ایک دوسرے کا انجام دیکھ لیں گے۔ ان آیات میں بھی خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر سنانا سب کو ہے مجموعٌ اور مشہودٌ دونوں اسم مفعول ہیں مگر ظرفیت کے معنیٰ میں۔ قیامت میں لوگ شاہد ہوں گے جزا مشہود اور وہ دن مشہود فیہ۔ ابتداءِ کلام میں حرفِ اِنَّ نے اس کلام کی مضبوطی ظاہر فرما دی۔ ذالک سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی وہ پکڑ آیت نشانی ہے۔ اس بات کی آخرت میں ضرور عذاب ہوگا۔ اور کوئی مجرم اس سے بچ نہ سکے گا خصوصاً جن کو دنیا میں ہلاکت کا عذاب پہنچ چکا نہ وہ جنہوں نے بدکاری کا ظلم و سرکشی کا رواج ڈال کر اپنی نسلوں کو برباد کیا اور قوموں کے باپ دادے بن کر بغیر عذاب کے دنیا سے سدھار گئے۔ انہوں نے اگر یہاں عذاب نہ پایا تو کیا ہوا آخرت کے عذاب سے نہیں بچ سکتے وہ تو سخت تر اور حقیقی عذاب ہے۔ اور ان ہی باپ دادوں کے ساتھ جن کی پیروی کا یہ حوالہ دیتے تھے دائمی عذاب چکھیں گے۔ دنیا کا وہ عذاب جو ان قوموں پر آ چکا اخروی کا بدلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ دنیوی عذاب جزاءً نہیں بلکہ صرف آئندہ نسلوں کو کفر سے بچانے عبرت دلانے کے لئے یہ دنیا دار الجزا نہیں۔ دنیا قلیل تو اس کی ہر چیز قلیل ہے یہ دن اتنے بڑے اجتماع کے باوجود پھر ایسا ہوگا کہ ہر شخص ایک دوسرے کو دنیا کی طرح جانے پہچانے گا۔ اور کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ فلاں کافر کو عذاب کیوں نہ ہوا اور دنیا سے بلا عذاب اپنی موت مر کر کیوں چلا گیا لفظ مشہود شُہُوۡدٌ سے بنا جس کا معنیٰ ہے

دیکھنا اور جاننا پہچاننا بغیر پہچانے دیکھنا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ دنیا میں صرف چند قوموں کو عذاب آیا حالانکہ کفر بہت ہوا ان کا عذاب موخر کیا گیا۔ لیکن وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ۔ اور نہیں دیر لگاتے ہم یا نہیں تاخیر کریں گے ہم اس دن کے لانے میں ایک قرأت میں ہے ما یُؤَخِّرُہٗ وہ اللہ دیر نہیں فرمائے گا اس روز قیامت کے لانے میں ما نافیہ مضارع پر آیا صرف الاَّ کی وجہ سے مگر اس مدت تک جو ازل میں گنی ہوئی ہے اور اس یوم جمع وشہود کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ یہ فعل آنے کی ابتداء کے لئے نا کہ اس یوم کے انتہاء کے لئے ان آیات میں ڈرانا اور خوف دلانا ہے تاکہ غافلین اپنے حال کو درست کرلیں۔ چونکہ معدود کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ رسول کے۔ لہذا ہر انسان ڈرے اور اس اجل کے آنے سے پہلے پہلے تزکیۂ نفس میں مشغول ہو جاتے۔ بعض نے فرمایا کہ مراد اجل سے موت ہے کہ ڈرانا وہیں تک مفید ہے اور ہر انسان کی قیامت صغریٰ موت ہی ہے۔ اس میں بے ثباتی دنیا اور موثر حقیقی کے وجود کا اس طرح ثبوت ہے کہ ہر معدود چیز انتہاء والی ہے اور ہر انتہاء والی شئ قابل فنا ہے اور معدود تو سب دنیا اور سارے جہان لہذا سب ہی فنا ہونے والے فنا ہونے کے لئے فنا کرنے والے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا مؤثر حقیقی واجب الوجود ہوا اور باقی اشیاء ممکن الوجود۔ اجل کا معنی کل مدت معینہ بھی۔ اس میں موجودہ دھریوں اور سابقہ فلاسفہ کا رد ہے۔ کہ ان کے نزدیک مدت دنیا کو انقضاء نہیں ہے لاجل میں لام انقضاءِ مدت ہی کے ثبوت کے لئے ہے بدیں وجہ الیٰ اجل نہ فرمایا۔ کیونکہ لام نے وقت کو ثابت کیا جس سے تاخیر کی حکمت کا پتہ لگا۔ الیٰ صرف انتہا اور خاتمے کو بتاتی ہے يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ۔ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ۔ وہ دن ایسا ہیبت ناک ہوگا کہ جب شروع ہوگا کوئی نفس بات تک نہ کر سکے گا انسان تو انسان جانور بھی دم بخود ہوں گے۔ نہ اپنے لئے بات کر سکے گا نہ کسی کی شفاعت میں نہ آپس میں نہ زور سے نہ کھسر پھسر سب کے سب بیکدم ششدر ہوں گے۔ مگر جب ان کو اللہ کی طرف سے اجازت ملے گی یا جن کو شروع سے اجازت ہوگی وہی بات کر سکیں گے۔ ان ہی مذکورہ نفوس میں جو جمع شدہ انسان میں کچھ شقی بدبخت قابل عذاب ہوں گے یا اب ہیں وہی وہاں ہوں گے اور شقی زیادہ ہیں ان کا ذکر اس لئے پہلے کیا گیا اور کچھ نیک بخت خوش نصیب۔ نیک بختوں کا ذکر بعد میں یا اس لئے کیا گیا کہ وہ کم ہی رہے ہر زمانے میں۔ لہٰذا ان کا اس دن مجموعہ بھی کم ہی ہوگا۔ یا اس لئے بعد میں ذکر کیا کہ یہاں ڈرانا خوف دلانا مقصود ہے بدبختوں کو اس وجہ سے شقیوں کا ذکر پہلے کیا گیا۔ دنیوی زندگی میں بدبختوں شقیوں کی نشانی بھی پانچ ہیں اور نیک بختوں کی نشانیاں بھی پانچ ہیں ۱؎ دل سخت اور ظالم ۲؎ خوف خدا میں نہ رونا ۳؎ دنیا کی محبت ۴؎ لمبی امیدیں ۵؎ بے حیائی بزرگوں کی بے ادبی نیک بختی کی نشانیاں ۱؎ نرمی دل ۲؎ زیادہ رونا اللہ رسول کی یاد میں ۳؎ درویشانہ زندگی گزارنا ۴؎ دنیوی امیدیں کم ہونا آخرت کا ہر وقت دھڑکا لگا رہنا اسی تیاری میں مشغولیت ہونا ۵؎ کثرت حیاء بزرگوں کی شرم بڑوں کے سامنے اونچی آنکھ نہ کرنا۔ جو شقی ہیں ان کے لئے وعدۂ جہنم ہے سعیدوں کے لئے وعدۂ جنت ہے۔ پس دنیا میں اس وعید کے مطابق فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا لیکن وہ لوگ جو بدنصیب ہوتے آگ میں ان کی چیخیں دو طرح کی ہوں گی۔ ایک ابتدائی آواز

مثل زفیر کے ہوگی باہر کو زور لگا کر گدھے کی طرح چیخنا اور دوسری شہیق اندر کو سانس کھینچتے وقت گدھے کی طرح ہونکنا۔ کہ پہلی آواز سینے سے نکلتی ہے دوسری حلق سے۔ گویا کہ جہنم میں چیخ دھاڑ بھی ہوگی یہ دھاڑیں سختی، عذاب کی بنا پر ہوں گی آوازیں بدل جائیں گی دنیا میں بھی کسی کو دردناک مار پڑے تو آواز بدل جاتی ہے بیل کی طرح ڈکراتا ہے رنگ بھی بدل جاتا ہے تو قیامت تو اس سے بھی زیادہ شدید ہے۔ سعادت، وہ نعمت ہے جو نیکی میں بندے کی معاون بدی میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ شقاوت وہ قہر رب ہے جو بدی میں معاون اور نیکی میں رکاوٹ ہوتی سعادت بھی دو قسم کی ہے۔ دنیوی اور اخروی۔ شقاوت بھی دو قسم کی ہے دنیوی اور اخروی جس پر موت واقع ہو جائے وہ اخروی ہے جو موت سے پہلے ختم ہو جائے وہ دنیوی۔ ہر شخص کو ہر وقت رب کریم کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ موقت صرف دو ہی ہیں موقت سعادت اور موقت شقاوت۔ ان ہی کا ظہور قیامت میں ہوگا۔ پھر یہ بدبختی کی چیخ دھاڑ عارضی نہ ہوگی بلکہ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہمیشہ ابد الآباد تک وہ بدبخت کافر اس جہنم میں ہی رہنے والے ہیں۔ جب تک کہ جہنم کی وہ بلند چھتیں مثل آسمانوں کے اونچیں اور جہنم کی وہ زمین جس پر یہ کافر پڑے ہوں گے موجود رہیں گے اور ان آسمان و زمین کو تو دوام ہے لہذا ان کے عذاب و خلود کو بھی دوام اور ہمیشگی رہے گی اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ جہنم کے اوپر بھی آسمان ہوں گے اور وہ آسمان جہنم کے طبقے ہوں گے ایک روایت میں ہے اٹھارہ ہوں گے ایک روایت میں نو ایک میں سات۔ جہنم کا سب سے نیچا طبقہ اسفل السافلین جہنم کی زمین ہوگی چنانچہ قرآن مجید سورۂ ابراہیم آیت ۴۸ میں ہے يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ قیامت کے دن تبدیل کر دی جائے گی اس زمین کے بدلے دوسری زمین اور آسمان اور زمین بھی یہاں بھی یہی مراد ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ عرب کے محاورے کے مطابق مادامت السّمٰوات (الخ) سے مراد ہمیشگی ہے۔ اور یہ محاورے کے طور پر بولا گیا ہے اور محاورے والا محاورے سے اصل مطلب سمجھ جاتا ہے تو یہاں دوام لفظوں سے نہ سمجھا گیا بلکہ عربی محاورے سے پہلے قول کے مطابق جس طرح جہنم کے آسمان و زمین ہیں جنت کے بھی آسمان و زمین ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہی زمین و آسمان وہاں منتقل ہو جائیں گے مگر یہ عقلاً نقلاً غلط ہے عقلاً تو سب اس لئے کہ یہ آسمان و زمین چھوٹے ہیں۔ جنت و جہنم بڑے علاقے ہیں بڑے مکان پر چھوٹی چھت اور چھوٹا فرش کس طرح کارآمد ہو سکتا ہے۔ نقلاً اس طرح کہ روایت صحیحہ میں ہے کہ جنت و دوزخ مکمل طور پر اس دنیا سے پہلے پیدا ہو چکی ہے۔ اور اس طرح کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ مَنْ یہاں عام ہے ذوی العقول و غیر ھم کو جیسا کہ بہت دفعہ عام ہوتا ہے۔ اور کل سے مراد سب مخلوق ہے جن میں خود زمین آسمان بھی شامل۔ ان کو بھی فنا ہے۔ اور خلود دائمی منافی فنا ہے۔ جہنم میں جب ساکنین کو دوام ہے تو مسکن کو بھی ایک قول یہ بھی ہے مادامت سے مراد دنیوی آسمان و زمین کی مدت بقا ہے جو حضرت آدم سے کروڑوں سال پہلے سے تا قیامت اور مطلب یہ ہے کہ کفار کی سکونت جہنم کی پہلی مدت تو آسمان و زمین کی مدت کے برابر ہے اس کے بعد پھر جتنا اللہ چاہے اور اللہ کی چاہت دائمی لہذا خلود دائمی ہوا۔ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ

مگر وہ فاسق گناہگار جن کو رب کریم دوزخ سے نکالنا چاہے۔ یہاں استثناء منقطع بھی ہو سکتا ہے کیونکہ مستثنا منہ شقی کافر ہیں اور مستثنیٰ شقی فاسق رہیں۔ اور استثنا متصل بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہر دو جہنمی شقی ہیں لہٰذا جنسی لحاظ سے متصل ہے نوعی اعتبار سے منقطع ہے بعض نے کہا کہ اِلَّا لغو ہے اور مطلب ہے کہ خلود اتنا ہے جتنا رب تعالیٰ چاہے اور چونکہ رب کی چاہت دائمی تو خلود بھی دائمی۔ لفظ ما موصولہ بمعنی مَنْ موصولہ یا اس سے مراد خلود ہے مگر پہلا قول قوی ہے۔ اِنَّ رَبَّکَ۔ بے شک اے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا رب۔ اللہ تعالیٰ نے اکثر مقام پہ اپنی ربوبیت کی نسبت نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فرمائی اس کی وجہ اور علت تامہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی رب ہوا اور نبی کریم سب سے پہلے مربوب ہیں۔ بدیں وجہ فرمایا آپ کا رب فَعَّالٌ مبالغے کا صیغہ ہے۔ یعنی ہمیشہ سے ہمیشہ تک وہی کرنے والا ہے۔ لِمَا یُرِیْدُ جس کا ارادہ فرمالیتا ہے نہ کوئی اس کو روکنے والا ہے نہ ٹوکنے بلکہ بلا روک ٹوک وہ رب ارادہ فرمالیتا ہے اور وہ کام بھی ہو جاتا ہے بعض نے فرمایا کہ اِلَّا کا استثناء محالی ہے نہ لا محالی یعنی مگر اس کے چاہے سے یہ کفار جہنم سے نکل بھی سکتے ہیں لیکن وہ چاہتا نہیں کیونکہ اس کا چاہنا محال ہے کہ خلاف وعدہ ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** دنیا میں سب سے بڑی نعمت خوف خدا ہے اور اللہ کے عذاب سے ڈرنا ہے۔ کہ اسی سے آیات الٰہیہ کی سچی سمجھ آتی ہے اور اسی سے انسان بندہ بنتا ہے ورنہ کلام الٰہی سنتے سب ہیں مگر عبرت خوف و خشیت والے لیتے ہیں۔ یہ فائدہ لِمَنْ خَافَ سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو خوف و خشیت عطا فرمائے **دوسرا فائدہ** دنیا میں ہی بتا دیا گیا کہ کون سعید کون شقی اس کی علامتیں سمجھا دی گئیں اُخروی علامتیں اس کے علاوہ ہیں لہٰذا ہر انسان کو خاص طور پر مسلمانوں کو شقاوت کی علامات سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے سعادت کی علامات اختیار کرنی چاہیئے اور اس کا آسان طریقہ اولیاء اللہ کی صحبتیں اچھی کتابیں پڑھنا۔ بری مجلسوں صحبتوں بری کتابوں سے بچنا ہے۔ یہ فائدہ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ کی تفسیر سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** کفار کے لئے۔ جہنم میں زفیر اور شہیق جیسی گدھے کی آواز ہو گی مگر گناہگار مسلمان کے لئے یہ آواز نہ ہو گی اگرچہ کچھ دن وہ جہنم میں بھی رہے گا۔ مگر وہ عذاب پانے کے لئے دوزخ میں نہ جلائے گا بلکہ پاک صاف ہونے کے لئے آگ میں جلائے گا جیسے گندا سونا بھٹی میں جاتا ہے محض کھوٹ سے پاک ہونے خوبصورت زیور بننے کے لئے۔ مومن جہنم میں جلائے گا تو اسے یا تو تکلیف ہی نہ ہو گی یا برداشت کی ہمت مل جائے گی اس کی آواز تک نہ نکلے گی بخلاف کفار کے کہ وہ شدت تکلیف سے گدھے کی طرح رینگیں گے۔ یہ فائدہ زفیر و شہیق کے بعد ان کو خالدین فرمانے سے حاصل ہوا زفیر و شہیق چونکہ دائمی ہے تو اسی کے لئے ہو سکتی ہے جس کی سکونت دائمی ہے۔ مومن کی سکونت جہنم دائمی نہیں تو اس کی یہ آواز بھی نہیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا کہ تمام انسان دو قسم کے ہیں شقی و سعید۔ حالانکہ انسانوں کے دو گروہ اور بھی ہیں ۱؎ وہ لوگ جن کی نیکی و بدی برابر نہ ان کو شقی کہا جا سکتا ہے نہ سعید۔

جن کی نہ کوئی نیکی ہے نہ کوئی بدی ان کو کیا جائے گا جیسے مجنون پاگل چھوٹے بچے۔ **جواب۔** اس کے تین جواب ہیں پہلا یہ کہ شقی اور سعید ہونا اگرچہ دنیا کی زندگی میں ہوتا ہے مگر اس کا دارومدار اخروی جزاء وسزا سے متعلق ہے جو ہر انسان کو بتا دیا گیا تو علم انسانی کے مطابق انسانوں کے دو ہی گروہ ہیں شقی وسعید اور چونکہ یہاں ان ہی چیزوں کا ذکر شروع ہو رہا جن کو انسانوں نے دیکھا اور سمجھا ہے اس لحاظ سے دو گروہ کئے گئے کہ شقی وسعید ان کے انجام کا ہر انسان کو حتماً ویقیناً پتہ ہے۔ رہے دوسرے دو گروہ جن کا معترض نے ذکر کیا ان کے انجام کا حتماً کسی کو پتہ نہیں۔ وہ علم الٰہی میں ہے کہ مجنون کہاں ہوگا پاگل دیوانے چھوٹے نابالغ کفار کے بچے کہاں رہیں گے یہی وجہ ہے کہ ان کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ دوسرا جواب یہ کہ یہاں کفر واسلام کی تقسیم ہے۔ اس لحاظ سے دو ہی گروہ ہیں شقی وسعید۔ لیکن وہ لوگ جن کی نیکی بدی برابر ہیں وہ مسلمان ہی ہیں چھوٹے بچے اور پیدائشی پاگل بھی دین فطرت پر مانے گئے ہیں اس لئے وہ بھی مسلمانوں میں شامل اگرچہ ان کے ماں باپ کافر ہوں اور ان کی رہائش بھی کفر میں ہو رہے وہ پاگل جو بلوغت کے بعد ہوئے ان کی اس حالت کا اعتبار ہے جو بلوغت کے وقت تھی۔ کافر کی نیکی ہوتی ہی نہیں۔ تیسرا جواب یہ کہ مِنْهُمْ شَقِيٌّ میں مِنْ بعضیت کا ہے اور اسی مِنْ کے تحت سعیدٌ ہے جس نے بتا دیا کہ سب سعید وشقی نہیں بلکہ بعض ایسے اور بعض ایسے اور بعض تیسرے گروہ کے جو نہ جہنم کے نہ جنت کے بلکہ اعراف کے جیسے پاگل۔ اور نابالغ بچے۔ گویا اس کا جواب خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا کہ قیامت کا زمانہ ایسا ہوگا کہ کوئی بات نہ کر سکے گا حالانکہ دوسری آیات میں ہے يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا یعنی آپس میں وہ کافر خوب جھگڑیں گے اور جھگڑے میں خوب شور مچتا ہے ثابت ہوا قیامت میں باتوں کا شور پڑا ہوگا۔ تیسری آیت میں کفار کا باتیں کرنا اس طرح مذکور ہے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ خدا کی قسم ہم مشرک نہیں تھے بہت سی احادیث مبارکہ میں بھی کافروں کی باتیں مذکور ہیں تو یہ تعارض کیونکر ختم ہو؟ **جواب** مفسرین کرام نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ قیامت کے احوال مختلف ہیں کبھی نفسی نفسی کا شور ہوگا کبھی شفاعت کے لئے بھاگ دوڑ فریاد والتجا کا شور ہوگا اور کفار کے جھگڑے کا۔ کبھی مسلمانوں کی شفاعت وسفارش کا نظارہ للچائی نظروں سے دیکھتے ہوئے کفار کا یہ کہنا ہوگا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ یہ حالتیں بعد کی ہیں پہلی حالت سب کی سراسیمگی اور ہیبت ناک خاموشی اور سناٹے کی ہوگی یہاں ابتدائی حالت ہی کا ذکر ہے **تیسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا يَوْمَ يَاْتِ يَاْتِ کا فاعل بھی یوم پوشیدہ ہے اور اس کا ظرف مقدم بھی یوم ہے۔ جس کا معنی ہوا جس دن آئے گا وہ دن۔ دن ہی ظرف دن ہی مظروف یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ **جواب** اس کے دو جواب ہیں پہلا یہ کہ يَوْمَ ظرف سے مراد مطلق وقت ہے اور یوم مضمر سے مراد قیامت ہے اور معنی ہے کہ جب وہ قیامت آئے گی۔ دوسرا جواب یہ کہ یومَ ظرف اور یوم مضمر دونوں سے مراد زمانہ ہے نہ کہ روشن دن اور زمانہ زمانے میں آسکتا ہے ایک زمانہ دوسرے زمانے کا ظرف اور مظروف ہو سکتا ہے۔ دیکھو ساعت دن کی جزء اور مظروف ہے دن ہفتے کا ہفتہ مہینہ کا مہینہ سال کا سال صدی کا (تفسیر روح البیان۔ کبیر۔ معانی۔ مدارک۔ جمل۔ صاوی۔ ابن کثیر)

تفسیر صوفیانہ

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۔ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۔ تہدید ربانی ہے اور قہار وجبار کی طرف سے جھڑک ہے اس مقہور پر جو اللہ کی نعمتیں پائے اور یہ نعمتیں اس کو منعم حقیقی کریم ورحیم کی رویت جمال سے مشغول اور دور کر دیں۔ سب سے بڑا قہر یہ ہے کہ نعمتیں اور عیش وعشرت نصیب ہو مگر توفیق شکر یادالٰہی نہ ملے دلوں سے یاد خدا بھلادی جائے جب انسان نعمتیں پاکر اس حالت میں رہتا ہے تب دریاء گناہ میں غرق ہوجاتا ہے۔ اور لائق سزا ہوتا ہے۔ پھر دنیاء دون کے اتار چڑھاؤ بھی اس کیلئے عبرت نہیں بنتے بدقسمتی کی اندھیریاں خوش بختی کی آنکھیں بند کر دیتی ہیں۔ لیکن یہی حالات زمانہ اور واقعات عالم قوموں کے قصے ان خوش نصیبوں کے آیات قدرت نشان عبرت بن جاتے ہیں جو مقام عرفان میں حرمان کے عذاب سے ڈرتے ہیں جو شاہد انوار کے مقام خوف پر پہنچ کر عذاب قبض اور فراق سے ڈرتے ہیں جو لوگ حال کی درستی کی خواہش رکھتے ہیں ان کے لئے یہ آیات تہدید وخوف ہیں کہ اے راہ معرفت کو طے کرنے والو منزل وصل کا ارادہ رکھنے والو صفائی قلب طہارت اعمال محاسبۂ نفوس کی طرف اجل کے پہنچنے سے پہلے راغب ہو جاؤ کیونکہ بندہ وہی کاٹے گا جو اگائے گا۔ اے راہ حیات کے بکھرے ہوئے مسافرو۔ وہ دن انوار وتجلیات کا زمانہ ہے جبکہ عارفین کو دیدار جلال عاشقین کو مشاہدۂ جمال کے لئے یاد کبریائی اور دامن عظمت میں جمع کیا جائے گا اور محبوبین کو لقاء بقا میں موحدین کو شہود ازلی کے دروازوں میں صابرین کو الفت کے دریچوں میں شاکرین کو قدرت کے طریقوں میں عابدین کو عظمت کی بلندیوں میں زاہدین کو خلوذ ذوق میں اور نافرمان منکروں کو قہر کے حجابوں میں مشرکین کو جبر کے بیابانوں میں جمع کیا جائے گا وہ دن ضرور آنے والا ہے جبکہ اہل سعادت کو جمال یار کا اہل شقاوت کو سوزش نار کا مشاہدہ ہوگا۔ اے غافلو دنیا یوم مشہود ہے کچھ کرلو زمانۂ قبر یوم مفقود ہے اس سے ڈرو۔ قیامت یوم مورود ہے۔ واردات قہر سے بچنے اور مہر الٰہی کے حصول کا طریقہ سوچ لو جزا یوم موعود ہے اس کی طرف توجہ کرو۔ سزا یوم ممدود ہے اس سے بچو ہم اس کو موخر نہ کریں گے مگر چند گنتی کے دن ہی چند دن کمائی کے ہیں۔ بس ان ہی دنوں کا اختیار اعمال بندوں کو دیا گیا ہے یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ ۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ : اے عالم ناسوت میں کفر وانکار کا شور بیہودہ فساد ہلاکت ڈالنے والو جب وہ یوم جبروت آئے گا تو کوئی نفس بھی ہیبت جلال الٰہی کی بناپر کلام لفظی ونفسی سری وعلانی خفی وجلی نہ کر سکے گا نہ نفس امارہ نہ نفس مطمئنہ مگر اس ہی حاکم مطلق کی اذن جمال وکرم سے وہ چھانٹ کا دن ہے۔ پس اس دن صحیح علم ہوگا کہ ازلی شقی یہ ہیں اور ان میں سے ازلی نیک بخت یہ ہیں دنیا میں اہل شقاوت کی چھ نشانیاں ہیں اور آخرت میں تین ہیں۔ ۱ حق سے نفرت ۲ طلب حق سے دوری ۳ گناہوں پر دلیری بغیر ندامت ۴ دنیا کے حلال وحرام پر حرص ۵ شہوات کی پیروی ۶ بدعتوں کی تقلید۔ اور اخروی علامتیں یہ ہیں ۱ شقیوں کو نار جہنم میں ڈالا جائے گا ۲ درد عذاب سے چیخ پکار ۳ اور چنگھاڑ گدھے کی آواز کے مشابہ۔ سینۂ ظلمات اور دنیا پرست کی آواز عالم ناسوت کی زرق زرق ویک بیک کے اندر مثل زفیر وشہیق ہے۔ دنیا مثل شہد ہے

اور دنیا پرست مثل مکھی شہد کی حرص میں شہد پر گرنے والی مکھی ہمیشہ شہد میں پھنسکر ہلاک ہوتی ہے اسی طرح دنیا دار دنیا کی فریب کاریوں اور لذتوں میں پھنستا چلا جاتا ہے اور جب تک روح و قلب کے آسمان اور نفوس و بشریت کی زمین رہے گی اہل شقاوت دنیا کی شقاوتوں میں پھنسے رہیں گے ۔ مگر جس کو چاہے توفیق مشیت سے ابتداءً بچالے ۔ بے شک اے انوار جمال والے محبوب ازلی ابدی تیرا رب تعالیٰ جو چاہے کرسکتا ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اہل شقاوت دو قسم کے ہیں ۱۔ شقی عصیان یہ سزا و فراق پاکر وصل کی جنت میں آجاتا ہے ۲۔ مگر شقی کفران یہ نار فراق میں ہمیشہ جلنے والا ہے ۔ (بیان ۔ عرائس)

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا

اور لیکن وہ جو اچھے کیے گئے تو وہ ہیں جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اس جب تک

اور وہ جو خوش نصیب ہوئے وہ جنت میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے جب

دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ

کہ قائم ہیں آسمان اور زمین مگر اور جتنا چاہے رب آپ کا عطا ہے

تک آسمان و زمین رہیں مگر جتنا تمہارے رب نے چاہا

عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ

نہ ختم کی ہوئی تو نہ ہو تو میں شک سے اس پوجتے ہیں یہ کافر

یہ بخشش ہے کبھی ختم نہ ہوگی تو اے سننے والے دھوکہ میں نہ پڑ اس سے جسے یہ کافر

هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ

جس کو نہیں پوجتے یہ سب مگر ویسا جیسا پوجتے رہے باپ دادا ان کے سے

پوجتے ہیں یہ ویسا ہی پوجتے ہیں جیسا پہلے ان کے باپ دادا پوجتے تھے

قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ ع

پہلے اور بیشک ہم البتہ پورا دینے والے ہیں ان کو حصہ انکا بغیر کمی کے

اور بے شک ہم ان کا حصہ انہیں پورا بھر دیں گے کمی نہ ہوگی

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا

اور البتہ بے شک دی ہم نے موسٰے کو کتاب تو گڑبڑ کی گئی بیچ اس کے اور اگر نہ

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس میں پھوٹ پڑ گئی اگر

كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ

نہ ہوتا حکم جو پہلے ہوا طرف سے رب آپ کے البتہ فیصلہ ہو چکا ہوتا درمیان ان کے اور

تمہارے رب کی ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو جبھی ان کا فیصلہ کر دیا جاتا اور

لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾

بیشک وہ البتہ بیچ شک طرف سے اس کی پریشانی

بے شک وہ اس کی طرف سے دھوکا ڈالنے والے شک میں ہیں

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں میدان حشر کے مجتمعین کی دو قسمیں بیان فرما کر بدبختوں کا ذکر کیا تھا اب دوسری قسم کے خوش بختوں کا ذکر ہے کہ ان کو کیسی کیسی بھلائیاں ملیں گی۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں شقاوت و سعادت کا ذکر فرما کر اب مسلمانوں کے لئے مزید شرح فرمائی جا رہی ہے کہ اے لوگو اپنے زمانے کے کفار کی بت پرستی اور عیش و عشرت دیکھ کر مشکوک مت ہونا ان کا انجام بھی گذشتہ کافروں کی طرح ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار مکہ توحید باری تعالیٰ کے منکر ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ انبیاء کرام کی نبوت کے انکار پر بھی مصر ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی کتاب میں اختلاف کر بیٹھے چوتھا تعلق پچھلی آیات میں گذشتہ امتوں کے دنیوی عذاب کا ذکر ہوا تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ نبی کریم کی امت دعوت کو دنیا میں عذاب نہ ہوگا اگرچہ کتنا ہی کفر کریں ہاں آخرت میں پوری سزا ہوگی۔

تفسیر نحوی وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۔ واؤ سر جملہ اما حرف استدراک بمعنی لٰكِنْ ہو تو یہاں شرطیہ ہے اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے سُعِدُوْا ماضی مجہول یہ قرأت مشہور ہے ایک قرأت میں فعل معروف سَعَدُوْا ہے حال سَعْدٌ سے بنا ہے بمعنی نیک بخت فاء جزائیہ یا تعقیبیہ اگر اَمَّا سے جملۂ اول کو شرط مانا جائے تو یہ جملہ جزا ہے اگر اَمَّا بمعنی لٰكِنْ ہی رہے تو وہ جملہ خبریہ ہے اور یہ فا جزائیہ نہیں فی جارہ اس سے پہلے يُقِيْمُوْنَ فعل پوشیدہ اَلْجَنَّةِ الف لام عہدی ہے جنۃ کا لغوی ترجمہ پوشیدہ مصدر بمعنی مفعول ہے یہاں مراد ہے فردوس خٰلِدِيْنَ خلود سے بنا بمعنی ہمیشہ رہنا فِيْ جارہ ظرفیہ ھا ضمیر مونث کا مرجع جنت ہے مَا دَامَتِ فعل ناقص بصیغہ مونث اَلسَّمٰوٰتُ جمع ہے سَمَاءٌ کی واؤ عاطفہ اَلْاَرْضُ

الف لام جنسی جملہ عاطفہ ناقصہ کا اسم ہے اِلَّا حرف استثناء متصل ہے خالدین کے دوام کو توڑنے کے لئے۔ خالدین
کا تعلق کس سے ہے اس کا ذکر عالمانہ تفسیر میں آئے گا شاءَ مشیت سے بنا یعنی چاہت۔ رضا باب ضَرَبَ کا ماضی
مطلق ہے شیءٌ اجوف و مہموز اللام ہے ربُّ اس کا فاعل مضاف ہے طرف کَ ضمیر مخاطب کے عطاءً مفعول مطلق
ہے فعل پوشیدہ اُعْطُوْا مجہول کا یا اَعْطٰی پوشیدہ کا۔ موصوف ہے تنوین تعظیمی ہے غَیْرَ نافیہ مجذوذٍ ہے۔ نحویوں کے نزدیک
غَیْر پانچ معنی میں مستعمل ہے ۱ سوا ۲ بدلنا ۳ استثناء کے لئے ۴ کلی نفی کے لئے ۵ جزئی نفی کے لئے۔ یہاں کلی نفی کیلئے
یعنی کبھی نہیں مجذوذ اسم مفعول ہے جذٌّ سے مضاعف ثلاثی بمعنی ٹوٹا ہوا۔ رکا ہوا۔ ختم شدہ۔ بند کیا ہوا۔ یہاں یہ آخری معنی
مناسب ہیں فَلَا تَكُ فِىْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ۔ فاء تعقیبیہ ترکیب کے لئے لَا تَكُ فعل نہی واحد حاضر دراصل تھا لَا تَكُنْ
كَوْنٌ سے بنا نون اصلیہ تخفیف کے لئے گر گئی۔ فِیْ ظرفیہ۔ مِرْيَةٍ بحالت زیر ہے۔ مِرْیٌ سے بنا مصدر بمعنی اسم جامد یعنی
شک۔ شبہ۔ آخری تا مصدریہ ہے۔ مِنْ جارہ بمعنی باء جارہ ما موصولہ یَعْبُدُ فعل مضارع حال۔ هٰٓؤُلَآءِ موصول مبنی ہے
بحالت رفع ہے فاعل ہے یَعْبُدُ کا اسم ظاہر ہے لہذا فعل واحد ہے مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ۔ مَا يَعْبُدُوْنَ
مضارع منفی بصیغہ جمع غائب اس کا فاعل اسم ضمیر غائب ہے یہ جملہ استینافیہ سابقہ نہی کا بیان علت ہے اِلَّا حرف استثناء
نے نفی کی نوعیت کو توڑا تشبیہ کو جوڑا مستثنیٰ شَیْئًا پوشیدہ ہے۔ کَمَا کاف حرف جارہ تشبیہ کے لئے مَا کافہ یَعْبُدُ مضارع بمعنی
ماضی استمراری اس کا فاعل اٰبَآءُ اسم ظاہر ہے جمع ہے اب کی مراد ہے باپ دادے هُمْ ضمیر کا مرجع موجودہ کفار مِنْ جارہ
بیانیہ قَبْلُ اسم ظرفی مبنی ہے ضمہ پر کیونکہ مضاف الیہ محذوف منوی ہے دراصل تھا قَبْلِهٖ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ
غَيْرَ مَنْقُوْصٍ واؤ سر جملہ اِنَّ حرف تحقیق مخففہ نا ضمیر جمع متکلم لَمُوَفُّوْ۔ لام کے یا لام تاکید مُوَفُّوْ اسم فاعل بصیغہ جمع مذکر اس
کا مادہ وَفْیٌ ہے لفیف مفروق بمعنی پورا کرنا اس کا واحد مُوَفِّیٌ ہے باب تفعیل ہے دراصل تھا مُوَفُّوْنَ لام کے نے جزم
کی وجہ سے نون اعرابی گرادی هُمْ ضمیر کا مرجع تمام کفار ہیں متعدی بدو مفعول پہلا مفعول هُمْ ہے مفعول دوم نَصِيْبَهُمْ ہے
نصیب بمعنی فعیل نصبٌ سے بنا بمعنی مقرر کرنا مراد حصہ ہے مضاف ہے هُمْ ضمیر کی طرف غَیْرَ بمعنی سوی بحالت زبر ہے
نَصِيْبَهُمْ کا ہے منقوص اسم مفعول ہے نقصٌ سے بنا متعدی ہے بمعنی کم کرنا وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ
وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ واؤ ابتدائیہ۔ قَدْ اٰتَيْنَا ماضی قریب بصیغہ جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ لفظ موسیٰ اسم
منصوب بحالت زبر مفعول بہ اوّل ہے الکتٰب مفعول بہ دوم ہے اٰتَيْنَا کا الف لام عہدی حرفی ہے۔ فاء تعقیبیہ اُخْتُلِفَ
فعل ماضی مجہول خَلْفٌ سے بنا۔ تین معنی میں مشترک ہے ۱ پیچھے ہونا ۲ غلط راستہ پکڑنا ۳ جھگڑا کرنا یہاں دوسرے
اور تیسرے معنی بن سکتے ہیں۔ فِیْ جارہ ظرفیہ ہٖ ضمیر کا مرجع کتاب ہے واؤ سر جملہ۔ لَوْ حرف شرط لَا مشبہ بلیس کَلِمَةٌ بحالت رفع
اسم لَا ہے کلمٌ سے بنا بمعنی تقدیری قسمت کا فیصلہ۔ سَبَقَتْ پورا جملہ فعلیہ خبر لا ہے۔ فعل ماضی بصیغہ مؤنث سَبْقٌ سے
بنا بمعنی پہلے ہونا گزر جانا۔ مِنْ جارہ ظرفیہ قَبْلَ کے معنی میں رَبِّ بحالت جر مرکب اضافی ہے کَ ضمیر کا مرجع عام مسلمان

بھی ہو سکتا ہے لام کے قُضِیَ ماضی مجہول قضیٰ سے بنا بمعنی فیصلہ کرنا متعدی بیک۔ مفعول ہے اسی سے ہے قاضی وقضا۔ بَیْنَ اسم ظرف مفعول فیہ ہے بحالت زبر ھُمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع کفار ہیں وَاِنَّھُمْ لَفِیْ شَکٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ واؤ سر جملہ اِنَّ حرف لفظی ھُمْ اسم اِنَّ ضمیر جمع غائب کا مرجع موجودہ کفار ہیں۔ لام کے فی جارہ ظرفیہ شَکٍّ اسم جامد ہے بمعنی قلبی تفکر جس میں کسی طرف ترجیح نہ ہو مِنْ بمعنی قبل یعنی طرف سے ہ ضمیر غائب کا مرجع ذہنی قرآن پاک مُرِیْبٍ۔ باب افعال کا اسم فاعل رَیْبٌ سے بنا بمعنی ہر طرف سے پریشانی بے اطمینانی۔ بحالت زیر دراصل تھا موقع مُرِیْبٍ یا ذُو مریب۔ بمعنی شک بمعنی شک کرنے والے سے یا شک کرنے والے کے اہل سے۔

تفسیر عالمانہ

وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ۔ اور لیکن وہ لوگ جو ازل سے ہی نیک بخت کئے گئے اور اسی نہج پر زہد وعبادت سے اللہ رسول کو راضی کرتے ہوئے انہوں نے زندگی گزاری پس وہ اللہ کی جنت میں ہیں شروع سے ہی ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس جنت میں جب تک کہ جنت کے آسمان وزمین قائم رہیں گے۔ مگر بعض فاسق مسلمانوں کی وہ مدت جو آپ۔ کا رب چاہے کہ جنت میں نہ گزرے بلکہ جہنم میں گزار کر پھر آئیں۔ جنتیوں کو جنت میں آپ کا رب اپنے کرم کریمانہ سے ایسی عطائیں فرمائے گا جو کبھی بند نہ کی ہوئی ہوں گی بلکہ مسلسل لگاتار ابدالآباد تک ملتی ہی رہیں گی۔ دنیا میں بھی انسان مختلف گروہ اور فرقوں جماعتوں میں بٹے ہوئے ہیں جو سینکڑوں کی تعداد میں ہیں بعض فرقہ بندی اچھی بعض بری مگر آخرت میں دو ہی ٹولے ہوں گے ایک جہنمی جن کا ذکر پہلے کیا گیا ایک جنتی جن کا یہ اب ذکر ہے۔ اس گروہ کے خلود فی النار میں بھی مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ کی قید ہے اور یہاں بھی لہٰذا جو تفسیری احتمال وہاں تھے وہی یہاں ۱؎ سموات سے مراد جنتی سموات مراد ہیں ۲؎ عرب کے محاورے کے مطابق ہمیشگی کا ذکر ہے ۳؎ دنیا کے آسمان وزمین مراد ہیں کہ ان کی مدت کروڑوں برس ہے ان کے فنا کے بعد اتنی مدت جنت وجہنم کی پھر اس کے بعد مشیت ربانی کی لامحدود۔ جس کی کبھی انتہا نہ ہوگی صاوی ۴؎ دنیا کے آسمان وزمین کو ہی وہاں قائم کر دیا جائے گا۔ مگر یہ قول غلط ہے جیسا کہ پہلے کیا گیا۔ جس طرح وہاں ساکنین دوزخ اِلَّا مَا شَآءَ سے استثنا کر کے بعض کو نکالا گیا اسی طرح یہاں بھی اِلَّا فرمایا گیا۔ مگر فرق یہ ہے کہ وہاں انتہاء کے لئے تھا یہاں ابتداء کے لئے۔ یعنی وہاں فرمایا گیا تھا کہ جہنم میں شقی ہمیشہ رہیں گے لیکن بعض شقی جو فاسق ہیں وہ کچھ مدت بعد نکال لئے جائیں گے۔ ان کی رہائش جہنم کی انتہا ہو جائے گی۔ اور یہاں مطلب ہے سب جنتی شروع سے جنت میں جائیں گے مگر اللہ کی مشیت کے مطابق کچھ جنتی جنت میں بعد میں جائیں گے اور ان کی رہائش جنت کی ابتدا دوسرے سعیدوں سے سوا ہوگی ایک قول تفسیری یہ ہے کہ دونوں جگہ اِلَّا جملہ استثنائیہ متشابہات میں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اِلَّا بمعنی سوا ہے۔ اور اس کا تعلق خٰلِدِیْنَ سے ہے۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ اس کا تعلق اپنی پچھلی عبارت عَطَآءً سے ہے یعنی مگر جس کو اللہ چاہے نہ ختم ہونے والی عطائیں بخشے اس تفسیر کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے لئے اپنی مشیت کا ذکر فرما دیا مگر شقیوں کے لئے مشیت کا اظہار نہ فرمایا صرف فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ کہہ دیا۔ عَطَآءً سے

پہلے ایک فعل اُعطی پوشیدہ ہے عَطَاءً اس کا مفعول مطلق (روح البیان) بعض نے فرمایا کہ دونوں زندگیوں کو اِلاَّ سے مستثنٰی کرنے میں برزخی زندگی کو جو حساب کتاب سے پہلے ہے خارج کیا گیا ہے۔ یعنی بعد مدت جتنا رب چاہے گا جنت و دوزخ سے باہر رکھے گا۔ ایک تفسیر میں دونوں جگہ اِلاَّ بمعنی واؤ عاطفہ ہے۔ یعنی اور جو آپ کا رب چاہے وہ ہو گا۔ (خازن وبیضاوی) ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ استثنا دونوں جگہ خالدین فیھا ابدا سے منسوخ ہے (ابن کثیر) چنانچہ اس خلود کے بعد موت کو ذبح کر کے فنا کر دیا جائے گا۔ اور جنت وجہنم میں اعلان عام ہو جائے گا کہ اب ہمیشہ ہمیشہ رہو اپنے اپنے مقامات میں اس اعلان سے ایک گروہ کو انتہائی خوشی کہ اگر موت ہوتی تو خوشی سے مرجاتے اور ایک گروہ کو انتہائی غم کہ اگر موت ہوتی تو غم سے مرجاتے فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۚ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۚ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ جب ہم نے بتا دیا کہ ان سرکشوں مغرور بتوں کے پجاریوں جھوٹے معبودوں کا سہارا وسیلہ لینے والوں کا انجام دنیا میں کیا ہوا کہ ساری طاقتیں سلطنتیں گھمنڈ ایک ساعت میں خاک میں مل گئے کوئی بت کسی پجاری کو نہ بچا سکا اور آخرت میں جو حال ہو گا وہ بتا دیا تو اب ان کی دنیوی سج دھج اکڑ غرور اور تخت وتاج دیکھ کر۔ اے مسلمان کسی شک میں نہ رہنا اس وجہ سے کہ یہ کافر کس کو پوجتے ہیں یہ جملہ نیا ہے۔ اس میں خطاب عام مسلمانوں سے ہے۔ کیونکہ کفار کی ظاہری عزت اور مال و دولت دیکھ کر وہی مسلمان شک میں پڑ سکتا ہے جس نے حقیقتِ حال میں غور نہ کیا ہو بعض لوگوں نے یہاں نبی کریم سے خطاب سمجھا ہے وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ انبیاء کرام کی شان تو بہت بلند ہے مخلص اور پختہ مومن بھی اس شک میں نہیں ہوتا وہ بھی سب حقیقت کو سمجھتا ہے۔ مِمَّا میں ما موصولہ سے مراد بت ہیں یا کفار کی حالت یا عبادت باطلہ۔ معنٰی ہیں کہ نہ شک میں ہو ان باطل معبودوں سے یا کفار کی حالت فاخرہ سے بعض نے کہا ما مصدریہ ہے تو معنٰی ہوں گے کہ یا ان کی عبادت سے کہ ان کے معبودان باطل یا ان کی کفریہ عبادت سجدہ دنیوی بتوں کے سامنے فریادیں دعائیں نہ کسی کا نقصان کر سکتی ہیں نہ خود ان کا کچھ فائدہ کیونکہ یہ سب کچھ بے سند بے دلیل مذہب ہے۔ مَا يَعْبُدُوْنَ نہیں عبادت کرتے یہ کافر مگر ایسی ہی حماقت میں جیسے کہ ان کے باپ دادے عبادت کرتے رہے پہلے سے یہ جو کچھ کفار کی عزتیں مال و دولت تم دیکھ رہے ہو اے مسلمانو یہ ان کی عند اللہ قبولیت یا عظمت کی دلیل نہیں بلکہ یہ تو ان کا انسانی اور مخلوق ہونے کی حیثیت کا حصہ ہے وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ جب بے شک ہم ہیں دنیا میں ان کو پورا چکا دینے والے ہیں۔ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ پورا کا پورا جملہ بغیر ذرہ بھر کم کئے ہوئے۔ مُوَفُّوْ باب تفعیل کا اسم فاعل ہے بمعنٰی حال بعض نے کہا بمعنٰی مستقبل ہے تب اس کا تعلق آخرت سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ بے شک ہم ان کفار کو ان کے عذاب کا پورا حصہ دیں گے جیسے کہ ان کے باپ دادوں کو دیں گے کچھ فرق یا کمی یا زیادتی نہ ہو گی اس لئے کہ جرم ایک جیسا ہے۔ نصیب کے معنٰی ہیں پورا حصہ۔ غیر منقوص کے معنٰی بھی پورا حصہ مکمل لہٰذا یہ تاکید کے لئے ہے اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اے مسلمان ان قصوں کو سننے کے بعد اب ان بتوں کی طرف سے شک میں نہ رہنا جیسا کہ کفار کا بد عقیدہ ہے کہ اگر کافر بتوں کو پوجیں تو ان کو وہ نفع دیں اور اگر ترک عبادت کریں تو وہ بت اپنے پجاریوں کو نقصان پہنچائیں گے یہی عقیدہ باپ دادے

چلا آرہا ہے اس بدعقیدگی میں بیچارے دھڑا دھڑ بت پرستی میں لگے ہوئے حالانکہ تم نے سن لیا کہ اللہ ہی نفع دیتا ہے اپنے فرمانبرداروں کو اور نقصان یعنی عذاب دیتا ہے نافرمانوں کافروں کو اور ہم نہ دنیا کے حصہ میں کسی کو کمی کریں نہ آخرت عذاب میں کمی کریں۔ کتنی صاف آیات ہیں جنہیں صاف طرح سمجھایا گیا کہ بتوں کی عبادت کرنے سے نہ نفع نہ نقصان یہاں بتوں کے آستانوں سے روکا گیا۔ کتنا ظالم ہے وہ مفسر جو ان آیتوں کو انبیاء اولیاء پر چسپاں کرے ہمارے زمانے کا ایک اردو مفسر جس نے سارے قرآن کریم کی تفسیر اپنی رائے سے کی ہے وہ ان آیات سے انبیاء اولیاء کے آستانے اور معجزے وکرامات کا انکار ہی کرتا چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ گمراہوں سے ہم کو بچائے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ اے مسلمانوں یا اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کے قرآن پاک آپ کی تبلیغ کو یہ موجودہ مکے اور عرب کے کافر نہیں مانتے تو فکرمند وافسردہ نہ ہوں آپ کے آنے سے پہلے ہم نے البتہ بے شک موسیٰ علیہ السلام کو کتاب توریت عطا فرمائی۔ تو وہ بنی اسرائیل کافر جنہوں نے فرعون کو غرق ہوتے اپنی آنکھوں دیکھا آپ کی امت دعوت نے تو عذاب کے واقعات صرف سنے ہیں ان ظالموں نے تو خود دیکھا لیکن پھر بندے نہ بنے بلکہ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ اللہ کی کتاب میں اختلاف کرنے لگے یہاں تک کہ اس کتاب توریت میں ملاوٹ وگڑبڑ کی گئی۔ اور بعض قوم ایمان لائی بعض کفر کر گئی کہ یہ توریت ہم خدا کا کلام ہی نہیں ہے۔ یہی حرکت ان کفار نے کی تو تم تسلی رکھو آزردہ نہ ہو اور اس بات سے غمگین مت ہو کہ یہ قرآن مجید کی توہین کیوں کرتے ہیں۔ اگر ہماری حکمت داعیہ کے مطابق فیصلہ الٰہیہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا کہ کفار کو عذاب بعد قیامت ہی ہوگا دنیوی زندگی ان کی مہلت کی ہو گی تو انہوں نے حرکتیں تو ایسی ہی کی ہیں کہ مستحق ہو گئے اس بات کے کہ آج ہی ان بدبختوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتے اور دردناک عذاب کا مزہ چکھا دیا جائے جیسا کہ پہلی قوموں کو دنیا میں عذاب سے فنا کر دیا گیا لیکن اے پیارے ان پر دنیا میں عذاب اس طرح کا ایک دم نہ آئے گا۔ یا اس لئے کہ ان سابقہ قوموں کی نسلوں میں ایمان ختم ہو چکا تھا ان کی نسلوں میں ابھی ایمان باقی ہے جیسے کہ ابوجہل کی نسل میں عکرمہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ جب عکرمہ پشت ابوجہل سے نکل جائیں گے تب میدان بدر میں قتل کرا دیا جائے گا یا اس لئے کہ اے پیارے نبی ان کے انبیاء نے بددعائیں کی تھیں تب عذاب آیا مگر آپ بددعا نہیں فرماتے ہم رب تعالیٰ تو اپنے نبیوں کی عرض پر عذاب بھیجتے رہے مگر آپ تو رحمۃ للعالمین ہیں لہذا آپ کے ہوتے عذاب نہیں آئے گا۔ اگرچہ یہ کافر ہمارے کتنے ہی نافرمان ہو جائیں اور حالت یہ ہے بے شک یہ کافر البتہ اس قرآن مجید کی طرف سے یا بیان کردہ قصوں کی طرف سے یا آپ کی نبوت کی طرف سے یا آخرت کی عذاب والی زندگی کی طرف سے بہت بڑے شک میں پڑے ہیں منہ کی ضمیر کا مرجع اگر قرآن مجید ہے تو ذہنی مرجع ہے کیونکہ پہلے مذکور نہیں ہوا اتنا بڑا شک ہو رہا ہے اس کی وجہ سے مُرِيْبٍ یعنی پریشان ہوتے پھرتے ہیں گویا کہ چاروں طرف اضطراب ہے اور خود اس میں پھنسے ہوئے ہیں مریب اسم ظرف ہے یا اسم فاعل دونوں ہو سکتے ہیں۔ پریشانی یہ کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور کلام الٰہی کی بے مثالی اور شان دیکھتے ہیں تو دل سے سچائی کے قائل ہو جاتے ہیں

مگر جب ساتھی وسوسے ڈالتے ہیں تو ہٹ جاتے ہیں مضطرب ہوتے ہوئے لہذا مریب یعنی ریب کی جگہ پھنسے ہیں یا ریب کرنے والے ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** جنت اور جنت کی نعمتوں کو فنا نہیں نئی پیدا تو ہوں گی لیکن پیدا ہوکر ختم نہ ہوں گی یہ فائدہ غیر مجذوذ فرمانے سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** کافر سرداروں کو اگرچہ دگنا تگنا عذاب ہوگا مگر ان کا کہنا ماننے والوں کا عذاب بھی کم نہ ہوگا۔ قیامت تک ہر بری رسم ڈالنے والے اور ان کے ساتھیوں کا یہی حال ہے۔ اسی طرح نیکی کی رسم ڈالنے والوں کو دگنا ثواب مگر عاملین کا ثواب کم نہ ہوگا یہ فائدہ لَمُوَفُّوهُمْ سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** ایصال ثواب برحق ہے اور اس سے بھیجنے والے کا ثواب کم نہیں ہوتا یہ فائدہ نصیبھم غَیْرَ مَنْقُوصٍ سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** قیاس شرعی برحق ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے موجودہ کافروں کو پچھلے کافروں پر قیاس کیا یہ فائدہ کَمَا یَعْبُدُ سے حاصل ہوا۔ مگر موجودہ وہابی اس کے منکر ہیں۔ خدا ان کو ہدایت دے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑسکتے ہیں **پہلا اعتراض** جس طرح کہ شقیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا تھا۔ خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ بالکل اسی طرح یہاں جنتیوں کے جنت میں رہنے کی مدت بھی آسمان وزمین کی مدت سے لامحدود کردی گئی حالانکہ بعض جہنمیوں کی دوزخی رہائش تو محدود ہوسکتی ہے کہ فاسق مسلمان جہنم میں دنیوی آسمان وزمین کی مدت تک جہنم میں رہیں گے مگر جنتی لوگ تو کبھی بھی جنت سے نہ نکلیں گے۔ اور آسمان وزمین کی مدت تو دائمی نہیں چنانچہ ایک آیت میں ارشاد ہے کَلَّا اِذَا دُکَّتِ الْاَرْضُ دَکًّا دَکًّا یعنی زمین ٹکڑے کردی جائے گی دوسری آیت میں ہے اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ جب آسمان پھٹ پڑے۔ تیسری آیت میں یوم نطوی السماء قیامت کے دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے۔ ان آیات سے ثابت ہوا کہ آسمان وزمین کی مدت ختم ہوگی لہذا محدود اور جنتیوں کی مدت لامحدود تو یہاں لامحدود سے معلق کیوں فرمایا گیا **جواب**۔ اس کا جواب پہلی صورت جہاں شقیوں کا ذکر ہوا تفسیر عالمانہ میں دیا گیا تھا کہ ما دامت السموات میں چار احتمال ہیں جن میں ایک یہ کہ یہاں دونوں جگہ دنیوی آسمان مراد نہیں بلکہ جنت کے آسمان زمین مراد ہیں۔ جو مثل جنت کے ابدی ہیں ان کو فنا نہیں ان کی مدت لامحدود ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ قول عربی محاورے کے لحاظ سے ہے کہ آسمان وزمین کی مدت کو محاورے میں ہمیشگی سے تعبیر کیا جاتا ہے **دوسرا اعتراض** تو پھر یہاں اِلَّا سے استثناء کیوں کیا گیا استثنا محدود کا ہی ہوتا ہے لامحدود کا نہیں ہوتا **جواب** یہاں اِلَّا بمعنی سوای ہے یا غیر یا الغرض ہے نہ کہ استثنائیہ جیسا کہ پہلی تفسیر عالمانہ میں بتایا گیا یا بمعنی واؤ عاطفہ ہے۔ اور اگر استثنائیہ ہی مانا جائے تو بعض جنتیوں کا استثنا ہے جو شروع سے جنت میں نہ آئیں گے کچھ دن بعد آئیں گے اور شروع میں آنے کا استثنا کیا گیا ہے نہ کہ نکلنے کا۔ اور ہمیشہ رہنے کا **تیسرا اعتراض** نصیبھم فرمانے کے بعد پھر غیر منقوص کیوں کہا گیا۔ جبکہ دونوں کا معنی ہے پورا حصہ **جواب**۔ اس کا جواب بھی تفسیر میں دیا گیا کہ نصیب کی تاکید کے لئے غیر منقوص فرمایا گیا **چوتھا اعتراض** آپ کی تفسیر نے بتایا کہ شَقِیٌّ مِنْهُمْ میں ھم ضمیر

مرجع قرآن مجید ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ۔ یا آخرت کا عذاب ۔ حالانکہ نحوی قاعدے سے مرجع کا پہلے ہونا اشد لازم ہے مگر یہاں پہلے دور ۔ دور تک کہیں قرآن پاک یا نبوت یا عذاب آخرت جو ان کفار کیلئے ہے اس کا ذکر تک نہیں مرجع کس طرح ہو گیا ؟ **جواب** ۔ انحوی قاعدہ کے مطابق مرجع ذھنی بھی ہوتا ہے ۔ جیسا کہ اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ میں مرجع ہٗ کا قرآن مجید ہے ۔ رہا نبوت یا عذاب ۔ تو اقتضائی طور پر روشِ کلام سے ظاہر ہے ۔ اور مرجع بننے کے لیئے اتنا ہی کافی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ ۔ اور لیکن وہ نیک بخت نور کے سانچوں میں ڈھلنے والے جن کے لیئے ازل میں عبادتِ کبریٰ سبقت لے گئی اور نوری محلات میں عبادتِ توحید میں مصروف ہوئے اور جنان کی رف رف پر طلبِ معرفت میں عرش کی چوکھٹ تک دوڑے ۔ گلستانِ محبت کی سعادتیں حاصل کیں پس وہ مشاہداتِ تجلیات اور غنچۂ محبت کی جنت میں ہیں جہاں رضا رب کی کیاریوں میں انوار کی کلیاں کھلتی رہیں گی ابد الاباد تک اسی پر بہار باغوں میں رہینگے ۔ جب تک کہ روح قدسیہ کے آسمان اور نفوسِ قدسیہ و بشریت سِریّہ کی زمین باقی رہیں گی ۔ مگر اے نفسِ مطمئنہ جو تیرے رب مربی برحق روحانی غذاؤں سے پالنے والے نے چاہا اپنے پیاروں کو دیا ۔ عارفین محبوبین اور مشتاقین پر مشیتِ الٰہی کا ورودِ طلب ہے ۔ کہ یہ خواص ۔ رحمانی بندھنوں میں بندھکر قبۂ انوار میں داخل ہوتے ہیں ۔ اس دخول کی ابتداء ہے مگر انتہا کوئی نہیں کیونکہ مشیت الٰہی کی انتہا نہیں معطی کو فنا نہیں لہٰذا عطا کو بھی انقطاع نہیں ۔ جب دینے والا موجود اس کی رضا موجود تو عطا کیوں بند ہو ۔ شقی وہ ہے جو رحمت سے محروم ہو ۔ سعید وہ جو رحمت سے مرزوق ہو ۔ شقی وہ ہے جو اپنی قوت و تدبیر پر بھروسہ کرے سعید وہ ہے تفویضِ الٰہی پر توکل کرے اور اپنے سب امور خالق و مالک کے سپرد کر دے ۔ شقی وہ ہے جس کا قلب ورودِ تجلی سے مر گیا ہو رویتِ جمال دیدارِ جلال کے قابل نہ ہے ۔ سعید وہ ہے کہ توفیقِ ازل نے جسکو سعادتِ مقامات آسانی طاعات کی عطاءِ غیر محدود سے نوازا ہو ۔ شقی وہ ہے جو نارِ محرومیت میں جلے آثارِ عذاب آلام الخیبات دیکھے ۔ سعید وہ ہے جو مرادات کی جنت ثوابات کی لذت پائے ۔ شقی وہ ہے جس کے قالب میں نفس کے تفکر ہوں ۔ حجاب ۔ ذلتیں بھٹکنا ، اعانتیں ناراضیِ حق کی ظلمتیں ہوں ۔ سعید وہ ہے جس کے قالب میں قلب کی سلطنت ہو ، رضاءِ الٰہی لطف اکرام ، اعزاز کے باغ ہوں ، اپنی اپنی سلطنت میں دونوں کو دوام ہے صرف درجات و درکات تبدیل ہوتے رہتے ہیں ۔ یہی معنیٰ ہے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ اور غیر مجذوذ کا ۔ شقی نفس مقامِ سفلیت میں دائمی ہے مگر درکاتِ قیام جب تک رب چاہے ۔ اسی طرح سعید مقام مکاشفۂ علیین میں ابدی ہے مگر درجاتِ مشاہدات کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے جو رب چاہے ۔ سعید کی دنیا میں نو نشانیاں ہیں ۔ ۱ قبولِ حق ۲ طلبِ خدا ۳ استغفار ۴ توبہ ۵ قناعتِ دنیا ۶ حلال کی طلب ۷ اتباعِ سنت ۸ بدعت سیئہ سے پرہیز ۹ خواہشاتِ نفس کی مخالفت ۔ اہلِ سعادت دو قسم کے ہیں ۱ سعید ۲ اسعد ۔ سعید مقام علیین تک پہنچنے کی سعادت لینے والا ہے بلحاظ عبادت مقام ثواب پانے والا اور اسعد وہ ہے جو مقام وصل و قرب لینے والا بلحاظ معرفت تقویٰ اور محبت کے فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّمَّا

يَعْبُدُ هٰۤؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۔ اے طالب دھر کے توسل ۔ انجام واختتام کو سمجھنے کے بعد اب نفوس رذیلہ کی صفاتِ ذمیمہ و عادات خبیثہ کی عبادتِ باطل سے حیرانی اور تعجب اور شک میں نہ رہنا ۔ یہ فقط آباء سرکشی اجداد عنادی کی دیکھا دیکھی عبادت کرتے ہیں جو دماغِ طاغوتی کے پہلے وقتوں میں کرتے تھے ۔ قانونِ فطرت کے مطابق ہم ہر ایک کو بغیر کمی اُس کا حصہ جس کے وہ لائق ہو دیتے ہیں ۔ بلبل کو پھول تو پروانے کو شمع ۔ عاشق کو عشق تو حبیب کو محبت ۔ اہل خبث کو خباثت ۔ محبت ابلیس رکھنے والے کو ابلیسیت کا حصہ ملتا ہے ۔ ارباب طبیعت دنیا اور خواہشات کی عبادت کرتے ہیں اور ارباب عشق کی عبادت ترک ھویٰ اور اتباعِ ھدیٰ ہے ۔ اپنا اپنا حصہ اپنا اپنا نصیب ہے ۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۔ اور البتہ بیشک ہم نے موسیٰ نور قلبی کو کتاب سینۂ اسرار عطا کی تو اہل ھدیٰ کی طرف سے اختلاف کیا گیا اگر کلمات ازلیہ قدیمہ کا ورود مسعود جلوۂ ناسوتی پر تیرے رب کی طرف سے سبقت نہ لے جاتا اور جلوۂ کرم آشکارا نہ ہوتا تو اوصافِ کثیفہ عادات رذیلہ کے درمیان فیصلۂ فراق و فنا کر دیا جاتا اور حیات عارضی کی بھی مہلت نہ ملتی ۔ اور بیشک وہ طاغوتی طاقتیں اب بھی البتہ کرم کریم کی طرف سے پریشانی ہے ۔ اطمینانی اور شک میں مبتلا ہیں ۔ کلمات الٰہیہ ازلیہ سعادت اہل ایمان اور شقاوت اہل کفر سے سبقت لے گئے ۔ تمام اہل باطن اور اہل ظاہر کفر اور قہر کے قبضے میں ہیں ۔ ان کی مہلتیں اور تاخیریں سعادت و شقاوت کی تکمیل کے لیے ہیں اور اللہ کی کتاب روحانی شمع کافوری جو نفوسِ پلید کو پاک کرنے کے لیے اور نفوسِ قدسیہ کو چمکانے کے لیے ہے جو اس پر ایمان لایا تکمیلِ سعادت پا گیا ۔ اور جو کفر اور ترک کی بیچارگی میں شاغل رہا اس کی شقاوت مکمل ہو گئی ۔ فریق اول اہل یقین ہے ۔ فریق ثانی اہل شکوک و شبہات ۔ یقین کا بیڑا پار ہے ۔ شکوک کی دلدل میں ہلاکت اہل یقین کی تین نشانیاں ۱۔ تکلیف پر صبر ۲۔ بلا پر تحمل ۳۔ بیوقوف سے حلم ۴۔ جہلا کو معافی ۵۔ بے حیا سے درگذر ۔ یہی اخلاقِ الٰہیہ ہیں ۔ ان سے ہی صدقِ عبودیت ظاہر ہوتا ہے (عرائس ۔ بیان)

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا
اور بیشک تمام کو جتنے بھی ہیں البتہ پورا دے گا ان سب کو رب آپ کا بدلہ اُن کا بے شک وہ اس سے
اور بے شک جتنے ہیں ایک ایک کو تمہارا رب اس کا عمل پورا بھر دے گا اسے ان کے
يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ
جو وہ کرتے ہیں خبر والا ہے تو ثابت قدم رہو جیسا کہ حکم دئے گئے ہو تم اور وہ شخص توبہ کی
کاموں کی خبر ہے تو قائم رہو جیسا تمہیں حکم ہے اور جو تمہارے ساتھ رجوع

مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا

جس نے ساتھ آپکے اور نہ شرارت میں کرو اسے کافرو بیشک وہ اللہ کو اس جو کرتے ہو تم دیکھنے

لایا ہے اور اے لوگو سرکشی نہ کرو بیشک وہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے اور ظالموں کی

اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ

والا ہے اور نہ جھکو تم طرف ان کی جو ظالم ہوئے ورنہ لگے گی تم کو آگ اور نہ ہوگا لیئے تمہارے سے

طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی

دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ

مقابل اللہ کے سے مددگاروں پھر تم نہ مدد کیئے جاؤ گے اور قائم رکھئے نماز دونو

حمایتی نہیں پھر مدد نہ پاؤ گے اور نماز قائم کرو

طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ

کناروں دن کے اور کچھ حصہ رات بے شک نیکیاں ختم کر دیتی ہیں تکلیفوں

دن کے دونوں کناروں اور کچھ رات کے حصوں میں بے شک نیکیاں برائیوں

يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

کو وہ نصیحت ہے لیئے نصیحت والوں کے

کو مٹا دیتی ہیں یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کو

تعلق

ان آیات کریمہ کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں وعدوں اور وعیدوں کے متعلق ذرا دراز گفتگو فرمانے کے بعد اب فرمایا جا رہا ہے۔ کہ یہ سب نبی کریم اور مسلمانوں کی تسلی کے لیئے تذکرہ ہوا العذاب کفار کی حرکتیں آپ کو نہ ڈگمگائیں بلکہ تبلیغ و تعلیم حق میں ثابت و قائم رہو۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ سبکو اعمال کی پوری جزا دے گا اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ سب کے اعمال دیکھ رہا ہے جواب دیکھنے پر قادر ہے وہ پوری جزا دینے پر بھی قادر مختار ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ باوجود حق ہونے کے کافر تمہاری طرف نہیں آتے۔ اب سمجھایا جا رہا ہے کہ تم بھی ان کی طرف مت جھکو۔ بلکہ اللہ کی طرف جھکو اور اس کی طرف جھکنے کا طریقہ صرف پابندی نماز ہے۔ لہٰذا ان آیات میں نماز قائم رکھنے کا حکم دیا گیا۔

شانِ نزول

مسلم بخاری نے فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔ ابوالیسر صحابی نو مسلم نے اپنی نادانی سے ایک عورت اجنبیہ کا بوسہ لے لیا۔ بعد میں سخت نادم ہوئے بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنا گناہ بیان کیا تب یہ آیات اور نماز کا حکم نازل ہوا۔ وَاِنَّ کُلًّا سے لِلذّٰکِرِیْنَ تک (لباب النقول للسیوطی)

تفسیر نحوی

وَاِنَّ کُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّھُمْ رَبُّکَ اَعْمَالَھُمْ اِنَّهٗ بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۔ واؤ ابتدائیہ کُلًّا موجبہ کلیہ کا سور ہے تنوین عوض کی دراصل تھا کُلُّھُمْ ھم ضمیر مضاف الیہ کے بدلے میں آئی۔ اسم اِنَّ ہے لَمَّا بمعنی اِلَّا اگر بغیر شد ہو یعنی لَمَا تو ما زائدہ ہے اور لام تاکیدی ہے۔ دراصل تھا لَمِنْ مَا یعنی نہیں اس کے سوا مطلب ہے یقیناً البتہ یہی ہے۔ لَیُوَفِّیَنَّ فعل مستقبل لازم تاکید بانون تاکید ثقیلہ وَفِیٌ سے مشتق ہے بمعنی پورا دینا ھُمْ ضمیر کا مرجع یا اختلاف کرنے والے یا کل مخلوق ربّ فاعل ہے کَ ضمیر میں وہی دونوں احتمال ہیں کہ یا نبی پاک کی نسبت ہے یا مسلمان۔ اعمال مفعول دوم ہے لَیُوَفِّیَنَّ فعل کا ھُمْ کا مرجع مختلفین کافر۔ اِنَّ حرفِ تحقیق ہٗ اسم اِنَّ مراد باری تعالیٰ بِمَا جار مجرور متعلق ہے خَبِیْرٌ صفت مشبہ ہے۔ یَعْمَلُوْنَ مضارع مثبت بمعنی حال یہ فعل صلہ ہے مَا موصولہ کا۔ فَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۔ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ - - - - - - فا سببیہ بیانیہ اِسْتَقِمْ باب استفعال کا امر حاضر اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر خطاب عام مسلمانوں کو ہے یا نبی کریم کو کَمَا کاف تشبیہ مَا کافہ اُمِرْتَ فعل ماضی مجہول بصیغہ واحد حاضر اَمْرٌ سے بنا واؤ عاطفہ کا تعلق یا فَاسْتَقِمْ سے ہے یا اُمِرْتَ سے تَابَ فعل ماضی تَوْبٌ سے بنا بمعنی کفر سے اسلام کی طرف رجوع کرنا۔ مَعَ اسم ظرف مضاف ہے ضمیر مخاطب کی طرف۔ واؤ ابتدائیہ لَا تَطْغَوْا فعل بصیغہ جمع مذکر طَغْیٌ سے بنا۔ بمعنی (۱) سرکشی (۲) غرور کرنا۔ کمزوری دکھانا یا راستے سے ہٹنا۔ اپنا کام چھوڑنا یہاں یہ آخری دو معنی مناسب ہیں۔ اِنَّ تحقیقی حرف ہٗ اسم اِنَّ بِ جارہ متعلق مقدم ہے بَصِیْرٌ کا مَا موصول بہ تَعْمَلُوْنَ فعل مضارع حال جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے۔ بَصِیْرٌ بروزنِ فَعِیْلٌ ہے۔ خبر اِنَّ ہے وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِیَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۔ واؤ سر جملہ لَا تَرْكَنُوْا فعل نہی معروف رُكُنٌ سے مشتق ہوا لغوی ترجمہ کسی کا جز بن جانا یہاں مراد ہے کسی کے سامنے جھکنا محبت سے خطاب مسلمانوں کو ہے الیٰ انتہاء غایت کے لئے ہے۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع ہے ظَلَمُوْا فعل اس کا صلہ فا جزائیہ سببیہ تَمَسَّ فعل مضارع دراصل تھا تَمَسُّ اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہے فا جزائیہ لہٰذا بحالتِ نصب ہوا مَسٌّ سے بنا ہے بمعنی چھو نہ لگنا۔ پہنچنا یہاں تینوں معنی ہو سکتے ہیں باب نَصَرَ سے ہے۔ کُمْ سے مراد مخاطب نہی ہیں مفعول بہ ہے اَلنَّارُ الف لام عہدی ہے بحالت رفع بوجہ فاعل ہونے کے۔ واؤ حالیہ مَا نافیہ مشبہ بلیس و لَكُمْ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا۔ مِنْ جارہ بمعنی زائد ہے دون اسم ظرفی ہے مضاف ہے بطرف لفظ اللہ بمعنی مقابل۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ ہے یعنی کوئی اولیا جمع ولی کی بمعنی مددگار ثُمَّ حرف عطف تراخی کے لئے ہے لَا تُنْصَرُوْنَ مضارع منفی مجہول بمعنی مستقبل۔ نَصْرٌ سے بنا وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ۔ واؤ عاطفہ عطف تفسیری ہے۔ یعنی اس طرف مت جھکو ادھر جھکو اَقِمْ فعل امر بصیغہ واحد حاضر قوم وقیام سے بنا متعدی

بیک مفعول ہے۔ اَلصَّلٰوۃَ الف لام جنسی ہے یا عہدی طَرَفَیِ تثنیہ ہے طَرَفَیْن تھا نون اعرابی بوجہ اضافت گر گئی طَرَفٌ واحد ہے مراد کنارہ مطلق ہے وقت یا جسم کا کنارہ اَلنَّھَارِ۔ الف لام استغراقی ہے نَھَار سے مراد طلوع فجر صادق سے غروب آفتاب تک واؤ عاطفہ زُلَفًا بحالت زبر ہے مفعول فیہ اِتِمّ کا زُلَفٌ کا لغوی ترجمہ ہے قریب ہونا۔ لمبے بالوں کو زلف اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ گردن کے قریب ہوتے ہیں۔ یہاں مراد رات کا وہ حصہ جو دن کے قریب ہو یعنی شام۔ مِنْ تبعیضیہ اَللَّیْلِ۔ الف لام جنسی ہے یا استغراقی یہی قوی تر ہے۔ یعنی ہر رات غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک رات ہوتی ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ اِنَّ حرف تحقیق یقین کو مفید ہے اَلْحَسَنٰتِ۔ الف لام۔ استغراقی حسنات جمع مؤنث سالم ہے بحالت زبر اسم اِنَّ ہے یُذْهِبْنَ باب افعال متعدی بیک مفعول کا مضارع معروف ہے بصیغہ جمع مؤنث فاعل ھُنَّ ضمیر مؤنث اسی میں پوشیدہ۔ اَلسَّیِّاٰتِ۔ الف لام استغراقی ہے جمع مؤنث سالم بحالت زبر مفعول بہ ہے۔ یُذْهِبْنَ کا جملہ فعلیہ خبر اِنَّ ہے ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ ۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعید ہے لئے مراد سابقہ تمام واقعات عبرت انگیز ہیں ذِکْرٰی۔ بروزن اِحْدٰی۔ اِنثیٰ مؤنث سماعی ہے۔ بعض کے نزدیک ذکری بروزن اَفْضَل اسم تفضیل مؤنث ہے۔ بہر صورت مراد نصیحت لِلذّٰكِرِیْنَ۔ لام جارہ۔ الف لام۔ استغراقی ذاکرین جمع سالم ہے۔ ذاکر کی لغتاً یاد رکھنے والا۔ مراد ہے نصیحت پکڑنے والا ۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ اِنَّهٗ بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۔ اور بیشک دونوں گروہوں شقی و سعید میں سے ہر ایک کو قسم ہے رب کی اللہ وہی رب آپ کا پورا پورا دے گا ان کو بدلہ ان کے اعمال کا لَمَّا کا لام قسمیہ ہے اور دوسرا لام تاکیدیہ ہے کلام کی حدت اور مضبوطی کے لیئے ہوتا ہے۔ یعنی نیک و بد کسی کا حصہ جزاء و سزا کم نہ ہوگا۔ اس طرح کہ بدوں کو بدی کا پورا بدلہ ملے گا، وہ اپنی بدی کسی کو نہیں بخش سکتا لیکن نیکی بخشی جانے کے باوجود بھی نیک کے ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔ پس بد کو اس کے حصہ کی پوری جہنم اور نیک کو اس کے حصہ کی پوری جنت دی جائے گی۔ یہ پوری عطا بھی قدرت کے عظیم کمالات میں سے ایک کمال ہے ورنہ کوئی شخص اس طرح پورا نہیں بانٹ سکتا اس لیے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی ہر شخص کو کماحقہٗ نہیں جان سکتا بخلاف اللہ حاضر و قریب کے کہ اِنَّہٗ بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْر ۔ بیشک وہ اللہ آپ کا رب ان کے تمام اعمال سے پورا پورا ہمیشہ سے ہمیشہ تک خبر رکھنے والا ہے جو وہ کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ اور کریں گے۔ ذرہ برابر بھی اس پر پوشیدہ نہیں خواہ کوئی کہیں بیٹھ کر کچھ بھی چھوٹا بڑا عمل کرے۔ یہ فرمان بیک وقت وعدہ بھی ہے وعید بھی۔ یہاں لَمَّا اگر مخفف ہوگا تب بھی لام قسم بنے گا اور ما موصولہ بمعنی مَنْ ہوگا۔ جیسے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ میں بمعنی مَنْ طَابَ ہے۔ آج بڑے بڑے ذہین و فہیم دیدہ و دل والا انسان چھوٹے سے اجتماع پر پورا محاسبہ و سنبھالا نہیں کر سکتا، قدرت الٰہی ہے کہ کروڑ ہا مخلوق کے ذرے ذرے سے خبردار ہے مگر کم عقل لوگ جہاں اور کمالات بلکہ صاحب کمال جل مجدہٗ کے وجود کا ہی انکار کر دیتے ہیں۔ تو اس کمال کے انکار کرنے سے کم ڈریں گے۔ چونکہ یہ گوارہ عقل انسانی

میں حیران کن تھا اس لیے سات تاکیدوں سے بیان فرمایا ۱۔ پہلی تاکید اِنَّ فرما کر ہوئی ۲۔ دوسری تاکید کُلاًّ فرما کر ۳۔ تیسری تاکید
لمّا پر لام لگا کے ۴۔ چوتھی تاکید لمّا مخففہ کے ما موصولہ سے ۵۔ پانچویں تاکید لام کے قسمیہ ہونے سے ۶۔ چھٹی تاکید لَیُوَفِّیَنَّھُم کے
لام سے جو جواب قسم ہے۔ ساتویں تاکید لَیُوَفِّیَنَّھُم کی نون تاکید ثقیلہ سے۔ ان سات تاکیدوں نے اس پر بھی دلالت کی کہ ربوبیت
اور عبودیت کا مکمل کام قیامت میں ہوگا۔ لہٰذا اے مسلمانو یا اے حبیب دنیوی مطلب پر جلدی نہ کرو بلکہ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ
وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۔ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ
مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ ہمیشہ استقامت کرو یعنی صبر اور مستقل مزاجی کے ساتھ پورے کے پورے صحیح طریقے سے تھا ۔ اعمال
اخلاق محمدی اسلامی پر پابندی سے قائم رہو۔ جیسا کہ تم اپنے رب کی طرف حکم دیئے گئے۔ اگر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے تو
معنیٰ ہے کہ مسلمانوں کو سبق اور طریقہ سکھانے کے لیے عمل استقامت فرمایئے اور لوگوں کو قائم رکھئے اور وہ لوگ بھی یہ کام اپنے
آئندہ لوگوں کو سکھائیں جو توبہ کر کے اور ایمان لا کر آپ کے ساتھی اور صحابی بن گئے ہیں۔ یہاں تین باتیں خیال میں رکھنی ضروری
ہیں۔ پہلی بات یہ کہ قرآن مجید میں نہی شرعی انبیاء کرام کو قطعاً نہیں ہوتی۔ لہٰذا گذشتہ فلا تک والی نہی سے عام مسلمان ہی
مراد ہیں۔ اس میں نبی کو ہرگز خطاب نہیں، جن لوگوں نے حضور اقدس کو خطاب مانا ہے ان کو تاویلیں کرنی پڑیں، بغیر تاویل جو
خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مانے وہ گمراہ ہے۔ البتہ امر کے صیغوں میں بعض میں صراحتاً انبیاء کرام ہی کو ہوتا ہے بعض میں
امت کو سکھانے کے لیے، یہاں فاستقم کا امر اسی قسم کا ہے۔ دوسری بات مَن تَابَ سے مراد ساتھی اور صحابی ہیں کیونکہ
معیت صحبت مراد ہے نہ کہ معیت توبہ۔ نبی کریم اصطلاحی توبہ سے پاک ہیں تیسری بات یہ ہے کہ یہاں خطاب امت مسلمہ
سے ہو اور مَن تَابَ سے مراد آنے والی نسلیں۔ تو یہ حکم ہر نبی پیشوا کو ہوگا کہ خود بھی استقامت اختیار کرے اور اپنے مرید
شاگردوں کو بھی اس کی تلقین کرتا ہے اس لئے ہر چیز کی جڑ ہوتی ہے اور اعمال و عقائد کی جڑ استقامت ہے تمام مدارج
دینی دنیوی اخروی اسی سے پروان چڑھتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تو پہلے ہی استقامت کے مقام اعلیٰ پر فائز تھے
اس آیت کے بعد ایسے درس پڑھائے کہ استقامت کی عملی قولی تعلیم پر بیشمار احادیث مرتب ہو گئیں۔ غالباً اسی زمرے میں
فرمایا کہ مجھ کو سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا۔ یا استقامت پر مزید شدت عمل نے یا ہیبت ناک و عبرت انگیز عذاب کے واقعات
نے اور اے مسلمانو استقامت فی الدین کا تقاضا یہ ہے کہ لا تطغوا کسی قسم کی سرکشی نہ دکھانا۔ نہ حدود شرعی سے تجاوز کر کے
نہ افراط و تفریط یعنی دین میں زیادتی کمی کر کے۔ اللہ تعالیٰ نے سوائے چند چیزوں کے باقی تمام چیزوں کو حلال فرمایا ہے تم کو
یہ جرأت نہ ہونی چاہیئے کہ اپنے تعصب اور جہالت سے حرام کے فتوے لگاتے پھرو۔ اور مسلمانوں کو بلا دلیل شرعی مشرک و
بدعتی بناتے پھرو، اگر کوئی مسلمان ایسی حرکت کرے تو یہ اس کی طغیان یعنی سرکشی ہوگی۔ اے مسلمانو تم وہ خوش قسمت جماعت ہو
کہ تمہارے ہر عمل کی طرف جو کچھ کرتے ہو وہ رب جلیل کمال نظر عنایت سے بصیر یعنی متوجہ ہے۔ خبیر تو سب کائنات کے
نیک اعمال سے ہے مومن ہو یا کافر مگر بصیر تمہارے اعمال پر ہے۔ تم کو خوش ہونا چاہیئے کہ شہنشاہ کی نظر میں تم ہو لہٰذا بڑی احتیاط

کرو۔ تم تو قرب کی نظر میں ہو اور یہ بھی کرم احمد مجتبیٰ کے طفیل ہے کہ بصیرت الٰہی ہوئی خاص حبیب کریم کے لیے اور تم ان کے قریب تو تم بھی توجہ الٰہی سے نوازے گئے۔ اور جب تم نے قرب مصطفیٰ پا کر توجہ خداوندی پائی تو اس کا شکریہ اور اس نعمت کو بچانا اس طرح ہے کہ وَلَا تَرْكَنُوا ہرگز مائل بھی نہ ہونا ان بدبخت کافروں کی طرف جو سراسر دنیا جہان میں خالی رہے یعنی قولی عملی محبت تو درکنار ان کی تعریف کا دل میں خیال تک نہ آنے پائے۔ نہ ان کے کسی عمل سے کبھی خوش ہونا۔ نہ دین کے مقابل کبھی کسی معاملے میں کسی کافر کی اطاعت کرنا، نہ کفار اور بدکاروں کی مجلسوں صحبتوں میں بیٹھنا لاترکنوا کی نہی ان تمام طریقوں کو عام ہے۔ ان میں سے جو کام بھی کیا جائے تو میلان پایا گیا۔ لہٰذا اے مسلمانو اگر تم باز نہ آئے تو اللہ رسول کی محبت تم سے مٹ جائے گی۔ اس کا انجام کیا ہوگا فَتَمَسَّكُمُ تو تم کو جہنم کی آگ بھڑکتی ہوئی چھو لے گی اور اس کا چھونا بھی بڑا عذاب ہے یعنی اگرچہ تمہارے لیے وہ آگ ہمیشہ نہ ہوگی چند دن کے لیے ہوگی مگر یہ بھی کیوں ہو تم تو محبوب کی امت ہو عارضی جہنم سے بچو۔ یہ تو صرف میلان ظلم کی سزا ہے تو اندازہ لگاؤ کہ ظالم کی سزا کیا ہوگی اور اگر تم خدانخواستہ اللہ رسول سے کٹ گئے تو دَمَالَكُم اور کوئی بھی اللہ کے مقابل تمہارا مددگار نہ ہوگا جو تم سے اس کا عذاب اس کی ناراضگی دور کرے وہ کافر ظالم جن کی طرف تم مائل ہوئے وہ تو اس لیے تمہاری مدد نہیں کر سکتے کہ وہ خود جہنم میں پڑے جلتے ہوں گے اور انبیاء اولیاء تمہاری مدد نہ کریں گے کہ وہ تم سے ناراض ہوں گے۔ شفاعت تو صرف گنہگاروں کی ہوگی مگر یہ تیں تو غداری اور بغاوت ہے۔ غداری کی شفاعت کیسی۔ آج دنیا میں سنبھلے رہو ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ۔ پھر قیامت میں ایسا نہ ہوگا کہ یہاں من مانیاں نافرمانیاں جی بھر کر کر لو اور وہاں بھی مدد پا لو ہرگز نہیں۔ لاتنصرون خدا کی مدد نہ پا سکو گے یعنی اولیاء تو ملیں گے نہیں خدا کی امداد بھی حاصل نہ کر سکو گے اس لیے کہ حدیث پاک نے فیصلہ کر دیا ہے کہ المرء یحشر مع من احب دنیا میں جس کی طرف میلان اور محبت ہوگی اس کے ساتھ حشر ہوگا۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۔ اے مسلمانو چونکہ استقامت ہی اصل اصول ہے اور وہ تم پر لازم تو اس کے ذرائع و اسباب بھی تم پر لازم ہیں۔ جن میں پہلا اور اشد ذریعہ نماز ہے لہٰذا حکم دیا جاتا ہے کہ قائم رکھو اور یا قائم کرو یہ امر بصیغہ واحد اس لیے کہ ظاہراً حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مگر حقیقتاً سب تا قیامت مسلمانوں کو ہے یہ کلام بھی بلاغت قرآنی سے ہے ہر دن کے دونوں کناروں یعنی شام وصبح۔ طرفی تثنیہ ہے طرف کا طرفین تھا بحالت نصب ہے ظرفیت کی بنا پر کیونکہ مضاف الیہ وقت ہے۔ رب تعالیٰ صبح وشام نماز پڑھنے کا حکم فرماتا اس میں تین راز ہیں پہلا یہ کہ جب کائنات پر رات طاری ہوتی ہے تو نوم کی چادر لے کر آتی ہے جو غفلت کی علت ہے لہٰذا رات شروع ہونے پر رب کا ذکر کرو۔ اور سوتے وقت صبح نماز کے لیے اٹھنے کی نیت سے سوئے تاکہ اس کی ساری رات عبادت بن جائے۔ دوسرا راز یہ ہے کہ نیند مثل موت کے ہے لہٰذا موت کے قریب جانے سے پہلے بھی ذکر الٰہی کی عادت پڑ جائے اور جب اٹھ کر روزانہ نماز پڑھے گا تو ہو سکتا ہے کہ اس مبارک عادت کی بنا پر جب قبر سے اٹھے گا تو فوراً نماز کی فکر لگ جائے جس کی وجہ سے

حساب قبر ختم ہو جائے۔ تیسرا راز یہ کہ بندے پر مولا کریم کا شکر واجب ہے تو دن جب خیریت سے گذرا اس کا شکریہ ادا کرے نماز سے اور رات خیریت سے گذری تو بھی شکر یہ میں نماز ادا کرے کیونکہ نماز ہی شکر کا سب سے بہتر ذریعہ ہے اکثر فقہا اکرام کے نزدیک طرفی النہار سے فجر اور عصر مراد ہے۔ اس آیت سے دو نمازیں فجر و عصر ثابت ہوئیں۔ پہلے زمانے کے خوارج اور آجکل کے چکڑالوی صرف دو نمازوں کو مانتے ہیں فجر و عصر۔ مگر یہ حماقت ہے وہ آگے نہیں دیکھتے کہ ارشاد ہوا ہے وزلفا من اللیل اور رات کے حصوں میں بھی نماز قائم کرو۔ خوارج کہتے ہیں وزلفا میں زلفا صفت ہے طرفی کی اور واؤ سے موصوف کا عطف ہے صفت پر اور یہ عطف جائز ہے قرآن مجید اور کلام شعرا میں اس کی بہت مثالیں ہیں (تفسیر کبیر) مگر یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ دن کا رات سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ ضدیں ہیں اور صفت ہونا ضد کے خلاف ہے اور زلفا یا زلفا جمع ہے زلفۃ کی جیسے کہ ظلما جمع ہے ظلمۃ یا یسر جمع ہے یسرۃ کی بمعنی آسانی۔ اور جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے۔ حالانکہ طرفی تثنیہ ہے اس کی صفت جمع کیسے ہو سکتی ہے، لہذا زلفا سے تین نمازیں ثابت ہوئیں ۱۔ مغرب ۲۔ عشاء ۳۔ وتر یا تہجد۔ زلفا کا تعلق بوجہ عطف کے اقم الصلوٰۃ سے ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ۔ بے شک یہ نیکیاں یعنی یہ نمازیں یا ایمان اور استقامت جو بہت مشقت والا عمل ہے۔ یا ہر طرح کی نیکی یُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔ لے جاتی ہیں برائیوں کو یعنی مٹا دیتی ہیں سابقہ گناہوں کو یا سوائے حقوق العباد کے روک دیتی ہیں آئندہ گناہوں سے جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ۔ غرضکہ نماز اور استقامت اللہ کی عظیم الشان نعمتیں ہیں اور ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ۔ وہ استقامت یا یہ نمازیں یا یہ سب کچھ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے لیے۔ یا اللہ کے ذاکروں کے لیے۔ کہ استقامت کی قدر و منزلت نمازوں کی لذت انہی کو حاصل ہے وہی جانتے ہیں کہ کیسی نعمت ہے۔ خدا مجھے نصیب کرے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ ہزار کرامت ایک استقامت۔ سب سے بڑی نیکی استقامت ہے کہ بندہ خوشی غمی، رنج و راحت، امیری غریبی، بیماری تندرستی، مصیبت آرام، ہر حال میں رب کو نہ بھولے اور جس عمل خیر کو شروع کرے، پھر مرتے دم تک جان بوجھ کر نہ چھوڑے۔ یہ فائدہ فاستقم کو نمازوں اور حسنات سے مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ کفار کی تعریف کرنا سب سے بڑا گناہ۔ لہذا وہ لوگ عبرت پکڑیں جو ہر وقت انگریز و ہندو کی مدح خوانی کرتے رہتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو برا کہتے اور سمجھتے رہتے ہیں۔ روایت ہے کہ اگر کوئی ولی کامل ہو اور کسی کافر کو خوش ہو کر واسطہ بنا دے اس کی تعظیم کرتے ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق کٹ جاتا ہے۔ یہ فائدہ ولا ترکنوا سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ کافروں کا کوئی مددگار نہیں، اور کفار کو آسمانی یا زمینی جھوٹے معبودوں کی پرستش کوئی مفید نہیں نہ مضر ہے۔ یعنی نہ چاند، سورج، ستارے اپنے پجاریوں سے رب کا عذاب دور کر سکیں۔ نہ اپنے منکروں کو عذاب دے سکیں۔ اسی طرح زمینی بت آگ، پیپل وغیرہ بھی نہ نقصان دے سکیں نہ نفع۔ بخلاف مسلمانوں کے کہ ان کے اللہ تعالیٰ بہت مددگار فرمائے گا۔ یہ فائدہ وما لکم من دون اللہ من اولیاء فرمانے سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ۔ ان آیات سے چار نمازیں فرض اور ایک نماز واجب ثابت ہوئی

یہ فائدہ طرفی کے تثنیہ اور زلفاً کو جمع فرمانے سے حاصل ہوا ظہر کی نماز اور نوافل دوسری آیات سے ثابت ہوتے ہیں۔ پانچواں فائدہ نیکیوں کی طفیل برائیاں معاف ہو جاتی ہیں۔ تو لازماً نیکیوں کی طفیل بروں کو معاف کر دیا جائے گا۔ یہ فائدہ اِنَّ الحَسَنٰتِ الخ سے ثابت ہوا۔ شعر

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بخشد کریم

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات پڑ سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ طرفی النھار۔ طرفی تثنیہ ہے طرف کا بمعنی کنارہ اور کنارہ لغتاً اصطلاحاً حقیقتاً شی کے آخری حصہ کو کہتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے دن کے دونوں کنارے عین سورج کے طلوع غروب کی ساعت ہیں ہوئے، حالانکہ اس وقت نماز پڑھنا بلکہ صرف سجدہ کرنا بھی حرام ہے تو طرفی النھار میں نماز کا حکم کیوں دیا گیا۔ اور حدیث پاک میں سورج کے طلوع و غروب کے وقت نماز منع کیوں ہوئی معنوں میں مطابقت کیوں کر ہو؟ جواب۔ طرف کا حقیقی معنی اگرچہ آخری کنارہ ہی ہے مگر اس وقت حدیث پاک میں شرعی ممانعت کی وجہ سے طرف کا مجازی معنی مراد ہے یعنی نزدیک طرف پس مطلب ہوا کہ فجر کی نماز دن کے نزدیک طرف حصے میں ادا کی جائے یعنی سورج کے طلوع سے تقریباً آدھ گھنٹہ پہلے خوب اجالا کر کے تاکہ دن شروع ہو جائے۔ اسی طرح عصر کی نماز خوب دیر کر کے پڑھی جائے جبکہ ہر چیز کا سایہ زوال کا سایہ چھوڑ کر دگنا ہو جائے۔ تاکہ دن کا آخری نزدیک طرف حصہ شروع ہو جائے یہی امام اعظم کا مسلک ہے کہ فجر اجالے میں پڑھو اور عصر دیر کر کے دو مثل سایہ ہونے پر ادا کرو۔ ثابت ہوا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رح کا مسلک عین قرآن کریم کے مطابق ہے۔ جو غیر مقلد وہابی فجر اندھیرے میں اور عصر جلدی ایک مثل پڑھ لیتے ہیں وہ سخت غلطی میں کیونکہ قرآن مجید کی آیات کے خلاف ہیں۔ دوسرا اعتراض۔ اسلام میں صرف دو نمازیں فرض ہیں۔ ۱۔ فجر اور ۲۔ عشاء، ان آیات میں طرفی النھار کا یہی مطلب ہے کہ دن کا پہلا کنارہ فجر ہے اور دوسرا کنارہ موصوف ہے زلفاً من الیل سے یعنی رات کے حصے سے اور رات شروع ہوتی ہے عشاء سے کیونکہ جب دن کا کنارہ ختم ہو تو رات شروع ہے تو یہ عطف توصیفی ہے اور وہ جائز ہے (خوارج اور چکڑالوی موجود پرویزی)۔ جواب۔ لفظ نہار روشن دن کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہاں طرفی النھار ہے نہ کہ طرفی الیوم ہے۔ یوم شرعی کی مدت فجر صادق سے تا غروب شفق ہے، لیکن نہار شرعی اور لغوی کی مدت فجر روشن سے لیکر سورج پیلا ہونے اور مغرب تک ہے۔ معترض نے لفظ نہار اور یوم میں فرق نہ کر کے دھوکا کھایا اور گمراہ ہوا، لہٰذا اس سے عشاء تو کسی صورت ثابت نہیں ہو سکتی۔

تفسیر صوفیانہ

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۔ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۔ اے قلب عرش کے نور الانوار تیرا رب ہر طالب خیر و شر کو پوری طلب دے گا بدلہ ان کے اعمال اعضاء باطنی کا بیشک وہ علام الغیوب خفی و جلی اسرار و رموز کے سائے سے ان اعمال کی خبر رکھنے والا ہے جو وہ کرتے ہیں اے تجلیات انوار کی وادی کو طے کرنے والے عارف صادق تو اور تیرے ساتھ کے بارگاہ صمدیت

میں توبہ ورجوع کرنے والے تمام ہمراہی منزل سفہا باطنی کے طعنوں سے نہ گھبرانا خار دار جہالت سے نہ اکتانا، دوری منزل سے نہ کترانا بلکہ راہ معرفت میں شوق کے قدموں کو مستقیم رکھنا جیسا کہ صورت سرودی کے الہام ستری سے تجھ کو حکم دیا گیا ہے کیونکہ براق استقامت ہی معراج وصل تک پہنچانے والی ہے اور بیابان طریقت کے گوشوں میں بیٹھنے والو راہ طالبان میں سرکشی کے کانٹے نہ بکھیرو بیشک وہ اللہ تمہارے سارے اعمال خیر وشر کو نظر قدرت سے دیکھنے والا ہے، رب نے روح قدس کو عہد ازلی میں حکم دیا کہ امانت کنز قدم کو اٹھالے اور قدرت ربوبیت سے انوار صفات کے مکاشفات اور توحید ذات قدیم کے افکار اور نغمات توحید کے زیور سے مزین ہو کر احوال وواردات کشف اسرار اور کرامات جمال وحقائق محبوبیت کے حصول میں توجہ اور ولایت صغریٰ والے تیرے ساتھی مستقیم ہو جائیں، کیونکہ استقامت ہی منزل مراد تک پہنچانے والی ہے۔ آنا کو فنا کر دو تصوف کی بنیاد چار چیزوں پر ہے ۱۔ اجتہاد ۲۔ سلوک ۳۔ سیر ۴۔ طیر۔ حقائق ایمانی کی جستجو اجتہاد ولایت کبریٰ ہے۔ حقائق احسان کی تلاش سلوک اور طریقہ سالکین معرفت ہے۔ حقائق اسرار کی تلاش سیرالی اللہ ہے۔ اور معرفت الٰہی کی منزل کی رغبت میں جو دواحسان میں جذب ہو جانا اہل ظاہر کی نماز، استنجا، وضو، طہارت وارکان نماز ہیں۔ اہل باطن یعنی قلب وجگر کی نماز اجتہاد سلوک اور سیر وطیر ہے۔ جس کا استنجا نہیں اس کا وضو نہیں، جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں۔ اور اس طرح جب اجتہاد نہیں تو سلوک نہیں، سیر نہیں، طیر نہیں، جب اس وصل جذب طیر قدس کی ولایت میں پہنچتا ہے تب اعلان ہوتا ہے مَنْ عَادٰى لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ۔ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس کو میری طرف جنگ کا اعلان ہے۔ اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۔ اے غنچہ گل میں رہنے والو گندوں اور گندگی کی طرف مت جھکو اے حلال کی تھوڑی کھانے والو ان ظالموں کی طرف مت جھکو جنہوں نے حرام کے ڈھیر جمع کئے ہوئے ہیں اپنے پیٹوں کو حرام غذا کی آگ سے بچاؤ۔ نہ اقتدا کرو ریا کار جاہلوں کی۔ ورنہ تم کو آتش فراق مہلکات دوراں پہنچے گی۔ جاہ ریاست، حرص ملک گیری کو دل میں نہ بساؤ ورنہ تم کو بدعت وگمراہی کی آتش سوزاں چھوئے گی۔ اشرار کے پاس مت بیٹھو ورنہ حاملین انوار سے محرومی کی جلن ملے گی۔ اے قلب منور نفسانیات ذمیمہ کی طرف مائل نہ ہو کیونکہ وہ ظلمات کی وادی ہے تار اضی رب اور محرومی کی آگ غضب ہے اور تم جیسے محجوبین شقاوت معذبین ہلاکت کے لیے اللہ کے مقابل کوئی مددگار نہیں جو عذاب قدرت کو روک سکے۔ اور تمہارے امر باطنی کی تدبیر کرے اور باطنی غذاؤں سے تمکین روحانی قلبی پرورش دے سکے۔ اے راہ طلب کے مسافر پھر اس وقت تم تائید الٰہی نصرت غیبی سے مدد نہ کئے جاؤ گے۔ لہٰذا اس فراق کے آنے سے پہلے ہی درستی حاصل کر کے مستقیم ہو جاؤ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ۔ بندہ کمال پر چار حق واجب ہیں۔ ۱۔ حق شریعت ۲۔ حق طریقت ۳۔ حق معرفت ۴۔ حق حقیقت۔ اعضاء جسدی سے عدل کرنا حق شریعت ہے۔ مرتبہ طبیعت میں شرع کی رعایت حق شرع ہے۔ مرتبہ نفس میں رعایت طریقت مرتبہ روح میں رعایت معرفت اور مرتبہ سر میں رعایت حقیقت ان رعایتوں میں ثابت قدم رہنا استقامت

ہے۔ یہی کمال ولایت شہید ہے اور کرامات دکھاتے پھرنا ولایت الٰہی نہیں۔ یہ ہی نماز معراج مومن ہے طالب حق ایسی نماز قائم کر یوم تجلیات کے دونوں کناروں قبض و بسط میں اور ترتیب فراق کے کچھ حصے رعایت شریعت و طریقت کی نماز قائم کر کیونکہ نور حسنات نار ظلمات کو اور گناہوں کے اندھیرے کو ختم کر دیتا ہے یہ نماز اہل ذکر کے لیے نعمت اذکار اور نصیحت عشق ہے۔ جب بندہ غافل کا دل حیثیۂ جسمانیہ میں مشغول ہو جاتا ہے اور قوت باصرہ نور سے محجوب ہو جاتی ہے قوت سامعہ کلام معنوی سے دور ہوتا ہے۔ قوت شامہ جناب قدس کے گلوں سے محروم مدارن الرجس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ قوت لامسہ میدان وحشت میں بھٹک جاتی ہے۔ قوت ماسۃ وادی اشرار کی طرف چلتی ہے تب ان حواس خمسہ کو منزل کی طرف راہنمائی کے لیے پانچ نمازیں دی جاتی ہیں تاکہ بندہ ہمیشہ حضور قلبی سے فارغ الی اللہ ہو جائے اور حواس کے دروازے بند ہو جائیں

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا

اور صبر کرو پس بیشک اللہ نہیں ضائع کرتا اجر نیکوں کا کیوں نہیں

اور صبر کرو کہ اللہ نیکوں کا نیگ ضائع نہیں کرتا تو کیوں

كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ

ہوئے سے زمانوں سے پہلے تم نیکی والے باقی۔ جو روکتے سے فساد میں

نہ ہوئے تم سے اگلی سنگتوں میں ایسے جن میں بھلائی کا کچھ حصہ لگا رہا ہوتا کہ

عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ

زمین مگر تھوڑے تھے سے اُن بچا لیا ہم نے کو ان اور پیچھے پڑے

زمین میں فساد سے روکتے ہاں ان میں تھوڑے تھے وہی جن کو ہم نے

وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

رہے وہ جو ظالم تھے اس کے جو عیش دیے گئے بیچ اس دنیا تھے وہ مجرم

نجات دی اور ظالم اسی عیش کے پیچھے پڑے رہے جو انہیں دیا گیا اور وہ گنہگار تھے

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ (۱۱۷)

اور نہیں ہے رب آپ کا ایسا کہ ہلاک کرے بستی کو سے ظلم حالانکہ اہل اس کے متقی ہوں

اور تمہارا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو بے وجہ ہلاک کر دے اور ان کے لوگ اچھے ہوں

تعلق

پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں مسلمانوں کو استقامت علی الدین کا حکم دیا گیا تھا جس کے لیے دو چیزیں لازمی تھیں۔ نماز اور صبر۔ تو پہلے نماز کا حکم دیا گیا، اور اب صبر کا حکم دیا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں نماز کا حکم فرمایا گیا۔ اور اب فوراً بعد صبر کا حکم دیا جا رہا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ علی الترتیب سب سے پہلے ایمان استقامت پھر نماز پھر صبر سب سے بڑے اعمال ہیں۔ تیسرا تعلق۔ پہلی آیات میں پچھلی امتوں کو دنیوی عذاب دینے ہلاک کرنے کا ذکر ہوا تھا۔ اور فرمایا گیا تھا نبی کریم کے بعد یہ دنیوی عذاب کفار یا فساق پر نہیں آئے گا، اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ اس امتیاز و تفریق کے دو سبب ہیں۔ ایک یہ کہ پچھلی قوموں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو فساد کو روکتا، ایک بھی نیک نہ رہا تو عذاب آیا۔ مومنوں کو جو چند ایک تھے ان کے نبی کے ساتھ پہلے نکال لیا جاتا رہا۔ دوسرا سبب یہ کہ وہ اپنی عیاشی میں اتنے غافل ہوئے کہ رجوع الی الحق کا امکان نہ رہا۔

تفسیر نحوی

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ واؤ عاطفہ اقم پر عطف اصبر یا اِصْبِر باب نصر یا ضرب فعل امر بصیغہ واحد مذکر حاضر خطاب عام امت کو ہے۔ صَبْر، سے بنا۔ صَبْر کے چار معنی ۱ قائم رہنا۔ ۲ برداشت کرنا ۳ جرأت کرنا ۴ خود کو روکے رکھنا۔ یہاں سب معنی بن سکتے ہیں فا تعلیلیہ ہے بمعنی کیونکہ اِنَّ بمعنی یقیناً لفظ اللہ اس کا اسم لَا يُضِيْعُ حال منفی باب افعال سے ہے متعدی بیک مفعول ضَيْع سے بنا بمعنی برباد کرنا۔ ضائع کرنا اَجْر اسم جامد ہے۔ بمعنی بدلہ۔ یا ثواب اَلْمُحْسِنِيْنَ الف لام استغراقی محسنین باب افعال کا اسم فاعل حُسْن سے بمعنی اچھا کام اچھا بات اچھی صورت شکل۔ یہاں پہلے معنی مناسب ہیں۔ یعنی دینی کام اچھا کرنے والے۔ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ ۔ فا زائدہ لَوْلَا حرف تحضیض بمعنی کلا یعنی کیوں نہیں، ہمیشہ شروع کلام میں آتا ہے اس کے ذریعہ آمادہ کیا جاتا ہے۔ خلیل نحوی نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں جتنی جگہ فَلَوْلَا آیا ہے وہ سب بمعنی کلا ہے مگر یہ غلط ہے فقیر کے نزدیک۔ کَانَ فعل ماضی ناقصہ سے تامہ ہے۔ مِنْ بعضیت کا ہے۔ اَلْقُرُوْنِ بحالت زیر، الف لام استغراقی قرون جمع ہے قرن کی بمعنی زمانہ مراد اہل زمانہ ہیں۔ مِنْ زائدہ قبل اسماء ظروف میں سے ہے۔ بحالت زیر ہے مضاف ہے۔ ضمیر ظاہر کی طرف اُولُوْا اسماء مکبری سے ہے بَقِيَّةٍ مضاف الیہ ہے اولو کا۔ یہ جملہ موصوف ہے يَنْهَوْنَ فعل مضارع بمعنی نہی یہ جملہ فعلیہ صفت ہے بصیغہ جمع غائب عَنْ بمعنی با اَلْفَسَادِ الف لام جنسی فساد فسد سے بنا بمعنی توڑنا بگاڑنا مبالغے کا صیغہ ہے بمعنی بہت توڑ پھوڑ کرنا یا کرانا بر وزن فعال۔ کمال۔ خراب اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ

الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِیْهِ وَ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ - اِلَّا حرف استثناء ہے۔ مستثنٰی منہ ینھون کا فاعل ہے قلیلًا بحالت زبر مستثنٰی ہے تنوین عوض ہے دراصل تھا قلیلًا منہم، مضاف الیہ کے عوض تنوین آئی مِنْ جارہ بمعنٰی فی محل موصولہ اس کا صلہ انجینا۔ باب افعال کا ماضی معروف بصیغۂ جمع متکلم مرجع ذات الٰہی مِنْ بعضیت کا ھم ضمیر مجرور متصل کا مرجع اولوا بقیہ ہے۔ واؤ حالیہ اتبع۔ باب افتعال کا ماضی بصیغۂ واحد مذکر اس کا فاعل الذین اسم موصول ہے تبع سے بنا بمعنٰی پیچھے چلنا حکم ماننا، ہم شکل بن جانا یا بنانا۔ تابع فرمان ہونا ظلموا فعل ماضی یہ جملہ فعلیہ صلہ ہے کا موصولہ مفعول بہ ہے اتبع کا۔ اُترفوا فعل ماضی مجہول بصیغۂ جمع غائب مذکر۔ ترف سے بنا ہے۔ بمعنٰی صحت و دولت کا عیش۔ اور عیش کا اتباع بمعنٰی غرور و تکبر ہے۔ فی جارہ، ظرفیہ ہ کا مرجع ارض ہے واؤ یا حالیہ ہے یا عاطفہ۔ اس طرح کانوا فعل ماضی ناقصہ بھی دو معنٰی میں سے ایک ہوگا۔ بمعنٰی ماضی بعید یعنی حالانکہ تھے وہ۔ یا بمعنٰی صَارَ۔ یعنی اور ہو گئے وہ۔ ھم ضمیر جمع اسم کان مجرمین بحالت زبر خبر کان جمع مجرم اسم فاعل کی جرم سے بنا۔ بمعنٰی نافرمان۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِیُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ - واؤ سر جملہ ماکان فعل ناقصہ ماضی منفی اپنے ہی معنٰی میں ہے۔ ربُّ مضاف اپنے مضاف الیہ کٔ ضمیر مخاطبہ سے مل کر اسم کان ہے۔ لیھلک کا پورا جملہ فعلیہ خبر کان ہے۔ لام تاکید نفی کے لیے ہے بعض نے کہا زائدہ ہے یُھلک فعل مضارع باب افعال سے بحالت زبر بوجہ لام تاکید بمعنٰی کَےْ اَن پوشیدہ ہے۔ ھلک سے مشتق بمعنٰی فنا کرنا القریٰ الف لام استغراقی قریٰ جمع ہے قریۃ کی بمعنٰی بستی مراد اہل بستی با، جارہ بمعنٰی مِن بعضیت کا واؤ حالیہ اھل مبتدا، مضاف ھا ضمیر واحد مؤنث، مضاف الیہ کا مرجع قریٰ لفظًا بمعنٰی واحد بوجہ الف لام جنسی مصلحون اسم فاعل بصیغۂ جمع مذکر باب افعال سے ہے اس کا واحد مُصْلِحٌ ہے صُلْحٌ سے بنا بمعنٰی درست کلام کرنا۔

تفسیر عالمانہ

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ - جس طرح کہ استقامت کے لیے پہلی شرط نماز ہے جو نماز نہیں پڑھتا وہ استقامت کو پا ہی نہیں سکتا، اگرچہ پیری مرشدی کا دعوے دار ہو۔ یا بڑا صوفی بنا پھرتا ہو یا مقرر بے بدل ہو یا واعظ خوش بیان سب مکر و فریب ہے۔ اسی طرح دوسری شرط استقامت کی صبر ہے لہٰذا نماز حکم کے بعد فرمایا وَاصْبِرْ اور اے پیارے نبی صبر پر قائم رہیئے یا اے امت نبی کریم صبر کر۔ قرآن مجید میں اکثر امر کے صیغے سے خطاب واحد کے صیغے سے ہوتا ہے اور ظاہرًا معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر حقیقتًا حکم امت کو ہوتا ہے۔ اور نہی کا صیغہ ہر طرح امت کو ہی ہوتا ہے بجز تنزیہات کے۔ یہاں بھی اسی سلوک سے ہے کہ اے دنیا کے مسلمان صبر کر دنیا کی صعوبتوں پر۔ دنیا سے شکوہ نہ کر کیونکہ اس صبر کا بھی بڑا اجر ہے مگر آخرت میں ملے گا ضرور اس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ تعالیٰ نہ ضائع ہونے دے گا یا نہ ضائع کرے گا نیکوں کا بدلہ ذرہ ذرہ بدلہ ملے گا۔ نماز ہو یا روزہ یا صبر یا اچھے اخلاق یا اللہ کی چیزوں کا ادب انبیاء کا احترام، اولیاء علماء سے محبت

لفظ احسان سب کو شامل ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ چار چیزیں چار چیزوں سے ملتی ہیں۔ ۱ اللہ تعالیٰ کی رضا ملتی ہے صابر ہو کر رب کی اطاعت میں۔ ۲ زندگی میں بے فکری اور سہولت ملتی ہے ظہر کی نماز پر پابندی سے۔ ۳ دین کی سلامتی ملتی ہے زبان کو سلامت رکھنے سے ۴ اور قبر کا نور ملتا ہے تہجد کی نماز میں۔ یا اللہ مجھ کو یہ چاروں نعمتیں عطا فرما، پس عاقل کو چاہیئے ان چاروں کی طرف جان توڑ کر کوشش کرے۔ علماء کے نزدیک صبر تین قسم کا ہے ۱ نیکی پر ہمیشگی ۲ گناہوں سے بیزاری ۳ دنیوی مصیبتوں میں دروازہ خدا سے نہ ہٹنا۔ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ اللہ کا کرم تو شروع سے ازل سے ہی ایسا تھا کہ کسی نیک کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ پہلے لوگوں نے جو کچھ عذاب پایا وہ ان کی اپنی حرکتوں کی بنا پر تھا، اگر انہوں نے رب تعالیٰ کی مہربانی سے انعام و کرم دیکھے تھے۔ تو کیوں تم سے پہلے زمانوں میں اطاعت والے نہ ہوئے، یا عقل و فہم والے نہ ہوئے کہ خود بھی باز رہتے اور اپنے ساتھیوں کو بھی روکتے، روئے زمین میں یا اپنے علاقے میں فساد کرنے سے۔ قرون جمع ہے قرن بمعنیٰ مضبوط اسی لیے سینگ کو قرن کہا جاتا ہے اور بمعنیٰ پیشرو اسی سے ہے قرین۔ یعنی قائد ساتھی۔ پچھلے زمانے کو قرن کہا جاتا ہے کیونکہ ہر انسان پچھلے زمانے کی قیادت اور اقتدار کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بڑوں کا زمانہ ہوتا ہے۔ کفار بھی غلط دین کے لیے یہی ایک سہارا پکڑتے تھے کہ یہ باپ دادے کا دین ہے۔ یہاں قرون سے یہی پچھلے زمانے مراد ہیں۔ اس کی کم از کم مدت ایک صدی ہے۔ حدیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ صدی یعنی سو سال ایک قرن ہے۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نومولود بچے کو ایک قرن زندہ رہنے کی دعا فرمائی تو وہ سو سال زندہ رہا۔ (روح البیان) بقیۃ کا لغوی معنیٰ ہے محفوظ چیز باقی کو باقی اسی لیے کہتے ہیں کہ محفوظ ہوتی ہے یہاں مراد عقل ہے کہ وہ بھی محفوظ ہوتی ہے۔ اس کے چار معنیٰ ہیں۔ عقل و فہم، اطاعت، بزرگی سخاوت یہاں سب معنیٰ درست ہیں۔ ارض سے مراد روئے زمین ہے کیونکہ ایک جگہ فساد پھیلانا تمام زمین کو خراب کرنا ہے کیونکہ برائی بہت جلد رواج پکڑ جاتی ہے۔ تب یہ معنیٰ مجازی ہے یا مراد اپنا اپنا علاقہ ہے۔ تب حقیقی معنیٰ ہے یا روئے زمین اس طرح مراد ہے کہ سب زمانوں میں مختلف علاقے فساد زدہ ہوتے ہیں۔ جنکو جمع کرنے ملانے سے تمام زمین ہی شامل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا قرون جمع کا لحاظ رکھا گیا۔ گویا کہ سب قرنوں نے سب زمین پر فساد پھیلایا اِلَّا قَلِيْلًا۔ مگر ہر دور میں تھوڑے ہی لوگ ایسے تھے جو ہمارے سچے بندے بنے۔ ہمارے انبیاء کرام کی غلامی میں شامل ہوگئے، قرون کی قومیت کا لحاظ رکھا جائے تو مستثنیٰ متصل ہے۔ اگر دین کا خیال رکھا جائے تو منقطع ہے اور اِلَّا بمعنیٰ لیکن ہوگا، انہوں نے ہی ہم سے کرم کی نعمتیں پائیں، کہ ان پیارے بندوں میں سے تمام کو ہم نے نجات دی سزا ہائے دنیوی اور عذاب اخروی سے اور یہ نجات اتنا بڑا اکرم ہے کہ تھوڑی مدت یعنی فقط چند لمحے ہماری اطاعت کر کے ابدالآباد کی دولتوں، رحمتوں، برکتوں، نعمتوں، جنتوں سے مالا مال ہو گئے۔ مِنْهُمْ کا مِنْ بیانیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ کیونکہ نجات سب کو ہی ملی مسلمانوں

کا حال یہ تھا کہ تن من دھن کی بازی لگا کر عزت و آبرو کو قدمِ نبی پر قربان کر کے عیش و عشرت اور دنیوی مال وجاہ کو بھلا کر دامنِ نبی میں پناہ گزین ہوئے مگر کافر اور گستاخِ نبی کا حال یہ تھا۔ وَاتَّبَعَ الَّذِیْنَ اور پیچھے لگے رہتے ہیں وہ منکر لوگ جو ظالم ہوئے تھے۔ فساد برپا کر کے۔ نبی کی گستاخی کر کے، اللہ کے حکموں سے سر پھیر کر اور اللہ تعالیٰ کی ممنوعہ چیزوں کو کر کے۔ ان عیش پرستیوں میں جو نعمتیں دی گئیں تھیں ان کو۔ فِیْہِ اس زمانے میں یا اس دنیا میں۔ وہ حریصِ دنیا طلبِ دنیا کے لیے پیچھے لگے کہ ہماری نعمتوں کا بجائے شکر کے کفر کیا بجائے لذت کے شہوت حاصل کی۔ مومن دنیا کی نعمتوں سے لذت حاصل کرتا ہے اور کافر صرف شہوت، جیسے کہ مومن انگور کھاتا ہے جو میٹھا لذیذ اور خوشبودار ہوتا ہے اور کافر انگور کا شراب بنا کر پیتا ہے جو سخت کڑوا بدمزہ اور بدبودار ہوتا ہے یہی اس کی ساری زندگی کا حال ہے۔ یہ بدنصیبیاں اور ہلاکتیں، سزائیں اس لیے نہیں کہ کَانُوْا مُجْرِمِیْنَ، وہ سب مجرم تھے۔ کچھ گناہ کر کے اور کچھ باوجود قادر ہونے کے جرموں کو نہ روک کر، اور کچھ جرموں کی حمایت و تائید اور تعاون کر کے لہٰذا وہ سب ہی مجرم ہوئے ورنہ اللہ تعالیٰ اخاص کے جرموں سے عوام کو سزا نہیں دیتا۔ یہ آیات گویا کہ تمام سورۂ ہود کا تتمہ ہے کہ پہلے تمام واقعات عذاب اور قوموں کی تباہیوں کا تذکرہ فرما کر اور پوری تفصیل سنا کر اب گویا اختصاراً بتایا جا رہا ہے کہ ہلاکتوں کے اصل سبب دو ہی تھے۔ ایک یہ کہ اس قوم میں کوئی بھی ذی عقل باقی نہ رہا تھا، جو انبیاء کرام کی تعاون و تائید میں اپنے ساتھیوں، ماتحتوں کو سمجھاتا کہ یہ کام برا ہے اس سے باز رہو اور یہ اچھا ہے یہ کرو۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ حرام عیش پرستی میں اس قدر منہمک تھے اور مشغول ہو کر پھنس چکے تھے۔ کہ ان میں بزدلی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ اور غفلت و کسلمندی طاری ہو گئی تھی کہ وہ گوشۂ عیش میں پڑے رہنے کو غنیمت سمجھتے تھے ان کی مثال بالکل ایسی تھی کہ ایک کشتی دریا میں تیر رہی ہو، مسافر بھرے ہوں، ایک نے لوٹا اس کے پیندے میں سوراخ کرنا شروع کر دے، باقی لوگ خاموش رہیں۔ کہیں کیا وہ سوراخ کرتا ہے تو کرتا رہے۔ اگر کوئی روکنے بھی لگے تو یہ لوگ یا تو اس کی مخالفت کریں اور یا خاموش رہیں اور اس اکیلے کی آواز کا کچھ اثر نہ رہے۔ تو لازمًا انجام کار سب ہلاک ہوں گے فرمایا جا رہا ہے کہ بلا تشبیہ یوں ہی ان قوموں کا حال ہوا۔ ہم نے اپنے ان بندوں کو بچا لیا جنہوں نے ہمارے نبی کی تائید فرمائی تھی، باقی سب کے سب ہلاک ہو گئے وَمَا کَانَ رَبُّکَ لِیُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ۔

ایسا کبھی نہ ہوا نہ آئندہ ہو گا کہ کسی قوم کو بلا ظلم ہلاک کر دیا گیا ہو، اس لیے کہ آپ کا رب ایسا نہیں ہے کہ کسی بستی کو اپنے ظلم سے یا بستی کے ظلم کر لینے سے ایک دم ہلاک کر ڈالے حالانکہ بستی والے سارے کے سارے یا اکثر یا کچھ نیک لوگ وہاں موجود ہوں لِیُهْلِكَ میں لام تاکید یہ ہے ما کان کی نفی کے لیے۔ اَن مصدریہ اس میں پوشیدہ ہے مقصد ہے کہ آپ کے رب کی شان یا صفت یا طریقہ ظلم سے بستی کو ہلاک کرنے کا نہیں۔ نہ ہی ظالم بن کر اس کا تعلق ہے۔ یا ظلم کی نسبت بستی کی طرف ہے کہ بستی ظالم یعنی مشرک ہو کہ شرک ہی سب ظلموں کی اصل ہے جتنے ظلم بے انصافیاں، حقوق مارنے کی عادت ہے وہ سب مشرکوں سے شروع ہوئے، ان سے منتقل ہونے ہوئے بدکاروں میں آئے اس لیے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حق کی پرواہ

نہیں کرتا وہ کسی بندے کو کیا حیثیت دے گا۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ بے نمازوں کو قرض مت دو کیونکہ جو اللہ کی حق نمازی پرواہ نہیں کرتا، وہ تیرے حق کو مارنے میں بھی باک نہیں سمجھے گا۔ لیکن اس کے باوجود رب کریم کا رحم ہے کہ جب تک ایک مصلح بھی اس علاقے میں رہے گا عذاب نہ آئے گا۔ اگر عذاب ناگزیر ہو جائے تو نیکوں کو وہاں سے نکال دیا جاتا ہے۔ یا اٹھا لیا جاتا ہے۔ اگر ظلم سے مراد صرف شرک ہو تو مطلب ہے کہ صرف شرک کی بنا پر عذاب نہیں آتا جب تک کہ وہ مشرک قوم خائن اور بددیانت نہ ہونے لگے۔ ظلم کے تین معنی ہیں ۱۔ شرک رب فرماتا ہے فَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ اللہ تعالیٰ ظالموں یعنی مشرکوں کو ہدایت نہیں دیتا ۲۔ ظلم یعنی خطا لغزش آدم علیہ السّلام نے عرض کیا تھا۔ ربنا ظلمنا اے ہمارے رب ہم نے ظلم یعنی خطا کر لی۔ ۳۔ ظلم یعنی ایذا دینا مظلوم کو رب تعالیٰ فرماتا ہے فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۔ ظالموں یعنی موذیوں کے لیے جہنم کا ویل ہے۔ اس کا تجربہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کو موخر فرماتا ہے۔ بندوں کے حقوق سے۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلی قومیں بیشک صرف شرک و بت پرستی کرتی رہیں عذاب نہ آیا مگر جب قوم نوح نے حضرت نوح کو ستایا، قوم صالح نے اونٹنی کو ہلاک کیا۔ قوم لوط نے لڑکوں سے بدمعاشی کی، قوم شعیب نے ناپ تول میں بددیانتی کی، قوم فرعون نے بنی اسرائیل کے خون مارے اور حضرت موسیٰ و ہارون کو ایذائیں دیں تب عذاب آیا۔ اس تفسیر کی بنا پر مصلحون سے مراد حقوق العباد اور معاملات میں درست لوگ ہوں گے اور مصلح کے معنی دنیوی نیک ہے نہ دینی نیک۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ مومن کو چاہیئے کہ کسی کام میں جلد بازی نہ کرے۔ نہ نتیجے کی دیری سے گھبرائے۔ بلکہ اعمال خیر کئے جائے اجر دینے والا بخوبی جانتا ہے کہ اس کا اجر اور پھل کب مناسب ہے۔ رب تعالیٰ کے گھر میں دیر تو ہوتی ہے مگر اندھیر نہیں۔ یہ فائدہ وَاصْبِرْ اور لَا یُضِیْعُ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ علماء حق اہل سنت کی پیروی نجات کا سبب ہے۔ امراء کی اطاعت باعث عذاب و مصیبت۔ وہی لوگ گمراہ جلدی ہوتے ہیں جو علماء کرام سے دور اور متنفر رہتے ہیں۔ دولت مندوں کے دروازوں پر چکر لگانے والے دنیا داروں کے پاس بیٹھنے والے اکثر گمراہ ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ اُولُوْا بَقِیَّةٍ اور اِلَّا قَلِیْلًا سے حاصل ہوا کہ ان قوموں میں جاہل زیادہ تھے علماء بہت کم تھے۔ اور وہ جہلا علماء کی بات نہ مانتے تھے۔ آج آوارہ خیال مسلمانوں کو ان سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔ **تیسرا فائدہ**۔ جو عالم، پیر مرشد، خطیب، واعظ باوجود علمی، قولی، استطاعت کے اپنے شاگردوں، مریدوں، مقتدیوں اور اہل علاقہ کو گناہوں، بدکاریوں برائیوں سے نہ روکے اور خاموش تماشائی بنا رہے وہ شرعی طور پر ان بدکاروں کے ساتھ شامل ہے۔ عنداللہ اسی سزا کا مستحق ہے جو قیامت میں اصل بدکاروں کو ملے گی۔ یہ فائدہ کانوا مجرمین کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ لہذا آجکل کے ان پیروں کو عبرت پکڑنی چاہیئے۔ جو اپنے مریدوں کو آجکل کی موجودہ فحاشی۔ برائی۔ اخلاقی پستی۔ تصویر کشی۔ ٹیلیویژن وغیرہ بدتہذیبوں سے نہیں روکتے۔ صرف مرید بنانے کی ہوس میں ہیں۔ بلکہ مریدوں کے لیے سہولتیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور غلط مسئلہ بتا کر مریدوں کو خوش کرنا ہی ان کی کامیاب پیری کا راز ہے۔ اسی طرح وہ خطباء حضرات جو صرف تقریر کے نذرانے اور خطابت

کی تنخواہیں ہی لینا چاہتے ہیں۔ قوم کو برائیوں سے نہیں روکتے، صرف اس ڈر سے کہ کہیں مقتدی اور انجمن والے یا سامعین ناراض نہ ہو جائیں، یا کسی مرید کا جاہل پیر غصے نہ ہو جائے۔ جب مساجد میں بھی شریعت نافذ نہ ہونے دی جائے تو خطیب کی خطا کس لائق۔ اللھم ارحم علی امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ چوتھا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے یہ فائدہ بظلم کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ۔ جہاں نیک لوگ ہوں وہاں عذاب نہیں آتا۔ لہذا ایک آدمی کی نیکی سب کو مفید ہے نیک پڑوسی سے سب علاقہ امن میں رہتا ہے۔ یہ فائدہ مصلحون کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ پس غور کر کہ اولیاء اللہ کا قرب کس درجے مفید ہوگا۔ چھٹا فائدہ۔ اس دنیا میں دنیا جہان کی آفات اور آخرت کی مصائب سے وہی بچے گا جو دامن نبوت کا پناہ گزین ہو گیا۔ یہ فائدہ انجینا فرمانے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں نماز کا ذکر آیا ہے وہاں ساتھ ہی زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے۔ اور چند جگہ نماز کے ساتھ صبر کا ذکر آیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ۔ اور یہاں ارشاد ہوا پہلے واقم الصلوٰۃ طرفی النھار۔ پھر آپ ارشاد ہوا واصبر۔ نماز۔ زکوٰۃ اور صبر میں کیا تعلق ہے۔ **جواب**۔ باری تعالیٰ جل مجدہٗ نے انسانی بقا کے لیے تین چیزیں پیدا فرمائیں۔ دو داخلی ایک خارجی۔ داخلی جسم ظاہری اور قلب ہے۔ خارجی چیز مال و دولت۔ یہ تینوں چونکہ باری تعالیٰ کی طرف سے عین نعمت ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ان تینوں ہی سے ادا ہوتا ہے۔ مال و دولت کا شکریہ زکوٰۃ ہے۔ بدن کا شکریہ نماز ہے قلب کا شکریہ صبر ہے کیونکہ صبر دلی ارادہ کا نام ہے۔ دل کی نیت پر ہی صبر کا دارومدار ہے۔ اس لیے ان تینوں کو ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا۔ دوسری وجہ یہ کہ یہ تینوں ہم شکل ہیں کہ دل کی زکوٰۃ صبر ہے۔ بدن کی زکوٰۃ نماز ہے، مال کی زکوٰۃ خیرات ہے۔ اسی طرح مال کا صبر زکوٰۃ دینا ہے کہ مال والا بہت صبر کے ساتھ اپنے مشقت سے کمائے مال کو اپنے ہاتھوں سے غریب کو دے دیتا ہے۔ بدن کا صبر نماز پڑھنا ہے۔ کہ مسلمان پانچ وقت اپنی دنیا کے کاروبار آرام، نیند اور تمام چیزوں سے یک دم منہ موڑ کر رب کی طرف رجوع کرتا ہے جو نفس پر بہت شاق ہے۔ اور دل کا صبر۔ رضا رب کی نیت سے راہِ خدا کی ہر مصیبت کو برداشت کرنا ہے چونکہ ہر طرح ان تینوں عبادتوں کا آپس میں خواص تعلق ہے۔ اس لیے ان کا ذکر بھی ساتھ ہوتا ہے۔ اور پھر ان تینوں عبادتوں کا قبول ہونا بھی ایک دوسرے کی ادا پر موقوف ہے کہ تارک نماز زکوٰۃ کی پرواہ نہیں کرتا۔ نہ اس کو صبر کی عادت ہوتی ہے۔ اسی طرح بے صبر آدمی زکوٰۃ و نماز سے گھبراتا ہے۔ اور زکوٰۃ نہ دینے والے کا دل سخت متکبر اور سرکش ہو جاتا ہے۔ نمازیوں میں بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔ ان وجوہ سے ان تینوں عبادتوں کو ذکر میں ساتھ رکھا گیا۔ بندۂ کامل تب ہی بنتا ہے جب تینوں عبادتیں کرے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں پہلے فرمایا گیا واصبر، پھر اسی آیت میں فرمایا اجر المحسنین۔ چاہیے تھا کہ اجر الصابرین فرمایا جاتا کیونکہ صبر کی وجہ اجر ہے۔ علت و معلول میں فرق کیوں؟ **جواب**۔ اجر المحسنین کا تعلق صرف واصبر سے نہیں بلکہ پچھلے تمام امروں سے ہے یعنی فاستقم۔ و اقم اور واصبر سے۔ اور ان تینوں کو مضبوطی سے اختیار کرنا احسان ہے اور کرنے والا

محسن ہے۔ اس لیے یہاں محسنین فرمایا۔ جس مسلمان میں ان میں سے ایک چیز بھی نہ ہوگی وہ محسن نہیں ہو سکتا۔ بس اس لفظ نے اشارۃً احسان اور محسن کی تعریف بھی کر دی۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا فَلَوْلَا کَانَ یہ فعل تامہ ہے اس کا فاعل اُولُو بَقِیَّۃٍ ہے جس کی وحدت سے ثابت ہوا کہ ایک بھی مطیع اور صاحب عقل بندہ اُن پچھلی قوموں میں نہ تھا تو پھر اِلَّا سے استثنیٰ کیونکر درست ہوا جب مستثنیٰ منہ واحد ہو تو بے قاعدہ نحوی استثنا نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ ایک آیا سوائے ایک کے۔ **جواب**۔ تفسیر عالمانہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ استثنا یا منقطع ہے یا متصل۔ اگر منقطع مانا جائے پھر تو اعتراض ہی ختم ہو گیا کیونکہ اِلَّا بمعنیٰ لٰکِنْ ہوگا۔ اور اگر مستثنیٰ متصل مانا جائے تو یہ اُولُو بَقِیَّۃٍ مفرد تنکیری ہوگا نہ کہ وحدت کا۔ اور تنکیری مفرد عموم کو ثابت کرتا ہے اِلَّا سے عموم ہی توڑا گیا۔ جیسے کہ یہ کہنا جائز ہے کہ کوئی نہیں آیا سوا ایک کے۔

تفسیر صوفیانہ

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ فَلَوْلَا کَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِکُمْ اُولُوْا بَقِیَّۃٍ یَّنْھَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْھُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِیْہِ وَکَانُوْا مُجْرِمِیْنَ اللہ تعالیٰ نے اہل مشاہدات کے اوقات کی حفاظت فرمائی ہے۔ اور بارگاہ قدس کی حاضری کا تعین فرمایا ہے۔ اور اطاعتوں کے وظیفوں سے ان کی ملاقات مقرر کی ہیں۔ تاکہ مراقبات سے مجالس حاضری میں آجائیں اور اطاعت سے قربات درجات تک پہنچ جائیں اس لیے کہ جو روح قلب اور عقل کے ذکر و مراقبے کی محفل لاہوتی کا حاضر باش ہوا وہی سیر معرفت سے دیدار شہود تک پہنچتا ہے۔ مسافر معرفت کے لیے ہر وقت انوار کشف کا دن ہوتا ہے۔ راستے میں ذلت و غفلت کے ڈاکو ہوتے ہیں۔ لہٰذا مقابلہ کے لیے ہر وقت ہتھیار بند رہنا لازمی ہے۔ دن کے دونوں کنارے یعنی جملہ اشرار فتنہ اغیار کا وقت ہے کسی وقت نماز داذکار سے صفائی میدان قلب کی شدید ضرورت ہے تاکہ حلاوت ذکر کے خنجر وجدانِ قلب کی تلوار سے پردہ غفلت کو پھاڑا جا سکے اور جبارِ خطرات کا مقابلہ ہو سکے۔ حسنات کے تیروں سے سیئات وہم و خیال کے لشکروں کو مٹایا جا سکے۔ راہِ صفا کے جانباز مجاہد و اہل ذکر مریدو۔ اہل مراقبہ محبو۔ اہل رعایت عارفو۔ اس کٹھن راہ منزل دور میں صبر کرنا۔ خطرات مذمومہ کی فنا میں مکاشفے سکے نور مجاہدے کی مشقت سے مدد لے کر چادر کبریائی کی تجلی کے پیچھے پناہ لے کر بیشک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ جمال بقا کے کشف و دیدار کے عطیے سے۔ بندے کا کام ارتکاب جرم سے ہٹ کر ادائے اطاعت پہ صبر مشقت کرے جو بندہ حقوق عبودیت کے آداب کو اپنے وجود کو خرچ کر کے ادا کرے معبود حقیقی اسکو پورا اجر انوار و مشاہدات کی شکل میں عطا فرمایا۔ اے طالب صادق عاشق جمال محبوب کی طلب میں ذکر دائمی کے ذریعہ اوقاتِ عزیزہ کو خرچ کرنے میں صبر کر کیونکہ یہ زمانہ صبر کا ہے۔ اے قالب خاکی کے ساکنو تم سے پہلے گروہوں نے حق عبودیت کیوں نہ ادا کیا۔ جانتے سمجھتے اہل خیر کیوں نہ بنے جو زمینِ قالب کے قوت شامہ۔ لامسہ باصرہ سامعہ۔ ماشیہ کو جسدِ عنصری کی زمین میں فساد فراق و ہلاکت اور خصائل رذیلہ کے بگاڑ سے روکے، ہاں قلب و جگر فواد و روح ضمیر و شعور کے تھوڑے تابع فرمان ایسے تھے جنہوں نے حق عبودیت ادا کرتے ہوئے میدانِ عمل میں بہادری کے جوہر دکھائے طبیعت فرعون وھامان کو سمجھایا اس سعادت کی بنا پر قعر ظلمات سے ہم نے ان خوش بختوں کو نجاتِ بقا عطا فرمائی اور جنہوں نے

عادات ذمیمہ کو جمع کرکے حجاب باطنی کو لے کر خود پر ظلم کیا وہ آخر انجام تک نور بصیرت سے اندھے رہے اور ان کو بھی قوت ناسوتیہ فانیہ کے عیشوں کی اتباع کی جوان کو حیات عارضی کے لیئے دیا گیا۔ اور مجرم ابدی ہو گئے یا پہلے ہی عناصر خبائث کے باعث تھے وہ مجرم شقاوت۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۔ اور شان کبریائی یہ نہیں ہے۔ یا اے انوار جمال کے محبوب ابدی تیرے رب رحیم وکریم کا یہ طریقہ کبھی نہ ہوا، کہ قلوب عارفین کی بستیوں کو محض عتاب ظلم سے فراق وفنا کی ہلاکت دے حالانکہ ارواح قدسیہ نفوس ملکوتیہ والے اہل بستی شکر کے سجدوں ذکر کے رکوعوں فکر کے قیام تدبر کے قعدے۔ بصیرت کے تشہد اور مخالفت نفوس سے نیک ہو کر صالحین ابدی ہوں۔ اور زمین قرار بستی سکون میں اصلاح کرنے والے ہوں۔ اس لیئے کہ قانون فطرت ہے کہ ارواح جسدیہ جب نشانات نفوس رذیلہ کی مخالفت کرے اس طرح کہ ذکر کے چراغوں سے فکر کی شمعوں سے وادی ظلمات کے حاشیوں پر تجلی ضیا نہ ڈالے تو ان روحانیات پر تجلیات قدس کے انوار کے لشکر نازل ہوتے ہیں۔ جس سے ان روحانی معطر کے قلوب محبت وانس کی کیاریاں بن جاتی ہیں۔ اللہ جل مجدہٗ ان متقدسات کو خطرات باطنی نشانات نفوس خبیثہ کے ہاتھوں میں ہلاکت کے لیئے نہیں دیتا۔ اور ان اصلاح خیر کی بستیوں پر احکام قہر نازل نہیں فرماتا بلکہ انوار مشاہدات سے منور فرماتا ہے اور قربات وصل سے نوازتا ہے۔ قانون ازلی صمدی یہ نہیں ہے کہ اہل یقین عارفین کو محبین صادقین کو نفوس مطمئنہ کے ذکر سری کے باوجود عذاب ہجر سے ہلاک کرے۔ ہاں اگر نفس امارہ کے ورغلانے یا ابلیسی وسوسوں کا کوئی خطرہ لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو اللہ تعالیٰ حلیم وخبیر اہل حق کو اسرار غیوب سے محجوب نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے جمال ومشاہدات کی تائید سے ارواح معطر اور نفوس صالحہ کو بچاتا ہے۔ کیونکہ جس طرح ظلم ظاہری سے رب تعالیٰ پاک ہے اسی طرح ظلم باطنی سے حجاب سری سے بھی پاک ہے۔ خاص کر جن مقبولین کو ازل سے صلاحیت نفوس واجسام کے لیئے چن لیا اور قبول معرفت کے لائق بنا لیا۔ اس طرح کہ اپنی صفات قدیمہ خفیہ کے مکاشفات سے اپنی ذات وحدہٗ لاشریک کی معرفت عطا کی پس یہ صلاحیت ان متقدسین میں میثاق ہی تھی۔ علماء شریعت کے نزدیک جسم ظاہری کو عبادت ظاہری کی طرف لگانا اصلاح ہے اور عابدین جلی مصلحون ہیں مگر صوفیائے طریقت کے نزدیک تضرع قلبی سے رجوع الی اللہ اصلاح حقیقی ہے (تفسیر عرائس البیان۔ روح البیان)

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ
اور اگر چاہتا رب آپ کا البتہ بنا دیتا سب لوگوں کو امت ایک اور رہیں گے یہ انسان
اور اگر تمہارا رب چاہتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی امت کر دیتا اور ہمیشہ اختلاف

مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۚ

جھگڑا کرنے والے مگر وہ شخص کہ رحم فرمایا رب نے آپ کے جس پر اور لیئے اسی پیدا کیا

میں رہیں گے مگر جن پر تمہارے رب نے رحم کیا اور لوگ اس لیے بنائے ہیں

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ

ان کو اور پورا ہو گیا حکم رب کا آپ کے کہ البتہ بھر دوں گا جہنم سے جنات اور

اور تمہارے رب کی بات پوری ہو چکی کہ بے شک ضرور جہنم بھر دوں گا جنوں اور

النَّاسِ أَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآءِ

انسانوں تمام کا تمام اور بہت کچھ بیان کرتے ہیں ہم پر آپ سے خبریں

آدمیوں کو ملا کر اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبریں سناتے

الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ

انبیاء کی ایسی کہ مضبوط کریں ہم ذریعے جن کے دل آپ کا اور آیا آپ کے لیئے میں ان خبروں

ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں اور اس سورت میں تمہارے

الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

حقانیت اور نصیحت اور یاد رکھنے کی چیز لیئے مومنوں کے

پاس حق آیا اور مسلمانوں کو پند نصیحت

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیات میں مختلف نظریات مختلف دینوں کا اور ان پر مختلف عذابوں کا ذکر ہوا، اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ سب کچھ ہماری مشیت کے تحت ہو رہا ہے ہماری مشیت سے کچھ باہر نہیں ہم اپنی مشیت سے چاہتے تو ایک ہی دین ایک ہی امت کائنات میں ہوتی۔ مگر وہ حکمت کے خلاف تھا۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں انبیاء سابقین کی محنت مشقت اور حلم و برداشت کا ذکر ہوا، اب یہاں نبی کریم کی محنت مشقت اور صبر و تحمل کا ذکر کرتے ہوئے تسلی فرمانے کا ذکر ہوا۔ **تیسرا تعلق**۔ تمام سورت میں انبیاء کرام کے قصے ہی مذکور ہوئے اب اس کی علت غائی بیان ہوئی کہ بزرگوں کے تذکرے سے نصیحتیں ہوتی ہیں (تفسیر کبیر رازی)

تفسیر نحوی

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ .... واؤ ابتدائیہ لو حرفِ شرط شاء ماضی معروف جملہ شرطیہ انشائیہ کے معنیٰ میں مشیت سے بنا، بمعنیٰ چاہت اس کا فاعل ربُّ اضافت ضمیری مخاطب کَ کی طرف، لجعل لام تاکید جزا کے لئے آیا جعل فعل مگر جملہ انشائیہ جزائیہ متعدی بدو مفعول اوّل مفعول النّاس الف لام استغراقی ناس یعنی انسان امّۃً موصوف واحدۃً صفت مفعول دوم ہے تنوین تنظیم کی ہے واؤ حالیہ لا یزالون مضارع منفی بمعنی مستقبل زوال اجوف وادی سے بنا باب سمع۔ بمعنی زائل ہونا ختم ہونا یہاں زوال کی نفی ہے۔ یعنی نہیں ختم ہوں گے۔ مراد ہے رہیں گے مختلفین باب افتعال کا اسم فاعل بصیغہ جمع مذکر خلوف سے بنا، بمعنی ایک دوسرے کے پیچھے دیکھ لینا، یعنی نظریاتی اختلاف کرنا الّا حرفِ استثنا منقطع ہے بعض نے متصل مانا ہے مَن موصولہ رحم فعل ماضی باب سمع رحم سے مشتق ہے۔ متعدی ہے اس کا مفعول بہ ہٗ ضمیر پوشیدہ ہے ربّ بحالت رفع فاعل ہے رحم کا وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ واؤ حالیہ لام حرف جر اور .... ذالک اسم اشارہ بعیدی اس کا مشار الیہ رحم ہے بعض نے کہا اختلاف ہے متعلق مقدم ہے خلق فعل ماضی معروف کا۔ اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ھم ضمیر کا مرجع النّاس وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ واؤ سر جملہ تمت ماضی مثبت بصیغہ واحد مؤنث باب نصر تمًّا سے بنا بمعنی مکمل کرنا یہاں لازم ہے کلمۃ بحالتِ رفع فاعل ہے۔ تمت مضاف ہے لفظ ربّ کی طرف کلم سے لغوی ترجمہ چیرنا یا چرنا متعدی یا لازم۔ مراد فیصلۂ ربّی ہے۔ لَاَملئَنّ لام کی بمعنی یقیناً۔ البتہ یہ جملہ بدل ہے۔ اشتمالاً املئن فعل مضارع مستقبل بصیغہ واحد متکلم متعدی ہے۔ یک مفعول جہنم اسم جامد ہے بحالت زبر مفعول بہ ہے۔ من جارّہ الجنّۃ اسم جامد ہے جن کی دراصل تھا الجنات الف جمع حذف ہوا تخفیف کے لیے واؤ عاطفہ النّاس جمع ہے انس کی۔ ہر دو جگہ الف لام استغراقی ہے یا عہد خارجی۔ اجمعین جمع ہے اسم تفضیل اجمع کی بحالت زبر ہے حال جنّۃ والنّاس تاکید محض یا تاکید معیت کے لیے آیا۔ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ۔ واؤ ابتدائیہ کلًّا اسم جمع ہے، تنوین عوضی ہے مضاف الیہ کے بدلے میں آئی دراصل تھا کلّھا بحالت زبر مفعول بہ مقدم ہے۔ نقصّ فعل مضارع حال کا باب نصر قصصٌ سے بمعنیٰ ضرورت کے مطابق بیان کرنا۔ قصہ کہنا۔ کسی کا ذکر حیات سنانا۔ یہاں سب معنی ہو سکتے ہیں بصیغہ جمع متکلم۔ علیٰ جارّہ بمعنیٰ بِنْدِکَ ضمیر مخاطب مجرور متصل مِنْ جارّہ تبعیضیہ انبا جمع نبا، بمعنیٰ غیبی خبر مجرور ہے مِنْ جارّہ سے مضاف ہے بطرف الرّسل۔ متعلق دوم ہے نقصّ کا۔ رُسُل جمع رسول کی ما موصولہ صفت ہے انباء کی نثبّت فعل مضارع اپنے معنیٰ میں بصیغہ جمع متکلم بابِ تفعیل سے ہے ثبتٌ سے بنا بمعنیٰ ثابت کرنا مضبوط کرنا تسلی دینا۔ فؤاد اسم جامد ہے۔ بحالت زبر مفعول بہ ہے نثبّت کا۔ کَ ضمیر مخاطب کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مراد قلب پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وَجَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى۔ ...... واؤ سر جملہ جاءَ فعل ماضی کَ ضمیر واحد حاضر دراصل عِنْدَکَ ظرف ہے جاءَ کا بحالتِ زبر مبنی ہے

فی جارہ ظرفیہ ھٰذِہٖ اسم اشارہ قریبی مشار الیہ یا قرآن پاک یا قصص انبیاء اوریا یہ دنیا ہے۔ اَلْحَقُّ الف لام عہدی ہے حق بمعنی سچی بات۔ باطل کا مقابل یا صراطِ مستقیم۔ واؤ عاطفہ مَوْعِظَۃٌ اسم ظرف ہے یا مصدر میمی ہے بروزن مَنْطِقَۃٌ وَعْظٌ سے بنا بمعنی نصیحت دینا بحالتِ رفع معطوف اَلْحَقُّ فاعل جاء پر واؤ عاطفہ ذکری بروزن فعلی بمعنی نصیحت لینا۔ بحالت رفع بوجہ معطوف ہونے کے اَلْحَقُّ کا۔ اَلْحَقُّ معطوف الیہ پر الف لام تعریفی آیا۔ مگر دونوں معطوفوں پر نہ آیا دو وجہ سے یا اس لیئے کہ اَلْحَقُّ شی فی نفسہٖ کا حال ہے لہٰذا خاص ہے پس معرّف باللّام ہوا اور موعظہ و ذکری غیر پر قیاس سے وقف ہیں۔ لہٰذا عام ہوئے بدیں وجہ نکرہ۔ اوریا اس لیے حق صرف نبی کریم کے لیئے ہے۔ ان کی نسبت سے یہ لہٰذا خاص معرفہ ہوا۔ اور موعظہ و ذکری تمام امت کے لیئے لہٰذا عام نکرہ ہوا۔ لِلْمُؤْمِنِیْنَ لام جارہ نفع کا ہے اَلْمُؤْمِنِیْنَ الف لام تعریفی اسمی بمعنی اَلَّذِیْ جمع کثرت کے لیئے ہے۔ مومنین جمع تکثیر سالم اس کا واحد مومن بحالتِ جر نون مفتوحہ آیا

تفسیر عالمانہ

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۔ --- اے پیارے حبیب یا اے مسلمانوں تمام واقعات تم نے سن لیے اور تم کو معلوم ہوگیا کہ ابتدائے آفرینش سے کفر و اسلام کا اختلاف اور لڑائی جھگڑا ہوتا چلا آیا ہے آج کوئی نیا اختلاف نہیں۔ تو جان لو کہ یہ سب کچھ حکم الٰہی کے مطابق کسی خاص حکمت کے تحت ہوتا چلا آیا ہے۔ اور اگر چاہتا آپ کا رب تو مشیّت الٰہی کے مطابق البتہ بنا دیتا تمام لوگوں کو ایک ہی امّت جو متفقہ طور پر دین اسلام پر قائم رہتے نہ اختلاف ہوتے نہ جھگڑے نہ قتل و غارت۔ نہ نفس امّارہ کے شرارے ہوتے، نہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام تشریف لاتے نہ اتنی کتب آسمانی آتیں، نہ علماء اور اولیاء ہوتے۔ نہ مناظرے و مکالمے ہوتے، نہ آمد انبیاء کے نظارے، نہ انبیاء کے دم قدم کی چہل پہل ہوتی لیکن حکمتِ الٰہی یہ نہ تھی کہ سب آدمی ایک گروہ بنے رہیں۔ اور حق کی لذت ہی نہ آئے، بلکہ حکمت اور رضا جو کچھ تھی۔ اس پر حکم جاری ہوا اور نہ زائل ہوں گے یعنی تا قیامت یہ انسان اختلاف کرتے ہی رہیں گے۔ اس لیے کہ یہ انسان فطری طور پر اسی لائق ہیں۔ ان کا خمیر چاہتا ہی نہیں کہ انہیں اتفاق ہو، ہاں وہ اتفاق جو حضرت آدمؑ کے ابتدائی دور میں ہوا، اور آخیر زمانہ میں حضرت عیسٰیؑ کی دوبارہ آمد پر ہوگا وہ اس ازلی تقدیر سے خارج ہے۔ کہ وہ جزوقتی بات ہے نہ کہ کلی۔ بعثتِ انبیاءِ پاک کا مقصد بھی کفر مٹانا نہیں بلکہ کفر دبانا ہے پس جب کفر کا بیج باقی تو اختلاف اور جھگڑے بھی جنم لیتے ہی رہیں گے۔ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۔ مگر وہ شخص گمراہی کے جھگڑوں سے بچے گا جس پر آپ کا رب رحم کرے گا۔ جو انبیاء اکرام کے بارے اور قرآن و حدیث اور دینِ حق میں جھگڑا نہ کریں گے۔ کیونکہ بندہ کا سببِ فعل ہے اور رب تعالٰی خالق ہے فعل کا۔ چونکہ بندے کا کام رب کے پیدا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے سب کچھ اللہ تعالٰی کے حکم اور ارادے کے تحت مرید و محکوم ہے۔ کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں۔ اِلَّا سے مستثنیٰ متصل ہے کیونکہ کفر بہت قسم کا ہے سب سے پہلا کفر جو دنیا پہ ہوا وہ وثنی یعنی بت پرستی تھا پھر زنّا یعنی ستارہ پرستی پھر سورج پرستی پھر چاند پرستی پھر دھریت یعنی منکرِ خدا ہر دین سے ہر پرستش سے جدا، پھر یہودیت پھر مجوسی پھر نصرانی پھر جبری

پھر قدری پھر روافض پھر خوارج وغیرہ وغیرہ فرقے بنتے چلے گئے۔ لیکن ہر دور میں صراط مستقیم قائم دائم چمکتا دمکتا رہا اور ان ہی کفروں میں سے مسلمان ان ہی کانٹوں میں سے پھول انہی اندھیروں میں سے اُجالے، ان ہی نمرودوں میں سے خلیل ان ہی فرعونوں میں سے موسیٰ انہی زندیقوں میں سے صدیق ان ہی یزیدوں میں سے حسین پیدا ہوتے رہے لہذا اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ سے استثنا متصل ہی ہے۔

شعر ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کفر کے فرقے تھے اب اسلام کے تہتر فرقے ہیں تفسیرات احمدی نے ملا ایک پوری فہرست مرتب کی ہے۔ حرفِ لَوْ شرطیہ اصلیہ ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت امتِ وحدہ ہونے میں نہ تھی قانونِ شرعی میں پہلے ہر فعل پہ مشیت ہوتی ہے۔ پھر ارادہ پھر حکم پھر نفاذ۔ رضاءِ الٰہی ان سب سے علیحدہ ہے بعض جگہ مشیت ہوتی ہے رضا نہیں ہوتی اور بعض جگہ رضا ہوتی ہے تو مشیت اس کے بعد ہوتی ہے مگر یہ سب کچھ حکمت الٰہی کے تحت ہیں۔ ان ہی مشیتوں میں سے اختلافِ انسانی ہے۔ اگر اختلاف سے مراد حق و باطل کا اختلاف ہے تو مستثنیٰ متصل ہے جیسا کہ ابھی پہلے بیان ہوا۔ اور اگر فروعی اختلاف مراد ہے جیسا کہ مجتہدین یا علماء اہلسنت کا آپس میں اختلاف تو مستثنیٰ منقطع ہے اور آیت کی تفسیر اس طرح ہو گی کہ لوگ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جن پر اللہ کا رحم ہو گا وہ زیادہ درستی پر ہو گا اور باقیوں پر بھی رحم ہو گا اگرچہ کم درستی ہو۔ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۔ اور اسی رحمت اور اختلاف کے لیے پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے ان انسانوں کو کہ مومن حقانیت اسلام اور انبیاء عظام کی نبوت کو مان کر رحمتِ الٰہیہ میں سدا بہار پھولیں پھلیں۔ اور کفار اختلافات ہی میں الجھے رہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اور پورا ہو چکا آپ کے رب کا یہ کلمہ تقدیر ازلی میں کہ البتہ ضرور بھروں گا میں جہنم کو کافر جنات اور کافر انسانوں سے۔ سب سے ایک دم۔ اس میں اختلاف ہے کہ ذٰلِكَ کا مشار الیہ کون ہے۔ ایک قول ہے کہ رحمت و اختلاف دونوں مراد ہیں یہی قول قوی ہے یہی جمہور اہلسنت کا ہے قرآن مجید کی اگلی آیت بھی اسی طرف راغب ہے۔ (تفسیر کبیر) ہم نے اپنی اس تفسیر میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد صرف رحمت ہے اور مطلب ہے کہ ہم نے تو بندوں کو صرف رحمت کیلئے پیدا کیا تھا مگر بندے خود ہی ہماری رحمت سے ہٹ کر عذاب میں چلے گئے۔ یہ مذہب جمہور معتزلہ کا ہے۔ یہ قول کمزور ہے۔ اس لیے کہ آگے باری تعالیٰ کا ازلی فیصلہ سنایا جا رہا ہے۔ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ۔ اگر سب کو رحمت ہی کے لیے پیدا کیا گیا تھا تو دو باتیں لازمی تھیں ایک یہ کہ جہنم کو کفار سے بھرنے کا قدیمی فیصلہ نہ ہوتا۔ دوم یہ کہ پھر انسانوں کو خود مختار نہ بنایا جاتا جدھر چاہے جائے۔ بلکہ یا تو نافرمانی کی قوت پیدا ہی نہ فرمایا یا قوتِ اختیار سلب کر لی جاتی، یا ہر وقت قہر کی لاٹھی سروں پر مسلط رہتی جس کے خوف سے گناہ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی کوئی انسان نہ دیکھتا مگر ایسا نہ ہوا تو پتہ لگا کہ ہر انسان رحمت کے لیے پیدا نہیں ہوا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے وسیلہ سے دو راستے دکھا دیئے کہ یہ جنت کا راستہ ہے اور یہ جہنم کا راستہ ہے۔ اے لوگو! اب تم خود مختار ہو جدھر چاہو جاؤ، اللہ کی طرف سے تم پہ کوئی جبر و قہر نہ ہو گا، اگر رحمت والے کام کرو گے تو رحمت ضرور پاؤ گے اور اگر عذاب کے کام کرو گے تو عذاب ضرور پاؤ گے دنیا اور آخرت

یا فقط آخرت میں تیسرا قول یہ کہ ذٰلِكَ کا مشار الیہ فقط اختلاف ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ہم نے صرف اسی لیے انسان کو پیدا کیا کہ یہ اختلاف کرتے پھریں، حق و باطل میں جھگڑتے رہیں۔ تاکہ باطل بطلان کا شکار ہوں، باطل میں طرح طرح کے کانٹے اگائیں اور حق پرست دن رات اپنی ہمت کوشش، عقل دماغ عشق و الفت، تحریر و تقریر، منطق و فلسفہ سے شریعت و طریقت کے پھول کھلاتے رہیں، کانٹے ہٹاتے رہیں۔ یہ قول اگرچہ پہلے قول سے قریب تر ہے مگر اِلَّا کے استثنا کے خلاف ہے اور لَاَمْلَئَنَّ کے تقاضے کے خلاف ہے کہ جب تقدیرِ ازل میں کفار کے لیے جہنم کا فیصلہ ہو چکا۔ حالانکہ سیاقِ کلام نے بتایا ہے کہ سارے مختلفین جہنم میں ہوں گے۔ پس ظاہر ہے کہ اختلاف والے اور رحمت والے علیحدہ علیحدہ ہو کر ہی ذٰلِكَ کا مشار الیہ ہے۔ دونوں مقصدوں کے لیے انسانوں کو پیدا کیا گیا۔ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ اور اے پیارے نبی تمام کے تمام واقعات ہی ہم آپ کے سامنے کھول کر بیان فرما دیں گے۔ یا فرما رہے ہیں تمام انبیاء کرام کی غیبی خبروں سے وہ خبریں جن کے ذریعے آپ کے غمگین قلبِ پاک کو تسلی اور تسکین ہے۔ مضبوط اور ثابت رکھیں گے ہم اور آئیں آپ کے پاس اس سورتِ ھود میں سچی کہانیاں عظیم الشان نصیحتیں اور عبرت کے تذکرے صرف مومنوں کے لیے کیونکہ وہی نصیحت لے کر عبرت پکڑ کر نفع حاصل کرنے والے ہیں۔ لفظ كُلًّا مفعول بہ کو عامل فعل پر مقدم فرما کر ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاء عظام کے واقعات سنائے، کچھ قرآن مجید میں ذکر ہو گئے کچھ حدیث پاک میں اور کچھ وحی خفی کے ذریعہ۔ دنیا والوں کو تو صرف ان ہی پیغمبرانِ کرام کا پتہ ہے جن کا ذکر پیارے آقا نے فرما دیا۔ لیکن آپ کو ایک ایک نبی علیہ السلام کا نام اور حالات کا مکمل علم ہے۔ نبی کریم سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ مِنْ اَنْۢبَآءِ میں مِنْ تبعیضیہ ہے۔ جس نے بتایا کہ کچھ خبریں بیان کیں کچھ نہیں بیان کیں۔ جن کی ضرورت تھی وہ سب اپنے نبی کو بتا دیا۔ لفظ رُسُل جمع ہے رسول کی اصطلاحاً اگرچہ رسول ایک خاص طبقہ کو کہا جاتا ہے جن کی تعداد تین سو تیرہ ۳۱۳ ہے مگر یہاں لغوی رسول مراد ہے۔ یعنی ایک لاکھ چوبیس ہزار ۱۲۴۰۰۰ انبیاء کرام نُثَبِّتُ سے بتایا گیا ہے۔ کہ ظاہراً تو نبی کریم کو تسلی دی جا رہی ہے دراصل موجودہ و آئندہ نسل اسلامی کو تسکین و تسلی ہے کہ اے مسلمانو دین کے اختیار کر لینے کے بعد تم ہی کو تکلیفیں دنیا داروں کی طرف سے نہ پہنچیں بلکہ پہلے بھی ایمان والوں کو ایسی مصیبتیں جھیلنی پڑی ہیں۔ تسکین اس طرح کہ فطرتِ انسانی کے مطابق جب تکلیف کے متعلق پتہ لگ جائے کہ یہ سب کو ہی ہے تو تکلیف کی سختی حساسی طور پر کم ہو جاتی ہے۔ فُؤَاد قلب کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو مقام حسِ تکلیف ہے کہ خوشی و غمی قلب کے اسی پردے پر وارد ہوتی ہے۔ هٰذِهٖ کا مشار الیہ یا پوری سورۂ ھود ہے۔ اور یہی قول قوی تر ہے۔ یا یہ آیت یا دنیا یعنی اس دنیا میں آپ کے لیے ہر چیز حق ہے۔ یا ہر چیز تفصیل وار ہے۔ لفظِ حق کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے کہ صاف ظاہر واضح۔ تو مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن آپ کے لیے بالکل مفصل ہے کہ کسی سے پوچھنے کی حاجت نہیں یا وہ پچھلے واقعات آپ کے لئے ایسے صاف واضح ہیں گویا آپ نے سب آنکھوں دیکھے ہوتے۔ یا یہ ساری دنیا یہاں کی ہر چیز آپ کے لیے بالکل مفصل ہے

کسی سے پوچھنے پڑھنے کی سیکھنے ضرورت نہیں ہر چیز محاط ہے۔ اور آپ کا علم پاک سب کو محیط ہے بخلاف دنیا کے دیگر لوگوں کے ان کے لیے قرآن مجید پچھلے حالات اور دنیا کے علوم مجمل ہیں بغیر پڑھے نہیں آسکتے، وہ بھی انتہا اور حدود کے اندر ہے انتہا اور بے حد صرف علم مصطفیٰ ہے۔ اس لیے ایک جگہ رب کریم نے فرمایا ھُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا اللہ نے ان پڑھوں میں اپنا رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا۔ یعنی نبی پاک کی تمام امت ان پڑھ جاہل ہے اور امت کی کثرت یہ ہے کہ کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ سارے انسان تا قیامت آپ کی امت ہے حالانکہ ان میں بڑے بڑے محدث، مفسر، منطقی، فلسفی، سائنسدان ہیں مقصد یہی ہے کہ اے نبی تمہارے مقابل ان پڑھ ہیں۔ اور یہ قرآن نبی پاک کے لیے حق یعنی مفصل برھان ربی ہے۔ اعمال کے لحاظ سے ذکریٰ ہے کہ سب کے اعمال غذا مومن کے لیے تھا۔ اور تذکرہ دنیا و حشر نشر ہیں قبر و برزخ ہیں۔ اور نصیحت ہے۔ یعنی دنیا سے نفرت دلانے والی آخرت کی الفت سمجھانے والی (تفسیر کبیر، معانی۔ بیان۔ مظہری۔ خزائن۔ خازن۔ مدارک۔ جمل صاوی، سراج منیر، ابن کثیر)

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ رب تعالیٰ کی ساری مخلوق میں انسان عجیب شان والی مخلوق ہے۔ کہ اس کی پیدائش کی حکمت عبادت ہے۔ اور اس کی پیدائش کا نتیجہ اختلاف ہے لہٰذا جو مسلمان خاندان میں پیدا ہوا اس کو رب تعالیٰ کا بہت شکر کرنا چاہیئے۔ کیونکہ رب کریم نے سب میں سے جن کر اسکو اپنی رحمت کے لیے علیحدہ کر لیا۔ یہ علن اس کا کرم ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔ یہ فائدہ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اور اس سے پہلے لَا یَزَالُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ جہنم میں کافر فاسق جن بھی جائیں گے اور انسان بھی۔ مگر جنت میں صرف انسان مومن ہی جائیں گے نیک جنات کو فنا کر دیا جائے گا یا عالم اعراف میں رکھا جائے گا۔ فاسق جنات کو بعد سزا جہنم فنا کر دیا جائے گا یا اعراف میں پہنچا دیا جائے گا۔ کافر جنات ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے۔ یہ فائدہ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ نبی کریم کو رب تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کے حالات بیان کر کے بتا دیئے۔ اور نبی کریم کا علم بہت وسیع بلکہ لامحدود ہے۔ کائنات میں کسی مخلوق کا علم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جتنے علوم قرآن مجید سے نبی کریم جانتے ہیں اتنا کوئی نہیں جانتا۔ نبی کریم کا علم قرآن مجید کے علاوہ بھی ہے۔ یہ سب فائدے کُلًّا نَّقُصُّ سے حاصل ہوئے۔ **چوتھا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کے ذکر سے دلوں کو چین و اطمینان ملتا ہے۔ یہ فائدہ مَا نُثَبِّتُ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**۔ ساری مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نبی پاک صاحب لولاک سب سے عزت و شان والے اور پیارے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل کو غمگین نہیں رہنے دیتا۔ کہ جب کبھی کفار کی بیہودگیوں سے آپ غمگین ہوتے تو تسلی رب دیتا ہے۔ یہ فائدہ فُؤَادَکَ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات پڑھ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں آیت کریمہ میں فرمایا گیا لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ۔ دنیا بھر کے انسان اختلاف کرتے رہیں گے۔ مفسرین نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے

کہ دین اور حق و باطل میں اختلاف کرتے رہیں گے۔ حالانکہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اختلاف کرنے سے مراد زبان رنگ و نسل، خوراک کا روبار کا اختلاف ہو۔ **جواب:** یہ نہیں ہو سکتا۔ دو وجہ سے۔ پہلی یہ کہ لفظ مختلف باب افتعال کا اسم فاعل واحد ہے۔ باب افتعال بصیغۂ اسم فاعل اپنی تینوں خاصیتوں میں متعدی ہوتا ہے اور متعدی فعل اختیاری کو چاہتا ہے نہ کہ اضطراری کو یعنی ہر انسان اپنی نفسانی خواہش سے خود اختلاف کرتا ہے گا لیکن رنگ نسل خوراک کا اختلاف فعل اضطراری ہے۔ کسی کے بس کی بات نہیں۔ اگر یہاں یہ نسلی لسانی اختلاف مراد ہوتا تو لفظ مُخْتَلِفِیْنَ نہ ہوتا۔ دوسری وجہ یہ کہ کلام پاک کا سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ یہاں دینی اختلاف مراد ہے۔ کیونکہ پہلے ہے وَلَوْ شَآءَ یعنی اللہ کی مشیت اگر ہوتی تو ایک امت ہوتی اور امت اصطلاح میں دینی جماعت کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد ہے اِلَّا مَنْ رَّحِمَ یعنی مختلفین پر رحم نہیں ہوگا۔ کیونکہ اختلاف جرم ہے حالانکہ نسل، قومی، لسانی، خوراکی اختلاف جرم نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ایک تفسیر میں ذٰلِكَ سے مراد رحمۃ ہے۔ لفظ رحمت مؤنث ہے۔ تو چاہیئے تھا تلک ہوتا۔ ذٰلِكَ کیوں آیا؟ **جواب:** رحمت کی تانیث حقیقی نہیں۔ لہٰذا اس کو فضل او ربخشش سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جیسے ایک آیت ہے هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ اور جیسے کہ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ۔ ہر دو جگہ هٰذَا اور قریب مذکر ہیں۔ اور مراد رحمت ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ذٰلِكَ کا مشار الیہ فقط رحمت ہے ہی نہیں جیسا کہ ابھی تفسیر میں بیان ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا كُلًّا نَّقُصُّ جس سے ثابت ہوا کہ تمام انبیاء کے قصے بیان ہو گئے اور دوسری آیت میں ہے کہ اے نبی ہم نے آپ کے سامنے بعض انبیاء کے قصے بیان کر دیئے بعض کے نہیں۔ دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے؟ **جواب:** تعارض نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہم نے بعض بیان کئے اور بعض نہیں بیان کئے۔ اور معنیٰ ہے کہ ہم نے اپنے نبی کریم کو قرآن مجید کے علاوہ بھی واقعات سنائے۔ جو سب مل کر تمام ہو گئے تو معترض کی پیش کردہ آیت میں صرف قرآنی قصے مراد ہیں۔ اور تمام کے اور بھی جواب دیئے گئے ہیں۔ مگر یہ سب سے بہتر ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا هٰذِهِ الْحَقُّ اس سورت میں حق بیان ہوا ہے۔ تو کیا دوسری سورتوں میں جو واقعات مذکور ہیں وہ حق نہیں ہیں؟ **جواب:** یہاں حق باطل کا مقابل نہیں بلکہ حق یعنی مفصل ہے یعنی یہاں واقعات خوب تفصیل سے بیان ہوئے ہیں دوسری سورتوں میں تھوڑے تھوڑے اجمال اور اختصار کے ساتھ۔ (جمانلہ الرازی، کبیر، سراج منیر)

تفسیر صوفیانہ

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ بدیع کائنات جل شانہ کی عین حکمت بالغہ ہے کہ قالب ظاہری اجسام باطن کے ہم وطنوں کو اپنے علوم قدیمہ کے منشار سے عرفان کے طریقوں میں مختلف کیا۔ کسی کو نفس امارہ کسی کو نفس مطمئنہ کسی کو قلب کسی کو روح کسی کو ضمیر کسی کو شعور بنایا۔ پھر ظاہر میں کسی کو باصرہ کسی کو شامہ کسی کو سامعہ کسی کو لامسہ بنایا اور ہر ایک کو استعداد معرفت ذات و صفات کا علیحدہ راستہ بتایا اور ساکنان باطنی میں سے ہر ایک اپنے متفرق راستے پر سیر طلب کر رہا

ہے ہر ایک کا سبیلِ ذات طریقِ صفات جدا ہے۔ ہر طالب اپنے اپنے مذاق اپنے اپنے مشرب پر ہے۔ کوئی کوچۂ معرفت میں کوئی بادیۂ توحید میں کوئی بیابانِ وحدت میں، کوئی بازارِ محبت میں کوئی میدانِ شوق میں کوئی محلاتِ عشق میں کوئی خارزارِ حالات میں، کوئی گلستانِ ارادت میں، کوئی چمنِ معاملات میں رواں دواں ہے۔ مریدین کا حال طالبین سے طالبین کا حال متوسطین سے متوسطین کا حال۔ عارفین سے عارفین کا حال مرسلین سے مشابہ نہیں ہر ایک کے علوم و معرفت علیحدہ ہیں اور اگر چاہتا تیرا رب البتہ بنا دیتا سب اہلِ اُنس کو ایک اُمت فطرت اور توحیدِ الٰہیہ کی استعداد کے متفق۔ اے واردات تجلیات کے شفیق ابدال۔ یہ اہل سعادت و شقاوت جبت و استعداد میں اختلاف کرتے ہی رہیں گے۔ جو شِ بخت ناصح سمجھاتے اور بدبختوں کو روکتے ٹوکتے ہی رہیں گے۔ گرتوں کو اٹھاتے ڈوبتوں کو بچاتے ہی رہیں گے۔ مگر بدخصلت نفوسِ خبیثہ اپنے خیر خواہوں سے نفرت و فساد۔ کدورت و حسد رکھتے ہی رہیں گے۔ ہر خیر و شر والے احوال و مقام اور افعال و اقوال میں مختلف رہیں گے۔ مگر وہ بندگانِ خواص جن پر توحید ہدایت اور توفیقِ کمال کا رحم فرمایا تیرے رب نے وہ اہل خیر سیرت و طریقت۔ مذہب و مقصد متفق رہیں گے۔ ان کا قبلہ حق ہے۔ ان کا دین توحید ہے۔ ان کا کعبہ محبت ہے۔ ان کا بیت المقدس عشق الٰہی ہے۔ یہی لوگ انوارِ قدم میں مقام غیب پر پہنچتے ہیں۔ دیدبہ اور سطوتِ ازلی میں خود کو فنا کر کے محود تمکین کی بقا پا لیتے ہیں۔ ان پر مقامِ اتصاف عطا کر کے رحم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ تمکینِ اتحاد میں تلوینِ اختلاف نہیں ہوتا یہ ہے رحم رحیم اور کرم کریم اور اسی رحم کے لیے ان کو پیدا کیا۔ یا اسی اختلافِ خفی و جلی کے لیئے قالب و قلب۔ عقل و فواد۔ امارہ و مطمئنہ کو پیدا کیا۔ تاکہ ہر ایک اپنی ہمت و استعداد میں کوشاں رہے۔ اور خار و گل پیدا ہوتے رہیں اور نظامِ عالم ناسوت قائم رہے نفس و دماغ دمِ فطری اپنی سرکشی پھیلا رہے تھے مگر تیرے رب کا کلمہ تقدیر پورا ہوگیا۔ کہ البتہ تمام جناتِ اشرار باطنی اور انسان خصائلِ رذیلہ سے جہنم فراق و دوزخِ عذاب اور آتشِ لعنت کو بھر دوں گا۔ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ اے محبوب سری حبیب مصطفٰی ہم تمام قاصدان انوار و واردات احوال کے واقعاتِ اسرار لطائف غیب تجھ پر ظاہر فرما دیتے ہیں جن سے معراج عرش پر تیرا انوار جسدی ثابت و قائم ہو۔ یہ واقعاتِ حسن و جمال وہ ہیں جن سے تیرے لیئے معرفت حق ہے اور قلب عرشی کے ماننے والے کے لیئے اہل معاملات کے لیے بصیرت کا وعظ اور بصارت کی نصیحت۔ وارداتِ اجسام اور تغیراتِ قالب کی خبریں قلب انوار کے سامنے اس لیے بیان کی جاتی ہیں کہ یہ قصے روح و شعور کے لیے ثبوتِ حق ہے اور حالاتِ باطن اعضاءِ ظاہر کے لیئے عبرت کا موعظہ ہیں۔ واقعاتِ اشرار مومنین اخیار کے لیے ذکریٰ اور نصیحتِ ہمت و تقویٰ ہے۔ (تفسیر محی الدین ابن عربی۔ عرائس البیان) ٭

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ

اور فرمادو کہ ان جو نہیں مومن بنتے عمل کیئے جاؤ پر جگہ اپنی بے شک ہم اپنا عمل

اور کافروں سے فرماؤ تم اپنی جگہ کام کیئے جاؤ ہم اپنے کام

اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ

کرنے والے ہیں اور انتظار کرو تم بے شک ہم بھی منتظر ہیں اور ہی کے لیئے

کرتے ہیں اور راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہیں اور اللہ

غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ

اللہ کے غیب ہے آسمانوں اور زمین کا اور طرف اس کے لوٹائے جائیں گے امر

ہی کے لیئے ہیں آسمانوں اور زمین کے غیب اور اسی کی طرف سب کاموں

كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ

سب کے سب تو عبادت کرو اور بھروسہ کرو پر اسی اور نہیں ہے رب آپ کا کچھ غافل

کی رجوع ہے تو اس کی بندگی کرو اور اس پر بھروسہ رکھو اور تمہارا رب تمہارے

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ع

اس سے جو کرتے ہو تم لوگ

کاموں سے غافل نہیں

ع ۱۰

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں وہ کلام درج تھا جو رب نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔ جس میں تسلیاں اور چند احکام تھے۔ اب نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ جس طرح سابق انبیاء نے کفار کے ایمان سے مایوس ہو کر آخری فیصلہ کن بات کی تھی آپ بھی کفار سے اسی طرح فرما دیں۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا۔ کہ ہم تمہارے اعمال دیکھتے ہیں۔ اب اس کا سبب بتایا جا رہا ہے کہ ہم غیب دان ہیں اور عالم الغیب کا لقب ہمارا خصوصی لقب ہے۔ اور یہ کہ ہم غفلت ونسیان سے بھی پاک ہیں۔ گویا کہ یہ آیت پچھلی آیات کا خلاصہ ہے (تفسیر رازی)

تفسیر نحوی۔ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنَّا عٰمِلُوْنَ وَانْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ۔ واؤ

واؤ سرجملہ قل اسم حاضر معروف واحد مذکر اس کا فاعل اَنتَ خطاب نبی کریم کو ہے لام جارّہ مفعولیت کا اَلَّذِیْنَ اسم موصول بحالت جر متعلق ہے قل لَا یُؤْمِنُوْنَ فعل حال منفی ہے اس کا مصدر ایمانٌ باب افعال سے ہے یہ جملہ فعلیہ صلہ ہے موصول جمع کا۔ اِعْمَلُوْا یہ جملہ مقولہ ہے قول کا فعل امر ہے بصیغۂ جمع مذکر حاضر عَمَلٌ سے بنا علیٰ جارّہ بمعنیٰ فی مکانۃ اسم ظرف مؤنث مضاف ہے ضمیر کُمْ کا۔ اِنَّ حرف تحقیق نا ضمیر جمع متکلم اسم اِنَّ عٰمِلُوْنَ اسم فاعل جمع مذکر کا صیغہ اس کا واحد عامِلٌ ہے۔ عَمَلٌ سے بنا بمعنیٰ قلبی لگاؤ سے کام کرنا، واؤ عاطفہ اِنْتَظِرُوْا فعل امر بصیغۂ جمع مذکر باب افتعال سے ہے۔ یہ جملہ عطف ہے قل کے مقولے پر۔ اِنَّ تحقیقی نا ضمیر اس کا اسم منتظرون اسی باب کا اسم فاعل جمع بمعنیٰ انتظار کرنا۔ نظرٌ سے بنا۔ لغت کا ترجمہ آنکھ لگانا ۔ وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ - واؤ استینافیہ لام جارّہ ملکیت کا لفظ مجرور متعلق ہے ثابتٌ اسم فاعل پوشیدہ مبتدا کے غیب مصدر مضاف بر وزن بیعٌ بمعنی اسم مفعول یعنی مغیب اسم جنسی ہے۔ اَلسَّمٰوٰت الف لام استغراقی۔ سمٰوات جمع ہے سماءٌ مفعول فیہ مضاف الیہ واؤ عاطفہ اَلْاَرْضَ الف لام استغراقی یا عہدی معطوف سمٰوات کا۔ واؤ سرجملہ اِلیٰ جارّہ ہٖ ضمیر مجرور متصل کا مرجع اللہ تعالیٰ متعلق مقدم ہے یُرْجَعُ سے یہ فعل یا مضارع مجہول یا معروف اگر مجہول ہو تو بمعنیٰ رَدٌّ، اگر معروف ہو تو بمعنی عودٌ یعنی لوٹنا اَلْاَمْرُ الف لام عہدی یا استغراقی مؤکد ہے كُلُّهٗ سے لفظاً اسم جمع ہے کلیہ کا سور ہے بحالت رفع تاکید تابع ہے اَمر کا اور وہ فاعل یا غائب فاعل ہے یُرْجِعُ کا مرجع امر ہے یا یہ عطف بیان ہے۔ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔ فا ترتیبیہ اُعْبُدْ فعل امر حاضر معروف صیغۂ واحد مذکر حاضر اس کا فاعل ضمیر اَنتَ کا مرجع یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا عام مومن ہٗ کا مرجع اللہ تعالیٰ واؤ عاطفہ تَوَكَّلْ باب تفعّل کا امر حاضر معروف وکلٌ سے بنا بمعنیٰ سپرد کرنا یہاں مراد بھروسہ کرنا۔ علیٰ حرف جر بمعنیٰ فوقیت ہٖ کا مرجع ذات باری تعالیٰ۔ خطاب میں وہی دونوں احتمال جو فَاعْبُدْهُ میں تھے۔ واؤ سرجملہ مَا نافیہ مشبہ بلیس رَبٌّ بمعنیٰ مربی یا پالنے کا صیغہ ہے مراد اللہ تعالیٰ مضاف ضمیر مخاطب کی طرف اسم ہے۔ بِغَافِلٍ با زائدہ معنیً مذکر محلاً۔ غافلٍ اسم فاعل واحد مذکر غفلٌ سے بنا بمعنیٰ بھولنے والا یا بے پروا ہی۔ اور کنز ذہنی سے بھولنا نسیان ہے۔ عَنْ حرف جر بمعنی مِنْ بیانیہ مَا موصولہ مجرور تَعْمَلُوْنَ فعل مضارع معروف بصیغۂ جمع مذکر حاضر عَمَلٌ سے بنا بمعنیٰ عقیدۃً کام کرنا۔ یہ جملہ صلہ ہو کر متعلق ہے غافل کے۔

تفسیر عالمانہ

وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنَّا عٰمِلُوْنَ وَانْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ۔ اے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم قصہائے مبارکہ سے معلوم ہو گیا کہ انبیاء سابقین نے کیا فرمایا اور قوم نے کیا جواب دیا۔ بالکل اسی طرح کا سلوک آپ سے آپ کی یہ بکی برادری کر رہی ہے للہذا چونکہ آپ بھی ہر طرح ان کو سمجھا چکے سابقہ قوموں کے حالات وانجام انہوں نے بھی سن لیے مگر بجائے نصیحت پکڑ کر ایمان لانے کے ان کی خباثتیں اور ایذائیں مسلمانوں پر زیادہ ہی ہوتی جا رہی ہیں۔ للہذا جس طرح انبیاء سابقین نے اپنی قوموں سے آخری کلام فرمایا

آپ بھی فرما دیجئے ان لوگوں کو جو اہل مکہ میں سے ایمان نہیں لاتے اس دین حق پر۔ نہ مواعظ حسنہ سے اثر لیتے، نہ تذکروں سے عبرت پکڑتے ہیں۔ کہ اے کافرو تم اپنے ٹھکانوں پر یا اپنی جگہ یا اپنی سرکشی سے کفریہ اعمال کئے جاؤ۔ بیشک ہم مسلمان اپنے حال پر اپنے دین پر اعمال کئے جاتے ہیں۔ تم نصیحت نہیں پکڑتے تو نہ پکڑو ہم تو نصیحت ماننے والے سچے دل کے لوگ ہیں۔ اب ہم کو تمہاری ایذاؤں، سختیوں، بائیکاٹوں اور طعنوں کی پرواہ نہیں ہے نہ ہم تمہاری گستاخیوں سے غمگین ہوں کیونکہ ہمارے پروردگار نے سابقین کے قصوں کے وسیلے اور بلا وسیلہ سے ہمارے دلوں کو مطمئن پرسکون، اور مضبوط فرما دیا ہے۔ اب تو صرف یہی ہے وَانْتَظِرُوْا تم اپنے شیطانی وعدوں کا انتظار کرو۔ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ۔ بیشک ہم اپنے رب کریم کے وعدوں کا انتظار کرنے والے ہیں۔ یا تم اپنے پنڈتوں پادریوں، راہبوں کے جھوٹے اقوال کے مطابق بتوں سے جو آسیں لگائے بیٹھے ہو۔ اس کا انتظار کرو۔ اور ہم مسلمان اپنے نبیوں، ولیوں، عالموں کے سچے فرمان کے مطابق اللہ کی رحمت کی آس دنیا و آخرت میں لگائے بیٹھے ہیں اس کا انتظار کریں، یا وہ عذاب دنیا یا آخرت جو تم پر عنقریب ٹوٹنے والا ہے، جس کو تم جھٹلائے بیٹھے ہو، تم اس کا انتظار کرو۔ اپنے پر اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں تم پر آنے کا کہ دنیا میں آئے گا بشکل جنگ اور قتل عام اور آخرت میں بشکل جہنم۔ یا تم ہم پر مصیبت کا انتظار کرو جیسا کہ تمہارا عقیدہ ہے کہ ہمارے بت تم کو ذلیل کریں گے۔ اور ہم تم پر ذلت و خواری کا انتظار کرتے ہیں۔ کہ تم کو اسی اپنے وطن اپنی برادری مکے شہر میں منہ چھپانے کی جگہ نہ ملے گی، اور تمہارے یہی بت سڑکوں پر ٹوٹے ہوئے غلاظتوں میں پڑے ہوں گے۔ ان آیات میں جھڑک اور وعید شدید ہے کہ ابھی تمہارا وقت ہے کر لو اپنی طاقت کے بل بوتے پر من مانی شرارتیں۔ اس لیئے یہ آیات محکم ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ آیات یکگونہ مہلت دینا ہے تب یہ منسوخ ہوں گی، جہاد کی آیات سے کہ جہاد فرض ہونے پر کفار کو من مانی شرارتیں کرنے کی مہلت نہ رہی، مگر مفسرین کے نزدیک پہلا قول قوی ہے میں بھی اپنی تمام تفسیر میں درست قول پہلے نقل کرتا ہوں۔ ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام حضرت شعیب علیہ السلام کے کلام کی مثل ہے کہ اے کافرو تم جتنی مجھ کو اور مسلمانوں کو ایذائیں دینا چاہتے ہو، دے لو جو کچھ ہم پر پہاڑ ڈھانا طوفان لانا چاہتے ہو، ڈھا لو اور لے آؤ، جو عمل کرنا چاہتے ہو کر لو، ہم اپنی آسیں اپنے عمل یعنی صبر و شکر کریں گے، تم شرارتوں پر ڈٹے رہو ہم صبر پر۔ تم اپنی آسیں پوری کر لو، اللہ کے ذکر کو مسجدوں محفلوں سے بند کرا کر ہم اپنی آسیں پوری کر لیتے ہیں دھوم دھام سے اللہ رسول کا چرچا کر کے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے، سب حرکتیں جانتا ہے کیونکہ۔ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔ اور خاص اللہ ہی کے لیئے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب کہ وہ مالک کل ہے غیب کا اور جو کل مالک ہوتا ہے وہ دوسرے کو دینے پر قادر ہوتا ہے۔ ورنہ ملکیت تامہ نہ ہوگی۔ لفظ غیب مصدر بمعنی غائب ہے اس کی اضافت آسمان کی طرف اضافت ظرفیہ ہے کیونکہ یہاں فی پوشیدہ ہے۔ دراصل تھا غیب فی السموات والارض

اس طرقیت سے عموم کا فائدہ ہوا کہ کائنات کا سب غیب اللہ جانتا ہے۔ جب وہ اللہ اپنے بندوں کو جانتا ہے تو ان کے اعمال سیئہ وحسنہ سے کیونکر بےخبر ہو سکتا ہے۔ اعمال پر بھی اللہ تعالیٰ پوری طرح غالب ہے کیونکہ وَاِلَیْهِ یُرْجَعُ اور اس کی طرف اے نبی کریم لوٹائے جاتے ہیں ہمیشہ دنیا جہان میں یا لوٹائے جائیں گے آخرت میں۔ تمام معاملات ومقدمات اور دعوے بھی عدالت اسی کی ہے۔ وہ خود ہی ہر ایک کا عدل وفضل سے فیصلہ کرنے والا ہے۔ تو تم کو کیا فکر ہے فَاعْبُدْهُ تمہارا کام یہ ہے۔ کہ بس اس رب کریم کی ہمہ تن مصروف رہ کر ہر وقت عبادت کیے جاؤ، اور ثابت وقائم رہ کر اس کی توحید کے نقارے بجاتے رہو۔ اپنے کاموں کی روزی ورزق اور سامان حیات کی کفار کی ایذاؤں کی فکر مت کرو، بلکہ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ اس کے سپرد کر دو۔ اسی پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے، سزا وجزا کی دیر سے اے مسلمانوں پریشان نہ ہونا، یہ وہ عدالت یا وہ حاکم نہیں، جو اپنی فائلوں، ریکارڈوں، مدعی یا مدعی علیہ سے غافل ہو جائے۔ اس حاکم کل، عادل مطلق کی شان یہ ہے وَمَا رَبُّكَ۔ آپ کا رب آپ تمام لوگوں کے کسی عمل سے غافل نہیں تم انسانوں میں سے جو جس قسم کا عمل کرتا ہے اچھا یا برا وہ اللہ اس کو جانتا ہے پورا بدلہ دے گا۔ یہ ڈھیل اور تاخیر تو صرف چند دنیوی ساعتوں کی ہے۔ اس کی بارگاہ میں نہ غفلت ہے نہ سہو نہ کسل۔ نہ ظلم جو اتنی شاندار عدالت ہو تو پھر فکر کاہے کی۔ کعب احبار سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ کی توریت کی ابتدائی آیات سورۂ انعام کے مثل تھیں۔ اور آخری آیات سورۂ ھود کی یہ آخری آیات تھیں (روح البیان) الیہ کو یرجع پر مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا کہ تمام معاملات اسی بارگاہ میں پیش ہوں گے یا ہوتے ہیں۔ نہ کہ کسی اور کے پاس ایک قرأت ہے تَعْمَلُوْنَ لیکن دوسری قرأت میں یَعْمَلُوْنَ تب یہ وعید ہوگی (مدارک) بندہ جن کی پہچان کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ وہ تین چیزیں ہیں ۱: ماضی ۲: حال ۳: مستقبل۔ بندے کی ماضی تو یہ ہے کچھ نہیں جانتا بجز چند صفات باری عزاسمہٗ کے بس اعتقاد بنا لے کہ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، اللہ ہی جاننے والا ہے تمام کلیات جزئیات کا معدومات موجودات حاضرات غائبات حیوانات وذرات کے غیبی حالات۔ بندے کے حال کی شان یہ ہے کہ ہر طرح محتاج ہے۔ لہٰذا واجب ہے فَاعْبُدْهُ، بندے کا مستقبل یہ ہے کہ غور کرلے اس کا حال کیا ہونے والا ہے سعادت سے یا شقاوت حیات جسمانیہ کے ختم ہونے کے بعد بس یاد رکھیے وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ ہم فنا ہو جائیں گے۔ ہماری ہڈیاں بھی بن کر اڑ جائیں گی۔ ہم غفلت کی دبیز تہوں میں فنا ہو چکے ہوں گے۔ مگر تیرا رب ہمارے کرتوت سے غافل نہ ہوگا۔ عبرت کے لیے یہ تو آخری کلمہ ہی کافی ہے۔ (مظہری۔ مدارک۔ ابن کثیر۔ معانی بیان۔ تفسیر احدیث۔ جمل۔ صاوی۔ سراج منیر) بحمدہٖ آج مورخہ ۲۸ ذیقعدہ ۱۴۰۰ھ بروز بدھ گزار کر جمعرات کی رات بعد نماز عشاء مطابق آٹھ اکتوبر ۱۹۸۰ء سورۂ ھود کی تفسیر عالمانہ مکمل ہوئی۔

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ امر ہمیشہ وجوب کے لیے نہیں ہوتا امر کے لغوی سولہ معنی ہیں وجوب کے علاوہ بھی اظہار غضب کے لیے بھی امر کا صیغہ بولا جاتا ہے یہ فائدہ اِعْمَلُوْا

فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں کفار کو کفر اور بد دیانتی ظلم کرنے کی اجازت یا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ فقط اظہار ناراضی ہے **دوسرا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ضرور ضرور علم غیب عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ یہ عطاء غیب باختیار ملکیت کلیہ کے اظہار کے لیے ہے یہ فائدہ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الخ) کی تفسیر سے حاصل ہوا کیونکہ لام خصوصیت اور ملکیت کا ہے جیسے کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اللہ مالک ہے آسمان و زمین کا، تو زمین جس کو چاہے دے اور وہ اپنے بندوں کو دیتا ہے۔ بندوں کے پاس زمین ہونا ملکیت الٰہی کے خلاف نہیں۔ اسی طرح بندوں کے پاس علم غیب ہونا رب کی ملکیت غیب کے خلاف نہیں۔ یوں ہی رب تعالیٰ آسمانوں کی ملکیت عارضی اپنے نبیوں کو عطا فرماتا ہے **تیسرا فائدہ**۔ دنیا میں بندوں کو اطمینان قلبی فقط دو چیزوں سے میسر ہوتی ہے ملا اللہ کی سکینہ جماعت کے نزول سے اور ذکر انبیاء سے۔ مگر ذکر انبیاء کی شان بڑھ گئی کہ سکینہ فرشتے خود چل کر آتے ہیں۔ تب سکون ملتا ہے لیکن انبیاء کے ذکر ہی سے یہ فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ سکینہ جماعت تو کسی پر آتی ہے کسی کے پاس نہیں مگر ذکر انبیاء رب تعالیٰ نے ہمارے اختیار میں دے دیا۔ کہ جب چاہو اس سے مردہ دلوں کو زندہ غمگینوں کو خوش دل کر لو۔ جب ذکر انبیاء کی یہ شان ہے تو ذکر مصطفیٰ کی کیا شان ہوگی۔ یہ فائدہ نَقُصُّ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ کا علم غیب تو ذاتی قدیم ہے مگر بندوں یعنی اولیاء اللہ انبیاء کرام کا علم غیب تین طرح سے۔ اللہ کی وحی سے۔ الہام سے اور تعلیم سے۔ اولیاء اللہ کا علم الہام سے تمام انبیاء کرام کا علم غیب وحی خفی و جلی سے مگر پیارے آقا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کا علم غیب تعلیم الٰہیہ سے۔ یہ فائدہ لِلّٰهِ (الخ) میں لام تخصیص سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑھ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ۔ یعنی عبادت کا ذکر پہلے کیا توکل کا بعد میں۔ حالانکہ توکل پہلے مذکور ہونا چاہیئے۔ کیونکہ توکل علی اللہ ہوتا ہے تب ہی عبادت خالص اور صحیح ہو سکتی ہے۔ اس عکس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب**۔ اولاً تو واؤ ترتیب کے لیے نہیں ہوتی۔ اس لیے ترتیب حقیقی نہ ہوئی لہٰذا کہا جاسکتا ہے کہ توکل پہلے ہو اور عبادت بعد میں۔ اور ترتیب ذکری ترتیب حقیقی کو ختم نہیں کر سکتی۔ جواب دوم یہ کہ سیر ملکوت کے لیے اور قرب الٰہیہ کے واسطے درجات اعلیٰ عبادت سے پائے جاتے ہیں۔ اس لیے عبادت کا حکم پہلے ہے اور سیر الی اللہ کی انتہا توکل ہے لہٰذا اس کا ذکر بعد میں۔ علماء شریعت فرماتے ہیں کہ عبادت بیج اور جڑ ہے توکل کی۔ جو عبادت نہ کرتا ہو۔ تارک نماز ہو وہ توکل کر سکتا ہی نہیں۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا اِعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ۔ یہ امر کفار کو دیا گیا۔ حالانکہ کفار کے عمل کفریہ ہی ہوتے ہیں۔ تو کفر کرنے کو لازم یا جائز کیوں کہا گیا؟ **جواب**۔ اس کا جواب تفسیر میں دیا گیا کہ امر صرف وجوب کے لیے ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے بہت معنیٰ ہیں۔ یہاں امر اظہار غضب کے لیے ہے۔ جیسے کہ دشمن سے کہا جاتا ہے کہ کر لے دشمنی جتنی تیری طاقت ہے تو یہ رضا نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہاں بھی اِعْمَلُوْا میں رضا نہیں ہے نہ اجازت کفریات۔ **تیسرا اعتراض**۔ وَلِلّٰهِ کو مقدم کرنا غَيْبُ السَّمٰوٰتِ پر حصر کا فائدہ دیتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی علم غیب ہے۔ اہلسنت لوگ

انبیاء کرام اور بعض اجلائے اولیاء اللہ علم غیب جانتے ہیں وہ اس حصر کے خلاف ہے؟ (وہابی) جواب - اگر یہاں حصر مطلق مانا جائے تو معترض کے بھی خلاف ہے کیونکہ انبیاء، اولیاء کے لیئے بعض علم غیب کا وہ بھی قائل ہے - لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ حصر علم ذاتی کا ہے - یعنی ذاتی علم غیب صرف اللہ کریم جل وعلیٰ کو ہے ذرہ بھر کسی کو شک نہیں - ہاں علم عطائی انبیاء کرام و اولیاء اللہ کو بھی ہے -

تفسیر صوفیانہ

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنَّا عٰمِلُوْنَ وَانْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ - اے قلب عرش کے مکین محبت فرما دے ان اہل کثافت کو جو کفران ظلم کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے تم اپنی جگہ اعمال ذمیمہ فساد لعینہ مچاتے پھرو، بیشک ہم اپنے مقام قرب میں اعمال وصل کرنے والے ہیں تم بھی عذاب فراق فناء ہلاکت کا انتظار کرو - بیشک ہم بھی تم پر اسی سزا، وعید کا انتظار کرنے والے ہیں - عنقریب ایک وقت آنے والا ہے جب عالم اجسام میں نفسی نفسانیات کی ایسی ہلاکت ہوگی - کہ نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا - ظلمات کا دور دورہ ختم ہو چکا ہوگا سلطنت انوار قائم ہوگی - سینۂ عاشق میں زور باطل کم ہو جائے گا - جلوہ گری مطلوب کی ہوگی - راہ عرفان کے مسافر کو جاننا چاہیئے کہ ایمان عالم کے لحاظ سے چار قسم کے طالب ہیں (۱) لباس سعادت میں روح و نفس کے اہل سعادت - یہ لوگ عشق کی اطاعت کرنے والے ہیں - شریعت و طریقت ان کے باطنی خزانے ہیں (۲) لباس شقاوت میں شقی ازلی - یہ لوگ اہل کفر و سرکشی پر رہنے والے ظاہر و باطن کے بدنصیب (۳) لباس سعادت میں شقاوت نفس والے چراغ مصطفوی لے کر دعوے فریب کا فساد پھیلانے والے یہ منافق عادات کے نفسانی ساتھی ہیں (۴) لباس شقاوت کو پہن کر سعادت روح کے چراغ جلانے والے خزانۂ ظاہری سے محروم رہ کر دولت وصل پانے والے یہ وہ بندگان بارگاہ قدس ہیں جن کو خود ید اللہ سرمدی لباس شقاوت اتار کر انوار و جمال کا لباس ابدی اور دست رولایت اور تخت محمود عطا فرماتا ہے پس اصل اصول یہی عنایت ازلیہ، ھدایت الٰہیہ اور سعادت اصلیہ ہے - صوفیا فرماتے ہیں کہ طریقت کی پہلی سیڑھی ہدایت توفیق الٰہی دوسری سیڑھی ایمان قلبی - تیسری سیڑھی عقیدت و ارادت، چوتھی سیڑھی راہ سلوک، پانچویں سیڑھی وصل انوار چھٹی سیڑھی، مشاہدۂ جمال، ساتویں سیڑھی مکاشفۂ اسرار آٹھویں سیڑھی دریچۂ معرفت نویں سیڑھی قرب ذات دسویں مقام محبوبیت کا ابتدائی باب لطف ہے - ھدایت کے بغیر ایمان نہیں، ایمان کے بغیر ارادت نہیں - ارادت کے بغیر سلوک نہیں - سلوک کے بغیر وصل نہیں - طالب مختلف ہیں - کوئی طالب دنیا، کوئی طالب آخرت، کوئی طالب مولیٰ - طالب حق اور طالب مولیٰ وہی ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ طبیعۃ جسمانیہ کی ظلمت سے نکال کر اپنی رحمت کے نور میں داخل فرما دے اور قوت روحانیہ سے نکال کر طلب ربوبیتہ کے نور کی طرف لے جائے - جو بندہ اس احسان میں جاتا ہے تو وہ نہ طالب دنیا ہوتا ہے نہ طالب عقبیٰ بلکہ طالب جمال خدا اور عاشق جلال الٰہ ہوتا ہے - اسی طلب و تلاش کے لیے بندوں کو پیدا کیا گیا - طالب حسن کی استعداد و قوت اسی کا کرم ہے - طلب کی توفیق اس کا رحم ہے اور وجدان کی فضیلت اس کا فضل ہے - ہر ایک کا حصہ ازل میں مقرر ہو چکا ہے - ارواح متکبر جو قابل ہلاکت ہیں - ذریت ابلیس کا حصہ جہنم فراق و درد ہے وہ ان ہی سے بھری جائے گی، اور جو نفوس

نفسِ امارہ بسبب رو سیاہیوں کے طلبِ الٰہی سے دُور ہے ۔ ان سے بھی آتشِ ہجراں بھرا جائے گا۔ کہہ دے اے انوارِ قلوب کے بادشاہ کہ اے نامحرمِ راز جب تو حقیقتِ حال کو جان لے اور اس کلام کے بھید کو پا لے تو اپنی ہمت ہر حال کے لیے متعلقہ کے حصول میں خرچ کر اور واصلینِ حق کا مقام حاصل کرنے کی کوشش کر۔ کہ یہی انتہائی مقصد ہے ۔حق اُس کی طرف آتا ہے جس کے لیے رَبّ تعالیٰ اپنے الطافِ قدیم کے دروازے کھولائے ۔لطف و قہر دونوں کے دروازے بند اور مقفل ہیں اِن کی چابی فتاح القدیر کے ہاتھ میں ہے جس طرح بغیر چابی دنیا کے تالے نہیں کھلتے، اسی طرح لطف کے دروازے بھی مفتاحِ قدیر کے بغیر نہیں کھلتے ۔عاقل بادم کو چاہیے حق کو اس کے باب لطف سے طلب کرے نہ کر باب قہر سے ۔ راہِ مرادیں طلب رزق اسباب سے اور دخل ابا ت باب سے ہے ۔ اے اوّل و آخر کے بادشاہ انکو فرما دے جو طلبِ حق اور وجدانِ خدا کو نہیں مانتے تم بابِ قہر میں رہ کر مقاصدِ فناہ کی طلب میں عملِ بیہودہ کرتے رہو، عمریں برباد وقت ضائع کرتے رہو اور ہم اپنے باب لطف و کرم میں بیٹھ کر طلبِ حق کے عمل کرتے رہیں ۔تم قہر کا انتظار کرو ہم مہر و محبت اور وجدانِ الٰہی کا انتظار کرنے والے ہیں ۔جب تک عاشقِ الٰہی کی طرف رَبّ کی نظرِ لطف رہتی ہے بندہ دوعالم سے بے نیاز ہو جاتا ہے ۔اور حالتِ قرب میں پکارتا ہے وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔ عبادتِ عبدی کے تین مقام ہیں (۱) مقامِ توکل کی عبادت توکل ہے (۲) مقامِ رضا کی عبادت رضا ہے (۳) مقامِ فنا کی عبادت فنا ہے اور عبادت ترک عادات ہے قلب کی عبادت مخالفتِ نفس ہے ۔آسمان عبادت ماسوی اللہ سے دوری ہے ۔اور زمین عبادت مجاہداتِ عجز و نیاز ہیں ۔ان عبادتوں کے ذریعہ بندہ مقامِ عبادت سے ترقی پاکر مقام عبودیت پہ پہنچ جاتا ہے ۔ یہ عبادت کمالِ توحید سے ملتی ہے ۔اور کمالِ توحید معاودتِ اعمال سے اور مداومت ۔ ملازمت عبادات سے ملتی ہے ۔ اور ملازمت عبادات ذکر ہر حالات سے نصیب ہوتی ہے ۔اللہ کے زمین و آسمان کے غیب ہیں ۔اور اسی کی طرف ہر خیر و شر معاملات رجوع کرتے ہیں ۔پس اے روح و قلب شعور و ضمیر اعضاءِ ظاہری و باطنی اسی کی عبادت کر اور اسی پر بھروسہ کر۔ اور نہیں ہے تیرے ظاہر و باطن کا رَبّ غافل اس سے جو تم اپنے شعور قلب، ضمیر و روح اعمال کرتے ہو۔ آسمانِ ارواح اور زمین قلوب کے تمام غیبی اسرار اللہ کے علم میں ہیں ذات محو کے پوشیدہ خزانے اسی کے علم تقدیر میں ہیں ۔ ہر روح امری اپنے مشرب کے اعتبار سے اسی کی طرف لوٹنے والی ہے اے مرد میداں راغب ہو عبادات ذاتِ قدیم کی طرف ۔کیونکہ عبودیت سے حریت حریت سے توحید ۔توحید سے تجرید تجرید سے تفرید اور تفرید سے محو ذات ،اور محو ذات سے محو صفات پیدا ہوتی ہے ۔جب مقام ملتا ہے تو بندے کو زوال کا خوف نہیں رہتا۔ شکر ہے رب کریم کا احسان ہے پیارے رسول کا نظر ہے غوث جیلان کی اور نوازش ہے ۔ والد رحیم کی ۔کہ آج بروز جمعرات ۱۲ ربیع الاوّل شریف ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۹ فروری ۱۹۸۱ء سورۂ ھود شریف کی تفسیر صوفیانہ مکمل ہوئی ۔ تفسیر روح البیان کی یہ سورت بھی ۱۱۰۳ھ میں ربیع الاول شریف کی ۲۴ بروز سینچر مکمل ہوئی تھی ۔ یا رب دونوں کو قبول فرما

یا اللہ جل جلالہ بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سورۂ یوسف مکی ہے۔ ترتیبِ قرآن مجید کے لحاظ سے بارہویں سورت ہے۔ اس کی آیات ایک ۱۱۱ سو گیارہ ہیں۔ اس کے اعداد ابجد کے حساب سے ۵۰۳۹۰۰ ہیں۔ اس کے رکوع بارہ ہیں۔ اس میں ایک ہزار چھ الفاظ ہیں۔ اور سات ہزار ایک سو چھیاسٹھ حروف ہیں۔ (خازن)

شانِ نزول

اس کے شانِ نزول میں دو قول ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں قرآن مجید سنانا شروع کیا۔ اور کفار مکہ پریشان ہوئے تو اردگرد کے یہودیوں نے کفار مکہ سے کہا ہم تم کو ایک طریقہ بتاتے ہیں جس سے تم کو محمد مصطفیٰ سے نجات مل جائے گی۔ وہ یہ کہ ان کا دعویٰ ہے کہ ان پر خدا کا کلام آتا ہے۔ اور ان کی عمر ساری کی ساری مکے میں ہی گزری ہے۔ لہٰذا بطورِ امتحان ان سے پوچھو کہ بنی اسرائیل مصر میں کس طرح پہنچے۔ اگر وہ غلط باتیں کرتے ہیں تو ضرور پریشان ہوں گے۔ اور وہ کسی یہودی سے پوچھنے کے لیے باہر نکلیں گے تم ان کا پیچھا کرنا، تم کو سچ جھوٹ کا پتہ لگ جائے گا۔ اور یا آئندہ کلام بنانا، سنانا چھوڑ دیں گے۔ مکے میں کوئی جانتا نہ تھا۔ نہ صحیح تاریخ شائع تھی۔ تب کفار مکہ نے آپ سے یہی سوال اور مطالبہ کیا۔ مکی دور کے آخری دن تھے۔ تو یہ ساری کی ساری سورت اس وقت مکے شریف میں نازل ہوئی۔ نبی کریم کو کہیں جانا نہ پڑا۔ (مظہری)۔ یہ ضحاک کی روایت ہے۔ عن ابن عباسؓ۔ دوسرا قول بروایت سعد بن ابی وقاص ہے۔ کہ مکے کے کافروں نے جب کچھ دنوں قرآن پاک سنا تو بارگاہِ رسالت میں آکر عرض کیا کہ ہمیں کوئی کہانی سنائیں جس سے ہمارا دل خوش ہو۔ بعض کافر کہتے تھے کہ معاذ اللہ یہ مدعیٔ نبوت صرف قصہ گوئی کرتے ہیں۔ اور کہانی بناتے رہتے ہیں پھر ہم کو سنا دیتے ہیں ہم کیا جانیں کہ یہ قصے سچے ہیں یا جھوٹے۔ عرب کے لوگ خاص کر مکے کے لوگ زیادہ تر جاہل تاریخ سے بالکل ناواقف تھے۔ اس لیے یہی بیہودگیاں کرتے تھے۔ تب یہ سورت نازل ہوئی۔ اور فرمایا گیا کہ اپنے ساتھیوں یہودیوں سے تصدیق کر لو کہ یہ واقعہ سچا ہے کہ نہیں۔

فائدے

اس سورت سے چند فائدے حاصل ہو رہے ہیں۔ پہلا فائدہ یہ سورت نبی کریم اور قرآن پاک کی حقانیت کی ایسی دلیل ہے کہ جو کفار نے خود مطالبے سے حاصل کی۔ دوسرا فائدہ۔ عام طور پر اس زمانے میں بھی اور آجکل بھی کفار اور مغربی انگریز بھی اور یہود و نصاریٰ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے سن سنا کر یہ قصے بنا ڈالے۔ کفار مکہ تو یہ کہتے تھے۔ کہ نبی کریم قصہ گویوں کے پاس بیٹھ کر یہ قصے بنا لیتے ہیں۔ اور یہودی کہتے ہیں اور کہتے تھے کہ ہماری موجودہ توریت اور بائیبل وغیرہ سے سن کر نبی کریم نے قرآن بنا لیا۔ اس کی تردید ہر واقعہ میں موجود ہے خاص کر اس سورتِ یوسف میں بڑی فصاحت سے جواب ہے کہ توریت

انجیل میں حضرت یوسفؑ کا واقع اس طرح نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ اگر یہ قصہ بائیبل سے لیا جاتا تو بعینہٖ اسی طرح ہوتا جس طرح انجیل پیدائش کی بائیبل میں حالانکہ بائیبل میں جس طرح حضرت یوسف کی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے اس کو پڑھ کر کوئی بھی شخص حضرت یوسف کو اولوالعظم ذی شان نبی تو درکنار ایک شریف انسان ماننے کے لیے بھی تیار نہیں۔ حضرت یوسف کو بچپن میں بائیبل نے چغلخور بنایا (پیدائش باب ۳۷ آیت ۲) حضرت یعقوب کو نادان بے صبرا اور خدا کا گستاخ بنایا۔ (پیدائش باب ۳۲ آیت ۲۹) یوسف کو جوانی میں تہمت لگانے والا بنایا (پیدائش باب ۴۴ آیت ۸-۹) حضرت یوسف کو مصر میں ایک ظالم حاکم بنایا (پیدائش ۴۷ آیت ۱۳-۱۴) بھائیوں سے ملاقات پر شرابی بنایا۔ (پیدائش باب ۴۳ آیت ۳۴) مگر قرآن کریم اس واقعہ کو بیان کرتا ہے۔ تو زندگی کا تابناک پہلو اور زندگی کے ہر پہلو پر درخشندہ اسباق تمام نسل انسانی کے لیے فراہم ہوتے چلے آتے ہیں۔ اور جغرافیائی لحاظ کے علاوہ پاکدامنی اور توحید باری تعالیٰ کا تذکرہ کرنے میں انجیل و قرآن میں فرق نمایاں ہے۔ قرآن مجید جب بھی انبیاء کرام کے قصے بیان کرتا ہے تو دنیا کے سامنے حیات انبیاء مہکتے پھولوں کی طرح دلنشین انداز میں سامنے آجاتی ہے۔ مگر بائیبل نے دنیا کے سامنے انبیاء کرام کا جو حلیہ پیش کیا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سراسر عداوت نبوت اور قرآن مجید ہر واقعہ کا جغرافیائی لحاظ سے تذکرہ کر رہا ہے۔ اور مخالفین کو دیکھنے آنے کی دعوت دے رہا ہے۔ مگر بائیبل نے اندھیرے گھڑے میں ڈالنے کے سوا کچھ نہ کیا۔ ان تغیرات کے ہوتے ہوئے بھلا کس طرح ہو سکتا ہے کہ بائیبل سے کچھ لیا گیا ہو۔ بلکہ بائیبل سوسائٹی نے بہت سے مقامات پر قرآن مجید سے فائدہ حاصل کیا۔

سورۃ یوسف (علیہ السلام) کے فضائل

سورۃ یوسف کے نام اس کا ایک نام سورہ یوسف ہے اس لیے کہ اس میں تفصیل سے حضرت یوسف علیہ السلام کا مکمل تذکرہ ہے یہی نام عوام کی زبان میں مشہور ہے۔ یہی نام ہی قرآن مجید میں لکھا جاتا ہے۔ (۲) اس کا دوسرا نام سورہ عبرت ہے۔ کیونکہ اس میں صاحب دل کے لیے عبرت ہے (۳) اس کا تیسرا نام سورت وعید ہے۔ اس لیے کہ اس میں دھوکہ بازوں جھوٹوں فریبیوں، ظالموں کے لیے وعید اور جھڑک ہے۔ (۴) اس کا چوتھا نام سورۃ احسن ہے۔ کیونکہ اس سورۃ میں احسان کرنے والوں کے لیے امید رحمت کا تذکرہ بدین وجہ حکماء اس کو سورت احسن کہتے ہیں۔ (۵) زاہد اس کو سورۃ زہد کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں عارفوں کے لیے معرفت کی زیادتی اور اسباق ہیں (۶) عارفین اس کو سورۃ معرفت کہتے ہیں کہ اس میں نور اور خوبصورتی اور پہچان ملتی ہے۔ (۷) غمگین لوگ اس کو سورۃ حب کہتے ہیں کہ سچی محبت کا طریقہ یہیں سے حاصل ہوتا ہے۔

۹ ملائکہ اس کو سورۂ حسن کہتے ہیں کہ لباس سلامتی اس سے ملتا ہے۔ ۱۰ انبیاء کرام اس کو سورۂ روح کہتے ہیں۔ کیونکہ تقرب کی بشارت اس میں ہے ۱۱ صوفیائے کرام اس کو سورۂ ریاضت کہتے ہیں۔ کیونکہ سالکان راہ طریقت کے لیے سچی مشق اور منزل حاجات پانے کے لیے ریاضت کرنا اسی سورۃ نے سکھایا۔

اس سورت کو تلاوت کرنے کا فائدہ

قرآن مجید کو پڑھنے کے ثواب کا تعلق تو آخرت سے ہے جو مخلصین کو ضرور عطا ہوگا لیکن دنیوی زندگی میں بھی قرآن پاک کی تلاوت سے بے حد و بے شمار فوائد ہیں۔ چنانچہ اہل عمل حضرات نے ہر سورت کے خواص و فوائد علیحدہ علیحدہ بیان فرمائے ہیں۔ اور جس طرح ثواب اخروی کے لیے کوئی شخص تین مرتبہ قل شریف یعنی پوری سورت اخلاص پڑھ لے یا دو دفعہ سورۃ فاتحہ پڑھ لے تو اس کو پورے قرآن مجید کا ثواب مل جاتا ہے۔ جیسا کہ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ اسی طرح عاملین کاملین فرماتے ہیں۔ کہ دنیوی فوائد کے لیے کوئی شخص روزانہ سورۂ یوسف تلاوت کرلے تو اس کو قرآن پاک کی ایک سو چودہ سورتوں کے فوائد حاصل ہوتے رہیں گے۔ شیخ امام زاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غمگین آدمی سورۂ انعام پڑھے۔ عذاب قبر سے بچنے کے لیے سورۂ اعراف پڑھے۔ نفاق اور منافقوں سے بچنے کے لیے سورۂ انفال پڑھے۔ بیجا غصہ سے بچنے کے لیے سورۂ العصر پڑھے۔ دل کی تنگی سے بچنے کے لیے دو سورتیں آخری قل اور ناس پڑھے جن کو معوذتین بھی کہتے ہیں۔ اور جو چاہے کہ یہ سارے فائدے مجھ کو حاصل ہوں۔ وہ سورۂ یوسف پڑھے روزانہ ایک بار اس کا طریقہ عاملین نے فرمایا کہ بوقت شب باوضو قبلہ رخ ہو کر ایک مرتبہ یا تین مرتبہ مرشد کی اجازت سے پڑھے۔ اول آخر گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھے۔

سورت یوسف کے خصوصی فوائد

شیخ امام زاہد فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد پاک فرمایا کہ جو شخص سورت یوسف کو تلاوت کرے اور اس پر عامل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سختی موت کے وقت اس کی مدد کرتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص دنیا میں اور دین میں بڑا مرتبہ چاہے وہ ہر روز ایک مرتبہ مندرجہ بالا طریقہ سے سورۂ یوسف تلاوت کیا کرے۔ تفسیر روح البیان نے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورت یوسف کی تلاوت سے سکرات موت آسان ہو جاتے ہیں۔ اور پڑھنے والا حاسدین کے حسد سے محفوظ رہتا ہے۔ جو سرور اللہ کے نبی حضرت یوسف کو حاصل ہوئے وہی سرور یا تقویٰ پڑھنے والے مومن کو حاصل ہوتے ہیں۔ غمزدہ کو سنانے سے غم دور ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں چار قصوں کو عبرت فرمایا گیا۔ پہلا قصہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ---- پ ۳

رکوع ۲ . دوسرا قصہ موسیٰ علیہ السّلام کا چنانچہ ارشاد ہوا ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰی ۔ پ ۳۰ سورۃ نازعات رکوع اول ۔ تیسرا قصہ جانوروں کا ۔ چنانچہ ارشاد ہوا وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً نُسْقِیْکُمْ ۔ پ ۱۴ سورۃ نحل رکوع ۹ چوتھا قصہ حضرت یوسف علیہ السّلام کا چنانچہ ارشاد ہوا لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِھِمْ عِبْرَۃٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۔ سورت یوسف پ ۱۳ رکوع ۱۲ ۔

قصہ یوسف کی کچھ خصوصیات

قرآن مجید میں انبیاء کرام کے قصہ بہت جگہ درج ہیں مگر سب مختصر طریقے سے حیاتِ طیبات کے مختلف پہلوؤں کو ہی اجاگر کرتے ہیں ۔ کسی قصہ مبارک کو مکمل رطب و یابس اتار چڑھاؤ اور زمانۂ حیات کے ہر پہلو سے بیان نہیں کیا ۔ مگر جب اسی قرآن پاک میں قصہ یوسف کو پڑھا جاتا ہے تو اس کو ہر لحاظ سے مکمل پایا جاتا ہے ۔ اس قصۂ پاک میں ہر انسان کو انسانی زندگی گزارنے اور مقصدِ حیات کو پا لینے کے پورے پورے سبق سکھائے گئے ۔ کامل زندگی کی بلندو بالا آخری منزل تک جو صراطِ مستقیم جاتا ہے ۔ اس کے تمام موڑ پستی و رفعت پیچ و خم اور راہ سعادت پر چلنے والے کے لیے جو مشکلات پیش آتی ہیں ۔ اور جس سے کم ظرف انسان گھبرا جائے وہ سخت ترین حادثات اسی قصۂ عبرت میں سنائے گئے ہیں ۔ راہ حق سے راہ مارنے والے سنگین مراحل ۔ غافل کرنے والی خوبصورت دنیا کا پردہ اسی قصۂ عجیبہ میں چاک کیا گیا ہے ۔ قدم قدم پر ٹھوکر کھانے والی پرکشش دلچسپیوں کو اس قصۂ نادرہ میں اس طرح سے واضح کیا گیا ہے کہ شک و شبہ کی ذرہ بھر جگہ نہیں رہتی ۔ کبھی تو ایسی دشوار پستیاں ہیں کہ پدر مہربان کی نرم و نازک آغوش مشفقانہ سے اٹھا کر کنعان کے سنگلاخ اندھیرے خشک کنوئیں میں گرایا جاتا ہے ۔ جس سے بڑے بڑے بہادروں کے قدم استقلال ڈگمگا جائیں ۔ اور کبھی وہ شاہانہ بلندیاں ہیں کہ بازار مصر سے بکوا کر تخت شاہی پر پہنچا دیا جاتا ہے جس سے بڑے بڑے نااہلوں کے بھی حوصلے بلند ہو جاتے ہیں ۔ ادھر تو زندگی کے یہ نشیب و فراز اور کٹھنائیاں ہیں ۔ اور دوسری طرف یہ بھی بتا دیا گیا کہ ایسے دشوار دراز راستے کو طے کرنے کے لیے ۔ راہِ طریقت کے مسافر کو کتنے صبر ۔ توکل ۔ پاکیزگی ۔ عزم اور مضبوط ارادے ۔ اعلیٰ ہمت ۔ حیا ۔ باطل سے بے رغبتی ۔ حق سے لگاؤ کی ضرورت ہے کتنا دلنشین ہے ۔ اس سورت کا طرزِ بیان کتنا پُر اثر ہے ۔ کلامِ ربانی کا یہ فرمودہ قصہ ۔ اور کتنا اونچا ہے کائنات میں مقامِ نبوت کہ جب کوئی عقل سلیم اور قلب سعید رکھنے والا یہ دیکھتا ہے کہ وہ عشق الٰہی کا متوالا ۔ جام الست کا سرمست اولوالعزم نبی محبت معبود میں سرشار رسول مصائب کے طوفانوں سے ٹکراتا ہوا ۔ ہلاکت انگیز گردابوں سے کھیلتا ہوا ظلم کی چٹانوں کو کرداتا ہوا گناہوں کی وادی کو روندتا ہوا شیطانی محبت اور گناہ آلود لہروں سے دامن بچاتا ہوا چپ چاپ خاموش لگن سے کچھ دیکھتا دکھاتا اور سنتا سناتا ۔ بکتا بکاتا قربِ حضوری کے ساحل مراد تک بڑھتا چلا آرہا ہے ۔ اور زبان خاموش ہے آنکھیں نیچی ہیں سر بلند ہے ۔ حسن جہان تاب ہے بازو لبیک الٰہی سے وا ہیں قلب مستغنی ہے قدم پُر استقلال ہیں ۔ روح

اپنی پاکیزگیوں میں مقامِ رفعت پر فائز ہے تو وہی عقل سلیم والا دامن نبوت سے وابستہ ہونے قدم نبی میں مچلنے کے لیے بے تاب ہو جاتا اور صحبت پاک رسول سے فیضیاب ہو کر جہانِ فانی کی ہزارہا مصیبتوں کو برداشت کرنے کا حوصلہ پالیتا ہے اور دنیا کے ہر ابتلا سے بطریقۂ احسن نبرد آزما ہونے کے لیے تیاری کرتا ہوا زندگی کی طمانیت روح وجگر کی پاکیزگی میں کوشش کرتا ہوا رواں دواں ہوتا ہے۔ کتنے اعلیٰ ہیں اس سورت میں جواہرات کتنے قیمتی ہیں موتی کیسی حقیقتیں ہیں اس قصے میں۔ کیسا سہل پیرایہ ہے اس کے بیان کا اسی لیے اس کو احسن القصص فرمایا کہ یہاں زندگی کے آلام و آرام۔ دھوپ چھاؤں، فنا بقا کا عمدہ نقشہ کھینچا گیا ہے۔ دوسری خصوصیت اس قصے کی یہ ہے کہ دیگر قصص القرآن خود نازل کیے گئے بغیر کسی کے مطالبے کے مگر یہ قصہ کفار مکہ کے مطالبے پر نازل ہوا۔ یہود علاقہ نے کفار مکہ کو اکسایا کہ تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہو کہ ہم کو یوسف نبی کی بابت خبر دے۔ ان کا یہ مطالبہ محض آپ کو پریشان کرنے کی نیت سے تھا مگر اللہ تعالیٰ نے فوراً یکدم مکمل و مفصل عجیب لذت آفریں پیرائے میں یہ قصہ مبارکہ نازل فرما کر سب کفار کی چالبازیاں توڑ کر رکھ دیں۔ تیسری خصوصیت ہے یہ کہ سارے قصوں میں صرف یہ ہی قصہ وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اور درپردہ کفار مکہ کو بتایا جارہا ہے کہ اے کفارِ مکہ جو کچھ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان کے بھائیوں نے ظالمانہ سلوک کیا وہی کچھ تم کر رہے ہو۔ اور جو بھائیوں کے ارادے تھے کہ یہ یوسف ذلیل و خوار ہوں یا ہلاک ہوں قتل کے منصوبے بنائے تھے اسی طرح تمہارے ارادے ہیں لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ نے بھائیوں کے سب منصوبے خاک میں ملا کر حضرت یوسف کو کمال عروج پر پہنچایا، اسی طرح ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم دن بدن ترقی و تمدن سے بام بلندی پر پہنچتے چلے جائیں گے۔ بھائیوں نے حضرت یوسف کو وطن سے نکالا بہت خفا کارانہ طریقہ سے جس سے یوسف علیہ السلام کے دل کو بہت دکھ پہنچا، مگر یہ نکلنا ترقی اور درجات کا پیش خیمہ ہوا اسی طرح تم بھی ہمارے ان حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت پر مجبور کردو گے مگران کی ہجرت بھی ان کی شان مرتبت کا پیش خیمہ ثابت ہوگا اور جس طرح ہم نے اتنے دکھوں رنجوں تکلیفوں مصیبتوں کے بعد یوسف علیہ السلام کو مصر کی شہنشاہی عطا فرمائی۔ اسی طرح اس تکلیف بھری ہجرت کے بعد ہم اپنے نبی محمد مصطفیٰ کو بھی شہنشاہ عرب و عجم بنا دیں گے۔ اور شاہِ مصر بن کر جس طرح یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے محسنانہ محبانہ سلوک فرمایا۔ اسی طرح یہ حبیب بھی شاہ عرب بن کر تمام مکے والوں سے وہی رحمانہ کریمانہ سلوک فرمائیں گے جس طرح آج حضرت یوسف علیہ السلام کا عالم کائنات میں حسین چرچہ ہے اس سے کہیں بڑھ کر ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچہ ہوگا۔ اور چار دانگ عالم میں ہمارے پیارے نبی کے تا قیامت جھنڈے بلند ہوں گے۔

حضرت یوسفؑ کے خصوصی فضائل

رب تعالیٰ نے اپنے ہر نبی علیہ السلام کو معجزات عطا فرمائے ہیں۔ مگر یوسف علیہ السلام کو نرالا معجزہ ملا جو سرتا بقدم

معجزہ ہے۔ وہ آپ کا حسن اور خوبصورتی ہے۔ تمام علماء فرماتے ہیں کہ حسن یوسفی معجزہ یوسفی تھا۔ اس کی دو دلیلیں ایک یہ کہ جس طرح عورت کے لیے حرام ہے کہ اپنا حسن مردوں کو دکھاتی پھرے اسی طرح مرد پر بھی اجنبی عورتوں کو اپنا حسن دکھانا حرام ہے مگر یوسف علیہ السلام نے دکھایا کیونکہ آپ کا حسن معجزہ تھا۔ اور معجزہ دکھانا جائز ہے۔ اسی لیے اس حسن یوسفی کو دیکھ کر زنانِ مصر حمد باری میں مشغول ہوئیں نہ کہ نفسانیت میں۔ دوسری دلیل یہ کہ یہی وجہ ہے کہ روایات کے مطابق آپ کی عمر شریف ۱۱۰ سال ہوئی ہے مگر آپ پر بڑھاپا نہیں آیا۔ اور آپ اخیر عمر تک اسی طرح بائیس ۲۲ سالہ نوجوان نظر آتے تھے جس طرح نکاح زلیخا اور عزیز مصر ہونے کے وقت تھے۔ اس لیے کہ بڑھاپا حسن کو ختم کر دیتا ہے اور معجزہ ختم نہیں ہوتا اور پھر یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت یوسف کا حسن بچپن ہی سے موجود تھا معلوم ہوا کہ نبی کی نبوت بچپن ہی سے ہوتی ہے ہاں تبلیغ کی اجازت بعد میں عطا ہوتی ہے معجزہ صرف نبی کریم ہی کو دیا جاتا ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ معجزے بچپن میں دے دیئے جائیں جن کو ارہاص کا لقب دیا گیا ہے۔ اور کچھ بوقت تبلیغ۔ ارہاص ہو یا کچھ اور خرق عادت۔ بہرحال ان اشیاء سے نبوت ثابت ہے اور نبی کے لیے معصوم ہونا شرط نبوت ہے پس لازم آیا کہ نبی بچپن ہی سے معصوم ہوتا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ مجدہٗ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے حسن کو پیدا فرما کر اس کے دو حصے کئے۔ ایک حصہ ساری مخلوق میں تقسیم فرمایا اور دوسرا حصہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا۔ حضرت یوسف کی دوسری خصوصی فضیلت یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کو تعبیر رویا کا کامل علم عطا فرمایا۔ اس بات میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت یوسف صرف نبی ہیں یا صاحب شریعت رسول ہیں صحیح تو یہ ہے کہ آپ صرف نبی ہیں شریعت ابراہیمی پر عامل اور اسی کو نافذ کرنے والے ہیں۔

سورت یوسف کا چلہ اور اسکا تعویذ

علماء عاملین اور چلہ کش بزرگ لوگ فرماتے ہیں کہ جو شخص ۴۱ دن اکتالیس مرتبہ بعد نماز اس سورۃ کو با وضو خوشبو لگا کر قبلہ رخ بیٹھ کر پڑھے تو اس کا عامل ہو، چلے کے دوران میں ہر قسم کا جھوٹ، دے اور بڑا گوشت کچا پیاز لہسن۔ سگریٹ، حقہ ہمیشہ کے لیے ترک کر دے۔ چلے کے بعد روزانہ بعد نماز عشا ایک مرتبہ پڑھے۔ اگر کسی حاکم کے پاس جانا ہو کسی حاجت کے لیے تو تیرہ مرتبہ پڑھ کر جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ حسب منشا حاجت پوری ہو۔ اگر کسی اور کی حاجت پوری کرانی ہو تو سورۂ یوسف کا تعویذ لکھ کر دے دے۔ جو شخص اس کا تعویذ اپنے پاس رکھے تو اس کو عزت و ثروت ملے سورۂ یوسف لکھ کر آب زمزم سے یا سات مسجدوں کے پانی سے جو مسجد کی زمین سے نکلتا ہو گھول کر اکیس دن پیئے تو مفلسی تنگی دور ہو۔ سورۂ یوسف کے کل اعداد ۵۰۳۹۸۰ پانچ لاکھ تین ہزار نو سو اسی ہیں۔ اس لیے تعویذ کی چالی خانہ ۹ میں ہے۔ یعنی نویں خانہ میں ایک عدد کم کیا جائے گا۔

(تعویذ اگلے صفحہ پر ہے)

۴۸۶

۱۲۵۹۹۴	۱۲۵۹۹۸	۱۲۶۰۰۱	۱۲۵۹۸۷
۱۲۶۰۰۰	۱۲۵۹۸۸	۱۲۵۹۹۳	۱۲۵۹۹۹
۱۲۵۹۸۹	۱۲۶۰۰۳	۱۲۵۹۹۶	۱۲۵۹۹۲
۱۲۵۹۹۷	۱۲۵۹۹۱	۱۲۵۹۹۰	۱۲۶۰۰۲

اور بھی بہت سے اس کے فوائد ہیں۔ ہر کام میں محنت اور احتیاط شرط ہے۔ اللہ کا کلام ہر لحاظ سے برحق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی ولادت اور نسب نامہ

لفظ یوسف عبرانی ہے عربی میں آکر عجمی۔ علم ہو کر غیر منصرف ہے۔ حضرت یوسف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے پوتے ہیں یعنی پڑپوتے۔ بخاری و احمد نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ فرمایا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یوسف کریم۔ الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم۔ یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام (مظہری۔ مسند احمد حنبل۔ بخاری دوم) یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب کے متعلق بنی اسرائیل نے بڑی بڑی فضول کہانیاں بنا رکھی ہیں۔ آپ کی پیدائش میں بھی بہت فضولیات گھڑ رکھی ہیں۔ صحیح کلام اس طرح ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بیوی حضرت محصر اور ایک روایت میں ربقہ کے بطن سے دو بیٹے بیک وقت پیدا ہوئے پہلے والا بیٹا اس کے جسم پر بہت سے بال اُگے تھے مثل بکری کے۔ اس لئے اس کا نام عیص یا عیسو رکھا۔ لغت میں بالوں والے درخت کو عیص کہتے ہیں۔ (منجد عربی) اس کی ایڑی کے بال دوسرے بیٹے کے سر کے بالوں سے جڑے تھے۔ ایڑی کو اُن کی زبان میں بھی عقب کہا جاتا تھا۔ اس لئے اُن کا نام یعقوب رکھا۔ اور جیسے کہ فطری طور پر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ والد کو پہلی اولاد پیاری ہوتی ہے۔ والدہ کو آخری۔ اسی طرح عیص بیٹا والد محترم کو پیارا لگا، اور ساری عمر منظور نظر رہا، اور حضرت یعقوب والدہ کے منظور نظر بنے۔ اور والدہ نے اُن سے ہی زیادہ پیار کیا۔ جب حضرت اسحاق ایک سو اسی سال کی عمر میں پہنچے تو انتہائی بڑھاپے کی وجہ سے آپ کی بینائی بہت کمزور ہو گئی۔ تنہائی پسند اور خلوت نشین تو آپ شروع سے ہی تھے۔ اب اور بھی بتقاضاء عمر اندھیری کوٹھڑی اور محراب خانہ میں ہمہ تن ذکر و اذکار میں مشغول ہوئے۔ جب وفات شریف میں چند دن باقی رہ گئے۔ تو آپ نے اپنے لاڈلے بیٹے حضرت عیص کو بلایا اور فرمایا کہ اے میرے بیٹے میری زندگی کے چند دن باقی ہیں۔ میں چاہتا ہوں آخری وقت میں تجھ کو قلبی دعا سے نوازوں لہٰذا تو میرے لیے بہترین شکار مار کر لا۔ اور اس کا شاندار گوشت بنا کر مجھ کو کھلا تا کہ کھا کر میرے دل سے خود بخود دعا نکلے اور تجھ کو دعا کرانے کی حاجت نہ رہے بلکہ یہ تیری خدمت دعا لینے کا ذریعہ بن جائے۔ یہ حکم

عیص کو دینے میں تین وجہ تھیں۔ ایک یہ کہ حضرت عیص بہت بڑے شکاری تھے۔ اور ان کا کاروبار شکار کی تجارت تھی۔ جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام بکریوں بھیڑوں کا کاروبار کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ کہ قیامت تک کی مسلمان نسل کو سبق سکھانا تھا کہ دعا کرانا کمال نہیں دعا لینا کمال ہے۔ اور دعا لینا خدمت سے ہوتا ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ سب سے بڑی خدمت اور دعا لینے کا ذریعہ کھانا کھلانا ہے۔ اور وہ بھی اپنی محنت خون پسینے کی کمائی سے یہی وجہ ہے کہ بزرگان دین لنگر جاری کرتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے آستانوں پر دن رات لنگر خانے کھلے رہتے ہیں۔ اس کی اصل یہی سنت اسحاق علیہ السلام ہے۔ گیارہویں شریف، بارہویں شریف اور دیگر ختمات وعروس کی بھی یہی وجہ ہے۔ اور فائدہ ہے۔ حضرت اسحاق نے یہ کلام خفیہ نہ فرمایا تھا۔ بلکہ بلند آواز سے فرمایا تھا اس لیے کہ سنانا مقصود سب کو تھا حضرت عیص تو فوراً ہتھیار سنبھال کر شکار کو چل پڑے مگر اسحاق علیہ السلام کی بیوی جن کے نام کے بارے میں چار روائتیں ہیں ۱۔ حمصہ ۲۔ ربقہ ۳۔ رافقہ ۴۔ ربقہ آپ بہت ولی اللہ تھیں آپ کو معلوم تھا کہ ہر نبی کو ایک خصوصی دعا ملتی ہے جو لازمی قبول ہوتی ہے جس کو وہ نبی اکرم خاص موقع، خاص شخص کے لیے استعمال فرماتے ہیں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں میں نے وہ دعا استعمال نہیں کی، میدان محشر میں شفاعت امت کے لیے بچا رکھی ہے کیا کریمی ہے سبحان اللہ کیسے بخت ہیں ہم امتیوں کے۔ حضرت حمصہ نے اپنے لاڈلے یعقوب کو بلایا اور فرمایا کہ بیٹے رب تعالیٰ نے سنہری موقعہ دیا ہے باپ کی دعا لینے کا اور باپ بھی وہ جو جماعت انبیاء میں رسول عظیم ہے۔ فوراً ایک بہترین بکری لا کر ذبح کرو۔ اور اس کی دستی کا گوشت خود پکا کر بہترین مزیدار والد محترم کی خدمت میں پیش کرو اور جسم پر اسی بکری کی کھال اوڑھ لینا۔ حضرت یعقوب نے جلدی جلدی سب کچھ کر کے پیش کیا تو والدہ نے عرض کیا کہ آپ کا بیٹا گوشت پکا کر لے آیا ہے۔ حضرت اسحاق نے اندھیرے میں بیٹھے ہوئے فرمایا عیص آ گیا، اس پر کسی نے جواب نہ دیا تو حضرت اسحاق نے پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ جسم تو عیص جیسا ہے مگر خوشبو یعقوب کی ہے۔ یہ نبی کی معجزانہ حس شامہ ہے۔ ورنہ ہر شخص کو انسانی خوشبو نہیں آ سکتی۔ جب آپ نے گوشت تناول فرمایا تو انتہائی لذیذ تھا۔ کیونکہ نبی کے دست ید الٰہی نے پکایا تھا۔ اس لیے کہ نبی کا ہر عمل بے مثل ہوتا ہے۔ اس لذت سے سرشار ہو کر آپ کے منہ سے قلبی دعا نکلی۔ یا اللہ میرے اس بیٹے کو نبی رسول بنا دے اور آپ نے اپنی وہ خصوصی دعا استعمال فرما دی۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عیص شکار کا گوشت لے کر حاضر ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا عیص تم اب آئے ہو خصوصی دعا تو یعقوب لے گیا۔ اچھا حسب وعدہ تم کو نسل کثیر کی دعا دیتا ہوں۔ اللہ کے نبی حضرت اسحاق کی یہ دعا بھی قبول ہوئی مگر عیص نے دل میں تہیا کر لیا کہ میں یعقوب کو ہلاک کر دوں گا۔ اس نے میرا حق چھینا۔ اسحاق علیہ السلام نے اپنے علم غیب کے ذریعے جان لیا کہ عیص کا قلبی ارادہ کیا ہے۔ علیحدگی میں یعقوب علیہ السلام کو فرمایا کہ مجھ کو خطرہ ہے کہ عیص تم کو نقصان پہنچائے گا۔ لہٰذا تم اپنے ماموں لیا بن ناحر کے پاس شام میں چلے جاؤ حضرت اسحاق کنعان میں رہتے تھے آپ کے بھائی حضرت اسماعیل [illegible] علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔ ایک سو [illegible]

بعد تدفین حضرت یعقوب شام کو ہجرت کر گئے۔ ماموں نے یعقوب علیہ السلام کو اپنے پاس بہت محبت سے رکھا ماموں لیابن ناصر کی دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی لایا جو عمر میں یعقوب علیہ السلام سے بڑی تھی دوسری راحیل حضرت یعقوب نے نکاح کا پیغام اور خواہش کی تو لیّا نے کہا کہ حق مہر کے لیے کچھ مال ہے آپ نے فرمایا نہیں تو ماموں نے کہا کہ سات سال میری خدمت کرو حضرت یعقوب نے منظور کی۔ سات سال بعد لیابن ناصر نے لایا بڑی بیٹی سے نکاح کر دیا۔ اور ایک لونڈی جہیز میں حضرت یعقوب کی ملک کر دی۔ جب خلوت صحیحہ میں پہنچے تو دیکھا کہ بڑی لڑکی دلہن بنی ہوئی ہے۔ آپ نے سسر سے شکایت کی کہ میں نے چھوٹی بیٹی راحیل سے نکاح کی خواہش یا پیغام دیا تھا۔ سسر نے جواب دیا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بڑی بیٹی بیٹھی رہے اور میں چھوٹی کا نکاح کر دوں اگر تیری خواہش چھوٹی سے ہے تو سات سال اور خدمت کر دو چھوٹی سے بھی نکاح کر دوں گا۔ شریعتِ ابراہیمی میں دو بہنوں کو ایک کے نکاح میں جمع کرنا جائز تھا۔ حضرت موسیٰ کی شریعت نے اس حکم کو منسوخ کیا۔ سات سال بعد راحیل سے بھی نکاح ہو گیا۔ اور ایک لونڈی جہیز میں حضرت یعقوب کو دی گئی۔ اس طرح حضرت یعقوب کی اولاد چار عورتوں میں تقسیم ہوئی۔ دو بیویاں اور دو لونڈیوں میں۔ پہلی لونڈی کا نام زلفہ تھا۔ دوسری کا بلھۃ لایا بیوی کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی ۱ روبیل ۲ شمعون ۳ یہودا ۴ لاوی ۵ یسحر ۶ زبالون ۷ بیٹی دینہ۔ زلفہ لونڈی سے دو بیٹے پیدا ہوئے ۱ دان ۲ نفتالی۔ بلھہ لونڈی سے بھی دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ۱ جاد ۲ آشر اس طرح دس بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔ ابھی تک راحیل سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ جب یہ بچے کچھ بڑے ہو گئے تو راحیل حاملہ ہوئیں پہلا بچہ یوسف پیدا ہوئے۔ پھر ایک سال بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام زینب رکھا۔ پھر ایک سال بعد ایک اور بیٹا پیدا ہوا جس کا نام بنیامین رکھا۔ ایام نفاس میں ہی راحیل کا انتقال ہو گیا تب تو بلھہ نے زینب کو پالا۔ اور لایا نے یوسف کو سنبھالا اور زلفہ نے بنیامین کو۔ چونکہ ان تینوں نازک بچوں کی والدہ نہ تھی۔ اس لیئے حضرت یعقوب کو ان سے بہت پیار تھا۔ اگرچہ لایا وغیرہ نے بہت محبت سے ان کو پالا مگر ماں کی محبت نہ ملنے کی وجہ سے ان تینوں میں بہت ہی بھولپن تھا۔ اور اپنے دیگر بھائیوں کی طرف بہت ہی معصومانہ طریقے سے دیکھا کرتے تھے نہ کبھی زیادہ کھیل سے رغبت نہ شرارتیں۔ تینوں ہی حسن کے پیکر تھے۔ مگر یوسف بے مثل تھے۔ ان کی مسکینیت اور بے ماں کے بچے ہونے کی وجہ سے حضرت یعقوب کبھی ان تینوں کو اپنے سے جدا نہ کرتے تھے۔ اس محبت نے سب سے پہلے زلفہ کے دل میں حسد ڈالا۔ پھر لایا کے دل میں حسد پیدا ہوا۔ ان دونوں کے اکسانے پر، یوسف کے بھائیوں میں حسد پیدا ہوا۔ اس حسد کا حضرت یوسف کو کوئی پتہ نہ تھا وہ اپنی ربیبہ ماں لایا سے انتہائی محبت کرتے تھے۔ لایا چاہتی تھی کہ یوسف یہاں سے چلا جائے۔ لایا نے یوسف سے چال چلی اور کہا تمہارے ماموں یعنی لایا کے بھائی بت پرست ہیں، جاؤ ان کے بت توڑ دو۔ اور جو نہ ٹوٹے وہ میرے پاس لے آنا۔ لایا کو یہ پتہ

تھا کہ ایک بت سونے کا ہے وہ نہ ٹوٹے گا۔ یوسف بھولے بھالے پانچ سال کے تھے۔ وہ گئے کچھ اٹھا کر پٹکے وہ ٹوٹ گئے سونے کا بت نہ ٹوٹا تو اٹھا کر لے آئے اور رلایا کو دیدیا۔ لایا نے وہ چھپا لیا اور خود ہی اپنے کاریگر سے مخبری کر دی۔ کہ یوسف نے توڑا اور چرایا ہے۔ مقصد تھا وہاں کے قانون کے مطابق مجرمانہ حیثیت سے یوسف کو وہ بھائی لے لے گا مگر بھائی نے جب یوسف بھانجے کو بلایا تو انہوں نے باوجود کم سنی کے سب کچھ بتا دیا ادھر زینب بہن نے سب باتیں لایا کی سن لی تھیں۔ اس نے گواہی دی اور کچھ یوسف کا بچپنہ بھولا پن۔ ماموں نے کچھ نہ کہا مگر حضرت یعقوب سب کچھ سمجھ گئے۔ اس لیئے لایا اور زلفہ کو وہیں چھوڑ کر باقی سب اولاد کو اور بلہم کو لے کر آپ پھر کنعان میں حضرت اسحاق کے گھر اپنے بھائی عیص کے پاس آگئے۔ اب عیص بھی چھیانوے سال کے تھے اور یعقوب بھی چھیانوے سالہ تھے۔ اب وہ دشمنیاں بھلائی جا چکی تھیں عیص بہت امیر تھے بسینکڑوں تک اولاد تھی ان کے بڑے بیٹے کا نام روم تھا۔ اس کے نام نسل اور علاقے کا نام پڑ چکا تھا۔ دور دور تک نسل علاقہ پھیلا ہوا تھا۔ یہ والدہی حضرت اسحاق کی دعا کا اثر تھا جب یوسف پیدا ہوئے اس وقت یعقوب علیہ السلام کی عمر نوے سال کی تھی جب شام سے کنعان واپس آئے تو یوسف چھ سال کے تھے۔ کنعان میں آئے۔ ایک سال ہوا تب سات سالہ یوسف نے خواب دیکھی تھی جس کا واقعہ قرآن مجید میں ہے:۔

اٰیاتُہَا ۱۱۱	۱۲ سُوْرَۃُ یُوْسُفَ مَکِّیَّۃٌ ۵۳	رُکُوْعَاتُہَا ۱۲
آیتیں ایک سو گیارہ	سورت یوسف مکی	رکوع بارہ
آیتیں ایک سو گیارہ	سورت یوسف مکی	رکوع بارہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع سے نام اللہ کے جو بخشنے والا رحم کرنے والا

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾ قف اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا

الف لام را یہ آیتیں ہیں کتاب روشن کی بیشک ہم نے ہی اتارا اس کو

یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں بے شک ہم نے اسے عربی

عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ

قرآن بنا کر عربی میں شاید تم عقل رکھو ہم ہی بیان کرتے ہیں پر تم سب سے

قرآن اتارا تاکہ تم سمجھو ہم تمہیں سب سے اچھا بیان

اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ

زیادہ اچھے قصے۔ وجہ سے اس کی کہ وحی کی ہم نے طرف آپ کی اس قرآن کی

سناتے ہیں اس لیئے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾ اِذْ قَالَ

اگرچہ تھے تم سے پہلے اس کے البتہ بھول جانے والوں میں سے یاد تو کرو جب کہا

وحی بھیجی اگرچہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی یاد کرو جب

يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا

یوسف نے کو باپ اپنے اے والد میرے بیشک میں نے دیکھا گیارہ تارے

یوسف نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ میں نے گیارہ تارے

وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾ قَالَ

اور سورج اور چاند دیکھا میں نے ان کو کہ سب لیئے میرے سجدہ کرنیوالے ہیں فرمایا اے

اور سورج چاند دیکھے انہیں اپنے لیۓ سجدہ کرتے دیکھا کہا اے

يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ

بیٹے میرے نہ بیان کرنا خواب اپنا پر بھائیوں اپنے ورنہ مکر بنائیں گے وہ لیئے تیرے

میرے بچے اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا کہ وہ تیرے ساتھ

كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۵﴾

مکر بے شک شیطان لیئے انسان کے دشمن ہے ظاہر

کوئی چال چلیں گے بے شک شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے

تعلق اس سورت کریمہ کا تعلق پچھلی سورت ہود سے چند طرح سے ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی سورت میں انبیاء کرام کا مختلف اور تھوڑا تھوڑا تذکرہ ہوا۔ اس سورت میں صرف ایک نبی حضرت یوسف کا مکمل ذکر ہے۔

دوسرا تعلق۔ پچھلی سورۃ میں جن انبیاء کرام کا تذکرہ ہوا ان میں صرف تبلیغ اور کفار کی سرکشی کا ذکر کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا۔ اب اس سورت میں حضرت یوسف کی پوری زندگی بیان فرما کر پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے مشابہت بیان فرمائی گئی۔ گویا کہ واقعات یوسف کو بیان کر کے نبی پاک کی سوانح حیات بیان کرنا مقصود ہے۔ جیسا کہ آئندہ واضح کیا جائے گا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی سورت بھی الٓر سے شروع تھی۔ اور یہ بھی۔ پچھلی سورت میں تمام آیات قرآنیہ کی مضبوطی اور محکم ہونے کا ذکر تھا۔ یہاں ان آیات قرآنیہ کے مفسر اور واضح اور سمجھ کے قریب ہونے کا ذکر ہے۔ چوتھا تعلق۔ پچھلی سورت میں انبیاء کرام کی ان ایذاؤں کا ذکر تھا جو غیروں اور کافروں کے ذریعے پہنچیں۔ اب اس ایذا کا ذکر ہے جو اپنوں کے ذریعے پہنچی۔

تفسیر نحوی الٓر۔ یہ حروف مقطعات ہیں جن کا علم مخلوق میں صرف آقائے کائنات نبی مخلوقات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔ اسم اشارہ مؤنث قریبی کے لیے آیات جمع ہے آیت بمعنی نشانی۔ عبارت جزوی۔ یہاں یہی مراد ہے۔ مضاف ہے الکتب کی طرف الف لام عہد خارجی ہے کتاب بمعنی فعال مصدر ہے بمعنی المکتوب۔ المبین صفت ہے الکتاب کی اسم فاعل ہے باب افعال کا ماضی ابان ہے مگر یہ لازم ہے یعنی ظاہر ہونے والی۔ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ اِنَّ شروع کلام میں ابتدا حرکت زبر ہے انزلنا باب افعال کا ماضی متعدی بیک مفعول ہے۔ بصیغہ جمع متکلم مراد اللہ تعالیٰ ہُ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے قرآن بروزن فعلان۔ اسم جنس ہے۔ جز و کل دونوں کو کہا جاتا ہے۔ مگر علم ہے کل کلام کا۔ بحالت زبر ہے حال ہے ہُ ضمیر کا اس کا مرجع کتاب ہے تنوین تنکیری۔ جب قرآن معرف باللام ہو تو پورا ہی مراد ہے۔ عربیا یہ بحالت زبر ہے۔ یا صفت ہے قرآن سے یا اس حال ہے۔ یا دوسرا حال ہے ہُ ضمیر کا۔ عرب سے بنا۔ بمعنی فصاحت سے بیان کرنا۔ یہاں زبان عربی مراد ہے۔ لعلکم تعقلون۔ فعل مضارع احتمالی۔ علت غائی ہے انزلنا کی۔ بصیغہ جمع مذکر حاضر۔ عقل سے بنا بمعنی ذہن سے الفاظ کو سمجھانا۔ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ۔ نحن ضمیر جمع متکلم منفصل نقص فعل مضارع بصیغہ جمع متکلم قصص سے بنا بمعنی نقش قدم کا نشان یا اہم واقعہ بیان کرنا۔ یہاں دوسرے معنی ہی زیادہ مناسب ہیں علیٰ جارہ بمعنی عند ک ضمیر مخاطب کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں احسن اسم تفضیل ہے۔ حسن سے بنا بمعنی خوبصورتی۔ واقع کی خوبصورتی اس کی سچائی ہے اور بیان کی خوبصورتی فصاحت و بلاغت۔ بحالت زبر ہے یا مفعول مطلق ہے فعل پوشیدہ کا یا مفعول بہ فعل ظاہر کا۔ مضاف القصص مضاف الیہ ہے مجرور ہے قصص مصدر ہے بمعنی بیان

اسم جامد۔ یہ قصے کی جمع نہیں۔ وہ قاف کے زیر سے ہوتی ہے۔ بِمَا۔ با سببیہ ہے مَا موصولہ۔ اَوْحَیْنَا فعل ماضی
وَحْیٌ سے بنا بمعنی پیغام الٰہی اِلٰی جارّہ بمعنی انتہاء غایت کَ ضمیر مخاطب کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ هٰذَا اسم
اشارہ قریبی مفعول بہ ہے۔ القرآن سے مراد سارا کلام پاک ہے۔ مشار الیہ ہے۔ واؤ وصلیہ اِنْ حرف شرط کُنْتَ
فعل ناقصہ بمعنی ماضی بعید مِنْ جارّہ بیانیہ قَبْل اسم ظرف ہٖ کا مرجع نَقُصُّ یعنی وقت بیان لام کی مِنَ جارّہ تبعیضیہ
الْغَافِلِیْنَ۔ الف لام استغراقی غافلین اسم فاعل ہے غَفْلٌ سے بنا۔ اس کے تین معنی ہیں ۱ مجہول جانا ۲ احساس نہ ہونا
۳ بے احتیاطی کرنا۔ یہاں پہلے معنی مناسب ہیں۔ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ .... اِذْ ظرفیہ بمعنی جب اس سے پہلے ہمیشہ فعل پوشیدہ ہوتا ہے اذکروا
یا اُذْکُرْ واحد مذکر امر یہاں اذکر ہے۔ قَالَ یہ جملہ تامہ اذکر پوشیدہ کا مفعول بہ ہے۔ یوسف اسم عجمی ہے اسف سے بنا
بحالت رفع قال کا فاعل ہے غیر منصرف ہے اسماء رباعیہ میں سے ہے۔ اس میں ترخیم یعنی حرف آخری کا حذف جائز
ہے۔ لام جارّہ بمعنی مفعولیت اَبِیْ اسم مکبر ہے بحالت جر۔ ہٖ ضمیر واحد غائب کا مرجع یوسف ہے یا حرف ندا اس کا
منادیٰ حضرت یوسف قرآن مجید میں ندا بارہ قسم کی آئی ہے۔ ۱ حضرت آدم کی ندا۔ ندائے توبہ ۲ نوح علیہ السلام کی ندا۔
ندائے اجابت ۳ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ندا۔ ندائے کرامت تھی۔ ۴ ندائے وحشت حضرت یونس کی تھی۔ ۵ ندائے ضرر حضرت
ایوب کی تھی۔ ۶ ندائے غربت حضرت ذکریا کی تھی ۷ ندائے بشارت حضرت مریم کی تھی ۸ ندائے رحمت امت مسلمہ کو ہے
۹ ندائے عقوبت دوزخیوں کے لیے ہوگی ۱۰ ندائے مصیبت کفار کے لیے دنیا میں ہے ۱۱ ندائے نعمت جنتیوں کے لیے ہے
۱۲ ندائے رؤیا یا اَبَتِ میں ہے۔ ان نداؤں کا بدلہ ۱ مغفرت ۲ قبولیت ۳ فدیہ ۴ نجات ۵ شفاعت ۶ نبی کا
بیٹا ملنا ۷ مسیح جیسا بیٹا ۸ رحمت ۹ سزا ۱۰ وعید ۱۱ حور و قصور ۱۲ یوسف علیہ السلام اس ندا کے بدلے بادشاہت
ملی۔ منادی اَبَتِ دراصل مرکب اضافی اَبِیْ تھا یائے متکلم کو تائے تانیث سے بدلا بوجہ اظہار مشفقیت زیر سے کر یائے
متکلم کا نشان رکھا۔ بمعنی پیارے ابا۔ اِنَّ حرف یقین۔ یائے متکلم اسم اِنَّ۔ رَاَیْتُ بصیغۂ واحد متکلم فعل ماضی رَأْیٌ سے بنا
بمعنی قلبی دیکھنا۔ مراد ہے خواب میں دیکھنا۔ اَحَدَ عَشَرَ اسماء عدد سے ہے مبنی ہے نحو یہ ممیز ہے کوکبًا اس کی تمیز کار
زبر ہے کوکب اسم جامد ہے۔ اس کی جمع کواکب ہے کوکب اسم جنسی ہے۔ جمع پر بھی بولا جاتا ہے۔ واؤ عاطفہ الشمس
الف لام زائدہ ہے شمس بمعنی سورج۔ دھوپ کو بھی کہا جاتا ہے۔ اور نور کو بھی۔ واؤ عاطفہ القمر الف لام زائدہ ہے
بمعنی چاند۔ بحالت نصب بربنائے عطف رَاَیْتُ کا مفعول بہٖ ہے۔ رَاَیْتُهُمْ یہ علیحدہ جملہ ہے برائے وضاحت ہُمْ
ضمیر کا مرجع چاند سورج ستارے ہیں۔ لِیْ لام جارّہ ہے مجرور یائے متکلم بمعنی مفعولیت یعنی مجھ کو سٰجِدِیْنَ اسم فاعل
جمع ساجد کی سجدہ سے مشتق ہے بمعنی زمین سے لگنا۔ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۔
قَالَ فعل ماضی قول جوابی ہے یا ندائیہ بُنَیَّ تصغیر ہے ابن کی بمعنی مضاف یائے متکلم کی طرف ہے لہٰذا ------

یا مُشدّد ہوا جملہ مقولہ ہے۔ قول کا لاتقصص فعل نہی بصیغہ واحد حاضر مخاطب نبی یوسف ہیں۔ رُؤیا بروزن فُعلا مبالغہ ہے بمعنی خواب کَ مضاف الیہ کا مرجع یوسف ہیں۔ علیٰ جارّہ بمعنی عِند اِخوت جمع ہے اَخ کی بمعنی بھائی تا ت تا نیث با ظہار تلطف ہے۔ یعنی شفقت کَ ضمیر کا مرجع یوسف ہیں۔ فا سببیہ ہے۔ یکیدوا مضارع بمعنی استقبال بصیغہ جمع کیدٌ سے بنا بمعنی حیلہ فریب دھوکہ کرنا۔ متعدی بنفسہ ہے یعنی مادہ متعدی ہے ہر باب میں متعدی رہتی ہے بعض مادوں کا تعدی ہونا کسی باب سے خاص ہوتا ہے۔ یہاں لام سے تعدی کا استعمال ہوا۔ لکَ لام بمعنی مع ہے یا بمعنی لئے کیدًا مفعول مطلق ہے۔ تنوین تعظیم کی ہے یعنی بڑا حیلہ تاکید کے لیے مفعول مطلق آیا۔ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ - اِنَّ حرف یقین الشَّیطانُ الف لام عہدِ خارجی ہے بروزن فِعلان مبالغہ کا ہے شَطَنٌ سے بنا بمعنی اچھلنا، تیر پھیلانا مراد ابلیس ہے۔ لام جارّہ زائدہ اَلْاِنسان الف لام جنسی ہے انسان سے مراد آدمی جار مجرور متعلق ہے ثابتاً پوشیدہ کا عَدُوٌّ بروزن فعولٌ مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی بہت عداوت کرنے والا موصوف۔ مُبِیْنٌ اسم فاعل بابِ اِفعال سے بحالت رفع صفت ہے صفت موصوف خبر اِنَّ ہے۔

تفسیر عالمانہ

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ - الٓرٰ اگرچہ امام غزالی وغیرہ بزرگوں نے اس کے مطالب کچھ بیان کئے ہیں۔ کہ الف سے مراد آلاء یعنی نعمتیں لام سے مراد لطف۔ را سے مراد ربوبیت۔ روح البیان نے فرمایا کہ الٓرٰ کا معنیٰ ہے اَنَا اللّٰهُ اَرٰی وَاَسْمَعُ۔ وغیرہ وغیرہ مگر یہ سب خود ساختہ باتیں ہیں جن پر کامل یقین نہیں کیا جا سکتا۔ صحیح تر یہ ہے کہ یہ حروفِ مقطعات میں سے ہے اس کا حقیقی مطالب ومعنیٰ مخلوق میں سوائے نبی کریم کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور چونکہ یہ اسرارِ الٰہیہ ہیں۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بتائے ہی نہیں۔ تِلْكَ اپنے حبیب کو کچھ رمز کی باتیں سمجھا کر فرمایا یہ جن کا مطالبہ کفار مکہ نے یہود کی اکساہٹ پر کیا ہے نشانیاں ہیں یا آیتیں ہیں کتاب یعنی لوح محفوظ کی۔ بعض نے قرآن مجید مراد لیا۔ مبین جو ظاہر ہے اس کے خاص بندوں پر یا قرآن کریم ظاہر ہے تمام کائنات میں۔ اس طرح کہ ہر شخص دل سے اس کے معجزہ ہونے کا اقراری ہے۔ اگرچہ بدبخت کفار زبانی اقرار نہ کریں یا وہ لوح محفوظ اور قرآن مجید ہر علم کو بیان کرنے والا ہے۔ بیشک ہم نے نازل کیا اس لوح محفوظ میں سے قرآن پاک کو عربی بنا کر۔ یا اس کتاب کو قرآن بنا کر عربی زبان میں یا ہم نے نازل کیا اس واقعہ یوسفی کو عربی زبان میں۔ تاکہ تم اے کافرو کچھ تو عقل کرو کہ اس نبی اُمّی نے تمہارے مطالبے کو کتنی جلدی پورا فرمایا۔ اور عقل سے کام لیتے ہوئے ہمارے نبی پر ایمان لے آؤ یا اے عربو تم فوراً سمجھ لو تم کو ہمارا کلام سمجھنے کے لیے کسی اور کے پاس نہ جانا پڑے کائنات کے عقلاء علماء ذہین فہیم اس کلام کو سمجھنے کے لیئے تمہارے محتاج ہوں تمہارے پاس آئیں اور چونکہ تم عربی دان لوگ ہی عربی فصاحت وبلاغت۔ اسرار ورموز سمجھتے ہو جب اس قرآن کو دیکھو گے تو جلدی جان لو گے کہ

یہ قرآن انسانی کلام نہیں۔ عجمی جانور نما انسان کیا جانیں کہ فصاحت و بلاغت، اسرار و رموز کے نکات کیا ہوتے ہیں سب تمہارے سامنے گنگ ہیں جس نے تم کو گنگ کیا وہ قرآن ہے۔ یہاں تک خطاب عام لوگوں کو ہوا۔ اس میں نبی کریم داخل و شامل نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آگے خطاب ہے کہ اے پیارے نبی ہم خود آپ کے سامنے قرآن میں ایسے قصے بیان کرتے ہیں جو تمام فصاحت و بلاغت کی کہانیوں سے زیادہ حسین و جمیل ہیں۔ عجیب و غریب نرالی و انوکھی طرح سے فصیح و بلیغ ہیں کہ لوگ جو اچھی سے اچھی کہانی کسی کو سنائیں۔ اس میں محض دلچسپی پیدا ہوگی وہ بھی صرف وقتی۔ مگر یہ قصہ ایسا حسین ہے کہ دلچسپی کے ساتھ ساتھ ایسی عبرتیں حکمتیں اور نکات اور نوادر ہیں جو دنیا و آخرت میں کام آئیں۔ بلکہ پوری دنیا کا نقشہ کھینچا گیا۔ زندگی کے ہر موڑ پر یہ قصہ مشعلِ راہ بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کو احسن فرمایا ۱ قرآن پاک کو ۲ انسانی شکل و صورت کو ۳ اذانِ نماز کو ۴ دینِ اسلام کو ۵ یوسف علیہ السلام کے قصہ کو۔ قرآن مجید کو اس لیے احسن فرمایا کہ اس میں امر نہی۔ وعدہ۔ وعید۔ تمثیلیں خبریں۔ قصے۔ وصل ہجر۔ طرد۔ عکس۔ وجد۔ وجود۔ اتصال۔ انفعال۔ تذکر۔ تفکر۔ نیکی بدی۔ عقاب۔ ثواب حساب۔ عذاب۔ حیرت۔ حسرت دین دنیا۔ لطافت۔ کثافت۔ حلال۔ حرام وغیرہ لاکھوں علوم ہیں۔ لہٰذا یہی احسن ہونے کے لائق ہے۔ شکل انسانی کو اس لیے کہ باری تعالیٰ نے آگ۔ پانی۔ ہوا اور مٹی پر نقشہ کھینچا ہے۔ حالانکہ کوئی مصور ان چیزوں پر نقشہ نہیں کھینچ سکتا اذان کو اس لیے احسن فرمایا کہ اس کی ندا تمام نداؤں سے اعلیٰ اور اس کا منادی یعنی مؤذن سب میں بلند تر ہونے والا۔ کہ یہ خدا تعالیٰ کے امین ہیں دینِ اسلام کو اس لیے احسن فرمایا کہ سب انبیاء کو رب کریم نے ایک دو چیزیں واجب کرکے دیں مگر اسلام میں سب کا مجموعہ واجب کیا گیا۔ یہ قصہ احسن اس لئے ہے کہ دنیوی کہانیوں، افسانوں میں جھوٹ ہوتا ہے یہاں سچ ہے۔ وہاں مجاز ہوتا ہے یہاں حقیقت، وہاں بناوٹ ہوتی ہے یہاں اصلیت، وہاں فقط تفریحِ طبیعت ہوتی ہے یہاں زندگی کی حقیقی بہاریں۔ وہاں عارضی دلچسپی ہوتی ہے یہاں دائمی لذت۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اے پیارے نبی آپ کی طرف اس قرآن مجید کی وحی کی ہے۔ اس لئے ہمہ صفت موصوف ہے۔ یہ واقعات آپ کو پہلے معلوم تو تھے مگر اب ہم نے وحی کی۔ اگرچہ وحی سے پہلے تم بھولنے والوں میں سے تھے۔ لفظ غافلین غفل سے بنا۔ جس کا معنیٰ ہے بھول جانا پردے میں کرنا چھوڑنا۔ (منجد عربی صفحہ ۵۰۴) بھول وہ چیز جاتی ہے۔ جو پہلے معلوم ہو۔ پس یہ غافلین بتا رہا ہے کہ یہاں بے علمی مراد نہیں۔ صرف نسیان ہوا تھا جسکو وحی کرکے دور کیا گیا۔ اس لیے آگے ارشاد ہوا۔ اِذْ۔ اے نبی یاد کرو نحوی قاعدے کے مطابق جہاں اِذ ظرفیہ ہو وہاں فعل امر اُذْکُرْ پوشیدہ ہوتا ہے (روح البیان و معانی) یاد بھی وہی چیزیں کرائی جاتی ہیں۔ جو یا دیکھی ہوں یا سنی ہوں یا پڑھی ہوں۔ نبی کریم نے نہ تو دنیا میں آکر کچھ پڑھا۔ نہ کسی کے پاس بیٹھے جس سے واقعات سنے ہوں۔ پس لامحالہ دیکھی ہوئی چیز یاد کرائی جارہی ہے۔ جب قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ۔ عرض

کیا یوسف ؑ نے۔ لفظ یوسف میں چھ قرأتیں ہیں ۱۔ یُوسُف۔ یہی مشہور ہے ۲۔ یُوْسَف ۳۔ یُوسِف ۴۔ یُؤْسُف ۵۔ یُؤْسَف ۶۔ یُؤْسِف۔ سب قرأتوں میں غیر منصرف ہے۔ لِاَبِیْهِ۔ یہ متعلق ہے قَالَ سے اپنے باپ یعنی والد یعقوب علیہ السلام سے۔ یٰاَبَتِ اے میرے مشفق و مہربان پیارے ابا جان۔ یہ جملہ مقولہ ہے قَالَ کا۔ بیشک میں نے خواب میں گیارہ ستارے اور ایک سورج اور ایک چاند دیکھا ہے۔ ان کو میں نے دیکھا کہ وہ مجھ کو جھک جھک کر سجدہ کر رہے ہیں۔ یا اس طرح کہ میرے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ اور اس طرح کہ زمین پر مجھ کو نیچے نظر آرہے ہیں۔ آسمان سے اتر کے زمین پر آگئے۔ یہ خواب ماہِ رمضان شب قدر جمعہ سے پہلی رات میں دیکھی۔ امام غزالی نے فرمایا کہ یہ خواب یوسف ؑ نے دن میں اس وقت دیکھی جب حضرت یوسف والد کی گود میں سر رکھے سو رہے تھے۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ دن کی خواب معتبر نہیں ہوتی یہ غلط ہے۔ جیل کے ساتھی قیدیوں کی خواب بھی دن ہی کی تھی۔ بقول امام غزالی مگر یہ درست نہیں۔ کیونکہ قیدیوں کی خواب بناوٹی تھی جیساکہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اس وقت جناب یوسف کی عمر سات سال تھی۔ بعض نے کہا بارہ سال تھی۔ بعض نے کہا سترہ سال تھی۔ مگر پہلا قول قوی ہے۔ یوسف علیہ السلام کی کل عمر جیساکہ پہلے بتایا گیا ہے۔ ایک سو بیس ۱۲۰ سال ہوئی۔ اس خواب کی تعبیر ملک مصر میں چالیس سال بعد ظاہر ہوئی۔ یہی قوی ہے۔ بعض نے اسی ۸۰ سال بتائے۔ بعض بائیس سال۔ بعض اٹھارہ سال۔ یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب کی کل عمر ایک سو سینتالیس سال اور یوسف ؑ کے دادا حضرت اسحاق کی کل عمر ایک سو چھتر سال ہوئی (صاوی) جب یہ سورت یہودیوں نے سنی اور چند یہودی سردار اور پادری بطور امتحان خدمت اقدس میں آکر پوچھنے لگے کہ وہ گیارہ ستارے آسمان کے کون سے تھے جو اترے اور ساجد ہوئے آپ نے فرمایا کہ میں نے بتا دیا تو تم مسلمان ہو جاؤ گے۔ انہوں نے اقرار کیا تو آپ نے جوابًا ان ستاروں کے نام بتا دیئے کہ ۱۔ جَرْیَانْ ۲۔ طَارِقْ ۳۔ ذِیَالْ ۴۔ قَابِسْ ۵۔ عَمُودَانْ ۶۔ فَلِیْقْ ۷۔ مُصْبِحْ ۸۔ فَرْغْ ۹۔ وَثَابْ ۱۰۔ ضَرُوْحْ ۱۱۔ ذُوالکَتِفَیْن (صاوی۔ خازن۔ معانی) کیفیت خواب اس طرح ہوئی کہ پہلے ستارے اترتے نظر آئے اور زمین پر حیوانی شکل میں یا کیڑوں کی شکل میں حضرت یوسف کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ پھر سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اترتا دکھائی دیا۔ اور سجدے میں گر گیا۔ پھر چاند اسی طرح نظر آیا اسی ترتیب سے حضرت یوسف نے والد محترم کو خواب سنائی۔ اسی لئے نحوی لوگ کہتے ہیں کہ یہ واؤ بمعنی ثُمَّ کے ہے نہ کہ معیت کی (معانی) پہلا سجدہ ستاروں کا ہوا پھر سورج کا پھر چاند کا۔ ابتداء میں علیحدگی ہے۔ مگر انتہاء میں سب جمع ہو گئے۔ کسی کا سجدہ ختم نہ ہوا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ اس لیے ساجدین جمع فرمایا۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ سب ستارے اور چاند سورج گول نظر آئے اور جس طرح تھال الٹی زمین پر گر جاتی ہے اس طرح وہ سب ستارے وغیرہم حضرت یوسف کے سامنے اکٹھے گر گئے یہ بھی ان کا سجدہ تھا واللہ اعلم بالصواب۔ یہ خواب سنکر حضرت یعقوب قریب آئے اور قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ

رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔ فرمایا اے میرے بیٹے لفظ بُنَیَّ تصغیر ہے ابن کی بروزنِ فعیل بنی جب یاءِ متکلم کی طرف مضاف کیا گیا۔ تو دونوں یاء کو آپس میں ادغام یعنی مشدد کر دیا گیا۔ تصغیر کرنے کی وجہ یہاں اظہارِ شفقت ہے۔ اردو میں اس مصغر کا ترجمہ ہوگا بیٹوا یا پیارا بچہ۔ چھوٹا بچہ۔ چونکہ ہر لحاظ سے پیارا لگتا ہے اس لیے اس کی تصغیر کر دی جاتی ہے۔ حضرت یعقوب اپنے علم نبوت سے خواب کی تعبیر جان گئے تھے۔ اور ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ یوسف علیہ السّلام کو اللہ کی طرف سے کتنا عظیم مقام ملنے والا ہے۔ کہ نبوت رسالت بادشاہت کے عطیے نصیب ہوں گے۔ لہٰذا فرمایا لَا تَقْصُصْ نہ بیان کرنا اپنی خواب کو۔ رویا قلبی اور نظری یا صرف قلبی دیکھنے کو کہتے ہیں۔ اس کا مؤنث ہے رویۃ۔ صرف قلبی دیکھنے کی تین قسمیں ہیں ۱۔ عام اصطلاح میں خواب کو رویا کہا جاتا ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ صورت مخترعہ کا حِس مشترک کے ساتھ افق متخیلہ پر طاری اور منطبع ہونا یعنی واقعات محسوسہ کا چھاپہ دماغ کی قوت متخیلہ کے پردے پر لگنا خواب ہے۔ ۲۔ الہام ۳۔ اور مکاشفہ بھی رویا کہلاتا ہے۔ مختلف احادیث کے اجتماع سے خواب کی بارہ قسمیں ہیں ۱۔ خواب وحی یعنی انبیا کو ہوتی ہے ۲۔ خواب مشابہ وحی ۳۔ خواب عوام ۴۔ خوابِ نفسی ۵۔ خواب الہام ۶۔ خواب شیطان ۷۔ خواب حلم اس کی احلام یعنی دن کے تفکرات رات میں نظر آئیں۔ ۸۔ خوفناک خواب ۹۔ خواب محزونہ یعنی غمزدہ کرنے والی خواب ۱۰۔ خواب اولیاء ۱۱۔ خواب بشارت الٰہیہ ۱۲۔ خواب حدیث نفس۔ عقل سے مراد دین ہے یعنی لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تاکہ تم دین حقیقی پالو۔ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس میں عقل نہیں اس میں دین نہیں۔ لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَقْلَ لَہٗ۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ پھر تو مجنون مومن نہیں ہو سکتے۔ فرمایا آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقل سے جنون کی ضد مراد نہیں۔ بلکہ ایمان کی ضد مراد ہے۔ (امام غزالی) یعنی جس میں ایمان نہیں اس کے پاس دین نہیں ہو سکتا۔ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ۔ اپنے بھائیوں پر بھائیوں سے مراد یا تو صرف سوتیلے بھائی ہیں۔ یعنی سوتیلے بھائیوں کو خواب نہ بتانا۔ قَصَصْ کا معنی ہے ذکر تک نہ کرنا نہ اجمالی کہ یہ کہہ دینا میں نے ایک خواب دیکھی ہے۔ نہ تفصیلی کہ پوری خواب سنانا۔ یہ اس لیے کہ وہ بھائی حسد کریں گے یا اس لیے کہ وہ الٹی سیدھی تعبیر دے دیں گے۔ جس سے خواب کی توہین ہوگی۔ یا اس لیے کہ یہ صرف خواب ہی نہیں بلکہ اسرارِ الٰہیہ کی وحی ہے۔ جس کا افشاء گناہ ہے۔ یا سگا بھائی بنیامین بھی ان میں شامل ہے کہ بنیامین کو بھی نہ بتانا یا تو اس آخری وجہ اسرارِ الٰہیہ ہونے کی بنا پر۔ یہ اس لیے کہ کہیں یہ بنیامین اپنے بھائیوں میں نہ بتا دے۔ مگر پہلی تفسیر قوی ہے۔ کہ اِخْوَتِكَ سے مراد صرف سوتیلے بھائی ہیں۔ اور نہی کی وجہ حسد ہے کیونکہ آگے اشارہ ہے کہ فَيَكِيْدُوْا پس وہ ایسا مکر اور فریب کریں گے۔ جو بہت سخت ہوگا۔ اگر یہاں فا اپنے معنی میں ہے تو یہ غیبی خبر ہے۔ کہ اے یوسف ہوشیار رہنا۔ وہ بھائی ایسا کرنے والے ہیں۔ اور اگر فا بمعنی اِلَّا یعنی ورنہ ہے تب یہ نہی کی وجہ ہے اور مطلب ہے کہ ان کو خواب نہ بتانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تجھ سے کچھ مکر مل جائیں۔ ابھی

تک تو محبت پذیری کے جلا دیے ہیں صرف حسد ہی کرتے ہیں ان کو تیرے اصل مرتبے کا پتہ نہیں۔ لیکن خواب کے بعد شیطان ان کو کچھ کر گزرنے پر بھڑکائے گا کیونکہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے۔ ڈھکا چھپا نہیں بلکہ مبینٌ کھلا کھلا اس لیے کہ اس نے خود منہ سے کہا ہوا ہے کہ نیک بندوں کا دشمن ہوں کہ ان کو ہی اپنوں کے ساتھ رسوا و ذلیل ہلاک کراؤں گا۔ اور بروں کا بھی دشمن ہوں کہ ان کے ذریعے کراؤں گا۔ اور انہیں مصیبتوں میں پھنساؤں گا۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ اصل قرآن عربی زبان ہیں اس کے ترجمے قرآن نہیں۔ نہ ان کی تلاوت جائز نہ نماز میں پڑھنا جائز۔ صرف ترجمہ چھاپنا ناجائز ہے۔ الفاظ عربیہ کی حفاظت رب کے ذمۂ کرم پر ہے نہ کہ ترجمے کی۔ لہٰذا ترجمے غلط ہو سکتے ہیں۔ اور اشرف علی تھانوی وغیرہ وہابیانِ زمانہ نے ترجمے غلط کیے ہیں۔ یہ فائدہ قرآناً عربیّاً سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ عربی میں قرآن پاک آنا عربیوں پر احسان ہے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہوا۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی احسان ہے یہ فائدہ بھی عربیّاً سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ قرآن پاک لوگوں کو سمجھانے عقل دینے کے لیے آیا ہے نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو، آثارِ کائنات تو سب کچھ پہلے ہی سمجھے ہوئے تھے۔ یہ فائدہ تعقلون فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**۔ نزول قرآن مجید کے بعد حضور علیہ السلام کسی شے سے غافل نہ رہے اگرچہ عالم ماکان ومایکون تو آپ پہلے تھے۔ یہ فائدہ لمِنَ الغافلین فرمانے سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی مومن صحابی تھے۔ کیونکہ ان کو ستاروں کی شکل میں دیکھا۔ اور یہ کہ گناہ سے کفر لازم نہیں آتا۔ اور وہابیوں کا یہ عقیدہ باطل ہے کہ بے نمازی وغیرہ گناہگار کافر ہیں۔ یہ فائدہ اَحَدَ عَشَرَ کَوۡکَبًا سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**۔ ہر شخص کو خواب نہ سنانی چاہیے۔ خاص کر جاہل اور دشمن کو۔ نہ اچھی خواب نہ بری۔ کیونکہ خواب کا مدار تعبیر پر ہے۔ اس لیے کسی محبوب دوست اور تعبیر جاننے والے عالم کو سنانی چاہیے۔ یہ فائدہ لاتقصُص سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**۔ انبیاء کرام آئندہ غیبی واقعات کو جانتے ہیں اور حضرت یعقوب آئندہ کے تمام حالات کا علم غیب رکھتے تھے اس لیے آپ نے یہ نہ فرمایا کہ کہیں تم کو ہلاک نہ کر دیں۔ بلکہ فرمایا وہ بھائی صرف مکر ہی کر سکتے ہیں۔ ہلاکت پر قدرت نہیں ہے۔ یہ فائدہ فَیَکِیۡدُوا الخ سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**۔ اعتبار انجام اور آخر کا ہوتا ہے۔ حضرت یعقوب نے اپنے ان ہی دس حاسد بیٹوں کو بھیڑیوں کی شکل میں دیکھا تھا۔ اور حضرت یوسف نے ان ہی کو ستاروں کی شکل میں دیکھا کہ یعقوب علیہ السلام کو گناہ کا ابتدائی وقت دکھایا گیا۔ اور یوسف علیہ السلام کو انتہائی توبہ کا وقت دکھایا گیا۔ اسی طرح بندہ گناہ کے وقت شکل بھیڑیئے کے ظاہر ہوتا ہے۔ اور سچی توبہ کے وقت شکل ستاروں کے۔ یہ فائدہ کَوۡکَبًا اور فَیَکِیۡدُوا سے حاصل ہوا۔

اعتراضات: یہاں چند اعتراضات پڑ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف

کو شب قدر میں ثواب آئی۔ حالانکہ اس وقت شب قدر کہاں ہوتی تھی۔ یہ تو مسلمانوں کے لیے اس اسرائیلی کے مقابل بنائی گئی۔ جو ہزار مہینے عبادت کرتا رہا۔ جواب:۔ مسلمانوں کے لیے صرف اس کا ثواب بتایا گیا۔ ورنہ یہ رات حضرت آدم سے ہی چلی آ رہی ہے۔ اسی رات حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اترے۔ اور اسی رات نور محمدی حضرت آدم کو نظر آیا۔ اور آپ نے انگوٹھے چومے۔ اب بھی کئی صالحین کو اسی رات میں نور محمدی نظر آتا ہے یہ ایک قول ہے دوسرا اعتراض۔ آپ کی تفسیر نے بتایا کہ اِذْ کے بعد اُذْکُرْ پوشیدہ ہوتا ہے اور اُذْکُرْ کا معنیٰ ہے یاد کیجئے جس سے نبی کریم کا علم غیب اور حاضر و ناظر ہونا یہ پچھلے واقعات کا مشاہدہ کرنا ثابت ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا بنی اسرائیل اذکروا۔ اے بنی اسرائیل میری نعمتیں یاد کرو۔ تو چاہیئے کہ سب یہود کافر سب علم غیب رکھتے ہوں۔ اور جب یاد کرنے سے وہاں غیب وغیرہ ثابت نہیں تو یہاں بھی نہیں (دیوبندی وہابی) جواب۔ یاد کرانا دو قسم کا ہے (۱) پڑھے ہوئے کو یاد کرانا (۲) بے پڑھے کو یاد کرانا۔ پڑھے ہوئے انسان کو وہی چیز یاد کرائی جاتی ہے جو اس نے پڑھی ہو۔ یہودیوں کو وہ نصیحتیں یاد کرائی گئیں جو انہوں نے اپنی توریت میں پڑھی تھیں۔ کتب سابقہ میں مطالعہ کی تھیں۔ لہٰذا یہ غیب نہ ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں بے پڑھے ہیں۔ نہ توریت کو دیکھا نہ کسی کتاب کو۔ تو آپ کو یاد کرانا، فقط مشاہدہ یاد کرانا ہے۔ کیونکہ ان پڑھوں کو صرف مشاہدے یا سنی سنائی چیز یاد کرائی جاتی ہے۔ نبی کریم نے تو یہ واقعات کسی سے سنے بھی نہ تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ مشاہدہ یاد کرایا جا رہا ہے۔ تاکہ غفلت بھی دور ہو۔ اور کفار کو بھی علم نبوت کا پتہ چل جائے۔ تیسرا اعتراض۔ غافلین کا معنیٰ ہے بے علم ہونا جیسا کہ تفسیر سے ثابت ہے نہ کہ بھولا ہوا ہونا آپ نے اس کا ترجمہ بھولنا کیا ہے وہ سب تفسیروں کے خلاف ہے اور باطل رائے ہے۔ جواب۔ باطل رائے نہیں بلکہ لغت کے مطابق اور قرآن کریم کے منشاء کے مطابق ہے۔ جیسا کہ پہلے لغات کی کتاب سے ثابت ہوا کہ غفلت کا معنیٰ ہے نسیان اور لفظ اُذْکُرْ پوشیدہ بھی بتا رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واقعاتِ عالم پر حاضر و ناظر اور شاہد تھے۔ اس سے مزید ثابت ہوا کہ آئندہ تا قیامت بھی کوئی چیز آپ پر پوشیدہ نہیں کہ یہ مشاہدہ زیادہ آسان ہے۔ جب تمام مفسرین اذکر پوشیدہ مانتے ہیں تو ہماری تفسیر ان کے خلاف کیسے ہوئی۔ قرآن پاک میں چونتیس جگہ مختلف آیات میں غفلت کے صیغے آتے ہیں۔ اور سب جگہ بھولنا ہی معنیٰ نکلتا ہے اصطلاح میں بھی بے علم اور غافل میں فرق کیا جاتا ہے۔ غفلت کو بے علمی کہنا سراسر جہالت ہے۔ چوتھا اعتراض۔ یوسف علیہ السلام نے اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا الخ کہہ کر عبارت بلا فائدہ دراز کر دی ہے۔ چاہیئے تھا کہ ثلاثہ عشر کوکبا کہہ دیتے۔ جواب اس طرح فرمانے میں خواب کی حقیقی کیفیت بیان نہ ہوتی آپ نے ذرا سی عبارت دراز کر کے خواب کی کیفیت پوری واضح فرما دی کہ شمس قمر سے اور قمر ستاروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ جو مجھ کو نظر آئے وہ بھی اسی طرح ممتاز تھے۔ اور ترتیب بیان سے کیفیت رویت ثابت ہوئی۔ کہ پہلے تارے دیکھے پھر سورج پھر چاند اگرچہ واؤ عاطفہ ترتیب کو نہیں چاہتا مگر طرز بیان نے ترتیب بتا دی۔ لہٰذا درازیٔ عبارت بے فائدہ نہ ہوئی۔ پانچواں اعتراض۔ حضرت یوسف نے دو دفعہ رَاَیْتُ فرمایا۔ اس تکرار کا

کیا فائدہ؟ جواب۔ یہ تکرار نہیں بلکہ استیناف ہے اور اس کا فائدہ یہ کہ پہلے رَاَیْتُ سے صرف دیکھنا اور تاروں و سورج چاند کا قریب آنا بتایا۔ دوسرے رَاَیْتُ سے یہ بتایا کہ ان ستاروں وغیرہ نے آکر کیا عمل کیا۔ تکرار تب ہوتی ہے جب دونوں رَاَیْتُ ایک ہی بات بتاتے۔

تفسیر صوفیانہ

الٓرٰ۔ تاویل صوفیا میں الف سے مراد اَنَا وَاحِدٌ ہے اور لام سے اہل توحید مراد را سے مراد اہل تفرید ربانیہ ہیں۔ (عرائس بیان) کچھ صوفیا کہتے ہیں کہ الف لام را کا معنیٰ ہے اللہ نے معرفت والوں کے لیے جبریل کی زبان سے قلب رسول اللہ پر اتارا اپنے کلام حقیقت کو۔ دلالت معرفت کی کتاب محبوب سے محب کی طرف نازل ہوئی۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔ یہ سینۂ اہل صفا کو ظاہر کرنے والی کتاب قلب کی آیتیں ہیں۔ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ بیشک ہم محبوب کائنات نے اہل توفیق کی طرف نازل کیا اس وحی باطنی الہامات سری بیغامات صمدی کو عرش قلب کو فرش قالب سے اہل ذوق کو شوق سے ملانے والا قرآن عجم نفس کے سامنے بولتا ہوا نغمات عرب تاکہ محبت شاہد بیان غائب کے ذریعہ طریق وصول کی ہدایت پالے محبوب ذات کی طرف اور اے جستجوء مراد میں بھٹکنے والو معانی معرفت کی حقیقت و اشارات خفیہ کی عقل و فہم رکھو اور لغت و حروف کے پردوں سے نکل کر دلالت حق کے معانی سمجھو نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ اے عرش قلب کے مکین اول ہم ہی بیان کرتے ہیں تیری عقل اول کی طرف معاملات روح و اشباح خلافت روح اور وراثت قلب امانت نفس۔ تعبیر۔ تفسیر۔ اشارۃ۔ بشارت۔ عشق۔ حبس۔ قبض و بسط۔ قرار و فرار والا سب قصوں سے زیادہ اچھا قصہ ان میں جو وحی باطنی کی ہم نے اے حبیب انوار اول تیری طرف۔ رجوع الی اللہ سے وصول الی کی طرف تاکہ معلوم ہو کہ یہ مشاہد ذات کا قرآن روح و قلب کی ترکیب اور سر و نفس کے ملاپ کی معرفت انسانی ملانے والا ہے۔ ظاہری حواس خمسہ اور چھ باطنی قوتیں جو قلب یوسف کے وصل و قرب کے بھائی ہیں اور یعقوب روح کے بیٹے ہیں۔ اور راحیل نفس کی کوکھ سے پیدا ہونے والے ہیں۔ یہ ترکیب انسانی اور فطرت ایمانی کے ارکان اصلی ہیں۔ اگرچہ تو ان کو بھول چکا ہے اور ہم تجھ کو وہ باتیں یاد کراتے ہیں جو عالم ادراک میں تو نے دیکھیں مگر وارفتگی عشق میں تو بھول گیا۔ بس یاد کر۔ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ جب کہا یوسف قلب نے اپنے والد روح کشفی سے اے مکاشفات اسرار کو جنم دینے والے بیشک میں نے مراقبۂ ذات میں گیارہ چمکتے ستارے دیکھے ہیں۔ پانچ حواس ظاہرہ سامعہ۔ باصرہ۔ شامہ۔ ذائقہ۔ لامسہ اور چھ حواس باطنی ۱۔ فکر ۲۔ ذکر ۳۔ حفظ ۴۔ خیال ۵۔ قوت وہم ۶۔ حس مشترک۔ یہ سب حواس اگر نور یزدانی کے پرتو میں آجائیں تو چمکتے ہدایت شہود کے تارے ہیں۔ اور اگر حد نفس امارہ کے تحت ہو جائیں تو بیابان گمراہی کے بھیڑیے ہیں۔ یہ سب حواس قلب حسین کے بھائی ہیں کیونکہ یہ سب یعقوب روح اور راحیل نفس والدۂ طبع نفسی کی صحبت باطنی سے تولد ہوئے اور

اسے باپ شمس روح کو بھی اور قمرِ مطمئنہ کو بھی دیکھا کہ سب مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یعنی قلب منور کے سامنے جھکے ہوئے ہیں اور کمالیت انسان کی بشارتِ عظمیٰ ہے کہ قالب جسدی کی سب قوتیں سلطانِ قلب کے سامنے جھک جائیں یہی فتح مطلق ہے۔ وارث مقام کو دنیوی فنا اور اخروی بقا کے۔ نفسِ حیوانی بدن اور روح کے درمیان برزخِ فراق ہے۔ اسی لیے جب قلب اجسام پر روح کو بشارت مراقبہ کی خبر دیتا ہے تو روح ربانی سمجھاتی ہے۔ قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَى إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ۔ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۔ روح الارواح نے فرمایا اے پسر قلب اپنے وارداتِ حال کو اپنے حواس ظاہری و باطنی اور حسِ مشترک کے بنیامین پر بھی ظاہر نہ کرنا ورنہ حواسِ ذمیمہ قالب جسدی میں حسد کے فریب سے مکر کے جال فساد کے حیلے تیار کریں گے۔ بیشک اے قلب شعور رکھنے والے انسان عالمِ روحانیت میں سب سے بڑا اور کھلا بے باک تیرا دشمن شیطان ہے۔ جو اس سے بچ گیا وہ کامیاب ہے۔ علمائے عرفانیین حرف ہیں جو صفاتِ قدیمہ کی کتاب مبین ہیں صدیقین کے دلوں پر بشکل انوار وارد ہوتے ہیں۔ ان کے آثار ملک و ملکوت کے مشاہدہ میں ہوتے ہیں۔ ان میں ایک حرف انعامِ اسرار ہے جو عارفین کے مکاشفات میں ہوتا ہے۔ دوسرا رحمتِ ابرار ہے جو اہل مشاہدات مقربین کو ملتا ہے۔ تیسرا حرف لعنت قہار ہے جو اہل حسد کو دی جاتی ہے۔ یہ آیات و حروف اغیار سے چھپائے جاتے ہیں۔ ابرار و احباب کو دکھائے جاتے ہیں۔ ہر حبیب کا محبوب سے بھید ہوتا ہے۔ ان آیات پر صرف وہی مطلع ہوتا ہے جو اس دریا سے پیلے اور ان نہروں سے سیراب ہو۔ یہ وہ نشاناتِ قدرت ہیں جن کے حرف اشارات و رموز ہی ہیں۔ صرف وہی اولیاء ربانی جانتے ہیں جو عالم ملکوت میں اڑنے والے ہیں۔ اور عالم جبروت میں سیر کرنے والے ہیں۔ بیشک وہ لوگ جو عینِ غفلت اور صحو دنیا پرستی میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ ان آسان مگر کثیر المعانی والے الفاظ کو نہیں سمجھتے۔ اہل حق جانتے ہیں کہ دنیا کثیر ہے آخرت یسیر ہے۔ مقام واردات دو قسم کے ہیں کثیف یہ ہجر والے۔ خیطر یہ فجر صادق والے ان ہی بخت والوں کے لیے کتاب مبین ہے بیشک اللہ تعالیٰ نے جب ارادہ فرمایا کہ التباس کے پیاسوں کو بحرِ معرفت کا زلال پلائے۔ اور عنقا ہمت کو عشق کے جال میں لائے تو صفت جمال سے تجلی فرمائی۔ صوفیاء عظام کی نظر میں احسن القصص ہونے کی پانچ وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس سورت میں امتحان عشق کا ذکر ہے اور عشق جمالِ ازلی کے مشاہدے کی سیڑھی ہے۔ اور حسن قصہ یہ ہے کہ عشق انسانی روح عاشق کے مراتب میں ہے اور عشق مجازی سے عشقِ الٰہی کی طرف پرواز ہوتی ہے اور اونچی پرواز مشاہدۂ انوار ذات ہے اسی لیئے رب کریم نے اس کا نام احسن القصص رکھا۔ عشق میں آٹھ مقام ہیں۔ ۱ تشلیت ۲ عبرت ۳ ذوق ۴ شوق ۵ فراق ۶ وصل ۷ بلا ۸ عناد۔ ان مقامات کے بغیر عشق کامل نہیں ہوتا۔ اور عشق کے بغیر سیر ہوت نہیں ہوتی۔ عاشق و معشوق کے تذکرے میں امر اور نہی فرض و واجب نہیں ادا و قضا نہیں ہے بلکہ آخر جمال اور سیر وصال ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو احسن القصص کہا گیا۔ تیسری وجہ یہ کہ یہاں طالب کو مطلوب سے۔ حبیب کو محبوب سے حسن کی کمال سے

مماثلت ومشابہت ہے۔ چوتھی وجہ یہ کہ تمام قصے صرف عوام کی سمع سے تعلق رکھتے ہیں مگر یہ قصہ عوام کی سماعت ہے۔ خواص کی عبرت ہے عقل کی فکر ہے دماغ کا ہوش ہے۔ قلب کا جوش ہے۔ پانچویں وجہ یہ کہ اس قصے میں احوال مومنین کی صداقت ہے۔ متقین کی صفت کے معانی ہیں محبین کی محبت کے حقائق ہیں۔ سر عارفین کی صفائی ہے صابرین کے انجام کا حسن ہے۔ صادقین کے سلوک طریقت کی رغبت ہے۔ متوکلین کے راستہ پر لبثت کرانا ہے۔ زاہدوں کے زہد کی اقتدا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وصل اور تعلق پر اعتماد کی دلالت ہے۔ مصیبتوں کے نزول کے وقت بدبختوں کے حالات کا کشف ہے جھوٹوں کے طریقوں کی قباحت کا بیان ہے۔ خواص کی محنتوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہونے کا تذکرہ ہے۔ اور اس کے انجام اعزاز واکرام کا ذکر ہے۔ اور اسی قصے میں شدت کا راحت ہے تنگی کا نعمت سے عبدیت کا ملکیت سے تبدیل ہونے کا تذکرہ ہے۔ اور حبیب ومحبوب کا ذکر ہے۔ اس لئے یہ احسن القصص ہے لفظ یوسف میں چار حرف ہیں۔ ی۔ واؤ۔ س۔ ف۔ اور ان سے چار وضاحتیں ہو رہی ہیں۔ ی سے سلطنت قالب کی سیر یعنی آسانی واؤ سے وضاحت ذات اور حسن چہرہ۔ س سے اسرار غیب پر اطلاع اور تعبیر الرؤیا وسر مکاشفات ف سے وفاء عہد جس میں یہ صفات حسینہ ہوں۔ اس میں خاص عبدیت کی شعاعیں ہیں۔ اور حزن عشق وشوق جمال ربوبیت سے ان مقامات جبروت تک وہی پہنچ سکتا ہے۔ جو خواص کی باتیں عوام کو ظاہر نہ کرے۔ اور مکاشفات لاہوتیہ اسرار صمدیہ کو نااہلوں پر آشکارا نہ کرے۔ یہی حکم ہے معرفت کے قصوں والوں کو مرید باصفا کو جائز نہیں کہ بجز شیخ کامل کے کسی دوسرے کو سر مکاشفہ کا اظہار کرے بلکہ دعوؤں کو چھوڑ کر بحر حجاب سے نفع حاصل کرے۔ اور غیرت کے چشموں میں گردی ہو جائے۔ یا اللہ مجھ کو بھی اس بحر ناپیدا کنار کی سے لہروں سے نوازدے۔ اور ظلمات نفس کے کنوئیں سے نکال کر انوار مصر میں داخل فرما۔ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ
اور اسی طرح چن لے گا تجھ کو رب تیرا اور سکھائے گا تجھ کو تعبیر خوابوں کی اور پوری فرمائے گا نعمت اپنی پر تجھ
اور اسی طرح تجھے تیرا رب چن لے گا اور تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا
الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ
اور پر آل یعقوب کی جیسے پورا فرمایا اس نعمت کو
اور تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے گا اور یعقوب کے گھر

كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ط

پر والدین تیرے سے پہلے ابراہیم اور اسحٰق

والوں پر جس طرح تیرے پہلے دونوں باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر

اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَ

بیشک رب تیرا علیم ہے حکمت والا ہے البتہ بے شک تھیں میں یوسف اور

پوری کی بیشک تیرا رب علم و حکمت والا ہے بے شک یوسف اور

اِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝۷ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ

بھائیوں اس کے نشانیاں لیے پوچھنے والوں کے یاد تو کرو جب کہا سب نے کہ البتہ یوسف اور

اس کے بھائیوں میں پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں جب بولے کہ ضرور یوسف اور اس

اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ط اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ

بھائی اسکا زیادہ محبوب ہے طرف والد ہمارے کے سے ہم حالانکہ ہم مضبوط جماعت ہیں بیشک باپ

کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں بے شک

ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۨ ۝۸

ہمارے البتہ ہیں سخت محبت کھلی

ہمارے باپ صراحۃً ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ہی آپ کو یہ سب داستان بتائی جس سے آپ غافل ہو چکے تھے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ حضرت یوسف اور تمام سابقہ انبیاء کو بھی ہم نے ہی ہر طرح علم سکھایا اور ہم نے اپنی شاگردی کے لیے چن لیا۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں یوسف علیہ السلام کی خواب کا ذکر ہوا۔ اب یہاں خواب کی تعبیر جاننے کے علم کا ذکر ہے۔ کہ کس نے یہ علم سکھایا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں محبت پدری کا ذکر ہوا۔ اب یہاں بھائیوں کی دشمنی کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی۔ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۔۔۔۔۔ واؤ ابتدائیہ کذالک اسم

تشبیہی مشبہ لہ ہے۔ سابقہ عبارت خواب دکھانا۔ اور مشبہ اگلا جملہ یَجْتَبِیْ فعل مضارع بمعنی مستقبل جبیؔ ناقص یائی سے مشتق ہے اس کا معنی ہے پسند کرنا۔ چن لینا۔ اہل بنانا یا اہل پانا۔ یہاں سب معنی مناسب ہیں کَ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ رَبُّکَ مرکب اضافی فاعل ہے۔ فعل واؤ عاطفہ یُعَلِّمُ تعلیمؔ سے بنا۔ بمعنی علم سکھانا فاعل ہو ضمیر پوشیدہ اس کا مرجع اللہ تعالیٰ کَ مفعول بہ من بیانیہ تاویل باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اَوّل سے بنا بمعنی بدلنا۔ الٹا کرنا۔ متعدی بنفسہٖ ہے مضاف اَلْاَحَادِیْثُ۔ مضاف الیہ ہے۔ الف لام استغراقی حدیث کی جمع حدثؔ سے بنا۔ بمعنی نئی پیدا شدہ بات یا کلام یا چیز یا فعل صحیح یہ ہے۔ کہ یہ حادثہ کی جمع تکسیر ہے۔ جیسے باطل کی اباطیل۔ بعض نے کہا یہ اسم جمع مگر یہ غلط ہے کیونکہ اسم جمع مفاعیل کے وزن پر نہیں آتا۔ وَیُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ یَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَیْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ ۔

واؤ عاطفہ یُتِمُّ باب افعال کے مضارع معروف کا عطف ہے یَجْتَبِیْ پر۔ تَمٌّ سے بنا بمعنی پورا کرنا۔ متعدی بیک مفعول ہے۔ نِعْمَتٌ واحد ہے انعام کا۔ مراد بلاعوض اچھی نفع بخش چیز دینی۔ ہٗ ضمیر کا مرجع ذات باری تعالیٰ علیٰ جارہ بمعنی لام ملکیت کا یعنی تیرے لیے کَ ضمیر کا مرجع یوسف ہیں۔ واؤ عاطفہ جارہ کا جار پر عطف ہے۔ آل بمعنی متبع یا بمعنی اہل بیت یا اہل خاندان نبوت۔ یَعْقُوْبَ غیر منصرف ہے۔ علم ہے وزن فعل ہے عَقَبٌ سے بنا۔ کثرت نحات اس طرف راغب کہ یہ اسم عجمی ہے۔ اس کا مادہ اشتقاق کوئی نہیں۔ اسم جامد ہے۔ کَمَا کاف حرف تشبیہ ما زائدہ۔ مشبہ یہ اتمام ہے۔ اگلا جملہ مشبہ ہے۔ اَتَمَّ فعل ماضی متعدی بیک مفعول ھَا ضمیر مؤنث غائب کا مرجع نعمت ہے۔ یہ مفعول بہ ہے۔ اَتَمَّ کا علیٰ جارہ حسب سابق اَبَوَیْ تثنیہ ہے اَبٌ کا اَبَوَیْنِ تھا نون تثنیہ بوجہ اضافت گر گئی۔ مِنْ جارہ قَبْلُ اسم ظرف مبنی ہے ضمہ پر۔ مضاف الیہ محذوف ہے دونوں اسم عجمی ہیں۔ اِنَّ رَبَّكَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۔ اِنَّ رَبَّكَ اِنَّ حرف اپنے اسم رَبَّکَ اور اپنی خبر عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ سے مل کر جملہ تعلیلیہ ہے۔ جس سے ماسبق کی علت بیان کی علیمؔ علمؔ سے بنا۔ بروزن کریم اور حکیم حکمؔ سے بنا اسی وزن پر دونوں علیحدہ علیحدہ خبریں ہیں۔ لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآىٕلِیْنَ ۔ لام کی قَدْ کَانَ ماضی قریب کَانَ تامہ ہے فی ظرفیہ اس کا مظروف یوسف نہیں بلکہ لفظ حال یا لفظ قصہ پوشیدہ مضاف ہوئے یوسف یعنی فِیْ حَالِ یُوْسُفَ واؤ عاطفہ اِخْوَتِ اس کا معطوف ہٖ کا مرجع حضرت یوسف۔ اٰیَات جمع ہے آیت کی بمعنی نشانیاں۔ تنوین یعنی دو پیش تعظیمی کی ہیں۔ لام جارہ نفع کا ہے۔ اَلسَّآئِلِیْنَ جمع ہے سائل کی۔ سُؤَالٌ سے بنا بمعنی خواہش کرنا۔ پوچھنا۔ طلب کرنا۔ یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔ اِذْ قَالُوْا لَیُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ [illegible] اِذْ ظرفیہ بمعنی جب قَالُوْا فعل ماضی جمع ہے اس کا فاعل اِخْوَتٌ ہے۔ لَیُوْسُفُ لام کی جواب قسم کے لیے ہے۔ دراصل تھا وَاللّٰہِ لَیُوْسُفُ۔ بحالت رفع مبتدا ہے اپنے معطوف اَخُوْہُ سے مل کر اَحَبُّ اسم تفضیل غیر منصرف [illegible] وزن فعل کی وجہ سے اَحَبَّ یعنی محبوب الی جارہ بمعنی عِنْدَ اَبِیْ اسماء مکبرہ سے بحالت جر مضاف ہے نا ضمیر جمع متکلم کی طرف۔ نا کا مرجع اِخْوَتٌ ہیں مِنْ حرف جر بدلے کے لیے نا ضمیر متکلم مجرور متصل۔ واؤ حالیہ نَحْنُ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا عُصْبَةٌ خبر ہے عَصْبٌ سے بمعنی جسمانی طاقت بمعنی بندھن۔ خواہ رشتے کا جیسے وارث عصبہ یا

عقیدے کا ہو۔ جیسے متعصب لوگ خواہ وعدے کا ہو۔ جیسے عصابیت۔ یہاں مراد جسمانی مضبوطی ہے۔ عُصْبَۃ وہ جماعت مراد ہے جس کے افراد دس یا تیرہ ہوں۔ یا پندرہ یا بیس یا چالیس۔ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۔ اِنَّ حرفِ یقین اَبَا اسم اِنَّ بحالت زیر ہے۔ نا ضمیر متکلم مضاف الیہ ہے۔ لَفِیْ لام کی برائے تاکید فی جارہ ظرفیہ ضلال مظروف موصوف مجرور ضلّ سے بنا۔ یہ لفظ دس معنوں میں مشترک ہے ۱۔ غلطی کرنا ۲۔ بہک جانا ۳۔ نقصان کرنا خیال کرنا ۵۔ وقت پر دھوکہ دینا ۶۔ گم ہو جانا ۷۔ چھپ جانا ۸۔ ضائع کرنا ۹۔ پریشان ہونا ۱۰۔ محبت میں انتہا کو پہنچنا۔ یہاں یہ آخری یا پہلے معنی ہی مناسب ہیں۔ مُبِیْنٌ باب افعال کا اسم فاعل مُبِیْنٌ سے بنا۔ یعنی ایسا ظہور جو سب کو نظر آئے۔

تفسیر عالمانہ۔ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۚ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔ اور اے بچے جس طرح اب تیرے بھائیوں میں سے رب تعالیٰ نے تجھ کو چن لیا۔ عزت۔ وحی اور نبوت کے لیے۔ اسی طرح آئندہ بھی اختیار اور پسند فرمائے گا تجھ کو تیرا رب کہ آج کا یہ مشاہدۂ خواب کل کو حقیقت بن کر سامنے نظارہ ہو گا۔ اگلی عبارت علیحدہ جملہ ہے۔ یہاں ھُوَ ضمیر پوشیدہ ہے۔ دراصل تھا وَهُوَ يُعَلِّمُكَ اور وہ اللہ تعالیٰ سکھاتا ہے یا سکھائے گا تجھ کو اے میرے بیٹے خوابوں کی تعبیریں کہ جب اس نے اپنے خاص اسرار کی رویت کرا دی۔ تو اس کی تعبیر بھی ضرور بتلائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے دس انبیاء کرام کو دس علم خصوصی دے کر ان میں کامل فرمایا۔ ۱۔ حضرت آدم کو کل چیزوں کے نام سکھائے ۲۔ حضرت ادریس کو بہترین لکھنا سکھایا۔ ۳۔ حضرت ابراہیم کو علم مناظرہ سکھایا ۴۔ حضرت داؤد کو حکمت سکھائی ۵۔ حضرت سلیمانؑ کو پرندوں کی بولیاں ۶۔ حضرت موسیٰ کو مناجات کا علم سکھایا ۷۔ حضرت خضر علیہ السلام کو فراست اور علم باطنی طریقت وغیرہ سکھائی ۹۔ حضرت عیسیٰؑ کو معرفت اور علم تصوف سکھایا ۱۰۔ حضرت یوسف کو علم تعبیر سکھایا مگر ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام علوم سب سے پہلے سکھائے تعلیم کے معنی پڑھانا۔ جو بھول نہ سکے۔ تاویل اول سے بنا۔ یعنی حال سے مآل کی طرف باطن سے ظاہر کی طرف خواب سے حقیقت خارجی کی طرف لوٹنا یہاں مراد ہے خواب کا مطلب بتانا۔ احادیث جمع ہے حدیث کی جس کا مادہ ہے حَدَثٌ یعنی نئی چیز یہاں مراد خوابیں ہیں۔ خواہ حدیث النفس ہو یا شیطانی یا صادق ہو یا غیر صادقہ۔ اصطلاح شریعت میں نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات طیبات کو حدیث کہا جاتا ہے۔ اور اے یوسف رب کریم تجھ کو زمانۂ قریب میں اپنی نعمت یعنی نبوت پوری طرح تمام فرما دے گا کہ تبلیغ احکام اور ملک گیری کا پورا اختیار سونپ دے گا۔ اور یعقوب یعنی میری باقی آل پر بھی نعمت ہدایت پوری فرما دے گا۔ اس طرح کہ تجھ کو نبی اور ان کو ہدایت کے ستارے بنا دے گا۔ حرف علیٰ کا دوبارہ آنا اس لیے ہے تاکہ ضمیر متکلم کا اسم ظاہر پر عطف جائز ہو جائے۔ یہ اتمام نعمت تجھ پر محض اسی طرح کرم ہے جس طرح اے یوسف تیرے آباؤ اجداد پر نعمت نبوت مکمل فرمائی۔ من قبل ظرف مضاف ہے مضاف الیہ محذوف معنوی ہے یا مطلب ہے تم سے

پہلے یا اس زمانے سے پہلے۔ ابراہیم علیہ السّلام جدّ اعلیٰ پر اور اسحٰق علیہ السّلام دادا محترم پر۔ یہ عبارت ملف بیان ہے اتمام نعمت حضرت ابراہیم پر یہ ہوئی کہ ان کو خلیل بنایا نارِ نمرود سے بچایا، آگ کو گلزار بنایا۔ لختِ جگر کو ذبح سے بچایا قربانی کو منظور فرمایا۔ اسحٰق علیہ السّلام پر اس طرح نعمت کو پورا فرمایا کہ یعقوب جیسا فرزند عطا فرمایا بنسل کو صدیوں چلایا۔ اور ان کی اولاد میں بہت سوں کو نبی و رسول بنایا۔ تین آسمانی کتابوں کو ان میں بھیجا اور اعصا الہیہ کو بعض نے کہا کہ ذبیح اسحاق تھے مگر یہ روایۃً و درایۃً غلط ہے۔ بیشک اے یوسف تیرا رب اپنے تمام افعال میں ازلی ابدی قدیم علیم ہے ہر طرح ظاہر و باطن جاننے والا ہے۔ جس کو جو دیتا ہے بالکل درست دیتا ہے۔ اس کے کسی فعل پر کسی کو اعتراض نہیں۔ کیونکہ حکیم یعنی حکمت والا ہے کون مجتبیٰ بننے کے لائق ہے۔ کس کو مصطفیٰ بنایا جا سکتا ہے۔ اس کو وہی جانتا ہے خود بننے والا بھی اس بھید کو نہیں پاتا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ نعمت کی تکمیل اور تتمیم یہ ہے کہ دنیا کی یہ نعمت اخروی درجات کا باعث بنے۔ احادیث خواب اگر یہ فرشتے کی طرف سے ہو تو صادقہ ہے شیطان کی طرف سے ہو تو کاذبہ ہے اس کا فرق عالم تعبیر ہی بتا سکتا ہے۔ آل سے مراد حضرت یعقوب کی یہ اولاد نرینہ ہے۔ بعض نے کہا کہ سب بیٹے انبیاء بنائے گئے۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ انبیاء کرام شروع سے معصوم ہوتے ہیں۔ اور معصوم گناہ کر سکتا ہی نہیں۔ ان میں قدرتِ گناہ کا مادہ ہی نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ ان بیٹوں سے بہت گناہ صادر ہوئے۔ للغایہ صحابیت کے درجہ پر ہی ہیں۔ اور ہدایت کے تارے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ آل سے مراد انبیاء بنی اسرائیل ہیں کیونکہ وہ سب ہی اولادِ یعقوب ہیں۔ رازی فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کا اجتباء انبیاءِ کرام سے خاص ہے ان کے طفیل اور وسیلے سے صدیقین اور شہداء علماء اولیاء کو نصیب ہے۔ اللہ کی بعض نعمتیں صرف مخلوق کے لیے ہیں مگر بواسطۂ نبوت اور بعض نعمتیں صرف انبیاء کے لیے ہیں مگر دیگر مخلوق کو بھی مل جاتی ہیں بطفیل نبوت جیسے چراغ اور بلب کا نور چمنی ہی کے قریب ہے۔ اور چمنی ہی کو میسر ہے۔ اگر چمنی سفید ہو تو مقصود عوام کو روشنی پہنچانا۔ یہ [illegible] کے لیے نہیں۔ اگر چمنی ہری پیلی ہو تو مقصود چمنی کو نور دینا ہے۔ خوبصورت بنانا ہے۔ اس کے طفیل کچھ روشنی [illegible] بعض عبادات وہ نعمتیں ہیں جو امت کے لیے ہیں۔ انبیاء کرام صرف سکھانے اور لذت کے [illegible] کرامات علم فضل انبیاء عظام کے لیے ہیں۔ امت کو ان کے طفیل ملتی ہیں۔ رازی فرماتے ہیں [illegible] ہے اس کو کہ خوابوں کی تعبیر ہو یا مخلوقِ خدا کی روحانی جسمانی کیفیات اور انتظام کائنات کو درست کرنے کا سلیقہ ہو۔ اور اتمام نعمت سے مراد نبوت ہی ہے کہ نبوت سے اوپر کوئی درجہ نہیں۔ انسان پر اتمام نعمت یہی ہے کہ اس کو نبوت تک پہنچا دیا جائے۔ اس تفسیر کے مطابق کہنا پڑے گا کہ آل یعقوب سے مراد یہ گیارہ بیٹے نہیں بلکہ آئندہ نسل میں انبیاء بنی اسرائیل ہیں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیٹے بھی بعد میں نبی بنائے گئے ان سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کب بنائے گئے۔ سیدنا یوسف تک نبوت ثابت نہیں۔ ابھی تک تو وہ جرم کرتے ہیں

چلے آرہے ہیں ۔ لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ. إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ
إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ۔ البتہ بیشک یوسف علیہ السلام اور ان کے گیارہ بھائیوں کے اس قصے اور حکایات اور
واقعات میں جو کچھ حسین پر بیتا بہت بڑی عبرت کی نشانیاں ہیں ۔ یا قدرت الٰہیہ کی یا حکمت عظیم کی سوال کرنے اور ان
واقعات میں غور وخوض کرنے والوں کے لیے ۔ کہ کس طرح یوسف نے خواب دیکھی، اور والد محترم نے منع کر دیا کہ
بھائیوں کو نہ بتانا گھر کی کسی عورت نے یا انہوں نے شام کو عبادت کے بعد بھائی گھر آئے تو خواب کا سب واقعہ سنا
دیا۔ اس طرح خواب کا بھید ایک عورت کے ذریعے فاش ہوا۔ امام غزالی فرماتے ہیں آپ کی خالہ نے حسدًا یہ بھید
ظاہر کیا۔ یہ کہتے ہوئے اے بیٹو محنت ومشقت تم کرو مگر باپ کی نظر میں مرتبہ یوسف کا زیادہ ہو۔ روایت میں ہے
کہ چار عورتوں نے چار بزرگوں کے بھید ظاہر کئے۔ شمعون کی ماں نے یوسف کی خواب کا۔ حضرت نوح کی بیوی نے
نوح علیہ السلام کی کشتی کا بھید کافر قوم سے ظاہر کیا۔ ۳ لوط علیہ السلام کی بیوی نے حضرت لوط کے مہمانوں کا بھید
ظاہر کیا۔ ۴ ام المومنین حضرت حفصہ رضہ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا گھریلو راز ظاہر کیا۔ تین عورتوں کا قرآن مجید میں
ذکر آگیا لیکن ام شمعون کا ذکر نہیں آیا۔ بھائیوں کا حسد اور زیادہ ہوا۔ ان سب جابروں طاقت والوں نے یوسف کے
خلاف بڑی سخت تدبیریں کیں۔ خدا تعالیٰ نے کس طرح کمزور یوسف کو دنیا جہان کی قوت وطاقت بخشی اور ان جابروں کو
اس کمزور کے سامنے جھکنا پڑا۔ کیسی قدرتیں حکمتیں اور عبرتیں ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا۔ بعض نے فرمایا لَقَدْ کا لام قسمیہ ہے اور
باللہ پوشیدہ ہے۔ اے پیارے حبیب اس وقت کو بھی یاد فرمائیے کہ جب برادران یوسف نے سب سے چھپ کر
خفیہ طریقے سے روبیل کے گھر میں بات چیت کی۔ یوسف علیہ السلام اور ان کے سگے بھائی بنیامین کے بارے میں
کہ اے لوگو کتنے غم کی بات ہے کہ البتہ بیشک یوسف اور اس کا چھوٹا بھائی سگا بنیامین ہمارے والد کی نظروں
میں زیادہ محبوب ہے ہم سب سے اور جب سے خواب دیکھا ہے اس وقت سے تو محبت اور بھی زیادہ ہوگئی۔
حالانکہ کام کاج میں صحت اور تندرستی میں، دراز قد اور جوانی میں ہم زیادہ مضبوط ہیں۔ محبت پدری کے حقدار تو ہم ہیں
نہ کہ دو کمزور اور کم سن بچے ہم تو یہ کہیں گے اور سمجھیں گے کہ ہمارے والد اس ترجیحی محبت میں البتہ بیشک کھلی غلطی
میں ہیں۔ لَیُوسُفُ کی عبارت پوری مقولہ ہے قَالُوا کا لام تاکیدیہ نے بتایا کہ یہ مشورہ بڑی دلچسپی اور تاکید سے
ہو رہا تھا اور ان پر یہ محبت بڑی شاق تھی۔ اَحَبُّ اسم تفضیل بمعنی محبوب مفعولیت کی بنا پر ہے و خبر ہے اس
کے مبتدا لَیُوسُفُ اور اَخُوہُ دونوں ہیں۔ چونکہ یہ اَفْعَلُ مِنْ سے متصل ہے اس لیے یہ اکیلی خبر جانتے۔ لفظ
عصبہ دس سے بیس تک کی جماعت کو کہا جاتا ہے اور لفظ رَھْط پانچ سے دس تک کے وفد کو کہا جاتا ہے
ایک قول کے مطابق دس سے چالیس تک کو عصبہ کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے گروہی اور جماعتی مضبوطی پیدا
ہوتی ہے۔ اس کو جم غفیر بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ رمضان مبارک کے چاند میں مطلع صاف ہونے کی صورت میں

بھی اتنے ہی گواہ معتبر ہیں۔ اسی سے تعصّب ہے کہ غلطی پر اڑ جانا۔ یوسف علیہ السّلام کے دس علاتی بھائیوں
کا یہ خفیہ مشورہ اور والد محترم کے متعلق یہ کہنا کہ وہ غلطی میں ہیں۔ محض اس لیے تھا کہ ان کی نظر دنیوی جاہ و جلال
اور منفعت دنیا تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ شاید وہی محبتِ پدری کا حق دار ہے جو دنیوی اعتبار سے اعلیٰ ہو مگر وہ
اس نکتے کو نہ سمجھ سکے کہ نبی کی محبت اور توجہ دنیوی لحاظ سے نہیں ہوتی۔ وہاں تو للّٰہیت اور اُخروی جاہ و جلال
دیکھا جاتا ہے۔ بھائیوں نے صرف یہ دیکھا کہ ہم طاقتور کاروباری اور خاندان کا بوجھ اٹھانے والے ہیں بکریاں
چرا چرا کر تھک جانے والے ہیں۔ مگر انہوں نے یوسف کے بے ماں ہونے نازک اندام اور بھولے بھالے ہونے
اور یوسف کے چہرے سے معصومیت کی جھلکیاں، انہوں نے اس پر غور نہ کیا کہ ہم کو تو بچپن میں ماں باپ دونوں کا پیار مل
گیا تھا۔ اگر یوسف اور اس کے بھائی کو صرف والد کا پیار مل جائے تو کیا مضائقہ ہے اِن کو یہ گوارا بھی نہ ہوا۔ وہ
ان دونوں کو اس سے بھی محروم کرنا چاہتے تھے۔ ان کے دل میں اس پیار سے حسد کی آگ تھی۔ روایت ہے کہ
چھ شخصوں نے چھ بزرگوں اور نیکوں سے حسد کیا۔ اور حسد میں ان کو ہلاک اور خراب کرنے کی کوشش کی مگر اللہ کریم
نے ان کے تمام مکروفریب کو درہم برہم کر دیا اور اپنے پیاروں کو بچا لیا۔ ۱ قومِ نوح نے حضرت نوح کو ہلاک کرنے
کی ۲ نمرود نے حضرت ابراہیمؑ کو ۳ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو ۴ یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو ۵ اہلِ مکہ نے
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ۶ اور برادران یوسف نے حضرت یوسفؑ کو ہلاک کرنے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ
نے حاسدین کو برباد کر دیا اور اپنے پیاروں کو بچا لیا۔ یونہی شیطان مومنوں کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے
مگر اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بچا لیتا ہے۔ ہاں مومن کو چاہیئے کہ تین چیزوں سے بچے ۱ حسد ۲ تکبر ۳ اجنبی عورت
کی خلوت سے کیونکہ یہ تینوں شیطان کے جال ہیں۔ یعقوب علیہ السّلام کو پتہ تھا کہ اگرچہ یوسف جسمانیت اور عمر میں
کمزور اور صغیر ہے مگر فضیلت و عظمت میں سب بھائیوں سے بڑا ہے۔ بھائیوں کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ ستاروں
سے مراد ہم بھائی ہیں اور سورج سے مراد ہم سب کے والد حضرت یعقوب اور چاند سے مراد یوسف کی سوتیلی ماں اور
ہماری سگی والدہ کیا ہے حضرت یعقوب کو یوسفؑ سے تین وجہ سے محبت تھی۔ ایک وجہ تو یہ کہ حضرت یوسف
اور بنیامین کی والدہ بچپن ہی میں انتقال کر گئی تھیں۔ دوسری وجہ یہ کہ حضرت یوسف اور بنیامین ہر وقت خدمت
والدین حاضر رہتے۔ اور گھریلو تمام خدمات والد محترم کی وہی انجام دیتے۔ بخلاف دیگر بھائیوں کے کہ اپنے بڑے ہونے
کی وجہ سے کبھی بازار کبھی قسکار اور کبھی سفر اور حضر میں رہتے۔ ان کی خدمات مشترک تھیں۔ یوسف اور بنیامین
کی خدمات وقف تھیں۔ نبی اکرم کے لیے ظاہر بات ہے کہ ہمہ وقت حاضر باش زیادہ مستحق محبت ہو جاتا ہے۔
تیسری وجہ یہ کہ یوسف علیہ السلام میں بچپن ہی سے رشد و ہدایت۔ نجابت و صلاحیت کے وہ آثار ہویدا تھے جو
دیگر بھائیوں میں نہ تھے۔ یہی امتیاز نبوت ہے کہ نبی بچپن میں بھی باقی مخلوق سے ممتاز و بے مثل ہوتا ہے تا کہ

فطرت کے یہ خلاف ہے کہ کوئی دل بھر کر گناہ بھی کرتا رہے پھر اس کو نبی بنایا جائے۔ بعض مفسرین نے فرمایا، کہ آیات سے مراد نشان دلائل نبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور سائلین سے مراد وہ یہودی اور اہل مکہ ہیں جنہوں نے قصۂ یوسفی اور گیارہ ستاروں کے متعلق پوچھا تھا اور نبی کریم پر یہ قصہ وحی ہوا تو آپ نے فوراً سب کو سنا دیا، تو سائلین اور منکرین حیران رہ گئے اور بہت سے مسلمان ہو گئے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے علم غیب کے ذریعے آئندہ تمام حالات کا پتہ تھا حضرت یوسف کے گمشدگی کے زمانے میں یعقوب علیہ السلام یوسف سے بے خبر نہ تھے۔ یہ فائدہ یَجْتَبِیْکَ فعل مستقبل فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** فرزندان یعقوب علیہ السلام میں صرف حضرت یوسف نبی ہیں اور کوئی بیٹا نبی نہیں۔ یہ فائدہ یَجْتَبِیْکَ میں کَ ضمیر واحد مذکر سے حاصل ہوا کہ نبوت کے لیے چناؤ صرف یوسف کا ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ حضرت یوسف کے گیارہ باقی بھائی اولیاء اللہ تھے کیونکہ اتمام نعمت یعنی فضیلت عظمت اور محفوظ ہونا کفر و گناہ سے ان میں سب آل یعقوب شامل ہے یہاں تک کہ حضرت یعقوب کی بیویاں، بیٹیاں بھی اس میں شامل ہیں۔ کیونکہ آل میں بیوی بیٹی شامل ہوتی ہے یہ فائدہ یُتِمُّ نِعْمَتَہٗ (الخ) سے حاصل ہوا۔ اتمام نعمت سے نبوت مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ عورت نبی نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ عورت آل میں شامل ہے۔ لہٰذا جن مفسرین نے اس سے یہ دلیل پکڑی ہے کہ آپ کے سب فرزند نبی تھے۔ وہ کمزور دلیل ہے۔ **چوتھا فائدہ**۔ بعض اولاد سے زیادہ محبت کرنا بعض سے تھوڑی محبت کرنا گناہ نہیں ہے۔ یہ فائدہ اَحَبُّ اِلٰٓی اَبِیْنَا (الخ) سے حاصل ہوا اور لَیُوْسُفُ لام تاکید سے حاصل ہوا کہ واقعتاً حضرت یعقوب کو یوسف و بنیامین سے زیادہ محبت تھی مگر یہ زیادتی محبت گناہ نہ تھی۔ کیونکہ یعقوب علیہ السلام متفقاً نبی ہیں اور نبی گناہ پر قادر نہیں ہوتا بوجہ عصمت کے۔ **پانچواں فائدہ**۔ نبی کی ذاتی رائے کی مخالفت کفر نہیں ہوتی، یہ فائدہ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ سے حاصل ہوا کہ برادران یوسف نے اپنے والد نبی محترم کی ذاتی محبت کی مخالفت کی مگر رب تعالیٰ نے ان کو ہدایت کے تارے بنایا حضرت یعقوب نے ان کو کافر نہ کہا، یوسف علیہ السلام نے ملاقات ہونے پر ان کو توبہ کا حکم نہ دیا۔ ہاں گناہ ضرور ہے جیسا کہ اگلے کلام سے ظاہر ہے اور ثابت ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات پڑتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے۔ مگر آپ کی تفسیر نے بتایا کہ نبی نہ تھے۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ **جواب**:۔ تمام مفسرین نہیں بلکہ چند ایک نے ایسا کہا ہے مگر یہ غلط ہے۔ جیسا کہ ہم نے تفسیر عالمانہ میں ھود قرآن مجید کے دلائل اور سیاق و سباق سے ثابت کر دیا کہ برادران یوسف نبی نہ تھے۔ رہا بعض مفسرین کا یہ کہنا کہ وہ نبی تھے چشم پوشیوں میں سے ایک چشم پوشی ہے۔ اور اس طرح کی چشم پوشی اور لغزشیں انسان کی فطرت

سے بعید نہیں۔ دیکھو مفسرین فرماتے ہیں کہ لیا بنت عیان کے فوت ہونے کے بعد یعقوب علیہ السلام کا راحیل سے نکاح ہوا حالانکہ یہ بات عقلاً اور نقلاً جمہور کے خلاف ہے۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام نے خواب میں گیارہ تارے اور چاند سورج دیکھے تھے کہ وہ یوسف علیہ السلام کو سجدہ کر رہے ہیں۔ ستاروں سے مراد بھائی اور ایک قول میں سورج سے مراد ماں اور چاند سے مراد والد یعقوب ہیں۔ یہ تفسیر تقریباً چالیس یا اسی سال بعد ظہور میں آئی تھی حالانکہ والدہ یوسف راحیل ان کی بچپن میں فوت ہو چکی تھی۔ اگر لیا بھی فوت ہو چکی تھیں تو ماں سے کون مراد ہو گا یہی مفسرین کہتے ہیں کہ ماں سے مراد خالہ لیا تھیں۔ (صاوی) پس جیسے اس کو ماننا پڑے گا اسی طرح نبی ہونے کا قول بھی ضعیف ہے۔ دوسرا اعتراض۔ اسکی کیا وجہ ہے کہ یہاں فرمایا گیا علیم، حکیم، علیم پہلے حکیم بعد میں لیکن بہت جگہ قرآن مجید میں لفظ حکیم پہلے علیم بعد میں ہوتا ہے یعنی حکیم علیم ہوتا ہے۔ جواب۔ صفت علیم میں حضور علمی کا اعتبار ہے اور حقیقتہ علیمیہ حکمت کے تابع ہوتی ہے اس لیے کہ علم کا تعلق اشیاء سے اس کے وجود کے بعد ہوتا ہے اور حکمت وجودِ اشیاء سے پہلے لازمی ہے کہ حکمت کے تحت شی پیدا کی جاتی ہے اور شی پیدا ہو کر علم کا معلوم بنتی ہے اس لیے حکیم پہلے فرمایا جاتا ہے علیم بعد میں۔ اور جہاں علیم پہلے فرمایا گیا حکیم بعد میں جیسے یہاں وہاں اشیاء معینہ کا حضور مراد ہوتا ہے اور حکمت کا تعلق معین اشیاء میں تابع ہے علم کے یہی معنی ہیں اس قول کا کہ معلوم تابع ہے علم کے حکمت نام ہی اس کا ہے معلومات کو ترتیب دینا اپنے مراتب میں۔ لہٰذا علیم حکیم اور حکیم علیم دونوں درست ہیں۔ تیسرا اعتراض۔ جب یہ بات شروع سے مروج ہے کہ بعض اولاد سے محبت کرنا اور بعض سے ڈرکرنا، بعض کو بعض پر تفضیلت دینا حسد کا باعث ہے تو حضرت یعقوب نے ایسا کیوں کیا اور اگر کرنا ہی تھا تو پوشیدہ محبت رکھتے۔ جواب:۔ انسانی فطرت محبت میں مجبور اور معذور ہے۔ محبت کی نہیں جاتی محبت ہو جاتی ہے اور رہا یہ کہ محبت چھپائی کیوں نہیں، تو اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ محبت چھپی بھی نہیں رہتی کبھی نہ کبھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ دوم یہ کہ یعقوب علیہ السلام اپنے غیب کے ذریعے سب انجام سے باخبر تھے ان کو معلوم تھا کہ میری محبت پھر ان بھائیوں کا حسد اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ لہٰذا چھپانا بیکار تھا۔ سوم یہ کہ یہ محبت ناجائز نہ تھی۔ بلکہ عین ایمان تھی کہ باپ کی بیٹے سے نبی کی نبی سے طاقتور کی کمزور اور بے کس کی بے بس سے محبت چھپانے کے قابل نہیں ہوتی کسی کے گناہ کے خوف سے نیکی چھپانا منع ہے۔ چوتھا اعتراض برادران یوسف علیہ السلام جانتے تھے کہ ہمارے والد نبی اور رسول ہیں۔ پھر انہوں نے نبی کے فعل پر اعتراض کیوں کیا؟ نبی کے فعل پر اعتراض کفر ہے؟ جواب:۔ برادران یوسف کو غلط فہمی یہ لگی کہ وہ سمجھے کہ ہمارے والد کا یہ عمل ان کے اجتہاد سے ہے اور ان کا یہ اجتہاد بغیر سوچے ہوئے ہے۔ اس غلط فہمی کی بنا پر اعتراض کرنا کفر نہیں صرف گناہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ اے قلب یوسف نور اسی طرح تجھ کو لباسِ نور سے زمرۂ مطلوبین میں چن لیا۔ اور فرحتِ کمال سے نورِ جمال کی دستار سے نوازا۔ اور سکھائے گا تجھ کو تیرا رب علوم الٰہیہ کے مکاشفات مقامات قدرت دیدار تحقیق کی اسرارِ بیخودی کی باتوں کا راز سمجھائے گا۔ استقامت کی نعمت کامیابی کی لذت کا ذوق پورا عطا فرمائے گا۔ روحِ یعقوب کی تمام اولاد فرمانبردار کو بھی ان نعمتوں سے نوازے گا کردار وات احوال کے انعام پورے فرمائے گا۔ اور وصل کی ایسی آیتیں عطا فرمائے گا جیسے ابراہیم فواد اسحٰق لطائف سرّیہ پر اپنی باطنی نعمتیں پوری فرمادیں۔ کہ طہارت قدس اور امتحان عشق کی کامیابی سے سرفراز فرمایا۔ بیشک تیرا رب غیوب کائنات کو جاننے والا ہے۔ اہل طلب کی صحبت لطائف کی عطا کا حکمت پہچاننے والا ہے۔ وسواس شیطان سے بچا کر تخت ولایت پر بٹھا کر تاج رحیمیت پہنانے والا ہے۔ ترک انتقام کے جذبہ عطا کرکے دونوں جہان میں مجتبیٰ بنانے والا ہے۔ اور نفس ونفسانیت۔ دماغ وشعور کو تیرے سامنے جھکا کر نعمت سرداری پوری فرمانے والا ہے۔ یہی تیرے مکاشفات کی تکمیل ہے وہ علیم ہے کہ باطن کو جانتا ہے۔ شاکرِ نعمت ذاکرِ منعم کو پہچانتا ہے۔ حکیم ہے کہ نفس وقلب کے مقام جدا فرماتا ہے۔ وہ اپنی حکمت بالغہ سے جانتا ہے۔ کہ کون محبوبیت کے لائق ہے کون زدربیت کے قابل۔ یوسفِ قلبی پر اتمام نعمت یہ ہے کہ تجلیات ذات کا اس پر ورود فرمائے اور قیام صفات کا استقرار وہیں فرمائے۔ کیونکہ قلب جسدی ہی مرکز انوار ھو کا عرش حقیقی ہے نہ کہ ماسوا۔ اسی استحقاق کی بنا پر قلب تاب جسم کمال حسن سے مختص ہو گیا اور جب تجلی ذاتِ قدس کا ورود ہوا تو آئینۂ دل سے نیّر تاباں کی شعاعیں نکل کر روح وحواس اور قوتِ اعضاء باطنی وظاہری کو اور یعقوب روح کی تمام آل کو مزین کردیا۔ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ۔ تمام آیات الٰہیہ میں قدرت کی بڑی نشانی اور آیت رحمانی قلب مومن ہے۔ اسی میں انوارِ حق کے پہاڑ ہیں۔ یہاں پر ہی علوم غیب کے غار ہیں۔ اسی کے اندر معرفتِ ذات مجید کے مکاشفات ہیں۔ اور صفات قدسیہ کے دریا ہیں۔ اور نعمتِ کرم کی نہریں ہیں۔ لطائف کی لہریں صنعتِ صمدیت کے گلستان ہیں اور یہیں پر قبر شہوات کے نفوسِ باطنہ وعاداتِ ظالمہ ہیں۔ اُخوتِ حواسِ باطنی اور برادرانِ حواسِ ظاہری بھی یہیں ہیں۔ دماغِ رذیل کے شر وفریب اور طغیان وسرکشی کے ریوڑ اور لطائف سرّیہ کے بنیامین بھی یہاں پر ہی ہیں۔ عجب آیاتِ قدرت نشاناتِ فطرت ہیں۔ انہی قلب وحواس میں مریدین، محبین عارفین کے لیے تذکرہ وتبصرہ ہے۔ اللہ کے چناؤ میں کسی ارادے محنت مشقت کا تعلق نہیں وہ محض کرم پر منحصر ہے۔ مراتب استعداد سے ازل میں وصل ہوتا ہے کیونکہ جس کو اللہ خیر کائنات دے۔ کوئی ختم نہیں کرسکتا۔ اور جس کی رب کریم حفاظت کرے اس کو تیر رذالت نیزۂ صدمات کون لگا سکتا ہے۔ جسم انسانی اللہ کی آیات ہے۔ یہی

جلوہ ذات ہے۔ اسی پر واردات لمحات ہے ۔مگر شیطان کا سب سے بڑا حملہ یہیں پر ہوتا ہے ۔ قلب مومن اسی سے رب عظیم کی پناہ طلب کرتا ہے ۔قلب مستعد محبوب عقل یعقوب ہے ۔حواس باطنی شہوۃ و غضب کے جال میں حواس ظاہری کو ساتھ ملاکر اپنی قوت شہوات جذبۂ خواہشات ۔لذت طبعی کو قابل تقدر سمجھتے ہوئے مقام ظلمات رذیلہ میں مشورہ کرتے ہیں ۔ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۭ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۚ "قالب خاکی کی سب حواس شہویہ نے کہا۔ البتہ قلب یوسف اور اس کا قرب وصل کا بھائی حس مشترک محبوب اکمل ہے ۔ روح لاہوتی کی عقل لطیف ہیں ۔ ہم سے زیادہ حالانکہ ہم قوت جذبات سامعہ و لامسہ میں زیادہ مضبوط ہیں ۔ بیشک روح لاہوتی ظاہراً غلط محبت میں ہے ۔ حواس کثیف عقل کی قوت فکر اور قلب کے کمالات علم و اخلاق کو نہیں سمجھتے ۔ بلکہ ان لطائف انعامیہ سے کراہت کرتے ہیں ۔ نہیں چاہتے کہ قوت حواس کو قلب منور کے حکم سے استعمال کریں ۔ بلکہ حسد ابلیسی کی بنا پر ان قوتوں کو لذات بدنیہ ، شہوات حیوانیہ میں خرچ کرتے ہیں ۔ مگر فکر روحانی کی نظر الفت قلب ہی کی طرف ہوتی ہے ۔ اور میلان عشق سعادت قلبی کے حصول کی طرف زیادہ ہوتے ہیں ۔ اس لیئے کہ علم و فضل کی حسین شعاعیں یہیں نمودار ہیں

اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ
قتل کر دو یوسف کو یا پھینک آؤ اس کو بیابان میں کہ خالی ہو جائے واسطے تمہارے چہرہ والد
یوسف کو مار ڈالو یا کہیں زمین میں
وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا
کا تمہارے اور بن جاؤ تم سے بعد اس کے
پھینک آؤ کہ تمہارے باپ کا منہ صرف تمہاری طرف رہے اور اس کے بعد پھر
صٰلِحِيْنَ ۝۹ قَالَ قَاۗىِٕلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ
قوم متقی کہا کہنے والے نے ان میں نہ قتل کرو تم یوسف کو
نیک ہو جانا ان میں ایک کہنے والا بولا یوسف کو مارو نہیں

وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ

اور ڈال دو تم اُس کو بیچ اندھیرے کوئیں کر پکڑ لے جائے اس کو کوئی مسافر اگر ہو تم

اور اسے اندھے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی چلتا اسے آکر لے جائے

اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا

کرنے والے — سب جا کر بولے اے باپ ہمارے کیا حال ہے

اگر تمہیں کرنا ہے — بولے اے ہمارے باپ آپ کو کیا ہوا کہ یوسف

عَلٰى یُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

آپ کا کہ نہیں مطمئن ہوتے ہم سے پر یوسف حالانکہ ہم بیٹے اس کے خیر خواہ ہیں

کے معاملہ میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے اور ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں

تعلق

پچھلی آیات سے ان آیات کا چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں انبیاء کرام پر اللہ رب العزت کے انعام کا ذکر ہوا۔ جن میں محبت بھی ایک انعام ہے۔ اب یہاں حاسدوں کے حسد کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں بھائیوں کی دشمنی کے زبانی تذکرے کا ذکر ہوا۔ اب یہاں عملی دشمنی کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں بھائیوں کی حقیقی دشمنی کا ذکر ہوا۔ اب یہاں منافقانہ محبت کا تذکرہ ہے

تفسیر نحوی

اُقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ۔

اُقْتُلُوْا باب نَصَرَ کا امر حاضر بصیغۂ جمع مذکر یوسف بحالتِ زبر اس کا مفعول بہ۔ اَوْ حرفِ عطف اطْرَحُوْا باب نَصَرَ کا امر ہی صیغہ طَرْحٌ بمعنی پھینکنا دور کرنا۔ ہٗ کا مرجع یوسف علیہ السلام اَرْضًا نکرہ تنوین تنکیری بحالتِ زبر ظرف مبہم ہے۔ یَخْلُ یَخْلُوْا تھا۔ واؤ بوجہ جزم حذف ہوئی خُلُوٌّ سے بنا۔ بمعنی خالی ہونا۔ تنہا ہونا۔ متوجہ ہونا۔ یہاں یہ آخری معنی مناسب ہیں۔ لَكُمْ لام نفع کا کُمْ ضمیر جمع سے مراد مخاطب بھائی ہیں۔ وَجْهُ کا اصل ترجمہ چہرہ مراد ذات یا رجحان قلبی۔ مضاف اَبِیْ اسماءِ مکبرہ سے بحالتِ جر مضاف الیہ۔ مضاف ہے کُمْ ضمیر کی طرف مرجع جو پہلے کُمْ کا ہے واؤ بمعنی ثُمَّ یعنی پھر۔ بحالتِ جزم عطف ہے جوابِ امر یَخْلُ پر۔ دراصل تھا تَكُوْنُوْنَ۔ جزم نے نون اعرابی کو گرا دیا۔ مِنْ جارہ زائدہ ہے بعد اسم ظرف نکرہ مضاف ہے ہٖ ضمیر مضاف الیہ کا مرجع یا قتل ہے یا طرح ہے یا یوسف ہے جار مجرور متعلق ہے تَكُوْنُوْا کے فعل ناقصہ پر امر کے مشابہ معنوی کُمْ پوشیدہ ضمیر اسم ہے قَوْمًا نکرہ ہے بحالتِ زبر خبر ناقصہ ہے۔ صٰلِحِیْنَ جمع ہے صالح اسم فاعل کی بحالتِ زبر ہے یا صفت ہو کر قَوْمًا یا حال قَوْمًا ذوالحال کا۔ قَالَ

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ - قَالَ فعل ماضی

قَوْلٌ اجوف واوی سے بنا قَائِلٌ بھی اسی سے اسم فاعل بنا بحالت رفع فاعل ہے قال کا مِنْ جارّہ تبعیضیت کا ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع اِخْوَۃٌ ہے۔ لَا تَقْتُلُوْا فعل نہی بصیغہ جمع مذکر حاضر مقولہ ہے۔ قول کا یوسف بحالت زبر مفعول بہ ہے۔ واؤ بمعنی لٰکِنْ اَلْقُوْہُ فعل امر دراصل تھا اَلْقِیُوْہُ باب افعال لَقْوٌ سے بنا بمعنی پھینکنا فی ظرفیہ غیٰبت۔ غَیْبٌ سے بنا صفت مشبہ بمعنی زیادہ گہرا جہاں گہرائی کا اندھیرا ہو۔ گہرائی نظر نہ آئے گری چیز غائب ہو جائے۔ اَلْجُبّ الف لام عہدی ذہنی ہے یا جنسی ہے جَبٌّ سے بنا بمعنی کچا کنواں مبالغے کا صیغہ ہے۔ پکے کنوئیں کو بیر کہتے ہیں یَلْتَقِطْهُ فعل مضارع مذکر ہے بمعنی مستقبل لَقْطٌ سے بنا اس کا لغوی ترجمہ گم شدہ چیز کا ملنا۔ اسی سے لقطہ یا لقیط بَعْضُ اس کا فاعل ہے مضاف اَلسَّیَّارَۃ کی طرف الف لام جنسی ہے۔ سَیَّارہ بروزن فعّال صرّاف سَیَّارٌ مذکر ہے۔ سَیَّارَۃٌ مونث ہے یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ سیرٌ سے بنا بمعنی بہت پھرنے والا۔ اِنْ حرف شرط كُنْتُمْ فعل ناقصہ ماضی جمع مذکر فٰعِلِیْنَ اسم فاعل جمع ہے بحالت زبر خبر ہے کنتم کی یہ جملہ شرطیہ ہے۔ اور اَلْقُوْا جملہ فعلیہ تامہ جزاء مقدم ہے۔ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى یُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ - قَالُوْا فعل ماضی بصیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل سارے بھائی ہیں یا حرف ندا۔ اگلا جملہ ندائیہ مقولہ ہے قول کا اَبَا اسماء مکبرہ سے ہے بحالت فتحہ۔ منادیٰ مضاف ہے۔ نا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ ہے۔ مَا حرف استفہام لَكَ لام جارّہ مفعولیت کا ہے۔ كَ ضمیر کا مرجع اَبَا ہے۔ استفہام تعجب ہے۔ لَا تَاْمَنَّا مضارع منفی بلا نا ضمیر جمع متکلم مفعول بہ ہے۔ لَا تَاْمَنْ کا اَمْنٌ سے بنا بمعنی بات ماننا۔ ایمان لانا۔ مطمئن ہونا۔ یہاں یہی مراد ہیں علیٰ بمعنی فی یعنی بارے میں یوسف بحالت جر ہے۔ غیر منصرف ہے۔ لہٰذا زبر آیا یہ جملہ مقولہ ذوالحال ہے۔ واؤ حالیہ اِنَّ حرف تحقیق نا ضمیر اس کا اسم منصوب متصل لام کی نَاصِحُوْنَ جمع ہے نَاصِحٌ کا اسم فاعل ہے۔ فصیح سے بنا بمعنی خیر خواہی کرنا۔ شفقت کرنا۔ متعدی بنفسہ ہے۔ یہ جملہ حال ہے

تفسیر عالمانہ اُقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ لہٰذا اس جلاپے سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ قتل کردو یوسف کو یا انہیں پھینکو اس کو کسی دور بہت دور بیابان جنگل میں پھر دیکھنا تمہارے والد کی توجہ اور پوری کی پوری محبت تمہارے ہی لئے مستقل ہوگی۔ اور اس گناہ کبیرہ کے بعد تم لوگ نیک جماعت میں شامل ہو جانا یعنی توبہ وغیرہ کر کے یا والد کی بہت خدمت کر کے اور بہت ہر طرح سے خوش رکھ کر ان کی محبت کو حاصل کرنا تو وہ یوسف کو بھول جائیں گے اور تم کو صالحین یعنی محبوبوں میں شمار کریں گے۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا ہے کہ جس وقت برادران یوسف آپس میں اس موضوع پر بات کر رہے تھے کہ یوسف کے لئے محبت پدری کس قدر زیادہ ہے اور اس محبت کو ختم کرنے کی کوئی تدبیر نظر نہ آتی تھی تو شیطان ابلیس بوڑھے آدمی کی شکل میں بھائیوں کے پاس آیا اور بولا کہ میں تم کو ایک ترکیب بتاتا ہوں۔ یوسف چاہتا ہے کہ تم کو غلام بنا لوں اور والد بھی

تم کو ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا تدبیر یہ ہے کہ اسکو قتل کر دیا بیابان میں پھینک آؤ تاکہ درندہ کھا جائے۔ کچھ بھائیوں نے کہا یہ تو گناہ کبیرہ ہے۔ تو ان پسند کرنے والے بھائیوں نے یہ اگلی بات کہی کہ بعد میں نیک بن جانا۔ اَرْضًا تین وجہ سے منصوب پڑھا گیا۔ یا اس لیے کہ یہاں حرف جرنی پوشیدہ ہے اور بقاعدہ نحویہ جب جار پوشیدہ ہو۔ تو منصوب ہوتا ہے۔ یا اس لیے کہ یہ اَطْرَحُوا امر کا ظرف ہے یا اس لیے کہ اَطْرَحُوْہُ کا مفعول ثانی ہے۔ اور طرح بمعنیٰ انزال ہے اور دہ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔ اُقْتُلُوْا سے پہلے قال یا قالوا پوشیدہ ہے۔ اگر قال مانا جائے تو اس کا فاعل امام وہب کے نزدیک شمعون ہے۔ حضرت کعب رض کے نزدیک دان ہے حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ روبیل نے یہ کہا۔ تب حقیقی مراد ہے اگر قالوا پوشیدہ ہو تو قول مجازی ہے۔ کہ ایک کہنے والا اور بہت تائید کرنے والے بجز ایک کے جس نے قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ان بھائیوں میں سے ایک کہنے والے صاحب رائے نے کہا۔ حضرت قتادہ کے نزدیک یہودا نے کہا کیونکہ وہ عمر میں بڑے تھے بعض نے کہا یہ قول روبیل کا ہے۔ وہ یہودا سے چھوٹے تھے۔ مگر رائے میں اچھے تھے یہ رائے یوسف علیہ السلام کے بیٹے پہلی باتوں سے نرم تھی۔ یہ کہنا یا محبت یوسفی میں تھا یا قتل کو گناہ عظیم سمجھنے کی بنا پر برادران یوسف نے پہلے دو مشورے دیئے تھے۔ یا قتل یا جنگل میں پھینکنا۔ مگر یہاں صرف قتل سے منع کیا گیا کہ کہا لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ۔ یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرو۔ اس نہی سے اَطْرَحُوا۔ کی نہی بھی ہو گئی۔ کیونکہ بیابان میں چھوڑ دینا بھی حکماً قتل ہی ہے۔ اس لئے قائل نے خود تیسری رائے دی وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ۔ اے میرے بھائیو تمہارا مقصد تو یہ ہے کہ باپ کی نظروں سے اس کو دور کر دیا جائے لہٰذا یہ ہی کافی ہے کہ ڈال دو اس کو کسی بہت گہرے اندھیرے کنوئیں میں۔ جس کی تہہ نظروں سے غائب ہو۔ اور جس میں پانی ہو مگر نظر نہ آتا ہو۔ اس مشورے میں پانچ باتیں مدنظر رکھی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ کنواں ہو کوئی تالاب یا گڑھا نہ ہو۔ تاکہ کوئی درندہ وہاں نہ پہنچ سکے دوسری یہ کہ بہت ہی گہرا ہو تاکہ یوسف خود نکل کر پھر نہ آ جائے۔ نہ آواز اور چیخ و پکار کوئی سن سکے۔ تیسری یہ کہ کنواں بہت اور بے آباد نہ ہو تاکہ کوئی پانی لینے آئے یہ نہ ہو کہ وہاں کوئی آئے ہی نہ۔ چوتھے یہ کہ کنواں رہگذر پر ہو۔ پانچویں یہ کہ کنواں بہت گہرا ہو تاکہ اس میں پانی بہت تھوڑا ہو۔ یوسف ڈوب نہ جائے۔ گہرے کنوئیں میں پانی عموماً نیچا ہوتا ہے اور تھوڑا۔ خاص کر ان عرب علاقوں میں۔ اے بھائیو میرے مشوروں کو مان لو تاکہ جب ہم پھینک کر چلے آئیں تو اس رہگذر والے کنوئیں سے جب کوئی پانی لینے آئے تو یَلْتَقِطْهُ اچک لے۔ لقط گمشدہ چیز یا لقیط یعنی گمشدہ بچہ سمجھ کر بڑے نرم طریقے سے اس کو کوئی قافلے والا۔ میرا یہ مشورہ انتہائی مفید ہے۔ اور ہر لحاظ سے اعلیٰ بشرطیکہ تم عمل کرنے والے ہو۔ یا اگر تم باپ بیٹے کے درمیان جدائی کرنے والے ہو تو یہ کام کرو۔ اس مشورے کو سب نے پسند کر کے فیصلہ دے دیا کہ بس اب ایسا ہی کرنا ہے۔ محمد بن اسحاق راوی فرماتے ہیں اس میٹنگ اور مجلس

مشاورت میں سات جرموں پر اتفاق رائے ہوا۔ ایک یہ کہ انہوں نے قطع رحمی کیا۔ دوم یہ کہ والد کی نافرمانی۔ سوم یہ کہ اپنے بے گناہ بے ضرر صغیر سنی بھائی سے بے مروتی اور کج خلقی مستحق محبت سے محبت نہ کرنا۔ چہارم یہ کہ امانت یعقوبی میں خیانت۔ پنجم یہ کہ عہد شکنی وعدے کی خلاف ورزی۔ ششم یہ کہ جھوٹ بولنا اپنے نبی والد سے۔ ہفتم یہ کہ خون العیاذ باللہ قتل پر راضی ہونا۔ یہ سب جرم گناہ کبیرہ ہیں۔ اسی بنا پر اکثر مفسرین۔ تفسیر کبیر۔ جمل خازن وغیرہ نے ان بھائیوں کو نبی نہ مانا اور فرمایا کہ صحیح یہ ہے۔ کہ یعقوب علیہ السلام کا ایک ہی بیٹا حضرت یوسف نبی تھے۔ اور کوئی نبی نہ تھا۔ ان کا سب سے بڑا جرم قتل یوسف کا مشورہ تھا اگر یہ قتل کر دیتے تو عذاب دائمی میں مبتلا فوراً ہو جاتے۔ یہودا نے اس جرم سے روکا ان کو یہ انعام ملا کہ انہی کی نسل میں کثیر انبیاء بنی اسرائیل ہوئے۔ اور سب سے زیادہ نسل انہی کی چلی۔ اگرچہ یہ لوگ قتل یوسف پر قادر نہ ہو سکتے تھے۔ کیونکہ ارادہ الٰہی میں نہ تھا مگر یہودا یا روبیل یا شمعون نے قتل سے باز رہنے کا مشورہ دے کر اجر پا لیا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ روبیل عمر میں سب سے بڑا تھا۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ اتنے بڑے جرم تھے جن کی بخشش کی امید نہ ہو سکتی تھی مگر دو وجہ سے یہ آخر عمر میں معاف ہو گئے۔ ایک وجہ یہ کہ یہ سب کچھ محبت نبی اور محبت پدری کے حصول میں کئے۔ لہٰذا معاف کر دیا گیا۔ دوسری وجہ یہ کہ خود حضرت یعقوب و یوسف نے معاف کر دیا۔ اور نبی و صاحب حق کا معاف فرما دینا بارگاہ رب العزت میں قبول ہے۔ ایک قرأت میں غیابات جمع ہے اور متعدد یہ ہے۔ کہ گہرے کنوئیں میں بہت سے سوراخ اور دراڑیں اور اندھیرے غار بنے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سی اندھیری جگہیں بن جاتی ہیں۔ لیکن جگہ ایک ہی مراد ہے الْجُبِّ کا الف لام جنسی ہے۔ یعنی اس قسم کا کوئی بھی کنواں ہو۔ تفسیر صاوی اور کبیر نے فرمایا الف لام عہد خارجی ہے۔ اور مراد خاص مقرر دیکھا بھالا کنواں تھا۔ یا یہ کنواں اردن میں تھا یا بیت المقدس میں یا کنعان سے تین کوس یعنی دس کلومیٹر دور تھا۔ یہ بات دو وجہ سے درست نہیں۔ ایک یہ کہ اگر یہ کنواں مقرر دیکھا بھالا مراد ہوتا تو اس کنوئیں یا اس کی جاء مقام کا نام لیا جاتا۔ کیونکہ غیابات الجب تو بہت ہوتے ہیں۔ دوسری یہ کہ پہلے مشورے میں اَرْضًا عام تھا۔ لہٰذا اس کے بدلے میں غَيٰبَتِ الْجُبِّ بھی عام ہے۔ جب مشورہ کر لیا گیا۔ تو اس کو عمل جامہ پہنانے کے لئے دوسرے دن اپنے والد یعقوب علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ایک دن پہلے بوقت عصر یہ مجلس مشاورت منعقد ہوتی ہے۔ بعض صوفیائے کرام نے فرمایا ہے۔ کہ یہ مشورہ نو محرم کو ہوا۔ اور دس محرم کو حضرت یوسف کو کنوئیں میں ڈالا گیا۔ اتفاق دیکھئے کہ آج اس وقت کہ جب میں یہ تفسیر لکھ رہا ہوں تو بوقت عشا نو محرم کا دن گزر گیا ہے اور دسویں محرم کی شب ہے۔ کل صبح یوم عاشورہ پندرہویں صدی ہجری کا پہلا محرم شریف ہے ۱۴۰۱ھ کا پہلا مہینہ ہے۔ دست بدعا ہوں کہ مولیٰ کریم اس صدی ہجری میں بھی ہر طرح اسلام کا بول بالا ہو اور جس طرح سابقہ چودہ صدیوں میں علماء، عرفا، زاہدین، عابدین پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اسی طرح اب بھی چمن محمدی میں پھول کھلتے رہیں۔ اور

ان کے کفش برداروں میں مجھ کو بھی شامل فرما۔ اور جس طرح چودھویں صدی میں سنت کے سورج اعلیٰحضرت بریلوی اور بریلویت کے چاند صدر الافاضل مرادآبادی اور ان کے گیارہ ستاروں ۱ وصی احمد سورتی ۲ حامد رضا خان ۳ مولانا عبدالعلیم صدیقی ۴ حشمت علی خان پیلی بھیتی ۵ امام امجد علی خان صاحب بہارِ شریعت ۶ سید دیدار علی شاہ الوری لاہوری ۷ مولانا ظفرالدین بہاری ۸ سید محمد محدث کچھوچھوی ۹ مولانا احمد حسن کانپوری ۱۰ مولانا ارشاد حسین رامپوری ۱۱ مصطفیٰ رضا خان مفتیٔ اعظم ہند سے نور پھیلایا اسی پندرہیں صدی میں بھی ایسے نورانی بزرگ پیدا فرما۔ برادرانِ یوسف صبح ہی صبح حاضر ہوکر عرض کرنے لگے۔ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى یُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ۔ سب بیک زبان ہوکر بولے یا ایک یہودا یا روبیل نے کہا باقیوں نے تائیدی ہاں میں ہاں ملائی کہ اے ابا جان دیکھئے کیسا موسمِ بہار ہے ہر طرف پھول کھلے ہیں۔ کلیاں چٹکی ہیں۔ بلبلیں مست ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ہم سب بھائی سکم شہر کی اپنی زمینوں پر چلے جائیں۔ صبح سے شام تک شکار کھیلیں اور شام کو واپس آجائیں۔ یوسف کو بھی ہمارے ساتھ کر دیجئے۔ یہ بھی تازہ بہاروں کا لطف اٹھالے گا۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تم جاؤ، یوسف اور بنیامین نہیں جاسکتے۔ کیونکہ دوسری بہار ہے۔ اور میں اس کی بہار تمہارا کوئی ٹھیک نہیں کہ تم اس سے بے خبر ہو جاؤ۔ حضرت یعقوب کا یہ جواب سنکر تمام بھائی یوسفؑ کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے کہ ہم تو کل زمینوں پر جا رہے ہیں۔ موسمِ بہار کی دلفریب لذتیں لینے اگر تم بھی چلو تو بہت لطف ہے۔ حضرت یوسف سے اس طرح نازوادا اور محبت آمیز طریقے سے باتیں کہ حضرت یوسف بھی آمادہ ہوکر والدِ محترم کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور اجازت چاہنے لگے ابھی حضرت یعقوب کچھ کہنے ہی والے تھے کہ بھائی بول پڑے یٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى یُوْسُفَ۔ اے ہمارے والد۔ باپ کے لفظ سے مخاطب کرنے میں منشا یہ تھا کہ رشتہ یاد کریں۔ اور دل نرم ہو جائے یعنی آپ ہمارے والد ہیں ہم آپ کے بچے ہیں پھر بھی کیا حال ہے آپ کا کہ آپ ہم پر بھروسہ نہیں کرتے اور قطعی اعتبار نہ رہا آپ کو ہمارا یوسف کے بارے آخر کیا عذر ہے آپ کو کہ آپ امن کو چھوڑ کر خوفزدہ ہیں۔ اطمینان کو چھوڑ کر فکر مند ہیں۔ ہم نے اس سے پہلے کب کوئی ایسی عہد شکنی کی ہے۔ جس نے ہمارا اعتبار توڑ دیا۔ آپ کو ہماری طرف سے کب ایسا تلخ تجربہ ہوا جس کی بنا پر آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے۔ آپ ہم کو آزمائیں اور یوسف کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ بہرحال بیشک ہم البتہ یقیناً اس یوسف کے خیر خواہ ہیں۔ اور مہربان اور نصیحت کرنے والے ہیں۔ اور ناصح ہمیشہ اچھائی کو چاہتا ہے اور برائی سے روکتا ہے تو خود کیسے برا ہو سکتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہاں واؤ حالیہ ہے یہی معتبر ہے اور معنی اسے ہر حال میں یعنی صرف اس وقت ہی آپ کے سامنے محبت نہیں جتا رہے۔ آپ کی غیر موجودگی اور علیحدگی میں بھی اس کے شفیق ہیں۔ مَا لَكَ میں اظہار تعجب ہے۔ لیکن مکر اور فریب کا نصیحت کے معنی ہیں خیر خواہی چاہنا۔ ان لوگوں

منشا یہ تھا کہ ثابت کریں۔ کہ آپ ہم پر اعتماد نہیں کرتے یہ آپ کی زیادتی ہے انبیاء کرام تو دلی ارادوں کو جانتے ہیں اسی لیے حضرت یعقوب بھی ان کے دل میں پوشیدہ ارادوں کو جان گئے۔ جب حدیث پاک نے فراستِ مومن کو اتنا عظیم فرمایا ہے تو علم انبیاء کی کیا شان ہوگی۔ روایت میں ہے کہ چار حضرات نے چار حضرات کے لیے فراست کی تو صحیح ہوئی۔ ۱ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اس اولاد کا حال فراست سے جانا۔ جو بالکل صحیح ہوا۔ حضرت یوسف کی نسبت زلیخا کی فراست ہوئی۔ کہ یہ ہی عزیز مصر بننے والا ہے۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں فراست سے معلوم کر کے نکاح کا پیغام دیا۔ یہ فراست بالکل ٹھیک ہوئی صدیق اکبر نے بوقت وفات فاروق اعظم کو خلافت کی فراست سے جانا۔ جو بالکل درست ثابت ہوئی۔ آج دنیائے کائنات میں اسی کا فیض ہے۔ جس وقت برادرانِ یوسف نے مَالَكَ کہا اس وقت ان کے دلوں میں حسدِ یوسف تھا۔ زبان پر سختی تھی۔ یا توں سے اظہارِ محبت تھا۔ کہ ہم نصیحت کرنے والے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے جان لیا کہ حاسد سے نصیحت ناممکن ہے۔ جیسے کہ منافق سے سچ بولنا اور حرص والے سے دیانت داری اور بخیل کنجوس سے مروت ناممکن ہے۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ گناہ دو قسم کے ہیں۔ محبتِ نبی میں گناہ اور بغض اور گستاخیِ نبی میں گناہ پہلی قسم کے گناہ کو توبہ کی توفیق مل جاتی ہے دوسری قسم کے گناہ کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ دیکھو برادرانِ یوسف اور برادرِ ہابیل۔ یعنی قابیل نے عداوت سے ایک ہی جیسا گناہ کیا۔ کیونکہ ارادۂ قتل اور قتل اپنے گناہ ہونے میں برابر ہیں، اگرچہ جرم ہونے میں تفریق ہے برادرانِ یوسف نے والد کی محبت حاصل کرنے کے لیے کیا تھا اس لیے توبہ کی توفیق مل گئی۔ قابیل نے عداوت سے کیا تھا کہ اے میرے والد تم ہابیل کی حمایت کر کے غلطی کر رہے ہو اور آپ کا میرے نکاح کو جائز کرنا اپنی رائے سے ہے نہ کہ خدا کی شریعت۔ اس لیئے اس کو توبہ کی توفیق نہ ملی۔ قابیل کی ہر حرکت نفسِ امارہ کے لیے تھی۔ برادران یوسف کی یہ حرکات محبت پدری میں تھیں۔ یہ فائدہ يَخْلُ لَكُمْ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ توبہ کے ارادہ سے گناہ کر لینا کفر ہے۔ کہ یہ رب تعالیٰ سے بے خوفی کا اظہار ہے۔ اسی طرح کسی کو ستا کر حق العباد مار کر توبہ کرنا بھی قبول نہیں۔ ہاں مظلوم سے معافی مانگ کر خدمت کر کے معاوضہ دے کر توبہ کرنا قبول ہو سکتی ہے۔ برادرانِ یوسف نے یہی کہا تھا۔ کہ ہم والد محترم کی اتنی خدمت کریں گے۔ کہ وہ راضی ہو جائیں گے۔ یہ فائدہ قومًا صالحین سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ قلب کی نقت اور نرمیِ دل اللہ کی نعمت ہے۔ یہ نعمت کسی کسی کو ملتی ہے۔ بہت سے گناہوں سے انسان رقتِ قلبی کے ذریعے خود بھی بچ جاتا ہے اور دوسروں کو بھی بچا لیتا ہے۔ یہ قَالَ قَائِلٌ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات پڑ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض۔** ارادۂ قتل گناہ اکبر الکبائر ہے۔ کہ حق العبد کی بھی حق تلفی ہے۔ اور حق اللہ کی بھی۔ پھر ان بھائیوں سے کیوں سرزد ہوا جبکہ یہ نبی بھی تھے۔ **جواب :۔** اس کا جواب مفسرین نے بہت طریقوں سے دیا ہے مگر صحیح تر جواب یہ ہے جو تفسیر مظہری۔ خازن۔ کبیر نے دیا۔ کہ یہ بھائی نبی نہ تھے یہی جمہور اہلسنت کا عقیدہ ہے کیونکہ انبیاء کرام مثل ملائکہ معصوم ہوتے ہیں۔ گناہ پر قادر نہیں ہوتے اور سب انبیاء کرام پیدائشی عالم ارواح سے ہی نبی ہوتے ہیں۔ ہاں بعض انبیاء کی نبوت کا ظہور جوانی میں یا بڑھاپے میں ہوتا ہے۔ بعض کا کسی اور نبی کی دعا سے جیسے ہارون علیہ السلام۔ یہ بھی عقیدہ اہلسنت ہے۔ اس دور میں ایک گمراہ مولوی نے بد عقلی کا ثبوت دیا کہ ایک کتاب میں لکھ بیٹھا ہے انبیاء جھوٹ بول سکتے ہیں (معاذ اللہ) اللہ اسکو ہدایت دے۔ **دوسرا اعتراض۔** اس ارادے گناہ کرنا کہ ہم بعد میں توبہ کر لیں گے۔ یہ تو بہت سخت جرم ہے بلکہ بعض فقہا اس کو کفر لکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک قسم کی رب تعالیٰ سے بے خوفی ہے۔ تو برادرانِ یوسف نے یہ جرم کیوں کیا۔ اور پھر بھی مسلمان رہے۔ **جواب** قومًا صالحین کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم رب کریم سے توبہ کر لیں گے۔ بلکہ منشا یہ ہے کہ ہم والد کی نظر میں تب اچھے صالح شمار ہوں گے۔ جب یہ کام کر کے یوسف کو جدا کر دیں گے پھر ہم وہی کردار ادا کریں گے جو یوسف کر رہا ہے تو لامحالہ اور چار و ناچار والد محترم ہم سے محبت کریں گے۔ تَكُونُوا فعل مضارع بمعنیٰ مستقبل ہے۔ اور جملہ خبریہ ہے۔ یہ ان کا ذاتی فقط خیالِ خام تھا۔ اس کا ایک جواب وہ ہے جو ہم نے تفسیر عالمانہ میں عرض کیا کہ تَكُونُوا بمعنی اُكُونُوا امر حاضر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ پھر تم کو صحیح موقعہ ملے گا۔ والد کی محبت حاصل کرنے کا۔ اور تم کوشش و ہمت سے پچھلی لغزشوں کو چھوڑنا اور خدمت پدری میں ہمہ وقت مشغول رہنا۔ اور قابلِ التفات لائق محبت بننے کی کوشش کرنا **تیسرا اعتراض۔** ناصحون نصح سے بنا ہے بمعنیٰ سمجھانا۔ یہاں برادران یوسف کہہ رہے ہیں۔ لَنَاصِحُونَ۔ انہوں نے کیا سمجھایا تھا۔ **جواب :۔** لغوی طور پر نصح کے تیرہ ۱۳ معنی ہیں۔ وعظ بھی اس کا معنی ہے۔ مگر یہاں خیر خواہ ہونا مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ اقْتُلُوا يُوسُفَ اَوِ اطْرَحُوهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۔ ... جسم خاکی کے حواس باطنہ کو صرف نور ازلی کے حسن والے قلب سے ہی حسد نہیں بلکہ اس کے برادر قریبی اخوۃ جنانی بنیامین قوت عاقلہ عملیہ سے حسد ہے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی راحیل نفس لوامہ کے بطن جبروتی سے جنم والے ہیں۔ یعقوب روح نے نفس لوامہ سے علیحدگی و جدائی کے بعد لطیفہ کشفی کو کسو لینے کے لیے لیا۔ نفس امارہ سے تعلق جوڑا جس کے بطن سے حواس ظاہری و باطنی کو عروج ملا۔ بنیامین عقل سلیم جس طرح کہ علوم و معارف سے تکمیلِ قلب کا خواہش مند ہے۔ اسی طرح اعمالِ شریفہ اخلاقِ جمیلہ اور انواعِ فضیلہ سے اس

قوت حصول کا بھی طالب ہے۔ اسی لیے وہ بھی روحِ ربانی کا محبوب ومطلوب ہے۔ روحِ ربانی کی یہ الفت و شفقت مکاشفاتِ باطنی کی وجہ سے ہے مگر نفسِ شقی کے پیروکار ان ہی اعمالِ صالحہ کو درستی سے دور سمجھتے ہیں۔ اہلِ بصارت بصیرت سے محروم ہونے کی بنا پر عاداتِ سفلیہ کی وجہ سے محبت بدنی میں رہنے کی بنا پر لذاتِ نعیم سے بے خبر عشق معرفت سے بے نصیب ہیں۔ اسی لیے اہلِ عشق کو ضلالِ عقل سے مبتلا سمجھتے ہیں۔ سب اہلِ دنیا کا یہی طور ہے۔ منافق تو طالب چاہتے ہیں۔ کہ روح امر ہم سے بھی محبت کرے مقام سفلی سے نکال کر آغوشِ صمدیت میں ڈال دے۔ اور خواہش محبت کو استحقاقِ حواس سمجھتے ہیں۔ اور گمانِ فاسد یہ رکھتے ہیں۔ کہ ہم ہی اپنی قوت نمو سے اعمالِ روحانی کا سبب اعظم ہیں۔ مگر سلطانِ محبت اپنے ملک جمال اور سلطنتِ کمال میں کسی کی شرکت قبول نہیں کرتا۔ اس لیے کسی کا مکروفریب حجاب نہیں بنتا۔ جب عقدۂ حواسِ عشرہ حل نہیں ہوتا تو حواس باطنیہ قوت ظاہریہ مقام رذالت میں جا کر مشیرانِ نفسانیہ سے مشورہ کرتے ہیں۔ کہ یوسف قلب کو ہواء نفسانیہ کی چھری سے قتل کر دو کیونکہ دل کی موت منشا خواہشات ہے۔ خواہشات اور شہوات سے دل مردہ ہوتا ہے ہولِ نفس قلب جسمانی کے لیئے زہرِ قاتل ہیں۔ اگر قتل نہ کرو تو زمین بشریت کے اندھیرے کنوئیں میں ڈال دو تاکہ ظلماتِ بشریت میں ہلاک ہو جائے۔ اور قلب کی موت کے بعد روح امری قوت باطلہ حواس ذمیمہ کی طرف متوجہ ہو جائے تاکہ حواسِ نفسانیہ کی شہوتیں اور مرادیں پوری ہوں۔ اور اے حواسِ خمسہ باطنیہ اور حواسِ خمسہ ظاہریہ قوت قلب کے بعد نعمتِ حیوانی اور لذاتِ نفسانی کے حصول سے۔ اوصاف طبعیہ سے صالح اور درست ہو جانا۔ ہر انسان جب مقام ولایت پر وادیِ ایمان سے گزر کر انوار سے وصل پاتا ہے۔ تب اس کو ان حواس سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ باطنی قوتیں کبھی نہیں چاہتیں کہ وجودِ عنصری کو مقام محبوبیت نصیب ہو۔ جب مجالس باطنی میں ان خواہشات ذمیمہ کا اظہار ہوتا ہے۔ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ .... ایک کہنے والے ہوادارِ تفکر نے کہا ان حواس باطنیہ میں سے کہ ہواءِ نفسانیہ کی چھری سے قلب یوسف کو قتل نہ کرو، بلکہ قالبِ عنصری کے حبث ظلمات اور محرومیت انوار کے کنوئیں میں ڈال دو۔ جو سفلتِ بشریت کے جنگل میں ہو۔ حوادثِ نفسانیت کے قافلے۔ ابلیس راہگیر منزل شیطانی کے مسافر اس کو لے جائیں گے یہ ہی ہماری مراد کو پورا کرنے والی ہے۔ اگر تم قوت لامہ وماشیہ کی کوشش کرنے والے ہو۔ اہل سعادت کو جاننا چاہیئے کہ حیاتِ قلبی ہی حقیقی زندگی ہے۔ قلبِ مومن بیت اللہ ہے۔ اور تجلیاتِ ربانی کا محلِ استوا ہے۔ تعجب ہے۔ اس غافل پر جو وادیِ الفت سے دور ہوتا ہے۔ میدان مشاہدات اور بیابان وحدت سے منقطع ہوتا ہے۔ حالانکہ ان ہی صحراؤں میں حرم الٰہی اور بیت محبوبیت ہے۔ جب بندۂ خاص اپنے نفس اور ہوا کو وصل قلب کی راہ پہ ڈالتا ہے تو محبت دل جلوہ گر ہوتی ہے۔ اور آثار مولیٰ نصیب ہوتے ہیں۔ ذکر اللہ اس منزل کی سواری ہے۔ اسی سے راہِ وصل طے

ہوتا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ کہ ذکر الٰہی قلب کی زمین میں ہل چلاتا ہے۔ اور ذکر خفی اس میں پھول پھل کی تروتازگی پیدا کرتا ہے۔ اور غنچۂ سدابہار کے باغ لگاتا ہے۔ اور جب قلب ذکر حق تعالیٰ سے خالی ہو تو حرارتِ نفس اور نارِ شہوات کی جھلسا دینے والی ہواؤں سے قساوتِ قلبی اور سخت دلی اور خشکیِ خزاں پیدا ہوتی ہے۔ دل کی اس موت فنا سے اعضاء اطاعتِ رب جلیل سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اعضاء ظاہری مردہ جڑ کی خشک شاخوں کی مثل ہوتے ہیں۔ کہ توڑی تو جا سکتی ہیں مگر اطاعت معبود میں جھکائی نہیں جا سکتی۔ اور جو حواس و اعضاء تروتازہ نہ رہے وہ آتشِ فراق کے لائق ہے۔ نورِ الفت کے لائق نہیں۔ وہ کتنے ہی حیلے بہانے کرے مگر محبت روح اس کو نصیب نہیں۔ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَالَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰی یُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۔ ہر ذی عقل قیمتی خزانے کو بحفاظت کثیر اور احتیاط خطیر سے چھپاتا ہے۔ قلبِ مومن سب سے بڑا قیمتی خزانہ ہے۔ روحِ زبان اس کی حفاظت کرتی ہے نہ حواس باطلہ کو اس کے پاس آنے دیتی ہے۔ اور نہ اس کو حواس رذیلہ کے سپرد کرتی ہے۔ اہل نفس حواس چاہتے ہیں کہ قلب ہمارے قبضے میں رہے۔ لہٰذا سب بولے اے ہم کو عالمِ بالا سے عالم اسفل کی طرف لانے والی روح پدری تیرا کیا حال ہے کہ یوسف قلب کی الفت شوق میں تو ہم پر مطمئن نہیں۔ حواسِ وجودی عجیب مکر و فریب کے طریقے، استعمال کرتے ہیں۔ لیکن قہر سبحانی کی شان ہے کہ اپنے ان بندگانِ خواص کو دیوان ازل میں ولایت کبریٰ سے پردۂ غیب کو منکشف کرتا ہے۔ اور نفس و حسد و خداعت کی آفات سے بچاتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے۔ وہ کرتا ہے۔ نفس کے مکائدِ شدیدہ کا اظہار ہوتا ہے۔ کہ بیشک ہم تمام قوتِ حسّاسیہ قلب جسدی کی امداد کرنے والے خیر خواہ ہیں۔ حالانکہ یہ قوتیں اپنے اندر مقامِ خطا کو پہچانتی ہیں۔ اہل کدورت کو مشربِ صفا اور مسلک مودت کا پتہ نہیں۔ فراست روح سے حجاب میں ہیں۔ کیونکہ حسد و بغض کے اضمار سے نور فراست دور ہوتا ہے۔ مگر عارفین صادقین پر مکرِ نفسانی آشکارا ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اظہار نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اظہار کا وقت ابھی نہیں۔ اہل بصیرت کی نظر زینِ منفل پر ہوتی ہے لیکن اہل بصیرت کی نگاہیں حکمت ربانی سے لگی ہوتی ہیں۔
اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِسَعَادَاتِ الْوَلَایَةِ الْكُبْرٰی ۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾

بھیج دیجئے اس کو ساتھ ہمارے کل صبح کہ کھائے اور کھیلے اور بیشک ہم لیئے اس کے البتہ محافظ ہیں

کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ میوے کھائے اور کھیلے اور بیشک ہم اسکے نگہبان ہیں

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ

فرمایا بے شک میں البتہ غمگین کرے گا مجھے یہ کہ جاؤ تم کو اس اور ڈرتا ہوں میں اس سے

بولا بے شک مجھے رنج دے گا کہ اسے لے جاؤ اور ڈرتا ہوں کہ اسے

یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا

کہ کھا جائے اس کو بھیڑیا اور تم سے اس غفلت والے ہو سب بولے

بھیڑیا کھالے اور تم اس سے بے خبر رہو بولے اگر

لَىٕنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

البتہ اگر کھایا اس کو بھیڑیے نے اور ہم مضبوط جماعت ہیں تب تو ہم اسوقت یقیناً بیکاری والے ہوئے

اگر اسے بھیڑیاں کھا جائے اور ہم ایک جماعت ہیں جب تو ہم کسی مصرف کے نہیں

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ

تو جب لے گئے وہ کو اس اور متفق ہوئے اس پر کہ ڈال دیں وہ اس کو میں اندھیر کوئیں

پھر جب اسے لے گئے اور سب کی رائے یہی ٹھہری کہ اسے اندھے کنویں میں ڈال

الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا

اور وحی کی ہم نے طرف اس کی کہ البتہ خبر دے گا تو ان کو کی معاملے

دیں اور ہم نے اسے وحی بھیجی کہ ضرور تو انہیں ان کا یہ کام جتا دے گا ایسے

وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾

ان کے اس۔ اس حال میں کہ وہ نہ یا در کھتے ہوں گے

وقت کہ وہ نہ جانتے ہوں گے

تعلق ان آیات کریمہ کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح سے ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں حضرت یوسفؑ کے علاتی بھائیوں کی اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے اظہارِ محبت کی گفتگو تھی۔ اب اس محبت پر اعتماد اور یقین کر لینے پر اصرار کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں حضرت یوسفؑ کے

بھائیوں کی باتیں اور محبتِ یوسفی کا زبانی اظہار تھا۔ اب ان کے والد حضرت یعقوب کی جوابی گفتگو کا ذکر ہے جس میں حضرت یعقوب نے بھائیوں کے دلی ارادوں کا خفیہ چالوں کا دبی زبان میں اظہار فرمایا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں۔ بھائیوں کے ایک باطل عقیدے کا ذکر تھا کہ وہ سمجھے تھے کہ نبی غیب کا علم نہیں رکھتے۔ یہی عقیدہ لے کر حضرت یعقوب سے چال چلنے آئے تھے۔ اب ثابت کیا جا رہا ہے کہ اللہ کے نبی غیب کا علم۔ دلی ارادوں خفیہ تدابیر سے پورے واقف ہوتے ہیں۔ مگر حکمتِ ربانی کے تحت پورا اظہار نہیں فرماتے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں یوسف علیہ السلام کے لیے محبت پدری کا ذکر تھا۔ جو بھائیوں نے آپس میں کیا تھا۔ اب یہاں خود والد کی زبانی اظہارِ محبت کا ذکر ہے ؛۔

تفسیر نحوی

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔۔۔۔۔۔ اَرْسِلْ فعل امر باب افعال کا۔ ارسال سے رُسُلٌ مادہ اشتقاق متعدی بنفسہ بمعنٰی بھیجنا ہ ضمیر واحد غائب منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ مَعَ اسم ظرفیہ بمعنٰی ساتھ مضاف ہے طرف نَا ضمیر متکلم کے مفعول مَعَہٗ ہے اَرْسِلْ امر کا غَدًا بحالت زبر ظرف ہے آنے والے کل کو کہتے ہیں۔ یَرْتَعْ فعل مضارع معروف بمعنٰی استقبل بحالت جزم ہے۔ کیونکہ یہاں لام جازم پوشیدہ ہے۔ دراصل تھا لِیَرْتَعْ اس لفظ یَرْتَعْ میں قراء نے پانچ احتمال نکالے ۱۔ یَرْتَعْ ۲۔ یُرْتَعْ مجہول ۳۔ نَرْتَعْ بصیغہ جمع متکلم ۴۔ نُرْتَعْ بصیغہ جمع متکلم مجہول ۵۔ یَرْتَعِ آخری عین کے کسرہ سے۔ پہلے چار احتمال میں رَتْعٌ سے بنا بمعنٰی بے فکری سے کھانا پینا۔ اسی لیئے جانور کے جنگل میں چرنے کو رَتْعٌ کہا جاتا ہے۔ پانچویں احتمال میں رَعْیٌ سے بنا ہے باب افتعال سے۔ یَرْتَعِی تھا۔ یا آخری بوجہ جزم گر گئی۔ اور عَ کو زیر باقی رہا۔ رَعْیٌ کا ترجمہ جانور سے کھیلنا۔ یعنی بھگانا۔ دوڑانا۔ یہاں پانچوں احتمال بن سکتے ہیں۔ واؤ عاطفہ یَلْعَبْ فعل مضارع بصیغہ واحد غائب لَعِبٌ سے بنا بمعنٰی کھیلنا مگر یہاں مراد ہے شکار کھیلنا۔ بحالت جزم ہے لام جازم پوشیدہ دراصل تھا لِیَلْعَبْ معطوف ہونے کی بنا پر اس میں وہی چار احتمال ہیں۔ جو یَرْتَعْ میں تھے۔ باعتبار صیغ و فعلیت مگر احتمال باعتبار مادے کے تھا وہ یہاں نہیں۔ واؤ حالیہ اِنَّا حرفِ تحقیق مع ضمیر جمع متکلم لَہٗ جارہ مفعولیت کے معنٰی میں ہ ضمیر کا مرجع یوسف لَحٰفِظُوْنَ لام کیٔ بمعنٰی البتہ حافظون جمع ہے حافظٌ کی حِفْظٌ سے بنا۔ تین معنٰی میں مشترک ہے۔ ۱۔ یاد کرنا۔ اسی سے ہے حفظ قرآن ۲۔ یاد رکھنا ۳۔ بچانا یعنی محافظت چوکیداری۔ یہاں یہی معنٰی مراد ہیں قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۔ قَالَ فعل ماضی معروف کا فاعل ضمیر غائب پوشیدہ کا مرجع حضرت یعقوب علیہ السلام۔ اِنَّ حرفِ تحقیق مقولہ ہے قول کا یا ء متکلم اسم اِنَّ لَیَحْزُنُ ۔ لام کیٔ یَحْزُنَ مضارع بمعنٰی مستقبل خبر اِنَّ ہے۔ حُزْنٌ سے بنا بمعنٰی غمگین کرنا۔ متعدی بیک مفعول۔ اَنْ ناصبہ اپنے منصوب تَذْهَبُوْا فعل مضارع بمعانہ استقبال سے مل کر فاعل ہے یَحْزُنَ کا نون وقایہ یا ء متکلم مفعول بہ ہے۔ تَذْهَبُوْا ذَهَبٌ سے بنا بمعنٰی

جانا لازم ہوتا ہے مگر جب اس کے بعد مفعولیت کی ب جارہ آجائے تو متعدی ہوتا ہے۔ یہاں متعدی ہے۔ ہ کا مرجع یوسف ہیں۔ واؤ عاطفہ اَخَافُ بصیغہ واحد متکلم فعل با فاعل۔ اَنْ ناصبہ منصوب مفعول بہ ہے۔ یَاْکُلَ مضارع مستقبل بحالت نصب اَنْ ناصبہ کی وجہ سے ہ کا مرجع یوسف اَلذِّئْبُ الف لام جنسی ذئب فاعل ہے فعل کا واؤ حالیہ انتم ضمیر مرفوع منفصل مبتدا عن حرف جارہ ہ ضمیر مجرور متعلق مقدم غٰفِلُوْنَ جملہ اسمیہ خبر مبتدا کی غفل سے بنا۔ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۔ قَالُوْا فعل ماضی جو اپنی قول لئن یہ پورا جملہ مقولہ ہے۔ لام قسمیہ یا ابتدائیہ ہے۔ بمعنی کی اِنْ حرف شرط جملہ مابعد شرطیہ اَكَلَ فعل ماضی متعدی بنفسہ ہوتا ہے۔ بیک مفعول ہ مفعول بہ کا مرجع حضرت یوسف ہیں۔ اَلذِّئْبُ الف لام جنسی ذئب درندہ چھوٹا۔ اردو میں اس کا نام بھیڑیا ہے۔ بحالت رفع فاعل ہے۔ اَكَلَ واحد غائب صیغے کا واؤ حالیہ نَحْنُ ضمیر جمع متکلم مرفوع متصل مبتدا عُصْبَةٌ نکرہ مفرد لفظی معنیً جمع ہے بمعنی مضبوط جماعت خبر ہے اِنَّ حرف تحقیق نا ضمیر جمع متکلم منصوب متصل اسم اِنَّ یہ جملہ جزاء شرط ہے اِذًا اسم ظرف ہے بمعنی اس وقت یا تب تو لام کی لَخٰسِرُوْنَ اسم فاعل جمع مذکر خسر سے بنا۔ یہ لفظ پانچ معنی میں مشترک ہے۔ ۱ بھٹکنا ۲ دھوکا کھانا۔ ۳ ھلاک ہونا ۴ نقصان اٹھانا ۵ گھاٹا پانا۔ یہاں یہی مناسب ہیں فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ -- لَمَّا حرف شرط بعض نے کہا اس جملہ شرطیہ کی جزا پوشیدہ ہے بعض نے کہا اوحینا کا جملہ جزا ہے ذَهَبُوْا ماضی جمع سے متعدی ہے بیک مفعول بعض نے کہا یہ اَذْهَبُوْا تھا۔ ہمزہ اصلیہ باب افعال سے پوشیدہ ہے مگر یہ شاذ ہے بعض نے کہا یہ لازم ہے بہ کی با بمعنی مع ہے۔ اگر متعدی مانا جائے تو با مفعولیت کی ہے ہ ضمیر کا مرجع یوسف ہے۔ واؤ عاطفہ اَجْمَعُوْا باب افعال کا ماضی معروف بصیغہ جمع مذکر۔ جمع سے بنا۔ اجماع کا معنی کسی بات پر متفق ہونا متعدی ہے۔ اگلا جملہ اس کا مفعول بہ ہے۔ اَنْ ناصبہ يَجْعَلُوْنَ فعل مضارع بحالت زبر نون اعرابی گر گئی۔ دراصل تھا يَجْعَلُوْنَ ہ ضمیر کا مرجع یوسف ہے۔ جعل سے بنا بمعنی گرانا یا ڈالنا فی ظرفیہ غیٰبت۔ اندھیری جگہ۔ اَلْجُبِّ۔ الف لام عہد خارجی وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ

واؤ سے جملہ لیکن اگر یہ جزا ہو ماقبل جملے کی تو واؤ زائدہ ہے یا بمعنی فاء جزائیہ۔ اَوْحَیْنَا باب افعال کا ماضی مطلق بصیغہ جمع متکلم وحی سے مشتق ہوا۔ بمعنی الہامی پیغام یا وحی نبوت بذریعہ جبرائیل علیہ السلام اِلٰی جارہ۔ انتہاء غایت کے لیے ہ کا مرجع یوسف ہیں۔ اگلے جملہ کی بنا پر یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ مگر بعض نے کہا ہ کا مرجع یعقوب علیہ السلام ہیں لَتُنَبِّئَنَّ لام تاکید مبنی بر فتحہ فعل مستقبل با نون ثقیلہ نبأ سے بنا بمعنی خبر دینا بصیغہ واحد حاضر متعدی بسہ مفعول ہے۔ پہلا مفعول ھُمْ ضمیر جمع غائب۔ اس کا مرجع اخوت ہے بِاَمْرِهِمْ با زائدہ امر کا معنی ہے تمام وہ سلوک اور معاملہ جو بعد میں یوسف پر آنے والا ہے۔ ھِمْ کا مرجع اخوت ہے یہ جار مجرور مفعول دوم کے درجے میں۔ ھٰذَا اسم اشارہ قریبی۔ مشار الیہ یہ موجودہ سلوک و برتاؤ۔ واؤ حالیہ ھُمْ ضمیر جمع مذکر مرفوع

متفصل مبتدا ہے۔ مرجع اِخْوَۃٌ لَا یَشْعُرُوْنَ۔ مستقبل منفی شعرٌ سے بنا ہے۔ یہ لفظ چار معانی میں مشترک ہے۔ ۱۔ محسوس کرنا ۲۔ جاننا ۳۔ سمجھنا۔ ان تین معانی میں یہ متعدی ہے بیک مفعول۔ ۴۔ حدود میں آخری حد یعنی بمعنی کنارہ اسی سے ہے شعائر اللہ۔ یہاں بمعنی سمجھنا مناسب حال ہیں ÷

تفسیر عالمانہ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ اے ہمارے والد محترم ہماری باتوں پر اعتماد فرمایئے۔ اور بھیج دیجئے اس یوسف کو ہمارے ساتھ کل اپنی زمینوں پر جنگلی پھل خوب کھائے گا۔ اپنی مرضی سے بلا روک ٹوک خوب بھاگے دوڑے گا۔ پرندوں اور جانوروں کے پیچھے اور خوش ہو کر کھیلے گا۔ کچھ تجربہ اور صحت حاصل کرے گا۔ اور آپ یوسف کی کمزوری اور جنگل کے ماحول سے نا تجربہ کاری کا فکر نہ کریں اسکو کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ کیونکہ بیشک ہم البتہ اس کے حفاظت کرنے والے ہیں۔ رَتْعٌ اصلاً جانوروں کے چرنے کے لیے ہے کیونکہ چرندہ جنگل میں بہت کھاتا ہے۔ اور چل پھر کر کھاتا ہے۔ مجازاً انسان کے کھانے کو بھی چرنا کہہ دیا جاتا ہے۔ جبکہ چل پھر کر اور درختوں سے توڑ کر کھائے۔ یہاں موسم بہار کا چرنا مراد ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں پھل بھی کثیر ہوتے تھے۔ اور جنگل میں پہلی بار آنے والا بھی بہت محبت اور خوشی سے کھاتا ہے۔ اور کبھی کسی درخت کی طرف جاتا ہے کبھی کسی طرف۔ لَهٗ کو پہلے کہنے میں حصر کا فائدہ ہے۔ یعنی ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں لَحٰفِظُوْنَ میں لام کے نے زیادتی حفاظت کو ثابت کیا۔ اور اسم فاعل جمع بمعنی مستقبل ہے۔ یا بمعنی عام زمانہ۔ یعنی ہم بہت ہی حفاظت کرنے والے ہوں گے۔ دل و جان سے حفاظت کریں گے۔ یا ہم شروع سے ہی اس پیارے ننھے بھائی کے بہت محافظ ہیں۔ حفظ کا لغوی معنی ہے امانت کی حفاظت۔ چونکہ یوسف کو امانت کے طور پر لے جانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس لیے لَحٰفِظُوْنَ کا لفظ بولا گیا۔ یعنی جس طرح لے کر جائیں گے۔ اسی طرح باخیریت شام کو آپ کے پاس واپس لے آئیں گے۔ لفظ یَرْتَعْ وَیَلْعَبْ میں پانچ قرأتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ دونوں فعل مضارع صیغہ جمع غائب باب فَتَحَ اس کا فاعل یوسف ہے یہی مشہور ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ واؤ حالیہ ہے اور لحافظون جمع فرما کر حفاظت کی شان بتانا مقصود ہے کہ ہم اتنے بہت سے ایک کی حفاظت کریں گے اور ہم شفقت کرنے والے بھی ہیں (خازن) یہ ایسی گفتگو تھی کہ جس نے دونوں کو یعقوب اور یوسف علیہ السلام کو پریشان کر دیا۔ دو طرفہ تفکر میں خاموش حضرت یوسف فراق پدری کو سوچ رہے تھے۔ اور حکمت الٰہی میں غور کر رہے تھے حضرت یوسف کو کھیل کود اور کھانے پینے سے کچھ دلچسپی نہ تھی۔ وہ صحبت پدری کو ہی غنیمت سمجھتے تھے۔ اسی لیے یوسف نے ہاں یا نہیں بالکل کچھ نہ فرمایا۔ خود والد محترم نے فرمایا قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۔ بیشک شان اور حالت یہ ہے کہ اے بیٹو یہ بات مجھ کو سخت غمگین کرے گی۔ کہ تم اس کو میرے پاس سے ایک آن کے لیے بھی لے جاؤ۔ اور یہ غمگینی اس لیئے ہے کہ یوسف کی جدائی مجھ پر شاق ہے اور صبر کی مجھ میں ہمت نہیں برادرانِ یوسف نے

جب مشورہ کیا تھا۔ کہ یوسف کو اندھیرے کنوئیں میں پھینک دیں۔ تب یہ بھی مکمل فیصلہ ہو گیا تھا کہ واپس آ کر والد سے کیا کہا جائے گا۔ حضرت یعقوب نے اپنے غیب کے ذریعے یہ سب کچھ معلوم کر لیا تھا۔ اس لیے بطور تنبیہ جتا دیا کہ وَاَخَافُ اَنۡ یَّاۡكُلَهُ الذِّئۡبُ۔ مجھے خوف ہے۔ کہ اس کو بھیڑیا کھالے گا۔ یعنی تم نے یہی بہانا سوچا ہوا ہے۔ اس کلام سے ثابت ہے کہ حضرت یعقوب ان کے دلی ارادوں کو جان گئے تھے۔ تین وجہ سے۔ ایک یہ کہ حضرت یوسف کی عمر اس وقت گیارہ سال تھی اور بارہ سال تھی۔ اور گیارہ سالہ لڑکے کو بھیڑیا نہیں کھا سکتا۔ جبکہ قد بھی دراز ہو۔ قصص الانبیاء کتاب میں آپ کا قد شریف چھ فٹ لکھا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ اس علاقے میں بھیڑیئے اتنے زیادہ نہ تھے۔ نہ ہی وہ درندوں کا جنگل تھا۔ تیسری وجہ یہ ہے۔ کہ بھیڑیا ہمیشہ رات کو بچوں کو حملہ کر کے لے جاتا ہے۔ اور یہاں دن کا وقت تھا۔ چوتھے یہ کہ کسی اور درندے کا ذکر یعقوب علیہ السلام نے نہ کیا۔ اور تم ایسے کھیل تماشے میں اس طرح لگ جاؤ اس یوسف سے غافل رہو۔ یا تم لوگ شروع سے ہی اس سے بہت غفلت میں رہنے والے ہو۔ لہٰذا اب بھی میں تمہاری طرف سے مطمئن نہیں۔ یہ جملہ جواب ہے پہلے جملے کا۔ بعض نے کہا یہ نیا جملہ ہے۔ بقول تفسیر کبیر ایک روایت میں ہے کہ ذئب سے مراد ان ہی بیٹوں میں سے ایک ہے اور غفلت سے مراد باقیوں کا تماشا دیکھنا ہے۔ اور ایک بھائی کا پکڑ کر کنوئیں میں ڈالنا ہے۔ کیونکہ کئی دن پہلے حضرت یعقوب نے خواب دیکھا تھا کہ یوسف کے پیچھے دس بھیڑیئے پڑے ہیں۔ حضرت یعقوب نے یوسف کو روکنے کے لیے دو عذر پیش فرمائے۔ ایک قلبی غم فراق محبوب کا دوسرے بھیڑیئے کا۔ بعض نے کہا کہ اس علاقے میں بھیڑیئے بکثرت تھے۔ اس لئے آپ نے بھیڑیئے کا ذکر کیا۔ انبیاء کرام کا حوصلہ اور تحمل کس شان کا ہے۔ کہ باوجود سب کچھ جانتے ہوئے پھر بھی ظالموں یا جاہلوں سے غضب کے فقرے استعمال نہ فرمائے بلکہ غافلون فرمایا یہ مشفقانہ لفظ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا قہر نہ پڑ جائے۔ جیسے کہ ماں اپنے سخت مجرم بیٹے کے لیے کہتی ہے کہ اس سے بھول اور غفلت ہو گئی۔ مفسرین کے نزدیک یہاں غافلون میں دس احتمال ہیں۔ ۱۔ تم میری محبت یوسفی سے غافل ہو۔ ۲۔ تم اللہ سے غافل ہو۔ ۳۔ تم اپنے فعل سے غافل ہو۔ ۴۔ تم اس کے انجام سے غافل ہو۔ ۵۔ تم اس کی جزا سزا سے غافل ہو۔ ۶۔ تم یوسف کی نیک بختی، خوش قسمتی سے غافل ہو۔ ۷۔ تم اس سے غافل ہو کہ یوسف ذلیل نہ ہو گا۔ حالانکہ تم اس کو ذلیل کرنا چاہتے ہو۔ ۸۔ تم اس سے غافل ہو کہ تم سب یوسف کے محتاج اور منہ بولے غلام بنو گے۔ ۹۔ تم ترک خدمت سے غافل ہو۔ ۱۰۔ تم یوسف کے کرم اور بخششوں سے غافل ہو۔ غافلون فرما کر یہ بھی تنبیہ کی کہ غافل ہی نادم اور قابل سزا ہوتا ہے۔ ابھی شاید حضرت یعقوب نے کچھ اور بھی فرمانا تھا کہ بیٹوں نے بات بیچ میں کاٹ کر کہا۔ قَالُوۡا لَئِنۡ اَكَلَهُ الذِّئۡبُ وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ۔ والد محترم کی رمز کو نہ سمجھے یا سمجھ تو گئے مگر پردہ ڈالتے ہوئے بولے خدا کی قسم البتہ اگر کھا جائے اس یوسف کو

لی بھیڑیا حالانکہ ہم اتنی مضبوط قوی ہیکل جماعت والے پاس ہوں کہ ہم میں ہر ایک دس شیروں سے مقابلہ کر سکتا ہے اور جنگل میں رہتے بستے عمر گزاری ہے۔ نہ قوت میں کمی ہے نہ تجربے میں ہمارے ہوتے ہوئے اگر یہ مصیبت ہو جائے تب تو بیشک ہم نرے بیوقوف ہی رہے۔ اور اتنے نقصان اور شرمندگی میں ہوئے اور ہمارے مرنے کا مقام ہے۔ بعض نے کہا کہ خٰسِرُوْنَ کا مطلب ہے۔ کہ ہم تو دن رات اپنی زمینوں پر اپنے جانوروں کی حفاظت کرتے ہیں اگر ہم بھیڑیوں سے نبرآزما نہ ہو سکتے ہوں تو وہ تو ہمارے جانوروں کو چیر پھاڑ کھائیں۔ اور ہم یکدم خسارے میں رہ جائیں۔ جب ہم نے اس میں ابھی تک نقصان نہ اٹھایا تو یوسف کو بچانا کیا مشکل ہے۔ یہ جملہ جواب ہے حضرت یعقوب کی دو معذرتوں میں سے ایک معذرت کا لئن قسم ہے یہاں واللہ پوشیدہ اور اِنَّا اِذًا جواب قسم ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ بد دعائیہ فقرہ ہے کہ اگر ہم اس کی حفاظت نہ کر سکیں۔ تو ہم پر خسارہ پڑے۔ (تفسیر کبیر، روح المعانی) ایسی لگا تیپٹ کر باتیں کیں کہ باپ بھیجنے پر مجبور ہوئے اور یوسف جانے پر رات گزر گئی لیکن اس رات نہ حضرت یعقوب علیہ السلام آئی نہ یوسف کو وہ ان کو دیکھتے ہیں وہ آپ کو آنکھوں آنکھوں میں رات بسر ہو گئی۔ کیونکہ یہ وصل کی آخری رات تھی۔ فراق کی گھڑیاں قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی ہیں۔ عاشق ہی جانتا ہے کہ کیسا اور کتنا کٹھن وقت ہوتا ہے صبح ہوئی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے لخت جگر کو نہلایا دھلایا دولہا بنایا۔ بہترین روٹی پکا کر ساتھ رکھی اور بھائیوں کے سپرد کر دیا غلطی اور چوک یہ ہوئی کہ فراق کے غم میں خدا تعالیٰ کے سپرد کرنا بھول گئے۔ تفسیر

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ -

جب لے کر چل پڑے وہ سب بھائی اس یوسف کو والد بھی کچھ دور ساتھ آئے۔ جب تک والد کی نظروں میں رہے اس وقت تک بہت عزت سے اور پیار سے کبھی کوئی محبت سے ہاتھ پکڑتا کبھی گودی اور ہنس ہنس کر یوسف کو دیکھتے رہے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ کندھوں پر اٹھاتے رہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس وقت حضرت یوسف کی عمر میں چار قول ہیں ۱۔ سترہ سال ۲۔ پندرہ سال ۳۔ بارہ سال ۴۔ سات سال اور پہلا اور تیسرا قول زیادہ مشہور ہے۔ اتنی عمر کا لڑکا کندھوں پر سوار نہیں کیا جاتا۔ جن بزرگوں نے کندھوں پر سوار مانا ہے انہوں نے غالباً سات سال یا چھ سال عمر مانی ہے۔ حضرت یعقوب آہیں بھرتے واپس ہوئے اور اوجھل ہو گئے۔ تب بھائیوں کے تیور بدل گئے۔ کوئی جھڑکتا، کوئی طعنہ دیتا، کوئی دھکا دیتا۔ اسی حالت میں اپنی زمینوں پر مقام سکم میں آ گئے۔ مگر وہاں ٹھہرے نہیں۔ بلکہ مقام دوتن یا دالتق کے جنگل میں یوسف کو گھسیٹ کر لے آئے وہیں ایک کنواں تھا۔ یہ جگہ کنعان یعنی حبرون موجودہ الخلیل سے چھ کوس کے فاصلے پر اور مصر کی شاہراہ پر تھی۔ ادھر جب یعقوب علیہ السلام واپس گھر تشریف لائے تو بی بی زینب آنسو بہا رہی تھیں۔ والد غمزدہ نے یعقوب

کی وجہ پوچھی تو کہنے لگیں کہ اے اباجان میں نے ابھی اشراق کے وقت خواب دیکھی ہے۔ کہ میرے بھائی یوسف کے پیچھے دس بھیڑیئے لگے ہیں۔ اور وہ تنہا ہیں۔ اس درد سے یہ خواب سنائی، کہ یعقوب علیہ السلام بھی رو پڑے۔ رونے کی یہ ایسی ابتدا ہوئی کہ چالیس یا اسی سال متواتر آپ روتے رہے۔ لَمَّا کا جواب پوشیدہ ہے یعنی جب ان کو لیکر چلے تو مقام دوتن میں ٹھہرے۔ اور یوسف علیہ السلام کو بہت ہی بیدردی سے مارنا اور دھکے دینا شروع کیے۔ حضرت یوسف کبھی کسی کو بھائی کہہ کر پکارتے کبھی کسی کو۔ کبھی کسی کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھتے کبھی کسی کو، کبھی کسی کی طرف دوڑتے کبھی کسی کی طرف دوڑ کر پناہ لینا چاہتے۔ وہ دھکا دے دینا، جب کافی دیر اسی طرح گزر گئی تو حضرت یوسف آسمان کی طرف دیکھ کر مسکرا پڑے۔ بھائیوں نے پوچھا اے یوسف یہ ہنسنا کیسا ہے؟ حضرت یوسف نے جواب دیا کہ ایک دن میں نے اپنے دوستوں کے سامنے کہا تھا کہ مجھے کسی کا ڈر نہیں کیونکہ میرے اتنے طاقت والے دس بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی، اس لیے اس کریم نے مجھے تمہارے ہی ہاتھوں سزا دلوائی۔ میں اس کی بے نیازی پر مسکرایا۔ کہ وہ ہی سچا دوست ہے۔ یہ بات سنکر یہودا کو ترس آیا اور اس نے سب کو روکا اور کہا کہ اے بھائیو وعدہ خلافی نہ کرو۔ ہاں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ مارنا اور قتل نہیں کرنا اگر تم اپنا وعدہ بھول گئے۔ ہو اور قتل ہی کرنا چاہتے ہو تو پہلے مجھ کو قتل کرو تب سب بھائی باز آئے۔ وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ۔ اور سب اس بات پر جمع ہوئے یعنی متفق ہوئے۔ کہ اس یوسف کو اسی اندھیرے کنوئیں میں ڈال دیں جیسے کہ کیا تھا فوراً یوسف کی قمیص پہلے فیصلے کے مطابق اتاری اور یوسف کو اسی سے باندھ کر کنوئیں میں لٹکا دیا جب آدھا کنواں طے ہو گیا تو نہایت بے دردی اور کثافت قلبی سے شمعون یا روبیل یا دان نے رسی چھوڑ دی۔ اس ارادے سے کہ کسی پتھر سے ٹکرا کر مر جائے۔ چونکہ کنوئیں میں اندھیرا تھا۔ پتہ نہ لگا کہ یوسف زندہ ہیں یا نہیں تب شمعون نے آواز دی یوسف سمجھے کہ شاید محبت سے پکار رہے ہیں اور مجھ کو نکال لیں گے۔ جواباً فرمایا جی اے میرے بھائیو۔ اس پر شمعون اور لاوی اور ریان نے بڑا پتھر اٹھا کر پھینکنا چاہا کہ مر جائے۔ یہودا نے بڑی سختی سے روکا۔ اتنی کارروائی کر کے بھائی واپس چلے یوسف تنہا اندھیرے کنوئیں میں تنہا ایک پتھر پر بیٹھے ہیں نہ کوئی یار و مددگار کہاں وہ باپ کی پیار بھری گود، بھائی بہن کی میٹھی باتیں کہاں۔ اب یہ تنہائی تب بے سہاروں کے سہارا بے آسروں کے آسرا رب تعالیٰ نے وحی فرمائی تا کہ پیارے یوسف کو تسلی ہو۔ اور ہم نے وحی کی اس کی طرف یہ وحی نبوت کی نہ تھی۔ بلکہ بذریعہ حضرت جبریئل پیغام ولایت تھا۔ جو الہام کی قسم کا ہوتا ہے۔ وحی کے شرعاً پانچ معنی ہیں ۱ خبر لینا ۲ خبر دار کرنا۔ یہی یہاں مراد ہیں ۳ مناجات ۴ الہام کرنا ۵ پیغام نبوت اور دینی قانون عطا کرنا۔ بعض نے کہا یہ وحی نبوت تھی۔ مگر یہ غلط ہے کیونکہ وحی نبوت تبلیغ کے لیے ہے وہ مصر میں شروع ہوئی جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔ یہاں تبلیغ مقصود نہ تھی۔ یہاں تو صرف یہ فرمایا گیا لَتُنَبِّئَنَّهُمْ، البتہ ضرور تم ان بھائیوں کو ان کے اس ظالمانہ سلوک کی خبر دو گے

یعنی یوسف گھبراؤ مت ہم تم کو ضائع نہیں کریں گے۔ تم کو وہ مقام اور وہ قوتیں ملیں گی کہ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ۔ ان بھائیوں کو آج اس کا شعور بھی نہیں بلکہ خیال وگمان بھی نہیں رہے گا۔ تب ہوش کی آنکھیں کھلیں گی جب تم انکو اُن کے کرتوت کی خبر دو گے ؛

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند سبق اور فائدے حاصل ہوئے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ اللہ کے نیک بندوں کا کام رب کا کام ہے۔ دیکھو کلام جبریل امین نے فرمایا مگر ارشاد ہوا وَاَوْحَيْنَا۔ ہم نے وحی کی۔ یہ فائدہ اَوْحَيْنَا کی ضمیر متکلم سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو سب کچھ پہلے بتا دیتا ہے اور یہی علم غیب ہے۔ یہ فائدہ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ جنگلی میوے کھانے اور جائز کھیل کھیلنا ہر شخص کے لیے جائز ہے۔ یہ فائدہ يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ سے حاصل ہوا۔ جنگلی درخت اگرچہ حکومت کی ملکیت ہو جائیں مگر اس کے پھل کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتے۔ جیسے کہ دریا کی ریت اور پانی اور گھاس وغیرہ ؛

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات پڑ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ کھیل کود ہر شریعت میں حرام رہا۔ پھر بھائیوں کے کہنے پر کہ يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ یہ کھیلے گا اور ایک قرأت میں ہے نَرْتَعْ وَنَلْعَبْ ہم کھیلیں گے حضرت یعقوب نے شرعی ممانعت کیوں نہ فرمائی۔ **جواب**۔ لعب کہتے ہیں بے مقصدی اور بے ارادہ کام کو، وہ جائز بھی ہوتے ہیں اور ناجائز بھی۔ شریعت نے تین کاموں کو جائز رکھا ہے ۱۔ گھڑ دوڑ اور ۲۔ صحت بنانے کے لیے اور ۳۔ بیوی سے کھیلنا تاکہ گھر کا ماحول خوشگوار رہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت یوسف اس وقت نابالغ تھے اور قرأت مشہور ہے يَرْتَعْ غائب کے صیغے سے اور نابالغ بچے کو ہر کھیل جائز ہے مگر یہ جواب کمزور ہے کیونکہ نبی نابالغ بھی غیر شرعی کام نہیں کر سکتا۔ حدیث پاک میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں ایک جگہ سے گزر رہے تھے کہ کچھ کھیلتے بچوں نے پکارا تعال محمد نلعب آؤ محمد کھیلیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَا خُلِقْنَا لِهٰذَا ہم اس کھیل کود کے لیے پیدا نہیں کئے گئے۔ بعض نے جواب دیا کہ یہاں لعب مجازی طور پر بولا گیا ہے۔ حقیقتاً وہ کھیل نہ تھا بلکہ جنگلی ماحول کا تجربہ سکھانے کا ذکر تھا۔ **دوسرا اعتراض**۔ لَئِنْ اَكَلَهُ میں لام کیوں لایا گیا۔ اس کا کیا فائدہ۔ **جواب**۔ تفسیر کبیر نے اسکے دو جواب دیئے۔ ایک یہ کہ یہاں واللہ قسم پوشیدہ لام قسمیہ ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ لام تاکیدیہ ہے۔ اور اس لیے آیا کہ اِنْ حرف شرط جزا کو مستلزم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کی تاکید ضروری ہے یعنی اگر ایسا ہو جائے تو ہم خاسر ہوں گے۔ **تیسرا اعتراض**۔ خاسرون کہنے کا کیا مطلب اور مراد۔ **جواب**۔ اس کے چار معنی ہیں ۱۔ تب تو ہم ضعیف ہیں عاجز ہیں ۲۔ بددعا ہے ۳۔ اگر ہم حفاظت پر قادر ہوئے تو ہم ہلاک ہوئے اور ہمارے جانور بھی ۴۔ پھر تو ہم نے جتنی پہلے خدمتیں اور مشققتیں کیں وہ سب برباد ہوں گی۔ اور یہ بڑا گھاٹا ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ جب بیٹوں نے کہا کہ یوسف کو ہمارے ساتھ بھیجدو تو حضرت یعقوب نے دو عذر پیش کئے

ایک یہ کہ میں غمگین رہوں گا۔ دوسرا یہ کہ اس کو بھیڑیا کھائے گا۔ مگر بیٹوں نے ایک عذر کا جواب دے کر ختم کیا۔ دوسرے کا کوئی ذکر نہ کیا۔ اس کی وجہ کیا ہوگی؟ **جواب**۔ یا اس لیے کہ بھیڑیئے کو روکنے پر قادر تھے۔ غم ختم کرنے پر قادر نہ تھے یا اس لیے کہ یوسف کی طرف سے تو غمزدہ کرنا ہی چاہتے تھے۔ بھلا وہ غم ختم کیوں کرتے یا اس لیے کہ جب یوسف کو واپس لے آئیں گے تو والد کا غم خود بخود ختم ہو جائے گا اور بھیڑیئے سے بچانا ہی واپس لانا ہے تو گویا انہوں نے ایک بات کر کے دونوں عذروں کا جواب دے دیا یا اس لیے کہ آپ کا غم آئندہ ہمارے وجود سے ہماری خدمت سے ختم ہوگا۔ اور اس کو وہ صرف باتوں سے ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یا اس لیے کہ یہ سارا پروگرام تو بنا ہی اس لیے تھا کہ تم کو یوسف سے ہی محبت و پیار کیوں ہے۔ اور اس کی جدائی کا غم کیوں ہے۔ ہم کیا کریں اگر تم غمگین ہو گئے تو۔

تفسیر صوفیانہ

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ. قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ. اے یعقوب روح اسی یوسف قلب کو اپنی آغوشِ محبت سے ذرا جدا کر پابندیٔ الفت سے ذرا آزاد کرا دو ہجوم معرفت سے نکال کر کل صبح دھوم حواس باطنی کے ساتھ اس کو بھیج دے تاکہ چمنِ عقلیات کے پھل چبائے اور میدانِ نظریات میں لذاتِ لعب حاصل کرے اور بیشک ہم حواس خمسہ ظاہری و باطنی اس دل کے آس پاس رہنے والے تمام خطرات فراق و سواس حجاب سے اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ روح امر نے فرمایا اے حواس متزلہ اور قوائے مختلفہ بیشک تمہارا قلب کی توجہ کو مجھ سے جدا کر کے لے جانا مجھ کو غمگین کرے گا۔ کیونکہ قلب کی بے توجہی تازگی روحانی کو فنا کرتی ہے۔ اور روح کو خرمردہ اور کملا دیتی ہے۔ قلب صنوبری جب تک روح کی نظر میں مراقب تجلیات رہتا ہے۔ حواس و قوا کے استعمال مشغولیت سے دور رہتا ہے خواہشاتِ حواس پیدا ہوتی ہے کہ دل ان کے قبضے میں ہو اور یوسف قلب کو ان کے ساتھ بھیجا جائے تاکہ لذتِ حیوانیت کے پھل کھائے۔ اور صحرائے محرومیت میں سیر ناسوتی کرے۔ اور حواس ظاہری باطنی کو قلب مکین فراق روح کے زمانے میں ناجائز فائدے اٹھانے کا موقعہ ملے۔ مگر روح ربانی مطمئن نہیں ہوتی کیوں کہ مکاریٔ حواس سے واقف ہے اور جانتی ہے کہ جب قلب منور روح سرمدی سے جدا ہوا تو ذئب شیطان ہلاک کر دے گا۔ لہٰذا یعقوب روح فرماتا ہے۔ کہ مجھ کو خوف ہے کہیں اس قلب بیچارہ کو ابلیسی بھیڑیا میدان دنیا کی شہوات میں لے جا کر ہلاکت ہجراں نہ دیدے۔ اور تم سب قوائے جسمانیہ حجابات غفلت میں پڑے رہو۔ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ. قوائے باطنیہ حواس ظاہرہ نے جواب دیا۔ کہ قوت سامعہ باصرہ شامہ اور تدبیر تفکر تخیل کے ہوتے ہوئے اگر ذئب ابلیسی قلب مکین پر قبضہ جما لے تو ہم کس کام کے حالانکہ ہم قوت عقل و خرد والے ہیں۔ بیشک ہم تب تو البتہ یقیناً ذلت کے بڑے نقصان میں ہیں۔ اہل ہوا سمجھتے ہیں، کہ

شاید اپنی عقل وعلم کے ذریعے ہم شیطان سے بچ جائیں گے۔ اس گمان باطل میں کسی بری محفل بری کتاب کو حاصل کرنے میں پرہیز نہیں کرتے۔ شیطان قبضہ جما لیتا ہے مگر یہ محسوس بھی نہیں کرتے۔ پھر ان ہی کے منہ سے شیطان ان چیزوں کی تعریف کرا لیتا ہے جو ایمان کے خلاف ہیں۔ اور آہستہ آہستہ بے دینی میں مضبوط ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مگر سمجھتے ہی نہیں۔ کہ ہم درستی پر ہیں یہاں تک کہ کانٹوں کو پھول، برائی کو اچھائی، گناہ کو نیکی، بیماری کو تندرستی خیال کرنے لگتے ہیں۔ جب انسان کا قلب روح اس کی نظر سے دور ہو شیطانی بھیڑیا اس سے قریب ہوتا ہے۔ دل میں اپنی حکمرانی کا تصرف کرتا ہے۔ اور ہلاکت کی وادی میں اس کو گھسیٹتا ہے یہ سارے جسم کا خسارہ ہے کیونکہ قلب کی ہلاکت قالب روحانی کی موت ہے۔ دل کی سلامتی میں حواس کا نفع ہے۔ پس عاقل پر واجب ہے کہ بچوں کی طرح کھیل میں نہ جائے اور دینی فتنوں آفتوں سے بچے۔ نفس کو لگام دے تاکہ شہوات کے کنوئیں میں نہ گرے۔ وادی عشق الٰہی میں رہنے کی کوشش کرے تاکہ ماسوا اللہ کی محبت سے ہٹے۔ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ؀

عشق مسکین پر عقل مکار کا غلبہ ہوا، تدبیر پر تقدیر غالب آئی، تب غیرت الٰہی روح وقلب کا حجاب بن گئی۔ پس جب غلبہ تقدیری سے قلب یوسف کو بیابان وذلت میں لے گئے تو سب حواس لعینہ نے متفق ہو کر یوسف قلب کو جب قالب اور بشریت سفلیہ کے اندھے کنوئیں میں ڈال دیا۔ قلب گھبرایا۔ دل غمگین ہوا، تب ہم نے اس کی طرف منطق ربوبیت سے ازل کی خبروں سے وحی کی اور حواس باطنہ کی حرکات رذیلہ کی غیبی علوم بخشے کہ اے قلب حسین فراق محبوب اور جفاء منحوس کا غم نہ کر عنقریب میدان معرفت میں سلطنت عشق میں دربار مشاہدات میں ملاقات ہے۔ تو ان کو ان کی ان حرکات کی ساری خبریں دے گا۔ حالانکہ یہ شعور و تمدد گم چکے ہوں گے۔ اے دنیا پرستو قانون فطرت ہے کہ جب وسائل واسباب ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور بندہ مجبور مصائب کے کنوئیں میں گر جاتا ہے تب پیغام سروری اور وصل مولیٰ نصیب ہوتا ہے۔ (عرائس۔ محی الدین ابن عربی۔ روح البیان)

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ؀ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا
اور سب آئے باپ کے پاس اپنے عشاء کے وقت روتے جاتے تھے سب بولے اے باپ ہمارے
اور رات ہوئے اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے بولے اے ہمارے باپ

ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ

بیشک ہم چلے گئے بھاگتے ہوئے اور چھوڑا ہم نے یوسف پاس سامان اپنے تو کھا گیا اس کو بھیڑیا

دوڑ کرتے نکل گئے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑا تو اسے

الذِّئْبُ ۚ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿١٧﴾

ثلثة

اور نہیں تم سے ایمان لانے والوں لیئے ہمارے اگرچہ ہوں ہم سچ بولنے والے

بھیڑیا کھا گیا اور آپ کسی طرح ہمارا یقین نہ کریں گے اگرچہ ہم سچے ہوں

وَجَاءُوا عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ ۚ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ

اور آئے وہ سب پر قمیص اس کی ساتھ خون جھوٹے کے فرمایا بلکہ فریب دیا کو تم

اور اس کے کرتے پر ایک جھوٹا خون لگا لائے کہا بلکہ تمہارے دلوں نے ایک

لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ

دلوں نے تمہارے ایک چیز کا ثواب صبر ہی مفید ہے اور اللہ ہی مدد مانگا ہوا ہے

بات تمہارے واسطے بنالی ہے تو صبر اچھا اور اللہ ہی سے مدد چاہتا

عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا

پر اس جو تم بناتے ہو اور آیا ایک قافلہ تو بھیجا انہوں نے نوکر کو اپنے

ہوں ان باتوں پر جو تم بتا رہے ہو اور ایک قافلہ انہوں نے اپنا پانی لانے والا

وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ

پس ڈالا اس نے ڈول اپنا۔ بولا واہ خوشخبری یہ لڑکا ہے اور بھید بنا دیا انہوں نے

بھیجا تو اس نے اپنا ڈول ڈالا بولا آہا کیسی خوشی کی بات ہے یہ تو ایک لڑکا ہے

وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾

اس کو ذریعے کھوٹی پونجی کے اور اللہ خوب جاننے والا ہے اس کو جو وہ کرتے ہیں

اور اسے ایک پونجی بنا کر چھپا لیا اور اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں

تعلق

ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں والد محترم حضرت یعقوب کے قلبی اندیشے کا ذکر تھا۔ اور بھائیوں کے اطمینان دلانے اور اپنی طاقت و قوت کے اظہار کا ذکر تھا اور حضرت یوسف کو لے جانے کا ذکر تھا۔ اب بھائیوں کی چال اور فریب کاری پوری ہونے کا ذکر ہے۔ کہ کس طرح محبت سے لے کر گئے۔ اور اب کیا کر کے لوٹے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں عملی چال کا ذکر ہوا تھا۔ اب جھوٹی پشیمانی والی چال کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں بھائیوں کی عملی چالبازی کے جواب میں حضرت یعقوب کی گفتگو کا ذکر ہوا جس سے آپ کی غیب دانی ثابت ہوئی تھی۔ اب بھائیوں کی جھوٹی پشیمانی کے جواب میں حضرت یعقوب کی غیب دانی کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے۔ چوتھا تعلق۔ پچھلی آیات میں حضرت یوسف کو والد سے جدا کرنے گھر سے لے جانے اور کنوئیں میں ڈالنے کا ذکر تھا۔ اب یہاں حضرت یوسف کو شہر سے جدا کرنے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے کنوئیں سے نکالنے کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی

وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ۔ واؤ بسر جملہ جاؤ فعل ماضی بصیغۂ جمع مذکر جَیْءٌ سے بنا بمعنی آنا۔ اَبَا اسم مکبّر ہی سے ہے۔ بحالتِ زبر ہے۔ ظرف ہے دراصل تھا عِنْدَ اَبِی ھُمْ ضمیر جمع کا معنی ہے اپنے۔ عِشَاءً ظرفیت کا زبر ہے۔ تنوین تنکیری۔ عِشْیٌ سے بنا بمعنی مغرب سے لے کر فجر صادق تک کے وقت کو عشا کہتے ہیں۔ بعض نے کہا اس کی اصل تھی عِشْوًا حرف علت واؤ کا زبر ماقبل شین کو دیا۔ کیونکہ ہمیشہ علت کی حرکت حرفِ صحیح کو دی جاتی ہے۔ الف اور واؤ دو ساکن واؤ گر گئی رہ گیا عشاءً یَبْکُوْنَ مضارع معروف بصیغۂ جمع۔ جملہ حالیہ بمعنی مفعول یعنی روتے ہوئے بُکٰیٌ سے بنا۔ لغت میں چیخیں مار کر رونے کو بکاءٌ کہا جاتا ہے۔ قَالُوْا یٰاَبَانَا۔ قالو فعل ماضی جمع ہے اس کا فاعل ھم ضمیر پوشیدہ کا مرجع اخوۃٌ یہ قول ہے اس کا مقولہ جملہ ندائیہ ہے اَبَانَا مرکب اضافی ہے منادیٰ قریب ہے۔ اِنَّا حرف تحقیق یا اسم منصوب ذَھَبْنَا فعل ماضی لازم ہے۔ بصیغۂ جمع متکلم۔ ذَھْبٌ سے بنا۔ بمعنی چلنا۔ نَسْتَبِقُ مضارع معروف جمع متکلم سَبْقٌ سے بنا۔ بمعنی آگے بڑھنا یا دوڑنا۔ ماضی سے متعلق ہے۔ لہٰذا بمعنی ماضی ہے۔ واؤ عاطفہ ترکنا فعل ماضی جمع متکلم تَرْکٌ سے بنا بمعنی چھوڑنا متعدی بیک مفعول ہے۔ یُوْسُفَ مفعول بہ عِنْدَ ظرفیہ ہے۔ مضاف ہے مَتَاعِ حالتِ زیر مضاف الیہ ہے۔ اور مضاف ہے طرف ضمیر جمع متکلم نَا۔ کے۔ مَتْعٌ سے بنا بمعنی نفع والی چیز۔ بروزنِ فعال بمعنی لئے کا ہے۔ فاء تعقیبیہ ہے۔ اَکَلَ فعل ماضی مطلق متعدی بیک مفعول ہٗ ضمیر واحد غائب کا مرجع یوسف ہے۔ اَلذِّئْبُ۔ الف لام جنسی ہے نہ کہ عہدی ذئب بحالت رَفْع فاعل ہے اَکَلَ کا واؤ عاطفہ مَا نافیہ اَنْتَ ضمیر مرفوع منفصل اسم ما ہے بِمُؤْمِنٍ با حرفِ جر زائدہ ہے۔ مُؤْمِنٌ اسم فاعل باب اِفعال کا

اُمْنٌ سے بنا مصدر ہے ایمانٌ بمعنیٰ ماننا لَنَا لام جارّہ زائدہ بمعنیٰ مفعولیت ہے نا ضمیر مجرور متصل۔ واؤ وصلیہ لَوْ حرفِ شرط کُنَّا فعل ماضی ناقصہ ضمیر جمع متکلم اس کا اسم صادقین اسم فاعل ہے صادق خبر ہے کُنَّا کی۔ یہ جملہ شرط مؤخر ہے۔ اور مَا اَنْتَ کا جملہ جزاءِ مقدّم ہے۔ واؤ سر جملہ جَاءُوْا فعل ماضی جیئٌ سے بنا بمعنیٰ آنا۔ عَلٰی بمعنیٰ فَوْقَ قَمِیْص بروزنِ فعیل قمصٌ سے بنا بمعنیٰ عزت دار لباس پہننا۔ بِدَمٍ۔ بار جارّہ زائدہ یا بمعنیٰ مِنْ تبعیضیہ دمٍ اسم جامد ہے بمعنیٰ خون تنوین تنکیری نکرہ موصوفہ۔ کَذِبٍ۔ بروزن فعل مصدر ہے۔ بمعنیٰ المکذوب صفت ہے دَم کی۔ اگر باء زائدہ ہو تو دمٍ کذبٍ حال ہوگا اور علیٰ قمیصہٖ ذوالحال۔ قال یہ جوابی قول ہے۔ بل حرف استدراک ہے جو سابقہ کو غلط قرار دیتا ہے۔ سَوَّلَتْ فعل ماضی بصیغہ واحد مؤنث غائب باب تفعیل سے ہے اس کا مصدر تسویلٌ ہے۔ اس کا مادہ سُوْلٌ ہے بمعنیٰ ایسا دھوکہ دینا کہ منافقت کی جائے۔ لَکُمْ لام مفعولیت کا ہے۔ کُمْ ضمیر مخاطب کا مرجع اخوہ یوسف ہے۔ سَوَّلَتْ کا فاعل اَنْفُسُ ہے نفس کی جمع مکسر ہے۔ لہٰذا اس کا عامل فعل مؤنث آیا۔ کُمْ کا مرجع وہی ہے جو پہلے بیان ہوا اَمْرًا بحالت زبر مفعول فیہ ہے۔ بمعنیٰ واقعہ۔ فَصَبْرٌ، فاء سببیہ صَبْرٌ، بحالت نکرہ موصوفہ ہے مبتداءِ محذوف کی خبر ہے۔ دراصل تھا فَاَمْرِیْ صَبْرٌ جَمِیْلٌ، صبرٌ مصدر ہے لغوی ترجمہ رکھنا یا روکنا۔ پہلے ترجمہ میں لازم ہے دوسرے میں متعدی اصطلاحًا برداشت کرنا جمیلٌ صفت ہے صبر کی بروزن فعیلٌ مبالغہ کا صیغہ جَمْلٌ سے بنا بمعنیٰ بلند یا خوبصورت ہونا یا خوشی ملنا یا مناسب ہونا یا پورا ہونا یا اچھا ہونا۔ یہاں آخری تین معنیٰ سے ایک مناسب ہے۔ وَاللّٰہُ۔ واؤ عاطفہ لفظ اللہ بحالت رفع مبتداء ہے۔ اَلْمُسْتَعَانُ۔ باب استفعال کا اسم مفعول ہے۔ عونٌ سے بنا بمعنیٰ مدد دینا لازم ہے۔ باب استفعال میں آکر اور معنیٰ ہوا مدد مانگنا۔ بحالتِ رفع خبر ہے مبتداء کی۔ عَلٰی جارّہ بمعنیٰ فی ظرفیہ ما موصولہ تَصِفُوْنَ فعل مضارع بصیغہ جمع مذکر حاضر وصفٌ سے بنا بمعنیٰ دلیری سے بیان کرنا۔ خواہ سچا یا جھوٹا۔ یہاں جھوٹا مراد ہے۔ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۔ واؤ سر جملہ جاءت فعل ماضی مؤنث اس کا فاعل اسم ظاہر ہے۔ سَيَّارَةٌ لفظًا مؤنث ہے۔ معنًا مذکر بمعنیٰ قافلہ یعنی سفر کرنے والے لوگ اس کا مذکر ہے سَیَّارٌ بروزنِ صرّاف سَیرٌ سے بنا بمعنیٰ بہت چلنے والا۔ فاء تعقیبیہ اَرْسَلُوْا فعل ماضی بصیغہ جمع مذکر باب افعال سے متعدی مفعول بمعنیٰ بھیجنا۔ وارد اسم فاعل ورودٌ سے ہے۔ اس کا مادہ وَرْدٌ بمعنیٰ آگے آگے خدمت کے لیے جانا۔ جانے والا یہاں بہشتی دستہ۔ فاء سببیہ ہے۔ اَدْلٰی باب افعال کا ماضی مطلق دَلْوٌ یا دَلْیٌ سے بنا بمعنیٰ کنوئیں میں ڈول ڈالنا۔ اب اصطلاحًا مطلقًا ڈول لینے کے معنیٰ میں مستعمل ہے۔ اسی لیے دَلْوَهٗ بعد میں مفعول بہ ہے۔ ہٗ ضمیر کا مرجع وارد ہے۔ لفظ دَلْوٌ مؤنث سماعی ہے۔ اس کی تصغیر دُلَیَّۃٌ ہے۔ اس کی جمع دِلَاءٌ۔ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۔ قال فعل ماضی کا فاعل ھُوَ ضمیر ہے اس سے

مراد وارد ہے جملہ نیا ہے۔ یا بشریٰ مقولہ ہے قول کا۔ یا حرف ندا اس کا منادیٰ بشریٰ بروزن فعلیٰ مؤنث ہے اسم تفضیل اَلْبَشَرُ کا۔ ھٰذا اسم اشارہ مبتدا ہے۔ غلام "غلم" سے بنا بمعنی قریب بلوغ لڑکا ہے۔ تنوین تفخیم کے لیے ہے۔ تفخیم کے معنی کسی کو بزرگ یا عظیم الشان سمجھنا۔ غلامٌ یعنی عظیم الشان سمجھنا۔ فا بمعنی ثُمَّ اَسَرُّوْہُ باب افعال کا ماضی دراصل تھا۔ اَسَرُّوْ۔ سِرٌّ سے بنا بمعنی چھپانا ہٗ ضمیر کا مرجع غلام۔ بِضَاعَةً۔ بروزن فِعَالَۃ جیسے کِتَابَۃٌ مصدر ہے۔ اس کا مادہ بَضْعٌ ہے بمعنی سامانِ تجارت۔ یا قیمتی چیز یا جسم کا ٹکڑا۔ یہاں پہلے دو معنی بن سکتے ہیں۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ۔ واؤ سے جملہ لفظ اللّٰہ مبتدا علیم" صفت مشبہ کا صیغہ برائے مبالغہ یعنی خوب جاننے والا "علم" سے بنا یہ خبر مبتداء ہے بما باء جارہ زائدہ ہے ما موصولہ مجرور موصول اپنے صلے سے مل کر علیم سے متعلق ہے۔ یعلمون فعل مضارع صیغہ جمع نائب "عمل" سے بنا۔ بمعنی عمل کرنا اس کا فاعل ھم ضمیر غائب کا مرجع اخوۃ یوسف ہیں فقط یا یہ قافلے والے بھی

تفسیر عالمانہ

وَجَآءُوْٓ اَبَاھُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ قَالُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ. برادران یوسف نے یوسف علیہ السّلام کے ہاتھ باندھ کر کنوئیں میں ڈال دیا۔ حضرت جبرئیل نے آکر ہاتھ کھولے اور ننگے بدن یوسف کے گلے سے چاندی کا وہ تعویذ کھولا جو والد محترم نے چلتے وقت یا کچھ دن پہلے ہی ڈالا تھا۔ اس میں جنت کی وہ قمیض تھی جو نارِ نمرود میں جاتے وقت جبرائیل علیہ السّلام نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو پہنائی تھی۔ حضرت ابراہیم نے وہ قمیص حضرت اسحٰق کو عطا فرمائی۔ اور حضرت اسحٰق نے وہ جنتی قمیض اپنے فرزند یعقوب علیہ السّلام کو عطا فرمائی۔ یعقوب علیہ السلام نے وہ باریک جنتی ریشم کی قمیص چاندی کے خول میں لپیٹ کر یوسف علیہ السلام کو تعویذ بنا کر ڈال دیا۔ آج پھر حضرت جبرئیل نے ہی وہ قمیص تعویذ سے نکال کر یوسف کو پہنائی اور کچھ ورد وظیفہ بتا کر چلے گئے اس قمیص کی کرامت تھی کہ سارے کنوئیں میں روشنی پھیل گئی۔ اُدھر دو گھنٹے میں فارغ ہو کر سکم زمینوں پر چلے آئے۔ اور عشاء کے وقت حالانکہ دوپہر تک گھر آسکتے تھے مگر اس خوف سے کہ کہیں والد صاحب آدمیوں کو لے کر تلاش میں نہ نکل پڑیں۔ اور جائے واردات کو نہ دیکھ لیں یا اس لیے کہ دن میں ہمارا جھوٹا رونا ان پر کھل جائے گا سارا دن اِدھر اُدھر گھومے پھرے اور مغرب یا عشاء یا آدھی رات کے وقت اپنے والد کے پاس آگئے اور زور زور سے روتے چیختے چلاتے دھاڑیں مارتے ہوئے آگئے۔ شرعی اصطلاح میں تو عشاء نماز عشاء سے فجر صادق تک کا وقت ہے۔ مگر لغت میں مغرب سے آدھی رات تک عشاء ہوتی ہے۔ امام ابواللیث نے کہا عصر سے آدھی رات تک کا وقت عشاء کہلاتا ہے۔ جب اس مکر کے رونے کو یعقوب علیہ السّلام نے سنا تو گھبرا کر باہر نکلے اور فرمایا کیا ہوا کیا بکریوں کو کچھ ہو گیا اور لڑکا ہیں یوسف کو ڈھونڈنے لگیں۔ نہ پایا تو پوچھا

یوسف کہاں ہے۔ تب قَالُوا يَا اَبَانَا۔ سب بولے یا سب کا نمائندہ بن کر ایک بولا باقی روتے رہے اور مصنوعی ہچکیاں لیتے رہے۔ اے ہمارے باپ بیشک ہم جنگل میں گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے یعنی برتنوں اور کمبلوں چادروں کے پاس چھوڑ گئے پس پتہ نہیں کدھر چھپا بیٹھا تھا بھیڑیا جس نے نکل کر اس یوسف کو کھا لیا۔ اور ہمیں پتہ ہے کہ آپ ہماری اس بات پر ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ہم سب حقیقت میں سچ بولنے والے ہی ہوں کیونکہ آپ کو یوسف سے انتہائی محبت ہے۔ اور ہماری باتوں پر آپ کو پہلے بھی کم اعتماد آتا ہے انسان حسد اور ظلم میں اندھا اور بے عقل ہوتا ہے۔ یہ نہ سوچا کہ جھوٹے ہونے کا تو ہم خود ثبوت مہیا کر رہے ہیں اگر والد پوچھیں کہ یوسف کی ہڈیاں کدھر ہیں۔ یا جامہ کدھر ہے تو کیا جھوٹے نہ پڑیں گے۔ معانی نے فرمایا کہ یہاں کو کُنَّا صادقین میں یہ تاویل ضروری ہے کہ آپ کے اعتماد میں ہم سچے ہوں یعنی آپ کا قلب ہم کو سچا ہی سمجھتا ہو تب بھی آپ ہم کو زبان سے سچا نہ کہیں گے۔ کیونکہ ہمارے پاس اپنی سچائی پر کوئی مضبوط دلیل نہیں۔ ایمان تصدیق ہی کا نام ہے۔ اس لئے مومن کے بعد صادقین کہا۔ اس کنوئیں کے بارے چند روایات ہیں۔ ۱) یہ کنواں نمرود کے وزیر شداد بن عاد نے بنوایا تھا۔ ۲) یہ سام بن نوح نے بنوایا تھا۔ سر راہ تھا بڑا خطرناک تھا اس کا نام جُبُّ الحزن یا دوش تھا اردن کے جنگل میں تھا۔ اس کے نشان اب لوگوں نے دیکھے ہیں۔ حضرت یعقوب کے گاؤں سے بارہ میل فاصلے پر تھا آپ کنوئیں میں گرنے کے متعلق لوگوں میں بہت مشہور ہیں کسی نے کہا ایک دفعہ یعقوب علیہ السّلام نے بھکاری کو بھیک نہ دی۔ یوسف علیہ السلام گود میں لئے بیٹھے رہے۔ تب اس نے غمزدہ ہو کر جدائی کی بد دعا دی۔ جسکی وجہ سے یہ جدائی پڑی۔ کسی نے کہا کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام نے یوسف علیہ السّلام کے لیئے ایک بکری خریدی اور اس کا بچہ بیچ دیا تاکہ دودھ زیادہ ہو اور یوسف ہی پیئے۔ تب بکری نے بد دعا دی۔ کہ جس طرح تم نے میرے بچے کو مجھ سے جدا کیا خدا تمہارے اس بچے کو بھی جدا کرے۔ یہ بد دعا قبول ہوئی۔ (روح البیان) کسی نے کہا کہ یوسف علیہ السّلام نے ایک دفعہ اپنی شکل دیکھ کر کہا کہ مجھ سا جہان میں کوئی نہیں۔ اگر میں غلام ہوتا تو بڑی قیمت میں بکتا۔ اس لیئے یہ سزا ملی۔ مگر یہ سب باتیں جھوٹی بناوٹی ہیں۔ ان بنانے والوں نے انبیاء کرام کی قدر نہ جانی۔ وَجَاءُوْا عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ یعقوب علیہ السلام نے یہ غمناک خبر سنی تو بڑے تحمل سے ٹھنڈی آہ ماری، آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اپنے ان چیخنے دھاڑنے والے بیٹوں کے چہرے بغور دیکھنے شروع کیئے بیٹے سمجھے۔ شاید ہمارے رونے کی بناوٹ میں کچھ خامی ہے۔ جس سے حضرت والد کو کچھ شبہ پڑ گیا ہے۔ تو فوراً یوسف علیہ السّلام کی قمیص جس پر وہ پیں سے فیصلے اور پروگرام کے مطابق اپنے ہی ریوڑ کی بکری ذبح کر کے اس کا خون لگا لائے تھے۔ یعقوب علیہ السّلام کے سامنے کر دی۔ وہ خون جھوٹا تھا۔ نسبت میں کہ وہ بکری کا خون تھا مگر انہوں نے ظاہر کیا کہ یہ یوسف کا خون کذب کا معنیٰ ہے ذی کذب اگر صرف قمیص سامنے کر دی ہو اور اگر انہوں نے اپنے منہ سے کہا بھی کہ یہ یوسف

خون ہے تو کَذِبٍ بمعنی مکذوب۔ یہ فرمان باری تعالیٰ کا ہے۔ حضرت یعقوب نے اس قمیص کو دیکھا اور پہچان لیا تو مزید روئے اور یاد حبود ضبط کثیر کے چیخ کی شکل میں آہیں نکلیں۔ لیکن جب پوری قمیص دیکھی تو ہنسی نکل گئی بیٹوں نے پوچھا کہ ابا جان اس وقت ہنسنے کی کیا وجہ ہے۔ تو قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا۔ بات سمجھ آگئی کہ تمہارے امارہ نفس نے تم کو فریب دیا۔ اور یہ کام تمہارے لئے مزین کر دیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تسویل باب تفعیل کا مطلب ہے۔ ایک کام کو اس لئے چھپا کر کرنا کہ مرضی کے مطابق پورا ہو اور نتیجہ خواہش نفسانی کے مطابق نکلے۔ لہٰذا طالب اس کو اپنی کوشش سے بڑے مزین طریقے سے ہشیاری سے چالاکی سے کرتا ہے۔ امراً کہ تم نے یہ کام کیا جو بُرے اور گھٹیا لوگوں کے کاموں میں سے ایک کام ہے۔ لفظ بل تردید اعتراض کے لیے ہے۔ کہ تمہارے منہ کی بات تمہارا رونا دھاڑنا سب فریب ہے۔ اصلیت میں تمہارا حسد ظاہر ہو رہا ہے۔ کسی بھیڑیئے نے کچھ نہیں کیا۔ جو کچھ کیا خود تم نے کیا۔ بھلا ایسا بھی کوئی عقل مند بھیڑیا ہے جو بغیر پھاڑے قمیص بدن سے اتارے اور گوشت ہڈی پسلی سب کھا جائے۔ تم لوگوں نے میرے ساتھ جو امر اور معاملہ کرنا تھا وہ کر دیا۔ اب میرے لیے یہی امر ہے کہ صبر جمیل کروں۔ یہ سنکر سب بیٹے سخت شرمندہ ہوئے۔ اور غلطی محسوس کی کہ ہم نے قمیص پھاڑ کیوں نہ لی۔ روایت ہے کہ تین قمیصوں نے تین لوگوں کو شرمندہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی قمیص نے بنی اسرائیل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص نے منافقوں کو اور یوسف علیہ السلام کی قمیص نے بھائیوں کو۔ علماء کرام فرماتے ہیں صبر جمیل یہ ہے کہ مخلوق کے کام پر مخلوق سے کوئی شکوہ شکایت نہ کی جائے۔ لیکن ہر وقت اللہ سے شکایت کی جائے تاکہ مصیبت دور ہو لیکن بد دعا نہ ہو۔ صبر تین قسم کا ہے ۱ معصیت پر ۲ اطاعت پر ۳ گناہوں پر امام شافعی رح نے فرمایا سب عبادت سے بڑھ کر ثواب صبر پر ہے۔ اسی لئے حضرت یعقوب نے فرمایا تھا۔ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ اللہ سے جتنی فریاد کی جائے اتنی خوبی ہے۔ اور صبر جمیل سے اجمل ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر اللہ سے بھی شکوہ فریاد نہ کی جائے۔ تو وہ توکل ہے اور دونوں اپنے اپنے موقعوں پر مفید ہیں۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔ اے بیٹو! جو کچھ تم نے جھوٹ بنایا میں تم سے کیا کہوں اور اور اللہ ہی ... مدد مانگا ہوا ہے اسی سے فریاد ہے۔ روایت میں ہے کہ حضرت یعقوب غم سے نڈھال ہو کر بیہوش ہو گئے۔ تب بھائی پریشان ہو لئے کہ شاید فوت ہو گئے اور ایک دوسرے کو طعن دینے لگے۔ کہ تم لوگوں نے بہت برا کیا۔ ہم قتل کر دیئے۔ وہ سب اب پچھتا رونے لگے۔ اور پچھتائے کچھ دیر بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کو افاقہ ہوا۔ تو سب بھائی جنگل میں گئے اور ایک بھیڑیا بوڑھا پکڑ کر لے آئے۔ اور والد کے پاس لا کر کہا۔ اس بھیڑیئے نے یوسف کو کھایا ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے بھیڑیئے سے پوچھا کیا تو نے میرے یوسف کو کھایا۔ بھیڑیا قدرت خدا سے بولا کہ ہم پر انبیاء کا گوشت حرام ہے۔ کیسے کھا سکتا ہوں۔ یہ جھوٹی تہمت ہیں مجھ کو پکڑ کر لائے۔ میں تو خود اپنے بھائی کے غم میں تلاش کرتا ہوا مصر سے یہاں آیا ہوں

ہاں مجھ کو پتہ ہے کہ یوسف کہاں ہے۔ مگر میں بتاؤں گا نہیں کیونکہ یہ چغلخوری ہے اور پھر میرے دانت نہیں میں بوڑھا ہوں، میں کس طرح شکار کر کے کھا سکتا ہوں۔ میں تو دوسروں کا مارا شکار کھا لیتا ہوں۔ یعقوب علیہ السلام کو اس پر بہت رحم آیا۔ وہ بہت مدت یعقوب علیہ السلام کے پاس ہی رہا۔ روایت ہے کہ سات چیزیں علاوہ جنتیوں کے جنت میں جائیں گی۔ یعقوب علیہ السلام کا یہ بھیڑیا۔ حضرت صالح کی اونٹنی حضرت عزیر کا گدھا۔ اصحاب کہف کا کتا۔ نبی کریم کی اونٹنی قصویٰ۔ حضرت علی کا دلدل خچر، احد پہاڑ۔ والد محترم کی محبت کریمانہ کرم تو دیکھئے کہ بیٹوں کا جرم ان کے امارہ نفسوں کی طرف منسوب کیا یہ نہ کہا کہ تم نے یہ فریب کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ نفس ہی کے پاس سب عیب اور بیماریاں گناہ وغیرہ ہیں۔ نفس امارہ ہی خالق ومخلوق کے سامنے شرمندہ کراتا ہے۔ نفس ہی سب سے بڑا دشمن انسان ہے۔ انسان کے لیے کتنا سخت ابتلا اور فتنہ ہے کہ اندر والا نفس امارہ خواہشات سے بھرا پڑا ہے۔ اور اس کا باہر یعنی دنیا آفتوں سے بھری پڑی ہے۔ اس کا نتیجہ یعنی جہنم سزا وعذابوں سے بھرا پڑا ہے۔ بچنے کی تدبیر صرف یہ ہے۔ کہ دامن مصطفیٰ میں آجاؤ۔ جو کہ بخششوں سے بھرا پڑا ہے۔ یہ دامن از آدم تا قیام قیامت سب کے لیئے فریادرس ہے۔ برادران یوسف ہر دن آتے اور اس کنوئیں کے آس پاس پھرتے۔ جانور چراتے رہتے۔ چوتھے دن انہوں نے دیکھا کہ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ اور ایک قافلہ مدین اور شام کی طرف سے آیا جو مصر کو جا رہا تھا۔ کنوئیں کے قریب ٹھہرا قافلے کے سردار مالک بن دعر مصری تھے۔ اس نے پچاس سال پہلے خواب دیکھا تھا کہ کنعان کے جنگل میں ایک سورج زمین سے نکلا۔ اور اس کی آستین میں گھس گیا۔ اس نے آستین سے نکال کر اپنے سامنے رکھا تو بادل سے اس پر موتی برسے جن کو مالک بن ذعر نے چن لیا۔ صحیح عالم نے تعبیر دی کہ کنعان سے تیرے ہاتھ کوئی عظیم غلام لگے گا جو تیری قسمت کو پھیر دے گا۔ اس کو خواب تو یاد تھی لیکن آج یہ پتہ نہ تھا کہ یہیں سے غلام ملے گا۔ قافلے والوں نے اپنے غلام کو پانی لینے کے لیئے کنوئیں کی طرف بھیج دیا۔ اس وقت کنوئیں کی شان یہ تھی کہ کنوئیں کے اندر جنت کے غلمان تھے، جو تین دن سے یوسف علیہ السلام کے پاس تھے ساتھ مل کر ذکر الٰہی کرتے تھے۔ اس ذکر کے طفیل خیر! اور لذت میں یوسف علیہ السلام کو نہ بھوک لگی نہ پیاس۔ کنوئیں کے باہر فرشتے تھے جو دیکھنے والوں کو پرندے معلوم ہوتے تھے۔ قافلے کے گدھوں نے اپنا اپنا بوجھ پھینک کر کنوئیں کی زیارت کے لیئے دوڑ لگائی، لوگ سمجھے شاید پیاسے ہیں۔ جب خادم نے ڈول نیچے ڈالا تو یوسف علیہ السلام یہ سمجھ کر کہ شاید بھائیوں نے نکالنے کے لیئے ڈالا ہے۔ ڈول میں بیٹھ گئے۔ خادم نے بڑی مشقت سے نکالا اور سورج جیسا چہرہ دیکھ کر حیرت وخوشی کے ملے جلے جذبات میں پکارا یا بشریٰ اے خوشخبری ہو۔ یہ غلام ہے بجائے پانی کے بعض نے کہا بشریٰ نامی ایک غلام تھا قافلے میں اس سے مالک بن ذعر نے وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر وہ خواب والا غلام مجھ کو مل گیا تو تجھ کو

آزاد کردوں گا اور بہت مال دوں گا، اور اپنی لڑکی سے شادی بھی تیرے ساتھ کردوں گا (امام غزالی، روح البیان) سب اہل قافلہ دوڑتے ہوئے گئے۔ جب دور کھڑے ہوئے بھائیوں نے دیکھا کہ کنوئیں پر جھرمٹ ہے تو سب آ گئے اور یوسف کو دیکھ کر بولے یہ ہمارا غلام ہے۔ مالک نے کہا میرے ہاتھ فروخت کردو۔ بھائیوں نے علیحدہ بلا کر یوسف کو کہا کہ اپنی غلامیت کا اقرار کرلے۔ ورنہ ہم ان سے لے کر تجھ کو قتل کردیں گے۔ پھر قافلے کے سردار سے مخاطب ہوئے۔ کہ اس میں تین عیب ہیں۔ ۱ چور ہے ۲ جھوٹا اور جھوٹے خواب بیان کرنے والا ۳ بھگوڑا ہے۔ مالک نے پوچھا اے لڑکے کیا تو واقعی غلام ہے۔ حضرت یوسف نے بھائیوں کے خوف سے کہا یہ سچے ہیں یہ میرے صاحب ہیں میں غلام ہوں اور مراد لیا اللہ کا عبد تب مالک نے کہا ان عیبوں کے ساتھ تم غلام کو کتنے میں بیچو گے۔ اب بھائی حیرت میں پڑ گئے۔ کہ کیا مانگیں۔ خود مالک بولا کہ میرے پاس صرف یہ بتیس درہم کھوٹی یعنی ملاوٹی چاندی کے ہیں۔ حالانکہ اس کے پاس چار لاکھ دمشقی دینار تھے۔ یہ اس نے جھوٹ بولا تھا (امام غزالی) بھائیوں نے سوچا اگر انکار کرتے ہیں تو یوسف کو گھر لے جانا پڑے گا چونکہ مقصد تو یہاں سے دور کرنا ہے سودا کر لیا یوسف کو بیچ دیا۔ قافلے والوں نے اَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً قیمتی پونجی دولت سمجھ کر چھپا لیا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چھپے ظاہر کو جانتا ہے۔ جو کچھ لوگ کرتے ہیں۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند سبق اور فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ ہر رونے والا سچا نہیں ہوتا۔ علماء فرماتے ہیں کہ رونا چار قسم کا ہے ۱ گنہگار کا رونا۔ ۲ عاشق کا رونا ۳ جدائی کا رونا ۴ مکر کا رونا۔ یہی برادرانِ یوسف کا رونا تھا۔ یہ فائدہ یَبْکُوْنَ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** حاکم پر واجب ہے کہ مجرم کے سامنے ایسی بات نہ کرے جس سے مجرم کو اپنے بچنے کی دلیل یا بہانہ مل سکے۔ یعقوب علیہ السلام کے اَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ فرمانے سے برادرانِ یوسف کو یہ بہانہ گھڑنے کا موقعہ مل گیا۔ یہ فائدہ فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** یعقوب علیہ السلام اپنے غیب سے اسرارِ الٰہیہ جانتے تھے۔ اسی لیے تلاشِ یوسف کے لیے نہ نکلے۔ یہ فائدہ بَلْ سَوَّلَتْ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**۔ ایمان والوں کو خاص کر فی زمانہ اولیاء، علماء کرام کو مصائبِ دنیا سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ دیکھو یوسف علیہ السلام باوجود نبی مکرم ہونے کے کتنے مصائب برداشت کر رہے ہیں۔ مگر اُف تک نہیں کرتے۔ یہ مصیبتیں نیکوں کے مدارج بڑھانے کے لیے ہوتی ہیں طریقہ قدرت یہ ہے۔ کہ ہر قیمتی چیز کو چھپایا جائے۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے نو اعلیٰ اور قیمتی چیزوں کو نو گھٹیا چیزوں میں چھپایا ۱ موتی کو سیپی میں ۲ مشک کو نافے میں ۳ ریشم کو کیڑے میں ۴ شہد کو مکھی میں ۵ سونے چاندی کو پتھر میں ۶ ایمان کو قلبِ انسان میں ۷ علم کو دماغ انسانی میں ۸ یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ۹ نبی کریم کو غارِ ثور میں۔ پس عقل والوں نے اندر کو دیکھا تو قدر کی بے عقلوں نے باہر کو دیکھا تو قدر نہ جانی اور کھوٹے داموں فروخت کر دیا۔ اکا

طرح رب نے پانچ چیزوں کو پانچ میں چھپایا ۱۔ صلوٰۃ وسطیٰ کو پانچ نمازوں میں ۲۔ مومنوں میں ولیوں کو ۳۔ ساعتوں میں قبولیت کی ساعت کو ۴۔ راتوں میں شب قدر کو ۵۔ اسموں میں اسم اعظم کو۔ یہ فائدہ اَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض**۔ برادران یوسف نے والد محترم کے پاس آکر کہا نَسْتَبِقُ ہم بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ یہ کام تو بچوں کا ہے یہ جوان لوگ اس میں کیوں شامل ہوئے۔ **جواب**:۔ یہ بھاگ دوڑ بے فائدہ قسم کی نہیں ہے بلکہ مثل گھڑ دوڑ کے ہے۔ کہ جنگل میں بھاگ دوڑ کا مقابلہ کرنا تجربے کیلئے ہے یا شکار کے پیچھے بھاگنے کی مشق۔ اور پھر بھاگنا سیر وتفریح میں داخل ہے اور سیر وتفریح جائز ہے صحت مندی کا سبب ہے اور ذریعہ ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ آپ کی تفسیر سے پتہ لگا۔ کہ حضرت یوسف نے بھائیوں سے ڈر کر خود کو غلام کہا۔ یہ سراسر جھوٹ ہے اسی کو تقیہ کہتے ہیں۔ لہٰذا یا تقیہ کو جائز مانو یا یوسف علیہ السلام کو جھوٹ مانو۔ **جواب**:۔ یہ تقیہ نہیں بلکہ توریہ ہے۔ تقیہ شرعاً حرام ہے اور توریہ شرعاً جائز ہے۔ حدیث پاک سے ثابت ہے۔ دونوں میں فرق ہے۔ توریہ یہ ہے کہ بات کچھ ہوتی ہے۔ اور اپنی جگہ صحیح ہوتی ہے۔ مگر سننے والا کچھ اور سمجھتا ہے۔ حضرت یوسف نے کہا یہ لوگ میرے صاحب ہیں یعنی ساتھی قافلے والے سمجھے صاحب کے معنی ہیں مالک یعنی آقا۔ پھر حضرت یوسف نے کہا میں عبد ہوں یعنی بندہ غلام ہوں۔ آپ نے مراد لیا اللہ کا بندہ، قافلے والے سمجھے ان لوگوں کا۔ تقیہ یہ ہے کہ بات ہی غلط کی جائے جان بچانے کے لیے۔ اگر یوسف علیہ السلام یہ کہتے کہ میں ان کا بندہ ہوں نسبت کر دیتے تو جھوٹ تھا اور تقیہ بن جاتا۔

تفسیر صوفیانہ اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ قَالُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ مَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَ لَوْ كُنَّا صٰدِقِیْنَ - طبیعت بشری آلۂ مکروفریب ہے۔ بزمارِ شیطان طاؤس ورباب نفسانی ہے۔ جب یہ اپنی مراد کو پالیتا ہے۔ تو رقت کے آنسو دکھاتا ہے اور بکاء و فغان کرتا ہے لیکن اس کی غمگینی، رونا عبرت یا تملق۔ حزن یا پریشانی۔ تاسف یا ملال کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ دھوکے کی فرحت اور فریب کی کامیابی۔ عزت وجاہ و مرتبے اور حکومت ملنے کی طرح کی محبت میں ہوتا ہے قلب یوسف کو قالب ناسوتی کے غیابت الجُب میں ڈال کر عشاء آخرت کے وقت ید ررزوج کے مکر کا رونا روتے ہوئے جب دل ہلاکت میں پڑا ہوتا ہے تو اعضاء رئیسہ پیچھے مضمحل ہوتے ہیں یہاں تک کہ ذوق وشوق کی عبادت ان سے ختم ہو جاتی ہے۔ مرتے گرتے عبادت کرنا سستی کسل مندی کا ذکر قلب کی جدائی کی علامت ہے۔ لیکن ازل کے اعضاء خبیثہ بھی اور حواس ذمیمہ بھی بطور مکر درد فراق کی

آپس بھرتے ہیں نفس بھی چھپتا ہے۔ قوت متخیلہ اور واہمہ بھی روتی ہے مگر یہ فریب کی گریہ صرف روح غمگین کو سنائی دیتی ہے۔ روح عشق کا غم اور تازہ ہوجاتا ہے۔ بولے اے ہمارے پدر روح ہم اپنے اعمال ذوقیہ وشوقیہ میں مشغول ہوگئے۔ یوسف قلب کو اپنے متاع دنیوی میں چھوٹا دل اس میں غافل تھا۔ کہ شیطانی بھیڑیا حسد کا درندہ کھا گیا اور تو ہم سے مطمئن نہ ہوگا۔ اگرچہ ہم مقام صدق میں ہوں۔ روح کے قالب سے ملنے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس وطی صحبت سے دو قوتیں پیدا ہوتی ہیں ۱ قوت قلب علوی ۲ قوت نفس سفلی ان کی دلالت باطنی سے قویٰ اور حواس پیدا ہوتے ہیں۔ روح وقلب کا میلان ومحبت اور نزاع عالم روحانیات کی طرف ہوتا ہے۔ اور نفس وحواس وقویٰ کا میلان ومحبت عالم حیوانیت کی طرف ہوتا ہے قلب جتنی تیزی سے بلند پرواز کرتا ہے۔ نفس اتنی ہی تیزی سے نیچے کو گرتا ہے۔ پس جو روح انسانی قلب کو نفس کے سپرد کردیتی ہے۔ نفس وبدن کا روح قلب پر غلبہ ہوجاتا ہے۔ اور نفس وحواس کی مکاریوں پر صبر کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں جسم اشقیا کا یہی حال ہے اور اگر اندھیرے کنوئیں میں پڑے ہوئے قلب کی تائید وحی ربانی سے ہوجائے اور عنایات ازلیہ کی سبقت ہوجائے تو نفس وبدن روح وقلب کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور یہ اہل سعادت کا حال ہوتا ہے۔ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ. قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ . بارگاہ روح ربانی میں جب مکاران نفس وحواس آئے تو انوار قلب کی قمیص پر جھوٹے دعوۂ عشق کے زخموں کا جھوٹا خون محبت لگا کر لائے۔ روح الفت نے فرمایا اے زخم محبت اور خون عشق کے جھوٹے دعویدارو تمہارے امر نفس امارہ نے تم کو راہ سعادت اور منزل شوق وذوق سے ورغلایا اور تمہارے لیئے رذالت وخباثت کے راہ کو چمکایا۔ راہ الست کے مستوں کے لیئے صبر جمیل ہے کہ وہ ظاہراً جفاء وجلال کی صورت میں ہیں۔ مگر باطن میں وحی والہام صبر واحتمال کے زیوروں سے مزین ہیں۔ حواس کے دام تزویر کے مقابل اللہ ہی سے مدد لی جاتی ہے کیونکہ صبر جمیل بھی اسی کی توفیق سے آتا ہے۔ جو حیلے مکر اور کذب تم بناتے ہو۔ اس پر میرا اللہ مدد دینے والا ہے جس طرح آب حیات بحر ظلمات میں ملتا ہے۔ اسی طرح ظلمات بشریت میں حیات قلبی کا چراغ روشن ہوتا ہے اور اس چراغ میں صبر جمیل کا تیل ہوتا ہے۔ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ . جب عدم کے مکانوں سے فنا کے مکین نکلے اور صواء قدرت کے قافلے آئے۔ صحرائے کبریائی میں ٹھہرے۔ دنیوی کنوئیں میں ہمت عمل کے ڈول ڈالے تو ازلی کنوئیں کے مطلع منڈیر پر شاہد سے کا سورج چمکا تو آواز عشق بیخودی سے چیخا کہ خوشخبری ہو شاہد مراد مل گیا۔ سچ مکاشفہ اور معارف کی پونجی ملی۔ اہل سعادت نے اسی کو پاکر بشارت الزاہر پائی۔ لیکن

اشقیاء بدبخت نے اس قدر عزت اور جمالِ ذاتِ انمول موتی کی قدر نہ جانی اور حواس بے عقل نے یوسف قلب کو اسی قافلۂ معارف کے ہاتھوں جو ہری جوہر شناس کے لیے اس کی جھوٹی لالچ اور اعمال فضولیہ کے بدلے فروخت کر دیا۔ اور اللہ جلّ شانہ قالب وحواس کے سارے اعمال کو جاننے والا ہے۔ ہمیشہ سے ہمیشہ تک (عرائس۔ روح البیان)

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا

اور سب بھائیوں نے بیچ دیا اس کو بدلے قیمت حقیر دراہم چند اور تھے

اور بھائیوں نے اسے کھوٹے داموں گنتی کے روپوں پر بیچ ڈالا اور انہیں اس

فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿٢٠﴾ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ

وہ میں اس سے نہ محبت رکھنے والوں اور کہا اُس نے جس نے خریدا اس کو سے

میں کچھ رغبت نہ تھی اور مصر کے جس شخص نے خریدا وہ

رکوع ۲ / ۱۲

مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا

مصر کو بیوی اپنی شفقت سے بنا اس کی رہائش عنقریب ہے یہ کہ فائدہ

اپنی عورت سے بولا انہیں عزت سے رکھو شاید ان سے ہمیں نفع پہنچے

أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ

دے ہم کو یا بنالیں ہم اس کو بیٹا اور اسی طرح مضبوط سکونت دی ہم نے کو یوسف بیچ

یا ان کو ہم بیٹا بنالیں گے اور اسی طرح ہم نے یوسف کو اس زمین میں جماؤ

وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ

زمین اور تاکہ سکھائیں ہم اس کو سے تعبیر خوابوں کی اور اللہ غالب ہے پر

دیا اور اس لیے کہ اسے باتوں کا انجام نکالنا سکھائیں۔ اور اللہ اپنے کام پر

اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ

امر اپنے کے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اور جب کر پہنچے یوسف جوانی کو

غالب ہے مگر اکثر آدمی نہیں جانتے اور جب اپنی پوری قوت کو

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

اتجی دیا ہم نے ان کو قانون اور علم اور اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم۔ نیک لوگوں کو

پہنچا ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو

تعلق

ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیات میں بھائیوں کے چند وہ فریب ذکر ہوئے جو انہوں نے اپنے والد سے کئے۔ اب یہاں ان بھائیوں کے اس جھوٹ و فریب کا ذکر ہے۔ جو انہوں نے قافلے والوں سے کیا کہ حضرت یوسف کو بھگوڑہ غلام ظاہر کیا۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں بھائیوں کی بھائی سے دشمنی کی اس نوعیت کا ذکر ہوا تھا جس میں وہ اپنی طرف سے مار سکا چکے تھے۔ اب یہاں بھائی کو بیچ کھانے کا ذکر کیا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں حضرت یوسف کو ان کے حقیقی قریبی رشتے داروں کے ہلاک کر ڈالنے کے منصوبے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کی بابت ذکر تھا۔ اب یہاں کرشمۂ قدرت سے اللہ کریم کے کرم و رحم سے بچا لئے جانے اور عظیم ترین انعامات دیئے جانے کا تذکرہ ہے۔ چوتھا تعلق۔ پچھلی آیات میں حضرت یوسف کی محنت و مشقت و تکالیف کا ذکر اور شفقتِ والدِ پاک۔ وطن۔ دوستوں۔ ساتھیوں اور چھوٹے بھائیوں سے جدائی کا دردناک واقعہ اور بھائیوں کے ہاتھوں کھوٹی پونجی میں بکنے کا واقعہ ذکر ہوا تھا۔ اب یہاں اصل مقام پر پہنچنے اور دوسری بار بکنے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر نحوی

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ - واو سے جملہ۔ شروا باب ضرب ماضی بصیغہ جمع مذکر غائب شریٰ سے بنا ہے۔ شریٰ کے معنی ہیں ایک چیز کے بدلے دوسری چیز۔ خواہ قیمت کے بدلے چیز۔ خواہ چیز کے بدلے قیمت۔ پہلی صورت میں بمعنی خریدنا اور دوسری صورت میں بیچنا۔ یہاں اگر فاعل کی ضمیر ھم کا مرجع اخوۃ یوسف ہے تب بمعنی بیع ہے۔ اور اگر مرجع سیارۃ ہے۔ تب بمعنی اشتری ہے۔ ہ ضمیر کا مرجع غلام ہے بحالت زیر مفعول بہ ہے۔ با رعوض کی ثمن اسم جامد ہے۔ شرعاً بازاری قیمت کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد مطلقاً بدلہ یعنی عوض ہے۔ بخس۔ صفت ہے ثمن کی۔ بخس کا لغوی ترجمہ ہے۔ حقیر۔ خواہ دینی حقیر

یعنی درام خواہ دنیوی حقیر یعنی کھوٹے دَرَاهِمَ جمع منتھی الجموع ہے درہم کی غیر منصرف ہے بحالت زیر تمییز ہے ثمن بخس کی یا بدل کل ہے اس کا معدودۃ اسم مفعول مؤنث عَدٌّ سے بنا بمعنی چند۔ واؤ سببیہ ہے۔ کانوا فعل تامہ ماضی بعید کے معنی ہیں۔ فی ظرفیہ ہٖ ضمیر واحد کا مرجع یوسف ہے۔ مِنْ بعضیت اَلزَّاهِدِيْنَ۔ الف لام استغراقی زاہدین اسم جمع ہے زاہد کی زہد سے بنا۔ بمعنی بے رغبتی کرنا۔ یا نفرت کرنا۔ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ۔ واؤ سر جملہ قَالَ فعل کا فاعل اَلَّذِيْ اسم موصول ہے۔ اشترا فعل ماضی باب افتعال شریٰ سے بنا۔ بمعنی خریدنا۔ ہُ ضمیر کا مرجع یوسف ہیں۔ مِن بمعنی فی ظرفیہ مصر علاقہ شہر کا نام ہے۔ منظرف ہے۔ لام جارّہ بمعنی مفعولیت اِمْرَاَتُ لغتاً عورت کو کہتے ہیں واحد اس کی جمع کوئی نہیں تثنیہ ہو جاتا ہے۔ یہاں مراد بیوی ہے۔ ہٖ کا مرجع الذی ہے۔ اَکْرِمِیْ فعل امر حاضر معروف واحد مؤنث کا صیغہ باب افعال سے ہے۔ کرم سے بنا۔ تین معنی میں مشترک ہے (۱) معزز یعنی جلیل القدر (۲) خوشگوار (۳) نفع بخش۔ یہاں بمعنی خوشگوار ہے۔ مَثْوٰىهُ اسم ظرف ہے ثُوِیٌّ سے بنا بمعنی ٹھہرنا۔ گھر بسانا۔ پہلے معنی میں لازم ہے دوسری میں متعدی بنفسہٖ۔ یہاں ظرفی معنی ہے رہائش کی جگہ بحالت زبر ہے۔ ہٗ کا مرجع یوسف۔ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا۔ عسیٰ فعل مقاربہ بمعنی مستقبل۔ اَن ناصبہ یہ جملہ فاعل ہے عسیٰ کا۔ یَنْفَعُ مضارع مستقبل اس کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع یوسف ہیں۔ نا ضمیر مفعول بہ اَوْ حرف عطف اباحۃ تخییر کے لیے نَتَّخِذُ مضارع بصیغہ جمع متکلم۔ اِتِّخَاذٌ سے بنا بمعنی پکڑنا۔ بنانا۔ لگانا۔ یہاں معنی بنانا۔ اَخْذٌ مادہ مہموز اللام ہٗ کا مرجع یوسف ہیں۔ متعدی بدو مفعول ہے ہٗ ضمیر مفعول اوّل۔ وَلَدًا مفعول دوم۔ لغت میں وَلَد اپنے نطفے کے بیٹے کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں نابالغ بچے کو کہتے ہیں۔ یہاں بمعنی متبنیٰ ہے۔ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ یہ جملہ معترضہ ہے واؤ سر جملہ کَذٰلِکَ حرف تشبیہ۔ مَکَّنَّا فعل ماضی بصیغہ جمع متکلم۔ باب تفعیل مَکْنٌ سے بنا بمعنی قدرت دینا۔ مضبوط کرنا محفوظ کرنا۔ یہاں تمام معنی بن سکتے ہیں۔ لام مفعولیت کا ہے یا زائدہ ہے۔ لفظ یوسف بحالت جر غیر منصرف ہے فی ظرفیہ اَلْاَرْضِ الف لام عہد خارجی ارض بمعنی علاقہ مصر ہے۔ واؤ عاطفہ جمع کے لیے لام تاکیدی وصلی ہے۔ نُعَلِّمُ مضارع جمع متکلم تعلیمٌ سے بنا بمعنی سکھانا۔ پڑھانا۔ بتانا۔ علمٌ مادہ ہے۔ مِنْ بعضیت کا ہے۔ تاویل باب تفعیل کا مصدر اوّلٌ سے بنا بمعنی تعبیر خواب۔ اَلْاَحَادِيْثُ۔ الف لام استغراقی ہے۔ احادیث جمع ہے حدیث کی یا حادث کی وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ واؤ سر جملہ۔ لفظ اللہ بحالت رفع مبتدا ہے۔ غالبٌ اسم فاعل نکرہ ہے۔ تنوین تعظیم کی ہے۔ غَلَبٌ سے بنا بمعنی (۱) شکست دینا۔ فتح پانا (۲) کسی کو زیر کرنا (۳) اپنے کام میں سہولت پانا (۴) کوئی مقابلہ نہ کر سکے (۵) کوئی روک نہ سکے۔ یہاں معنی مناسب ہیں۔ یہ جملہ اسمیہ خبر مبتدا ہے علیٰ جارہ اپنے معنی میں یا بمعنی فی ظرفیہ امر سے مراد افعال باری تعالیٰ یا ارادہ۔ واؤ حالیہ لٰکِنَّ حرف استدراک مشبہ بالفعل

اس کا اسم اکثر ہے الناس مضاف الیہ بحالت زیر۔ الف لام جنسی ہے لا یعلمون۔ مضارع منفی بمعنی حال

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔ واؤ ابتدائیہ لما حرف ظرفیہ مشابہ شرط۔ بلغ فعل ماضی بلغ سے بنا بمعنی ۱۔ تکمیل کو پہنچنا ۲۔ حاصل کرنا ۳۔ پانا۔ عمدہ ہونا۔ یہاں پہلے معنی مناسب ہیں۔ لہذا لازم ہے۔ اَشُدَّ۔ جمع ہے شِدَّۃٌ کی جیسے نعمت کی جمع ہے انعم۔ شدّ سے بنا بمعنی سختی پانا، مضبوط ہونا۔ ہٗ ضمیر کا مرجع یوسف ہیں۔ مفعول بہ ہے۔ اٰتینا۔ فعل ماضی بصیغہ جمع متکلم اتیٰ سے بنا بمعنی دینا ہٗ ضمیر غائب کا مرجع یوسف ہیں۔ حکمًا بر وزن فعلاً بمعنی حکومت یا بمعنی حکمت۔ بحالت زبر مفعول بہ ہے واؤ عاطفہ علمًا معطوف سے مراد دینی دنیوی علم یا مراد نبوت ہے۔ واؤ مستر جملہ کذالک حرف تشبیہ نجزی فعل جمع متکلم فصاحت کے لیے جزیٰ سے بنا ہے۔ بمعنی بدلہ دینا یہاں مراد ہے کرم کرنا۔ المحسنین۔ الف لام استغراقی ہے۔ محسن کی جمع۔ حسن سے بنا۔ بمعنی خوبصورت۔ یہاں خوبصورت اعمال ہیں۔ یعنی نیکیاں۔ کرنے والا مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ وَكَانُوْا فِیْهِ مِنَ الزّٰهِدِیْنَ۔ قافلے کے سردار مالک نے اور اس کے نوکروں نے تو یوسف کو چھپا لیا تاکہ کوئی اور قافلے کا مسافر حصہ دار ہی کا دعویٰ نہ کرے۔ مگر بھائی دوڑے آئے انہوں نے کہا کہ ہمارے غلام کو واپس کر دو اور اگر تم خریدنا چاہتے ہو تو خرید لو۔ یوسف علیہ السلام سب کچھ سن رہے تھے۔ مگر خاموش تین دن کی بھوک پیاس اور کنوئیں کی ٹھنڈک کی وجہ سے کانپ رہے تھے۔ بھائیوں نے پوچھا اے یوسف تم نے کنوئیں میں تین دن کیسے گزارے اور کیسے نجات پائی۔ یوسف نے فرمایا ایک ایسے کلمے کی وجہ سے جو ایمان کے دل میں اگا ہے اور ہمیشہ تروتازہ ہے۔ جس نے اپنوں کو رلایا ہے جس نے زندہ بھی کیا ہے۔ اور ہلاک بھی۔ جس نے لوگوں کو جمع بھی کیا ہے اور متفرق بھی، جس نے آزادی بھی دی ہے اور قید بھی۔ بے چینی بھی دی ہے اور انسیت بھی۔ تندرست بھی کیا ہے بیمار بھی۔ جس نے اسرار کو چھپایا بھی ہے اور ظاہر بھی۔ وہ ایسا کلمہ ہے کہ جس نے اُسے سنا وہ اس کا عاشق ہوگیا۔ اور جسے عشق ہوا اس نے مخالفت نہ کی۔ بھائیوں نے التجا کی وہ کلمہ ہمیں بھی بتادے فرمایا وہ کلمہ ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یہ کلمہ زبانی عبرانی توریت میں لکھا ہوا ہے (امام غزالی) خریدار خریدنے کے لیے تیار ہوا اور بھائیوں نے گھٹیا قیمت میں اس یوسف کو بیچ دیا۔ یا چند گنے ہوئے درہموں سے جو چالیس سے کم تھے کیونکہ چالیس درہم اس زمانے میں تولے جاتے تھے اس سے کم گنے جاتے تھے اس لئے رب تعالیٰ نے معدودۃ یعنی گنے ہوئے فرمایا۔ بعض نے کہا بیس تھے، بعض نے کہا چودہ، بعض نے کہا دس تھے بعض نے کہا سات تھے۔ موتی کی قیمت جوہری جانتا ہے۔ اور یوسف کی قیمت زلیخا ہی جانتی ہے۔ دیدار محمد مصطفیٰ

کی قیمت صدیق ہی جانتے ہیں ۔ روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین ذاتوں کو تین سے چھپایا اور تین کو دکھایا۔ ۱؎ اپنی ذات کو مخلوق سے چھپایا، محمد رسول اللہ کو دکھایا۔ پس سوائے نبی پاک کے خدا کو کسی نے نہ پہچانا۔ اسی لیے حبیب خدا ہوئے ۲؎ حقیقتِ محمدیہ کو تمام امت سے چھپایا، ابوبکرؓ کو دکھایا تو آپ ہی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا، للنذا آپ ہی یار غار ہوئے ۳؎ حضرت موسیٰؑ کو سوائے یوشع بن نون کے کسی نے نہ دیکھا ۴؎ حضرت عیسیٰؑ کو سوائے شمعون بن فارسیہ کے کسی نے نہیں پہچانا اور وہی اُن کے سچے ساتھی بنے۔ یہ جمال ظاہر تھا۔ جو لوگوں نے دیکھا کہ اس کو کوئی خطرہ نہیں رب کی امانت تو جمال باطنی ہے جسکو چھپایا جاتا ہے۔ ۵؎ یوسف علیہ السّلام کو بھائیوں نے چھپایا اور زلیخا کو دکھایا۔ تو وہی قرب جمال ہوئی۔ بجز والد محترم اور زلیخا کے کسی نے یوسف کو نہ پہچانا۔ اگر پہچان لیتے تو نہ بیچنے والے بیچتے، نہ خریدنے والے کی ہمت خریدنے کی پڑتی۔ یہ بیچا اس لیئے کہ مانو فیہ تھے وہ بھائی اس یوسف کے بارے میں بے رغبت ۔۔ ۔ ان کو یوسف سے کوئی محبت نہ تھی۔ کھوٹے درہم برابر بھی نہیں۔ خریدار نے غلام لے کر درہم دے کر کہا کہ ایک پرچے پر خرید و فروخت کی دستاویز لکھ دو۔ تاکہ نہ تم بعد میں کچھ دعویٰ کر سکو نہ یہ۔ غلام ہم پر جرم لگا سکے نہ بھاگ سکے۔ بھائیوں نے دستاویز لکھ کر کہا کہ اس بھگوڑے غلام کی احتیاط کرنا کہیں بھاگ نہ جائے ۔ یہ کہہ کر بھائی واپس ہوئے تب حضرت یوسف غم سے نڈھال ہو کر روئے قافلے والوں کو تعجب ہوا کہ بھگوڑا غلام آقا کی جدائی سے رویا نہیں کرتا یہ کیونکر روتا ہے ۔ مالک نے پکارا اے غلام فرمایا لبیک بولا میرے قریب آ۔ قریب گئے تو اس نے بھائیوں کے کہنے کے مطابق بہت پرانی صف کا کرتہ پہنا دیا اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں ہاتھ پیچھے باندھ دیئے ۔ یوسف علیہ السّلام نے جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو دور جگہ سب بھائی کھڑے تھے۔ آپ نے مالک سے کہا کہ اگر اجازت دے تو اپنے صاحبوں سے آخری ملاقات کر لوں۔ مالک نے اجازت دی۔ جب یوسف قریب گئے تو بھائی صف باندھ کر کھڑے ہو گئے کہ دیکھیں یوسف کیا کہتا ہے ۔ یوسف کو اسی حالت میں دیکھ کر سب رونے لگے ۔ یوسف نے فرمایا اے بھائیو! خدا تم پر رحم کرے اگرچہ تم نے مجھ پر رحم نہ کیا۔ خدا تم کو عزت دے اگرچہ تم نے مجھ کو ذلیل کیا اور اس مصیبت میں پہنچایا۔ خداوند کریم تمہاری مدد کرے اگرچہ تم نے میری مدد نہ کی ۔ خدا تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے اگرچہ تم نے مجھ کو بیچ دیا ۔ بھائیوں نے روتے ہوئے کہا اے یوسف ہم شرمندہ ہیں ۔ اگر ہم کو باپ سے کی ہوئی بات کا خوف نہ ہوتا یا ہم نے دستاویز لکھ کر دی نہ ہوتی۔ تو ضرور تجھ کو چھڑا کر باعزت باپ کے پاس لے جاتے حضرت یوسف ابھی کھڑے رو ہی رہے تھے کہ مالک کا نوکر آیا، اور یوسف کو اٹھا کر لے گیا۔ کیونکہ تیز تیز چل نہ سکتے تھے ۔ بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں عصر کے وقت قافلہ چل پڑا۔ مالک بن ذعر نے بعض نے کہا دعر دال سے ۔ اپنے غلام ملیح حبشی کے سپرد کر دیا۔ ملیح نے کہا اے آقا کیا وہی غلام ہے۔ جس کا تم نے خواب دیکھا تھا۔ مالک نے کہا یہ وہ نہیں معلوم

ہوتا کیونکہ اس کی کوئی شان ظاہری نہیں۔ معبّر نے تو بہت شان بیان کی تھی۔ قافلہ رات بھر چلتا رہا۔ یوسف کو ہاتھ پیر باندھ کر ایک اونٹ پر بٹھایا ہوا تھا۔ راستے میں جب والدہ کی قبر آئی اور یوسف کی نگاہ پڑی چاندنی رات تھی۔ یوسف نے خود کو گرا دیا، اور والدہ کی قبر سے لپٹ کر عرض کیا یا اُمّی بھائیوں نے مجھے والد سے جدا کر دیا مجھے گرمی میں گھسیٹا، مجھے طمانچے مارے۔ اور میرے قتل کا ارادہ کیا۔ میرا کرتہ اتار کر رسی سے باندھ دیا۔ اور بیابان کنوئیں میں ڈالا۔ میرے پیٹ کو پاؤں سے روندا۔ مجھے ٹھنڈے پانی سے پیاسا رکھا مجھے بھوکا رکھا میرے نازک ہاتھوں کو مروڑا۔ اے میری پیاری ماں اگر تم میری حالت کو دیکھتیں تو تڑپ کر مجھے چھڑا لیتیں۔ اے امی اٹھو دیکھو میں کس حال میں پڑا ہوں مجھے میرے بھائیوں نے غلام بنا کر بیچ دیا۔ مجھے اُن کے کپڑے پہنائے مجھے بیڑیوں میں باندھا۔ میرے نازک اور کمزور کلائیوں کو مضبوط رسیوں سے باندھا۔ میں ابھی تک بھوکا ہوں پیاسا ہوں کسی نے ابھی تک مجھ کو کھانا نہیں کھلایا۔ اے میری امی اٹھو میرے ہاتھ کھول دو مجھے درد ہو رہا ہے۔ یہ دردناک فریاد سنکر قبر کانپی اور قبر سے آواز آئی یَا قُرَّةَ عَيْنَايَ يَا وَلَدَاهُ وَ ثَمَرَةَ فُؤَادَاهُ اِصْبِرْ وَ صَبْرُكَ عَلَى اللّٰهِ اے آنکھوں کی ٹھنڈک، اے بچے اے دل کے ٹکڑے صبر کر اور تیرا صبر اللہ پر ہے۔ حضرت یوسف یہ سنکر سجدۂ شکر بجا لائے۔ جب فارغ ہوئے تو قافلے کی طرف چل پڑے، جو کچھ دور جا کر ٹھہر گیا تھا۔ ملیح نے آواز دی عبرانی غلام بھاگ گیا۔ قافلہ رک گیا۔ اور ملیح تلاش میں دوڑا کچھ دور اپنی طرف یوسف کو آتے دیکھا تو پکڑ لیا اور طمانچے مارنے لگا اور گرا کر پاؤں پکڑ کر گھسیٹنے لگا اور کہنے لگا کہ تیرے مالکوں نے سچ کہا تھا کہ تو چور اور بھگوڑا ہے۔ حضرت یوسف نے فرمایا کہ مجھ کو مت مار میں بھاگا نہیں میں تو قافلے کی طرف ہی جا رہا تھا جیسا کہ تو نے مجھ کو دیکھا میں مظلوم ہوں۔ راستہ میں والدہ کی قبر تھی۔ میں بے اختیار ہو گیا۔ خود کو قبر پر گرایا۔ اور فریادیں کرتا رہا۔ اسی گفتگو میں قافلہ آ گیا۔ حبشی غلام ابھی تک ظلم ڈھا رہا تھا۔ اپنے آقا مالک بن ذعر کو خوش کرنے کے لیے۔ مگر حضرت یوسف بھوکے پیاسے صبر کی تصویر بنے خاموش تھے دوبارہ اونٹ پر بٹھایا۔ قافلہ روانہ ہوا اچانک ایک بادل سیاہ آیا۔ اس سے موٹے موٹے اولے پڑنے شروع ہوئے قافلے میں بھگدڑ پڑ گئی سب پریشان ہوئے انسان اور جانور زخمی ہونے لگے۔ تب سردار قافلہ مالک نے منادی کی کہ اے لوگو اگر کسی نے کوئی گناہ کیا ہے تو ہلاکت سے پہلے توبہ کرے ورنہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔ ملیح نے کہا گناہ مجھ سے ہوا ہے کہ میں نے عبرانی غلام کو مارا اور زمین پر گھسیٹا ہے جب کہ اس نے کہا بھی تھا کہ میں مظلوم ہوں۔ مالک دوڑتا ہوا حاضر بارگاہ ہوا اور عرض کیا۔ ملیح غلام کی خطا معاف کر دے اور دعا کرے کہ یہ عذاب الٰہی دور کرے۔ حضرت یوسف نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی فوراً اولے بند ہو گئے۔ وقت صبح کا تھا۔ بادل ختم ہوا آفتاب نکل آیا اب مالک کو پتہ لگا کہ غالباً یہ وہی غلام ہے جس کی میں نے خواب دیکھی تھی۔ فوراً حضرت یوسف کی

بیڑیاں کھولیں ہاتھ سے رسی کھولی اون کا کرتہ اتار کر عمدہ لباس پہنایا اور قافلہ روانہ ہوا یہاں تک کہ شہر بیسان میں آیا۔ یہ شہر دومتی سے بیس میل دور مصر کی شاہراہ پر ہے۔ اس کو بیت ایل بھی کہتے ہیں۔ آج حسن یوسفی مثل چڑھتے سورج کے ہے۔ یہاں کے لوگوں نے جب قافلے کے اگلے اونٹ پر یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو حسن یوسفی سے حیران رہ گئے۔ یہ مصوروں اور بت تراشوں کا شہر تھا بہت سوں نے آپ کے فوٹو اور بت بنائے اور پوجنے لگے۔ تاریخ میں ہے کہ ہزار سال تک یوسف کے بت کی پوجا ہوئی۔ تین دن قافلے کا یہاں قیام رہا۔ یہیں آپ نے پہلا کھانا کھایا۔ پس یہاں سے روانگی ہوئی تو دوسرے شہر تابلستان میں پہنچے جس کو آجکل بیر شبع کہتے ہیں۔ یہ ۲۵ میل دور تھا۔ بیسان سے یہاں کے سب لوگ بت پرست تھے۔ مگر شکلِ یوسفی کو دیکھ کر حیران ہوئے اور پوچھا اے انسان تجھ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ وحدہٗ لاشریک نے سب بولے جس نے تجھ کو پیدا کیا ہم اس پر ایمان لائے۔ اس گاؤں کے چار ہزار لوگوں نے حضرت یوسف کے سامنے اسلام قبول کیا۔ اور بت توڑ دیئے۔ حضرت یوسف نے ان کو تعلیم عبادت فرمائی ہزار سال تک یہ لوگ یوسف علیہ السلام کی امت بن کر عبادتِ خدا میں مشغول رہے۔ شانِ قدرت تو دیکھو، کہ شکلِ یوسفی ایک مگر دیکھنے والی نگاہیں مختلف۔ کوئی دیکھ کر کافر ہوا، کوئی دیکھ کر مومن صحابی۔ اہلِ تحقیق فرماتے ہیں۔ نگاہیں بیس قسم کی ہیں نمبر۱ نگاہِ محبت نمبر۲ نگاہِ عشق نمبر۳ نگاہِ عبرت نمبر۴ نگاہِ شہوت نمبر۵ نگاہِ الفت نمبر۶ نگاہِ شفقت نمبر۷ نگاہِ غضب نمبر۸ نگاہِ قہر نمبر۹ نگاہِ ظلم نمبر۱۰ نگاہِ مظلومیت نمبر۱۱ نگاہِ فکر نمبر۱۲ نگاہِ مکر نمبر۱۳ نگاہِ ایمانی نمبر۱۴ نگاہِ طغیانی نمبر۱۵ نگاہِ عقل نمبر۱۶ نگاہِ قلبی نمبر۱۷ نگاہِ جنون نمبر۱۸ نگاہِ بد نمبر۱۹ نگاہِ ظاہری نمبر۲۰ نگاہِ باطنی۔ بیسان والوں نے نگاہِ طغیانی سے دیکھا۔ کافر ہوئے تابلستان والوں نے نگاہِ ایمان سے دیکھا مومن ہو گئے بھائیوں نے نگاہِ غضب سے خریداروں نے نگاہِ عقل سے حضرتِ یعقوب نے نگاہِ شفقت سے دیکھا۔ زلیخا نے پہلے نگاہِ باطنی سے دیکھا پھر مختلف وقتوں میں مختلف نگاہوں سے دیکھا۔ زنانِ مصر نے نگاہِ عبرت سے دیکھا۔ یوسف ایک ہے۔ دیکھنے والی نگاہیں مختلف۔ یہاں بھی یہ قافلہ تین دن ٹھہرا یہاں سے شہر قدس کو چلا یہ شہر ۱۸ میل دور ہے تابلستان سے اس کا نام جشنون بھی ہے۔ یہاں سے مصر کا پہلا شہر بلبیس پچاس میل ہے تفسیر سجستانی میں لکھا ہے کہ شہر کے بادشاہ کو خواب دکھایا گیا کہ تیرے شہر میں خلق میں بہتر ایک شخص آ رہا ہے تو اس کا استقبال کر۔ امیر نے بیدار ہو کر دعوت اور استقبال کا انتظام کیا۔ جب قافلہ آیا تو امیر شہر نے کچھ لوگوں کے ساتھ استقبال کیا اور دعوت کی اس عزت افزائی سے مالک بن دعر حیران ہوا کہ میں کئی دفعہ اس شہر میں آیا ہوں مگر اتنی عزت کبھی نہ ہوئی۔ ہو نہ ہو یہ عزت اس عبرانی غلام کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ ادھر امیر شہر شکلِ پاک دیکھ کر یہی سمجھ گیا تھا کہ بہترین یہی ہستی ہے مگر ظاہر کرنے کی اجازت نہیں۔ ایک قول ہے کہ حضرت یوسف نے پہلا کھانا نو دن کے بعد یہیں کھایا۔ بادشاہ نے سب کو

مختلف کھانا کھلایا مگر آپ کو دودھ چاول کھلایا۔ گویا یہ کھانا بحکم ربی تھا کیونکہ یہ آپ کا زمانہ چلہ تھا اور چلہ میں صوفیاء یہی کھانا کھاتے ہیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم بھی غار حرا میں آٹھ یا نو دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ امیر نے علیحدگی میں یوسف علیہ السلام سے پوچھا تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا میں وہ ہوں جس کا تجھ کو استقبال اور دعوت کا حکم ہوا ہے۔ وہ حیران ہوا کہ تم کو میرے خواب کا کس نے بتایا۔ آپ نے فرمایا میرے رب نے جس نے تجھ کو میری خبر دی۔ اس نے عرض کی مجھ کو کچھ نصیحت اور حکم فرماؤ آپ نے فرمایا تو بھی مسلمان ہوجا اور سارے شہر کے بت خانے توڑ دے۔ وہ مسلمان اور صحابی یوسف علیہ السلام ہوا اور سب بت خانے تڑوا دیئے۔ جب حضرت یوسف امیر کے گھر میں داخل ہوئے تو امیر کے خصوصی بت نے حضرت یوسف کو سجدہ کیا۔ اور گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا یہ سب کچھ ہوا مگر مالک بن زعر اور قافلے والوں کی عقل میں کچھ نہ آیا۔ کیونکہ رب نے ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔ یہاں بھی تین دن قیام ہوا۔ یہاں سے قافلہ روانہ ہوکر شہر عسقلان میں پہنچا وہاں کے بادشاہ کو کسی طرح اطلاع پہنچی کہ ایک بہت خوبصورت غلام مصر میں بکنے کے لیئے جارہا ہے۔ اس نے دل میں خیال کیا کہ میں جبراً قافلے والوں سے اس کو چھین لوں گا۔ اس ارادے سے ایک ہزار سپاہی لے کر شہر کے دروازے پر آیا مگر سپاہیوں کو صرف یہ بتلایا کہ شہر کا دورہ کرنا ہے۔ جب وہ دروازے پر آیا تو حسن یوسفی کی تاب نہ لاکر بیہوش ہوگیا۔ لشکریوں کو اس کی فکر لگ گئی۔ اور قافلہ شہر میں داخل ہوگیا تین دن ٹھہرا اور مصر کو چلا گیا۔ یہ بادشاہ زلیخا یوسف کی لذت سے تین دن بیہوش رہا۔ قافلہ یہاں سے شہر عریش پہنچا وہاں دو دن ٹھہرا پھر دریائے نیل کے کنارے وہاں مالک بن ذعر نے جن غلاموں کو فروخت کرنا تھا ان کو غسل کرایا۔ کپڑے پہنائے۔ سب سے آخر میں حضرت یوسف کو بہترین لباس پہنایا سر پر موتیوں کا تاج رکھا آج حسن یوسفی کی آب و تاب ایسی تھی کہ مالک بن ذعر کو بھی دیکھنے کی تاب نہیں مغلوب ہوکر قدموں میں جھکا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بازار مصر میں دوسری صبح کے وقت تک عجیب آب و تاب سے حسن جہاں تاب جلوہ افروز ہوا۔ مصر میں پہلے ہی شہرت ہوچکی تھی کہ عظیم غلام بکنے کے لیے آیا۔ مالک بن ذعر مسرور تھا۔ کہ آج اس کے نام کے ڈنکے مصر کے گلی کوچوں میں بج رہے ہیں۔ بیچنے والا وہ ہو جس نے پچاس سال اس غلام کا انتظار کیا ہو بکنے والا شہنشاہ حسن ہو تو خریدار کیسا ہوگا۔ کس کی ہمت ہے جو قیمت لگائے۔ سودا یوسف کا ہونا ہے قسمت مالک کی کھلی ہے۔ جب یوسف علیہ السلام کی آمد مصر میں ہوئی تو پرندے چہچہانے لگے لوگوں کو قدرتی اتنی خوشی ہوئی، کہ اس رات خوشی میں کسی نے نہ کھایا نہ پیا۔ صبح کے وقت سب لوگ مالک کے دروازے پر آ گئے۔ لاکھوں آدمیوں کا ہجوم دیکھ کر اپنے گھر کی چھت پر چڑھا اور بولا کہ اے لوگو تم کیا چاہتے ہو سب نے کہا جو غلام تو لایا ہے وہ ہم کو دکھا دے صرف ایک نظر دیکھنا چاہتے ہیں۔ مالک نے جواباً کہا کہ اس میں کیا خوبی ہے جس کی وجہ سے تم اتنے مشتاق ہوئے وہ تو بالکل تم جیسا بشر ہے۔ کیونکہ مالک کافر تھا۔ ابھی تک اس پر کفر کے پردے تھے۔ اس لیے وہ یوسف کو اپنے جیسا بشر ہی کہتا رہا کیونکہ کفار کی یہ شروع سے عادت ہے کہ نبی کو اپنے جیسا ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن نگاہوں والے

جان جاتے ہیں کہ نبی بے مثل ہوتا ہے۔ مالک کو یوسف کی تنہا خوانی پسند نہ آئی، اس کو کسی مشیر نے یہ مشورہ دیا کہ غلام کے دیدار کو روکنے کے لیے اور جھگڑے کو بھگانے کے لیے غلام کو دیکھنے پر ایک دینا فی آدمی مقرر کر دے پھر کوئی بھی مطالبہ دیدار نہ کرے گا۔ مالک نے اس ارادے سے اعلان کر دیا۔ کہ فی کس ایک دینار ٹکٹ لگے گا ہجوم نے کہا ارے احمق تو دروازہ تو کھول تو نے بہت تھوڑا ٹکٹ لگایا ہے۔ اس وقت کے ایک دینار کی دو سو درہم قیمت تھی۔ جبکہ اس نے بیس کھوٹے درہم میں یوسف کو خرید اتھا۔ ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ چھ لاکھ دینار کا ڈھیر دروازے پر لگ گیا۔ اللہ اکبر اے میرے اللہ تیری شان کے قربان کہاں وہ دھکے اور کہاں یہ کہ صرف دیدار کی تمنا میں چھ لاکھ جو لست پڑے ڈھیر ہیں۔ مالک کے خادموں نے وہ دینار بٹورے دروازہ کھولا، لوگوں کے سامنے چہرۂ پاک ہے اور وا رفتہ ہیں لذت دیدار میں عشاق بیہوش ہو رہے ہیں تن بدن کا ہوش نہیں۔ مالک کے حکم سے خدام نے لوگوں کو باہر نکالا مگر اس حال میں کہ زائرین کو نہ گھر کا ہوش نہ در کا نہ قریب کا نہ دور کا امام غزالی نے فرمایا کہ جب مخلوق کو دیکھنے کا یہ حال ہے تو خالق کو دیکھنے کا کیا حال ہو گا۔ مالک کو دیدار کرانے کا مزہ آ گیا۔ یہ لوگ تو تین دن لذتِ دیدار یوسفی میں مست رہے۔ مالک نے دوسرے دن اعلان کیا کہ جو لوگ عبرانی غلام کا دیدار کرنا چاہتے ہیں وہ فی شخص دو دینار لائے۔ باقی ماندہ لوگ دوڑے آئے دو دو دینار دیئے دس ہزار دینار پھر جمع ہو گئے۔ تیسرے دن بازار مصر میں مالک نے تخت بچھایا۔ اس پہ یوسف کو تاج پہنا کر بٹھا دیا۔ اور اعلان کیا کہ کون خریدار ہے جو خریدنا چاہتا ہے وہ خرید لے۔ پہلے وقت میں ایک لاکھ آدمی آئے جنہوں نے اپنا سارا مال غلام کی قیمت میں دیئے۔ مگر شام تک غلام نہ بک سکا۔ شام کو واپس گھر آیا۔ دوسرے دن ملک مصر کے بڑے بڑے تاجر آئے اور مالک کے گھر میں دیکھا کہ مالک تاج پہنے بیٹھا ہے۔ لوگوں نے مالک کو کہا کہ تو خوش ہے آج تیرے دروازے پر عظیم لوگ جمع ہیں جو تیرے غلام کے دیدار کی بھیک تجھ سے طلب کر رہے ہیں مالک حضرت یوسف کے پاس آیا اور کہا اے غلام تیرا نام کیا ہے، مجھ کو شرم آتی ہے تجھ جیسے شہنشاہِ حسن و جمال کو غلام کہوں تب یوسف علیہ السلام نے اپنا اسم پاک بتایا۔ آج مالک کو پتہ چلا کہ یہ یوسف ہے جس کو یعقوب علیہ السلام کی اولاد نے بیچا مالک نے دست بوسی کی اور عرض کیا کہ میرے لیے دعا کرو کہ میں صاحبِ اولاد ہو جاؤں میں بے اولاد ہوں۔ حضرت یوسف نے فرمایا تو اللہ وحدہٗ لا شریک کو مان لے ایمان لے آ تو تیرے لڑکا پیدا ہو گا مالک ایمان لے آیا اس کا وہ حبشی اسود غلام ہاتھوں کی بیماری میں مر چکا تھا کیونکہ ان ہی ہاتھوں سے یوسف پر ظلم کیا تھا۔ وہ کفر میں ہی تھا، مالک نے بعد ادب عرض کیا کہ دور دور کے لوگ تیرے دیدار کے مشتاق ہیں۔ اگر حکم ہو تو دیدار کے لیے حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا جو تیری مرضی۔ کثیر لوگوں نے اس دن بھی دیدار کیا۔ اس ہجوم میں عزیز مصر کے کارندے اور درباری تھے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یوسف کو دیکھنے والے تین طرح کے لوگ تھے۔ ایک گروہ کی حالت تھی جیسے مست وار ایک گروہ حیرت زدہ لوگوں کی طرح تھا ایک گروہ مجنونوں کی طرح تھا۔ لوگوں کا

عجب حال تھا کہ دیدار کرنے کے لیے دوڑے چلے آتے مگر واپس جانے کی ہمت نہ پاتے یہ دور والوں کا حال تھا مگر قریب والے بے بصر تھے نہ مالک بن ذعر عارف حال و حقیقت تھا نہ اس کے گھر والے۔ کیونکہ قرب چار قسم کا تھا ۱) قرب جسمانی ۲) قرب عقوبت ۳) قرب رحمت ۴) قرب الٰہی یا قرب حق۔ مصر میں ایک عورت بازعہ نامی بنت معالقہ بن عاد بن سود بن زیاد بن عاد بن شداد نمرود کا وزیر جس نے جنت ارم بنائی تھی بہت امیر عورت تھی اس نے خریداری کا ارادہ کیا اپنی تمام دولت لے کر یوسف علیہ السّلام کو خریدنے آئی جب ایک نظر یوسف پر پڑی تو عقل ششدر ہوئی آنکھیں پتھرا گئیں۔ اور بولی کیا تو غلام ہے یوسف نے فرمایا ہاں غلام ہوں۔ مراد لیا اللہ کا عبد ہوں۔ عبد تین قسم کے ہوتے ہیں ۱) عبد کرامتہ جیسے فرشتے ۲) عبد محبت جیسے انبیاء کرام ۳) عبد خدمت جیسے جیسے خدام دنیا نوکر چاکر یا خدام دین جیسے علماء اولیاء۔ عورت بازعہ نے عرض کیا تیرا خالق کون ہے فرمایا میرا خالق اللہ ہے عرض کیا میں تیرے خالق پر ایمان لاتی ہوں یہ کہا اور اپنی ساری دولت فقراء میں تقسیم کر دی۔ یہ کہتے ہوئے کہ ساری دنیا بھی اس غلام کی قیمت نہیں بن سکتی۔ اور چھوٹی جھونپڑی میں تا حیات یاد الٰہی میں مشغول رہی۔ ان ہی ایام میں عزیز قطفور نے اپنی بیوی زلیخا سے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس غلام کو خرید لوں جس کی شہرت سارے ملک میں پڑی ہے۔ چا تو جا کر دیکھ لے۔ زلیخا نے روکھا جواب دیا کہ میں اپنے عزیز کے سوا کسی کو پسند نہیں کرتی۔ مراد وہی خواب میں دیکھا ہوا عزیز مصر تھا جس کے عشق میں اور انتظار میں ساری عمر گزارنے کا ارادہ کیا تھا مگر قطفور سمجھا شاید میرا ذکر ہے خوش ہوا، اور دوسرے دن کا اعلان سنا ہوا تھا کہ جمعہ کے دن غلام کی نیلامی ہوگی جو بڑھ کر قیمت لگائے گا وہی خریدے گا۔ عزیز مصر بھی بد آمد خریداروں کی صف میں شامل ہوا سب نے بڑھ بڑھ کر بولی دی لیکن جب عزیز مصر نے بولی دی تو سب خاموش ہو گئے۔ عزیز مصر نے کہا کہ غلام کے وزن کا سونا اس کے وزن کی چاندی۔ ہیرے۔ یاقوت۔ ریشم۔ عنبر۔ کافور تول کر قیمت ہے مالک نے منظور کیا اور سودا ہو گیا۔ لیکن جب عزیز مصر نے جلوۂ یوسفی دیکھا تو سارا ہی خزانہ دے دیا۔ اور کچھ باقی نہ چھوڑا تو لنے تلانے کی نوبت ہی نہ آئی۔ ابھی تک مالک بن ذعر کے لیے حسن یوسفی پردے میں تھا۔ جب خزانے کو دیکھا، تو بہت خوش ہوا کہ بہت اچھے داموں بکا ہے لیکن جب آخری ملاقات کے لیے یوسف علیہ السّلام کے پاس حاضر ہوا تو غش کھا کر گر پڑا۔ جب افاقہ ہوا تو حضرت یوسف نے پوچھا اے مالک تجھ کو کیا ہوا مگر اب وہ مالک نہیں پردہ اٹھ چکا اقرار دیتا ہے! در کف افسوس ملتا ہے کہ میں نے یوسف کو کیوں گنوایا کیوں بیچا جس مال کو میں نے کثیر سمجھا وہ تو قلیل تھا کثیر تو حسن یوسف تھا۔ انسان اندھا ہے جو دنیا کو عظیم اور آخرت کو قلیل سمجھتا ہے۔ جن کی آنکھیں روشن ہیں ان سے پوچھ کہ قلیل کون ہے اور کثیر کون۔ مالک نے عرض کیا اے یوسف مجھ کو بتا کہ تو اصل میں کون ہے مجھ سے راز کا پردہ اٹھا دے حضرت یوسف نے فرمایا کہ اگر تو کسی

نہ کہے تو میں بتا دوں۔ مالک نے پکا وعدہ کیا۔ حضرت یوسف نے فرمایا وہ دس آدمی جو کنعان کے جنگل میں مجھ کو بیچنے والے تھے وہ میرے بھائی تھے۔ میرے والد یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم ہیں۔ یہ سنا تو مالک زار زار رویا اور خطاؤں کی معافی مانگی۔ پھر تجارت وغیرہ چھوڑ کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو گیا۔ اس کے ایک بیٹا ہوا اور ساری دولت اس کی والدہ کی سپرد کر کے راہیِ ملکِ عدم ہوا۔ عزیز مصر نے اپنے خزانے خالی کر دیئے مگر رب کی امانت کائنات کے خزانوں سے دامن بھر لیا۔ اہلِ مصر قیمت عزیز پر رشک کر رہے ہیں۔ جب گھر لے کر آیا۔ ایک روایت میں ہے کہ مالک نے عرض کیا کہ اے یوسف میرے لڑکیاں ہیں لڑکا کوئی نہیں۔ دعا فرماؤ کہ رب مجھے لڑکا دے آپ نے دُعا دی۔ رب تعالیٰ نے اس کو چوبیس لڑکے عطا فرما دیئے۔ جن کے نام یہ ہیں ۱ فاید ۲ نوید ۳ نادی ۴ حمید ۵ دلائل ۶ ذکوان ۷ رالیص ۸ زبیر ۹ سالیس ۱۰ ضمیر ۱۱ طیوم ۱۲ طفیل ۱۳ عمیل ۱۴ کستا ۱۵ نادیل ۱۶ اخول ۱۷ انزیل ۱۸ عکس ۱۹ بیان ۲۰ عنیر ۲۱ کستار ۲۲ سفان ۲۳ غانم ۲۴ فارق۔ مالک نے عرض کیا تو تمہارے بھائیوں نے کیوں بیچا۔ فرمایا وہ میرے بھائی ہیں یہ بھید ظاہر نہیں کروں گا۔ کریمی کی شان کہ خون کے پیاسوں پر اتنا رحم۔ اور ثابت ہوا کہ نبی کی ذات سے کافر کو بھی فائدہ پہنچ جاتا ہے

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

اور کہا اس نے جس نے خریدا اس کو مصر کے رہنے والے مالک بن ذعر سے۔ یہ دوسرا خریدار عزیز مصر تھا۔ بادشاہ کے سارے خزانے کا منتظم اس کا نام قطیفر تھا نامرد تھا جب اس نے یوسف کو بالکل خرید لیا تو دس ہزار تاجروں کے پتے پھٹ گئے اس غم میں کہ ہم کیوں نہ خرید سکے اور دس ہزار مر گئے اور چالیس ہزار بیمار ہو گئے۔ اس زمانے میں مصر کا بادشاہ ریان بن ولید تھا وہ قحط سالی کے بعد مرا اس کے بعد قابوس بن مصعب بادشاہ بنا مگر زیادہ اختیار عزیز مصر کے ہوتے تھے۔ جیسے کہ پارلیمنٹ حکومت میں وزیرِ اعظم کے اختیار زیادہ ہوتے ہیں صدر کے کم کہ اسی کی اولاد میں سے وہ فرعون تھا جسکو فرعونِ موسیٰ کہتے ہیں۔ اسی لیئے رب تعالیٰ نے قوم موسیٰ یعنی قبطیوں اور فرعون کو خطاب فرمایا وَلَقَدْ جَآءَكُمْ یُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَیِّنٰتِ بیشک البتہ آئے تمہارے پاس یعنی تمہارے باپ دادوں کے پاس یوسف پہلے گذشتہ زمانے پر کھلی نشانیوں کے ساتھ۔ حضرت یوسف کی ماتحت ایک لاکھ ہوئی۔ ولید کو اسلام پیش نہ کیا گیا کیونکہ اس کے سارے زمانے میں حضرت یوسف مبتلاء میں ہی رہے بجز سات سال کے اور وہ اتنا گرویدہ بھی نہ ہوا قابوس کو آپ نے دعوتِ اسلام دی مگر وہ نہ مانا۔ یہ دونوں بادشاہ قوم عمالقہ سے تھے۔ اس وقت ملک مصر کا دارالخلافہ یعنی پایۂ تخت منفس شہر تھا اس کو اب منف کہتے ہیں۔ حضرت یوسف کی نیلامی تین دن ہوتی رہی۔ بدھ، جمعرات، جمعہ۔ روح البیان نے فرمایا کہ ایک بڑھیا نے سنا کہ عبرانی غلام کی قیمت بہ بڑی ہے۔ کہ ساری دولت دو اور غلام کو خرید لو۔ وہ سمجھی کہ شاید جتنی جنس کی

دولت ہو اتنے میں ہی خرید سے۔ اور یہ بھی سنا کہ آج تین دن ہوئے غلام بک نہ سکا۔ اس نے اپنی دولت پر غور کیا تو اس کا سارا سرمایہ بیس سیر کچی ہوئی روئی تھی۔ اس نے عشق یوسفی میں وہ سب اٹھائی اور مالک کے سامنے ڈھیر کر دی۔ کہ یہ لیلے اور یوسف مجھ کو دیدے۔ یہ میری ساری پونجی ہے۔ کچھ دیر بعد عزیز مصر نے خرید لیا اور گھر لے جا کر اپنی بیوی زلیخا سے کہا۔ یہ عورت سارے ملکِ مصر میں اور مضافاتِ مصر میں سب سے زیادہ حسین تھی جسطرح کہ مردوں میں یوسف کا ثانی کوئی نہ تھا اسی طرح عورتوں میں اس کے برابر خوبصورت کوئی عورت نہ تھی۔ مگر یوسف علیہ السلام زلیخا سے بھی ایک لاکھ گنا زیادہ حسین تھے۔ زلیخا شاہ طیموس جو سارے مغرب میں یعنی تہائی دنیا کا بادشاہ تھا اس کی اکلوتی بیٹی تھی خواب میں دیدارِ یوسف سے مشرف ہو چکی تھی اور آپ نے اپنا پتہ بتایا تھا کہ میں عزیز مصر ہوں اور میں تیرے لیے ہوں اور تو میرے لیے۔ زلیخا کئی سال پہلے ہی اپنے اس خواب والے عزیز مصر پر عاشق ہو چکی تھی۔ اکثر بادشاہوں اور خوبصورت شہزادوں کے پیغام نکاح آئے مگر زلیخا نکاح پر راضی نہ ہوئی جب عزیزِ مصر کا پیغام آیا تو فوراً راضی ہو گئی اور قطفیر سے اس کی شادی ہو گئی۔ جب پہلی بار منہ دکھلائی ہوئی تو زلیخا سخت غمزدہ ہوئی اور خودکشی کرنے کا ارادہ کیا لونڈیوں میں ایک لونڈی نے کہا تو صبر کر تیری خواب پوری ہو گی اور بتایا کہ عزیز نامرد ہے تو فکرمند نہ ہو۔ عزیزِ مصر کسی رات بھی زلیخا کے قریب نہ آسکا۔ اور زلیخا کنواری ہی رہی گویا کہ رب تعالیٰ نے زلیخا کو قطفیر کے پاس امانت بنا کر رکھا جیسا کہ بلقیس شاخر کے پاس مستعار تھی حقیقت میں سلیمان علیہ السلام کی امانت تھی اور جیسے کہ حضرت آسیہ فرعون کے پاس مستعار تھیں، کنواری تھیں حقیقت میں خدمتِ موسیٰ کے لیے وقف تھیں۔ اور جیسے کہ حضرت خدیجہ ؓ ام المومنین اپنے پہلے خاوند عمرو بن گندی کے لیئے مستعار تھیں حقیقت میں امانتِ احمدِ مختار تھیں۔ اسی طرح زلیخا امانتِ یوسف تھیں۔ شاخر بلقیس کے لیئے فرعون آسیہ کے لیئے عمرو گندی خدیجہ ؓ کے لیئے نامرد تھے قطفیر زلیخا کے لیئے۔ مگر قطفیر کو زلیخا سے محبت تھی اسی کی خاطر دلجوئی کے لیے یہ غلام خریدا۔ اور سارا خزانہ لٹا یا۔ حضرت یوسف کے وزن کے برابر سب خزانے تولے اس وقت حضرت یوسف کا وزن ۴۰ رطل یعنی پانچ من تھا۔ اس طرح تقریباً پچاس من خزانہ قیمت میں دیا گیا۔ درباریوں نے کہا اپنے ایک غلام کے لیے سارا خزانہ ختم کر دیا۔ اب ملک کیسے چلے گا۔ تب عزیز کو فکر لاحق ہوئی اور سب خزانچیوں کو بلایا۔ کہ دیکھو کچھ خزانہ ہے یا سارے خالی ہو گئے۔ خزانچی اپنے اپنے خزانے میں گئے تو دیکھا کہ سونے چاندی زمرد۔ یاقوت۔ ریشم۔ مشک۔ عنبر۔ کافور۔ حریر کے خزانے پہلے سے زیادہ بھرے ہیں۔ سب خوشی خوشی دوڑے دوڑے آئے اور خوشخبری دی۔ عزیز مصر حیران رہ گیا۔ سمجھا شاید مالک سے جبراً چھین لیا ہو، مالک کے پاس گیا تو دیکھا کہ سب خزانے دیئے ہوئے موجود ہیں۔ خود جا کر اپنے خزانوں کو دیکھا تو دگنے تگنے بھرے ہوئے تھے اور خزانچیوں کی خبر درست تھی۔ سب حیران تھے کسی کی سمجھ میں یہ راز نہ آتا تھا۔ انہوں نے اس سے

پہلے یہ معجزہ کب دیکھا تھا۔ ایک درباری نے کہا کہ آپ غلام ہی سے پوچھیں وہی اس راز سے پردہ اٹھا
سکتا تھا۔ عزیز نے کہا وہ کیونکہ اس راز کو جانے گا درباری نے کہا میں نے اس کے ساتھ پرندوں کو باتیں کرتے دیکھا
ہے وہ کوئی عام انسان نہیں ضرور وہ بے مثل کائنات ہے۔ عزیز نے یوسف کو بلایا اور پوچھا کہ اے یوسفؑ
ہم نے سارے خزانے تیری قیمت میں خالی کر دیئے تھے۔ مگر وہ پھر دگنے بھرے ہوئے ہیں یہ کیا راز ہے فرمایا کہ
میرے اللہ نے تیرے خزانے بھر دیئے اس نے پوچھا اللہ کون ہے جواباً فرمایا جس نے مجھ کو تجھ کو اور ساری کائنات
کو پیدا کیا پوچھا اس نے یہ کرم کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا یہ کرم تجھ پر نہیں بلکہ مجھ پر ہے اس لیے کہ تو میری وجہ
سے لشکریوں درباریوں اور بادشاہ کے سامنے مطعون و معتوب نہ ہو تیرا مجھ پر احسان نہ رہے۔ میری
شان تیری نظروں میں بلند ہو جائے عزیز مصر خوش ہوا گھر آیا اور کہا اکرمی مثواہ اے بیوی اس غلام کے
لیے خوبصورت کمرہ ہر طرح آراستہ پیراستہ تیار کر جہاں یہ خوش و خرم رہا کرے۔ یہ حکم یا اس[1] لیے دیا کہ عزیز مصر
نے فراست سے جان لیا کہ یوسف سے زلیخا کی محبت ہو گئی کیونکہ جب زلیخا کی پہلی نظر یوسف پر پڑی اور
دو نگاہیں ملیں تو زلیخا عجب دیوانوں کی طرح اس کو دیکھتی ہی رہی مگر حضرت یوسف کی نگاہیں پھر نہ اٹھیں
نیچی ہی رہیں یا اس[2] لیے حکم دیا کہ عزیز کو یوسف علیہ السلام کی فضیلت و شرافت معلوم ہو گئی تھی۔ یا اس[3] لیے
حکم دیا کہ عزیز نے آج رات خریدنے سے پہلے خواب دیکھا تھا کہ اے عزیز غلام کو خرید اور زلیخا کے سپرد کر
دے دونوں میں جدائی نہ ڈالنا یا اس[4] لیے حکم دیا کہ عَسٰٓی اَنْ یَّنْفَعَنَآ۔ عنقریب یہ بچہ ہم کو نفع دے گا یا اس طرح
کہ حکومت میں میرا ہاتھ بٹائے گا۔ مفید مشورے دے گا کیونکہ سارے ملک میں اس جیسا ذی عزت ہونہار کوئی
نہ دیکھا یا اس طرح کہ ہم اس کو بیچیں گے تو بہت نفع آئے گا۔ یا اس لیے حکم دیا کہ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا۔ اے زلیخا تجھ کو
اس سے محبت بھی ہے۔ تجھ کو جدائی گوارا بھی نہیں ہم اس کو اپنا متبنّٰی بیٹا بنا لیں گے۔ یا اس لیے اَکْرِمِیْ کا حکم دیا
کہ زلیخا نے بھی کہا تھا کہ اے عزیز تو نے سارا خزانہ خرچ کر دیا تب عزیز نے جواباً کہا اَکْرِمِیْ تو خزانے کا فکر مت کر اس غلام
کا خیال رکھ جس کے پاس یہ ہو اس کو خزانوں کی پرواہ نہیں ہوتی یا اس[5] لیے حکم دیا کہ اے زلیخا یہ میرا ہے اس کا
اکرام کر کیونکہ میں کریم ہوں اور اس کو بھی میں نے کریم پایا۔ یا اس[6] لیے حکم دیا کہ اے زلیخا اس کو پہچان اور اپنے
سے اچھا مکان دے۔ زلیخا نے جانا کہ سب سے اچھا مکان تو دل ہے پس دل میں جگہ دی یا اس[9] لیے حکم دیا
کہ عزیز نے جان لیا تھا کہ جس سے پرندے باتیں کریں۔ وہ ضرور خدا کا پیارا ہے اگر ہم اس کی عزت کریں گے
تو اس کا خدا ہماری عزت فرمائے گا۔ یا اس[10] لیے حکم دیا کہ عزیز نے جان لیا تھا کہ یہ ہمارا قائم مقام ہوگا۔ عزیز
مصر نے یوسف علیہ السلام کی عزت کی رب تعالیٰ نے اس کے بدلے میں عزیز کو ایمان دیا۔ اور چونکہ عزیز
خفیہ طریقے سے مومن صحابی بنا جس طرح کہ فرعون کے جادوگروں نے حضرت موسیٰ کا ادب کر کے ایمان پایا اور یہ سب

بڑا انعام ہے جو ہم نے عزیز مصر کو دیا کہ دنیا کے خزانے لٹا ئے اور دنیا بھی واپس پائی، خزانۂ ایمانی بھی پالیا ہمارا رب کتنا کریم وعظیم ہے. کوئی اس کا بن کر تو دیکھے فرماتا ہے اور اسی طرح ہم نے جگہ دی یا قوت دی زمین میں یوسف کو طریقے سے یوسف کو زمین میں قوت ملی. ۱ زلیخا کے گھر میں سب سے شان والی جگہ ملی اور عزت ایسی ملی کہ دونوں خاوند بیوی خدمت گزاری میں لگ گئے. دوسرے یہ کہ عزیز کا تخت یوسف کو دیا جو مصر کے علاقے مصر کی حکومت میں تھا ملک مصر چالیس میل لمبا چالیس میل چوڑا تھا. تیسرے یہ کہ ہم نے یوسف کو نبوت دی. چوتھے یہ کہ حکمت دی. پانچویں یہ کہ لوگوں کے دلوں پر قدرت دی. چھٹے یہ کہ خزانے اس کو دیئے. ساتویں یہ کہ سب پر غلبہ دیا قحط میں سب اس کے غلام بن گئے. آٹھویں یہ کہ مصر کے علاوہ سات ملک اس کو اور دیئے. اور اس کی حکومت مصر سے باہر بھی ہوئی. بغیر جنگ کے خود بادشاہوں کو اس کا مطیع فرمان کر دیا. نویں یہ کہ جن لوگوں نے اس کو ذلیل کیا یا کرنے کی کوشش کی وہ اس کے سامنے کمزور اور ذلیل ہوئے. اور یہ طاقتور رہا. دوسرا انعام یہ کیا کہ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ اور البتہ ہم سکھاتے رہے اس یوسف کو باتوں کی تاویل کرنا. اس طرح کہ خوابوں کی تعبیر یوسف کے سوا کوئی نہ جان سکتا تھا. اور اس طرح ہم نے یوسف کو زمین کی نوسو زبانیں آسمان کی نوسو زبانیں، ہوائی پرندوں کی نوسو زبانیں، کیڑے مکوڑوں کی نوسو زبانیں سکھائیں. اور اس طرح کلام کا ظاہر بھی سکھایا اور باطن بھی بتایا. کلام کی چار قسمیں ہیں حضرت یوسف سب کو جانتے تھے. ظاہر۱. باطن۲. عبارت۳. اشارت۴.

اور اللہ تعالیٰ ہی ہمیشہ سے ہمیشہ تک غالب ہے اپنے فیصلے پر. غلبہ کہتے ہیں چاہت اور منشا کے پورے ہونے کو اللہ ہمیشہ سے غالب ہے. یعنی جو وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے جو بندہ چاہتا ہے وہ نہیں ہوتا. یعقوب علیہ السلام نے کیا چاہا. بھائیوں نے کیا چاہا. یوسف نے کیا چاہا. مالک نے کیا چاہا. عزیز مصر نے کیا چاہا. زلیخا نے کیا چاہا مگر ہوا وہی جو رب نے چاہا کیونکہ وہ ہی غالب ہے اپنے فیصلہ پر. ازل سے ابد تک مشیت رب اور مشیت بندے کا مقابلہ ہے مگر وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ. غلبہ رب کی مشیت کو ہے. وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ. لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے. لفظ ناس قرآن میں بہت لوگوں کے لیئے استعمال ہوا کبھی واحد کے لیئے کبھی جمع کے لیے یہاں منافق یا عام کفار یا بیوقوف لوگ یا صرف مکے والے مراد ہیں. جنہوں نے اس قصے کا مطالبہ کیا تھا اس خریداری اور زلیخا کے گھر میں آنے کے وقت حضرت یوسف کی عمر بارہ سال تھی. عزیز مصر کی عمر ساٹھ سال زلیخا کی غالباً تیس۳۰ سال عمر تھی وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ. اور جب ہمارا یوسف اپنی قوت جسمانی یعنی جوانی کو پہنچ گیا جوانی کی عمر پندرہ سے تینتس۳۳ سال تک ہوتی ہے اور عقل کی پختگی تیس سے چالیس سال تک ہوتی ہے اور حیثیت و رعب کی زندگی چالیس سے پچاس سال تک ہوتی ہے. عمر کی سات قسمیں ہیں عمر طفلی ازلیم پیدائش گیارہ سال تک. عمر آمردی گیارہ سال سے پندرہ سال تک. عمر جوانی پندرہ سے تینتس۳۳ سال تک. عمر پختگی تیس سے

چالیس سال تک ۵ عمر قوت چالیس سال سے پچاس سال تک ۶ عمر گھونٹ پچاس سال سے پچھتر سال تک ۷ عمر ضعیفی جو تخمین پچھتر سال سے سو سال تک یا اس سے اوپر جتنی بھی ہو (روح البیان مع زیادت) یہاں مراد تیس سال کی عمر ہے یعنی یوسف تیس سال کی عمر کو پہنچے، تب ہم نے ان کو حکم یعنی حکومت دے دی۔ بعض نے کہا علم دانائی کا کمال دیا اور ظاہری علم بھی دیا۔ یا ظاہری علم کے برتنے کی اجازت دے دی۔ امام حسن سے روایت ہے حضرت یوسف کنوئیں میں آنے کے وقت سے نبی تھے۔ مگر اب ان کو تبلیغ نبوت کی اجازت ملی۔ بعض نے کہا حکم سے مراد حکمت عملی ہے اور علم سے مراد حکمت نظری یعنی غور و تدبر ہے اور اسی طرح جس طرح کہ عجیب و غریب، ثواب و جزا، برکت و رفعت یوسف علیہ السلام کو ہم نے دی تا قیامت دیتے رہیں گے یا دیتے ہیں۔ ہر نیک کار انسان کو بشرطیکہ محسن بن کر حاضر درگاہ ہو۔

شعر آج بھی ہو جو براہیم سا ایمان پیدا آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

بعض نے کہا کہ حکم سے مراد عقل ہے۔ اور علم سے مراد عقل کو استعمال کرنے کا طریقہ۔ بعض نے کہا عقل علم سے بہتر ہے کہ حصول علم کا ذریعہ ہے۔ بعض نے کہا علم عقل سے بہتر ہے کہ علم سے ہی عقل استعمال ہوتی ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ عشق دونوں سے اعلیٰ ہے کہ دونوں پر غالب اور دونوں کا رانجھا ہے۔ عقل دنیا کے لیے ہے اور عشق دین کے لیئے ہے۔ اس میں علماء کرام کے چند قول ہیں۔ کہ محسنین سے کیا مراد ہے ایک قول یہ کہ مراد نمازی ہیں۔ ایک یہ کہ مراد اچھے اخلاق والے ہیں۔ ایک یہ کہ مراد ہے ریا عمل کرنے والے ہیں جو فقط اللہ کے لیئے کیا جائے کسی کو دکھایا بتایا جتایا نہ جائے۔ ایک یہ کہ مراد انبیاء کرام ہیں۔ یعنی ہم انبیاء کرام کو اسی طرح حکمًا علمًا عطا فرماتے ہیں۔ یہی قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے یہ ہی قول درست ہے کیونکہ کذالک کی تشبیہ مشبہ بہ کی برابری چاہتی ہے۔ ایک یہ کہ مراد محسنین سے سب عبادات کرنے والے متوکلین علی اللہ ہیں۔ اور جزا سے مراد وصل الٰہی ہے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کے کرم کے لیے کسی حیلے وسیلے کی چنداں ضرورت نہیں جب کرم کرنے پر آتا ہے تو بے وسیلہ انسان کو بھی تخت شاہی پر بٹھا دیتا ہے۔ دیکھو یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائی بندمیں عزیزوں، جان پہچان والوں میں جان کی امان اور پناہ نہ ملی یہ دنیا کی حالت ہے۔ مگر جس ملک میں نہ جان نہ پہچان، غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر لایا جانے والا جن کے ذہنوں میں یوسف کے متعلق چور اور بھگوڑے غلام کا تصور بٹھایا گیا۔ عام غلاموں کی طرح منڈی میں لا کر فروخت کیا جانے والا یوسف اس کی شان کا اسی ملک میں اتنا عظیم ہو جانا کہ جس نے غلام بنا کر خریدا وہی غلاموں کی طرح ندمت کرے۔ نہ کوئی ہنر دیکھا نہ ظاہری فضل۔ یہ سب رب ہی کا کرم ہے۔ یہ فائدہ کذالک مکنا لیوسف سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہنر، فضل، عقل، مندی سب بیکار ہے وہاں احسان اور عمل صالح کی عزت وہاں زور مندی یا حیلہ سازی بے فائدہ ہے۔ وہاں تو زاری۔ عاجزی کی ضرورت ہے۔ شعر

زور را بگذار زاری را بگیر   رحم سوئے زاری آید اے فقیر

یہ فائدہ نجزی المحسنین سے حاصل ہوا۔ خداتعالیٰ زاری نصیب کرے۔ تیسرا فائدہ: اپنی والدہ کو فریاد سنانی اور شکوہ شکایت کرنی صبر اور توکل کے خلاف نہیں، نہ ہی نیکی کے خلاف ہے۔ دیکھو حضرت یوسف نے اپنی والدہ کی قبر پر پہنچ کر سب شکوے شکایت کئے۔ اور فریاد کی کیونکہ دنیا میں والدہ مظہرِ جمالِ خداتعالیٰ ہیں۔ تو ماں سے بعد کر فریاد کرنی رب ہی سے فریاد کرنی ہے۔ پس جاننا چاہیئے کہ انبیاءِ کرام بدرجہ اولیٰ اُمّت کے لیئے مظہرِ جمالِ الٰہی ہیں۔ لہٰذا دنیوی تکالیف میں انبیاءِ کرام اولیائے عظام کے آستانوں پر فریاد کرنا مشکل کشا سمجھ کر شکوے شکایت کرنا بالکل جائز ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یارسول اللہ فلاں شخص نے مجھ کو ستایا ہے۔ مجھ پر ظلم کیا ہے۔ اور اس طرح مخلوق سے فریاد کرنی سنتِ نبی ہے۔ دیکھو وہ یوسف علیہ السّلام جنہوں نے ہزاروں تکلیفیں، مصیبتیں، ماریں برداشت کیں مگر کسی سے شکوہ شکایت نہ کیا۔ نہ روئے چیخے۔ بلکہ کمالِ متانت سے بردباری سے تحمل فرمایا۔ لیکن والدہ کی قبر پر آ کر تمام شکوے شکایت کئے۔ اور زار زار روئے کیونکہ جانتے تھے کہ آغوشِ مادر میں رحم و جمالِ الٰہی کا جلوہ آشکارا ہے۔ اسی طرح دامنِ مصطفیٰ بھی اُمّت کے لیئے رحم وکرمِ الٰہی کا دروازہ ہے یہاں رونا اور فریاد کرنا خداتعالیٰ ہی سے فریاد ہے۔ یہ فائدہ مِنَ الزّٰاهِدِينَ کی تفسیر سے حاصل ہُوا۔ چوتھا فائدہ: اہلِ قبور سے فریاد کرنا بھی جائز اور مفید ہے۔ یوسف علیہ السّلام نے والدہ راحیل کی قبر پر کھڑے ہو کر ہی فریاد کی تھی۔ یوسف علیہ السّلام نبی ہیں اور نبی کوئی ناجائز کام نہیں کرتا۔ اور راحیل نبی نہ تھیں۔ ولیہ تھیں۔ ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضر ہو کر اُن سے فریاد کرنا جائز ہے۔ یہ فائدہ بھی مِنَ الزّٰاهِدِينَ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ۔ کافر کی درست اور صحیح تجارت کی کمائی حرام نہیں۔ اس کا کھانا کافر کی دعوت قبول کرنا جائز ہے۔ اس کے ہدیے قبول کرنا بھی حلال ہے یہ فائدہ اکرمی مثوٰیٰ سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یوسف علیہ السّلام کو عزیزِ مصر جیسے کافر اور موسیٰ علیہ السّلام کو فرعون جیسے کافر کے گھر پرورش کرایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاءِ کرام کو حرام غذائیں نہیں کھلواتا۔ اگر کافر کی کمائی حرام ہوتی تو یہ کبھی نہ ہوتا۔ چھٹا فائدہ۔ سب سے ضروری چیز ایمان ہے۔ پھر علم۔ ایمان جڑ ہے علم اس کا پھل۔ جتنا مضبوط ایمان ہوگا اتنا ہی زیادہ پھل۔ علم نصیب ہوگا اچھے ایمان والوں کو علم لدنی ملتا ہے ایمان سے۔ کتنے ہی پڑھے لکھے ہیں مگر علمِ حقیقی سے محروم ہی رہتے ہیں۔ یہ فائدہ ولِنُعَلِّمَہٗ سے حاصل ہُوا۔ ساتواں فائدہ۔ مصیبتیں رب تعالیٰ کی رحمت ہیں اسی لئے نیکوں ولیوں، عالموں کو یہاں تک کہ انبیاءِ کرام پر زیادہ آتی ہیں۔ ان مصیبتوں نے ہی یوسف علیہ السّلام کو تختِ شاہی تک پہنچایا۔ مصیبت ہی صبر و شکر اور رب کی بارگاہ میں گڑگڑانے کا ذریعہ ہے۔ اسی سے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔ پیاری چیز کو قید ہی رکھا جاتا ہے۔ یہ فائدہ

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ - سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ۔ دین ہو یا دنیا کوئی شی بغیر محنت، مشقت حاصل نہیں ہو سکتی۔ للہذا طالب حق کو مصائب دنیا سے نہ گھبرانا چاہیئے۔ یہ فائدہ واقعات یوسفی سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ۔ انبیاءِ کرام کا علم بھی بے مثل ہوتا ہے۔ ان جیسا علم کسی کے پاس نہیں ہوتا۔ نہ انسانوں کے پاس نہ جن فرشتوں کے پاس کیونکہ سب شاگرد ہیں مخلوق کے مگر یہ گروہِ انبیاءِ کرام شاگرد ہے خالق کائنات کا۔ یہ فائدہ وَلِنُعَلِّمَهٗ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات پڑ سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یوسف علیہ السلام کے لیے رب تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے فرمایا۔ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ یہاں وَاسْتَوٰى فرمایا پہلی آیت میں وَاسْتَوٰى نہیں ہے اس فرق بیان کی وجہ کیا ہے۔ جواب۔ استویٰ کا معنیٰ ہے چالیس یا ساٹھ سال پورے ہونے کے بعد ہم نے دیا۔ اور بغیر استویٰ کا معنیٰ ہے چالیس سال سے پہلے ہی ہم نے حکمت و دانائی اور علم دیا۔ (بن ابی بکر رازی) اور وجہ یہ ہے کہ حضرت یوسف کے مدارج نبوت ولیاقت تو کچھ اولادِ نبی اور خاندانِ نبوت ہونے کی وجہ سے وراثۃً میں میسر ہوئے۔ اور کچھ اِن مصائب میں طے کرا دیئے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ مدارج عمر کے لحاظ سے طے کرائے گئے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ۔ مفسرین فرماتے ہیں بخس کا معنیٰ ہے حرام اور خبیث کمائی۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے یہ کیوں لیئے۔ خاندانِ نبوت تو حرام کمائی سے پاک ہوتی ہے۔ جواب:۔ اوّلاً تو جمہور مفسرین نے بخس کا معنیٰ کھوٹا سکہ یعنی ملاوٹی چاندی کے درہم معنیٰ کیئے جو رائج تو تھے مگر کم قیمت میں بمقابلہ خالص چاندی والے درہموں کے۔ قرآن مجید کی اگلی عبارت بھی اسی معنیٰ کی تائید فرماتی ہے۔ کہ فرمایا معمولی گنتی کے چند درہم تھے۔ ثانیاً اگر بخس کا معنیٰ حرام کمائی ہی کیا جائے۔ تب بھی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ کیونکہ وہ بھائیوں کا ابتدائی فسق و فجور کا دور تھا۔ اس وقت کے اعتبار سے تو حضرت یعقوب نے ان کو بھیڑیا دیکھا تھا۔ خاندانِ نبوت کے آثار تو توبہ کے بعد ظاہر ہوئے اس وقت کے اعتبار سے اُن کو ستارے بنا کر دکھایا گیا۔ اور یہ حرام ہونا پہلے نہ تھا۔ یعنی وہ کمائی اور چاندی مالک بن ذعر کی ملکیت میں حرام نہ تھی۔ جب برادرانِ یوسف نے لی تب حرام ہوئی۔ کیونکہ آزاد کو غلام بنا کر بیچنا حرام ہے اور حرام چیز کی قیمت بھی حرام۔ یہ قیمت یوسف کی نہ تھی۔ بلکہ اِن کی غلامیت کو ظاہر کر کے غلامیت کی تھی۔ تیسرا اعتراض۔ پہلی آیات میں فرمایا گیا وَاَوْحَيْنَآ اور یہاں فرمایا گیا۔ وَلَمَّا بَلَغَ۔ اُس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نبوت اس وقت عطا ہوئی۔ جب بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا اور اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ نبوت اس وقت عطا ہوئی جب زلیخا کے گھر میں رہتے ہوئے بھی کئی سال گزر چکے تھے۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب:۔ اس کا ایک

جواب تو یہ ہے جو ہم نے تفسیر میں عرض کیا۔ کہ اَوْحَیْنَا کا معنیٰ ہے الہام جو قبل نبوت اور غیر نبی کو بھی ہو جاتا ہے اور لَمَّا بَلَغَ سے مراد ہے۔ اب تبلیغ نبوت کی اجازت کے لیے علم و حکمت عطا ہونا۔ دوسرا جواب وہ ہے۔ جو تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اَوْحَیْنَا سے وحیِ نبوت مراد ہے اور نبی بنایا جانا۔ اور لَمَّا بَلَغَ سے مراد ہے حضرت یوسف کا رسول بنایا جانا۔ رسول کا درجہ نبوت سے اونچا ہے۔ اس لیے اس کے واسطے علم و حکمت بھی زائد چاہیئے جو آپ عطا ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ۔ حیاتِ ابدی کا پانی ظلماتِ عالمِ ناسوت کے ظلماتِ بحر میں ملتا ہے اسی طرح علمِ الٰہی کا پانی قلب مومن کو ظلماتِ قالب میں نصیب ہوتا ہے۔ اور جب قلبِ حسین حیات ابدی لے کر ظلماتِ ابتلاء کے غیاباتِ الجب سے نکلتا ہے۔ تو اہلِ نظر جمالِ باطن کو دیکھتے ہوئے اَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً کے مقام عظمت اور قدر و منزلت کے آداب بجالاتے ہیں اور نظرِ عرفانی کے اندھے صرف جمالِ ظاہر پر نظر رکھتے ہوئے قلبِ عرفانی کو خواہشاتِ شہوانیہ کے کھوٹے سکوں کے عوض بیچ دیتے ہیں۔ اور اہلِ مکر و فریب اس تجارتِ خسارہ سے خود کو بہت دانشور سمجھتے ہیں مگر امر فطرت ہے کہ جمالِ ظاہر کے لیئے دنیوی خطرات نہیں۔ دشمن زیادہ جمالِ باطن کے ہیں۔ قلب کو ادنیٰ شہوت سے بیچنا بڑی حماقت ہے مگر اوّلاً دل کو صبر و قناعت لازم ہے۔ قلبِ حسین اخروی نفع کی طرف راغب ہوتا ہے تاکہ تجلیِ جمال و جلال کے شرابِ طہور کی مستی میں شواہدِ ربانیہ کا مقام حاصل ہو۔ اسی لیئے منازلِ قلبیہ کے حصول کے لیے مجاہدۂ نفسی و طبعی ضروری ہے۔ لیکن طبیعۃ نفس اور قوتِ حواس اپنے تقاضوں کو اور شہوتوں کو پورا کرنے کے لیئے حقیقتِ دل اور اصلیتِ قلب کو نہیں پہچانتے۔ کیونکہ ناسوتِ کنعان کے بیابانِ مکر و فریب میں ہیں۔ ہاں اگر قلب کے حسنِ اصلی کی عزت دیکھنی ہے تو معرفتِ مصادر بازار تجلیات میں محلاتِ عشقِ حق میں دکھائی جاتی ہے۔ جہاں طالبِ دل حبیب قلب عشقِ حقیقی سے خطاب فرماتا ہے۔ وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ جب یوسفِ قلب طبیعت کے اندھیرے کنوئیں اور ظالم ناقدرے حواس عشرہ کے چنگل سے نکل کر مصرِ شریعت میں داخل ہوا تو دلائلِ شریعت کے مربی عزیز قانون نے کہا کیونکہ قلب کا سچا خریدار اور ذاب مصر کا صحیح منتظم یہی تھا۔ اپنی عورت محکوم دنیا سے کہا کہ خدمت و اکرام سے مقام طاہر بستر طیب سجادۂ طریقت قلب مزین کیلئے بنا تاکہ راہ عزلت میں عالمِ حقیقت کی طرف وصل پائے اور منزلِ جسد میں بقدر ضرورت خدمت کرے۔ زمانۂ فیضان قلب قریب ہے جب یہ انوارِ شریعت سے ہم کو نفعِ وصل دے اور یا ہم

شریعت اور دنیا مل کر قانون شرعی اور قدرت طریقت کے دودھ سے اور لذات دنیا سے پرورش کر لیں۔ اور گہوارہ شریعت کے حدود میں رہکر حلال و طیبات دنیوی سے فرمانبردار بچہ بن جائے۔ جب قلب جسد زمین بشریت میں شریعت اور دنیا محبت کی پرورش میں سکون و قوت پالیتا ہے تب رب قدیر کی طرف سے صوتِ سرمدی کا آوازۂ شیدائی بلند ہوتا ہے کہ ہم نے اسیطرح یوسف قلب کو زمین بشریت میں سکونت و حکومت و قدرت و طاقت بخشی۔ اور یقیناً ہم ہی قلب مطہرہ کو اسرار غیوب کی باتوں کا نور و شعور عطا فرماتے ہیں۔ پس جیسے درختانِ نباتیہ کی جڑیں مضبوط ہوں تو پھول و پھل لگتے ہیں اسی طرح شجر قلب کی جڑ جب انسانیت کاملہ کی مٹی میں مضبوط ہو جائے تو چنستانِ قلبی میں علوم دینیہ کے غنچے معارفِ حقیقیہ کے پھول اور مشاہداتِ ربانیہ کے پھل لگتے ہیں۔ اور اللہ ہی غالب ہے دل کی تمام کیفیات پر قلب کے تمام امر پر رب تعالیٰ کا ہی غلبہ ہے وہاں کسی باطل کا حکم نہیں چلتا۔ اس لئے دلِ انسانی اللہ کی محبت و طلب میں شاغل رہتا ہے۔ جذباتِ عنایات میں حکم ربانی کا ہی غلبہ ہے وہی اللہ قلب کو فتار عارضی کے صراط مستقیم سے بچا کر اسی راہ کے ذریعے تختِ بقا پر بٹھاتا ہے جہاں انانیتِ نفس کا خاتمہ ہے اور تصرفاتِ بقایا فتہ مَعَ اللّٰہِ وَ بِاللّٰہِ یعنی اللہ کے غالب امر سے ذاتِ احدیت میں اسی کے لئے بقا ہے لیکن اکثر عوام اور اہل حواس اسکو نہیں جانتے کہ زمینِ قالب میں حواسِ جسدیہ صرف کمال کے حصول و قبول کی کوشش کے لئے پیدا کئے گئے ہیں نہ کہ میدان نقصان و خسارے میں سرمستی کرنے کے لیے۔ عالم جبر و قدر میں نفس کا حصہ جہالت ہے جو عطاءِ ابلیسیت ہے اور قلب کا حصہ علم جو عطاءِ رحمانی ہے جہالت بری ہے کیونکہ جہنم کی خاردار جھاڑیاں ہیں۔ علم اچھا ہے کیونکہ نور کے چھپر کھٹ ہیں۔ علم دو قسم ہے۔ علم شریعت، علم طریقت۔ شریعت نعمت ہے اور طریقت احسانِ ربانی ہے۔ علوم کا شہنشاہ علم باللہ ہے کہ اس سے صفائی باطن اور آئینۂ قلب کی جلا ہے جاہل کے اعمالِ خیر زیادہ ہوں تو بھی نفع تھوڑا۔ علم باللہ کے تھوڑے اعمالِ خیر بھی زیادہ نافع ہیں۔ عالم وہی ہے جس نے ظاہر سے باطن کو پا لیا۔ شریعت سے معرفت کو پا لیا ورنہ جاہل ہی ہے۔ اکابرین کی نظر اصلاح قلب کی طرف ہوتی ہے نہ کہ قالب کے زنجیروں میں۔ قلب نظرِ خالق کا مظہر ہے اور قالب نظرِ مخلوق کا مظہر ہے۔ جب اصلاح قلب مکمل ہوتی ہے۔ تب پیغام ربانی ہوتا ہے وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔ اور جب چمنستانِ شریعت کی پر بہار حدود حفاظت میں رہکر یوسف قلب فیضانِ الٰہی واردات ربانی کے قبول کرنے کی طاقت و لیاقت میں اپنے قوتِ کمال کو پہنچ گیا تو ہم نے اپنے کرم عمیم سے اس قلب کو سلطنتِ قالب عطا کی اور علم احکام بخشا۔ حکمتِ الٰہیہ اور علم لدنی کے موتی اور پھول نچھاور کئے اور تمام اعضاءِ رئیسہ اور اعمالِ جوارح کو جب وہ اخلاق شریعت و اعمالِ طریقت و انصارِ معرفت سے محسن بن جائیں اسی طرح ہم مقام حقیقت پر پہنچا کر نظارۂ تجلیات کا بدلہ و جزاءِ خیر دیتے ہیں کیونکہ کمالِ علمی افضل ہے کمال عملی سے اور علمی کمزوری شدید ہے عملی کمزوری سے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں۔ کہ علم سے ایمان ہے اور ایمان سے مومن ہے اور مومن دانا۔ عاقل اور خائف ہے۔ ایمان درخت ہے علم اس کی جڑ ہے مومن اس کا پھل ہے اور اس درخت کی چودہ شاخیں ہیں۔ ۱۔ ایمان مثلِ کشتی ہے کہ پار لگاتا ہے ۲۔ ایمان مثلِ عرش ہے کہ سب کے اوپر ہے۔ ۳۔ مثلِ آسمان ہے کہ سب نور اسی میں ہیں ۴۔ مثلِ سورج ہے کہ سب اندھیرے ختم کرتا ہے ۵۔ مثلِ تارہ ہے کہ ہدایت دیتا ہے ۶۔ مثلِ زمین کی مٹی ہے کہ سب کچھ اگاتا ہے ۷۔ سونے کی مثل ہے کہ ہر چیز اس سے مل جاتی ہے ۸۔ مثل چاندی کے بے ملاوٹ ظاہر ہو جاتی ہے۔ ۹۔ ایمان مثلِ دریا ہے کہ پلیدی دور کرتا ہے ۱۰۔ مثلِ چمن ہے کہ زینت دیتا ہے۔ ۱۱۔ مثلِ مشک و عنبر ہے کہ دور تک خوشبو دیتا ہے۔ ۱۲۔ مثلِ کافور ہے کہ قلبِ مومن کو ٹھنڈک دیتا ہے ۱۳۔ مثلِ عصاءِ موسوی ہے کہ باطل کے سب سانپ فنا ہوئے ۱۴۔ مثل انگوٹھی کے ہے کہ نشانِ بادشاہت ہے۔ (روح البیان امام غزالی)

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ

اور ورغلایا اس کو اس عورت نے وہ تھا میں گھر جس کے سے خواہشات اسکی سے اور بند کیے

اور وہ جس عورت کے گھر میں تھا اس نے اسے بہلایا کہ اپنا آپا نہ روکے اور

الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ

عورت نے دروازے اور بولی آجا تیرے ہی لیے فرمایا پناہ اللہ کی بیشک وہ مربی

دروازے سب بند کر دیئے اور بولی آؤ تمہیں سے کہتی ہوں کہا اللہ کی پناہ وہ

رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

ہے میرا اچھا بنایا اس نے رہائش گاہ شان یہ ہے کہ نہیں کامیاب ہوتے ظلم کرنیوالے

عزیز تو میرا رب یعنی پرورش کرنے والا ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا بیشک ظالموں

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ

اور البتہ بیشک ارادہ کر لیا عورت نے کا اس اور ارادہ کر چکے ہوتے کا اس اگر نہ دیکھ لیتے برہان کو

کا بھلا نہیں ہوتا اور بیشک عورت نے اسکا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے

رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ

رب اپنے کی اسی طرح البتہ پھیرتے رہیں گے ہم سے اس مصیبت کو اور برائی کو کہ

رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا ہم نے یونہی کیا کہ اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

بیشک وہ سے بندوں ہمارے اخلاص والوں

بیشک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے ہے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت یوسف کی دنیوی ابتلاؤ مشکلات کا ذکر ہوا اب دینی آزمائشوں اور مشکلات کا ذکر شروع ہوا **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں

بھائیوں کی طرف سے عداوت و دشمنی کی بنا پر پہنچی ہوئی مصیبتوں کا ذکر ہوا اب یہاں عشق و محبت کی بنا پر پہنچی ہوئی مشقتوں کا آزمائشوں کا ذکر ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں ان تکلیفوں کا بیان ہوا جن سے بچنا اپنے اختیار میں نہ تھا۔ ان تکلیفوں کا ذکر ہوا جن سے بچنا اپنے اختیار میں تھا **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں یوسف کو دیکھنے والی مختلف نظروں اور نظریات کا ذکر کیا گیا اب زلیخا کی نظر کا ذکر کیا گیا کہ جب زلیخا نے دیکھا تو کیا نظریہ قائم کیا۔ گویا کہ یوسف ایک دیکھنے والوں کے خیالات مختلف۔

تفسیر نحوی وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ واؤ سر جملہ۔ رَاوَدَ دَتْ فعل ماضی مونث واحد رَوْدٌ سے بنا بمعنی قلبی خواہش کو نرمی سے ظاہر کرنا خواہ دنیوی خواہش یا دینی خواہ اچھی یا بری۔ اس کی ابتدا میلان نفس سے ہوتی ہے اور انتہا اظہار لسان یا افعال سے ہوتی ہے۔ باب مفاعلۃ بغیر مشارکت ہے کیونکہ متعدی بیک مفعول ہے ہ ضمیر مفعول بہ کا مرجع یوسف ہیں اَلَّتِي اسم موصول مونث ہے صفت ہے ہی ضمیر مستتر فاعل کی هُوَ ضمیر منفصل مبتدا ہے جملہ اسمیہ صلہ ہے فِي جارہ ظرفیہ سے پہلے مَوْجُوْدٌ یا سَاكِنٌ یا مُقِيْمٌ پوشیدہ خبر مبتدا ہے بَيْتٌ اسم جامد ہے بروزن عَيْبٌ اور مصدر بھی ہوتا ہے۔ بروزن بِيْتٌ بمعنی رات گذارنا یہاں مراد ہے گھر ھا ضمیر غائب کا مرجع رَاوَدَتْ کا فاعل مونث ہے۔ عَنْ جارہ بمعنی باء سببیہ ہے یا بمعنی مِنْ تعلیلیہ مگر صحیح یہ ہے کہ عَنْ زائدہ نفس سے مراد ذات یعنی شخصیت ہے یا دل ہ ضمیر کا مرجع یوسف واؤ عاطفہ عطف ہے فعل کا فعل پر غَلَّقَتْ فعل ماضی بصیغہ واحد مونث باب تفعیل میں آکر زیادتی کے معنی پیدا ہوئے یعنی سختی سے دروازے بند کئے غَلْقٌ سے بنا۔ اَلْاَبْوَابُ الف لام عہدی ہے ابواب جمع مکسر ہے بَابٌ کے بمعنی دروازہ واؤ بمعنی ثُمَّ قَالَتْ مونث کا صیغہ یہ قول ہے اسی مونث کا اگلی عبارت مقولہ ہے۔ هَيْتَ نحل امر ہے اس کی لغت میں چار قول ہیں ۱۔ یہ اسم فعل ہے بمعنی امر حاضر ۲۔ یہ اسماء تخصیص میں سے ہے۔ ۳۔ یہ عبرانی لفظ ہے ۴۔ یہ عربی لفظ ہے هَيٌّ سے بنا باب سَمِعَ سے ہے۔ واحد حاضر ماضی بمعنی امر۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ یہ لفظ عربی ہے اسماء افعال سے ہے بمعنی جلدی آ۔ امر ہے۔ یا جلدی کر مبنی بر فتح ہے۔ لَكَ میں لام بیانیہ ہے۔ كَ ضمیر واحد حاضر کی تاکید کے لئے هَيْتَ واحد جمع اور تثنیہ سب کے لئے مستعمل ہے لہٰذا اس کے بعد لَكَ لَكُمَا۔ لَكُمْ لَنَا لَهُنَّ لَكُنَّ سب ضمیریں آسکتی ہیں۔ بعض نے کہا هَيْتَ مصدری معنی میں ہے اور لَكَ اس کے متعلق ہے۔ یعنی جلدی آنا ضروری ہے تیرے لئے قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ یہ جوابی قول ہے۔ اس کا فاعل یوسف مَعَاذَ۔ اسم ظرف دراصل مَعْوَذٌ تھا بمعنی چھپنے کی جگہ مراد ہے پناہ یہ مقولہ ہے قول کا یہاں فعل اَطْلُبُ پوشیدہ ہے یہ اس کا ظرف ہے یا مفعول بہ ہے قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ إِنَّ حرف تحقیق ہ ضمیر اسم إِنَّ کا مرجع ذہنی ہے۔ یا یہ ضمیر شان ہے رَبٌّ بمعنی مُرَبِّی سے مراد عزیز مصر ہے یاء متکلم مضاف الیہ ہے أَحْسَنَ فعل ماضی کا فاعل رَبِّی کی ضمیر هُوَ مستتر ہے۔ مثوا اسم ظرف ہے بحالت زبر بمعنی رہائش گاہ یاء متکلم مضاف الیہ إِنَّ حرف تحقیق ہ ضمیر شان۔ لَا يُفْلِحُ مضارع بمعنی حال یا مستقبل۔ اَلظّٰلِمُوْنَ۔ الف لام استغراقی ظالمون جمع ہے ظالم کی

ظُلم سے بنا بمعنی نقصان کرنے والا وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ۔ واؤ ابتدائیہ هَمَّتْ فعل ماضی بصیغہ واحد مونث هَمّ مضاعف ثلاثی سے بنا بمعنی پختہ ارادہ کرنا باء جارہ بمعنی مع مفعولیت کے لئے ہے ہ ضمیر کا مرجع یوسف۔ واؤ سر جملہ ہے هَمّ نیا جملہ ہے اسی فعل کا مذکر صیغہ ہے یہ جملہ فعلیہ جزاء مقدم ہے اور لولا کا جواب یعنی جزا کا مقدم ہونا جائز ہے تمام نحات کوفہ اس پر متفق ہیں بصری نحویوں میں سے مبرد نحوی بھی جائز مانتے ہیں چند نحویوں نے اس کو ناجائز کہا ہے امام رازی نے فرمایا ضرورۃً جائز ہے با بمعنی مع ھا ضمیر مونث غائب کا مرجع هَمَّتْ کا فاعل ہے۔ لَوْ حرف شرط۔ لانا فیہ دراصل تھا لَا یَکُوْنُ اَنْ ناصبہ یا اَنْ ان تھا رَاٰی ماضی مطلق بمعنی شرط متعدی بیک مفعول ہے رَاٰیٌ سے بنا بمعنی دیکھنا مہموز العین و ناقص یائی۔ بُرھان۔ وہ دلیل جو ہر طرح مضبوط ہو بروزن فعلان عثمان الف نون زائدتان ہے برُہٌ سے بنا ثلاثی ہے بعض نے کہا رباعی ہے بَرْھَنٌ سے بنا بروزن سُرْوَالٌ۔ بمعنی مطلق۔ دلیل بوجہ مضاف بطرف رَبِّهٖ کے مضبوطی پیدا ہوئی۔ رب بمعنی اللہ تعالیٰ ہ کا مرجع یوسف كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ۔ کذٰلک حرف تشبیہ۔ مشبہ بہ۔ سابقہ متصلہ جملہ۔ لِنَصْرِفَ فعل امر فعل امر بصیغہ جمع متکلم۔ عَنْ ظرفیہ بمعنی مِنْ ہ کا مرجع یوسف السُّوْٓءَ الف لام جنسی ہے سوء سے مراد یا گناہ صغیرہ یا۔ اسباب گناہ یا خیانت یا ہے عام گناہ۔ بغیر فحش واؤ عاطفہ ہے الفحشاء الف لام استغراقی ہے جمع ہے فحش کی مراد ہر قسم کی بے حیائی اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ اِنَّ حرف تحقیق ہ ضمیر اسم ان کا مرجع یوسف علیہ السلام ہیں مِنْ تبعیضیہ عباد جمع عبد کی۔ عَبْدٌ مصدر بمعنی عابدٌ نا ضمیر متکلم کا مرجع ذات باری تعالیٰ اَلْمُخْلَصِيْنَ۔ الف لام استغراقی مخلصین یا اسم فاعل ہے باب افعال کا لام پر زیر ہے مخلص کی جمع خلص سے بنا بمعنی خالص کرنے والا۔ عبادت کو اللہ کے لئے یا یہ اسم مفعول جمع ہے اسی باب اور اسی مادہ سے بمعنی چنا ہوا۔ جمع ہے مُخْلَص کی بفتح لام۔

تفسیر عالمانہ

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ۔ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ حیات یوسفی کا ایک دور ختم ہوا اور دوسرا شروع ہوا جس کی ابتداء اَكْرِمِيْ مَثْوٰهُ سے ہوئی۔ اس زندگی کی دوسری واردات یہ ہے کہ اور بہلایا پھسلایا صرف اس عورت زلیخا نے ہی اسی یوسف کو جس کے گھر میں یوسف رہتے تھے جب خوب جوان ہو گئے اس وقت یعنی بعمر اٹھارہ یا بیس سال اس یوسف کی ذات یا نفس امارہ کے ذریعے کہ یہ نفس امارہ کی خواہش سے مجھ پہ آجائیں یا اپنی ذات میرے حوالے کر دیں اور اس یوسف کے لئے خصوصی بنائے ہوئے مکان کے ساتوں کمروں کے سب دروازے خوب مضبوطی سے بند کر دیئے یعنی تالے لگا دیئے اور دور کھڑے یوسف کو پکارا اور کہا کہ آجا یہ سب کچھ حسن زینت۔ میں اور میرا فلیش تیرے ہی لئے ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کی پناہ لفظ معاذ مصدر میمی ہے یا مفعول مطلق ہے برائے تاکید یا مفعول بہ ہے پہلی صورت میں اصل معنی ہے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مَعَاذًا۔ اسی خیانت سے جو تو کرانا چاہتی ہے بے شک وہ میرا اللہ میرا رب ہے یا وہ تیرا خاوند یقیناً میرا مربی ہے۔ یا وہ عزیز مصر تیرا خاوند میرا آقا ہے مالک ہے میں اس کا غلام ہوں۔ ربی کے بارے میں پہلے دو

قول درست ہیں مگر یہ تیسرا قول ضعیف اور غلط ہے کیونکہ نہ یوسف علیہ السلام شرعًا غلام تھے نہ ان کو بیچنا خریدنا کسی کے لئے جائز تھا پچھلی آیات وَشَرَوْهُ فرمانا اور پھر اِشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ فرمانا مجازًا ہے یعنی انہوں نے اپنی طرف سے اپنے معلومات کے مطابق بیچ دیا اور یوسف علیہ السلام نے بتایا بھی نہیں کہ میں آزاد ہوں اس لئے شریعت میں وہ کمائی حلال ہے کیونکہ بائع اور خریدار کو صحیح حالات کا علم نہیں۔ لیکن حقیقتًا یوسف غلام نہ بنیں گے اس لئے خود یوسف علیہ السلام کا کہنا کہ وہ میرا مالک ہے میں اس کا غلام ہوں ہرگز نہیں ہو سکتا اس لئے یہ تیسری تفسیر غلط ہے۔

مسئلہ:۔ اگر ایک آدمی کوئی عورت لونڈی ظاہر کر کے بیچ دے لونڈی بھی خاموش رہے اصلیت نہ بتلائے تو خریدار کو وطی جائز اولاد حلالی ہو گی تاجر بائع اگر اصلیت سے واقف ہے تو یہ قیمت اس کے لئے حرام ہے ورنہ حلال۔ کیونکہ آزاد کو بیچنا حرام ہے حرام کام کی کمائی بھی حرام ہوتی ہے۔ ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ وہ میرا پرورش کرنے والا مربی ہے۔ اس نے مجھ کو بہت آرام کی رہائش دی ہے۔ اس طرح کہ بہت خوبصورت مکان آس پاس باغ اچھی خوراک خوبصورت لباس پھر غلام سمجھنے کے باوجود کوئی خدمت نہیں لیتا بلکہ خدمت کے لئے غلام دیئے میں سارا دن فارغ رہتا ہوں۔ روایت ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے دنوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ پہلے حصے میں نماز پڑھتے رہتے دوسرے حصے میں یاد الٰہی میں روتے اور تفکر کرتے رہتے تیسرے حصے میں تسبیح و تہلیل ورد وظائف میں مشغول رہتے۔ رات میں نہ جانے کیا کرتے یہ بھید نبی کا ہے جس کو بجز خدا کوئی نہیں جانتا۔ زلیخا نے ایک دفعہ عشق میں وارفتہ ہو کر بلایا تو آپ اپنے باغ میں بھاگ گئے زلیخا سمجھی شاید آپ کو یہ باغ یہ مکان بہت پسند ہے اس لئے وہاں کے علاوہ کہیں نہیں جانا چاہتے تب زلیخا نے محض خلوت اور قرب یوسف کے لیے اس سے بھی زیادہ خوبصورت مکان سات کمروں والا بنایا اور کمرے کے اندر بنایا اور یوسف کو کہا کہ آئیں تجھ کو اپنا مکان دکھاؤں یہ سب مکانات عزیز مصر کے بہت بڑے قلعہ نما محل کے اندر ہی بنائے گئے حضرت یوسف مکان کے دیکھنے کی نیت سے چلے گئے اور وہ پیچھے تالے لگاتی رہی جب آخری کمرے کے دروازہ کو تالا لگا دیا اور کمرے میں پرستش کے بتوں پر کپڑے کا پردہ ڈال دیا پھر دعوت گناہ دی آپ نے فرمایا میرے رب کے مجھ پہ اتنے کرم ہیں کہ اس نے بیگانوں کو اپنا بنا دیا عیش و عشرت دیا۔ کیا یہ ظلم نہیں کہ میں اسی کا جرم اسی کا گناہ کروں۔ یاد رکھو اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ بے شک میرا اللہ ظالموں کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیتا۔ اے زلیخا تو اپنے جھوٹے معبودوں سے غیرت رکھتی تو کیا میں اپنے غیب دان ہر جگہ حاضر معبود اللہ تعالیٰ سے غیرت نہ رکھوں۔ روایت ہے زلیخا خود اتنی حسینہ تھی کہ جب یوسف علیہ السلام نے اس کو اس طرح بنا ٹھنا دیکھا تو بارگاہ رب کریم میں عرض کیا کہ مولیٰ معصوم کے سوا تیرے اس سے کوئی بچ نہیں سکتا جب یوسف علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کی تعریف زلیخا کے سامنے کی تو زلیخا نے کہا اگر تیرا معبود تجھ سے ناراض ہو تو میں اپنے سارے خزانے اس کے بندوں پہ نثار کر کے اس کو راضی کر لوں گی وہ تجھ سے راضی ہو جائے گا آپ نے فرمایا میرا رب صرف پرہیزگاروں کے ہدیے قبول کرتا ہے۔ اللہ نے زلیخا کی بھی تین باتیں ظاہر کیں گناہ کا ارادہ۔ پھسلانا۔ دروازے بند کرنا اور یوسف علیہ السلام

کی بھی تین باتیں ذکر کیں۔ خدا کی پناہ۔ وہ میرا رب ہے۔ اس نے مجھ کو اچھا ٹھکانا دیا۔ ثابت ہوا کہ نبی کے پاس اچھائی ہی ہوتی ہے اور جو نبی سے دور ہو اس کے پاس صرف برائی ہی ہوتی ہے۔ امام غزالی نے فرمایا کہ زلیخا کا احسان عزیز کے احسان سے زیادہ تھا مگر وہ گناہ سے لتھڑ گیا اس لئے احسن مثوای کی نسبت عزیز کی طرف ہوئی نہ کہ زلیخا کی طرف اس کی سب محنت برباد گئی۔ کیونکہ گناہ دنیا کی ذلت ہے آخرت کی حسرت ہے۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۔ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۔ اِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ اور البتہ بیشک اس عورت نے جس کا نام راعیل بنت طیموس تھا اس گناہ کا بالکل ارادہ کر لیا تھا۔ بلکہ کئی دن سے اسی اہتمام و انتظام میں اور موقع کی تلاش میں لگی ہوئی تھی۔ ھَمّ اس ارادۂ قلبی کا نام ہے جس کو ابھی کیا نہ ہو مگر اسباب پورے مہیا ہوں ارتکاب بالکل قریب ہو اور آمادگی و رضا و چاہت پختہ ہو۔ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ زلیخا اس وقت اپنی عمر میں پہلے گناہ کی طرف بالکل مائل یہ کام ہے معصومیت یوسف کا کہ جس نے دونوں کو گناہ سے بچائے رکھا۔ ہاں اس میں بہت روایتیں ہیں کہ حضرت یوسف کا اس وقت کیا حال ہوا۔ یہود و نصاریٰ نے اس بارے میں بڑی بڑی نجیبتا نہ بکواسات کی ہیں اور ہمارے بعض مفسروں نے اندھا بن کر ان کو نقل کر دیا مگر میں اُن کا دہرانا بھی کفر سمجھتا ہوں کیونکہ گستاخی نبی کا ارتکاب ہے اور بلا وجہ اسرائیلیات کی تشہیر ہے۔ ہاں ہمارے سلجھے ہوئے مفسرین نے دو باتیں بیان کی ہیں۔ اگرچہ میں ان سے بھی متفق نہیں مگر ان کے نقل کرنے میں مضائقہ نہیں ایک قول یہ ہے کہ ھَمَّ بِہَا اور یوسف بھی اس کے قتل کا ارادہ کر لیتے۔ یعنی زلیخا نے گناہ کا ارادہ کر لیا اور یوسف نے اس کے قتل۔ دوسرا قول یہ کہ زلیخا نے گناہ کا ارادہ کر لیا تھا اور یوسف نے حسن زلیخا کو دیکھ کر اپنے قوت مردمی میں ھیجان محسوس کیا اگرچہ فعل بد سے متنفر ہی رہے جیسے کہ کوئی جانور کو صحبت کرتا دیکھ کر انسان کی مردمی قوت میں ھیجان پیدا ہوتا ہے حالانکہ اس جانور سے صحبت کرنا قطعاً گوارا نہیں ہوتا یا جیسے کہ سخت بھوکا آدمی گائے بھینس کو کھاتا دیکھ کر بھوک کا ہیجان محسوس کرتا ہے یا پیاسا آدمی کتے کو نالی سے پانی پیتا دیکھ کر اپنی پیاس کی شدت محسوس کرتا ہے۔ حالانکہ اس کھانے پینے سے طبعی متنفر ہوتا ہے۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام گناہ سے متنفر رہتے ہوتے قوت مردمی کا ھیجان محسوس کرنے لگے۔ اور یہ اس لئے ہوا کہ آپ کوئی خنثیٰ نہ تھے بلکہ قوت مردمی والے جوان تھے۔ اور عصمت انبیاء صرف گناہ کی قدرت کو ختم کرتی ہے نہ کہ قوت مردمی کو۔ قوت مردمی کا ہیجان تو کئی دفعہ چلتے پھرتے بھی ہو جاتا ہے تیسرا قول یہ بھی ہے کہ جس طرح کئی سال پہلے زلیخا نے خواب میں جمال یوسف دیکھا اور سنا کہ یہ شخص تیرے لئے ہے اسی طرح حضرت یوسف نے بھی کئی سال پہلے خواب میں زلیخا کو دیکھا اور سنا تھا کہ یہ عورت تیرے لئے ہے آج جب یہ خلوت ہوئی تو زلیخا گناہ پر آمادہ ہوئی اور یوسف اس کو اپنا بنانے پر آمادہ ہوتے اور ارادہ کیا کہ اس کو بیوی بنا لینا چاہیئے۔ یہ قول امام غزالی نے پسند کیا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ سب باتیں بیکار ہیں اور روش کلام کے خلاف۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت یوسف کے قطعاً کوئی بھی ارادہ نہ کیا نہ اچھا نہ برا۔ قرآن مجید ارادے کی نفی فرما رہا ہے۔ اس لئے کہ ارتکاب فعل کی تو

دونوں سے نفی ہے فرق ارادے میں ہوا اگر ارادہ دونوں کا ثابت ہو تو لَوۡلَاۤ نہ آتا حرفِ لَوۡ ماقبل کو توڑتا ہے بتایا یہ جا رہا ہے کہ زلیخا نے تو ارادہ کر لیا تھا یوسف ارادہ کر لیتے۔ یعنی کیا نہیں اَنۡ رَّاٰ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ اگر برہان الہٰی نہ دیکھ لیتے ثابت ہو گیا کہ برہان کو ارادہ سے پہلے دکھایا گیا۔ ابھی ارادے کی مہلت نہ ملی۔ کہ برہان دیکھ لی برہان میں پندرہ قول ہیں ۱ ایک پرندہ جس نے کان میں پچھلے واقعات یاد دلاتے ۲ شکل یعقوب علیہ السلام دیکھی ۳ نور ازلی دیکھا جس سے متوجہ الی اللہ ہو گئے یہی قول قوی تر ہے ۴ بتوں پر پردہ دیکھ کر غیرت ایمانی کا غصہ آگیا ۵ خود اپنے دل سے آواز آئی اے اللہ کے نبی یہ امتحان گاہ ہے ۶ قدرت الٰہی سے مکان کی چھت چر گئی اور دونوں کی توجہ ہٹ گئی ۷ زمین کو دیکھا تو ایک کلام صحف ابراہیم لکھا دیکھا جس میں بدی کے انجام کا ذکر تھا ۸ فرشتہ آیا جس نے توجہ ہٹا دی ۹ عزیز مصر کی آواز سنائی دی ۱۰ زلیخا بہت بدصورت نظر آئی کہ یہ شکل قابل نفرت ۱۱ جنت کی حور نظر آئی جو زلیخا سے کہیں زیادہ حسینہ تھی۔ ۱۲ غیبی آواز آئی جس سے توجہ ہٹی ۱۳ کنعانی دوتن والا کنواں نظر آیا تو خوف سے رونگٹے کھڑے ہو گئے انعامات ربانی یاد آگئے ۱۴ بڑا اژدھا نظر آیا جس نے کہا میں زانیوں کا عذاب ہوں ۱۵ الہام ہوا کہ ہم نے تم کو نور نبوت سے نوازا ہے تم نے معاذ اللہ کہہ کر ہماری پناہ لی جو ہم کو یاد کرتا ہے ہم اس کے ہو جاتے ہیں اور اسی طرح اس یوسف کو خطاؤں یا گناہوں یا فریب کے جالوں سے ہم پھیرتے رہیں گے اور فحش بدکاریوں سے۔ یعنی جس طرح برہان دکھا کر ہم نے یوسف کو ارادہ سے پھیر دیا۔ متوجہ الی اللہ کر لیا آئندہ بھی اس کو سُوٓء یعنی خیانت اور فحشا یعنی ہر قسم کے فسق سے ہم پھیر دیں گے کہ قدرت نہ پائیں گے یہ کرم نوازیاں سب اس لئے ہیں کہ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِيۡنَ بے شک وہ یوسف ہمارے خالص کئے ہوئے بندوں میں سے ہے۔ لہٰذا شیطان کا اس پر تسلط قطعًا نہیں ہو سکتا کیونکہ شیطان نے جب کہا تھا کہ میں تیرے بندوں کو اغوا کروں گا تو ساتھ ڈر کر کہہ دیا تھا کہ تیرے خالص بندوں پر میری ہمت نہیں ہے۔

فائدے ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ**: انبیاء کرام کو گناہ کا صدور تو درکنار خیالِ گناہ بھی لاحق نہیں۔ زلیخا سامنے ہے یوسف دیکھ رہے ہیں اس موقعے پر گناہ کا خیال آنکھ کا زنا بن جاتا اور یہ بھی گناہ کبیرہ اس کی توبہ لازم اگر یہ ارادہ بھی ثابت ہو تو حضرت یوسف ؑ پر توبہ فرض تھی اگر توبہ کرتے تو قرآن مجید میں ضرور مذکور ہوتی اور اگر توبہ نہ کی تو مجرم ہوتے نہ کہ مخلص حالانکہ رب تعالیٰ نے ان کو مخلص فرمایا ثابت ہوا کہ ارتکاب یا ارادہ تو درکنار خیال تصور سے بھی پاک و منزہ ہیں یہ فائدہ مخلصین فرمانے سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ**: انبیاء کرام ہر آن الی اللہ ہوتے ہیں دیکھو یوسف علیہ السلام زلیخا کی دعوت کو رد بھی کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ حمد باری تعالیٰ کرتے جا رہے ہیں جس سے تبلیغ ایمان بھی ہو رہی ہے یہ فائدہ معاذ اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: حضرت یوسف ؑ زلیخا کے پاس نہ گئے بلکہ زلیخا یوسف کے پاس آئی آپ آگے آگے ہیں مکان دیکھ رہے ہیں اور زلیخا پیچھے پیچھے دروازہ بند کرتی آ رہی ہے۔ اسی لئے ہر فعل مونث آیا اور ہر فعل کا فاعل زلیخا کو بنایا یہ فائدہ راودت اور غلقت کے مونث فرمانے سے حاصل ہوا

چوتھا فائدہ یوسف علیہ السلام نے کسی قسم کا کوئی ارادہ بھی نہ کیا یہ فائدہ ھَمَّتْ اور ھَمَّ کو الگ کرنے سے حاصل ہوا اگر دونوں نے کچھ ارادے کئے ہوتے تو ایک صیغہ بول دیا جاتا کافی ہوتا **پانچواں فائدہ** انبیاء کرام اللہ کی برہان ہوتے ہیں یہاں یعقوب علیہ السلام کو برھان فرمایا اور قَدْ جَاءَ کُمْ بُرْھَانٌ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو برہان فرمایا یہ فائدہ بُرْہَان کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ برہان اس دلیل کو کہتے ہیں جو دعوے کی شل بن کر دعوے کو ثابت کرے اور کسی سے ٹوٹ نہ سکے رب تعالیٰ کے دعوے میں علیم ہونا۔ خبیر ہونا۔ مالک کائنات ہونا۔ حاجت روا مشکل کشا ہونا۔ حاضر و قریب ہونا تو اب برھان وہی ہو سکتی ہے جس میں یہ عطائی کمالات ہوں اور خود علیم ہو کر خبیر مشکل کشا ہو کر ثابت کرے کہ جب میں عطا سے یہ کام کر سکتا ہوں اور اتنی طاقت رکھتا ہوں تو ذاتی قوتوں والا کتنا عظیم ہوگا اس کی مثال یوں ہے کہ ایک استاد کہتا ہے میرا علم دیکھنا ہے تو میرے فلاں شاگرد کو دیکھو لازمی بات ہے کہ اس شاگرد میں استاد کے عطا کردہ استاد جیسے علمی جوہر ہوں گے۔ ورنہ استاد لوگوں کے سامنے اس کو پیش نہ کرتا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا رَاوَدَتْہُ یہ فعل باب مفاعلۃ کا ماضی مطلق ہے باب مفاعلۃ کی خاصیت ہے دو طرفہ کام ہونا۔ جیسے مقاتلہ ایک دوسرے سے جنگ کرنا۔ مقابلہ ایک دوسرے کے سامنے آنا تو لازم آیا کہ اس کا معنی ہو ایک دوسرے کو بہلانا ورغلانا پھسلانا **جواب** ہر فعل میں اصل صیغہ مذکر ہوتا ہے اور اصلیت میں عموم ہوتا ہے۔ جب اصل سے ہٹا کر عارضی چیز بیان کی جائے تو عمومیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں راودت مونث صیغہ بول کر ثابت کیا جا رہا ہے کہ یہاں دو طرفہ یہ فعل نہیں۔ جیسے چور کا پیچھے کرنے کے لئے عَاقَبْتُ بولا جاتا ہے یعنی گھر والے نے ہی چور کا پیچھا کیا یہ مطلب نہیں کہ چور نے گھر والے کا اور گھر والے نے چور کا پیچھا کیا۔ بعض نے اس کا جواب یہ دیا کہ چونکہ راودت کے بعد واحد کی ضمیر مفعول بہٖ بن رہی ہے اس لئے باب مفاعلۃ کی وہ خاصیت یہاں باقی نہ رہی اگر بالکل مفعول بہٖ مذکور نہ ہوتا یا تثنیہ مفعول بن جاتا اگرچہ یہ مشکل ہے تب دو طرفہ ورغلانا مراد ہوتا۔ بعض نے جواب دیا کہ باب مفاعلۃ کی یہ خصوصیت لازمی حتمی اور قاعدہ کلیہ نہیں کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ مہمانوں کی خاطر مدارات کرنا۔ ڈاکٹر یا حکیم کا بیمار کی مداوت کرنا یعنی علاج اور دوائی کرنا یہاں دو طرفہ دوائی کرنا مراد نہیں ہو سکتا کہ ڈاکٹر نے بیمار کی اور بیمار نے ڈاکٹر کی دوائی کی اسی طرح یہاں راودت میں ہے۔ **دوسرا اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید میں بڑے اہم واقعات آئے ہیں جن کی عورتوں کا ذکر ہے مگر بجز حضرت مریم کے کسی عورت کا نام ذکر نہیں ہوا کہ اہم زلیخا کا نام ذکر نہیں حالانکہ دراز واقعہ بیان کیا گیا **جواب** منشاء باری تعالیٰ یہ ہے کہ عورتوں کو پردے میں رکھا جائے یہاں تک کہ اس کا نام بھی عورت یعنی پردہ ہی بنا رہے اور یہ بندوں کو سبق سکھایا گیا کہ اے بندو عورتو مردو خبردار اپنی عورتوں کو ظاہر نہ کرنا۔ تم تو درکنار نام تک اخبار و رسالوں میں ظاہر نہ کرنا یہ صنف نازک پردے میں رہنے سے ہی اچھی لگتی ہے۔ یہ اشارۃً امر استحبابی ہے۔ حضرت مریم کا نام دو وجہ سے ظاہر فرمایا۔ ایک تو حضرت عیسیٰ کی وجہ سے یہ بتانے کے لئے کہ یہ عیسیٰ بغیر باپ محض ہماری قدرت سے بوسیلہ

مریم پیدا ہوئے اور بنوت کو مریم کی طرف نسبت کرنے کی بنا پہ فرمایا گیا عیسٰی بن مریم دوسری وجہ یہ کہ حضرت مریم کو عیسائیوں نے معاذاللہ خدا تعالیٰ کی بیوی کہنا شروع کیا توان کی بندگی اور مخلوق ہونا اہتمام سے رب تعالیٰ نے ذکر فرمائی لہذا نام ظاہر کرنا ضروری تھا تاکہ مریم کے بندہ ہونے میں شک شبہ نہ رہے۔ **تیسرا اعتراض** حضرت یوسف آزاد مرد تھے ان کا غلام بنایا جانا ان کا فروخت کیا جانا اور خریدنا سب ناجائز تھا جس کو یوسف علیہ السلام جانتے تھے تو پھر یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کو اپنا آقا کیوں کہا۔ اِنَّہٗ رَبِّیْٓ **جواب** اس کا جواب ہم نے تفسیر عالمانہ میں دے دیا کہ رب کی نسبت یا اللہ کی طرف ہے تب کوئی اعتراض ہی نہیں رہا۔ یا عزیز مصر کی طرف ہے تب رب بمعنی مربی ہے نہ کہ آقا کسی لغت میں رب کا معنی آقا نہیں قرآن مجید میں کئی جگہ لفظ رب بندوں کے لئے استعمال ہوا ہے وہاں مراد مربی یعنی پرورش کرنے والا ہی ہے۔ جیسے کہ کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا **چوتھا اعتراض** جب زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو دعوتِ گناہ دی تو آپ نے صاف لفظوں میں انکار نہ کیا بلکہ تین جواب دیئے ۱۔ مَعَاذَ اللّٰہِ ۲۔ اِنَّہٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ۳۔ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ اس کی کیا وجہ **جواب** آپ نے صرف انکار ہی کرنا پسند نہ کیا بلکہ اپنے انکار کے ساتھ وجہ انکار بھی بتائی اور اپنی قوت و طاقت بھی بتائی اور اس کو رکنے کی تلقین فرمائی۔ معاذاللہ کہہ کر یہ بتایا کہ اگرچہ حکومت اور لشکروں والی ہے مگر مجھ پر غلبہ نہیں پا سکتی کیونکہ میں احکم الحاکمین قادر و قیوم غالب علیٰ کل غالب کی پناہ میں ہوں میری طاقت تجھ سے زیادہ ہے۔ اِنَّہٗ رَبِّیْٓ فرما کر یہ اشارہ کیا کہ میں شکر گذار بندہ ہوں نا شکرا اور خائن نہیں۔ اس وجہ سے تیری دعوت قبول نہیں کر سکتا لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ فرما کر تبلیغ فرمائی کہ یہ سراسر ظلم ہے میں تو اس سے بچا ہی ہوا ہوں تو بھی بچ جا یہ فائدے مذا اشارے صرف انکار میں نہ ملتے **پانچواں اعتراض** تمہاری نحوی تفسیر سے ثابت ہوا کہ ھَمَّ بِھَا، لَوْلَآ کی جزا ہے حالانکہ مشہور بصری نحوی زجاج کہتے ہیں کہ لَوْلَآ کی جزا پر ہمیشہ لام تاکید آتا ہے اگر یہ جزا مقدم ہوتی تو لَھَمَّ ہوتا **جواب** تفسیر کبیر نے اس کا جواب دیا کہ لام آنا واجب نہیں صرف بہتر ہے قرآن مجید میں ایک اور جگہ بھی ایسا نہیں ہوا چنانچہ ارشاد ہے اِنْ کَادَتْ لَتُبْدِیْ بِہٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا یہاں اِنْ کَادَتْ سب کے نزدیک لولا کی جزاء مقدم ہے۔ لہٰذا ھَمَّ بھی لَوْلَآ کی جزا بن سکتا ہے اگر اس کو نہ مانا جاتے تو دوسری جزا کہاں سے لاؤ گے۔ اور لَوْلَآ بغیر جزا ہوتا ہی نہیں اس بنا پر ھَمَّ بِہٖ پہ آیت ختم ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ جب تک بندہ کی صفاتِ انانیت فنا نہیں ہوتیں اس وقت تک بندہ طالب دنیا عاشقِ لذات شیداءِ شہوات سے ہوتا ہے۔ اور جب صفاتِ انانیت فنا ہو کر یوسفِ قلب کو مقامِ حقیقت کے مرتبے مل جاتے ہیں تو دنیا اس پر عاشق ہو جاتی ہے۔ اور قلب کو محلِ جسمانی کے خلوت خانۂ جسدی میں جکڑ کے عشق زلیخا کی شکل میں طرح طرح کے لباسِ خواہشات کے بھیس بدل کر جھوٹی دنیا۔ قلب کو خراب کرنے بہلانے پھسلانے کی کوشش کرتی ہے۔ اپنی لذات کی طرف بلاتی ہے کہ اسے بندۂ دل یہ تیرے لئے ہے اور تو اسی دنیا کے لئے پیدا کیا گیا۔ ارکان

شریعت کے سدا بہار دروازے بھی بند کر دیتی ہے تاکہ قلب مسعود حق سے دور رہے۔ مگر تجلیات معرفت اور مشاہدات انوار کی لذتیں لینے والا قلب دنیاء فنا کو کہتا ہے کہ میرا ٹھکانہ میری پناہ بارگاہ الٰہیہ میں مقام بقا ہے۔ بیشک اس نے مجھ کو الطاف ربوبیت کے دودھ سے پالا ہے۔ وہ میرا رب ہے جس نے بحر انوار امطار تجلیات میں اچھا ٹھکانا عطا فرمایا غلامیت نفس فانی سے۔ بچا کر عالم حقیقت میں پہنچایا دنیا جس کی طرف بلاتی ہے وہ وادی ظلم ہے۔ وہ سخت ظالم ہے جو اپنے مولا کو چھوڑ کر دنیا کو قبول کرے اور ظالم کبھی منزل فلاح اور مقام کامیابی پر نہیں پہنچ سکتے۔ مولیٰ کی طلب شاہراہ شریعت میں ہوتی ہے شریعت کی حدود اربعہ میں ہی مولیٰ ملتا ہے۔ طالب مولیٰ کو وادیٔ شریعت میں خود آنا چاہیئے اور پیر و مرشد کی دعا کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ یہاں دعاؤں سے کام نہیں چلتا۔ یہاں تو ہمت مردانگی کی ضرورت ہے۔ جو شخص ذرہ بھر شریعت کی مخالفت کرے وہ مردود ہے اگرچہ بڑا پیر و مرشد بنا پھرے۔ ایسا شخص مجہول کا جو بھی مرید بنے گا وہ بندۂ ابلیس ہوگا جب بندہ طالب حق اپنے آپ کو شریعت کی باریک تاروں سے جکڑ لیتا ہے تب مولیٰ تعالیٰ خود اس کو پکڑ کر کوچۂ معرفت میں لے جاتا ہے۔ اگر اٹھا کر لے جائے تو عارف مجذوب بنتا ہے اگر چلا کر لے جائے تو راہ عشق کا سالک بنتا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ شریعت کے میدان میں خود کود پڑو کسی کی آس میں نہ رہو۔ مگر کوچۂ معرفت میں خود نہ آؤ بلکہ دستگیر کائنات کی امداد کی دعا کرو اور طالبان مولیٰ کی دعائیں لو جو شخص اس کے خلاف چلے گا تباہ و برباد اور ابلیس کا شکار ہو جائے گا۔ کیونکہ دنیا بہت فریب کے لباسوں میں ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ. قلب متنفر کو دنیا زیادہ محبت کے جال میں پھنساتی ہے اور البتہ بے شک زلیخاء دنیا نے یوسف قلب کو گناہ کی دلدل خواہشات انسانیہ کے جنگل میں ہلاکت فنا کا پکا ارادہ کر لیا۔ لیکن قلب صنوبری نے کوئی ارادہ نہ کیا ہاں البتہ نفس حریص کے ساتھ مل کر لذات دنیا کا ارادہ کر لیتا۔ اگر نور قناعت نظر عنایت کی برہان جبروت نہ دیکھ لیتا۔ ہم قلوب صادقین کو اسی طرح حب دنیا کی سوء اور شہوت دنیا کے فحشا سے بذریعہ نظر عنایت مشاہدۂ جمال کی طرف پھیر دیتے ہیں بے شک قلب ہمارے مخلصوں میں سے ہے نہ کہ دنیاء دون کا غلام۔ کیونکہ قلب کا کمال یہ ہے کہ وجود مجازی کی جنس سے علیحدہ ہو کر خالص وجود حقیقی سے واصل ہو۔ بندۂ آزاد وہ ہے جو اوصاف وجود سے فانی ہو اور اوصاف ربانی سے باقی ہو۔ (روح البیان مع زیادت)

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ

اور آگے پیچھے بھاگ پڑے دونوں دروازے کو اور کھینچتے ہوئے چیر دی عورت نے قمیص اس کی

اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور عورت نے اس کا کرتہ پیچھے سے چیر لیا

اَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَاۗءُ مَنْ

سے پیچھے اور پایا دونوں نے خاوند کو اس عورت کے قریب دروازے کے بولی کیا بدلہ کہ

اور دونوں کو عورت کا میاں دروازے کے پاس ملا بولی کیا سزا ہے اس کی جس

اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْۗءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ

کا جس نے ارادہ کیا ہے اہل بیت تیرے بدی کا مگر یہ کہ قید کیا جائے یا سزا دردناک۔

نے تیری گھر والی سے بدی چاہی مگر یہ کہ قید کیا جائے یا دکھ کی مار

اَلِيْمٌ ۞٢٥ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ

فرمایا اس نے ہی ورغلایا مجھ کو بارے نفس میرے کے اور راز کھولا

کہا اس نے مجھ کو لبھایا کہ میں اپنی حفاظت نہ کروں اور عورت کے

شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ

کھولنے والے نے بیچ سے خاندان اس عورت کے کہ اگر ہو قمیص اس کی چری ہوئی سے آگے

گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی اگر ان کا کرتہ آگے سے چرا ہے تو

فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞٢٦ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ

تو عورت سچی اور یوسف سے جھوٹوں اور اگر ہو قمیص اس کی چیری گئی

عورت سچی ہے اور انہوں نے غلط کہا اور اگر ان کا کرتہ پیچھے سے

قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞٢٧

سے پیچھے تو عورت جھوٹی اور وہ سچے ہیں سے

چاک ہوا تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچے

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا **تعلق** پچھلی آیات میں حضرت یوسف کی ایک کڑی آزمائش کا ذکر ہوا۔ اب یہاں اس آزمائش میں پورا اترنے کا تذکرہ ہے دوسرا **تعلق** پچھلی آیات میں حضرت یوسف کی پاکدامنی

کا ذکر اور آپ کے خلوص قلبی کا ذکر ہوا تھا۔ اب ان کے انتہائی مشکل عمل سے اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔
تیسرا تعلق پچھلی آیات میں زلیخا کی خیانت کا ذکر تھا یہاں زلیخا کے جھوٹ بول کر جان بچانے کا ذکر ہے۔ اور اپنی شرمندگی مٹاتے ہوئے اپنی طرف سے یوسف کو تہمت لگانے کا بیان **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں زلیخا کے ارادے کا ذکر ہوا اب یہاں اس کے ارادے پر عمل کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ۔ واؤ سے جملہ اِسْتَبَقَا فعل ماضی بصیغہ تثنیہ ھُمَا ضمیر مستتر اس کا فاعل اس کا مرجع یوسف اور زلیخا۔ مستتر وہ ضمیر ہوتی ہے جو فعل کے اندر پوشیدہ ہو ظاہر بالکل نہ ہو۔ صرف صیغہ کی شکل سے معلوم ہو۔ استبقا باب افتعال سے ہے۔ سبقٌ سے بنا بمعنی آگے پیچھے دوڑنا تیزی سے الباب الف لام عہد خارجی ہے۔ یا جنسی کیونکہ پہلے ابواب آچکا ہے یہاں الیٰ جارہ پوشیدہ دراصل تھا الی الباب۔ واؤ بعض نے کہا عاطفہ ہے اور بعض نے کہا حالیہ ہے قَدَّتْ فعل ماضی بصیغہ مونث باب نَصَرَ قَدٌّ سے بنا بمعنی کھینچنا اس طرح کہ پھٹ جائے۔ مطلقاً کھینچنے کو جذبٌ کہتے ہیں۔ متعدی ہے۔ قَمِيصَهُ مرکب اضافی اس کا مفعول قمیص سے لغت میں مطلق لباس مراد ہے مگر اصطلاح صرف کاندھے سے گھٹنے تک کے لباس کو کہتے ہیں یعنی کرتہ مِنْ بمعنی قِبَل یعنی طرف دُبُرٌ اسم جامد بمعنی ریڑھ کی ہڈی اصطلاح میں پیٹھ کو کہتے ہیں یہاں مراد پچھلی طرف ہے جو کاندھے سے ٹخنوں تک ہوتا ہے۔ وَاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ۔ واؤ عاطفہ عطف ہے استبقا پر۔ فعل ماضی بصیغہ تثنیہ مذکر۔ لَفْیٌ سے بنا بمعنی اچانک پانا۔ سَيِّدٌ اسم مبالغہ ہے سَيْدٌ یا سَيُوْدٌ سے بنا بمعنی سردار۔ اس کا مادہ سَادٌ ہے۔ یہاں بمعنی خاوند ہے بحالت زبر مفعول بہ ہے فعل کا ھَا ضمیر مونث کا مرجع زلیخا ہے۔ لَدَا اسماء ظروف سے ہے بمعنی قرب مکانی الباب الف لام عہدی ہے باب مضاف الیہ لدا کا بمعنی دروازہ۔ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ یہ جملہ استینافیہ یعنی نیا ہے۔ قالَتْ فعل مونث کا فاعل زلیخا ہے۔ مَا میں دو قول ہیں یا نافیہ ہے یا سوالیہ۔ جَزَاءُ مضاف بحالت رفع مبتدا ہے۔ مَنْ میں بھی دو قول ہیں ۱۔ موصولہ ہے ۲۔ نکرہ موصوفہ بحالت زیر ہے مضاف الیہ ہے۔ اَرَادَ فعل ماضی باب افعال اس کا مصدر ارادۃٌ ہے۔ بمعنی دلی توجہ باء جارہ بمعنی مَعَ۔ اَهْلُ اسم جامد ہے اپنی اصلیت پر ہے مراد بیوی كَ ضمیر مخاطب کا مرجع سَيِّدَهَا ہے۔ سُوْءًا نکرہ ہے بحالت زبر بمعنی برائی مطلقاً۔ اِلَّا حرف استثناء ہے۔ اگر مَا سابقہ نافیہ ہے تو اِلَّا متصل ہے۔ اگر ما موصولہ ہے تو اِلَّا لغو بمعنی سواءَ اَنْ ناصبہ مستثنیٰ ہے پورا جملہ يُسْجَنَ مضارع مجہول سجنٌ سے بنا بمعنی قید کرنا متعدی بیک مفعول ہے۔ اَوْ حرف اختیاریہ۔ عَذَابٌ بر وزن فَعَالٌ عَذْبٌ سے بنا بمعنی سزا دنیوی اَلِيْمٌ اَلَمٌ سے بنا صفت ہے عذابٌ موصوف مرفوع۔ اَلَمٌ بمعنی وہ سزا جس میں جسمانی درد ہو۔ خواہ زیادہ خواہ تھوڑا۔ عطف جملہ فعلیہ کا اسمیہ پر قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ۔ قَالَ فعل ماضی کا فاعل یوسف ہیں ھِیَ مبتدا مقولہ ہے قول کا رَاوَدَتْ فعل مونث بمعنی ورغلایا نون وقایہ یاءِ متکلم مفعول بہ۔ عَنْ بمعنی مع نفس بمعنی

ذات یعنی شخصیت مضاف ہے یاء متکلم کی طرف اس کا مرجع یوسف ہیں وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۔ واؤ ابتدائیہ شَهِدَ فعل ماضی شَهْدٌ سے بنا یہ گیارہ معنی میں مشترک ہے ۱ گواہی دینا ۲ گواہ بننا ۳ حاضر ہونا ۴ حاضر رہنا ۵ تصدیق کرنا ۶ قسم کھانا ۷ نگہبانی کرنا ۸ امام یا ہادی مرشد بننا ۹ محسوس کرنا ۱۰ فیصلہ کرنا ۱۱ مشورہ دینا (المنجد عربی۔ غیاث۔ کشوری۔ قاموس) یہاں آخری دو معنی مناسب ہیں اس کا استعمال لازم سے بھی ہے متعدی سے بھی اس کا فاعل شاہدٌ ہے اسم فاعل ہے اسی سے مِنْ تبعیضیہ اصل کا معنی والافراد ہے تعلق داری والا ھا ضمیر کا مرجع زلیخا۔ اِنْ حرف شرطیہ جملہ بیانیہ شرط ہے۔ کَانَ فعل ماضی ناقص کَوْنٌ سے بنا۔ قمیصُ اسمِ کانَ۔ تنوین سے مانع اضافت ہے ہٗ ضمیر کا مرجع یوسف ہیں۔ قُدَّ ماضی مجہول خبر کانَ ہے قَدٌّ سے بنا بمعنی پھٹنا مِنْ جارہ ظرفیہ بمعنی قبل قُبُلٍ اسم جامد بمعنی سامنے آگے سینے سے لے کر پیر تک کو قُبُلٌ کہا جاتا ہے۔ فاء جزائیہ ہے۔ جملہ جزاءِ شرط ہے صَدَقَتْ فعل ماضی بمعنی سچا ہونا صِدْقٌ سے بنا۔ واؤ عاطفہ هُوَ ضمیر مذکر غائب مبتدا ہے مِنْ بعضیت کا۔ اَلْكٰذِبِيْنَ۔ الف لام استغراقی کٰذِبِیْن اسم فاعل جمع ہے کاذِبٌ کی کِذْبٌ سے بنا بمعنی جھوٹ بولنا۔ لازم ہے۔ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ واؤ سرجملہ علیحدہ دوسرا جملہ۔ یا عاطفہ ہے تب یہ سب مل کر شَهِدَ کا بیان بنے گا۔ اِنْ حرف شرط اگلا جملہ شرط کان فعل ناقصہ قمیص اسم کان ہٗ کا مرجع یوسف قُدَّ مجہول اپنے متعلق سے مل کر خبر کانَ دبر بمعنی پچھلا حصہ۔ فاء جزائیہ كَذَبَتْ ماضی مطلق مونث کا صیغہ ہے اس کا فاعل ہی ضمیر مستتر کا مرجع وہ عورت ہے واؤ عاطفہ هُوَ مبتدا مِنْ جارہ بعضیت کا الصادقین۔ الف لام استغراقی صادقین جمع ہے صادق کی صدقٌ سے بمعنی سچا ہونا۔

تفسیر عالمانہ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوْٓءًا إِلَّآ أَنْ يُّسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ۔ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ اور بھاگ پڑے وہ دونوں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے ارادے سے یا طریقے سے یعنی دونوں اپنے اپنے زور لگا کر بھاگے مگر نیتوں کا فرق تھا یوسف پہلے بھاگے زلیخا بعد میں یوسف پیچھا چھڑانے کے لئے زلیخا پکڑنے کے لئے یوسف برھان دیکھ کر بھاگے زلیخا یوسف کو دیکھ کر بھاگی۔ زلیخا عشق یوسفی میں بھاگی یوسف نفرتِ زلیخا سے بھاگے آخری دروازے تک کیونکہ مقصودِ یوسف وہیں تک پہنچنا تھا اس لئے یہاں باب واحد آیا۔ ارادہ یوسف علیہ السلام کے لحاظ سے یہاں باب واحد کا تذکرہ ہے۔ فعل زلیخا کے اعتبار سے وہاں ابواب جمع فرمایا گیا۔ زلیخا نے ساتوں دروازوں کو تالے لگائے ہوتے تھے مگر نگاہ یوسف کی طاقت سے وہ سارے تالے کھلتے چلے گئے زلیخا بھی اس کرشمہ قدرت کو دیکھتی جا رہی ہے اور حیران تھی دیکھنا ہی مقصود تھا یہ بھی حضرت یوسف کا معجزہ ہی تھا ابھی تک چار معجزے یوسف سے ظاہر ہو چکے ہیں ۱ جس کوئیں میں آپ گرے اور آپ کا پاؤں پانی سے لگ گیا وہ کنواں کھاری تھا تو قیامت تک کے لئے میٹھا ہو گیا ۲ پرندوں کا آپ سے گفتگو کرنا

۱۳ عزیز مصر کے خالی خزانے بھرتے چلے جانا ۱۴ زلیخا کے لگائے ہوئے تالے کھلتے چلے جانا۔ عزیز مصر نے صرف ایک معجزہ دیکھا تو آپ کی عزت کی جو بعد میں اس کے ایمان کی وجہ بنے۔ زلیخا نے یوسف کا پیچھا نہ چھوڑا جوش محبت کا وسیلہ پکڑ کر بھاگتی رہی یہاں تک کہ یوسف کو پالیا تو جو بندہ نبی کا وسیلہ پکڑ کر خدا تعالیٰ کی طرف بھاگتا ہے وہ بھی یقیناً خدا کو پائے گا۔ اور پکڑ کر پھاڑ ڈالا اس یوسف کی قمیص کو پیچھے سے اس طرح کہ یوسف نے تیزی دکھائی اور قوت میں بھی زیادہ تھے اور قدم میں بھی آپ کی تیزی تین وجہ سے تھی ۱ مرد ہونا مرد ہمیشہ عورت سے خلقًا قوی ہوتا ہے مگر شاذ و نادر۔ خاص کر نبی کیونکہ نبی میں سو مردوں کی قوت ہوتی ہے اگرچہ اظہار نہ کریں یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف نے اتنی تکلیفیں ماریں برداشت کیں اور اُف تک نہ کیا ۲ قوی و صحت مند ہونا۔ بیمار آدمی تندرست عورت سے کمزور ہو سکتا ہے ۳ دراز قد ہونا۔ لمبے قد والا آدمی تیز بھاگتا ہے بلکہ اس کا چلنا بھی چھوٹے قد والے کے بھاگنے کے برابر ہوتا ہے حضرت یوسف کو دروازہ کھولنے کی رکاوٹ تھی یہ رکاوٹ زلیخا کو نہ تھی اس لئے زلیخا نے پیچھے سے پکڑ لیا مگر کرتہ ہاتھ آیا اس وقت دو زور لگے پیچھے سے کھینچنے کا آگے سے بھاگنے اور چھڑانے کا لہٰذا کرتہ لمبائی میں پھٹ گیا قَدٌّ کا معنی ہے لمبائی میں پھاڑنا اور شَقٌّ کے معنی ہیں چوڑائی میں پھاڑنا اور جَذْبٌ کے معنی ہیں صرف کھینچنا۔ یہ وہ قمیص تھی جو زلیخا نے پہنائی تھی اس کے نیچے وہ قمیص تھی جو تعویذ سے نکال کر کوئیں میں حضرت جبرائیل نے پہنائی تھی یہ جنت کی تھی اس کی خاصیت یہ تھی کہ نہ پھٹتی تھی نہ میلی ہوتی تھی نہ دھل سکتی تھی نہ جل سکتی تھی نہ اس کی بھینی خوشبو کبھی ختم ہوتی تھی حضرت یوسف نے بجز غسل کبھی نہ اتارا سردیوں میں گرم ہوتی تھی گرمیوں میں ٹھنڈی سب سے نیچے جسم کے ساتھ وہی ہوتی تھی باقی کپڑے کرتے واسکٹ وغیرہ اس کے اوپر یہ جنتی ریشم کی بنی ہوئی تھی اندھیرے میں چاند کی طرح روشن ہوتی تھی حضرت یوسف مصر میں آکر ہمیشہ دو قمیصیں پہنتے تھے ایک جنت کی ایک دنیا کی۔ اسی رب کی رضا بھی زلیخا نے نیچے کے کرتے کو ہاتھ نہ ڈالا حالانکہ وہ لمبا تھا نظر آ رہا تھا اس لئے کہ وہ معرفت اور علماء ربانی کا تھا وہاں تک شیطانی ہاتھوں کی رسائی نہیں ہو سکتی اوپر کا کرتہ اپنے اعمال کسب و کمائی کا تھا وہاں تک شیطان کی پہنچ ہے اسی لئے جب تک انسان اعمال و اطاعت کی حد تک رہتا ہے ہر وقت اس کو شیطان اور قرین شیطان کا دھڑکا خوف لگا رہتا ہے لیکن جب معرفت کی منزل میں آجاتا ہے تو لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ کا درجہ پالیتا ہے اسی کشمکش میں دونوں آخری دروازے سے جو محل کے صحن میں کھلتا تھا باہر نکل آئے۔ اچانک پایا ان دونوں نے اسی عورت زلیخا کے خاوند کو دروازے کے قریب یا وہ اس طرف کسی کام سے آ رہا تھا یا زلیخا کے چچازاد بھائی یملیخا کے ساتھ گفتگو کرتا گزر رہا تھا یا کچھ دور کھڑا تھا اگر بالکل قریب ہوتا تو اس کشتی دھینگا مشتی اور پکڑ دھکڑ چیر پھاڑ کی آواز خود سن لیتا۔ اگرچہ اہل مصر اور خود عزیز مصر کے گمان میں یہی تھا کہ یوسف میرا زر خرید غلام ہے اور میں اس کا مالک ہوں مگر حقیقت میں وہ مالک نہ تھا نہ یہ غلام اسی لئے سَیِّدَہٗ یا سَیِّدَهُمَا نہ فرمایا گیا بلکہ سَیِّدَهَا یعنی صرف زلیخا کا مالک فرمایا گیا اور مراد خاوند لیا گیا۔ کیونکہ خاوند بھی تین وجہ سے اپنی بیوی کا مالک ہوتا ہے ۱ مِلْکِ بُضْعٍ کی وجہ سے ۲ بیوی کے کُلّی نان نفقہ اور ضروریات کے انتظام

انصرام کی وجہ سے ۳ ہر قسم کی جائز پابندی بیوی پر لگانے کے اختیار ہونے کی وجہ سے۔ حضرت یوسف کے چھوٹ کر نکل بھاگنے کی تلخ حسرت کے بعد ایک دم خاوند کو دیکھ کر گھبرا گئی اور سمجھی کہ شاید یوسف میری شکایت لگا دے پہل کرتے ہوئے فوراً بولی مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اے میرے پیارے خاوند اس کی کیا سزا ہے جو تیری بیوی اہل خانہ تیرے گھر کی رونق سے برائی کا ارادہ کرے اس کلام میں زلیخا نے تین طرح خود کو بری قرار دیا ۱ مَنْ اَرَادَ یعنی صرف ارادہ کیا ارتکاب نہ ہوا کیونکہ ارتکاب بغیر عورت کی رضا کے نہیں ہو سکتا ۲ اَرَادَ باب افعال بولا جس میں صرف ایک طرف سے ارادے کا اظہار ہوتا ہے نہ کہ رَاءَدَ باب مفاعلۃ کا کیونکہ اس میں دو طرف ارادہ ثابت ہوتا ہے ۳ بِاَهْلِكَ اس لفظ سے خاوند کا غصہ ٹھنڈا کرنا اور اپنی محبت ظاہر کرنا مقصود تھی کہ میں تیری محبت والی بیوی ہوں آج تک ہزاروں حسین دیکھے مگر تجھے خیانت کا داغ مجھ میں نظر نہ آیا تو آج بھی اس نے ہی مجھ کو ورغلانے کی کوشش کی ہے نہ کہ میں نے۔ زلیخا کو یہ گھبراہٹ خوف کی نہ تھی بلکہ ندامت و شرمندگی کی تھی کیونکہ عزیز مصر اپنی بیوی سے عشق کی حد تک محبت کرتا تھا اور دیکھا گیا ہے جو لوگ نامرد ہوتے ہیں یا ہو جاتے ہیں وہ اپنی بیوی سے زیادہ محبت کرتے ہیں اسی لئے بوڑھے کو اپنی بڑھیا سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ سوء کے معنی زنا ہیں اور زنا سب شریعتوں میں حرام رہا اس لئے کہ زنا سے پندرہ خرابیاں لازم آتی ہیں ۱ شرک کے بعد سب سے بڑا جرم زنا ہے اس کے بعد والدین کی ایذا رسانی ۲ دین کا نقصان ۳ عقل کا نقصان ۴ نقصان علم کہ اس سے نسیان پیدا ہوتا ہے ۵ نقصان عمر ۶ نقصان رزق ۷ غضب الٰہی کا سبب ۸ مفلسی کا سبب ۹ چہرے کی بدصورتی ۱۰ اچھے لوگ عداوت کرنے لگتے ہیں ۱۱ ہر وقت کی بے اطمینانی ۱۲ عبادت کی توفیق نہیں ملتی اگر کچھ کرتا ہے تو قبول نہیں ہوتی ۱۳ خدا کی دشمنی اور دوری ۱۴ موت خراب ہوتی ہے ۱۵ اکسی کی نیکی اور نماز جنازہ بھی نہیں پہنچتا یعنی اس کے لئے کوئی دعا فائدہ مند نہیں (امام غزالی) یہ کہہ کر مگر یوسف پر نظر پڑی پھر عشق نے جوش مارا غور کیا کہیں یہ قتل نہ ہو جائے سزا خود تجویز کر دی۔ مگر یا قید کر دیا جائے۔ یُسْجَنَ جملہ فعلیہ ہے جو عدم دوام کو چاہتا ہے یعنی کچھ دن معمولی طور پر قانونی نہیں کیونکہ وہ ملکی عدالتی جیل میں ہوتی ہے بلکہ گھر میں ہی نظر بند یا دردناک عبرت ناک سزا یا مار ماری جائے یہاں فعل مجہول یضرب پوشیدہ اور جملے کا جملے پر عطف ہے۔ یہاں بھی دوام کی نفی ہے۔ کیونکہ یہ بھی جملہ اسمیہ نہیں یعنی زیادہ دنوں تک مار نہیں یا زیادہ دراز نہیں بلکہ صرف اتنی جو اس کے لائق دردناک ہو جس سے آئندہ کے لئے عبرت آجائے زلیخا تو اس وقت بھی بار بار یوسف کو بنظر محبت دیکھ رہی تھی مگر یوسف نے نہایت خودداری اور غیرت کی حالت میں صرف عزیز مصر کو دیکھا زلیخا کی طرف قطعی نگاہ نہ اٹھائی اور اپنی برأت میں ھی کو غائب کی ضمیر سے مراد لیتے ہوئے فرمایا وہ جھوٹی ہے بلکہ ھِیَ رَاوَدَتْنِیْ اس نے مجھ کو ورغلایا بھڑکایا اے عزیز اے میرے مربی تو میرے متعلق غلط رائے قائم نہ کرنا اگر زلیخا کی طرف دیکھا ہوتا تو بجائے ھی کے ھٰذہٖ فرماتے یا یہ کہتے کہ تو نے مجھ کو ورغلایا عزیز مصر کے پاس مدعی اور مدعی علیہ دونوں حاضر ہیں دونوں کا بیان ہو گیا۔ زلیخا سے پوچھا تیرے پاس کوئی گواہ ہے بولی نہیں یوسف سے پوچھا تیرے پاس کوئی گواہ ہے

فرمایا نہیں۔ عزیز نے اندر جاکر موقعے کا معائنہ کیا زلیخا نے ساتویں کوٹھڑی میں جاکر بتایا میں سو رہی تھی کہ یوسف نے میری چادر کھینچی اور مجھ کو پھسلایا واپس آکر عزیز مصر نے غور کیا تو اس کو نو علامتیں ملیں ۱؎ ہر دروازے کے پاس تالا ٹوٹا پڑا تھا ۲؎ چابیوں کا پوچھا تو زلیخا کی جیب سے چابیاں ملیں ۳؎ یہ گھر اس خفیہ طریقے پر زلیخا نے بنوایا تھا اپنی مرضی سے نہ کہ یوسف نے پہلے کبھی اس طرح کے گھر کی ضرورت نہ پڑی ۴؎ پہلے دن سے پتہ لگ گیا تھا کہ زلیخا یوسف سے محبت کرتی ہے ۵؎ زلیخا کا چہرہ زرد تھا اور اس پر گھبراہٹ تھی مگر یوسف کا چہرہ مطمئن ۶؎ زلیخا دروازے تک کیوں آئی اگر ماری ہوئی آئی تو اس کا کوئی نشان نہیں تھا مار کھانے والے کی حالت مطمئن نہیں ہوتی ۷؎ بھرے شاہی گھر میں اجنبی غلام کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی۔ ۸؎ زلیخا نے اپنی برائت میں مجمل اور کئی مطلب والی عبارت بولی کہ مَنْ اَرَادَ سُوْٓءً اس کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں یوسف نے مفصل عبارت بول کر زلیخا کا صاف صاف گناہ بیان کر دیا

۹؎ زلیخا نے زینت کی نہ کہ یوسف علیہ السلام نے ان نو علامتوں سے زلیخا کا جھوٹا ہونا اور یوسف کا سچا ہونا ثابت تھا مگر قانونی طور پر حاکم اپنی معلومات پر فیصلہ نہیں کر سکتا غیر جانبدار گواہی شرط ہے لہٰذا عزیز ابھی اسی تفکر میں تھا کہ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ٭ اور مشہود دیا یا شَهِدَ بمعنی اَشْهَدَ ہے یعنی مشاہدہ کرایا حالات سے پردہ اٹھایا۔ ایک شاہد نے جو اسی زلیخا کے اہل خاندان اس کے ماموں کا بیٹا تھا دو سال کی عمر کا دودھ پیتا تھا۔ ماں کی گود میں تھا اور ماں قریب کھڑی مقدمہ سن رہی تھی یا وہ خود بول پڑا یا حضرت یوسف نے اس کی طرف اشارہ کیا یہاں شاہد کے معنی عام اصطلاحی گواہ نہیں کیونکہ وہ تو موقعے کا مشاہدہ کرنے والا ہوتا ہے اور صحیح گواہ کی گواہی اگر مگر سے نہیں ہوتی یہ گواہ مجازی معنی میں ہے اور مطلب ہے مشاہدہ کرانے والا اس طرح کہ اے عزیز اے لوگو دیکھو مشاہدہ کرو۔ اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہو تو وہ زلیخا سچی ہے۔ اور وہ یوسف جھوٹوں میں سے ہے۔ بعض نے کہا یہ گواہ جوان مرد زلیخا کا چچا زاد بھائی تھا اور اس نے سوراخ سے آگے دوڑنا اور زلیخا کا یوسف کو پکڑنا دیکھ لیا تھا بعض نے کہا ایک ہرنی آئی اور قدرت الٰہی سے بافصاحت صاف صاف قبطی زبان میں بولی۔ مگر یہ سب غلط ہے قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے۔ ہرنی مِنْ اَهْلِهَا نہیں ہو سکتی۔ اور جوان مرد دیکھنے والا اپنے دیکھنے کا ذکر کرتا نہ کہ اگر مگر۔ حدیث پاک میں ہے نبی کریم نے فرمایا پالنے میں چار لوگوں کے لئے شیر خوارگی میں کلام کیا ۱؎ زلیخا کے اہل نے یوسف کے لئے ۲؎ فرعون کی منہ بولی بیٹی کے ایک سالہ بچے نے موسیٰ کے لئے ۳؎ حضرت عیسیٰ نے ۴؎ جریج کے لئے فاحشہ مزینہ کے حرامی بچے نے۔ ثابت ہوا کہ شیر خوار بچے نے کہا وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اور اگر ہو اس کی قمیص اس حالت میں کہ پھاڑی گئی ہو پیچھے سے تو زلیخا جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے اس لئے کہ آگے سے قمیص پھاڑنا دفاع پر دلالت کرتا ہے کہ یوسف نے بارادۂ گناہ حملہ کیا اور زلیخا نے اپنا بچاؤ کیا دونوں آمنے سامنے تھے زلیخا نے دھکا دیا جس سے اگلا دامن پھٹ گیا۔ پیچھے سے قمیص پھاڑنا خواہش اور طلب اور پکڑ پر دلالت کرتا ہے کہ یوسف بھاگے آگے لگ کر آگے والا پیچھا چھڑانا چاہتا ہے زلیخا پیچھے بھاگی پیچھے بھاگنا پکڑنے کے لئے ہوتا ہے قمیص ہی بتا دے گی کہ کون پیچھے تھا کون آگے کون طالب تھا کون مطلوب کون سچا ہے کون جھوٹا بعض

نے کہا کہ اصل شاہد قمیص تھی مگر مجازاً بچہ۔ تفسیر بیان نے فرمایا کہ تیرہ آدمیوں نے بچپن میں کلام کیا ۱ شاہد یوسف نے ۲ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳ حضرت عیسیٰ نے ۴ حضرت مریم نے ۵ ابراہیم علیہ السلام نے ۶ نوح علیہ السلام ۷ یوسف علیہ السلام نے ۸ موسیٰ علیہ السلام نے ۹ یحییٰ علیہا السلام نے ۱۰ اخدود والے مسلمانوں کا وہ بچہ جس کو ظالم بادشاہ نے تندور کی آگ میں پھینک دیا تھا ۱۱ ایک کافر کے بچہ مبارک یمامہ شیر خوار بچے نے نبی کریم کی گواہی دی ۱۲ جریج راہب کے لئے مزینہ کے بچے نے ۱۳ محی الدین عربی علیہ الرحمت کی بیٹی نے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** سچ ہمیشہ سچ ہی ثابت ہوتا ہے اور غالب رہتا ہے یہ فائدہ شَہِدَ شَاھِدٌ سے حاصل ہوا حدیث شریف میں ہے کہ جب انسان سچ بولنے کی عادت ڈال لے تو رب تعالیٰ اس کو صدیقین میں شامل فرماتا ہے۔ سچ کے تین فائدے ۱ سچا آدمی بے تاج بادشاہ ہوتا ہے ۲ سچے کی دنیا عزت کرتی ہے ۳ نہ سچا کسی کو نقصان دے سکتا ہے نہ سچے کا کوئی نقصان ہوتا ہے۔ کیونکہ سچے کا محافظ خدا ہوتا ہے۔
دوسرا فائدہ آزاد کی بیع اور خرید باطل ہے اور پھر آگے بیچنا بھی باطل کتنی دفعہ بیع در بیع ہو کہیں تک۔ بکتا چلا جائے بیچنا باطل اور خریدنا غلط اور یہ فعل حرام اس سے وہ احمق مسلمان عبرت پکڑیں جو نکاح کے وقت بیٹی کو بیچ دیتے ہیں جیسے کہ صوبہ سرحد میں بعض ہمارے خاندان یوسف زئی پٹھان کرتے ہیں۔ یہ فائدہ سیدھا کی تفسیر سے حاصل ہوا آزاد کو اگر کوئی بیچ دے تو ملکیت ثابت نہ ہوگی اور نکاح درست ہوگا۔ اگر وہ بکنے والا بھاگ جاتے تو خریدنے والا قانوناً نہیں پکڑ سکتا **تیسرا فائدہ** ارادہ زنا بھی صرف زلیخا سے سرزد ہوا یہ فائدہ ھِیَ رَاوَدَتْنِی کے اس حصر سے حاصل ہوا جو ھی کو مقدم کرنے سے ہوا۔ **چوتھا فائدہ** حاکم کے سامنے کسی کی شکایت کرنا جائز ہے غیبت نہیں۔ اسی طرح خود کو بری کرنے کے لئے کسی کے سامنے کسی کے عیب کو ظاہر کرنا بھی جائز ہے۔ سنت انبیاء ہے یہ فائدہ قَالَ ھِیَ الخ سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مرتبہ سب کائنات کی عورتوں سے زیادہ ہے۔ نبی کریم حبیب رحیم کی وجہ سے کیونکہ ام المومنین حضرت عائشہ پر تہمت لگی خود رب تعالیٰ نے پاکیزگی و پاکدامنی کی شہادت دی یہ فائدہ بھی وَشَہِدَ شَاھِدٌ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے ابواب جمع فرمایا پھر باب واحد فرمایا۔ جواب اس کی وجہ ہم نے تفسیر میں عرض کی کہ پہلے جرم کا ذکر تھا وہ ہر دروازے میں ہوا کہ ہر دروازے کو جرم کا ذریعہ بنایا گیا اور کنڈی بند ہوئی تالا لگایا گیا یہ زلیخا کا فعل تھا۔ اس لئے ابواب فرمایا گیا اس نے کوئی دروازہ تالے بغیر چھوڑا نہیں اب یہاں جرم کے ظاہر ہونے کا ذکر ہے وہ ایک ہی دروازے سے ہوا پہلے دروازے کھلتے رہے مگر مجرم پکڑا گیا فقط آخری دروازے سے اس لئے ایک ہی دروازے کا ذکر کیا گیا امام ابو بکر رازی نے یہ جواب دیا کہ وہاں احتیاط کا طریقہ سنانا منظور تھا کہ زلیخا نے ایسی احتیاط کی تھی اور یہاں یوسف کے بھاگنے کی سمت بتانا مقصود ہے کہ

یوسف جس دروازے کا قصد کر کے بھاگے وہ یہی آخری باہر کا دروازہ تھا۔ سب دروازوں سے نکلنا مقصود نہ تھا جو حائل ہوا اس سے نکلے رہے **دوسرا اعتراض** یہاں شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا کیوں فرمایا اتنا کہنا کافی تھا وَشَهَادَةٌ مِّنْ اَهْلِهَا اور یہ قول شہادت نہیں ہے۔ شہادت میں خبر ہوتی ہے یہ جملہ شرطیہ انشائیہ ہے۔ **جواب** چونکہ یہاں ایک دعوے کا فیصلہ سنانا مقصود ہے جس سے ایک کی بات باطل ہو گی ایک کی ثابت۔ اور اس کا ذریعہ یہی بچے کا قول ہے اس لئے لغوی اور مجازی طور پر اس کو شہادت اور گواہی فرمایا گیا۔ اور شَهِدَ کا معنیٰ یہاں یہ ہے۔ بتا دیا یا ظاہر کر دیا۔ یا حکم دیا۔ یا فیصلہ کر دیا ایک شاہد نے **تیسرا اعتراض**۔ سنی بریلوی لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں اور دلیل میں شاہدًا کا لفظ پیش کرتے ہیں جس کا ترجمہ کرتے ہیں مشاہدہ کرنے والے۔ حالانکہ یہاں رب تعالیٰ نے شاہدًا کو فرمایا جو بالکل ہی اس واقعے پر حاضر نہ تھا نہ مشاہدہ کیا تھا معلوم ہوا کہ مشاہدہ کرنے والے کو شاہد نہیں کہتے بلکہ مسئلہ سمجھانے والے کو شاہد کہتے ہیں اور یہ ہم بھی کہتے ہیں کہ نبی کریم بایں معنیٰ شاہد ہیں کہ آپ صرف مسئلے سمجھاتے ہیں۔ (دیوبندی۔ وہابی) **جواب** شاہد اصل معنیٰ کے لحاظ سے اسی کو کہتے ہیں جو موقعہ کا مشاہدہ کرنے والا ہو۔ اور عام استعمال اس کا اصل معنیٰ میں ہی ہوتا ہے۔ اصل گواہ کی چار شرطیں ہیں۔ ۱ عاقل ۲ بالغ ۳ آنکھوں سے بینا ۴ کم از کم دو مرد یہاں ان میں سے کوئی شرط نہیں لہٰذا یہ مجازی شاہد ہے۔ جو گواہ عدالت میں گواہی دینے چلا جائے مگر واقعات کو دیکھا بھالا نہ ہو اس کو جھوٹا گواہ کہتے ہیں۔ یہاں شاہد لغوی معنیٰ میں ہے۔ یعنی مشاہدہ کرانے والا یا ظاہر کرنے والا۔ یہاں اس بچے نے مسئلہ نہیں سمجھایا تھا بلکہ جرم کا مشاہدہ کرایا تھا۔ **چوتھا اعتراض** پیچھے سے قمیص پکڑ کر کھینچی جائے تب پھٹنے کا امکان ہے لیکن دفاع کرنیوالا اسے قمیص کیسے پھاڑ سکتا ہے۔ **جواب** عام طور پر جب آمنے سامنے لڑائی ہوتی ہے تو گلے سے قمیص پکڑ کر ادھر ادھر کرتے ہیں یہی مطلب یہاں ہو سکتا ہے کہ زلیخا نے شاید سینے سے کرتہ پکڑ کر جھنجھوڑا ہو یا دھکا دیا ہو پھٹنے کا یہ مطلب نہیں کہ نیچے دامن کو ہی پھاڑا ہو بس سامنے کا سمت مراد ہے خواہ اوپر خواہ نیچے **پانچواں اعتراض** بچے کا یہ کہنا بھی کافی تھا کہ زلیخا جھوٹی ہے کیونکہ یہ حیران کن گواہی خدائی تھی **جواب** تو تم کہہ رہے ہو۔ وہ کافر تو اس کو جادو سمجھتے۔

تفسیر صوفیانہ جب قلب مومن نور عنایت کی برہان دیکھ لیتا ہے اور قناعت عصمت کا مشاہدہ پا لیتا ہے تو دنیا اور اس کی لذتوں خواہشوں سے بھاگتا ہے۔ لیکن عشق مجازی کی زلیخاءِ دنیا اس کی طلب میں اس کے پیچھے دوڑتی ہے۔ کیونکہ دنیا پرست دنیا کا مرید ہوتا ہے اور دنیا اس کی مراد لیکن اہل اللہ دنیا کے مراد بن جاتے ہیں اور دنیا ان کی مرید یہ فطرتِ قانونی ہے کہ تم دنیا کے طالب بنو گے دنیا دور بھاگے گی تم دنیا سے نفرت کرو گے دنیا پیروں میں آئے گی جب ولیِ کامل صاحبِ قلبِ حسین دنیا سے نفرت کرتے ہوتے بھاگتا ہے تو دنیا اس کے پیچھے عاشق ہو کر بھاگتی ہے یہاں تک کہ دونوں انجام کار دنیا و آخرت کے درمیان دروازۂ موت پر آجاتے ہیں اور دنیاءِ مجاز موت تک پیچھا کرتی ہے مقامِ آخر پر پہنچ کر بھی شہوتوں کا ہاتھ لباسِ زہد و عبادت پر ڈالتی ہے اس لئے کوئی بھی مرتے دم تک خود کو محفوظ نہ جانے دنیاءِ رذیل سے رب کی پناہ مانگتا رہے۔ یوسفِ قلب کی قمیص بشریت جانب پشت سے پھٹتی ہے اور اہل اللہ لبادۂ بشریت

کو پھاڑ کر وصل کی وادیِ موت میں پہنچ کر مشاہدۂ جمال پاتے یہ اُن کے عرس و خوشی کے ایام ہوتے ہیں کیونکہ یہ زمانہ اُخروی۔ لذات دنیا کی ذلت اور دنیا سے بھاگنے والوں کی عزت کا وقت ہے۔ دروازۂ موت پر مربی قلب ولایت الٰہیہ کا صاحب دنیا کا سردار ہادی و مرشد دستگیری کے لئے موجود ہوتا ہے۔ یہی مرشد دنیا و آخرت کے سادات اور دنیا میں اختیارِ کلی سے تصرف کرنے والے مردانِ حقیقی ہیں۔ دنیا کسی کی سچی دوست نہیں۔ جس سے عشق لگاتی ہے۔ مصیبت کے وقت اسی کو رسوا کرتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ اس قلب اور اہل قلب کی کیا سزا ہے۔ جو شریعتِ طاہرہ کے خلاف طبیعتِ ذمیمہ کے مطابق فسقِ دنیا میں مبتلا ہوگیا اور مرید دنیا ہوا۔ اس کی یہی سزا رذیل ہے کہ اس کو صفاتِ رذیلہ نفسانیہ کے قید خانے میں قید کر دیا جائے یا بُعد اور فراق کے عذاب کی دردناک سزا دی جائے۔ دنیاءِ باطل کا یہ زور توڑ جاتا ہے مگر مقام لَا خَوْفٌ پر فائز ہونے والا قلبِ دلیر صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ اس دنیاءِ رذیل نے ہی مجھ کو ورغلانے کی کوشش کی تھی مجھ کو تو رب کریم کے فضل و کرم نے بچا لیا۔ یوسفِ قلب لباسِ بشریت پھڑوا کر دروازۂ موت پر پہنچ کر عداوتِ دنیا کو ظاہر کرتا ہے لیکن دنیا ہزار مکر سے اہل اللہ کو ورغلاتی ہے اور قعرِ مذلت میں گرانا چاہتی ہے۔ مگر یدُ اللہِ لاھوتی دستگیری فرماتے ہوئے دنیا ہی کے اہل سے عقلِ ناسوتی کو شاہدِ لاہوتی بنا دیتا ہے اور وہ ربانی گواہ فیصلۂ امر سمجھاتا ہے۔ عقلِ مجرد مشورۂ ایمانی و دینی اُخروی امور کے لئے ہوتی ہے اور عقلِ عزیز ناسوتی مشورۂ امورِ دنیا کے لئے ہوتا ہے۔ مگر قدرتِ الٰہیہ سے عقلِ عزیز دین والوں کی حمایت میں بھی ہو جاتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ اگر یوسفِ قلب کی قمیصِ بشریت شہوات و حرص کی طرف سے دامنِ طمع سے پھٹی ہے تو قلب جھوٹا ہے اور دعوئے دنیا سچا ہے اور اگر لباسِ بشری نفرتِ خواہشات کے دبر سے پھٹا ہے تو قلبِ صنوبری سچا ہے اور دنیا و اہل دنیا جھوٹے ہیں۔ کیسا غافل ہے وہ انسان جو پھر بھی دنیا و لذاتِ دنیا سے فریب کھاتا ہے دنیا کی بے ثباتی محبت اور عشقِ دلفریب محض اترتی چھاؤں ڈھلتی دھوپ ہے اے راہِ معرفت کے بندۂ حسن منزلِ الٰہیات کی طرف بھاگ ہر ایک نے دروازۂ موت سے گزرنا ہے بھاگنے والا دروازے پر نگاہ رکھتا ہے تو بھی موت کو نگاہ میں رکھ۔ دنیا کے لباسِ فاخرہ پر عاشق نہ ہو۔ اس کا عشق مجازی ہے اس کی محبت جھوٹی ہے۔ یا اللہ ہم سب مسلمانوں کو راہِ معرفت عطا فرما اور فریبِ دنیا ابتلاءِ آخرت سے محفوظ رکھ۔

(روح البیان مع زیادت)

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ

تو جب دیکھا اس عزیز نے کرتہ ان کا پھاڑا گیا ہے پیچھے بولا بیشک وہ ہے مکر تمہارے

پھر جب عزیز نے اس کا کرتہ پیچھے سے چرا دیکھا بولا بے شک یہ تم عورتوں کا

اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا سکتۃ

بے شک مکر تو عورتوں کا بڑا ہے یا یوسف درگذر کرو سے اس

چرتر ہے بے شک تمہارا چرتر بڑا ہے اے یوسف تم اس کا خیال نہ کرو

وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾

اور تو اے عورت بخشش مانگ کی گناہ اپنے بیشک تو ہی تھی سے خطا کاروں

اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ۔ بے شک تو خطاواروں میں ہے

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ

اور بولیں عورتیں بیچ شہر۔ بیوی عزیز کی ورغلاتی ہے جوان کو اپنے سے دل اس کے

اور شہر میں کچھ عورتیں بولیں کہ عزیز کی بی بی اپنے نوجوان کا دل لبھاتی ہے بے شک

فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا

بے شک وارفتہ کر دیا جوان نے اس کو محبت میں بے شک البتہ دیکھتی ہیں ہم

ان کی محبت اس کے دل میں پیر گئی ہے ہم تو اسے صریح

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾

اس عورت کو ہیں عشق میں کھلا

خود رفتہ پاتے ہیں

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت یوسف پر لگائی گئی تہمت سے پاکدامنی پر ایک شیر خوار بچے کے معجزانہ کلام اور مشاورتی فیصلے کا ذکر تھا۔ اب اس فیصلے کی بنا پر صحیح صورت حال کے پتہ لگنے کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں زلیخا کی طرف سے بدنام کرنے کا ذکر ہوا اب یہاں آپ کے سچا ہونے کی بنا پر زلیخا کے خاوند عزیز مصر کی معذرت اور زلیخا کی طرف سے معافی مانگنے کا ذکر ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں زلیخا کی تہمت حضرت یوسف پر لگنے کا اور آپ کو بری کرنے کا ذکر ہوا۔ اب یہاں خود زلیخا پر تہمت اور بدنامی لگنے کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ف عاطفہ بمعنی ثُمَّ لَمَّا ظرفیہ بمعنی جس وقت رَاٰ فعل ماضی راٰیٌ سے بنا بمعنی بغور دیکھنا متعدی بیک مفعول ہے قَمِيْصَ مفعول بہ ہے ہٗ کا مرجع یوسف قُدَّ ماضی مجہول بمعنی اسم مفعول مِن جارہ ابتدائے غایت کے لئے دبر بمعنی پشت۔ قَالَ فعل ماضی جواب ہے لَمَّا کا قول ہے عزیز مصر کا۔ اِنَّ حرف تحقیق مقولہ ہے قول ہٗ ضمیر اسم اِنَّ اس کا مرجع یہ بھاگ دوڑ اور الزام کا واقعہ اور یا جزاؤ کا جملہ ہے۔ مِنْ بعضیہ ہے كَيْدِ اسم جنسی ہے۔ كَيْدٌ سے بنا بمعنی مکر فریب کید وہ چال ہے جو اپنے بچاؤ کے لئے آناً فاناً چلی جائے۔ كُنَّ ضمیر جمع مونث حاضر۔ مگر مراد واحد ہے۔ اِنَّ یقینیہ ہے كَيْدَ بحالت زبر اسم اِنَّ مضاف بطرف كُنَّ کے عَظِيْمٌ عَظْمٌ سے بمعنی سخت چبھنے والی چیز۔ یا بڑی یا اونچی۔ یا زیادہ یہاں سب معنی بن سکتے ہیں

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا یوسف منادیٰ مفرد معرفہ ہے لہٰذا مبنی ہے رفع پر۔ حرف ندائی پوشیدہ دراصل تھا یا یوسف اَعْرِضْ فعل امر بصیغہ واحد مذکر حاضر خطاب ہے سابقہ منادیٰ کو اور منادِی ہے عزیز مصر عَنْ جارہ بمعنی مِنْ هٰذَا اسم اشارہ قریبی کے لئے مشار الیہ مقدم ہے کیدکُنَّ ہے وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِيْنَ۔ واؤ سرجملہ استغفری باب استفعال کا امر ہے بصیغہ مونث حاضر۔ غَفْرٌ سے۔ یہ چھ معنی میں مشترک ہے ۱ مٹانا ۲ چھپانا ۳ رد کرنا ۴ بچانا ۵ بخش دینا ۶ معاف کرنا۔ یہاں یہ آخری میں ہے باب استفعال میں اکثر طلب کے معنی پیدا ہوتے۔ یعنی معافی مانگ لام جارہ تعلیلیہ ذنب کے بھی چند معنی ہیں مگر یہاں بمعنی گناہ کبیرہ کِ ضمیر مونث حاضر کا مرجع زلیخا۔ اِنَّ حرف یقینی۔ بیان سبب کے لئے کِ ضمیر اسم اِنَّ كُنْتِ فعل تامہ مونث حاضر کا صیغہ بمعنی ماضی بعید یا ماضی قریب۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ۔ الخاطئین۔ الف لام استغراقی ہے اسم فاعل بصیغہ جمع مذکر خَاطِیٌ کی جمع ہے خَطْیٌ سے بنا ہے۔ اسی سے خَطَاءٌ۔ بمعنی غلطی۔ قصور اصطلاحًا گناہِ صغیرہ کو کہتے ہیں شرعًا۔ زبانی بھول کو بھی کہا جاتا ہے اور پہلا گناہ کبیرہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ۔ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا۔ واؤ ابتدائیہ قال فعل مذکر اس کا فاعل نِسْوَةٌ مونث ہے۔ اس لئے کہ لفظ نِسْوَةٌ ایسا جمع مونث ہے اس کا واحد کوئی نہیں۔ لہٰذا یہ مونث سماعی کے مشابہ ہوا اور مطلب ہوا عورتوں کا گروہ بدیں وجہ فعل واحد مذکر آیا فی ظرفیہ کا تعلق یا نسوۃ سے ہے تب یہاں موجود پوشیدہ ہے جو صفت ہے نسوۃ کی یا تعلق ہے قال سے تب کچھ مقدر نہیں المدینہ۔ الف لام عہد خارجی ہے مُدُنٌ سے بنا۔ بمعنی رہائشی مکان۔ یہاں مراد شہر ہونا ہے۔ لفظ مدینہ بالعموم تین جگہ استعمال ہوتا ہے ۱ قلعہ ۲ قلعہ کے آس پاس کی زمین ۳ شہری علاقہ اور بالخصوص مدینہ منورہ کے لئے استعمال ہے۔ جب نسبت یائی عمومی مدینے کے ساتھ لگائی تو ہوگا مَدِيْنِيٌّ اور جب مدینہ منورہ سے یاءِ نسبت لگے تو ہوتا ہے مَدَنِيٌّ۔ اِمْرَءَةٌ اسم جامد ہے واحد ہے اس کی جمع کوئی نہیں مضاف ہے اَلْعَزِيْزُ الف لام عہد ذہنی ہے مراد خالص معین افسر ملک مراد ہے۔ ورنہ ہر ناظم الامور کو عزیز کہا جاتا تھا۔ عزیز مضاف الیہ ہے یہ مرکب مبتدا ہے اس کی دو جزیں جز اول تُرَاوِدُ کا پورا جملہ فعل مضارع حال بصیغہ واحد

مونث غائب رَدْدٌ سے بنا بمعنی اپنی محبت میں کھینچنا۔ فَتٰی اسم جامد ہے بمعنی مضبوط جوان مضاف ہے ھا ضمیر مونث کا مرجع اِمْرَأَتُ الْعَزِیْزِ ہے۔ عَنْ، مِنْ کے معنی میں ہے نَفْسِہٖ مرکب بمعنی صفت موصوف۔ مراد ہے شخصیت ہٖ کا مرجع فتٰی قَدْ شَغَفَ ماضی قریب شَغْفٌ سے بنا بمعنی قلب کا پردہ میں آجانا۔ جزدوم ہے۔ مبتدا اِمْرَأَتُ کی ھا ضمیر مفعول فیہ اس کا مرجع اِمْرَأَتُ ہے حُبًّا بحالت زیر تمیز ہے ھا کی۔ یہ جملہ محولہ یعنی بدلا ہوا ہے دراصل تھا۔ قَدْ شَغَفَ حُبُّ فَتٰی قَلْبَھَا اِنَّا لَنَرٰھَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ اِنَّا حرف مشبہ با اسم خود ضمیر جمع متکلم مونث اس کا مرجع نِسْوَۃٌ ہے۔ لام کی نَرٰ امضارع بمعنی حال رائی سے بنا بمعنی سمجھنا ھا ضمیر مونث کا مرجع امرأتُ العزیز ہے فی ظرفیہ ضَلٰل اسم مبالغہ ہے بروزن فعال ضَلٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا۔ نو معنی میں مشترک ہے غلطی کرنا۔ بہکنا۔ بھٹکنا۔ نقصان کرنا۔ بھولنا یا خود بھلا دینا۔ گم ہونا۔ دھوکہ دینا۔ گمراہ کرنا یا ہونا۔ محبت میں بے انتہاء ہونا۔ یہاں یہ آخری معنی مناسب ہیں۔ مبین اسم فاعل بابِ افعال سے بصیغۂ واحد مذکر بَیْنٌ سے بنا بمعنی ظاہر ظہور۔

تفسیر عالمانہ

فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَہٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّہٗ مِنْ کَیْدِکُنَّ اِنَّ کَیْدَکُنَّ عَظِیْمٌ بچے کی گفتگو سن کر سب لوگ سخت حیران ہوئے اور سمجھ گئے کہ یہ خدائی فیصلہ ہے غلط نہیں ہوسکتا یہ حضرت یوسف کا چھٹا معجزہ ہے اس سے پہلے پانچواں معجزہ تالوں کا ٹوٹنا تھا۔ ایک دم عزیز مصر اور سب لوگوں نے پہلے سامنے اور آگے کی طرف دیکھا پھر جب پیچھے کی طرف سے اس یوسف کی قمیص کو دیکھا۔ پھاڑی گئی تھی پیچھے سے۔ تب ہر چیز صاف نکھر کر سامنے آگئی کہ کون جھوٹا اور کون سچا ہے تب کہا عزیز مصر نے بے شک یہ سب شرارت اے عورت تمہارے مکر سے ہے یہ سخت غصے کی گفتگو ہے اور عام طور پر غصے میں ایک شخص کا جرم سب کی طرف لگایا جاتا جیسے ایک بچہ شرارت کررہا ہو تو باپ سخت غصے میں کہتا ہے کمبختو تم نے ناک میں دم کردیا ہے۔ یا مقصود جمع کہنے کا یہ ہے کہ ایسی مکاری تم سے تعجب ناک نہیں تم عورتوں کی فطرت ہی مکاری ہے۔ بیشک تم عورتوں کی مکاری ہمیشہ بڑی ہی ہوتی ہے۔ عظیم بروزن کریم مبالغہ کا صیغہ ہے جس میں دوام پایا جاتا ہے۔ کُنَّ ضمیر جمع مونث سے کلیت مراد نہیں نا جنسیت مراد ہے بلکہ اکثریت مراد ہے اس لئے کہ بڑی بڑی پاکدامن عورتیں گزری ہیں جن کی شرافت پر دین ناز کرتا ہے۔ کید سے مراد یہ بدمعاشی چوری ٹھگی فریب کاری لڑائی جھگڑے ناجائز عشق و محبت کسی بے گناہ کو تہمت کے جال میں پھانسنے کی مکاریاں ہیں ورنہ اس کے علاوہ ملکی سیاسی قتل و غارت ڈاکہ زنی جیسی مکاریوں میں مرد زیادہ چالاک حیلہ ساز واقع ہوئے یہ قول اگرچہ عزیز مصر کا ہے لیکن چونکہ رب تعالیٰ نے کہیں اس کی تردید نہ فرمائی اس لئے یہ بات واقعتاً درست ہوگئی شرعی قانون یہ ہے کہ نبی کریم جس کام کو کرتا دیکھیں اور منع نہ فرمائیں وہ جائز ہو جاتا ہے اور قرآن مجید جس کو بیان فرمائے پچھلی شریعت یا پچھلوں کی نقل فرماکر تردید نہ کرے تو وہ اسلام میں بھی قانون کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ حقیقت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے قرآن کریم نے بارہ چیزوں کو عظیم فرمایا۔ ۱۔ اپنی ذات کو عظیم فرمایا اس لئے کہ ذات واحد ہے اور سب کائنات کا اکیلا خالق ہے اور کائنات کے ذرے ذرے کو جانتا ہے۔

ع — ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ذرّے ذرّے میں اُس کی کاریگری کے جوہر نمایاں ہیں ۱ عرش کو عظیم فرمایا اس لئے کہ مخلوق میں سب سے بڑا ہے اس کے چار ستون ہیں اور ہر ستون کے تین سو ساٹھ پائے ہیں ہر پایا اتنا موٹا ہے کہ فرشتہ اپنی رفتار سے اسی برس میں ایک چکر کاٹتے ہیں ۲ نبی پاک کے اخلاق کو عظیم کہا اس لئے کہ آپ کا خلق قرآن پاک ہے اور دشمنوں پہ احسان فرماتا ہے ۳ حضرت اسمٰعیل کے فدیہ کو عظیم کہا اس لئے کہ تین ہزار تین سو ستر سال تک جنت میں اس کی پرورش ہوئی ۴ فرعون کے جادو کو عظیم کہا کہ سب سانپ بن گئے رسیاں بانس جو ستر یا اسّی اونٹوں پر لدی تھیں ۵ قیامت کے زلزلے کو عظیم کہا اس لئے کہ سب عزیز ایک دوسرے سے اس وقت بھاگ جائیں گے۔ ۶ شرک کو عظیم کہا کہ شرک سے زمین آسمان پہاڑ ٹوٹنے کے قریب ہو جاتے ہیں اور بجز جن انس سب کانپ جاتے ہیں ۷ قرآن پاک کو عظیم کہا اس لئے کہ ہر خشک و تر چیز اس میں ہے ۸ تخت بلقیس کو عظیم کہا اس لئے کہ دنیا کے تختوں میں سب سے بھاری تھا ۹ قیامت کو عظیم کہا اس لئے کہ سب سے بڑے اجتماع کا دن ہے ۱۰ بہتان تراشی کو عظیم کہا اس لئے کہ یہ سب سے بڑی خیانت ہے ۱۱ اور یہاں عورتوں کے مکر کو عظیم کہا اس لئے کہ اس کے زیادہ نقصان ہے۔ شیطان کے مکر کو ضعیف کہا کیونکہ عورتوں کا مکر شیطان کے مکر سے ڈبل ہوتا ہے اور عورت ہزار ناز نخرے فیشن چست لباس سے مرد کو لبھا سکتی ہے بھلا شیطان سرخی پوڈر لگا کر مرد کو کس طرح بہکائے اور ساڑھی باندھ کر کس طرح آئے ہر عورت کے مکر میں شیطان کا مکر شامل ہے کیونکہ عورت شیطان کا جال ہے۔ شیطان کا مکر اکیلا ہوتا ہے۔ اور یہ ضعیف و عظیم ہونا دنیا والوں کے اعتبار سے ہے نہ کہ رب کے سامنے اس ذات پاک کے سامنے تو ہر چیز نیست ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ صرف اتنا جھڑکنا غیرت کے خلاف ہے قتل کیا جانا چاہیئے تھا مگر یہ غلط ہے کیونکہ ارتکاب جرم ثابت نہیں صرف ارادہ ثابت ہوا قانونی طور پر ارادہ میں قتل جائز نہیں۔ یہ جرم صرف اتنی جھڑک اور شرم دلانے کے ہی لائق تھا۔ یہ سخت جھڑک سن کر زلیخا سخت شرمندہ ہوئی۔ اور ندامت کے آثار جسم پر ظاہر ہوئے تب عزیز نے کہا۔ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اے یوسف تم اس واقعے سے درگذر کرو اگرچہ تم کو سزا دلوانے رسوا کرنے دشمنی لینے میں اس مکار کمبخت نے کوئی کسر نہ چھوڑی مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے سامنے تم کو باعزت پاکدامن ثابت کر دیا جس سے تمہاری عزت میں چار چاند لگ گئے تم کو ناراض نہیں رہنا چاہیئے اور غم نہ کرنا چاہیئے۔ یہ سمجھا بجھا کر پھر زلیخا کی طرف متوجہ ہوا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ اور تو بھی اے زلیخا معافی مانگ مجھ سے اپنے اس گناہ کی یا آئندہ کے لئے ان حرکات سے باز رہنے کا سچا وعدہ کر بے شک تو بڑے بدکاروں میں ہے یہاں استغفار کا مطلب مجھ سے معافی ہے یا آئندہ کے لئے باز رہنے کا وعدہ مراد ہے۔ ذنب وہ گناہ ہے جو جانتے بوجھتے ہوئے کیا جائے خاطئین جمع مذکر لانا یا اظہار عظمت کے لئے ہے کہ بڑی خطا کار یا اس لئے کہ اصل و اکثر خطا کار مرد ہوتے ہیں عورتیں بالتبع بعض مفسرون نے کہا کہ اَعْرِضْ کا معنی ہے اے یوسف اس بات کو چھپانا اور زلیخا کے اس واقعے کو نشر و مشہور نہ کرنا۔ مگر یہ غلط ہے

کیونکہ وہاں پہلے ہی کثیر مجمع تھا لونڈی غلام نوکر چاکر چچازاد بھائی۔ اگر چھپانے کی خواہش ہوتی تو سب کو منع کیا جاتا۔ صحیح تفسیر وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی یہ کہ کہ عزیز مصر ناراضگی میں باہر چلا گیا چالیس دن تک زلیخا سے نہ ملا حضرت یوسف کو بھی اپنے ساتھ ہی رکھا (روح البیان۔ صاوی) وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا اِنَّا لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ اور شہر میں کسی جگہ بیٹھ کر یا محل ہی سے کسی کمرے میں بیٹھ کر یا ایک دوسرے کے گھر جا کر بولیں عورتیں جو شہر میں رہتی تھیں۔ نسوۃٌ مونث غیر حقیقی ہے اس لئے اس کا فعل مذکر آیا۔ فی کی ظرفیۃ کا تعلق یا قال سے یا پوشیدہ فعل سے۔ ارے دیکھو تو ہی تعجب کی بات ہے کہ گورنر کی بیوی کبھی اس کی بات نہیں سنی اب اس کو کیا ہوا ورغلانے لگ گئی اپنے جوان غلام کو امرأۃ العزیز مبتدا ہے اس کی دو خبریں ہیں پہلی تُرَاوِدُ فَتٰهَا دوسری قَدْ شَغَفَهَا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گہرا چیر دیا ہے اس کو غلام کی محبت نے۔ عزیز مصر نے بہت چاہا تھا کہ اس واقعے کا کہیں تذکرہ نہ ہو مگر داستان عشق ومحبت بھی کبھی چھپی رہتی ہے۔ یہ وہ آگ ہے کہ جتنا پانی ڈالا جائے اتنی ہی بھڑکتی ہے۔ شہر کی چالیس پچاس عورتوں میں یہ بات پھیل گئی تب محل کی پانچ عورتوں نے کسی محفل میں یہ بات کی ۱ شراب والے ساقی کی بیوی ۲ دربان کی بیوی ۳ عزیز کے مشیر خاص کی بیوی ۴ اور مشیر خاص کی بہن ۵ باورچی کی بیوی۔ شَغُفٌ کا معنیٰ ہے دل کا باریک پردہ پھاڑ کر کوئی چیز اندر چلی جائے ایک پردہ دل کے سب پردوں سے اونچا ہوتا ہے جو قلب کو سانس کی ہوا کھانے پانی سے مس کرنے اور دل تک پہنچنے سے بچاتا ہے۔ فتا اس جوان کو کہتے ہیں جو اپنی ہمت وجوانی کے جوہر دکھلانے کے قابل ہو جائے اسی لئے جب حضرت ابراہیم نے بتوں کو توڑا تب ان کو فتیٰ کہا گیا یعنی ابراہیم نے بڑی جواں مردی کا کام کیا نمرود جیسے ظالم بادشاہ اور اس کے ظالم رئیسوں درباریوں کے سب بت توڑ دیئے۔ اور اصحاب کہف نے جب جابر بادشاہ ظالم حاکم کی بھرے دربار میں علی الاعلان اطاعت سے منہ موڑا تو لوگوں نے ان کو فتیٰ کہا یعنی بڑے دلیر اسی طرح جب یوسف علیہ السلام نے زلیخا کے منہ پر عزیز کے سامنے بڑے ہجوم میں نہایت دلیری اور جرأت سے زلیخا کو جھٹلایا تب لوگوں کی زبان پر ان کے لئے فتیٰ کا لقب آیا۔ فتیٰ یعنی جوان مرد چھ قسم کے ہیں ۱ آدمی امیر ہو کر غریب ہو جاتے مگر اس کی خودداری غیرت مندی رکھ رکھاؤ میں فرق نہ آتے شکر کی منزل پر اسی طرح چلتا رہے صبر کی لاٹھی کا تکیہ بناتے کھڑا رہے ۲ مانگنے سے پہلے سائل اور محتاج کو عطا کرے اور فقیر کے حالات پر نظر رکھے ۳ جوانمرد وہ ہے جس کا ظاہر وباطن یکساں مزین ہو ۴ فتیٰ یعنی جوانمرد وہ ہے جو دشمن خونخوار پر قابو پاکر معاف کر دے ۵ فتیٰ وہ ہے جو مخلوق سے شکوہ شکایت نہ کرے راضی برضا رہے یا اسی خالق مالک سے فریاد کرے ۶ فتی یعنی جوانمرد وہ ہے جو امیری غریبی تنگی ترشی خوشی وغمی ہر حال میں حیثیت کے مطابق راہِ حق میں خیرات کرتا رہے۔ سب نے یوسف کی تعریف کی کہ اس کو فتیٰ یعنی دلیر کہا۔ لیکن زلیخا کو لعن طعن اور برا کہا کہ اِنَّا لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ بے شک ہم البتہ سمجھتی ہیں ہم اس عورت کو ظاہر ظہور غلط محبت میں۔ محبت سب ہی کرتے ہیں مگر ایسا بیہودہ پن ہدایت سے دور عقل کے خلاف کام کسی نے نہیں کیا زلیخا نے یوسف سے تین قسم کا عشق کیا۔

۱ عشقِ روحانی جب خواب میں دیکھا ۲ جب مصر میں دیکھا تو عشقِ نفسانی نے غلبہ کیا اور زلیخا کے مکر کے ساتھ شیطان معاون ہوا ۳ جب زلیخا مسلمان ہوئی تو اخلاص نصیب ہوا اور شیطان بھاگ گیا اس کا تسلّط ٹوٹا۔ تب عشقِ ایمانی ہوا۔ پہلا عشق دماغ میں ہوتا ہے دوسرا نفسِ امّارہ میں بعض نے کہا اسی کو شغف کہتے ہیں بعض نے کہا سارے بدن میں عشق کا اثر جاری ہو تو وہ شغف ہے تیسرا عشق دل میں ہوتا ہے۔ عاشقِ ایمانی چار کام کرتا ہے ۱ محبوب کو راضی رکھنا چاہتا ہے ۲ اس کے دوستوں کی دوستی اس کے دشمنوں سے دشمنی چاہتا ہے ۳ محبوب کی روح کی قسمیں کھاتا ہے ۴ مطلوب کی رضا چاہتا ہے چونکہ یہاں عشقِ نفسانی تھا اس لئے زلیخا کو اپنی جان و عزت کی فکر پڑ گئی یوسف کی فکر نہ رہی یہی حال سب دنیا اور دنیا کی دوستی کا ہے۔ عشقِ نفسانی کوفنا ہے اس لئے یہ عشق ضلال مبین ہے۔ عشقِ روحانی کی چار نشانیاں ہیں ۱ مفلسی جیسی کہ زلیخا کو عزیزِ مصر کے مرنے کے بعد ملی ۲ سرد آہیں بھرنا جیسی کہ زلیخا دیدارِ یوسفی سے پہلے بھرتی تھی ۳ اُنس اور پیار ۴ وسواس اور ہر وقت جدائی کا دھڑکا۔ اسی لئے طالب اپنے مطلوب کو اپنے میں سمو لینا چاہتا ہے غیر کی طرف اس کی نظر بھی برداشت نہیں کرتا۔ معشوق کسی کی طرف مسکرا کر بھی دیکھے تو عاشق کے دل پر چھری چل جاتی ہے۔ عاشق کی مفلسی بھی اس لئے ہوتی ہے کہ وہ معشوق کے ذکر اور نام پر ہر چیز نثار کر دیتا ہے۔ یہ جو سنی بریلوی لوگ نعت خوانوں کو ایک نعت پر ہزاروں روپیہ دے دیتے ہیں سب ذکرِ مصطفٰے کے عشق کی علامت ہے۔ (تفسیر روح البیان۔ صاوی۔ کبیر۔ نزائن۔ مدارک۔ خازن)

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** جنسِ عورت مطلقاً فریبی ہے اگر کوئی نیک ہو ولیہ ہو تو صحبتِ ولی اور نسبتِ مردِ صالح کا اثر ہو گا۔ اور مرد فطرتاً نیک ہے اگر کوئی بد ہو گا تو بری صحبت کی بنا پر۔ اسی لئے حدیث پاک میں ہے عورت شیطان کا جال ہے شیطان چھپ کر پھسلاتا ہے عورت سامنے آکر یہ فائدہ كَيْدَكُنَّ دالخ) سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** سب سے زیادہ فساد عورت کے وجود سے ہوتا ہے۔ دنیا میں پہلا قتل عورت کی بنا پر ہوا اسی لئے اولیاء اللہ اپنے چلوں کے دوران سب سے زیادہ پرہیز عورت سے کرتے ہیں۔ انبیاءِ کرام بھی چالیس سال تک عورت سے دور رہتے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں عورتوں کی محفل میں بیٹھنے والا مرد تین بری خصلتوں کا عادی ہو جاتا ہے اگرچہ کتنا لائق عالم پڑھا لکھا ہو ۱ چغل خوری ۲ حسد و رشک ۳ کم عقلی اور جلد بازی کے فیصلے اسی لئے ایسے شخص کو مفتی یا قاضی بنانا جائز نہیں یہ فائدہ عَظِیْمٌ فرمانے سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** زلیخا کا یہ پہلا جرم تھا اتنی عمر ایک نامرد آدمی کے ساتھ اپنی عفت و پاکدامنی کی پوری حفاظت کر کے گزاری تھی۔ اسی لئے اس تعجب کی بات کا حیرانگی سے چرچا ہوا اگر زلیخا کا یہ پہلا جرم نہ ہوتا تو عزیزِ مصر یہاں ضرور تذکرہ کرتا کہ تو تو شروع کی بدکار ہے اور پھر اتنی تحقیق و تفتیش بھی نہ ہوتی بلکہ عزیزِ مصر جوان غلام کو گھر ہی نہ رکھتا اس کو سابقہ اعتماد تھا۔ اور گناہِ محبت کبھی چھپا نہیں رہتا جس طرح یہ فعل باوجود چھپانے کے ظاہر ہو گیا اسی طرح وہ ظاہر ہو جاتا اور آج اس فعل پر عورتوں کو

حیران نہ ہوتی بلکہ کہتیں کہ یہ تو پہلے کی بد کارہ ہے۔ مگر عفت زلیخا پر کسی کو انگلی اٹھانے کی جرأت نہ ہو سکی۔ ہمارے اس دور کے دو مفسروں مودودی صاحب اور بھیروی صاحب نے زلیخا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو برا بھلا کہا ہے یہ ان کے رکج فہمی اور وہابیت نوازی ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا کہ عزیز مصر نے زلیخا سے کہا وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ استغفار یعنی بخشش مانگ اپنے گناہ کی اور بخشش رب تعالیٰ سے مانگی جاتی ہے کیونکہ رب گناہ بخشنے والا ہے۔ اور زلیخا و عزیز مصر ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے تو یہ بخشش و استغفار کا کیا مطلب ہے؟ **جواب** ہم نے تفسیر عالمانہ میں بتا دیا کہ یہاں استغفار کا اصطلاحی معنیٰ مراد ہے۔ یعنی معافی مانگنا۔ اور چونکہ شادی شدہ اگر زنا کا ارادہ کرے تو اس نے تین جرم کئے پہلا حق اللہ مارنے کا کیونکہ شریعت میں اللہ نے ہی اس کو حرام کیا ہے اس نے نافرمانی اللہ کی کر دی ہے مگر یہ کافر پر لاحق نہیں ہوگا۔ مسلمان عورت پر ہے۔ دوسرا خاوند کا حق مارا کہ ملک بضعہ میں اس کی خیانت کی تیسرا یہ کہ جس کو ورغلایا اگر وہ مان گیا تو اس نے اس کا تقویٰ گنوایا اگر نہ مانا تو اس نے اس پہ اتہام لگا کر اس کا وقار مٹایا۔ یہ دو جرم کافر پر ہیں۔ زلیخا نے یہ دونوں جرم کئے تھے اس لئے استغفار کے معنیٰ ہوتے کہ مجھ سے خیانت کی معافی مانگ اور یوسف سے بے عزتی کرنے کی معافی مانگ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا خاطِئِیْنَ چاہیئے تھا کہ فرمایا جاتا خاطئات **جواب** اس کا جواب بھی تفسیر میں دے دیا گیا کہ مذکر فرمانا زیادتی کے لئے ہے یعنی سخت خطا کار۔ کیونکہ بڑے کی خطا بھی بڑی ہوتی ہے۔ بڑے کی طرف نسبت کرنا اسی لئے ہوتا ہے کہ وہ بڑا ہے یا بڑا ہونے والا ہے **تیسرا اعتراض** جب انسان خلقتاً ضعیف ہے جیسا کہ قرآن پاک فرماتا ہے تو اس کا کید کس طرح عظیم ہو سکتا ہے **جواب** انسان جسماً کمزور ہے لیکن عقلاً عظیم ہے اور انسانوں میں عورت کا کید عظیم ہے مرد کا مکر عظیم ہے دونوں کا فرق ہم نے تفسیر میں بیان کر دیا۔

تفسیر صوفیانہ فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَیْدِكُنَّؕ اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ۔ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَ اسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـٕیْنَ ۔ جب زلیخائے دنیا کے صاحب وسید اہل ولایت نے حاکم دانش اور شاہد عقل کے مشورۂ بصارت کے بعد قوت بصیرت سے دیکھا کہ دنیا کا تصرف قلب مومن تک صرف بشریت کے کمزور کرنے کے ذریعے ہی پہنچتا ہے بجز لباس انسانیت دنیا کے پھندے میں آنے کا کوئی سبب نہیں اور بشریت کی کمزوری ہی نشان مکر و فریب کا پتہ دیتی ہے۔ تب حاکم مختار نے کہا بے شک یہ یوسف قلب کی قمیص بشریت سے تعلق پیدا کرنا دنیائے دون اور اس کی شہوات رذیلہ کا پر فریب جال ہے بے شک اے دنیائے ذمیمہ خواہشات طبعیہ تمہارا مکر نہایت سخت ہے کہ بڑے بڑوں کو وصل الٰہی کے راہ سے پھسلا دیتی ہو۔ وادی مشاہدات کے عاشقوں کو دنیا و مکر و فریب سے ہی بچنا چاہیئے ورنہ دنیا راہ منزل کے مسافروں کو ہزار لباسوں سے ورغلا کر قعر مذلت میں ڈال کر وصل محبوب سے جدا کر کے قید خانۂ فنا میں ڈال دیتی ہے۔ ابلیس نفس کا سب سے بڑا ہتھیار دنیا کی زیبائش ہی ہے مگر اہل اللہ

کا قلبِ سلیم دنیا کے مکرِ عظیم سے بچالیا جاتا ہے۔ اور مربیِ الطافِ قدس کا کام محبت فرماتا ہے کہ اسے قلبِ منور خباثتِ دنیا سے درگذر کر کے محلاتِ عشق میں جاکر خلوتِ وصل کی لذتیں قبول کرلے دنیاءِ ذمیمہ کا ذکر نہ کرنا کیونکہ کثرتِ ذکر محبت کو پیدا کرتی ہے اور محبتِ دنیا ہر گناہ کی جڑ ہے۔ اے دنیاءِ رذیل اپنے گناہ مکر کو دور کرے مجالس اولیاء اور محافل عشاق میں تیرے مکر کے پردے چاک ہیں بجز استغفار چارہ نہیں بے شک تو قلب منور سے حیلۂ شہوت زینت زحمت اور طریقہ وصل الٰہیہ کے توڑنے کی سعی میں بدبخت خطاوار ہے اور ان لوگوں کی مثل بدکار ہے جو خود بھی خاردار ظلمات میں گمراہ ہوئے اور ہزاروں کو گمراہ کیا گمراہ کو ایمان ازلی نہیں ملتا کیونکہ ایمان تین چیزوں سے مکمل ہوتا ہے ۱۔ تصدیق ۲۔ اقرار ۳۔ اعمالِ صالحہ اور یہ تینوں چیزیں شعورِ باطن سے حاصل ہوتی ہیں اور گمراہ کے پاس شعور نہیں ہوتا۔ گناہ شعور کو تباہ کرتا ہے قلب انسانی جب تک قالب کو گناہوں سے بھرا دیکھتا ہے تو غمگین ہوتا ہے اور جب نیک نیتی اور معرفت کا شاہد دیکھتا ہے تو سرور کی لذتوں سے سرشار ہو جاتا ہے بندے کو چاہیئے کہ بھروسۂ الٰہیہ کی پوکھٹ پر نیک نیت سے معرفت کی بھیک مانگتا ہے۔ جس طرح گناہ چھپے نہیں رہ سکتے ہاتھ پاؤں زمین و مکان آنکھ ناک کان معتبر گواہ ہیں جو اچھی وضاحت سے گناہ بتادیں گے اسی طرح نیک بخت کی نیکی بھی عالمِ انوار میں نیرِ تاباں بن کر چمک جاتی ہے۔ چہرے کا نور ہی طہارتِ قلبی کا شاہدِ برحق ہے۔ بندے کی پانچ چیزیں تقدیر نے مقرر کر دیں ۱۔ رزق ۲۔ رہائش ۳۔ عمر ۴۔ عمل ۵۔ اجل۔ جب قلبِ مومن معبودِ قدیر کا قصد و ارادہ کرلے تو رب تعالیٰ کا گھر اس کی کشتی ہوتی ہے کہ وہ خود کسی طرف جا نہیں سکتا کشتی خود پار لے جاتی ہے۔ اور اللہ کا وصل اس کا شکار ہوتا ہے۔ یوسفِ قلب کا کام سوال ہے صاحبِ دل کا کام کوشش اور خالق کا کام لطف و کرم کی نرمی کرنا ہے بارگاہِ ایزدی میں کسی کی صورت شکل جان و مال کی باریابی نہیں ہوسکتی وہاں تو صرف قلب و نیت کو شرفِ حاضری نصیب ہوتا ہے لہٰذا انہی کو سجانا بنانا چاہیئے شکل و صورت کی سجاوٹ میں مشغول ہونا اہلِ دل کا کام نہیں وہ تو دنیا پرستوں اور شہوانی عورتوں کا پیشہ ہے۔ اعمالِ قلبیہ مقامِ قبولیت کے لائق ہیں مگر ریاکاری اور اہلِ دنیا کو دکھانے کے لئے اعمال برباد ہیں۔ دروازۂ موت کھلنے پر سب رسوائی کا سبب ہیں اور عذابِ فراق کا باعث۔ ریاکار جس دنیا کو دکھانے کے لئے عمل کرتا ہے وہی اس کو ملعون و ذلیل کرتے ہیں وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ ۔ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۔ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ شہرِ جسد اور بستیِ قالب کے کمزور مکرو منفی نانک جیسی صفاتِ بشریہ۔ عاداتِ نفسانیہ۔ فضائلِ شیطانیہ۔ رذالتِ بہیمیہ۔ اخلاقِ بیہودہ۔ بدتمیزیِ درندگی نے کہا کہ اتنی بڑی دنیا اپنے ہی بندۂ محتاج قلب کی محبت میں مکر و فریب سے اس کے نفسِ مطمئنہ کو ورغلاتی ہے۔ زمانۂ تربیتِ قلبی میں قلب ابتداءً دنیاءِ دون کا محتاج نظر آتا ہے مگر جب نظرِ الٰہی کے صابن اور تجلیاتِ انوار کے صیقل سے کمالِ قلب حاصل ہوتا ہے پھر نورِ ازلی کی بجلیاں اور چراغِ معرفت کی شعاعیں قلب مومن پر وارد ہوتی ہیں تب جمال و جلال کے حسنِ عالم تاب سے دل ایسا منور ہوتا ہے کہ ہر شئی دنیا و ما فیہا اس کی محتاج اور اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہے اور دنیاءِ متکبرہ کے قلب و جگر اور اہلِ دنیا کے دلوں میں اس کی محبت اور عشق پیدا ہو جاتا ہے۔

اور جمالِ حق کے آثار چہرۂ دل پر نظر آتے ہیں۔ صفاتِ بشریہ کو کیا خبر کہ یوسف قلب کا جمال کیا ہے۔ اسی لئے اہل شقاوت سالکینِ عشق کو طعنے دیتے ہیں۔ خود گمراہی میں ہوتے ہیں لیکن عشق کے مستانوں کو ضلالِ مبین کا طعنہ دیتے ہیں۔ گمراہ وہ ہے جو دنیا کو لے کر آخرت بیچ دے مجاز کے بدلے حقیقی دے دے۔ بدبخت ضعیف الایمان کمزور یقین والا دنیا کو بلند کرتا ہے۔ دین کو نیچا کرتا ہے۔ خوش بخت نجاست وکثافت کو دھو کر آنسوؤں کے پانی سے گناہوں کا میل مٹا کر قربِ بارگاہ حاصل کر لیتا ہے۔ نادانوں کے طعن کی پرواہ نہیں کرتا۔ اہل سعادت جانتے ہیں کہ صراطِ مستقیم وہ کٹھن راہ ہے جہاں طعنوں ملامتوں کی بے شمار جھاڑیاں ہیں۔ یہاں کبھی دل چھلنی کرنے پڑتے ہیں کبھی کپڑے پھاڑے جاتے ہیں (امام غزالی۔ تفسیر روح البیان) یہاں رات اندھیری ہے آنکھیں اندھی پھسلن رستہ دھکے دینے والے بہت دستگیر کوئی نہیں بجز اللہ رسول۔ اولیاء کے دامن میں آکر رب کے عفو کی اس کے عذاب سے اس کے مہر کی اس کے قہر سے پناہ لینے والا ہی فلاحِ دارین کا حقدار ہے۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ

تو جب اس نے سنا کو مکر ان کے بھیجا عورت نامہ طرف ان کی اور تیار کیں لیے

تو جب زلیخا نے ان کا چرچا سنا تو ان عورتوں کو بلا بھیجا اور ان کے لیے

لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا

ان کے مسندیں [illegible] اور دی ہر ایک کو سے ان میں چھری بولی اور نکل آ جیے سامنے

مسندیں تیار کیں اور ان میں ہر ایک کو ایک چھری دی اور یوسف سے کہا

وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ

ان کے تو جب دیکھا عورتوں نے ان کو بڑائی بولنے لگیں ان کی اور کاٹ لیے

ان پر نکل آؤ جب عورتوں نے یوسف کو دیکھا اس کی بڑائی بولنے لگیں اور

اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ

انہوں نے ہاتھ اپنے اور بولیں شان ہے لیئے اللہ کے نہیں یہ انسان نہیں یہ گو مگر فرشتہ

اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور بولیں اللہ کو پاکی ہے یہ تو جنس بشر سے نہیں یہ تو نہیں مگر

إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿٣١﴾ قَالَتْ فَذَٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ۖ

کرم والا ۔ بولیں زلیخا پس یہی ہیں وہ ملامت کیا تم نے مجھ کو بارے ہیں

کوئی معزز فرشتہ ۔ زلیخا نے کہا تو یہ ہیں وہ جن پر تم مجھے طعنہ دیتی تھیں

وَلَقَدْ رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ۖ وَلَئِن لَّمْ

جن کے اور البتہ بیشک میں نے ورغلایا ان کو سے دل ان کے تو بچا لیا انہوں نے خود کو اور البتہ

اور بے شک میں نے ان کا جی لبھانا چاہا تو انہوں نے اپنے آپ کو بچا لیا اور

يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصَّاغِرِينَ ﴿٣٢﴾

اگر نہ کیا انہوں نے وہ حکم دیتی ہوں میں جس کا البتہ قید کیے جائیں گے اور ضرور ہوں گے خوار

بے شک اگر وہ یہ کام نہ کریں گے جو میں ان سے کہتی ہوں تو ضرور قید میں پڑیں گے اور ذلت ضرور اٹھائیں گے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت یوسف کی خدا تعالےٰ کی طرف سے پاکدامنی کا ذکر ہوا اب زلیخا کا خود اپنے کو تہمت اور طعنوں سے بچانے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت یوسف کے حسنِ ایمانی کا ذکر ہوا۔ اب یہاں یوسف علیہ السلام کے حسنِ جسمانی کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں یوسف علیہ السلام کے ایک ایسے معجزے کا تذکرہ تھا جو ایک شیر خوار بچے پر ظاہر ہوا اب یہاں آپ کے دوسرے اس معجزے کا ذکر ہے جو آپ ہی کے جلوے کی تجلیات سے مصری عورتوں پر ظاہر ہوا۔

تفسیر نحوی فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا ۔ فاء تعقیبیہ۔ لَمَّا ظرفیہ سَمِعَتْ فعل ماضی بصیغہ مونث ھِیَ ضمیر مستتر اس کا فاعل باء زائدہ ہے۔ مَکر کے معنی ہیں خفیہ کام۔ خواہ سازش ہو یا عمل ہو۔ خواہ بات۔ یہاں خفیہ بات مراد ہے۔ جس کو اردو میں کانا پھوسی کہا جاتا ہے۔ جس طرح عورتیں آپس میں کسی کے خلاف چپکی چپکی باتیں کرتی ہیں۔ ھِنَّ ضمیر جمع مونث غائب سے نِسْوَۃٌ مراد ہیں۔ اَرْسَلَتْ جواب لَمَّا ہے۔ اِرسال بابِ افعال کا ماضی مونث ہے اس کا فاعل عزیز کی بیوی ہے۔ متعدی بیک مفعول ہے اس کا مفعول بہ دَعْوَۃً پوشیدہ ہے الیٰ جارہ انتہاء کے لئے ہے ھِنَّ ضمیر جمع مونث مجرور متصل ہے واؤ عاطفہ اِعْتَدَتْ دراصل تھا اِعْتَدَیَتْ باب افتعال سے ماضی ہے۔ عَدٰی مادہ ہے بمعنٰی شمار کرنا۔ ایک قول ہے کہ یہ باب افعال سے ہے عَتُدٌ سے بنا بمعنٰی تیار کرنا۔ یہ ہی صحیح ہے لَهُنَّ لام جارہ نفع کا ہے۔ ھُنَّ ضمیر کا مرجع

وہ باتونی عورتیں ہیں۔ مُتَّکَاً اسم ظرف ہے مشتق ہے وَکَاً سے بمعنی ٹیک لگانا۔ یہاں مراد دعوت، کھانا ہے۔ واو عاطفہ اٰتَت فعل ماضی واحد صیغہ مونث غائب۔ اٰتیٌ سے عربی میں یہ لفظ تین معنی میں مستعمل ہے ۱۔ آنا یہی اصل ہے ۲۔ ابتاء ۳۔ دینا یہاں یہ ہی آخری معنی مناسب ہیں متعدی ہے بدو مفعول اس کا مفعول اول کُلَّ ہے لفظ کُلَّ الفاظ جمع سے ہیں واحدۃ مونث عددی ہے اس کی مذکر واحدٌ ہے من جارۃ تبعیضیہ ھُنَّ مجرور متصل سِکِّینًا۔ اسم مشتق ہے۔ بلنے کا صیغہ بروزن صِرِّیْف باب تفعیل سے ہے اس کا مصدر ہے تسکین مذکر ہے بمعنی فاعل متعدی ہے بمعنی ساکن کرنے والی۔ چونکہ چھری سے مذبوحہ جانور ساکن ہو جاتا ہے اس لئے چھری کو سکین کہا گیا۔ تنوین تنکیری ہے وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ واو حرف عطف بمعنی ثُمَّ قَالَتْ زلیخا کا قول ہے اُخْرُجْ فعل امر مقولہ ہے قول باب نصر سے ہے لازم ہے عَلٰی جارہ عِنْدَ کے معنی میں ہے ھِنَّ ضمیر جمع مونث۔ فاء تعقیبیہ یعنی بعد میں ہونا لَمَّا حرف شرط مقام ظرفیت میں ہے رَاَیْنَ فعل ماضی جمع مونث غائب کا صیغہ۔ رائیٌ سے بنا بمعنی خوب غور سے دیکھنا متعدی بنفسہٖ ہے ہٗ مفعول بہٖ ہے اَکْبَرْنَ باب افعال کا ماضی بصیغہ جمع مونث اس کا فاعل وہی باتونی عورتیں ہیں۔ مصدر اکبار ہے بمعنی بڑائی بیان کرنا قلب وزبان ہٗ مفعول بہٖ کا مرجع یوسف ہیں۔ واو عاطفہ جمعیت کے لئے ہے قَطَّعْنَ ماضی مطلق معروف جمع مونث، باب تفعیل ہیں آکر زیادتی کے معنی پیدا ہوئے۔ یعنی خوب کاٹنا۔ اَیْدِیَ جمع ہے یَدٌ کی بمعنی پورا ہاتھ یہاں مراد ہے پھل پکڑنے کی جگہ یعنی انگلیاں ھُنَّ ضمیر جمع مرجع وہی عورتیں ہیں وَقُلْنَ حَاشَا لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ واو عاطفہ قُلْنَ قول ان مہمان عورتوں کا فعل ماضی بصیغہ جمع مونث۔ حَاشَا اس لفظ میں چھ قرئتیں ہیں ۱۔ حَاشَ ۲۔ حَاشَاۃ ۳۔ حَاشَ اللّٰہ مضاف۔ مضاف الیہ بنا کر ۴۔ حَاشًا ۵۔ حَشَا ۶۔ حَاشٍ بعض نے فرمایا یہ اسم جامد ہے تبریۃ بمعنی پاکبازی کے لئے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ فعل ماضی ہے باب مفاعلۃ سے حَشْوٌ مادہ دراصل تھا حاشوَ بغیر الف واو کو بقانون نحو الف سے بدل دیا۔ پھر برائے تخفیف الف کو گرا دیا۔ مگر بولنے میں الف مروج ہے اس کا معنی بزرگی ثابت کرنا ہے بھرپور طریقے سے۔ بعض نے کہا یہ اسم فعل ہے بمعنی ماضی اِتَّبَرَّءَ یہ لفظ انتہائی حیرانی میں بدیہیً بولا جاتا ہے۔ لام تحسین کا یا ملکیت کا مانافیہ هٰذَا اسم اشارہ قریبی اس کا مشار الیہ یوسف ہیں بَشَرًا اسم جامد ہے بُشْرٌ سے بنا بمعنی کھال اور گوشت پوست والا مراد ہے عام انسان اِنْ نافیہ هٰذَا اسم اشارہ قریبی اَلَّا حرف استثنا بمعنی سوا حصر کے لئے مَلَكٌ اسم جامد ہے بمعنی فرشتہ كَرِيْمٌ بروزن فعیل بمعنی مفعول۔ کرمٌ سے مشتق ہے صفت ہے ملکٌ کی۔ بمعنی معزز۔ جلیل القدر۔ شریف النفس۔ یہاں سب معنی بن سکتے ہیں۔ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ۔ قَالَتْ فعل ماضی بصیغہ مونث کا فاعل زلیخا ہے فاء فصیحۃ کلام کی ہے۔ ذٰلِكُنَّ ذَا اِلیہ کُمَا کُنَّ ضمیر مونث کے ساتھ۔ مطلب ہے یہ تمہارا وہی ہے۔ اَلَّذِیْ اسم موصولہ مذکر خبر ہے مبتدا کی۔ ذٰلِکُنَّ مبتدا ہے۔ لُمْتُنَّ باب نصر کا ماضی مطلق معروف بمعنی بعید بصیغہ جمع مونث ہے اس کا واحد۔ لَامَ۔ لومٌ سے بنا بمعنی ملامت کرنا نِیْ نون وقایہ

یاءِ متکلم مفعول بہ بمعنی ملامت کرنا برا بھلا کہنا بعض نے فرمایا دراصل تھا ذَالِکَ۔ کُنَّ لُمْتُنَّ ماضی بعید۔ مرسول نے فاصلہ کر دیا لِلذَّاکُنَّ ضمیر ذالِکَ سے جڑ گئی۔ فی ظرفیہ ہٗ مرجع یوسف وَلَقَدْ رَاوَدْتُّہٗ عَنْ نَّفْسِہٖ فَاسْتَعْصَمَ واؤ عاطفہ عطف سابقہ مقولے پر ہے۔ لام کی رَاوَدْتُّ واحد متکلم کا اقراری صیغہ ہے۔ رَوْدٌ سے بنا بمعنی کھینچنا یعنی محبت سے ورغلانا ہٗ ضمیر کا مرجع یوسف مفعول بہ ہے۔ عَنْ جارہ بمعنی مِنْ۔ نفس معنیٰ شخصیت فا تعقیبیہ اِسْتَعْصَمَ باب استفعال کا ماضی مطلق بمعنی بعید اس کا فاعل حضرت یوسف ہیں عَصْمٌ سے بنا بمعنی بچنا۔ لازم ہے باب استفعال میں آکر متعدی بیک مفعول ہوا۔ وَلَئِنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَآ اٰمُرُہٗ لَیُسْجَنَنَّ وَلَیَکُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ واؤ عاطفہ عطف ہے قالت کے پہلے مقولے پر۔ لام کی اِنْ حرف جملہ شرطیہ منفیہ ہے لَمْ یَفْعَلْ فعل نفی جحد بلم بمعنی ماضی اختیاری فعل کے لئے اس کا فاعل یوسف ہیں ما موصولہ اس کا مفعول بہ۔ اٰمُرُ فعل مضارع متکلم فاعل انا ضمیر مستتر۔ ہٗ اس کا مفعول بہ مرجع یوسف ہیں لَیُسْجَنَنَّ یفعل لام تاکید یا نون تاکید ثقیلہ مستقبل مجہول نائب فاعل ھُوَ ضمیر مستتر مراد یوسف ہیں۔ واؤ عاطفہ لَیَکُوْنًا لام تاکید یا نون تاکید خفیفہ دراصل تھا لَیَکُوْنَنْ مِنْ جارہ کی میم سے جوڑنے کے لئے الف لگایا گیا بشکلِ تنوین مثلاً لَنَسْفَعًا نون خفیفہ الف سے بدل گئی مِنْ جارہ تبعیضیہ اَلصّٰغِرِیْنَ الف لام استغراقی ہے صٰغِرِیْنَ اسم فاعل جمع ہے اس کا واحد ہے صَاغِرٌ صِغَرٌ سے بنا باب سمع سے ہے۔ بمعنی چھوٹا ہونا یہاں مراد ہے چھوٹا ہونا یعنی عزت میں چھوٹا ہونا۔

تفسیر عالمانہ

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَکْرِھِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَیْھِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَھُنَّ مُتَّکَاً وَّاٰتَتْ کُلَّ وَاحِدَۃٍ مِّنْھُنَّ سِکِّیْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَیْھِنَّ

یہ واقعہ مصر کے گلی کوچوں میں مشہور ہو گیا کوئی کہیں تذکرہ کر رہا ہے کوئی کہیں یہاں تک کہ جب اس کی اپنی ملازمہ اور رئیس زادیوں نے ایسی طعن آمیز گفتگو کی اور اس کو خبر پہنچی تو جان لیا کہ یہ کچھ ضرور مکر پھیلائیں گی لہٰذا پہلے ان کا بندوبست کرنا چاہیئے تو جب زلیخا نے سنا ان کے مکر کو۔ مکر اور کید میں فرق یہ ہے کسی کو پھانسنے کیلئے جال پھیلانا کید ہے اور کسی کے نقصان کیلئے کوئی عملی چال چلنی مکر بعض نے کہا کہ کسی کو غلط راہ پر ڈالنا کید ہے اور خود پیچھے رہ کر کسی کو آگے لگا کر تمیز سے کے خلاف قدم اٹھانا مکر ہے ایک قول یہ ہے کہ کسی کو دھوکہ دینا کید ہے اور کسی کو دھوکے میں رکھنا مکر ہے۔ ایک قول ہے کہ ظاہر ظہور اپنا مطلب نکالنا کید ہے اور ظاہر میں کچھ ہو باطن میں کچھ مرضی ہو یہ مکر ہے وہی یہاں مراد ہے کہ ان عورتوں نے ظاہراً تو زلیخا کو ملعون اور برا کہا۔ دل میں مرضی یہ تھی زلیخا ہم کو بھی وہ غلام دکھلائے یا یہ چاہت تھی کہ یوسف کو گھر سے نکال دیا جائے اور وہ ہم سے کسی کو مل جائے مگر پہلا قول قوی ہے بدیں وجہ اَرْسَلَتْ زلیخا نے ان کی طرف پیغام دعوت بھیجا یہ دعوت اس واقعے کے چھ ماہ یا دو ماہ بعد ہوئی۔ ادھر تو کل کی دعوت کا پیغام لے کر قاصد ہر گھر کو روانہ ہوا ادھر وَاَعْتَدَتْ لَھُنَّ مُتَّکَاً۔ زلیخا نے اپنی ملازماؤں اور لونڈیوں کے ذریعے نہایت عمدہ طریقے سے دعوت گاہ سجایا اس اہتمام کے تین مقصد تھے ۱۔ اگرچہ وہ سب عورتیں زلیخا کی ملازمین اور ماتحتوں کی بیویاں۔ اور مائیں بہنیں تھیں مگر ان کی عزت افزائی کی تاکہ آئندہ وہ طعن میں زبان نہ کھولیں۔ غریب اور مزدور پیشہ کو جب کوئی عزت

دیتا ہے خواہ بناوٹی اور مطلبی عزت ہی کیوں نہ ہو تو وہ اتنا خوش ہوتا ہے کہ اس کا بندۂ بیدام بن جاتا ہے۔ جتنے بھی
باطل و عیار لوگ ہیں وہ یہی ہتھکنڈا استعمال کرتے ہیں مزدور جلدی ساتھی بنتا ہے ۔ اگرچہ وہ عورتیں اتنی اہمیت
اور عزت افزائی کے لائق نہ تھیں مگر دیدار جس کا کرانا تھا جس کی شان کی دھاک بٹھانی تھی وہ بڑا عظیم تھا۔ علماءِ کرام
فرماتے ہیں کہ جس جگہ قرآن مجید پڑھا ہو وہاں خوب خوشنمائی سجاوٹ کرو خوبصورت پردے قالین بچھاؤ خوشبو مچاؤ۔
اسی طرح ذکرِ نبی کریم کے لئے بھی محفل سجانا فرض ہے یہ مہمانوں کا ادب نہیں بلکہ قرآن کریم اور صاحبِ قرآن کا احترام ہے
۳۔ کچھ عورتیں رئیس زادیاں تھیں ان کی خاطر اتنا اہتمام کیا گیا۔ ایک لونڈی نے کہا وہ عورتیں تو تیری بدگو ہیں پھر ان کا اتنا
احترام کیوں زلیخا نے کہا میں تلوار کی مار نہیں مارنا چاہتی بلکہ دیدار یوسفی دکھا کر پھر فراق کی مار مارنا چاہتی ہوں عاشق جب
تک فراق کے بھنور میں رہتا ہے اس سے بڑھ کر دیوانہ کوئی نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ تلاشِ محبوب میں مجنون ہوتا ہے اور
جب وصل پا جاتا ہے تو اس سے بڑھ کر سیانا کوئی نہیں ہوتا کیونکہ وہ مطلوب کی حفاظت میں ہر شے پہ نظر رکھتا ہے ہر چیز
کو سمجھتا ہے زلیخا نے عورتوں کی باتیں سنیں تو فوراً تہہ تک پہنچ کر مکاری کو سمجھ گئی اور دعوت کے لئے بلا لیا جب سب آ
گئیں اور اپنے اپنے مقام پر تکیوں سے ٹیک لگائی تو اترنج لا کر دی یا آکر دی یعنی ہر عورت کے ہاتھ میں خود پکڑائی ان تمام
عورتوں میں سے ہر ایک کو وہ چالیس عورتیں تھیں جن میں وہ مذکورہ پانچ عورتیں بھی سِکِّیْنًا چھری یہ دعوت بھی ایک مکر
تھا ان کے مکر کے جواب میں یہ دعوت کھانا غذا کی نہ تھی بلکہ بعد نماز ظہر قبل عصر عصرانہ تھی جس میں صرف پھل اور دودھ
ہوتا ہے آجکل چائے ہوتی ہے جب سب بیٹھ گئیں بڑے ناز سے تکیہ لگاتے امرا کی طرح تو زلیخا نے کھانے کی اجازت
دی اور خود شامل نہ ہوئی سب نے ایک ایک پھل اٹھایا اور زور سے حسب عادت کاٹنے لگیں۔ عورتوں کو بجز دعوت کچھ
پتہ نہ تھا وہ پھل کاٹ رہی ہیں اور تیز چھری پھلوں پہ رگڑی جا رہی ہے وقالت اور ایک دم زلیخا نے یوسف علیہ السلام
کو کہا کہ نکل آؤ ان عورتوں کے سامنے زلیخا نے حضرت یوسف کو پہلے ہی سے ساتھ والے کمرے میں بٹھایا تھا۔ مُتَّكَاً
کے بارے چار قول ہیں ایک یہ کہ تکیہ گاہ جگہ تب یہ تکؤ سے بنا امراء لوگ اس طرح بیٹھتے ہیں اسلام میں تکیہ لگا کر بلا عذر
کھانا منع ہے دوم یہ کہ یہ مُتْکٌ سے بنا یعنی سخت کھانا جس کو چھری سے کاٹا جاتے ایک لغت مُتْکٌ بھی ہے اگر لیموں
مراد ہو تو کھانے کے آخری حالت مراد ہے سوم یہ کہ متکاء سے مجازاً انار یا سیب یا لیمو مراد ہے چہارم یہ کہ گوشت بھنا
مراد ہے مگر صحیح یہ ہے کہ سیب تھے وہ اپنی قوت سے کاٹ رہی تھیں کہ یوسف باہر سامنے آگئے فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ
وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ یہاں یہ ایک جملہ پوشیدہ ہے خَرَجَ عَلَیْهِنَّ یوسف
ان کے سامنے نکل آتے تو جب ان عورتوں نے دیکھا دنگ رہ گئیں اور یوسف علیہ السلام کی نعت خوانی کرنے لگیں
یعنی بھلا ان لوگوں نے ایسا جاہ وجلال۔ حسن وجمال کب دیکھا تھا حسنِ یوسف معجزۂ یوسفی تھا جس کا ہر دور نرالا تھا
اور اس کو دیکھنے کے لئے ہر آنکھ مختلف تھی۔ بعض نے کہا کہ یہ حسن آپ کی پردادی سارہ کی میراث تھا وہ بھی

بہت حسینہ تھیں مگر یہ میراث ہونا درست نہیں۔ پھل کاٹتے کاٹتے مدہوش ہوگئیں اور اسی مدہوشی میں چھری چلاتی ہیں پھل کٹ گئے چھری پیچھے انگلیوں پر آئی اور چلتی رہی اور خوب کاٹا کھال کٹی گوشت کٹا اور بعض کی ہڈی تک کٹ گئی قَطَّعْنَ باب تفعیل کا ماضی ہے جس میں کثرت کے معنی ہیں یعنی خوب ہی کاٹ لئے مگر درد ذرہ بھر نہ ہوئی اور کہتی رہیں حَاشَ لِلّٰہِ اللہ ہی کو کبریائی ہے جس نے ایسا پیدا کیا۔ نہیں ہے یہ بشر کیونکہ آج تک ایسا بشر دیکھا نہ گیا۔ ایک قرءت میں حَاشَ ہے ایک میں حَاشَا معنی سب کا ایک ہے تخفیف کے لئے الف گرایا۔ نہیں یہ یوسف مگر بہت ہی مکرم فرشتہ یعنی عام فرشتہ بھی نہیں بلکہ عام فرشتوں سے اعلیٰ۔ یہ سب مدہوشی اور وارفتگی کے عالم میں گفتگو ہوئی اس طرح کہ نگاہوں میں جمالِ یوسف زبانوں پر ثناءِ یوسف اور ہاتھوں میں قضاءِ یوسف یعنی چھری۔ کچھ دیر جھلک دکھائی پھر چلے گئے یا خود یا زلیخا کے کہنے سے۔ جب اچھی طرح بدحالی ہوگئی اور جمال یوسف نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تب درد محسوس ہوا اور پتہ لگا کہ پلک جھپکنے میں کیا ہوگیا۔ اب درد بھی ہے تڑپ بھی اور پھر بھی تو زلیخا بولی قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ بولی پس دیکھ لیا تم نے وہ یوسف تمہارا یہ تھا۔ ذٰلِكُنَّ سے مراد یوسف ہیں اور كُنَّ سے مراد یہ عورتیں ھٰذا نہ کہا دو وجہ سے ایک یہ کہ جسماً وہ تم سے غائب ہوگیا دور چلا گیا کیونکہ نحوی قاعدے سے ذالکن غائب کے لئے بولا جاتا ہے دوم یہ کہ عقلاً اور فہماً اب بھی تم سے دور ہے اور اس وقت بھی جب کہ یہاں تھا۔ اور خود زلیخا سے بھی کیونکہ نبی کی حقیقت بجز خدا کوئی نہیں جان سکتا وہ تھا یہ جس کے بارے میں تم مجھ کو ملامت کرتی رہیں اب تم نے دیکھ لیا کہ ایک جھلک دیکھنے کی تم میں تاب نہیں تمہاری نظروں یعنی ظاہر نے یوسف کو دیکھا تو کیا حال ہوا کہ ظاہر جسم زخمی لہولہان ہوگیا میرے تو دل نے قلب نے باطن نے سینہ و جگر نے عقل و دماغ نے یوسف کو دیکھا تو کیا حال ہوا ہوگا۔ میں کیونکر عشق میں مجنون نہ ہوتی اور جنون میں کیا کچھ نہ کر لیتی اور اب بھی میرا عشق سرد نہیں ہوا میں تو کشتۂ عشقِ یوسفی ہوں۔ میں اپنے گناہِ عشق جرمِ وارفتگی کا اقرار کرتی ہوں تم کیا چھپا رہ گیا ہے واقعی اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ میں نے ہی اس کی ذات سے اس کو پھسلایا بہکایا۔ مگر اس بہادر دلیر کی شان دیکھو کہ فَاسْتَعْصَمَ ایسے خوشنما جال سے بچ گیا کہ جوانی قدموں پر نثار ہو رہی تھی حسن غلام بنا کھڑا تھا دولت لونڈی بن کر آگئی تھی سلطنت پاؤں تلے آنے کی تیاری میں تھی۔ اس نے سب کو ٹھکرا دیا میرا عشق ایسا جھوٹا نہیں کہ ختم ہو جائے لہٰذا اب بھی زبانِ محبت و عشق سے یہ کہہ رہی ہوں وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ اور قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اگر وہ غلام اب بھی میری اس بات کو نہ مانے گا جس کا میں اب اس کو حکم دیتی یا آئندہ دوں گی یعنی محبت کا جواب محبت سے دینے کا یا اس کا کہ تو مستقل میرا بن جا۔ مجھ سے بے رغبت نہ ہو۔ زلیخا نے پانچ طرح یوسف علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی ۱۔ میں سب سے زیادہ حسینہ ہوں ۲۔ میں مالدار ہوں ۳۔ میں سخی بھی ہوں جیسا کہ تم نے دیکھ لیا کہ تمہاری خاطر کتنی دولت لٹائی اور تم کو کیسا عیش دیا ۴۔ میں نافرمان کو سزا بھی دے دلا سکتی ہوں کیونکہ حکومت میرے قبضے میں ہے۔ تو البتہ ضرور قید کیا جائے گا۔ اور البتہ ضرور اپنی موجودہ شان و شوکت گنوا کر ذلیلوں میں ہوگا کہ وہی پھٹے کپڑے ہوں گے اور یوسف ہوگا سوہی سوکھی روٹی خشک ٹکڑے ہوں گے اور یوسف

ہو گا ہر طرح کے مجرم قاتل چور ڈاکو ہوں گے اور ان کی بدتمیز صحبت ہو گی اور یوسف ہو گا۔ وہی جیل کا فرش خاکی ہو گا اور یوسف ہو گا۔ چونکہ مجھ کو یہ برداشت نہیں لہٰذا یوسف میری محبت برداشت کرے یہ سب کلام او میری زبان سے ہے نہ کہ قلب کی گہرائی زلیخا نے حضرت یوسف کی غیر موجودگی میں کیا۔ یا واقعی دیوانگی کے جوش میں یہ سب کچھ کہہ گزری یا عورتوں پر رعب جمانے کے لئے اور یہ تاثر دینے کے لئے کہ مجھ کو غلام سے خائف نہ سمجھو میں اس کو زیر کرنا چاہتی ہوں۔ ورنہ جو عورت ایک معمولی طعنہ نہ برداشت کر سکے غیرت مندی میں آجاتے۔ اپنے خاوند کے سامنے اپنا عیب کھلنا پسند نہ کرے بھلاوہ باہوش حالت میں اب اپنا عیب کس طرح افشا کر سکتی ہے۔ اور کیسے آئندہ گناہ کا تذکرہ کر سکتی ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** زلیخا حضرت یوسف کی سچی عاشق تھی اور عاشق اپنے معشوق کو طالب اپنے مطلوب کو حبیب اپنے محبوب کبھی تکلیف دینے پر آمادہ نہیں ہوتا اسی لئے لَیُسْجَنَنَّ بصیغہ مجہول کہا یعنی قید کیا جاتے گا اپنا ذکر نہ کیا کہ میں قید کراؤں گی بتایا یہ کہ یہ خود اپنی حرکتوں سے نافرمانیوں سے اور محبت کو ٹھکرانے سے قید ہو گا۔ بندے کو چاہیئے کہ اللہ کی نافرمانی چھوڑ دے تاکہ رب تعالیٰ بندے کا طالب ہو جاتے اور بندہ محبوب۔ کوئی بھی اپنے محبوبوں کو تکلیف نہیں دیتا تو رب تعالیٰ اپنے محبوبوں کی تکلیف کیوں گوارا فرماتے گا۔ یہ فائدہ لَیُسْجَنَنَّ مجہول فرمانے سے ہوا **دوسرا فائدہ** بیخودی کی حالت میں انسان مکلّف نہیں رہتا دیکھو عورتوں نے ہاتھ کاٹ لئے مگر ان کو قانونی مجرم نہیں قرار دیا حالانکہ خود کو زخمی یا خودکشی کرنے کا ارادہ کرنا قانونی جرم جو شخص خودکشی سے بچ جاتے اس پر حکومت مقدمہ چلاتی ہے کہ تو نے خودکشی کا ارتکاب کیوں کیا۔ مگر مجنون کی کوئی حرکت جرم نہیں لہٰذا مجذوب فقرا بھی شرعی احکام و قانون کے مکلف نہیں۔ مجذوب اولیاء اللہ پر اس چیز کا طعن کرنا برا ہے۔ یہ فائدہ قَطَّعْنَ (الخ) سے حاصل ہوا رب تعالیٰ نے اس فعل کی برائی نہ فرمائی **تیسرا فائدہ** حضرت زلیخا کو اب برا نہ کہا جاوے کیونکہ ان سے جو گناہ سرزد ہوا وہ حالت بیخودی میں تھا قرآن کریم نے ان کی توبہ ذکر فرمائی رَاوَدْتُّہٗ اقرار جرم بھی توبہ ہے اور بعد کی گفتگو بھی محض عشق کی جلن کی بنا پر تھی۔ یہ فائدہ رَاوَدْتُّہٗ (الخ) سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** کہ حضرت یوسف بالکل پاکدامن رہے اگر یوسف علیہ السلام نے ذرا بھی میلان دکھایا ہوتا تو زلیخا کبھی پاکدامنی بیان نہ کرتی یہ فائدہ فَاسْتَعْصَمَ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑسکتے ہیں **پہلا اعتراض** اجنبی عورتوں کو اپنا جلوہ دکھانا حرام ہے حضرت یوسف نے اپنا دیدار کیوں کرایا جواب اولاً اس لئے کہ حضرت یوسف کا حسن معجزہ تھا اور معجزہ دکھانا جائز ہے دوم اس لئے کہ رغبت کے لئے دکھانا حرام رعب پیدا کرنے کے لئے دکھانا جائز ہے اسی لئے حسن یوسف کو دیکھ کر عورتیں مرعوب ہوئیں نہ کہ رغبت میں۔ سوم اس لئے کہ زلیخا نے کہا تھا اور مقصد ان کا طعن توڑنا تھا۔ نبی کی سیلئے ان کے دل میں جو غلامیت کی حقارت تھی اس کو دور کرنا مقصود تھا اور ان کے منہ سے کہلوانا تھا کہ تم نے پہلے جس کو غلام کہا اسی کو اب اپنے ہی منہ فرشتہ مکرم کہہ کر اس کی ثناء خوانی کرو۔ یہ بھی تبلیغ دین ہے کیونکہ انبیاء اولیاء کی تعریف خدا کی تعریف ہے۔

دوسرا اعتراض مصر کی عورتیں تو کافرہ تھیں پھر انہوں نے حَاشَا لِلّٰہِ اور مَلَکٌ کَرِیْمٌ کیوں کہا؟ ان کو خدا تعالیٰ اور فرشتوں کا کیا پتہ **جواب** یا محض رسمی اور رواجی طور پر سن سنا کر جس طرح کہ بہت عیسائیوں ھندؤں کو اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے دیکھا ہے۔ اور اسلامی سلام کرتے دیکھا ہے یا اس لئے کہ بت پرست کافر خدا کو بھی مانتے ہیں اور بتوں کو بھی۔ **تیسرا اعتراض** عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو فرشتوں سے کیوں مشابہت دی اور بشریت کی نفی کی حالانکہ انسان زیادہ خوبصورت ہے۔ **جواب** ہر انسان خوب درست نہیں اور ہر فرشتہ ایک جیسا نور ہے۔ اور یہ تشبیہ دیکھ کر نہیں تھی صرف سنی سنائی اور خیال کے مطابق تشبیہ تھی جیسے آج ہم کسی خوبصورت عورت کو پری کہہ دیتے ہیں۔ بعض نے یہ جواب دیا حضرت یوسف میں عورتوں کو تین چیزیں ظاہر ہوئیں ۱۔ جلال ۲۔ جمال ۳۔ بھولا پن معصومیت۔ اس لئے انہیں یقین ہو گیا کہ یہ گناہ گار یا غلام نہیں ہو سکتا کیونکہ غلام میں جلال نہیں ہو سکتا اور گناہ گار میں بھولا پن اور معصومیت نہیں ہو سکتی اور انہوں نے سن رکھا تھا کہ فرشتے معصوم ہوتے ہیں اس لئے کہا مَلَکٌ کَرِیْمٌ **چوتھا اعتراض** عورتوں نے ایک دفعہ دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے زلیخا نے کیوں نہ کاٹے نہ ہی کسی مرد نے کاٹے **جواب** زلیخا نے جب سے عشق کیا تھا کبھی چھری استعمال نہ کی (امام غزالی) دوسرے یہ کہ زلیخا نے اپنا قلب و جگر کاٹ لیا تھا اس کو ہاتھ کاٹنے کی فرصت کہاں جس نے یوسف کے ظاہر کو ظاہری آنکھ سے دیکھا اس نے ظاہری جسم یعنی ہاتھوں کو کاٹا جس نے باطن کو دیکھا یا باطنی نگاہ سے دیکھا اس نے باطنی جسم یعنی جگر کے اور قلب کے ٹکڑے کئے۔ اور عورتیں جمال دیکھ کر عاشق اور وارفتہ ہوتی ہیں مگر مرد کمال دیکھ کر عاشق ہوتے ہیں حضرت یوسف کے پاس جمال تھا محمد مصطفےٰ کے پاس کمال۔ عورتیں وارفتہ ہوتی ہیں تو ہاتھ کاٹتی ہیں مرد وارفتہ ہوتے ہیں تو سر کٹاتے ہیں۔ شعر

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں ❊ سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

جمال والے کو دیکھ کر عشق پیدا ہوتا ہے مگر کمال والے کے نام پر ہی کروڑوں عاشق بن جاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ جب عشق و مستی کی دنیا اہل شقاوت کی ملامت سنتی ہے تو محبت کی مار مارتی ہے نہ کہ عداوت کی تاکہ اہل باطل پر بھی حقیقت آشکارا ہو جائے اور ہر صفت کو اس کی حیثیت کا کھانا اور شراب الفت کے رس پلاتی ہے۔ اور ہر ایک کو خنجر عشق مجازی پکڑا دیتی ہے اور پھر زلیخا دنیا صوت ناسوتی سے پکارتی ہے اے احوال قلب کے غلبات وارد ہو جاؤ صفات بشریت و بہیمیت و نفسانیت پر۔ اس تکیہ گاہ نفس و خواہشات پر اس وقت تک حیوانیت چھائی رہتی ہے جب تک قلب سلیم حجاب میں رہتا ہے لیکن جب تجلیات یوسف قلب کا ظہور ہوتا ہے۔ اور صفات ناسوتیہ ان انوار کو دیکھتی ہیں تو جمال لم یزل کی عظمت کے نعرے لگاتی ہیں اور حالت مستی و وارفتگی میں ذکر کی چھری سے غیر اللہ کے تعلق والے ہاتھ کاٹ لیتی ہیں یہ ہی کمال قلب ہے کہ حیوانیت

کو لذتِ عشق نے مست کر دیا۔ اور پکارتی ہیں یہ انوارِ جمال بشریت کے نہیں ہو سکتے یہ تجلیاتِ حسن انسانیت کی نہیں ہیں یہ قلب انسانی نہیں لباس قلب میں عالم قدس کا مقرب ومکرم فرشتہ ہے۔ جب دل مومن اس مقام پر پہنچتا ہے اور معراجِ معرفت حاصل کر لیتا ہے تب کائنات جسد کی ہر قوت وطبیعت اس کی مریدی کے گن گاتی ہے۔ قلب ایمانی زلیخاء دنیا میں ہی رہتا ہے مگر دنیا اس میں نہیں آ سکتی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ سات چیزیں سات چیزوں کے دیدار سے اچھی ہو جاتی ہیں ۱ دنیا ذکر محبوب سے اچھی ہوتی ہے اور محبوب کائنات صرف ذات باری ہے ۲ عقبیٰ بخشش الٰہی سے اچھی ہوتی ہے ۳ زمانہ اطاعت شریعت سے اچھا ہوتا ہے ۴ راتِ عاشق مناجات سے ۵ دن اچھا ہوتا ہے خدمتِ دینِ الٰہی سے ۶ نعمت اچھی ہوتی ہے مغفرتِ پروردگار سے ۷ اور دل اچھا بنتا ہے عشق ومحبتِ ربِ ذی الجلال والاکرام سے قلب مومن بُرے فعل پر شرمندہ ہوتا ہے لیکن منافقِ اَسرار کا دل فسادِ باطنی اور شرورِ نفس سے بھی شرمندہ نہیں ہوتا۔ زندگی کے ایام حیات دنیوی کی سانسیں نعمتِ ربِ کریم ہیں ان کو غنیمت سمجھنا چاہیئے موت کے دروازے کی طرف ہر قلب یوسف کو بھاگنا ہے جب آوازہ بلند ہو جائے کہ تندرست بیمار ہو گیا اور بیمار لاغر ہو گیا اور لاغر فوت ہو گیا۔ تب ملامت وفصاحت وبلاغت کی مکاری ختم ہو جائے گی اور کوئی دوا کھانا پینا مفید نہ رہے گا زندوں سے تعلق چھوٹ جاتے گا پھر کون نیکی کی راہ چل سکتا ہے یہ غفلتیں اور سستیاں اور اہلِ حق پر طعنے بازیاں اس وقت تک ہیں جب تک کہ گھوارتے عشق میں جام محبت کا گھونٹ نہیں پیا۔ جس نے ایک گھونٹ پی لیا اس کو قیامت تک کی مٹھاس مل گئی قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ۔ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۔ وَلَئِنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ وَلَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ دنیاءِ عشق ومستی نے کہا اے فراقِ حجاب کے مجبورو یہ وہی ذوقِ محبت ہے جس کی تم نے مجھ کو ملامت کی تھی اب تم نے اس کو فقط جانا اور میں نے اس کی لذت عشق کو چکھا۔ اسی لئے میں نے ہی اس کو بہلایا ورغلایا۔ راہ مستقیم سے ہٹانے کی کوششِ ناکام کی لیکن اس قلب مطہر نے معصومیتِ قدس حاصل کر لی کیونکہ اس کا باطن شہوت کے میل کچیل سے اور علتِ بشریت اور برائی وفحاشی کی محبت سے پاک وصاف ہے اگر یہ قلبِ حسین دنیا کے حکم محبت سے لذاتِ دنیا میں خواہشاتِ ذمیمہ۔ حرص وہوسِ رذیلہ میں مشغول نہ ہوا۔ اور ان دنیوی زیب وزینت سے علیحدہ زاہد رہا و صفا رہا تو مشقتِ ریاضتِ زہد باطن جفائے الفت کے قید خانے میں رہ کر شریعت کی بیڑیوں طریقت کے بندھنوں میں قید کیا جائے گا اور وادیِ حیرت میں کمزور وپریشان ہوتا رہے گا۔ اہلِ دنیا اس کو ذلیل ودیوانہ کہا کریں گے۔ دنیا کا یہی طور ہے کہ راہِ سعادت والے کو احمق وبیوقوف کا لقب دیا جاتا ہے اور انعام ابدی پانے والے کو صاغرین میں شمار کیا جاتا ہے۔ مدبرین ومحققین جانتے ہیں کہ احمق وہی ہے جو لذاتِ دنیا سے لگا رہا۔ (عرائس البیان وامام غزالی)

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ
عرض کیا اے میرے رب قید خانہ زیادہ پیارا ہے طرف میری کے اس بلاتی ہیں طرف
یوسف نے عرض کی اے میرے رب مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے اس کام سے جس کی
وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ
جس کی اور اگر نہ پھیرے سے مجھ مکر ان کا لا چلو ہو جاؤنگا میں طرف ان کی اور ہو جاؤنگا میں
طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو مجھ سے ان کا مکر نہ پھیرے گا تو میں ان کی طرف مائل
مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ
ناسمجھوں میں سے تو قبول کی دعا کی اس رب نے اس کے پس پھیر دیا سے
ہونگا اور نادان بنونگا تو اس کے رب نے اس کی سن لی اور اس سے عورتوں
عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ
اس مکر ان کا بے شک وہ ہی سننے والا جاننے والا ہے پھر خیال
کا مکر پھیر دیا بے شک وہی سنتا جانتا ہے پھر سب کچھ نشانیاں دیکھ
بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ
ظاہر ہوا ان کے سے بعد اس کے کہ دیکھ لیں نشانیاں کہ ضرور قید کریں اس کو
دکھا کر پچھلی مت انہیں یہی آئی کہ ضرور ایک مدت تک اسے قید خانہ میں ڈالیں
حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۳۵﴾ وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَیٰنِ ؕ قَالَ
تک کچھ مدت اور داخل ہوئے ساتھ ان کے قید میں دو جوان بولا ایک
اور اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان داخل ہوئے ان میں
اَحَدُهُمَاۤ اِنِّیْۤ اَرٰىنِیْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْۤ
ان دونوں سے بیشک میں نے خواب دیکھا کہ نچوڑتا ہوں شراب اور کہا دوسرے نے دیکھا میں نے خواب میں خود کو اٹھاتا ہوں
ایک بولا کہ میں نے خواب دیکھا کہ شراب نچوڑتا ہوں اور دوسرا بولا میں نے

اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ
اوپر سر اپنے روٹی کھا رہے ہیں پرندے اس سے بتائیے ہم کو
خواب دیکھا کہ میرے سر پر کچھ روٹیاں ہیں جن میں سے پرندے کھاتے ہیں
نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾
سے تعبیر اس کی بیشک ہم سمجھتے ہیں آپ کو سے نیکوں
ہمیں اس کی تعبیر بتائیے بے شک ہم آپ کو نیکو کار دیکھتے ہیں

تعلق ان آیات کریمہ کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح سے ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں زلیخا کی وارفتگی عشق یوسفی میں چند دھمکی آمیز لغویات کا ذکر تھا اب حضرت یوسف کی قوت ایمانی اور اسی قوت کی بنا پر دھمکیوں کی پرواہ نہ کرنے کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت یوسف کا عزیز مصر سے کلام کرنے اور عورتوں کی محفل میں تشریف آوری کا تذکرہ ہوا اب یہاں حضرت یوسف کا رب کریم کی بارگاہ میں حاضری اور اس ذات پاک جل مجدہ سے مناجات اور زیادہ کا تذکرہ ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں زلیخا کی طرف سے ذلت و رسوائی کی دھمکی اور ایک خاص چال اور مکر کا ذکر تھا کہ کسی طرح یوسف بھی مجھ سے محبت کریں اب اللہ رب العزت کی طرف سے عزت و مرتبے کا وعدہ اور عورتوں کے مکر کو توڑنے کا ذکر ہے **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں قید کی دھمکی کا ذکر تھا اب یہاں منشاءِ قدرت الٰہیہ کے مطابق یوسف علیہ السلام کے قید میں جانے کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ۔ قَالَ فعل ماضی قول ہے حضرت یوسف کا رب مضاف ہے اور مضاف الیہ محذوف منوی ہے دراصل تھا رَبِّیْ اَلسِّجْنُ ایک قرأت میں سَجْنٌ۔ سِجْن اسم جامد ہے بمعنی ظرف اس کا ترجمہ ہے قید خانہ سَجْنٌ مصدر ہے بمعنی قید ہونا۔ مبتدا ہے۔ اَحَبُّ۔ اسم تفضیل ہے حُبٌّ سے بنا بمعنی محبوب محبت کیا ہوا مراد ہے زیادہ پسند الی جارہ بمعنی لام جارہ یاءِ متکلم مجرور۔ مِمَّا مِنْ مَا تھا۔ مِنْ جارہ بمعنی باء مَا موصولہ یَدْعُوْنَ فعل مضارع حال صلہ ہے جمع مونث غائب کا صیغہ ہے۔ یدعون کی واؤ ضمیر کے قائم مقام نہیں وہ جمع مذکر میں ہوتی ہے یہاں مادے کی واؤ ہے۔ نِیْ نون وقایہ یعنی فعل کا اعراب بچلنے والی یاءِ متکلم بحالت زبر مفعول بہ ہے۔ اِلٰی جارہ انتہاء غایت کے لئے ہٖ کا مرجع زلیخاء کا منشا وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ واؤ استدائیہ اِلَّا دراصل تھا اِنْ لَا اِنْ حرف شرط لَا تَصْرِفْ فعل مستقبل منفی بحالت جزم۔ اِنْ شرطیہ نے جزم دیا صَرْفٌ سے بنا بمعنی۔ پھیرنا۔ بچانا۔ خرچ کرنا۔ یہاں پہلے معنی مناسب ہیں عَنْ جارہ یاءِ متکلم مجرور کَیْدَ بمعنی چال بازی مفعول

مضاف ہے ھُنَّ کی ضمیر کی طرف ھُنَّ ضمیر جمع مونث ہے مگر مراد واحد عورت ہے۔ اَصْبُ واحد متکلم فعل مستقبل صَبْوٌ
سے بنا تین معنی میں مشترک ہے ۱ نادانی کا کام کرنا اسی لئے بچے کو صبیٌ کہا جاتا ہے ۲ اشتیاق و محبت میں مائل
ہونا ۳ راستے سے ھٹنا۔ یہاں بمعنی مائل ہونا ہے اِلیٰ جارہ ھِنَّ ضمیر جمع مونث کا مرجع صرف زلیخا ہے واؤ عاطفہ
عطف ہے اَصْبُ پر یہ بھی بحالتِ جزم ہے جملہ جزا ہے لَا تَصْرِفْ شرطیہ کا۔ اَصْبُو تھا واؤ بوجہ جزم گر گئی۔ اَکُنْ
اَکُوْنُ تھا بوجہ عطف بحالتِ جزم ہوا واؤ اصلیہ گر گئی واحد متکلم مِنْ جارہ تبعیضیہ الف لام استغراقی جَاهِلِيْنَ جمع ہے جاہل
کی جَہْلٌ سے بنا۔ بمعنی ۱ بے علم ۲ بے عقل ہونا۔ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ فاء تعقیبیہ
استجاب باب استفعال کا ماضی مطلق جَوْبٌ سے بنا بمعنی درخواست یا دعا قبول کرنا لَهٗ لام جارہ نفع کا ہے ہٗ کا مرجع یوسف
فا سببیہ یا تعقیبیہ صَرَفَ ماضی صَرْفٌ سے بنا بمعنی پھیرنا عَنْ جارہ مجاوزت زوال کے لئے ہے ہٗ ضمیر کا مرجع یوسف ہیں۔
کَیْدَ مفعول بہ ہے صرف فعل کا ھُنَّ ضمیر جمع کا مرجع زلیخا ہے اِنَّ حرف یقین یہ جملہ نیا ہے ہٗ ضمیر اسم اِنَّ منصوب متصل
هُوَ ضمیر منصوب منفصل تاکیدی تابع ہے ہٗ ضمیر کا اس تاکیدی ضمیر هُوَ نے حصر پیدا کیا اَلسَّمِيْعُ اسم فاعل بروزنِ فعیل بمعنی
مبالغہ الف لام اسمی ہے بمعنی اَلَّذِیْ۔ خبر اول ہے اِنَّ کی اَلْعَلِيْمُ خبر دوم ہے اِنَّ کی۔ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ
لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ۔ ثُمَّ حرفِ عطف تراخی کے لئے ہے بَدَاءَ فعل ماضی بَدَاءٌ سے بنا بمعنی ظاہر ہونا۔ نتیجہ نکلنا۔ آخری
فیصلہ کرنا۔ مصلحت سمجھنا۔ یہاں یہ آخری معنی مناسب ہیں۔ لام جارہ ھُمْ کا مرجع یا صرف عزیز مصر یا درباری لوگ مِنْ جارہ زائدہ
بعدِ اسم ظرفی ہے مضاف ہے۔ ما موصولہ مضاف الیہ ہے۔ رَاَوْا ماضی مطلق بمعنی بعید بصیغہ جمع غائب رَأْیٌ سے بنا بمعنی
غور و فکر سے دیکھنا سمجھنا۔ اَلْاٰيٰت الف لام استغراقی یا ذہنی جمع ہے آیت کی مراد ہے حقانیت یوسف کی نشانیاں لَيَسْجُنُنَّ
لام تاکید یا نون تاکید ثقیلہ جمع مذکر غائب کا صیغہ۔ نون اعرابی اور جمع کی واؤ گر گئی حَتّٰى بمعنی اِلیٰ حِيْنٍ اسم ظرف ہے بمعنی مدت
نکرہ غیر معین ہے معرب ہے وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ واؤ ابتدائیہ دَخَلَ فعل ماضی لازم مع ظرفیہ مضاف ہے بطرف ہٗ ضمیر
مفعول معہٗ ہے دَخَلَ کا السجن الف لام عہد خارجی بحالت زبر مفعول فیہ ہے دَخَلَ کا فتیان تثنیہ ہے فتیٰ کا بمعنی د۲ جوان
مرد قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ قال فعل ماضی
یہ نیا جملہ ہے۔ قول ہے ایک قیدی کا اَحَدُ بحالتِ رفع فاعل ہے قال کا ھما ضمیر تثنیہ مضاف الیہ ہے اِنَّ حرفِ تحقیق یاءِ
متکلم اسم اِنَّ اَرٰى فعل مضارع بصیغہ واحد متکلم فاعل اَحَدُ ہے۔ یا بمعنی ماضی ہے یا تمثیل ہے یعنی گویا کہ اب دیکھتا ہوں
نون وقایہ یاءِ متکلم مفعول بہ۔ خود فاعل خود مفعول۔ اَعْصِرُ مضارع متکلم عَصْرٌ سے بنا اس کے پانچ معنی ۱ زمانہ گزرنا
۲ آخری وقت ہونا اسی معنی سے دن کی آخری نماز کو عصر کہتے ہیں ۳ ہوا کا بگولا ہونا ۴ بادل پانی والا ہونا ۵ نچوڑنا۔ یہاں
یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں کہ نچوڑنے سے چیز آخری حالت پر آجاتی ہے۔ خَمْرًا مفعول بہ ہے لہٰذا بحالتِ زبر ہے خمراً
انگوری شراب کو کہتے ہیں۔ نکرہ مفرد ہے واؤ بیر جملہ قال فعل ماضی اَلْاٰخَرُ اس کا فاعل اٰخَرٌ سے بنا۔ اسم تفضیل ہے بمعنی جسکے

بعد کوئی نہ ہو۔ یہاں مراد ہے دوسرا۔ اِنِّیْ یہ جملہ مقولہ ہے اِنَّ یقینیہ اَرٰی فعل با فاعل فی نون وقایہ یاءِ مفعول بہ رَاٰیٌ سے بنا بمعنی قلبی دیکھنا مراد ہے خواب اَحْمِلُ واحد متکلم فعل حال حَمْلٌ سے بنا بمعنی اٹھانا فَوْقَ ظرف مکانی مضاف ہے رَاْسِیْ۔ لغت میں اصل کو کہتے ہیں یہاں مراد ہے سر۔ کیونکہ وہ جسم کی جڑ ہے یہ مرکب اضافی ظرف ہے فعل کا خُبْزًا مفعول بہ ہے اسم جنسی ہے مراد کثرت ہے۔ ذوالحال ہے۔ تَاْکُلُ فعل حال بصیغہ واحد مونث یہ جملہ حال ہے اَلطَّیْرُ الف لام جنسی ہے طَیْرٌ بر وزن صیبد جنسی جمع ہے طائر کی طیور بھی اسی کی جمع تکسیر ہے مگر یہ عددی جمع ہے مراد کثیر پرندے اس کا مادہ بھی اسی وزن پر طَیْرٌ ہے بمعنی اڑنا۔ لازم ہے مِنْ بعضیت کا ہُ ضمیر کا مرجع خبزًا ہے نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ نَبِّئْ امر ہے واحد حاضر نبیٔ سے بنا بمعنی خبر دینا۔ بتانا۔ سمجھانا۔ یہاں تینوں معنی مناسب ہیں نا ضمیر تثنیہ متکلم مفعول بہا ہے باء جارہ زائدہ ہے تاویل باب تفعیل کا مصدر بمعنی اسم مفعول۔ اَوْلٌ سے بنا۔ اس کا ترجمہ ہے بدلنا مراد تعبیر ہے ہ کا مرجع رویا ہے یعنی اپنی اپنی خواب اِنَّ حرف تحقیق نا ضمیر تثنیہ متکلم نَرٰی فعل حال بصیغہ جمع متکلم مراد تثنیہ متکلم مِنْ جارہ بعضیت کا ہے۔ المحسنین الف لام استغراقی محسنین جمع محسن کی باب افعال کا اسم فاعل بصیغہ جمع مصدر ہے احسان۔ یعنی فیض پہنچانا۔ عملاً یا قولاً یا قلباً

تفسیر عالمانہ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ

یوسف تو ساتھ کے کمرے میں تھے اور باقی عورتیں اپنے درد میں نڈھال تھیں زلیخا اپنی ہی وارفتگی میں مذکورہ باتیں کئے جارہی تھی عورتیں اس کی وارفتگی کو سمجھتے ہوئے ترس کھاتے ہوئے ہاں میں ملائے جارہی تھیں یہ عورتوں کی نرم طبیعت ہی کا باعث ہے کہ کل تک جس عیب پر زلیخا کو لعن طعن کر رہی تھیں اور جس لعن طعن سے زلیخا پریشان ہوگئی تھی۔ آج ذرا سی باتیں سن کر ترس کھانے میں آگئیں اسی لئے حکماء کہتے ہیں کہ عورتوں کی بات کبھی قابل اعتماد نہیں ہوتی مثل پاءِ خر جہاں دل چلا ہے ٹھہر جائے۔ جب زلیخا یہ باتیں کر چکی تب کچھ عورتوں نے کہا ہم یوسف کو سمجھائیں گے۔ حضرت یوسف ان عورتوں کی کتر زبانیوں سے پہلے ہی گھبرائے ہوئے تھے اب جب یہ سب گفتگو اور ان تمام عورتوں کا زلیخا کے ہم زبان ہونا اور خود یوسف کو سمجھانے در غلانے کا سنا تو وہیں سجدے میں گر گئے اور عرض کیا مولا ایک طرف سزاء قید ہے اور ایک طرف حسن و جمال کی معصیت ہے۔ ایک طرف عذاب دنیا ہے ایک طرف عذاب آخرت مجھ کو دنیا کی تکالیف اور قید خانہ زیادہ محبوب ہے اس سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں یا یہ زلیخا مجھ کو دعوت دے رہی ہے۔ پہلی صورت میں یَدْعُوْنَ جمع مونث کا فاعل سب عورتیں ہیں اور مراد بلانے سے آئندہ بلانا ہے جس کا عورتیں تذکرہ کر رہی ہیں دوسری صورت میں یَدْعُوْنَ کا فاعل صرف زلیخا ہے اور جمع کا صیغہ رسماً رواجاً اور بطور محاورہ ہے جیسے کہ کَیْدَکُنَّ میں اور مراد گذشتہ کا تجربہ آئندہ کا خطرہ اے میرے رب اگر تو نے میری مدد نہ کی اور مجھ سے ان کا جال اور کید مکر نہ پھیری نہ دور کی اور ان کی تھپیتانہ حیلہ سازیاں نہ توڑیں اور وہ پھر بار معصیت مجھ پر ڈالنے لگیں تو اندیشہ ہے کہ میں بھی اَصْبُ اِلَیْهِنَّ گر پڑوں گا ان کی طرف اور گھبرا کر مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف یا اے مولا ادھر ہر طرح کا شیطانی سامان ہے حسن وجمال جوانی خوبصورتی زیب و زینت دلربائی مستی۔ عیش و عشرت

صحت و دولت۔ آزادی و بے پرواہی۔ بے پردگی و بے حیثیتی میں اکیلا ہوں اِدھر ہر طرح کے خار و غار ہیں۔ ؏

رات اندھیری پھسلن رستہ کون کرے رکھوالی ✻ ٹھوکر دینے والے زیادہ نہ کوئی مالی والی

اگر خدا نہ کرے میرا قدم ذرا بھی ڈگمگایا تو اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ہو جاؤں گا میں جاہلوں میں سے۔ کیونکہ جو اپنے علم پر عمل نہ کرے وہ جاہل ہے اور خود کو گناہوں کی گندگی میں گرا دے وہ حکیم نہیں سفیہ ہے عقل والا نہیں بیوقوف ہے۔ انسان کتنا ہی منطق فلسفہ سائنس ریاضی جغرافیہ اقلیدس حکمت و دانائی کے علوم حاصل کرلے جب تک عمل صالح اور معرفت الٰہی حاصل نہ ہوگی وہ شخص خائب و خاسر جاہل و کم عقل ہے اگرچہ دنیا والے اس کو عقل مند اور دانشور کہیں۔ حضرت یوسف نے روکر گڑگڑا کر ایسی دعا مانگی کہ فرشتے بھی رو پڑے۔ حضرت جبرئیل حاضر بارگاہ ہوئے اور عرض کیا فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ اے یوسف مبارک ہو کہ تمہارے رب نے تمہاری دعا قبول فرمالی۔ رب کریم سلام ارشاد فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ ذرا صبر کرو کیونکہ صبر کشادگی کی کنجی ہے اور صبر کا انجام اچھا ہے۔ حضرت یوسف اگرچہ معصوم تھے گناہ پر قادر نہ تھے مگر تقاضاءِ شکر یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اپنے رب سے فریاد کرے۔ دنیا دار کا حیلہ و مکر دنیوی ساز و سامان سے ہے مگر بندہ مومن کا حیلہ رب تعالیٰ کی طرف دوڑنا اور ہر مصیبت میں رجوع الی اللہ ہے یوسف علیہ السلام نے اہل مصر اور زلیخا کے ہزار جالوں مکروں کے مقابل ایک ہی حیلہ کیا کہ سجدے میں گر کر رب کے دروازے پر آگئے تو کیا ہوا۔ رب نے بہت جلدی ان کی دعا قبول فرمالی پھیر دیا ان حضرت یوسف سے ان عورتوں کا وہ فریب جو وہ جال بنا کر یوسف کا گھیراؤ کرنا محبت زلیخا پر مائل کرنا چاہتی تھیں بے شک وہ اللہ ہی فریادوں کو سننے والا اور سب فریادیوں بے بسوں بے کسو گھبراتے ہوؤں پریشان ہونے والوں مظلوموں کو جاننے والا ہے قریب ہوں یا دور۔ کسی وقت کسی زبان کسی حال میں فریاد کریں۔ ہمیشہ سے ہمیشہ تک جاننے والا جب معصوم نبی اس طرح سے آہ و زاری فریاد کر رہے ہیں تو ہم گناہ گاروں کا کیا حال ہے کہ اس سے دور ہیں اور رات نوم میں دن لعب میں گنوار ہے ہیں۔ ہمیں بھی ہر حال میں اسی کے دروازے فریاد کرنی چاہیئے کیونکہ سننے والا جاننے والا ہے دیکھو حضرت یونس نے دعا مانگی تو اس نے قبول کی روایت میں ہے چھ دعائیں اسی طرح قبول ہوئیں جس طرح مانگی گئیں ایک یہی حضرت یونس کی دعا ؁۲ حضرت ایوب کی دعا ؁۳ نوح علیہ السلام کی دعا ؁۴ حضرت موسیٰ و ہارون کی دعا ؁۵ حضرت زکریا کی دعا ؁۶ حضرت یوسف کی یہ دعا چونکہ حضرت یوسف نے خود قید کو پسند کیا تھا اس لئے باوجود ہر طرح بری ثابت ہونے کے ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ان حکام مصر یعنی عزیز مصر اور اس کے مشیروں کو حضرت یوسف کی براءت و پاکدامنی کی تمام نشانیاں دیکھنے جاننے سمجھنے کے بعد پھر بھی یہی عقل آئی کہ البتہ ضرور قید کریں اس یوسف کو کچھ مدت تک اس عدلیہ نے یوسف کی پاکدامنی پر پانچ نشانیاں دیکھیں ؁۱ تالوں کا ٹوٹنا ؁۲ بچے کی وضاحت ؁۳ پیچھے سے قمیص کا پھٹا ہونا ؁۴ عورتوں کا حسن یوسفی کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹنے ؁۵ اور خود زلیخا کا اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوتے یوسف علیہ السلام کا بچا رہنا بیان کرنا۔ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ زلیخا کو سزا ہوتی یوسف علیہ السلام کو بری کیا جاتا مگر معاملہ الٹا ہوا تین وجہ سے

ایک یہ کہ منشاءِ الٰہی یہ ہی تھا کیونکہ حضرت یوسف نے جیل پسند کی تھی اگر آپ اَحَبُّ اِلَیَّ نہ کہتے تو بلا قیدی بری ہوتے پسند کرنا ہی مصیبت اور بلا ہے چند شخصوں نے چھ چیزوں کو پسند کیا اور مصیبت و غم اٹھایا ۱۔ نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کو پسند کیا تو وہ ڈوبا ۲۔ آدم علیہ السلام نے ہابیل کو پسند کیا تو وہ شہید ہو گیا ۳۔ شیطان نے آگ پسند کیا کہ اَنَا خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ تو دائمی آگ کا دکھ اٹھایا ۴۔ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو پسند کیا تو وہ طور پر جل مری ۵۔ حضرت یعقوب نے یوسف علیہ السلام کو پسند کیا تو وہ جدائی کا غم دے گئے اور خود بھی ہزار مصیبتوں سے پریشان ہوتے ۔ ۶۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کو پسند کیا تو جیل کا دکھ ملا یہ فیصلہ عزیز مصر نے نہ کیا تھا بلکہ شاہِ مصر ریان نے کیا دوسری وجہ یہ کہ اس واقعے کا بہت سخت چرچا ہو گیا اب یوسف کو زلیخا کے گھر رکھنا خطرناک ہو گیا ابھی کچھ ہوتا پھر بھی بدنامی تھی باتیں بنی چلی جائیں زلیخا نے عورتوں کے سامنے جو آئندہ اپنا ارادہ پیش کیا تھا وہ بھی نشر ہو گیا اس لئے یہ خبر بادشاہ ریان تک پہنچی تب بہت سوچ بچار غور و فکر کے بعد یہی فیصلہ کیا کہ اس کا حل یہی ہے۔ یوسف کو جدا کر دیا جائے اور ایسی جگہ رکھا جائے جہاں سے زلیخا کا ملنا ناممکن اور دشوار ہو۔ اگر کسی گھر میں نظر بند کیا جاتا تو زلیخا کسی نہ کسی طرح ملنے کا سبب پیدا کر لیتی۔ زلیخا کو اس لئے قید نہ کیا کہ مصر میں عورتوں کی جیل کوئی نہ تھی۔ اور پھر کئی سفارشیں آجائیں کہ گورنر کی بیوی تھی۔ سوم یہ کہ جرم سزا کے قابل نہ تھا صرف ارادے پر سزا نہیں ہوتی یوسف علیہ السلام کو جیل بھیجنا بھی سزا نہ تھی صرف جدائی مقصود تھی تاکہ یہ بات آگے نہ بڑھے اور پچھلے واقعات لوگوں کے ذہن سے محو ہو جائیں۔ چہارم یہ کہ زلیخا کو جدائی اور فراق کی ماری کا فی تھی۔ تیسری وجہ کہ یہ فیصلہ سراسر ظلم اور ناانصافی شمار کیا جاتے کہ اہل مصر نے یہ ظلم کیا سادر یوسف کو جیل بھیجا یہ اس لئے کیا تاکہ لوگ جو شاہی خاندان کو بدنام کر رہے ہیں اس فیصلے سے سمجھ جائیں کہ یوسف مجرم ہے مگر ان کے دل کہہ رہے تھے کہ یوسف پاکدامن ہیں شاہِ مصر نے تین طرح کی جیل بنوائی ہوئی تھیں ۱۔ سجن العذاب یہ جیل تہخانے میں تھی اس میں سانپ بچھو چوہے وغیرہ بکثرت تھے طرح طرح سے تڑپایا جاتا اور توبہ کرا کر باہر نکال لیا جاتا چند دن سزا دی جاتی قیدی خواہ مجرم ہوتا یا مظلوم ۲۔ سجن القتل یہ جیل بھی تہخانے بلکہ چالیس گز لمبے چوڑے کوئیں میں تھی اس میں بارادۂ قتل ڈال دیا یہاں تک کہ قیدی مر جاتا ۳۔ سجن العافیہ یہ جیل زمین پر تھی بہت شاندار آرام دہ محل کے قریب تھی سیاسی اور زیر تفتیش مجرموں کو یہاں رکھا جاتا تھا۔ اسی جیل میں حضرت یوسف کو رکھا گیا حتّٰی حِیْنٍ کچھ مدت کے لئے اس میں چار قول ہیں ۱۔ غیر معین مدت ۲۔ پانچ سال ۳۔ سات سال ۴۔ بارہ سال زلیخا نے خفیہ طور پر جیل کے داروغہ سے کہا کہ ایک خوبصورت کمرہ ہر طرح آرام والا یوسف کے لئے جیل میں بنا دو میں خرچہ دیتی ہوں اس کی بات مانی گئی وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۗ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ اور داخل ہوئے جیل میں اس یوسف کے ساتھ دو جوان ایک کا نام یونا تھا دوسرے کا نام مخلب تھا یونا شاہی باورچی تھا اور مخلب شاہی ساقی دونوں پر الزام تھا کہ یہ بادشاہ کو زہر دے کر مارنا چاہتے ہیں اس لئے

دوران تفتیش جیل میں آئے۔ حضرت یوسف کے پہنچتے ہی جیل کا ماحول بدل گیا آپ کے اخلاق سے جیل کی فضا معطر و موثر ہوئی سب کو پتہ چل گیا کہ یوسف بڑے جوانمرد بامروت انتہائی خوش اخلاق۔ سچے امانت دار بڑے عابد زاہد اور خوابوں کی تعبیر بتانے والے جب ان دو قیدیوں کو یہ پتہ لگا کہ یہ تعبیر بتا دیتے ہیں تو صرف آزمائش کے طور پر بناوٹی خوابیں بتائیں ان میں سے ایک نے کہا بے شک میں نے دیکھا ہے خواب کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرا بولا یعنی یونا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے خود کو کہ میں سر پر روٹیاں اٹھائے ہوتے ہوں اور پرندے جھپٹ جھپٹ کر اوپر سے روٹیاں کھا رہے ہیں۔ اے یوسف ہم نے سنا ہے کہ تم خواب کی تعبیر جانتے ہو اور بہت اچھی باتیں بتا سکتے ہو لہٰذا ہم کو تعبیر بتائیے اس کی بے شک ہم تجھ کو محسنین بااخلاق بامروت سمجھتے ہیں یہ دونوں قیدی ان دونوں کو غلطی یا اس لئے کہا کہ ان دونوں کی طرف بڑے جرم کا الزام لگا۔ یا اس لئے کہ یہ بڑی اچھی صحبت یعنی صحبت یوسف میں تھے ابھی تک کافر تھے اس لئے آزمائش پر آمادہ ہوئے۔ اَعْصِرُ مجازی معنیٰ میں ہے کیونکہ شراب نہیں نچوڑی جاتی مراد ہے انگور نچوڑنا اور انگور سے شراب یعنی خمر بنتی ہے یا مراد ہے کپڑے سے چھاننا۔ مگر یہ ضعیف ہے تاویل کے معنیٰ ہیں کسی گذری بات یا دیدوشنید کا مطلب لفظوں میں بیان کرنا محسن کی بارہ صفتیں ہیں ۱ قائم اللیل ۲ صائم النہار ۳ اچھی نصیحت کرنے والا ۴ بااخلاق ۵ صابر ۶ باوفا ۷ بیماروں کی عیادت کرنے والا ۸ غم زدہ کے غم دور کرنے والا ۹ اچھی صورت والا ۱۰ خوشخبری دینے والا ۱۱ بہت علم والا ۱۲ سخاوت کرنے والا یہ ساری صفات حضرت یوسف میں ان لوگوں نے پائیں اس لئے کہا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ہم آپ کو محسنین میں سے جانتے ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** اللہ کے مقبول مصیبت کو گناہ کے مقابلے میں قبول کر لیتے ہیں یہ فائدہ اَحَبُّ اِلَیَّ سے حاصل ہوا دیکھو یوسف علیہ السلام نے جیل اور قید کو پسند کیا۔ اس دنیوی عزت والے گناہ کے مقابل **دوسرا فائدہ** کوئی مسلمان اپنے کو شیطان اور گناہ سے محفوظ نہ سمجھے اور ہر وقت اللہ کی بارگاہ میں عجز و نیاز کرتا رہے ہر شخص ہر وقت خدا تعالیٰ کا محتاج ہے دیکھو یوسف نبی اللہ معصوم ہونے کے باوجود رب کی بارگاہ میں کس طرح عاجزی کر رہے ہیں۔ یہ فائدہ اَکُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ سے حاصل ہوا یوسف علیہ السلام بری محفلوں سے بچائے جانے کی دعا مانگتے ہیں۔ ہم کو بھی چاہیئے کہ بری مجلسوں بری صحبتوں بری کتابوں سے بچیں۔ **تیسرا فائدہ** مومن کا کردار اخلاق میں اعمال میں معاملات میں تجارتی لین دین میں ایسا پاکیزہ ہونا چاہیئے کہ دشمن اور کافر بھی تعریف کریں بلکہ مومن کا کردار ہی کافر کو مسلمان بنا سکتا ہے۔ دیکھو دشمنوں کافروں نے حضرت یوسف کو محسنین کہا۔ ہمیشہ نیک آدمی کی دنیا عزت کرتی ہے برے کی عزت تو اپنی اولاد نہیں کرتی حضرت یوسف کے کردار سے سبق لینا چاہیئے کیونکہ انبیاء کی قولی اور عملی زندگی تعلیم ہی ہے۔ آج مسلمان ہر جگہ چوری فریب کاری بدمعاشی ملاوٹ میں بدنام ہو رہے ہیں اسی لئے کہ اسلام کی تعلیم بھول رہے ہیں کارخانے ہمارے خراب منڈی ہماری تباہ۔ کاروبار ہمارا

غارت ہم کو اپنے مال پر جرمن جاپان کی مہر لگانی پڑتی ہے پاکستان کا نام آجائے تو مال واپس کر دیا جاتا ہے جاپان کا پیک شدہ شہد خالص ہوتا ہے پاکستان شہد شیشیوں میں بھرے چینی یا گڑ کی ملاوٹ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم کرے اور انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرماتے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** جبکہ رب تعالیٰ مطلقًا دعا قبول فرمانے والا ہے۔ تو حضرت یوسف نے خود کیوں اپنی دعا میں قید خانے کا ذکر کیا **جواب** حضرت یوسف کو بذریعہ علم غیب معلوم ہو گیا تھا کہ مجھ کو قید ضرور بھگتنی ہے اور مجھے دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرنی ہے یا معصیت یا مصیبت لہٰذا آپ نے معصیت کے مقابل مصیبت کو اختیار کیا یہ اظہار اختیار تھا نہ دعاءِ مستقل اس لئے راضی برضا ہونے کا ذکر کرنے کے لئے دعا میں یہ الفاظ بڑھائے اور پھر نبی اپنی خواہش سے نہیں بولتا جو بولتا ہے رب کریم کی وحی اور رضا سے کلام فرماتا ہے **دوسرا اعتراض** مکر کا جال پھیلانے والی تو اکیلی زلیخا تھی پھر یوسف علیہ السلام نے کَیْدَ هُنَّ کیوں فرمایا کیدھا چاہیئے تھا **جواب** اولاً اس لئے کہ رواج و اصطلاح میں واحد کے لئے جمع کی ضمیر آجاتی ہے اس فعل کے اہتمام ظاہر کرنے کے لئے جیسے يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ وغیرہ دوم اس لئے کہ حضرت یوسف کو خطرہ پڑ گیا تھا کہ یہ سب عورتیں مجھ کو اسی گناہ پر پریشان اور آمادہ کریں گی۔ اس لئے سب کی طرف کید کی نسبت فرمائی پھر خدا کے کرم سے دعا قبول ہوئی اور وہ سب اپنے گھروں کو چلی گئیں **تیسرا اعتراض** خواب تو بشارت ربانی ہوتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہوتی ہے یہ دونوں قیدی کافر تھے ان کو ایسی بشارت اور نتیجہ خیز خواب کیوں آئی **جواب** اولاً تو اس میں اختلاف ہے کہ یہ سچی خواب تھی یا بناوٹی صحیح یہ ہے کہ یہ بناوٹی تھیں اگر سچی بھی ہوں تو یہ بشارت ایمانی نہیں بشارت رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اس لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہوتا ہے نہ کہ ہر ایک کی مومن سے بھی متقی اولیاء علماء مراد ہیں **چوتھا اعتراض** حضرت یوسف نبی اور رسول ہیں انبیاء کرام گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے پھر آپ نے أَصْبُ إِلَيْهِنَّ کیوں فرمایا کہ ان کی طرف گناہ میں مائل ہو جاؤں گا **جواب**۔ اس کے جواب مفسرین نے تین طرح دیئے ہیں ایک یہ کہ فقط عجز و انکسار کے لئے اور امت کو درس عبرت دینے کے لئے کہ تم بھی معصیت کے گھیرے جاؤ تو اسی رب کی پناہ پکڑو۔ دوسرا یہ کہ عصمت انبیاء ایک عطائی نعمت ہے جو ختم ہو سکتی ہے اس لئے اگر فرضًا عصمت ختم ہو جائے تو مائل ہوتے کی قدرت آسکتی تعجب تک عصمت قائم ہے قدرت گناہ نہیں تیسرا یہ کہ أَصْبُ کا معنی گناہ کر لینا نہیں صرف طبیعت میں نرمی پیدا ہو جاتا ہے جس میں ارادے کا خیالی احتمال ہے نہ کہ ارتکاب کا یہ اگرچہ شرعی گناہ نہیں مگر شانِ نبوت اور شانِ رسالت اور شانِ عصمت کے خلاف ہے۔

تفسیر صوفیانہ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُن مِّنَ الْجَاهِلِينَ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ جب قلبِ مومن تقاضاء

بشریت کے بلاوے کو قبول نہیں کرتا اور دنیا ءِ مکر کے عشق مجازی کو ٹھکرادیتا ہے۔ اور تکالیفِ مجاہدات کی دھمکی سنتا ہے تب بارگاہِ ابدی قدیمی میں مناجاتِ سرمدی سے عرض کرتا ہے اے لطف وعنایات کی غذاؤں سے پالنے والے میرے رب مرشدِ برحق شریعت کا قیدخانہ۔ طوقِ عصمت۔ طریقت کی بیڑیاں مجھ کو زیادہ پسند ہیں اس لذت وشہوت وعیش وعشرت سے جس کی طرف یہ دنیاءِ پرفریب اور طبعیتِ بشریت اور خصائلِ حیوانیہ مجھ کو بلا رہی ہیں اے میرے کریم مجھ کو تیرا قہر محبوب ہے اِن کے مہر سے۔ تیری سختی پیاری ہے اِن کی نرمی سے تیری کڑواہٹ لذیذ ہے اِن کی مٹھاس سے۔ اے خالقِ قلب وجگر اگر تو مجھ کو اِن اہلِ دنیا اور دنیا کی مکاریوں سے نہ پھیرے تو میں اِن کے وسواس کی طرف مائل ہوجاؤں گا اور قعرِ مذلّت میں گرے ہوتے بیابانِ ظلمات میں پھنسے ہوتے دلدل معصیت میں ڈوبے ہوئے جاہلوں کی طرح ہوجاؤں گا۔ ہر بندۂ مومن کا قلب یہی پکارتا ہے۔ کیونکہ قلب منور خواہ کتنے ہی عروج کمال پر پہنچ جائے جب تک کہ پروردگارِ عالم اس کو مکاریِ دنیا۔ آفاتِ بشریت۔ خواہشاتِ نفسانیت۔ وسواسِ شیطانیت سے نہ بچائے ہر وقت ظلوم وجہول نفس اور دنیاءِ رذیل کی طرف مائل ہونے کا خطرہ ہے اے میرے رب میری دستگیری فرما اور نفس پر غلبہ و قوت عطا فرما۔ قلبِ اولیاء پر مشاہدات کے انوار وارد ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ عالمِ کائنات ہوجاتا ہے اگر وہ قلب مائلِ خواہشاتِ نفسانیہ ہوجاتے خواہ ایک آن کے لئے بھی ہو تو قلب پر حظِّ نفس کا پردہ آجاتا ہے جس کی وجہ سے علمِ لدنی کی روشنی حجاب میں چلی جاتی ہے اور اسرار ومشاہدات سے جاہل ہوجاتا ہے قلبِ انسانی کی مثال صحرا کے خشک پتے کی طرح ہے صحراءِ قالب پر ہر طرح کی ہوائیں چلتی نفسانی۔ شیطانی۔ رمتانی اور رحمانی یزدانی۔ عرفانی جس قلب پر تجلیات لطیف کا پتھر رکھا ہو تو اس کو بری ہوائیں نہیں اڑا سکتیں اس لئے قلب مومن التجائیں فریادیں کرتا ہے تب رحیم وکریم اس کا رب اس کی مناجات قبول فرمالیتا ہے اور تائید قدسیہ سے دستگیری فرماتا ہے الہامات سبوحی سے اس کو قوت بخشتا ہے اور اہلِ شقاوت کے رجس سے اس کو پھیر کر بارگاہِ قدس میں مقامِ عرفانی عطا فرماتا ہے۔ اور مکرِ دنیا دور فرماتا ہے۔ بے شک وہ ہی مقامِ اسرار میں مناجاتِ قلب سننے والا اور انعاماتِ صالحین وتائبین کو جاننے والا ہے۔ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ۔ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ۔ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ طہارتِ قلبی ظاہر ہونے کے باوجود حکمتِ ربانی کے فیصلے سے۔ مصرِ ظلمات کے شاہِ فکر عزیزِ عقلِ نفس وطبیعیات وحیوانیات وبہیمیت نسوۃِ شہر پر یہی ظاہر ہوا کہ خلوتِ مجاہدات میں قلبِ حسین کو قید کیا جائے اس وقت تک جب تک کہ وارداتِ لاہوتی کی ابتداء سے تاجِ عرفانی کا مستحق نہ ہوجاتے جب یوسفِ قلب قیدخانۂ شریعت میں داخل ہوا تو نفسِ امارہ کے دربار سے دو مجرم نفس بھی قیدِ شریعت میں داخل ہوئے ایک ساقی نفسِ فکری جو وسواسِ ابلیسیت کے شراب پلاتا ہے دوسرا اخبازِ بدن جو قوتِ طاغوتی کی روٹیاں پکاتا ہے جس کو کھا کر نفس موٹا ہوتا ہے۔ مگر قلب اولیاء کی صحبتِ خیر کے اثر سے مومن بن جاتے ہیں

اشاراتِ یزدانی سے نوازے جاتے ہیں ایک کو شرابِ طہور کا تمغہ ملتا ہے دوسرے کو وصلِ محبوب کی سولی ملتی ہے
یوسفِ قلب کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں اسے مرشدِ روحانی ان اشارات ومقامِ اصلِ دنیا کی تعبیر عطا فرما۔ بے شک
ہم تجھ کو حاضرِ بارگاہِ قدس اور مشاہدۂ انوار کی عبادت سے محسن پاتے ہیں۔ یہ حسینِ انوار ہم نے پہلے کبھی کسی کے پاس
نہ دیکھا نہ نفس وعقل کے پاس نہ فکر ونظر کے پاس۔ شہودِ حقیقت سے غفلت کی نیند میں اشارۂ سری ہوا کہ معرفت روح
کے انگوروں کو قوتِ محبت سے نچوڑ کر خمرِ عشق بنا رہا ہے۔ خبازِ روح نے بھی غفلتِ شہود کی نیند میں اشارۂ سری پایا کہ حصول
لذات کی روٹیاں سرِ طاغوتی پر رکھی ہیں اور شہوات وخواہشات طبیعات کے پرندے حظوظِ شیطانی سے کھا رہے ہیں۔
(محی الدین ابن عربی۔ روح البیان۔ عرائس البیان)

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا

فرمایا جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے وہ تمہارے پاس نہ آنے پائے گا کہ میں اس
یوسف نے کہا جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے وہ تمہارے پاس نہ آنے پائے گا کہ میں اس

بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي

کہ آئے تم دونوں کو کھانا سے اس علم جو سکھایا مجھ کو رب نے میرے بیشک میں نے چھوڑا دین
کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے تمہیں بتاؤں گا یہ ان علموں میں سے ہے جو

رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ

اس قوم کا جو نہ مومن ہیں پر اللہ اور وہ
مجھے میرے رب نے سکھایا ہے بیشک میں نے ان لوگوں کا دین نہ مانا جو اللہ پر ایمان نہیں

بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿٣٧﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي

سے قیامت وہی منکر ہیں اور پیروی کی میں نے دین کی باپ دادوں
لاتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں اور میں نے اپنے باپ دادا

إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَنْ

کے اپنے ابراہیم کے اور اسحٰق کے اور یعقوب کے نہیں قدرت ہے کو ہم کو کہ شرک
ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا دین اختیار کیا ہمیں نہیں پہنچتا

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں قید کے ساتھیوں کا خواب بیان کرنے کا ذکر تھا اب ان کی تعبیر بتانے کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں زمانہ قید کی عملی تبلیغ کا ذکر تھا جس کو دیکھ کر اور حضرت یوسف کے اعمالِ صالحہ سے متاثر ہوکر آپ کو نیکوکار سمجھنے پر مائل ہوتے تھے اب جیل میں حضرت یوسف کی زبانی تبلیغ کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی قَالَ لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَكُمَا قَالَ فعل کا فاعل یوسف ہیں یہ جملہ جوابی قول ہے لَا یَاْتِیْ مضارع منفی بمعنی مستقبل۔ اَتٰی سے بنا لغوی ترجمہ ہے آنا یا لانا یہاں لانا مراد ہے اس کا فاعل طَعَامٌ ہے طَعْمٌ سے بنا بروزنِ فعالٌ لعابٌ بمعنی مَطْعُوْمٌ یہ موصوف ہے اگلا جملہ صفت ہے تُرْزَقٰنِ مضارع حال صیغہ تثنیہ رزقٌ سے بنا بمعنی نفع بخش روزی مراد کھانا ہ ضمیر کا مرجع طَعَامٌ ہے۔ اِلَّا حرف استثنا مفرغ نے نفی کو توڑا نَبَّاْتُ فعل ماضی بابِ تفعیل بمعنی مستقبل فاعل ضمیر متکلم مستتر کُمَا ضمیر تثنیہ مذکر حاضر مفعول بہ ہے با زائدہ تاویل بمعنی تعبیر ہ کا مرجع خواب قَبْلَ اسم ظرف مبنی ہے فتح پر کیونکہ اس کا مضاف الیہ موجود ہے اَنْ ناصبہ یَاْتِیَ فعل مضارع منصوب بمعنی مستقبل اس کا فاعل ہ ضمیر مستتر کا مرجع یعنی مراد طعام ہے ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۔ ذٰلِكُمَا دراصل تھا ذَالِكَ اسم اشارہ بعیدی بمعنی وہ۔ کُمَا ضمیر تثنیہ مخاطب مشار الیہ یعنی وہ تمہاری خوابوں کی تعبیریں مِمَّا مِنْ جارہ تبعیضیہ کا موصولہ عَلَّمَ فعل ماضی باب تفعیل کا جملہ صلہ ہے۔ اشارہ مشار الیہ بحالتِ رفع مبتدا ہے موصول صلہ خبر ہے۔ مِمَّا جار و مجرور سے پہلے ظَہَرَ فعل پوشیدہ کے متعلق ہوکر خبر ہے عَلَّمَ بمعنی سکھایا نون وقایہ یاءِ متکلم مفعول بہ رَبِّیْ مرکب اضافی فاعل ہے۔ اِنَّ حرفِ مشبہ یاءِ متکلم اسم اِنَّ تَرَكْتُ ماضی مطلق واحد متکلم تَرْكٌ سے بنا بمعنی چھوڑنا مگر یہاں مراد ہے مَنَعْتُ یعنی شروع باز رہا۔ یہ جملہ تعلیلیہ ہے علت ہے عَلَّمَنِیْ کی لام تعلیلیہ محذوف ہے دراصل تھا لِاَنِّیْ مِلَّةَ اسم جامد ہے اس کی جمع ہے مِلَلٌ لغوی ترجمہ مائل ہونے

کی چیز مراد ہے دین ۔ مفعول بہ ہے تَرَکْتُ کا بحالت زبر ہے تنوین سے مانع اضافت ہے قوم مضاف الیہ نکرہ
غیر معین ہے تنوین تنکیری قوم موصوف اس کی صفت لَا یُؤْمِنُوْنَ ۔ مضارع منفی بمعنی حال باء جارہ بمعنی علی لفظ
اللہ مجرور واؤ عاطفہ ہے ھُمْ ضمیر جمع مبتدا ہے باء جارہ بمعنی علی ہے اَلْاٰخِرَۃُ الف لام عہد خارجی ہے آخرت
مونث لفظی یا بروزن فاعلت مصدر ہے ۔ مراد قیامت وجنت ودوزخ ۔ ھُمْ ضمیر منفصل کا دوبارہ آنا محض تاکید
کے لئے تاکید یا ترکت کی ہے یا کفر کی کٰفِرُوْنَ بروزن فاعلون جمع ہے کافر کی کُفْرٌ سے بنا بمعنی شرک وَاتَّبَعْتُ
مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ واؤ عاطفہ ہے اِتَّبَعْتُ فعل ماضی باب افتعال ۔ بصیغہ واحد متکلم اَنَا فاعل مِلَّۃَ
بمعنی دین بحالت زبر مفعول ہے فعل کا مضاف ہے اٰبَآئِیْ مضاف الیہ ہے یاء متکلم کی طرف مراد یوسف ہیں آباء
جمع ہے اب کی مراد باپ دادے ہیں ۔ مبدل منہ ۔ اِبْرٰهِیْمَ غیر منصرف بحالت جر عجمی ہے واؤ عاطفہ اسحٰق عجمی ہے ۔
غیر منصرف بحالت جر واؤ عاطفہ یَعْقُوْبَ عجمی عَلَم ہے غیر منصرف ہیں بوجہ عطف بحالت جر تینوں عَلَم بدل الکل ہیں
مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ مَا کَانَ ماضی منفی لام جارہ تقویت کے لئے نا ضمیر جمع متکلم مجرور اس کا مرجع تمام انبیاء
ہیں کَانَ تامہ کا فاعل اَنْ ناصبہ کا منصوب جملہ ہے ۔ نُشْرِکَ باب افعال کا مضارع معروف جمع متکلم ہے ۔ باء جارہ
مفعولیت کی لفظ اللہ مجرور مِنْ بعضیت کا برائے تنکیر شَیْءٍ مصدر بمعنی مفعولیت کی لفظ اللہ مجرور مِنْ بعضیت کا
برائے تنکیر شَیْءٍ مصدر بمعنی مفعول نکرہ ہے یعنی کچھ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝
ذٰلِکَ اسم اشارہ بعیدی بمعنی وہ اس کا مشار الیہ اِتَّبَعْتُ ہے مِنْ جارہ بیانیہ فضل بمعنی رحم کرم یا نبوت فَضْلٌ سے
بنا ہے بمعنی زیادہ عطا بلا عوض مضاف معرفہ ہے لفظ اللہ مضاف الیہ ہے ۔ عَلٰی جارہ بمعنی فوقیت نا ضمیر جمع متکلم
واؤ عاطفہ علی جارہ النَّاس جمع ۔ انسان کی الف لام استغراقی ہے یعنی تمام انسان خواہ مومن خواہ کافر واؤ ابتدائیہ
لٰکِنَّ بمعنی اِلَّا استثنائیہ مفرغ ۔ اَکْثَرَ اسم تفضیل جمع مذکر ہے کَثْرٌ سے بنا بمعنی زیادہ مضاف ہے النَّاس مضاف الیہ
الف لام عہدی ہے نَاس بمعنی انسان مراد کافر وفاسق ہے ۔ یہ مرکب اضافی اسم ہے لکن کا لَا یَشْکُرُوْنَ مضارع منفی
بلا ۔ یہ جملہ فعلیہ خبر اِنَّ بمعنی حال ہے شُکْرٌ سے بنا ۔ لغوی ترجمہ احسان مند ہونا شرعی ترجمہ ہے اعمال خیر کرنا ۔

تفسیر عالمانہ قَالَ لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَكُمَا ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ حضرت یوسف کو ان کی تعبیر کا فوراً پتہ لگ گیا تھا
کہ ایک بچنے والا ہے اور ایک مرنے والا اس لئے آپ نے چاہا کہ موت سے پہلے ان کو اسلام کی تبلیغ کر دینی چاہیئے
تاکہ خواب کی تعبیر بتانا ہی اصل مقصود نہ رہے بلکہ مقصود ہدایت اور راہ راست پر لانا ہو اور یہ کام بھی نیکیوں میں لکھا
جائے اس لئے آپ نے کلام کی تمہید باندھتے ہوئے تعبیر بتانے سے پہلے تعارفی کلام دراز فرمایا کہ اے میرے جیل
کے ساتھیو نہیں آئے گا تمہارے پاس حسب معمول وہ دوپہر کا کھانا جو ہر روز دیئے جاتے ہو تم مگر میں تم دونوں کو اس کی

تعبیر بتا دوں گا اس سے پہلے کہ وہ کھانا ناشتہ تم دونوں کے پاس آئے یہ بعد ناشتہ صبح کا وقت آخری تھا بتا دینا
میں ضمیر غائب کا مرجع خواب ہے اور چونکہ ایک کلام میں دونوں کو علیحدہ علیحدہ خطاب کیا تھا اس لئے دونوں خوابوں کے لیے
ضمیر واحد ہی رکھی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس ضمیر غائب ہ کا مرجع کھانا ہے اور جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ
تھا کہ میں تم کو خبر دے سکتا ہوں کہ تم روزانہ کیا کھاتے ہو کیا بچاتے ہو۔ اسی طرح حضرت یوسف کا بھی یہ معجزہ تھا اسی کا
یہاں ذکر ہے کہ خواب کی تعبیر تم نے پوچھی ہے یہ تو معمولی بات ہے میں تو تم کو تمہارے کھانا آنے بلکہ ابھی تو کھانا پکا بھی
نہیں پکنے سے بھی پہلے تم کو بتا سکتا ہوں کہ آج کیا کھانا کس رنگ کا کس مزے کا کھانا آئے گا اور کھانے کے بعد اس کا
اثر تم پر کیا ہوگا کہ کھا کر تندرست رہو گے یا بیمار پڑ جاؤ گے شاہِ مصر کا طریقہ یہ تھا کہ جو مجرم ملکی ہوتا مثلاً چور ڈاکو قاتل
اس کو تو ظاہر طور سے قتل میں پھینک کر مار ڈالتا یا بر سرِ عام قتل کراتا لیکن خطرناک سیاسی قیدیوں کو جو اس کی جان یا سلطنت
کے دشمن ہوتے ان کو سجن عافیت میں رکھتا تاکہ عوام پر ظاہر ہو کہ تفتیش ہو رہی ہے مگر کسی طرح کھانے میں زہر ڈلوا کر مروا دیتا
یا ہلکا زہر ڈلواتا جس سے قیدی کو مہلک بیماری لگ جاتی جس سے آہستہ آہستہ گھل گھل کر مر جاتا۔ اس لئے حضرت یوسف ؑ
نے فرمایا میں تم کو تمہارے کھانے کی حقیقت بتا دوں جس سے تمہاری خوابوں کی تعبیر بھی ہو جائے گی کہ کس کو مارنا چاہتا
ہے اور کس کو باقی رکھنا۔ مگر یہ ایک تفسیری قول ہے میں اس سے متفق نہیں کیونکہ تعبیرِ خواب بتانا ہی مراد ہے۔ دونوں
قیدی سخت متعجب ہوتے اور بولے اے یوسف کیا تم جادوگر ہو فرمایا نہیں بولے کیا تم کاہن ہو یا نجومی ہو فرمایا نہیں
تو بولے پھر یہ علم تم کو کہاں سے آیا تب آپ نے جواب دیا کہ تم دونوں کی یہ خوابوں کی تعبیر یا چیز آنے سے پہلے
اس کی حقیقی پوری خبر دینا۔ یہ ان علموں میں سے ہے جو مجھ کو میرے رب نے سکھایا قیدی بولے آپ کا رب کون ہے
اور اس نے آپ کو کیوں سکھایا فرمایا میرا رب اللہ تعالیٰ میرا تمہارا خالق ہے اور مجھ کو یہ علم اس لئے سکھایا کہ میں نے شروع
سے ہی وہ دین چھوڑے رکھا یا اس قوم کا دین میں نے مانا ہی نہیں جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ قوم والے سرے
سے آخرت کے ہی کافر ہیں یعنی انکار کرنے والے ہیں۔ یہ تھا وہ پہلا وعظ جو یوسف علیہ السلام نے جیل کی کوٹھڑی یا
نہایت مشرکانہ ماحول میں باطل کے سامنے سنایا یہاں سے آپ کی تبلیغ نبوت شروع ہوتی ہے۔ روایت ہے کہ سارے قیدی
اور جیل کا عملہ جمع ہو گیا تو آپ نے اپنا مصلحانہ نصیحت آمیز کلام مزید دراز فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو تم میرے
علم سے متاثر مت ہو میرے حسن سے بھی متاثر نہ ہو یہ بندوں کے پاس امانتِ پروردگار ہے دنیا میں دنیا کی چیز کبھی
فائدے سے مند کبھی نقصان دہ یاد رکھو کہ سات چیزیں سات چیزوں کے لئے آفت ہیں۔ تکبر حسن و جمال کے لئے آفت
۲ بے عملی علم کے لئے آفت ہے ۳ خاندان کی بڑائی کے لئے سرکشی آفت ہے ۴ فضول خرچی سخاوت کی آفت ہے
۵ شیخی اور ریاکاری فضول خرچی کی آفت ہے ۶ خواہش نفسانی دین کی آفت ہے ۷ سستی عبادت کی آفت ہے
تم اس پر نظر رکھو جس نے یہ نعمتیں دی ہیں اور اس کی طرف دوڑو جس کی وجہ سے نعمتیں ملیں تم سب باطل دین اور

غلط راستے پر ہیں میں نے وہ دین چھوڑا اور وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَاءِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَن نُّشْرِكَ بِاللَّهِ مِن شَيْءٍ ذَٰلِكَ مِن فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ اور پیروی کی ہیں نے اپنے آباؤ اجداد کی۔ جانتے ہو وہ کون ہیں؟ وہ ابراہیم ہیں میرے پردادا اور اسحٰق ہیں میرے دادا اور یعقوب ہیں میرے والد علیہم السلام۔ حضرت یوسف نے پہلے ان سب لوگوں کو اس طرح مائل کیا کہ ان کو بتایا کہ میرے پاس جو کچھ ہے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے وہی میرا تمہارا سب کا خالق ہے اس تعارف الٰہی سے وہ کچھ مائل با سلام ہوئے۔ اور کیوں نہ مائل ہوں کہ تعارف رب کا ہو اور زبان یوسف کی ہو کلام فصیح ہو زبان بلیغ ہو جب آپ نے کچھ میلان ومحبت جانی تو اب اپنا تعارف کرایا کیونکہ کلام کا اثر کلام والے کی پہچان سے بڑھ جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جس رب تعالیٰ کے اتنے انعام ہوں تو ہم بندوں پر بھی واجب ہے کہ اس پر ایمان لائیں اور برے دنیوی مشرکانہ حرکتوں کو چھوڑ دیں اس کی توحید کے ڈنکے بجائیں جب اس کی نعمتیں ہم استعمال کرتے ہیں تو ہم کو یہ لائق نہیں کہ ہم کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھرائیں۔ نہ چاند نہ سورج نہ اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کو کہ یہ سب تو اس کی مخلوق ہے اور اس کے حکم کے بندے۔ ماکان لنا کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ ہم گروہ انبیاء کو یہ قدرت نہیں کہ ہم شرک کریں اس لحاظ سے گویا یہ حضرت یوسف نے پہلے اپنے خاندان نبوت کا تعارف کرا کے اب اپنا بھی تعارف کرا دیا کہ میں بھی نبی ہوں۔ دوسری تفسیر یہ کہ ہم بندوں کو لائق نہیں کہ ہم مشرک بنے رہیں تب یہ لوگوں کو خطاب ہے اپنی ذات شامل نہیں اور جمع متکلم کی ضمیر لانا آداب کلام کے اعتبار سے ہے جیسے کہ عام طور پر بزرگ لوگ علماء مشائخ اپنے مواعظ حسنہ میں اکثر فرماتے ہیں کہ دیکھو بھئی ہم لوگوں کو جائز نہیں کہ ہم چوری کریں وغیرہ جس طرح یہاں چوری میں خود شامل نہیں ہوتے صرف ادباً اس طرح کہا جاتا ہے ایسے ہی حضرت یوسف کے کلام میں ہے۔ وہ سب کرم نوازیاں دولتیں نعمتیں عزتیں عزمتیں کسی چیز کے بدلے میں نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے۔ ذالك کا مشار الیہ اگر نبوت ہو تو مطلب ہے کہ نبوت کسبی نعمت نہیں کسی کے کسب زہد وعبادت تقویٰ طہارت یا نیک اعمال کے بدلے میں نہیں نہ یہ دعاؤں سے اپنے آپ کو ملے۔ ہاں نبی کی دعا سے نبوت بھی مل جاتی ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ کی دعا سے ہارون علیہ السلام کو نبوت ملی۔ اور اگر ذالك کا مشار الیہ عام نعمتِ دنیا یا نعمتِ ایمان ہو تب مطلب ہے کہ اس کی بارگاہ میں کوئی بھی مستحق انعام نہیں جس کو عطا فرماتا ہے فقط اپنے فضل وکرم سے بلا عوض دیتا ہے یہ تفسیر قوی ہے کیونکہ آگے ہے عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ۔ یہ فضل ہم پر اور عام یا خاص لوگوں پر ہے۔ اس عبادت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ لَنَا کی ضمیر سے بھی ہم بندے مراد ہیں نہ کہ ہم گروہ انبیاء۔ بہر حال دونوں تفسیریں اپنی جگہ درست ہیں سب پر ہی اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا فضل ہے خاص کر مسلمانوں پر جن کو نبی کے وسیلے سے دولتِ ایمانی نصیب ہوئی اور لیکن اکثر لوگ یعنی کافر ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتے ابھی آپ کا وعظ مبارک ختم نہیں ہوا تھا کہ سب قیدی اور جیل کا اکثر عملہ مسلمان ہو گیا یہ دونوں بھی مسلمان ہو گئے۔ آپ نے قیدیوں سے فرمایا

کہ اے قیدیو تم کفر کی قید سے آزاد ہو چکے اب بتاؤ اس جیل میں رہنا چاہتے ہو یا آزاد ہو کر اپنے گھروں میں جا کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہونا چاہتے ہو اس وقت جیل میں ایک ہزار چار سو قیدی تھے ایک ہزار نے کہا ہم جیل سے نکلنا چاہتے ہیں بعض نے کہا یہ سب مظلوم اور متہم تھے زیر تفتیش تھے مگر بادشاہ کی لاپرواہی کی وجہ سے تفتیش ختم نہ ہوتی تھی۔ حضرت یوسف نے اپنے علم غیب سے یہ سب کچھ جان لیا تو آپ نے ان کو آزاد کرنا چاہا لیکن قیدیوں نے عرض کیا یا حضرت ہمارے پیروں میں بیڑیاں ہیں گلے میں طوق ہیں ہم کس طرح آزاد ہوں گے آپ نے بیڑیوں اور طوق کو نظر بھر کر دیکھا تو وہ کھل گئے پھر قیدیوں نے عرض کیا۔ ہم لوگ اسی مصر کے رہنے والے ہیں جانے پہچانے ہوئے ہیں ہم کو پہچان لیا جائے گا اور پھر پکڑے جائیں گے تب آپ نے دعا کی رب نے سب کی صورتیں بدل دیں اور رنگ بھی بدل گئے اس طرح وہ سب آزاد ہوئے چار سو قیدی لوگوں نے کہا ہم کو آپ سے محبت ہے ہم آپ کی صحبت پاک میں رہنا چاہتے ہیں آپ نے درد بھرے لہجے میں فرمایا میرے دوستو مجھ سے محبت نہ کرو جس نے مجھ سے محبت کی اس کی محبت سے مجھ کو مصیبت اور غم آیا۔ مجھ سے میرے والد نے محبت کی تو جدائی کی مصیبت آئی مجھ سے زلیخا نے محبت کی تو قید کی مصیبت آئی نہ معلوم تمہاری محبت سے کیا مصیبت آئے اس پر سب رونے لگے اور آپ کے لئے اللہ کے حضور دعائیں کیں۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** اللہ کے مقبول بندے کفار کا بھی دل رنجیدہ اور غمگین نہیں ہونے دیتے حضرت یوسف نے جب تعبیر سے پتہ لگا لیا کہ یہ ایک قیدی سولی چڑھنے والا ہے تو آپ نے تعبیر بتلانے میں دیر لگائی اور اللہ رب العزت کا ذکر شروع کر دیا تاکہ اس پر موت آسان ہو جائے لذت دنیا ختم ہو کر لذت وصال الٰہی نصیب ہو دنیا سے منہ موڑ کر آخرت کی یاد میں انعامات پروردگار میں منہمک ہو جائے للہ والوں کو چاہیئے کہ در پر آنے والوں کو اپنے اخلاقِ حسنہ خوش و خرم رکھیں اسی لئے شریعت میں دل دکھانے والا مذاق حرام ہے یہ فائدہ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا (الخ) کی دراز عبارت سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** ہر مسلمان خاص کر علمائے کرام مشائخ عظام کو چاہیئے کہ اپنی ذات سے لوگوں کی بدگمانیاں دور کریں صرف قول سے ہی نہیں بلکہ ہر عمل سے یہاں تک کہ چلنے پھرنے کھانے پینے کردار معاملات سے۔ زکوٰۃ اعلان کر کے دیں نماز ظاہر ظہور پڑھیں۔ بری محفلوں اور تہمت کی جگہوں میں نہ جائیں۔ دیکھو یوسف علیہ السلام سے جب ان قیدیوں نے تعبیر پوچھی تو ان کا گمان تھا کہ شاید یوسف بھی کوئی کاہن نجومی تعبیریں بتلانے والے ہیں یہ خیال عیب تھا اور نبی پر تہمت تھی اس لئے آپ نے اس تہمت کو اور انکے گمانِ فاسد ختم کرنے کے لئے فرمایا میں کاہن نجومی نہیں مجھ کو رب تعالیٰ یہ علوم عطا فرماتے ہیں اور میری تعبیر عقل و قیاس سے یا تخمینے سے نہیں بلکہ علم الٰہی سے ہے جو کبھی غلط نہیں ہو سکتی یہ فائدہ مِمَّا عَلَّمَنِي سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** اپنا تعارف جبکہ قوم کی اصلاح کے لئے ہو تو جائز بلکہ کبھی واجب ہے دیکھو یوسف علیہ السلام نے اس لئے اپنا ذاتی

وخاندانی تعارف کرایا تاکہ یہ کافر لوگ دامنِ اسلام میں آجائیں اور فلاحِ دارین پائیں یہ فائدہ ۔ وَاتَّبَعْتُ اِلخ سے حاصل ہوا لہٰذا علماء ومشائخ کو بھی چاہیئے کہ قوم کے سامنے اپنا علمی تعارف کرائیں بلکہ اپنا لباس وضع قطع ہی ایسی رکھیں کہ ہر شخص پہچان سکے کہ یہ عالم ہے اور مسائل دین پوچھیں۔

مسئلہ: عالم کو یہ کہنا جائز ہے کہ میں عالم ہوں مفتی ہوں۔ سند یافتہ ہوں تاکہ لوگ اس سے دینی مسائل پوچھیں اور اس کی بات پر اعتماد کریں بشرطیکہ نیت میں تکبر ریاکاری دکھلاوا بڑائی اور ادب کرانا مقصود نہ ہو اگر یہ ارادہ ہو تو تعارف حرام ہے صوفیاء کے لئے اپنا تعارف حرام ہے خواہ نیت میں تکبر ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ شریعت ظاہر کرنے کے لئے ہے اور طریقت چھپانے کے لئے۔ لہٰذا کسی صوفی کو یہ جائز نہیں کہ کہتا پھرے میں پیر ہوں ولی ہوں غوث و قطب ہاں جبکہ کفرستان میں ہو اور الہام سے اظہار و تعارف کا حکم ملے تب جائز ہے جیسے کہ قصیدہ غوثیہ میں تعارف ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** قیدیوں نے تو تعبیرِ خواب پوچھی تھی آپ نے بجائے خواب کی تعبیر بتلانے کے تبلیغ کرنی شروع کر دی **جواب** تین وجہ سے ایک یہ کہ آپ کو پتہ لگ گیا تھا کہ ایک قیدی نے مرجانا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مسلمان ہو کر دنیا سے جاتے نبی کی صحبت کا کچھ تو فائدہ حاصل کرے۔ گلشن یعقوبی کی کچھ تو خوشبو پائے کریم ہمیشہ کرم ہی کرتا ہے کچھ دیر تو لگادی مگر ابد الاباد کی دولت دے کر آخرت سنوار دی اگر تعبیر پہلے بتادی جاتی تو سن کر اتنا غمزدہ ہوتا کہ پھر کوئی بات سننے کی طرف توجہ نہ دیتا اس لئے آپ نے پہلے مسلمان کر کے عشقِ الٰہی کا ٹیکہ لگا کر مست کر دیا پھر موت کی خبر سنائی تو اس کو پرواہ بھی نہ ہوئی دوسری وجہ یہ کہ یہ اتنا بڑا اجتماع صرف تعبیر سننے کے لئے جمع ہو گیا تھا ان کے لئے تو یہ محفل ایک تماشہ تھی حضرت یوسف اس تماشہ گاہ کو ذکرِ الٰہی کا چمن بنانا چاہتے تھے اور پھر اتنے عمر رسیدہ کافروں کو اسلام کی طرف مائل کرنے میں کچھ وقت لگنا تھا اس لئے یہ خطبہ پہلے ارشاد فرمایا تیسری وجہ یہ کہ تعبیر بتانا دنیوی کام تھا اور مسلمان بنانا دینی کا لہٰذا دین کو پہلے کیا دنیا کو بعد میں تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ دین مقدم ہے دنیا پر اور دنیا کو دین کے لئے حاصل کرو نہ کہ اس کے الٹ سبق ہے پیروں کے لئے کہ تعویذ ورد وظیفے۔ اور پیری مریدی صرف اس لئے کرو کہ لوگ شریعت پر عامل ہو جائیں ان کو معاشرے کی خرابیوں دینی فلاح و بہبود سے آگاہ کرو آج کل کی آزاد خیالی فحاشی تصویر کشی فوٹو نوازی سے بچاؤ فقط نذر و نیاز کے لئے یہ میٹنگ کام شروع نہ کرو **دوسرا اعتراض** حضرت یوسف نے کھانے کی خبر دینے کا ذکر کیا یہ معجزہ ہے اور معجزہ کا تذکرہ دعوئے نبوت کے بعد ہوتا یہاں دعوتِ نبوت کا ذکر پہلے کوئی نہیں تو معجزے کا تذکرہ کیوں فرمایا۔

جواب اس کے دو جواب ہیں پہلا یہ کہ خبر دینے سے مراد خواب کی تعبیر مراد ہے نہ کہ کھانے کی خبر دینا۔ یہ تو کچھ مفسرین کا ایک قول تھا جو ہم نے نقل کر دیا دوسرا جواب یہ کہ ضروری نہیں کہ دعوتِ نبوت کے بعد ہی معجزہ دکھایا یا بتایا یا ذکر کیا جائے پہلے بھی ہو سکتا ہے دیکھو عیسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں بچوں کے سامنے فرمایا وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ

وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ یہ معجزہ ہی تھا مگر دعوےٰ نہ تھا اس معجزے کا نام ارہاص ہوتا ہے جو دعوئے نبوت سے پہلے ہو یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تذکرہ ہی دعوۂ نبوت ہو۔ چوتھا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے چونکہ ابھی ساتھ ہی ما کان لنا میں دعوۂ نبوت ہے اس لئے یہ معجزہ دلیل مقدم کے طور پر مذکور فرمایا اور معنی یہ ہوں کہ میں تم کو کھانے کی غیبی خبر دے سکتا ہوں کیونکہ میں نبی ہوں تیسرا اعتراض حضرت یوسف نے کہا تَرَکْتُ مِلَّۃَ قوم میں نے چھوڑی۔ چھوڑی وہ چیز جاتی ہے جو پہلے اختیار کی گئی ہو جیسے وہی شخص کہہ سکتا ہے میں نے شراب چھوڑی جو پہلے پیتا ہو۔ تو کیا حضرت یوسف معاذ اللہ پہلے اس قوم کی ملت پر تھے؟ جواب لغوی اور شرعی لحاظ سے ترک کی دو قسمیں ہیں ۱۔ ترک انتقال جو شروع کرنے کے بعد چھوڑا جائے یہاں یہ مراد نہیں ۲۔ ترک اعراض اس کا معنیٰ ہے چھوڑے رکھنا یا نہ ماننا وہی یہاں مراد ہے اس کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں چوتھا اعتراض یہاں ضمیر ھُمْ دو دفعہ کیوں آئی وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ جواب دو وجہ سے ایک یہ کہ پہلی ضمیر نے یہ بتایا کہ وہ قوم ایمان کے مبدا یعنی اعتقاد ایمانی وعملیات شرعی قانونی کے منکر ہیں اور دوسرے ھُمْ نے بتایا کہ آخرت کے حساب کتاب سزا وجزا کے منکر ہیں پہلے ضمیر نے بتایا کہ شریعت کے منکر ہیں جو ظاہری قانون اور ظاہری اسلام ہے دوسرے ھُمْ نے بتایا کہ وہ طریقت کے منکر ہیں جو باطنی قانون ہے اور باطنی دین ہے دوسری وجہ یہ کہ پہلی ضمیر نے ان کے کفر کا تذکرہ کیا دوسری ضمیر نے خصوصی تاکید کی کہ یہ ہی خاص طور پر کافر ہیں یا اس طرح کہ چونکہ یہ توحید باری تعالیٰ کے منکر ہیں اور توحید کا منکر ہی خاص طور پر آخرت کا منکر ہوتا ہے۔ اگرچہ اپنے دین میں قیامت اور جنت و دوزخ کا ذکر کرتے رہیں۔ جیسے آجکل یہود ونصاریٰ قیامت کو مانتے ہیں مگر پھر منکرین آخرت میں شمار ہیں کیونکہ توحید باری تعالیٰ کے عملاً منکر ہیں قولاً موحد ہی بنے پھرتے ہیں پانچواں اعتراض حضرت یوسف نے اپنی نبوت سے پہلے اپنے خاندان کی نبوت کا ذکر کیوں کیا؟ جواب ایک تو تعارف کرانے کی غرض سے کیونکہ ان کی عظمت ونبوت مشہور تھی۔ اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں اپنے دینی اور نیک خاندان کا چرچا کرنا جائز ہے کہ اس سے خاندان والوں کو نیکی کا شوق پیدا ہو گا بزرگوں کی سوانح عمری لکھنے کا یہی فائدہ ہے خاندان کی دینی بڑائی بیان کرنا جائز ہے۔ دنیوی بڑائی بیان کرنا ناجائز ہے کیونکہ دینی بڑائی کے تذکرے سے آئندہ نسل میں عجز وانکسار واخلاق صالحہ پیدا ہوتے ہیں دنیوی بڑائی کے تذکرے سے تکبر پیدا ہوتا ہے۔ دوسری یہ وجہ کہ تواضعاً وہ صاف صاف خود کو نبی کہنا نہ چاہتے تھے ان کی نبوت کو وضاحت سے بیان کر کے اپنی نبوت اشارۃً بیان کر دی تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بتانا یہ چاہتے تھے کہ میں کوئی نئی باتیں لے کر نہیں آیا بلکہ ملت وہی ہے چھٹا اعتراض جبکہ حضرت یوسف خود بھی نبی رسول صاحب شریعت تھے تو آپ نے یہ کیوں فرمایا وَاتَّبَعْتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِیْ (الخ)؟ جواب شریعت اور ملت میں فرق ہے۔ شریعت نام ہے مستقل قانون کا وہ ہر رسول لے کر آتا ہے ملت کے معنیٰ ہیں فطری بنیادی دین اس لحاظ سے نبی کریم بھی ملت ابراہیمی پر ہیں اسلام شروع ہوا ہے حضرت آدم سے ملت شروع ہوئی ہے حضرت ابراہیم سے اور شریعت

ہر رسول کی علیحدہ کتاب ہر مرسل کی علیحدہ مثال یوں سمجھو اسلام شجرِ طیبہ ہے جو بڑے آخری بلند شاخ تک ہے
ہر نئی کونپل پتی بھی اس میں شامل ہوتی رہتی ہے کوئی پتہ بدعت یعنی اس سے علیحدہ نہیں اس کا تنا ملت ہے اس
کی موٹی شاخیں کتب سماوی ہیں پتے شریعت ہیں **ساتواں اعتراض** انبیاء معصوم ہوتے ہیں پھر آپ نے کیوں فرمایا
مَاكَانَ لَنَآ ہمیں لائق یا بہتر نہیں کہ ہم شرک کریں یہ تو ہر مسلمان کیلئے ہے **جواب** یہ اعتراض اور اسکا جواب تفسیر کبیر نے یہ دیا ہے کہ مَاكَانَ کا مطلب لائق یا بہتر
نہیں بلکہ یہاں لفظ قدرت پوشیدہ یعنی ہم کو طاقت و قوت اور قدرت ہی نہیں ہم شرک کر سکتے ہی نہیں ہم نے اپنی تفسیر عالمانہ میں یہ جواب دیا ہے اگر لَنَا کی جمع ضمیر سے گروہ انبیاء مراد ہیں تب
یہاں لفظ قدرت پوشیدہ اور اگر ضمیر سے مراد عام بندے ہیں تب یہاں لائق اور ینبغی پوشیدہ۔ بہرحال پوشیدہ ضرور ہے کیونکہ كَانَ فعل ناقصہ ہے
بغیر کسی کے ملے معنیٰ کامل نہیں دیتا **آٹھواں اعتراض** یہاں مِنْ شَيْءٍ کیوں فرمایا صرف نُشْرِكَ بِاللّٰهِ کہنا کافی تھا۔
جواب مشرکین بہت سی قسم کے تھے اور ہیں ۱ بت پرست ۲ سورج پرست ۳ چاند ۴ آگ ۵ ستارے پرست ۶
نفس پرست جیسے دہریئے ۷ عقل پرست جیسے بے دین لوگ ۸ طبیعت پرست وغیرہ مِنْ شَيْءٍ فرما کر سب کا رد کر دیا۔
نواں اعتراض حضرت یوسف نے ایمان کے لئے لَا يَشْكُرُوْنَ کیوں فرمایا شکر تو اللہ کے فعل پر ہوتا ہے اور ایمان
لانا بندے کا فعل ہے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں دیا گیا کہ دنیوی دولت و عزت اور رزق صحت ملنے پر شکر کا ذکر
ہے اور اگر ایمان ہی مراد ہو تو توفیق اور سہولت اور ملنے پر شکر ہے کیونکہ جو نیکی کرتا ہے اسی رب کی توفیق سے کرتا
ہے اسی کی دی ہوئی عقل و فہم سے سمجھتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۭ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۔ یوسفِ قلب نے غلامانِ فکر سے
کہا کہ اصل منزلِ مقصود قربِ الٰہی کا پالینا ہے اس کا علم اور اس کی طلب پہلے ہونی چاہیئے عناصر اربعہ کی حاجات
و بیان بعد میں لازم۔ اصل سعادت فکرِ معاش کو موخر اور فکرِ وصالِ یار کو ہمہ وقت مقدم رکھتے ہیں منزلِ مشاہدات
میں طالبانِ عشق و مستی کے لئے مدرسۂ انوار میں یہ پہلا سبق ہے جس سے قناعت و صبر تحمل و برداشت اور حوصلہ و
ہمت پیدا ہوتی ہے تمہارے پاس رزقِ باطنی کی غذاءِ روحانی جو تم کو عالمِ بالا میں دی جاتی رہی اس کے آنے سے پہلے
اشاراتِ سِرّیہ کی تعبیر بتا دوں گا اور اسرارِ غیبیہ کی خبر دینا میرا کمال نہیں بلکہ اس علمِ لدنی اور مکاشفاتِ سرمدی سے
ہے جو میرے رب تعالیٰ نے مجھ کو سکھایا۔ وارداتِ مشاہدات کا یہ کرم اس لئے ہے کہ میں نے نفس و قویٰ اور طبیعتِ
بشریت والی قومِ ذمیمہ کا طریقۂ شہوات چھوڑ دیا۔ وہ معبودِ قدیمِ خالقِ حقیقی پر ایمان نہیں لاتے بلکہ نفس پرست
نفس کی ربوبیت کو مانتے ہیں اور ان کے پہلو کا نفسِ امارہ ربوبیت کا دعویدار ہے۔ اور ہواءِ نفسانی کو اِلٰہ بنا لیا ہے
اور یہی نفس و ہوا کی عبادت و پرستش کرنے والی قوم۔ انجامِ شقاوت اور عذابِ فراق اور قیامتِ حجاب اور حاضریِ
قہار کے کافر و منکر ہیں۔ انہوں نے اقوالِ شریعت کا کفران کیا اور اس کے مقابل طبیعتِ ذمیمہ کی اتباع کی۔ یہی وہ

چھوٹی خصلتیں ہیں جن کے جسم ظلمت پر یوم آخرت میں شقاوت کی سیاہی ہوگی۔ ان کو نصیحت عشق معرفت بیکار ہے کیونکہ ہر شاخ درخت بننے کے لائق نہ ہر درخت پھل دینے کے قابل نہ ہر پھل باغ سجانے کے لائق نہ ہر بندہ مناجات کے قابل نہ عزت قومیت ونسب سے ہے نہ محبت طلب سے نہ نجات بھاگنے سے نہ قرب خدا استحقاق ودعویٰ سے وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ۔ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ۔ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ اے تفکرات دنیا کے غلامو میں نے خود عشق جمال کے حصول کے لئے سلوک عشق طے کرتے ہوئے خلیل محبت کی ملت علم وسخا تسلیم ورضا کی اتباع کی اور اسحاق نیت صادقہ کے دین طلب مشاہدہ کی پیروی کی اور یعقوب عقل عاملہ کے دین صبر وحزن تحمل وبقا کی اتباع کی۔ کیونکہ یہی کمال توحید ہے جو آباء قلب کا دین ملکوتی ہے ہم قلوب ربانیہ کو طاقت نہیں کہ راہ محبت وحدانیت میں محبت غیر کو شامل کرنے کا شرک قلبی کریں کیونکہ ایک قلب منور میں حق وباطل کی دو محبتیں جمع نہیں ہوسکتیں یہ اتباع نفوس صادقہ اور عصمت نفوس طاہرہ اپنے زور کمال سے نہیں بلکہ عین عنایت فضل ربانی اور الہام احکام پُر اسرار خطاب اعلام ربوبیت آثار عبودیت سے ہیں یہ فضل قلب مومن پر ہے اور قلب کا وجود ہونا قالب انسانی پر اللہ کا بڑا فضل ہے کیونکہ دل ہی شمائل جلال کا ظہور ہے اگر جسد خاکی میں قلب عرش نہ ہوتا تو پرتو انوار تجلیات اسرار نہ ہوتیں۔ لیکن اکثر اہل شقاوت وجود قلب پر انوار ازلیہ کے وارد ہونے کا شکریہ نہیں کرتے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اصلاح قلب متابعت ابرار اور تعظیم صالحین سے ہے اور اصلاح قالب اتباع قلب اور شکر خالق قلب سے ہے۔ یا اللہ ہم کو توفیق شکر عطا فرما۔ (عرائس البیان۔ روح البیان)

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ

اے ساتھیو میرے قید کے کیا بہت سے رب علیحدہ علیحدہ اچھے یا اللہ ایک جو سب

اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو کیا جدا جدا رب اچھے یا ایک اللہ جو

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً

کائنات پر غالب نہیں عبادت کرتے ہو تم سے سوائے اس کے مگر

سب پر غالب تم اس کے سوا نہیں پوجتے مگر نرے نام جو تم نے

سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ

صرف ناموں کی گھڑا تم نے جن کو خود اور باپ دادا نے تمہارے نہ اتاری اللہ نے پر

اور تمہارے باپ دادا نے تراش لیے ہیں اللہ نے ان کی کوئی سند

سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ

اس کے سند نہیں قانون مگر اللہ کا حکم دیا اس نے کہ نہ پوجو تم مگر اس کو

نہ اتاری حکم نہیں مگر اللہ کا اس نے فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو

اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

ہی وہی دین سید ھا کرنے والا ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اسے

سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ

اسے دونوں ساتھیو میرے قید کے لیکن ایک تم دونوں سے پس پلائے

اے قید خانہ کے دونوں ساتھیو تم میں ایک تو اپنے رب

رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ

لیگا مربی بادشاہ اپنے شراب اور لیکن دوسرا پس معصولی دیا جائے گا تو کھائیں گے پرندے

(بادشاہ) کو شراب پلائے گا رہا دوسرا وہ سولی دیا جائے گا تو پرندے اس کا

مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ ؕ

سے سر اس کے فیصلہ کر دیا گیا ہے تقدیریں وہ میں جس فتوای مانگتے ہو تم دونوں

سر کھائیں گے حکم ہو چکا اس بات کا جس کا تم سوال کرتے تھے

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں ایمان اور شرک باللہ کے ذکر سے تبلیغ یوسف علیہ السلام کا تذکرہ ہوا اس تبلیغ میں صرف سنایا گیا تھا اب ان آیات میں ذہن نشین اور پختہ بٹھانے کے لئے سامعین سے سوال کرنے کا ذکر ہے دوسرا تعلق پچھلی آیات میں رسالت کا ذکر تھا کہ انبیاء کرام کی یہ شان ہے وہ شرک وکفر سے اور فسق وفجور سے معصوم ہوتے ہیں اب یہاں توحید کا ذکر ہے اور ایمان کے لئے یہ دونوں چیزیں لازم ہیں تیسرا تعلق پچھلی آیات میں حضرت یوسف کے تعبیر خواب بتانے کے وعدے کا ذکر ہوا تھا اب تعبیر بتا کر وعدہ پورا کرنے کا تعلق ہے۔

تفسیر نحوی

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ یا حرفِ ندا صَاحِبَیِ دراصل صَاحِبَیْنِ تھا نون تثنیہ بوجہ اضافت گر گئی مضاف الیہ یاءِ متکلم ہے۔ السِّجْنِ الف لام عہدی ہے سِجْن کا معنیٰ قید خانہ مضاف الیہ ہے اس کا مضاف پورا جملہ ندائیہ۔ ءَ ہمزہ سوالیہ انکاری ہے یا تقدیری ارباب جمع رب کی مراد معبود مُتَفَرِّقُوْنَ باب افتعال کا اسم فاعل بصیغہ جمع مذکر اس کا واحد مُتَفَرِّقٌ فَرْقٌ سے بنا بمعنیٰ مختلف لغوی ترجمہ جدا جدا ہونا یہ استفہام تقریری مبتدا ہے۔ خَيْرٌ خبر ہے۔ خَيْرٌ مصدر ہے یعنی اچھا ہونا۔ اَمْ حرفِ عطف اختیاری۔ اللہ اسم ذاتی ہے معبودِ حقیقی کا بحالتِ رفع ہے عطف ہے مُتَفَرِّقُوْنَ پر خیر مبتدا درمیان مبتدا میں آئی۔ لفظ موصوف اس کی دو صفتیں پہلی صفت الواحد۔ الف لام تعریفی بمعنیٰ الذی واحد بروزن فاعل وَحْدٌ سے بنا۔ بمعنیٰ منفرد انوکھا۔ یعنی بے مثل القہار۔ الف لام تعریفی ہے صفتِ دوم ہے بروزنِ فعّال۔ قہر سے بنا بمعنیٰ بہت غلبے والا مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَا تَعْبُدُوْنَ مضارع منفی بصیغہ جمع مذکر حاضر عَبْدٌ سے بنا بمعنیٰ عبادت کرنا مِنْ زائد دُوْنَ حرف۔ استثناء بمعنیٰ سوا۔ ہٖ ضمیر کا مرجع اللّٰہُ اِلَّا حرفِ استثناء مفرغ ہے بلکہ لغو ہے۔ اَسْمَآءً بحالتِ زبر مفعول بہ مَا تَعْبُدُوْنَ کا اِسْمٌ کی جمع بمعنیٰ نام موصوف۔ اگلا جملہ اس کا صلہ ہے سَمَّيْتُمُوْ فعل ماضی باب تفعیل کا بصیغۂ جمع مذکر حاضر ھا ضمیر غائب کا مرجع اَسْمَآءً ہے اَنْتُمْ ضمیر مرفوع منفصل عطف کے لئے آئی کیونکہ ضمیر متصل پر عطف جائز نہیں ہوتا۔ واؤ عاطفہ آبَاءُ جمع اَبٌ کی بمعنیٰ باپ مراد ہیں باپ دادے معطوف ہے انتم کا مضاف ہے بسوءِ کُمْ ضمیر مرجع مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ مَا نافیہ اَنْزَلَ فعل ماضی منفی اللہ فاعل باء جارہ بمعنیٰ علی مِنْ بعضیت کا ھا ضمیر کا مرجع اسمآءً۔ سلطان بروزن فُعلان نکرہ ہے۔ اِنْ حرف شرط نافیہ ہے الحُکْمُ الف لام استغراقی ہے حکم بمعنیٰ غالب فیصلہ اِلَّا حرف استثناء نے نفی کو توڑا اس کا مستثنیٰ پوشیدہ ہے دراصل تھا لا الحکم لِلّٰہ مستثنیٰ متصل ہے اِنْ شرطیہ اسی وقت نافیہ بنتا ہے جب بعد میں اِلَّا آتا ہو اور مطلب اس طرح ہوتا ہے کہ اگر کوئی حکم ہے تو وہ فقط اللہ کا ہے اِنْ کا یہاں آنا مفیدِ حصر ہے لِلّٰہِ میں لام جارہ ملکیت کا ہے اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ اَمَرَ فعل ماضی اَمْرٌ سے بنا بمعنیٰ فیصلہ کرنا قانون بنانا۔ یا حکم دینا یہاں ب بمعنیٰ مناسب اَلَّا اَنْ ناصبہ مصدریہ لَا تَعْبُدُوْا فعل نہی بصیغۂ جمع مذکر حاضر اِلَّا حرف استثناء اتصالیہ ہے اِيَّا اسم نکرہ ظاہری ہے بمعنیٰ حقیقت ہٗ ضمیر متصل کو اِلَّا کے ساتھ لانے کے لئے لفظ اِيَّا لایا گیا ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی مشار الیہ یہی سابقہ جملہ ہے۔ مبتدا ہے اَلدِّيْنُ۔ الف لام عہد خارجی ہے۔ دین بمعنیٰ قانون۔ یا عقیدہ موصوف ہے بحالتِ رفع ہے خبرِ مبتدا ہے القَيِّمُ الف لام تعریفی حرفی زائدہ ہے قَيِّمٌ۔ اسم فاعل مبالغہ ہے بمعنیٰ قیام اسی سے ہے قَيُّوْمٌ بمعنیٰ بہت مضبوطی دینے والا۔ صفت ہے واؤ سرِ جملہ حالیہ لٰكِنَّ حرف استدراک مشبّہ بالفعل ہے اَكْثَرَ اسم تفضیل بحالتِ زبر اسم ہے

لٰکِنَّ کا مضاف ہے النّاس مضاف الیہ ہے۔ لَا یَعْلَمُوْنَ مضارع منفی جمع غائب کا صیغہ خبر ہے لٰکِنَّ کی۔ یٰصَاحِبَیِ
السِّجْنِ یا ندائیہ صَاحِبَیِ تثنیہ ہے صاحب کا دراصل تھا صاحبین۔ نون تثنیہ بوجہ اضافت گر گئی مضاف الیہ یائے متکلم
ہے۔ السجن الف لام عہدی ہے سجن بمعنی قید خانہ بحالت زیر ہے مضاف الیہ ظرفی ہے کیونکہ دراصل تھا فِی السِّجْنِ
اَمَّا اَحَدُکُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّہٗ خَمْرًا وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْکُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِہٖ۔ اَمَّا حرف تفصیل اَحَدُ مبتدا لہٰذا مرفوع ہے مضاف
ہے کُمَا ضمیر تثنیہ۔ فا رابطے کے لئے یَسْقِیْ فعل مستقبل واحد مذکر غائب سَقْیٌ سے بنا بمعنی پانی پلانا متعدی بنفسہ
بدو مفعول ہے۔ ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے رَبَّہٗ مرکب اضافی مفعول بہٖ ہے رب بمعنی مربی مراد بادشاہ مصر پہلا
مفعول ہے خمرًا مفعول بہٖ دوم ہے بمعنی لغوی ڈھانپ لینا۔ بدیں وجہ دوپٹہ کو خمار اور نشے کو خُمار کہتے ہیں کہ وہ جسم
کو اور یہ عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اصطلاح میں انگوری شراب کو خمر کہتے ہیں یہاں مراد ہے مطلقًا شراب۔ واؤ ابتدائیہ
اَمَّا حرف تفصیلیہ۔ اَلْاٰخَرُ الف لام عہد خارجی بمعنی دوسرا شخص۔ فا برائے رابطہ یُصْلَبُ مضارع مجہول صَلْبٌ سے
بنا بمعنی سولی پانا یا سولی دینا یہاں متعدی ہے فا عاطفہ بمعنی تعقیب تَاْکُلُ فعل مستقبل واحد مونث اس کا فاعل الطَّیْرُ
ہے الف لام جنسی طیر یا اسم جنسی ہے مراد بہت پرندے یا جمع ہے طائر کی مراد گوشت خور پرندے مِنْ جارہ ظرفیہ
بمعنی قبل رَاْس بمعنی سر مراد سارا جسم ہے ہٖ کا مرجع اٰخر ہے قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْہِ تَسْتَفْتِیٰنِ قُضِیَ فعل ماضی مجہول قَضْیٌ ناقص
یائی سے بنا بمعنی فیصلہ کرنا اسی سے ہے قاضی اور قضا۔ یہاں ازلی فیصلہ مراد نہیں جو تقدیر مبرم ہوتی ہے بلکہ ماضی
قریب کے معنی میں ہے جس کو تقدیر معلق کہا جاتا ہے اَلْاَمْرُ بمعنی تقدیر اَلَّذِیْ اسم موصول واحد ہے مراد مقصد سوال یعنی
آزمائش یوسف علیہ السلام ورنہ خوابیں اور تعبیر دو ہیں فی جارہ ظرفیہ ہٖ ضمیر مجرور متصل متصل ضمیر وہ ہوتی جو اپنے
عامل سے جڑ کر آئے لہٰذا اناہُ، ایاکَ وغیرہ میں ہٗ اور کَ منفصل ہیں اگرچہ لفظًا ایا سے اتصال ہے جار مجرور متعلق مقدم
ہے۔ تَسْتَفْتِیٰنِ مضارع معروف تثنیہ بمعنی ماضی استمراری کا ثنا پوشیدہ ہے باب استفعال میں آکر طلب کے معنی پیدا
ہوئے فَتْوٰی سے بنا بمعنی تفصیلی اور مضبوط جواب مانگنا۔ اسی سے فتویٰ ہے۔

تفسیر عالمانہ

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ اے میرے قید کے دونوں ساتھیو
یا اے دونوں جیل کے قیدیو۔ پہلی صورت میں صاحب بمعنی ساتھی ہے دوسری صورت میں صاحب
بمعنی والا ہے یعنی جیل میں رہنے والے حضرت یوسف نے اپنی اور اپنے خاندان کی نبوت کا ذکر فرما کر اصل مقصد کیطرف
ان کفار کے ذہنوں کو پھیرا لہٰذا اپنے قریب بیٹھے ہوئے قیدیوں کو مگر خطاب سب سامعین سے ہے کیونکہ اس وقت
اصل مقصود تبلیغ کا ان دونوں کو سمجھانا یا اس لئے کہ یہ جانے والے تھے دوسرے قیدیوں کو بعد میں بھی تبلیغ ہو سکتی ہے
جیسا کہ آپ سات سال جیل میں درس دیتے رہے اور چونکہ یہ بڑے پرانے خاندانی کافر تھے جن کو اپنے جھوٹے معبودوں
سے بہت محبت تھی اس لئے ایک دم یہ نہ کہا کہ تمہارے بت جھوٹے بلکہ پیار محبت کے انداز میں خود ان کے اعتقاد کو

سامنے رکھ کر ان ہی سے پوچھتے ہیں کہ اے لوگو میں تمہاری عقیدت کو چیلنج نہیں کرتا صرف تم اپنی عقلوں ذہنوں سے پوچھو کہ کفار نے ہزاروں قسم کے رب بنا لئے ہیں، چاند، سورج، ستارے، فلک، درخت، سفر، سفر اور ہر موسم کا بت علیحدہ بنا لیا ہے کیا یہ اتنے بہت سے متفرق اور مختلف رب اچھے تم کو لگتے ہیں یا ایک ہی رب جو اللہ تعالیٰ وَحْدَہٗ لاشریک سب پر قہار و غالب ہے حضرت یوسف نے کمال ذہانت و فطانت سے ہر قسم کے مختلف عقیدے رکھنے والے کفار کو عقل سے سوچنے سمجھنے کی دعوت دی۔ ابھی تک یہ لوگ لکیر کے فقیر بنے ہوتے تھے بغیر سوچے سمجھے بتوں کو رب کہے جا رہے تھے بس باپ دادا کی اڑتی خبروں کی نقل کئے جا رہے تھے اب جب دعوتِ تفکر ملی تو ذہن کی کھڑکیاں کھل گئیں یوسف علیہ السلام نے اپنے اس مختصر کلام میں چھ دلائل قائم فرمائے اور بتایا کہ جب تم میری اس بات کو عقل و فراست سے سوچو گے تو تم کو اپنے دین میں چھ خرابیاں نظر آئیں گی پہلی یہ کہ کائنات کسی نظام کی محتاج ہے اور اس کیلئے ناظم ضروری ہے ایک سے زیادہ منتظم ہوں اور سب با اختیار ایک درجے کے ہوں تو ہر ایک نے اپنی مرضی کرنی ہے ہمہ وقت متفق ہونا محال ہے لہٰذا کائنات میں خلل پڑ جائے گا دوسری خرابی یہ کہ یہ بُت وغیرہ چاند سورج ستارے درخت تم دیکھتے ہو اُگتے بگڑتے ٹوٹتے بنتے اور چاند و کواکب نہایت پابندی سے مقررہ سمت پر دوڑتے چلے جاتے ہیں اپنی مرضی سے ان کو کبھی کسی نے رکتے چھپتے نہ دیکھا ثابت ہوا کہ یہ کسی کے حکم کے بندے ہیں لہٰذا یہ قاھر نہیں مقہور عامل نہیں معمول ہیں حالانکہ معبود وہ ہوتا ہے جو عبد پر قاھر و عامل ہو تیسری خرابی یہ کہ بہت سے معبودوں میں نہیں پتہ لگتا کہ کون پیدا کر رہا ہے کون مار رہا ہے کون رزق دیتا ہے کون مصیبتیں دور کرتا ہے۔ لہٰذا کون ہماری عبادت کا مستحق ہے یہ پتہ نہیں لگتا مگر ایک معبود مان کر یہ دشواری نہیں ہوتی چوتھی خرابی یہ کہ زیادہ معبود ہوں تو کس کس کو راضی کرو گے۔ ایک کو راضی کیا تو دوسرا ناراض ہوا اس کو راضی کیا تو وہ ناراض پانچویں خرابی کفار کہتے ہیں کہ ہمارے یہ معبود نفع دیتے ہیں مگر ان کے نفع کے وقت مقرر ہیں ایک وقت میں فلاں بت کی باری ہے دوسرے وقت میں فلاں کی اسی طرح نفع کی قسمیں بھی بٹی ہوئی ہیں یہ نفع اتنے بت دیں گے اور وہ نفع اتنے بت یہ بارش برسانے والے یہ دولت بانٹنے والے لہٰذا اس خیال سے بہتر یہ نہیں ہے کہ ایک ہی اس معبود کو مانتے چلے جاؤ ہمیشہ سے ہمیشہ تک قاھر و غالب ہے اور اس کا واحد ہونا ہی اس کی عبادت کو واجب کر رہا ہے چھٹی خرابی تمہارے معبودوں میں کوئی اعلیٰ کوئی ادنیٰ کوئی زیادہ کوئی تھوڑا لہٰذا ان کو ہرانے والا کوئی بنانے والا۔ حالانکہ رب اور معبود ہونے کے وہ لائق ہے جو واحد ہو سب پر غالب ہو سب سے اعلیٰ ہو ہمیشہ سے ہو ہمیشہ تک ہو۔ واجب الوجود ہو۔ ممکن یعنی قابلِ فنا نہ ہو قاھر ہو مقہور نہ ہو جو واجب ہو گا وہی قاھر ہو گا مقہور نہ ہو گا عامل ہو گا معمول نہ ہو گا غالب ہو گا مغلوب نہ ہو گا لیکن جو ممکن ہو گا مقہور معمول مغلوب ہو گا کیونکہ جو اس کو فنا کر دے بگاڑ دے توڑ دے مروڑ دے وہ اس پر غالب ہو گیا لہٰذا بہت سے مغلوب مقہور رب اچھے یا ایک غالب قاھر معبود اچھا پھر مزید حیرانی اور سوچنے والی بات یہ ہے کہ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَا

اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ یہاں سب سامعین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو تم سب اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف ناموں کو پوجتے ہو جن میں کچھ تم نے خود رب رکھ لئے ہیں اور کچھ پہلے سے چلے آرہے ہیں جن کو تمہارے باپ دادا نے رکھا تھا یا اس طرح کہ تم نے ایک بت اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس کا نام معبود رکھ دیا اور یا ایک چیز تم نے دیکھی تم کو پیاری خوبصورت لگی تم نے اس کو معبود کہنا شروع کر دیا یا تم نے کوئی ھیبت ناک خطرناک چیز دیکھی تم ڈر گئے اور مے معبود مے معبود کہنا شروع کر دیا۔ اسی طرح تمہارے باپ دادا کرتے رہے تمہارے بعد تمہاری نسلیں بھی اسی طرح کچھ اپنے معبودان معبودوں میں شامل کر لیں گی اور بلا دلیل تعداد بڑھتی رہے گی یا اس طرح کہ بتوں کا جو تم نے نام رکھا ہے ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ مثلاً ناگ دیوتا پیپل رانی کالی دیوی۔ ھنومان۔ دھنسر کسی کے منہ پر سونڈ لگا دی کسی کے پیچھے دم کسی کے دس سر کسی پانچ سر کسی کے بارہ ہاتھ بنا دیئے اس طرح کی مخلوق دنیا میں کبھی کہیں نہ تھی تم خود اختراع کی ہے یا اس طرح کہ پہلے تم نے ایک عقیدہ بنایا کہ اللہ یعنی معبود نور ہے بڑا نور خدا ہے چھوٹے نور فرشتے ہیں انہی کے نام پر تم نے بت بنانے شروع کر دیئے کسی شخص کے متعلق یہ سنا کہ وہ بڑا عقل والا تھا تو اس کے نام کا بت بنا کر دس سر لگا دیئے یعنی اس کی عقل دس عقلوں کے برابر تھی گویا کہ یہ معبود دس ہارس پاور کا اور یہ پانچ ہارس پاور کا۔ وغیرہ بہر حال یہ من گھڑت نام ہیں مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ اس پر اللہ نے کوئی دلیل نہ اتاری۔ اور تم میں سے بعض کفار کا یہ کہنا کہ ہم ان بتوں کو خالق رازق نہیں مانتے ہم اُن کو معبود سمجھتے ہیں صرف اس لئے کہ اللہ نے ہم سے کہا ہے کہ ان کی عبادت کرو یہ بھی غلط تمہارے پاس اگر کوئی دلیل ہے تو دکھاؤ اللہ نے کوئی حکم نہیں فرمایا اگر اس نے کچھ دلیل بھیجی ہوتی تو ضرور شائع ہوتی ہم اس لئے تم سے دلیل الٰہی مانگ رہے ہیں کہ عبادت کے معاملے میں خاص کر اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ نہیں حکم چلتا مگر اللہ کا یا نہیں کوئی حاکم مگر اللہ تب یہاں حکم سے مراد حقیقی اور تکوینی یعنی تدبیر عالَم کا حکم ہے اس لئے کہ حکم تین قسم کے ہیں ۱؎ حقیقی تکوینی اس میں بجز رب تعالیٰ کے کسی کو اختیار نہیں ۲؎ حکم شرعی اس میں انبیاء کرام باختیار حاکم ہیں ۳؎ قانونی اس میں بادشاہ بااختیار حاکم ہے مگر چلتے سب حکم رب کے ارادے سے ہیں اس لئے ہم نے جو ترجمہ کیا ہے اس میں ہر حکم شامل ہے۔ اسی کی بات مانی جائے گی لیکن تمہارے پاس نہ حجت نہ برھان نہ دلیل نہ سلطان۔ ہاں اگر ہم سے دلیل پوچھتے ہو تو ہم علی الاعلان کہتے ہیں اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ۔ اس رب کریم نے تو یہ ہی کا حکم دیا ہے کہ نہ پوجو مگر اسی واحد لاشریک رب کو اور یہ حکم اس لئے ہے کہ انتہائی تعظیم اور جلال والا ماننا اور بے حد عظمت اور پاکی بولنا عبادت ہے پس نہیں لائق مگر اسی ذات کیلئے جس سے بے انتہا انعام ملتے ہیں اور وہ صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے اس لئے کہ جو اس سے بندوں کو انعام ملتے ہیں وہ کسی سے نہیں مل سکتے نہ کوئی دے سکتا ہے مثلاً زندگی موت پیدائش اچھی شکل وصورت عقل رزق ہدایت ایمانی عرفان اور اس کے علاوہ کروڑھا نعمتیں جن کی انتہا ہی نہیں آگ ہوا مٹی پانی اتنی نعمتیں جن کے فقط گننے کے لئے عمر انسانی کافی نہیں للذا وہی مخلوق کی عبادت کے لائق ہے ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ۔ اور وہی دین ثابت مضبوط مستقیم سیدھا ہے

اسی کے اصول و فروع نہایت خوبصورت و مضبوط ہیں اس میں نہ کوئی ٹیڑھ ہے نہ افراط نہ تفریط اس کی اصل یعنی جڑ ایک ہے اور فروع یعنی شاخیں بے شمار ہیں وہ دین ہے جو امیر غریب۔ آقا غلام بیمار تندرست کے لئے گورے کالے کے لئے یکساں ہے اس کی ہر چیز ضابطے کے تحت ہے اس کی سچائی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اسی میں صاحب معجزات انبیاء کرام اور صاحب کرامات اولیاء اللہ ہیں وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ اور لیکن اکثر لوگ یعنی کافر اور خدا سے دور اور گمراہ نہیں جانتے۔ اور جہالت میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ حادثات عالم کو فلکیات اور سیاروں سے منصوب کر دیتے ہیں۔ ہاں علم و عقل شعور والے جانتے ہیں کہ ماسوا اللہ سب کچھ ڈھلتی پرچھائیں گزرتا سایہ ہے۔ جاھل سایہ کے پیچھے دوڑتا ہے کہ وہ اسی کو سب کچھ سمجھتا ہے مگر عاقل خالق سایہ کی طرف کیسی شان والی حمد و وعظ ہے سچ ہے اللہ کی حمد کے لئے نبی کی ہی زبان لائق ہے سب سے پہلے مصر میں دین الٰہی یوسف علیہ السلام نے پھیلایا جب اپنے کلام پر اثر سے سب کو مسلمان کر لیا دین کا کام مکمل ہوا تب دنیا کی طرف متوجہ ہوتے اور فرمایا يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ۔ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا۔ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ۔ اور میرے قید کے دونوں ساتھیو۔ لیکن تم میں سے جس نے تین شاخوں سے انگور نچوڑتے خود کو دیکھا تھا وہ تین دن بعد جرم سے بری نوکری پر بحال اور پہلے سے زیادہ عزت دیکھے گا اور لیکن دوسرا جس نے تین ٹوکرے روٹیوں کے اپنے سر پر دیکھے تھے وہ تین دن بعد سولی دیا جائے گا تو پرندے اس کے سر سے گوشت کھائیں گے یہ تعبیر سن کر پہلا تو خاموش رہا لیکن دوسرا گھبرا کر بولا ہم نے یہ خوابیں بناوٹ کی تھیں) تب یوسف علیہ السلام نے فرمایا اب کچھ نہیں ہو سکتا جو میرے منہ سے تعبیر نکل گئی اسی کا تقدیر ازلی میں فیصلہ کر دیا گیا اگرچہ بناوٹی تھیں لیکن تم نے تو اپنے منہ سے ان خوابوں کو بیان کر کے ہی فتویٰ مانگا تھا جب تم نے بیان کیا وہ اسی وقت خواب بن گئی اور میری تعبیر سے نتیجہ ہو کر رہے گا تین دن بعد وہی ہوا کہ ایک کو سولی دی گئی سولی کی موت دنیا میں سب سے پہلے اسی باورچی کو دی گئی اور دوسرے کو بادشاہ نے بری کر کے شراب پلانے پر اسی طرح ملازم رکھ لیا۔ شراب کی چھ قسمیں ہیں ۱؎ شراب قدرت یہ دنیا میں ہر انسان کو ملتی ہے جیسے آسمانی بارش دریا و سمندر کا پانی یہ شراب قدرت ہے ۲؎ شراب عبرت۔ حلال جانوروں کا دودھ ہے ۳؎ شراب کرامت وصل الٰہی کا شراب جو اولیاء اللہ کو ملتا ہے ۴؎ شراب ثواب جو جنت میں نیکوں کو ملے گا اسی کا نام شراب طہور ہے ۵؎ شراب قربت یہ انبیاء عظام علیہم السلام اور مقربین کو ہر عالم میں ملتا ہے ۶؎ شراب عذاب یہ دوزخیوں کو دوزخ میں ملے گا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ انفرادی طور پر کسی کافر کو ساتھی یا دوست کہنا جائز ہے اسی طرح رشتے کے لحاظ سے بھی ابا چچا بھیا کہنا جائز ہے ہاں قومی اعتبار سے کافر بھائی یا دوست یا سمجھنا حرام ہے مثلاً ھندو بھائی سکھ بھائی۔ اسی طرح کسی کافر کو وطنی بھائی کہنا جائز ہے یہ فائدہ صَاحِبَيِ السِّجْنِ الخ سے حاصل ہوا کہ حضرت یوسف نے انفرادی لحاظ سے صاحب کہا۔ جس کے معنی دوست ہیں یا ساتھی۔

دوسرا فائدہ تبلیغ میں نرمی کرنا اور کافر عقائد باطلہ کا بھی خیال رکھنا اور باطل عقائد کو برا نہ کہنا چاہیئے ہاں دلائل ایسے مضبوط ہوں کہ کافر خود اپنے عقائد کو برا کہنے لگے یہ فائدہ ءَ اَرْبَابٌ (الخ) سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ مرتے وقت ایمان کی تلقین کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ سکرات موت نہ شروع ہو یوسف علیہ السلام نے تعبیر سے ہی پتہ لگا لیا تھا کہ ایک سولی پر مرنے والا ہے۔ اس لئے اس کو ایمان کی تلقین کی وہ مسلمان ہو کر مرا بلکہ صحابی بن کر چوتھا فائدہ نبی کے منہ سے جو نکلتا ہے رب اس کو پورا کر دیتا ہے دیکھو یوسف علیہ السلام کے منہ سے دو دفعہ ان دونوں کا فرول کے لئے صاحب کا لقب نکلا رب کریم نے ان کو صحابیت بخش دی اسی طرح جو تعبیر ان کے منہ سے نکلی پوری ہو کے رہی کوئی اور ایسا درجہ نہیں لے سکتا۔ مگر ان کی غلامی کے طفیل پانچواں فائدہ کفار مشرکین کے بعض بت جیسے گنیش وغیرہ نام نہاد ہیں حقیقت کچھ نہیں بعض گمراہ سیاسی قسم کے ابوالکلام جیسے مودودیوں نے ان کو نبی لکھا ہے وہ سخت گمراہی ہے ان کا تو وجود ہی ثابت نہیں چھٹا فائدہ عقائد میں قیاس کافی نہیں کلام نبی کی سند ضروری ہے یہ فائدے سمیتموھا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوتے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اَمَرَ سے مراد فعل امر ہے اس کی تفسیر اَلَّا تَعْبُدُوْا ہے اور وہ نہی ہے اَمَر کی تفسیر نہی سے کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ یہ دونوں آپس میں ضدین ہیں جواب امام ابوبکر رازی نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے۔ دراصل اس طرح تھا اَمَرَ اَمْرًا اِقْتَضٰی اَلَّا تَعْبُدُوْا یعنی حکم دیا ایک حکم جس نے لَا تَعْبُدُوْا کا تقاضا کیا۔ مگر فقیر اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ اَمَرَ بمعنی اَوْجَبَ ہے اور لَا تَعْبُدُوْا سے مراد قانون ہے نہ کہ فعل نہی یعنی اللہ نے تم پر یہ قانون واجب کر دیا کہ تم بجز اس کے کبھی بھی کسی کی عبادت نہ کرو دوسرا اعتراض بت رب نہیں ہو سکتے تو اللہ کے نبی حضرت یوسف نے ان کو رب کیوں کہا کہ فرمایا اَرْبَابًا جواب دو وجہ سے ایک اس لئے کہ ان کے اعتقاد کا تذکرہ کرتے ہوتے کہ تم ان کو رب یعنی معبود کہتے ہو تو اتنے بہت سے گھڑی بھر رب اچھے یا ایک۔ دوسرے اس لئے کہ فرض محال اگر یہ رب ہوں تو چھوٹے چھوٹے اتنے مقہور مغلوب رب اچھے یا ایک قاہر غالب رب اچھا تیسرا اعتراض یوسف علیہ السلام نے فضیلت اور خیر کو تقسیم کر دیا کہ وہ اچھے یا وہ ایک خیر حالانکہ بتوں میں تو بالکل خیر ہو سکتی ہی نہیں پھر اس کا سوال کیوں کیا؟ جواب یہ کہنا بھی فرضًا تھا کہ اگر فرض محال ان بتوں میں کچھ قدرے خیر ہو تو دونوں میں مقابلۃً کون اچھا ہے یہ جواب تفسیر کبیر نے دیا۔ مگر فقیر نے اس کا جواب تفسیر میں یہ دیا کہ تم کو کون اچھا لگتا ہے۔ یعنی خیر سے مراد تم کو اچھا لگتا ہے واقعہ اور حقیقت کا ذکر نہیں چوتھا اعتراض یہاں پہلے فرمایا گیا ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ جس سے ثابت ہوا کہ ان معبودوں کا وجود ہے پھر اگلی آیت میں فرمایا گیا اِلَّا اَسْمَآءً (الخ) جس سے ثابت ہوا ان کا وجود کوئی نہیں یہ تعارض ہے جواب پہلے بتوں کے وجود کا ذکر ہے وہ واقعتًا موجود ہے سب مندروں میں نظر آتا ہے۔ اگلی آیت میں ان دیوتاؤں کے وجود کی نفی ہے جن کے نام پر یہ بت بنائے گئے جیسے گنیش۔ ھنومان وغیرہ یا یہ کہ بت کا وجود ہے مگر ان کے معبود کہنے کا وجود نہیں ہے

تو یہاں وجود کا ذکر ہے وہاں ثبوت کا **پانچواں اعتراض** حضرت یوسف کی تعبیر وحی سے تھی یا کہ علم تعبیر سے۔ اگر وحی سے تھی تو غلط کیونکہ اگلی آیت میں ظن فرمایا گیا ہے وحی الٰہی ظن یعنی خیال گمان نہیں ہوسکتی وہ تو حتمی یقینی ہوتی ہے نیز حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ تعبیر علم سے تھی اور اگر یہ تعبیر علم تعبیر سے تھی تو وہ ظن تخمینہ سے ہوتی ہے اس میں یقین وجزم نہیں ہوتا تو پھر اس کو قُضِیَ الامر کیوں فرمایا قُضِیَ میں جزم لازم ہے **جواب** یہ تعبیر علم سے تھی مگر نبی کے علم میں ظن اور تخمینہ نہیں ہوتا وہاں جزم ویقین ہوتا ہے کیونکہ خود رب نے سکھایا ہوتا ہے وہاں عَلَّمَنِیْ کا خطاب آ چکا تھا۔ اگلی آیت میں ظن ہے وہ بمعنی یقین ہے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ (الخ) **چھٹا اعتراض** یہ ساقی تو مسلمان ہو چکا تھا پھر اس کو شراب پلانے کی اجازت کیوں دی **جواب** پہلی بہت سی شریعتوں میں شراب حرام نہ تھی حضرت عیسٰے کی شریعت میں شراب حرام نہ ہوئی اسلام میں بھی اوّلاً شراب حرام نہ ہوئی۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت یوسف کے قانون میں بھی شراب کی حرمت نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اے میری قیدِ شریعت کے ساتھیو نظر وفکر کے غلامو تفریق وتعدد چند ہونا تقسیم ہونا یہ اشیاءِ حادثہ کی صفت ہے۔ ذاتِ قدیم نہ متفرق ہے نہ منقسم ذاتِ ازلی ابدی قدیم ہونا صفتِ رحمٰن ہے جو تقسیم سے پاک ہے۔ لہٰذا چند اور متفرق ہونا کمزور وضعیف ہونے کی علامت ہے اور واحد لاشریک ہونا قوی وقہار ہونے کی نشانی ہے اب غور کرو کہ بہت سے متفرق حادث کمزوروں لاغروں بے طاقتوں بے بسوں کو رب بنالینا اچھا ہے یا ایک اللہ واحد قہار قدیم ازلی ابدی غالب کو رب ماننا زیادہ اچھا۔ اے افکارِ شیطانیہ۔ نظریاتِ ابلیسیہ جن طبیعیاتِ رذیلہ نفسیاتِ کثیفہ کی تم پوجا پرستش کرتے ہو یہ فقط نام ہی ہیں جو تم نے اور تمہارے نفسِ امارہ دماغِ طاغوتیہ نے رکھ لئے۔ خلّاقِ عالم اللہ جَلَّ مَجْدُہٗ نے اِن ہواءِ نفسانی کی صداقت پر کوئی غالب دلیل نازل نہ فرمائی۔ بے بسوں لاغروں کے امر اور حکم بھی کمزور وکم عقلی کے ہوتے ہیں لیکن قادر وقیوم کا حکم حکمت ودانائی فائدے وراہنمائی سے پُر ہوتا ہے اسی لئے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ؕ قلب وقالب۔ جسد وجسم پر صرف اللہ تعالیٰ غالب علیٰ کل غالب کا ہی حکم وقانون جاری وساری ہے عقل وشعور کو اس ذات ازلی نے یہی حکم فرمایا ہے کہ بجز ذات قدیم وقہار کے کسی کی عبادت نہ کرو وہ دین جو فہم طاغوتی فکرِ ناسوتی سے بہت دور ہے۔ وہی دین سدا بہار قائم دائم رہنے والا ہے ہر شے کو فنا ہے مگر اس دین کو بقا ہے کیونکہ جس میں واحد قہار کی معرفت ذات جبار کی عبادت اور اغیار سے نفرت واعراض ہو وہی مقیم ومستقیم ہے اس پر کبھی خزاں نہیں آسکتی لیکن اکثر اہل شقاوت نہیں جانتے کہ حادث چیز قدیم نہیں ہوتی اور قدیم ذات بندگی بندگان اور ربوبیت ازلیہ میں لَا شَرِیْكَ لَهٗ ہوتی ہے۔ اس کے آیاتِ الٰہیات شواھدِ مملکت

بے مثل ہوتے ہیں۔ بندۂ عقل غلام فکر اشیاءِ عالم کو تو جان لیتا ہے مگر اپنے اندر کی خبر نہیں رکھتا۔ خواہشِ نفس اگر عبادت بھی کرے تو نیتِ ثواب اور طمعِ جنت میں کرتا ہے مگر قلب کی رغبت عبادت و اطاعت سے۔ عشقِ یزدانی طلبِ رحمانی ہوتا ہے کہ یہ ہی اصل مقصود ہے۔ اسی کو شرفِ اوّلیت حاصل ہے۔ قلبِ رحمانی جب معرفتِ الٰہی کے سبق پڑھا کر لذت مشاہدات کی مٹھاس چکھا کہ عشقِ ذات میں سولی فنا کو آسان بناتا ہے پھر تاویلِ اغیار اور مصائبِ ابرار کی طرف توجہ دلاتا ہوا کہتا ہے یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِىْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۚ قُضِىَ الْاَمْرُ الَّذِىْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ اے کلامِ محبت کے سننے والے میرے دونوں ساتھیو قیدِ معرفت کے دونوں صاحبو تم میں سے پہلا شاہِ قالب کو محبتِ ذات کی ایسی شراب پلاتے گا مستی الست میں شرکیات سے دور خمار میں ہوگا۔ اور لیکن دوسرا وہ تعزیرِ عشق کی سولی دیا جائے گا۔ اس طرح کہ افعالِ نفس سے مردہ ہوگا بس قوتِ نفسانیہ سے پرواز کرنے والے دماغ طاغوتی کو نوچ نوچ کر بطن ظلمات کو بھریں گے۔ یہ فتوائے ازلی ہے۔ جو اٹل ہے تقدیر پر کسی کو دسترس نہیں طاقتِ خواہشات تدبیریں سوچتی ہے مگر قلب شہودی مشاہدۂ تقدیر کی تعبیر دیتا ہے تقربِ بارگاہ اور مقامِ ولایت کے ظہور کا وقت مقرر ہو چکا ہے شہودِ ذاتی کا وقت قریب ہے سانس کی دوری چند گھڑیوں کی ہے۔ گوشۂ خلوت ختم ہونے والا ہے۔ جب قیدِ زندگی سے آزادی ملے گی تب ظاہر ہوگا کہ کس کو کتنی بیخودی اور کس کو کتنا ہوش ہے کون خنجرِ عشق سے گھائل ہوتا ہے اور کون شرابِ معرفت کے جام پلاتا ہے۔ جیل خانۂ حیات میں تو شقی و سعید دونوں ہی یکساں ہیں۔ (عرائس و روح البیان)

وَقَالَ لِلَّذِىْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِىْ عِنْدَ

اور فرمایا کو اس جس کو یقین کر لیا کہ بے شک بچ جانے والا ہے سے دونوں ذکر کرنا تو میرا

اور یوسف نے ان دونوں میں سے جسے بچتا سمجھا اس سے کہا اپنے رب

رَبِّكَ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِى السِّجْنِ

پاس مربی اپنے کے پس بھلا دیا اس کو شیطان نے بتانا مربی کو اپنے کو رہے بیچ قید

(بادشاہ) کے پاس میرا ذکر کرنا تو شیطان نے اسے بھلا دیا کہ اپنے رب (بادشاہ)

بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّىْٓ اَرٰى سَبْعَ

چند سال اور کہا بادشاہ نے بے شک میں نے خواب میں دیکھیں سات

کے سامنے یوسف کا ذکر کرے تو یوسف کئی برس اور جیلخانہ میں رہا اور بادشاہ نے کہا کہ میں نے خواب

ع

بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ

گائیں پلی ہوئیں کھا رہی ہیں ان کو سات دبلی اور سات بالیں

میں دیکھا سات گائیں فربہ کہ انہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیں ہری

سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ

ہری اور دوسری خشک اے سردارو فتویٰ دو مجھ کو میں خواب

اور دوسری سات سوکھی اے درباریو میرے خواب کا جواب

فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾

میری۔ اگر ہو تم کی خوابوں تعبیر نکال سکتے

دو اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہو

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں دونوں قیدیوں کو خوابوں کی تعبیر بتانے کا ذکر تھا اب یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ ہمارے نبی حضرت یوسف نے قیدیوں کو جیسا کہا ویسا ہی ہوا کیونکہ نبی کے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی دوسرا تعلق پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ ایک قیدی نے سولی پا کر مر جانا ہے اور ایک نے جان بخشی پا کر پھر شاہی دربار میں اپنے سابقہ عہدے پر بحال ہونا ہے اب بتایا جا رہا ہے کہ اس دوسرے سے حضرت یوسف نے کیا فرمایا تیسرا تعلق پچھلی آیات میں قیدیوں کی خوابوں کا اور ان کی تعبیروں کا ذکر تھا اب یہاں بادشاہ مصر کے خواب کا ذکر ہوا وہ تعبیر بتانا پیش خیمہ تھی اس تعبیر بتلانے کی۔

تفسیر نحوی وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ واؤ سر جملہ کیونکہ نیا کلام قَالَ کا فاعل یوسف ہیں۔ لام جارہ مفعولیت کے لئے یعنی اس کو اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر اس کا صلہ ظَنَّ فعل کا پورا جملہ۔ باب نَصَرَ کا ماضی ظَنٌّ سے بنا بمعنی گمان کرنا ۲ خیال دوڑانا ۳ یقین کرنا اگر ظَنَّ کا فاعل یوسف ہیں تو بمعنی یقین اگر فاعل الذی ہے تو بمعنی گمان یا خیال۔ اَنَّ درمیان کلام میں ہے لہٰذا ہمزہ مفتوح ہوئی حرف مشبہ ہٗ ضمیر اس کا اسم نَاجٍ اسم فاعل باب ضَرَبَ کا نَجَیٌ سے بنا۔ اس کے تین ترجمے ۱ بچنا ۲ نجات پانا ۳ کسی سے خفیہ بات کرنا۔ اسی معنی سے ہے مناجات یعنی آہستہ دعا ۴ آزاد ہونا یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں لازم ہے در اصل تھا نَاجِیٌ بر وزنِ ضَارِبٌ یا طرف میں بعد کسرہ ثقیل تھی بس گرا دیا تنوین مرفوع زیر سے بدل گئی یاء

محذوفہ کی نشان دہی کے لئے مِن جارہ تبعیضیہ متعلق ہے ناجٍ کا ھُمَا ضمیر تثنیہ غائب کا مرجع صاحبین قیدی یہ سب عبارت قال کے متعلق ہے اُذْکُرْ فعل امر باب نَصَرَ کا واحد حاضر یہ جملہ مقولہ ہے۔ ذِکْرٌ سے مشتق ہے بمعنی یاد کر یا تذکرہ کر۔ یا بیان کر اس کا فاعل اَنْتَ کا مرجع ناجٍ ہے نون وقایہ یاءِ متکلم مفعول بہ عِنْدَ اِسم ظرفی مضاف ہے رب کی طرف بمعنی سردار یعنی شاہِ مصر كَ ضمیر واحد حاضر متصل مجرور کا مرجع وہی ناجی قیدی مرکب اضافی ظرف ہے اُذْکر کا فاءِ تعقیبیہ اَنْسٰی باب افعال ماضی ہے بصیغہ واحد غائب متعدی بیک مفعول نسیٌ سے بنا بمعنی بھولنا یہ لازم ہے اِفعال نے متعدی بنایا۔ ہٗ ضمیر کا مرجع وہ قیدی ہے جو آزاد ہوا شیطان بمعنی ابلیس شَطْنٌ سے بنا تب یہ مبلغے کا صیغہ ہے۔ اگر شَیْطٌ سے بنا تب الف نون زائد تان ہے مگر یہ قول ضعیف ہے فاعل ہے اَنْسٰی کا ذِکْرَ مفعول بہ ہے اَنْسٰی کا بحالت زبر ہے مضاف ہے اس کا مضاف الیہ رَبِّ ہے بمعنی سردار ہٖ ضمیر مضاف الیہ مجرور متصل کا مرجع وہی قیدی یہ اضافت مطالبہ ہے۔ یہ عبادت اصل میں اس طرح تھی ذِکْرَ یُوْسُفَ عِنْدَ رَبِّہٖ۔ اصل اضافت صریح فاعل اور مفعول کی طرف ہوتی ہے مگر بعض جگہ غیر صریح کی طرف بھی ہو جاتی ہے اس کو اضافتِ ملابسہ کہتے ہیں فاء سببیہ لَبِثَ فعل ماضی لُبْثٌ سے بنا بمعنی ٹھہرنا لازم ہے۔ عارضی قیام کے لئے استعمال ہوتا ہے فی جارہ ظرفیہ السِّجْنِ الف لام عہدی سِجْنٌ مظروف بِضْعَ اسم عددی ہے بمعنی چند تین سے نو تک کو کہا جاتا ہے۔ تھوڑے سامان کے لئے بھی اسی معنی سے لیا جاتا ہے جس کو بضاعت کہا جاتا ہے۔ سِنِیْن جمع سالم ہے سَنٌ کی بمعنی سال وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ۔ واؤ ابتدائیہ جملہ نیا ہے قَالَ فعل ماضی فاعل اسم ظاہر ہے اَلْمَلِكُ الف لام نے نکرہ مخصوصہ بنایا عہدی ہے اِنَّ حرفِ تحقیق یاءِ متکلم اسم اِنَّ مقولہ ہے قول کا اَرٰی فعل ماضی رَاْیٌ سے بنا بمعنی خواب دیکھنا کیونکہ خواب کا تعلق محض دل سے ہوتا ہے۔ بصیغہ واحد متکلم۔ فاعل مَلِکٌ ہے سَبْعَ ممیز ہے بَقَرٰتٍ تمیز ہے سِمَانٍ صفت ہے بَقَرٰتٍ۔ سبع اسم عددی ہے بمعنی سات۔ بَقَرٰتٍ جمع مونث سالم مضاف الیہ تمیز ہے اس کا واحد بَقَرَۃٌ ہے بمعنی گائے سِمَانٍ سَمْنٌ سے بنا۔ جیسے سَمْعٌ سے سَمَاعَتٌ اس کی واحد سَمِیْنٌ ہے۔ بمعنی جسمانی موٹی۔ لغوی ترجمہ چربی یا گھی والی گائیں۔ گھی کو سمن کہا جاتا ہے یَاْكُلُ فعل حال بصیغہ واحد غائب کیونکہ فاعل اسم ظاہر ہے اَکْلٌ سے بنا بمعنی چبا کر کھانا متعدی ہے ھُنَّ ضمیر جمع مونث کا مرجع بَقَرات ہیں سَبْعٌ اسم عددی ہے موصوف ہے عِجَافٌ صفت ہے۔ بحالتِ رفع کیونکہ موصوف وصفت مل کر فاعل ہے یَاْكُلُ کا عِجَافٌ۔ جمع قیاسی ہے عَجْفٌ کی جیسے حُمْرٌ کی حُمْرًا۔ بعض نے کہا اس کا واحد عَجْفَاءُ ہے مگر یہ خلافِ قیاس۔ عَجْفٌ سے بنا بمعنی بہت دبلی موصوف صفت فاعل ہے یَاْكُلُ کا واؤ عاطفہ عطف ہے سَبْعَ بَقَرٰتٍ پر اسم عددی ممیز مضاف سُنْۢبُلٰتٍ۔ جمع مونث سالم ہے سُنْبُلٌ کی بمعنی گندم کی بالی تمیز مضاف الیہ ہے موصوف ہے خُضْرٍ صفت کا خُضْرٌ بحالتِ زیر ہے جمع تکسیر ہے اَخْضَرُ کی بمعنی بہت ہری تازی جس میں کچے دانے بن گئے ہوں اُخَرُ آخر کی جمع تکسیر ہے بمعنی دوسری یابِسٰتٍ۔ جمع مونث سالم ہے یَابِسٌ کی بمعنی

خشکی۔ یَبْسٌ سے بنا لغوی لحاظ سے یُبْسٌ چار قسم کا ہے ۱۔ مُوْبِسَتْ یعنی زمین کی خشکی اس طرح کہ اندر تک زمین خشک ہو ۲۔ یُبْلِسَتْ کپڑے کا خشک پانی سے ۳۔ یابس نباتات شجر سبزی ترکاری کا مکمل پختہ ہونا کچا پن نہ رہے ۴۔ یَبِیْسَتْ مضبوط ہونا یہاں بمعنی خشک جسکی ہریالی بالکل ختم ہو چکی ہو۔ یعنی پختہ بالی یہاں واؤ عاطفہ ہے مگر عطف سبع سنبلات پر نہیں ورنہ یہاں بھی سبع ہوتا۔ بلکہ عطف صرف سبع پر ہے اور سنبلت یہاں تمیز پوشیدہ ہے یٰاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ یا ندائیہ اَیُّهَا اسم فاصلہ۔ حرفِ ندا کو معرف با لام سے جوڑنے کے لئے اَیُّھَا لایا جاتا یہ لفظ خاص ہے ندا سے اس لئے کبھی کبھی حرفِ ندا پوشیدہ بھی ہو جاتا ہے۔ اَلْمَلَاُ الف لام عہد ذہنی ہے مَلَاٌ اسم جامد لفظاً واحد ہے معناً جمع بمعنی گروہ یہاں مراد ہے درباری رئیسوں نجومیوں کا گروہ اَفْتُوْ فعل امر بصیغہ جمع مذکر حاضر اصل میں تھا اَفْتِیُوْ باب افعال یاءِ علت بوجہ ثقل گر گئی فَتْوٌ سے بنا بمعنی مضبوط اور تسلی بخش جواب نون وقایہ یاءِ متکلم مفعول بہٖ فی ظرفیہ رویا مضاف ہے بروزن فعلا بمعنی مفعول یعنی دیکھی ہوئی مراد خواب یاءِ متکلم مضاف الیہ ان حرفِ شرط اگلا جملہ شرط موخر ہے اور یہ سابقہ جملہ جزاءِ مقدم ہے کُنْتُمْ کَوْنٌ سے بنا فعل ماضی تام ہے بصیغہ جمع حاضر۔ لِلرُّءْیَا لام جارہ برائے مفعولیت یا برائے خبر کنتم۔ یا زائدہ ہے الرویا الف لام جنسی رویا بمعنی خوابیں۔ تَعْبُرُوْنَ فعل مضارع باب نَصَرَ سے عَبْرٌ سے بنا ایک سے ہٹ کر دوسرے میں جانا یا لے جانا۔ عام ہے اس کو کہ ایک خیال سے ہٹ کر دوسرے خیال میں جانا اس کو اعتبار کہتے ہیں یا ایک جگہ سے دوسری جگہ میں اس کو عبور کہتے مثلاً نہر دریا کے ایک کنارے سے دوسرے پر جانا یا ایک ارادے یا قصد سے ہٹ کر دوسرے ارادے میں جاتے اس کو عبرت کہتے۔ یا ایک بات کے مطلب سے دوسرے میں جاتے اس کو تعبیر کہتے ہیں اصطلاح میں خواب کے مطلب بیان کرنے کو تعبیر کہتے ہیں۔ اس کو تاویل بھی کہتے ہیں مگر تاویل عام ہے دوسری جگہ بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ لیکن لفظِ تعبیر صرف خوابی مطلب کے لئے خاص ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ اور فرمایا یوسف نے اس قیدی سے جس کے متعلق یقین کیا کہ یہ بے شک نجات پانے والا ہے اُن دونوں قیدیوں میں سے کہ اے مخلب ساقی جب تو بادشاہ کے پاس جائے تو موقعہ دیکھ کر دوسرے یا تیسرے دن میرا ذکر کرنا کہ وہ بے گناہ قید میں پڑا ہے اپنے مربی بادشاہ کے پاس۔ اور اس لئے اس سے کہا کہ وہاں کے بادشاہ کا یہ غافلانہ ظلم تھا کہ زیرِ تفتیش قیدی سالوں قید میں پڑے رہتے کوئی پرسانِ حال نہ تھا بادشاہ اپنی مستیوں میں مست رہتا یہ اندھیر نگری وہاں مچی ہوئی تھی بہت سے بے گناہ قیدی اسی طرح کئی سالوں سے قید میں تھے۔ ان حالات کو دیکھ کر حضرت یوسف نے پیغام بھجوایا یہ دو قیدی صرف اس لئے جلدی آزاد ہوتے حضرت یوسف کے منہ مبارک سے تین دن کی مہلت نکل گئی تھی اور امر ربی اس کی موت کا ہو گیا تھا یا اس لئے کہ بادشاہ کو ساقی کی ہر وقت ضرورت رہتی تھی۔ جن کی ضرورت نہ تھی وہ پڑے سڑتے رہیں قید میں پس بھلا دیا اس نجات پانے والے کو شیطان نے ذکر کرنا حضرت یوسف کا اپنے مربی بادشاہ کے پاس تو ٹھہرے رہے قید میں یوسف کئی سال یہ تفسیر اکثر مفسرین کی ہے لیکن چند مفسر اس طرح تفسیر کرتے

ہیں اور فرمایا یوسف نے اس قیدی کو جس کو گمان تھا کہ یہ نجات پانے والا ہوں ان دونوں میں سے کہ اسے آزاد و بری ہونے والے اپنے بادشاہ مربی کے پاس میرا تذکرہ کرنا۔ پس بھلادی یوسف کو شیطان نے اس وقت اس کے رب کی یاد۔ یعنی بجائے رب سے فریاد کرنے کے قیدی کے ذریعے بادشاہ سے استمداد طلب کی انہوں نے یہ تفسیر مندرجہ ذیل چند وجہوں سے کی پہلی وجہ ظن کے معنی گمان ہیں اور حضرت کو یقین تھا گمان صرف قیدی کو تھا دوسری وجہ۔ شیطان نبی کو بھلا سکتا ہے تیسری وجہ ذکر مضاف ہے رَبِّہٖ کی طرف جس سے صاف ظاہر ہے کہ یوسف علیہ السلام کا بھولنا مراد ہے یعنی رب کا ذکر نہ کہ رب سے ذکر اگر قیدی کا بھولنا مراد ہوتا تو اس طرح ہوتا فَاَنۡسٰہُ الشَّیۡطٰنُ ذِکۡرَہٗ لِرَبِّہٖ۔ پس بھلادیا اس قیدی کو شیطان نے اس یوسف کا ذکر کرنا اپنے بادشاہ کے پاس مگر عبارت اس طرح تو نہیں اس لئے کہ یوسف علیہ السلام کا بھولنا مراد ہے نہ کہ قیدی کا۔ ہم کہتے ہیں کہ ظن بمعنی یقین بھی بہت دفعہ آتا ہے یہاں بھی بمعنی یقین ہے لہٰذا اس کا فاعل یوسف ہیں اور فَاَنۡسٰہُ میں فا تعقیبیہ ہے بلا تراخی اس کے معنی ہیں قول پہلے ہے نسیان بعد میں اگر شیطان نے یوسف علیہ السلام کو بھلایا ہوتا تو تعقیب کی ف نہ آتی اور بھلانا پہلے ہوتا اور یوسف علیہ السلام کا قیدی سے یہ کہنا بعد میں ہوتا۔ ثابت ہوا کہ جس وقت یوسف علیہ السلام یہ بات کہہ رہے ہیں اس وقت بھول کا وجود نہیں تھا۔ اور آپ نہ بھولے تھے بلکہ قیدی بھول گیا اپنے کاموں میں مشغول ہو گیا اور شیطان نے اس کو سات سال یہ ذکر کرنا بھلائے رکھا

بعض نے کہا دس سال کیونکہ بضع کا معنی تین سے دس تک کا عدد ہے اور ذِکۡرَ کی اضافت رَبِّہٖ کی طرف تخفیف کے لئے ہے ذِکۡرَ کا اصل مضاف الیہ ہ ضمیر غائب پوشیدہ اور اس کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں جیسے کہ یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ میں ایک تفسیر کے مطابق صاحبین کا مضاف الیہ ضمیر متکلم ہے جو پوشیدہ ہے محض تخفیف کے لئے اسی طرح یہاں بھی۔ پہلی تفسیر کو روح البیان اور اکثر مفسرین نے اختیار فرمایا دوسری تفسیر کو امام رازی صاحب تفسیر کبیر نے ایک روایت میں ہے کہ جب قیدی جیل سے چلا گیا تو حضرت جبرائیل حاضر بارگاہ ہوئے اور فرمایا اے حضرت یوسف تم کو کنوئیں سے کس نے بچایا فرمایا اللہ نے۔ جبرئیل بولے تم کو تاجروں سے کس نے چھڑایا۔ تم کو زلیخا کے جال سے کس نے نکالا۔ تم کو پیدا کس نے کیا والد کے دل میں تمہاری محبت کس نے ڈالی۔ تم کو علم کائنات۔ تعبیر بتانا۔ پرندوں کی بولی کس نے سکھائی سب کے جواب میں یوسف فرماتے رہے اللہ نے۔ جبرائیل بولے اللہ فرماتا ہے اب تم نے بادشاہ سے مدد کیوں طلب کی حضرت یوسف یہ سن کر بہت روئے اور معذرت مانگی جبرائیل بولے اب تم کو سات سال اس کی پاداش میں قید بھگتنا ہے آپ نے فرمایا میرا رب مجھ سے راضی ہے یا ناراض جبرائیل بولے راضی ہے فرمایا تب مجھ کو قید کا کوئی غم نہیں ایک روایت میں ہے کہ حضرت یوسف جیل میں بارہ سال رہے پانچ سال دونوں قیدیوں کے ساتھ اور سات سال بعد میں۔ کیونکہ یہ سب مدت اُذۡکُرۡنِیۡ عِنۡدَ رَبِّکَ کے بدلے میں سزا کے طور پر ہوئی پہلے پانچ سال اسی میں شامل کئے گئے کیونکہ اس عبارت کے بھی بارہ حرف ہیں (روح البیان) حدیث پاک میں ہے اگر یوسف علیہ السلام احبّ الیَّ نہ کہتے تو بالکل جیل نہ ملتی جیل کو

پسند کیا للذا پانچ سال جیل ملی۔ دوسری حدیث پاک میں ہے اگر یوسف علیہ السلام اذْکُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّکَ نہ کہتے تو یہ مزید جیل نہ ہوتی حضرت یوسف کو جیل میں سات سال گزر گئے زلیخا کے سوا کسی کے دل میں یوسف کی یاد نہ آئی زلیخا ہر سال کے گزرنے پر عزیز مصر یعنی اپنے خاوند سے کہتی کہ اب یوسف کو چھوڑ الو مگر عزیز مصر بادشاہ سے کوئی تذکرہ نہ کرتا اپنے ہی کاموں میں الجھا رہتا۔ یہاں تک کہ سات سال پورے ہوتے تب ایک رات یوسف علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی کہ اے میرے پروردگار اب مجھ کو جیل سے چھڑا دے بس اسی رات بادشاہ نے خواب دیکھی جب اٹھا تو سخت پریشان تھا اور صبح کو اپنے سب درباریوں کو جمع کیا وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِن كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ۝ اور کہا بادشاہ نے جس کا نام ریان بن ولید تھا اے مجو میو آج رات میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کسی نہر خشک میں سے سات عدد موٹی گائیں نکلیں تو کنارے پر کھڑی ہوئی سات بہت ہی کمزور گایوں نے جن کی ہڈیوں کی مینگ بھی خشک ہو چکی تھی ان موٹی گایوں پر حملہ کر کے ان کو کھا لیا اور اس طرح کھایا کہ ان کی ہڈی پسلی بھی کھالی۔ بالکل ختم کر دیا۔ پھر اسی جگہ میں نے دیکھا کہ سات عدد گندم کی تر و تازہ ہری بھری بالیاں ہیں اور سات گندم کی بالکل خشک مرجھائی ہوئی بالیاں ہیں جب ہری بھری بالیوں کے ساتھ یہ خشک لگیں تو وہ بھی خشک ہو گئیں۔ سمان جمع ہے سمین کی اور یہ جمع مطابق قیاس کے ہے۔ عجاف عجفاء کی جمع ہے مگر خلاف قیاس صرف سمان کے ہم وزن کرنے کے لئے کیونکہ فَعْلَاءُ کی جمع فِعَال نہیں آتی۔ علماء کرام کے نزدیک نظیر کو نظیر کے ہم وزن کرنا جائز ہے اور نقیض کو نقیض کے ہم وزن کرنا جائز ہے۔ موٹا اور دبلا ہونا آپس میں نقیض ہیں یہ خواب حضرت یوسف کی رہائی کا پیش خیمہ ہے چار وجہ سے ۱۔ بادشاہ نے خواب دیکھا نہ کہ کسی اور نے اگر کوئی اور یہ خواب دیکھتا تو اس کا کوئی اہتمام نہ ہوتا ۲۔ بادشاہ خواب دیکھ کر سخت پریشان ہو گیا وہ سمجھا شاید میرے ملک میں اندرونی یا بیرونی کچھ گڑبڑ ہونے والی ہے جو مجھ کو ایسا اشارہ ہوا ہے اگر بادشاہ پریشان نہ ہوتا تو بھی خواب کی پرواہ نہ ہوتی ۳۔ بادشاہ کو بہت جلدی تعبیر کی فکر پڑی اگر تعبیر کا خیال نہ آتا تب بھی نہ معلوم کتنے دن پریشان رہ کر پھر ٹھیک ہو جاتا اور خواب بھول جاتا ۴۔ کسی نجومی نے خواب کی تعبیر نہ سمجھی۔ اگر نجومی ہی تعبیر غلط بتا دیتے تو بھی یوسف علیہ السلام کی طرف کسی کا خیال نہ جاتا ثابت ہوا کہ رب تعالیٰ نے اسی رات میں یوسف علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی خواب بھی ایسی عجیب تھی کہ سب کو فکر میں ڈال دیا بادشاہ نے خواب سنا کر پوچھا اے میرے درباری نجومیو کاهنو فتویٰ دو تم مجھ کو میری خواب کے بارے میں اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے اور تمہاری سمجھ میں یہ خواب آگیا ہے تب بولنا غلط بات نہ کرنا بالکل صحیح تعبیر دینا ہر شخص خوابیں دیکھتا ہے اور ہر خواب کا مراد ظاہر میں کچھ اور ہوتی ہے اسی لئے بادشاہ نے تعبیر پوچھی ہاں نبی علیہم السلام کی خوابیں بعینہٖ وہی ہوتی ہیں جو دیکھیں خواہ خود انبیاء خواب دیکھیں یا انبیاء کرام کو کوئی خواب میں حلیے مبارک کے مطابق دیکھے۔ اس لئے کہ ہر خواب میں شیطان کو دخل ہو سکتا ہے مگر انبیاء پر نہ شیطان کا تسلط ہو سکے نہ نبی کی شکل شیطان بن سکتا ہے۔ اسی لئے حضرت ابراہیم

نے جب دیکھا کہ اسمٰعیل کو ذبح کر رہا ہوں تو تعبیر نہ پوچھی بلکہ جیسی خواب دیکھی اسی طرح اس پر عمل شروع فرمایا آج کوئی بھی خواب دیکھے کہ میں اپنے بچے کو ذبح کر رہا ہوں تو اس کو تعبیر پوچھنی پڑے گی اور بعینہ خواب پر عمل جائز نہ ہوگا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے ہم کو خواب میں دیکھا اس نے حق دیکھا یہاں تک کہ نبی کریم کوئی چیز عطا فرمائیں وہ بھی بعینہ حق ہوتا ہے تعبیر کی ضرورت نہیں تقی ابن مخلد نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم نے مجھ کو دودھ پلایا ہے بیدار ہوکر تھوڑی سی قے کی تو قے میں خوشبودار دودھ نکلا۔ باقی دودھ پیٹ ہی میں رہا تو اس کی وجہ سے بہت علم نصیب ہوا امام بوصیری کو خواب میں چادر عطا فرمائی تو بیدار ہوکر انہوں نے اپنے گلے میں چادر دیکھی۔ کاش مجھ کو بھی میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کچھ عطا فرمادیں تو میرے خاندان کا بھلا ہو جاتے۔ علم تعبیر کے لئے اٹھارہ علم چاہیئے جن میں سب سے پہلے محبتِ الٰہی کا علم پھر صحیح عقیدے کا علم پھر ترکِ گناہ کے لئے گناہوں کا علم پھر تصوف و معرفت کا علم پھر قرآن و حدیث کا علم کیونکہ ہر خواب کا باطن تو وہ ہے جو اس نے دیکھا لیکن ظاہر مختلف ہے جس کو علم تعبیر والا ہی جانتا ہے ہر شخص کو خواب نہ سنانی چاہیئے۔

فائدے ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے۔ پہلا فائدہ بندے کو رب کہہ سکتے ہیں جبکہ بمعنیٰ مربی یعنی پرورش کرنے والا ہو۔ مگر شیعہ لوگ حضرت علی کو رب سکتے ہیں وہ شرک ہے کیونکہ یہ لوگ بمعنیٰ اللہ کہتے ہیں۔ ان کے ہی ایک شعر کا مصرع ہے۔ ع نہ کیوں پوجیں تمہیں کیونکہ نصیری کے خدا تم ہو۔ اسی گروہ کا نام فرقہ نصیریہ ہے۔ خود علی مرتضیٰ نے کچھ شیعوں کو زندہ جلا دیا تھا صرف اسی لئے کہ وہ آپ کو رب بمعنیٰ معبود کہتے تھے سنا گیا ہے کہ ایران میں بعض شیعہ حضرت علی رضا کی فوٹو کی پوجا کرتے ہیں۔ ہمارے علاقے میں اصطلاحًا صرف خدا تعالیٰ کو رب کہا جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں کسی اور کو رب کہنا گناہ ہے۔ جہاں اصطلاحی طور پر عام رواج میں مربی کو رب کہا جاتا ہو وہاں کہنا جائز ہے۔ یہ فائدہ عِنْدَ رَبِّكَ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** ہر چیز کی باطنی شکل بھی ہوتی ہے اور ظاہری بھی باطنی شکل اللہ کی بارگاہ میں ہے اور ظاہری شکل دنیا میں۔ خواب میں باطنی شکل دکھائی جاتی ہے لیکن یہ ہر شخص کو پتہ نہیں ہوتا کہ اس باطنی کی ظاہری شکل کیا ہے یہ بات رب تعالیٰ جس کو بتادے وہ عالِم تعبیر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ احادیث بالکل برحق ہیں جن میں اعمال کی شکلیں بتائی گئیں۔ منکرینِ حدیث کا ان پر اعتراض غلط ہے۔ قیامت میں اعمال مختلف شکلوں میں ہی ہوں گے الہامات میں، بیماریاں مختلف ڈراؤنی شکل میں نظر آتی ہیں **تیسرا فائدہ** شیطان کو اختیار ہے کہ نبی کو دنیوی نقصان پہنچا دے خواہ خود یا کسی ذریعے سے یہ فائدہ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ سے حاصل ہوا دیکھو یہاں شیطان نے یوسف علیہ السلام کو نقصان پہنچایا قیدی کے ذریعے کہ اس کو بھلا دیا اور آپ سات سال قید رہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو خود شیطان نے پھونک مار کر بیمار کیا تو آپ سات سال بیمار رہے لہٰذا اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو بھی اختیار دیتا ہے کہ وہ لوگوں کی بیماریاں اور مشکلیں دور کرے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** غیر اللہ سے مدد مانگنی ناجائز ہے دیکھو یوسف علیہ السلام نے غیر اللہ سے مدد مانگی تو اللہ تعالیٰ نے عتاباً ان کو سات سال کی قید دی اور فرمایا شیطان نے ان کو ذکر الٰہی بھلا دیا لہٰذا کسی بھی نبی ولی سے امداد طلب کرنا گناہ ہے (دیوبندی۔ وہابی غیر مقلد) **جواب** یہ اعتراض ان دونوں فرقوں کا ہے اس کے دو طرح جواب ہیں پہلا یہ کہ معترضین کو صرف نبی ولی سے دشمنی ہے اسی لئے صرف نبی ولی کا ذکر اعتراض میں کیا گیا۔ اگر یہ گناہ ہے تو پھر ڈاکٹر حاکم دنیا دار سب سے ہی گناہ ہونا چاہیئے اور سب کا ذکر کرو اور سب سے مجتنب رہو اور اگر یہ گناہ ہے تو گویا حضرت یوسف نے گناہ کر لیا حالانکہ تم بھی کہتے ہو کہ نبی گناہ سے معصوم ہے کر سکتا ہی نہیں۔ اگر گناہ ہے تو حضرت یوسف نے حاکم و بادشاہ سے مدد مانگی نبی ولی سے نہ مانگی اس سے تو پھر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حاکم حکیم سے مدد مانگنی حرام ہو نہ کہ نبی ولی سے تم الٹی عقل سے الٹا ہی فیصلہ کئے بیٹھے ہو کہ حاکم سے مدد کے طالب ہوتے ہو نبی سے منکر۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض ہم پر نہیں بلکہ تفسیر کبیر پر ہے۔ ہم تو یہ مانتے ہی نہیں کہ حضرت یوسف کو شیطان نے بھلایا۔ ہم تو کہتے ہیں کہ آزاد شدہ قیدی کو بھلایا اور اس آیت سے تو استمداد غیر اللہ سے مانگنا جائز ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام نے مدد مانگی قیدی نے جا کر مدد نہ پہنچائی اور بھول گیا۔ اس بھولنے کو رب نے شیطانی کام کہا۔ یعنی مدد مانگنا شیطانی کام نہ تھا اور شیطانی کام ناجائز ہوتے ہیں لہٰذا بھولنا ناجائز اور برا ہوا۔ امام رازی نے اپنی تفسیر کے مطابق اس کا جواب یہ دیا کہ استمداد غیر اللہ بذات خود منع نہیں بلکہ صرف حضرت یوسف کو یہ مناسب نہ تھا کیونکہ آپ اس وقت مقام متوکلین میں تھے حضرت یوسف نے چار مقام طے کئے ۱؎ محبوبیت ۲؎ مقام علم ۳؎ مقام صبر ۴؎ اور اب مقام توکل یہاں پہنچ کر بندہ اس شان میں ہو جاتا ہے کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ۔ نیکوں کی نیکیاں بھی مقربین کریں تو گناہگار ہوں۔ اس وقت یوسف منزل ابراہیمی پر تھے۔ کہ جب جبرائیل امین نے عرض کیا کہ اے خلیل اللہ آگ میں جا رہے ہو کچھ حاجت ہے فرمایا تم سے کچھ نہیں عرض کیا اللہ سے کچھ حاجت ہے فرمایا وہ خود جانتا ہے کہنے کی ضرورت نہیں۔ اگر مستقل اور مطلق استمداد منع ہو تو بہت سے انبیاء کرام پر الزام آتا ہے **دوسرا اعتراض** خواب بشارت ربانی ہے پھر کافر بادشاہ کو کیوں آئی **جواب** ہر خواب بشارت ربانی نہیں خواب کی سولہ قسمیں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہ خواب دنیوی خواب تھی اور ملکی انتظام کی طرف اشارہ تھا اور مقصود یوسف کی نجات تھی **تیسرا اعتراض** جب حضرت یوسف کی استمداد شرعاً بالکل درست تھی بقول آپ کی تفسیر کے تو پھر سزا میں سات سال سزا کیوں ہوئی **جواب** اس میں پانچ حکمتیں ہیں ۱؎ حضرت یوسف کے لئے اور جیل کے قیدیوں کے لئے آپ کا قید میں رہنا مفید تھا کہ تبلیغ اسلام جاری تھی اور لوگ ہر چیز سے فارغ تھے ہمہ تن گوش ہو کر تبلیغ سنتے تھے اور مسلمان ہوتے تھے۔ آپ کو ریاضت و عبادت کا کثیر وقت ملتا تھا ۲؎ جیل حضرت یوسف کے لئے غار حرا کی مثل تھی کہ وہاں رب سے راز و نیاز ہوتے تھے اور ترقی درجات ۳؎ ہر نبی کو معراج

ہوئی یوسف علیہ السلام کو معراج جیل میں ہوئی ۴ زلیخا کو فراق کی سزا دے کر عشق کی آگ سے گناہوں کے میل دھو کر لائق یوسف بنانا ۵ جیل میں ہر قسم کے قیدی سے ملا کر حکومت کا تجربہ سکھانا مگر اس کا وسیلہ قیدی کی بھول کو بنایا اور حضرت یوسف کے اس قول کو اُذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ خلوت میں جلوۂ یار کی جو لذت ہے وہ جلوت میں نہیں **چوتھا اعتراض** پھر آخری وقت میں آپ نے رہائی کی دعا کیوں مانگی جواب نبی کا ہر فعل وحی الٰہی ہوتا ہے کام اسی طرح ہونا تھا مگر دعا کا مزید ثواب ملا۔ اسی لئے بندوں کو ہر وقت جائز دعا مانگنے کا حکم ہے کہ تم مانگے جاؤ دینی دنیوی دعائیں اگر قابل قبول نہ بھی ہوں تو بھی دعا مانگنے کا ثواب تو مل ہی جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ قوتِ فکر کا غلام غار صحبتِ قلب کے حصول سے پہلے فکر و نظر کو شہوات و لذاتِ نفسانیہ کی شراب پلاتا ہے لیکن جب جیل خانۂ شریعت میں محفلِ انوارِ قلبِ ربانی پاکر سیرِ ملکوتی کی آزادی پاتا ہے تو قالبِ مصر کے شہنشاہِ فکر کو مجاہدات کے پیالوں میں معاملاتِ اُخروی کے جاموں سے شرابِ مکاشفہ و خمرِ مشاہدہ پلاتا ہے۔ ساقیِ قلب کو روحِ ملکوتی کی خدمتِ دائمی آزادیِ سیرِ عزت نصیب ہوتی ہے اور بدنِ انسانی کے جنازِ فضلات کو موت کی رسی سے شاہراہِ شریعت میں سولی دے دی جاتی ہے اور فضاءِ دماغی کے پرندے خیالاتِ فاسدہ کے سر سے آم دماغ میں جمع شدہ وہمیاتِ طاغوتیہ کو کھا جاتے ہیں پھر بدنِ خاکی میں صرف تین قوتیں ہی باقی رہ جاتی ہیں ۱ صفاتِ قلب کی صفائی ۲ ذکر اللہ کا اُنس ۳ خیر الاذکار توحید کا فکر۔ ولایت کبریٰ کی یہ پہلی منزل ہے کیونکہ خنجرِ عشق کا پہلا وار ذکرِ الٰہی کے چار نادیے ہیں ۱ ایمان کا جھنڈا ملتا ہے ۲ برائتِ منافقت کا تمغہ ملتا ہے ۳ حفاظتِ شیطانی سے قلعہ ملتا ہے ۴ نارِ فراق سے چھٹکارا پاتا ہے اور اسیرانِ قالب کے جس قیدی کو مجاہداتِ تدبیر سے آزادی یقین ملتی ہے۔ یوسفِ قلب اس کو کہتا ہے۔ کیونکہ قلب صفاتِ بشریت کے ساتھ قیدِ شریعت میں رہتا ہے اے شرابِ نفس کے سابقہ ساقی جب تو شاہِ فکر کے دربار میں پہنچے تو معرفتِ قلبی کا ذکر کرنا۔ اپنے مربی لذات کے سامنے کہ اسے فکرِ لاھوتی معاملاتِ قلب تیرے قبضے میں ہے اور قلب کی آزادی میں تیری روح کی طاقت ہے۔ حواسِ خمسہ کی پیدا کردہ غفلتوں سے بچنے کا طریقہ صرف پروازِ قلب سے لہٰذا خصائلِ بشریہ کے اعمالِ کثیفہ سے قلبِ مطہر کے چھڑانے میں کوشش و ہمت کر۔ اے بندۂ فکر یہ فکرِ طاغوتی کو قلبِ ربانی کی پہچان کرا۔ تاکہ شیطانیت سے رحمانیت کی طرف آجائے اور شاہِ فکر قلبِ ربانی کا مطیع ہو جائے کیونکہ قلب کی اطاعت میں ہی خالقِ قلب کی اطاعت ہے جب فکرِ انسانی قلبِ رحمانی کے ماتحت ہوتی ہے تو امرِ شریعت کا حکم دیتی ہے اور ممنوعات و حرام سے روکتی ہے اللہ کی توحید بیان کرتی ہے شیطان سے چھٹکارا پاتی ہے۔ اسی لئے بندۂ فکر کو دماغِ شیطان نے بھلا دیا پس قلبِ مخلص قیدِ شریعت میں صفاتِ بشریہ کو پاک کرنے کے لئے لطائفِ سبعہ میں قید رہتا ہے۔ لطائف کے سات سال کی قیدِ عرفانی سے سات کثافتیں دور کرکے سات مقامِ عُلیا حاصل کرتا ہے ۱ کثافتِ حرص ۲ بخل ۳ شہوت ۴ حسد ۵ عداوت ۶ غضب ۷ تکبر۔ زمانۂ ناسوت کے سات سال گزرنے کے

بعد کثافتِ مصر کے خود شاہِ فکر کو وارداتِ الٰہیہ سے اشارۂ نوم ہوتا ہے۔ اور بولا بادشاہ کہ میں نے اسرارِ عزوی میں سات قوتِ حیوانیہ کو دیکھا ہے جو سات لطائف مسکینیہ کو کھا کر ختم کر رہی ہیں اور سات نور کی بالیاں اور نار کی جھاڑیاں دیکھیں ہیں اے مصرِ قالب کے اہلِ دربار کے اعضاءِ رئیسہ جوارحِ انیسہ میرے اشارۂ قدسی کا مطلب سمجھاؤ اگر تم دماغ طاغوتی کے علم واستعداد سے تعبیر دے سکتے ہو۔ اور اسرارِ غیبیہ پر دسترس رکھتے ہو (عرائس۔ روح البیان۔ محی الدین ابن عربی) صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اسرارِ غیبیہ صرف مشتاقانِ جمالِ الٰہیہ پر کھلتے ہیں۔ کیونکہ مشتاقوں کے دل اللہ کے نور سے منور ہوتے ہیں جب اہلِ شوق کی زبان ہلتی ہے تو آسمان و زمین کے دریچے روشن ہوجاتے ہیں اور اسرارِ غیوب آشکارا ہوتے ہیں۔ اہلِ شوق وہ ہیں جن کا وصل رب پسند کرتا ہے۔ پس سب نعمتوں میں بڑی نعمت شوق کا تمغہ ہے (امام غزالی)

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ

سب بولے ذہنی پریشانی کی خوابیں ہیں اور نہیں ہم کو مطلب خوابوں کے سے جاننے

بولے پریشان خوابیں ہیں اور ہم خواب کی تعبیر نہیں

بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ

والوں اور بولا وہ جو بچ گیا تھا سے ان دونوں قیدیوں اور یاد آ گیا بعد

جانتے اور بولا وہ جو ان دونوں میں سے بچا تھا اور ایک مدت

اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ يُوْسُفُ

بڑی کا مدت کے میں خبر لاؤنگا تمہارے پاس کی مطلب اس کا تو بھیج دو مجھ کو

بعد اسے یاد آیا میں تمہیں اس کی تعبیر بتاؤں گا مجھے بھیجو اے یوسف

اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ

یوسف اسے سچ کرد کھانے والے فتوٰی دیجئے ہم کو میں سات گائیں موٹی کھا رہی

اے صدیق ہمیں تعبیر دیجئے سات فربہ گایوں کی جنہیں سات دبلی کھاتی ہیں

يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْبُلٰتٍ خُضْرٍ
ان کو سات دبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری خشک
اور سات ہری بالیں اور دوسری سات سوکھی شاید میں لوگوں
وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّیْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ
تاکہ میں لوٹوں طرف لوگوں کے تاکہ وہ بھی
کی طرف لوٹ جاؤں شاید
يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾
جان جائیں
وہ آگاہ ہوں

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ بادشاہ نے خواب دیکھ کر اپنے دربار کے تمام درباریوں نجومیوں وغیرہم سے تعبیر پوچھی اب ذکر ہے کہ کسی نے تعبیر نہ بتائی بلکہ خواب کو احلام کہا دوسرا تعلق پچھلی آیات میں دوسرے بچ رہنے والے قیدی کے جو حضرت یوسف کا ذکر کرنا بھول چکا تھا بھولنے کا ذکر تھا۔ اب اس کے بھولی بات کو یاد کرنے کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیات میں بادشاہ کا درباریوں سے تعبیر پوچھنے کا واقعہ بیان ہوا اب یہاں حضرت یوسف کے پاس تعبیر کے لئے اسی قیدی کا بحکم بادشاہ آنے کا ذکر ہے

تفسیر نحوی قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ یہ جزائی جملہ ہے قالوا فعل ماضی بصیغہ جمع کا فاعل ملا ہے اَضْغَاثُ جمع تکسیر ہے ضِغْثٌ کی۔ بمعنی ایک دوسرے کو بلا ترتیب ملانا جس سے گڑبڑ پیدا ہو جائے خواہ باتوں کو جیسے ضِغْثُ الْحَدِيْثِ کہتے ہیں خواہ خواب کو جیسے ضغث الاحلام کہتے ہیں اس کا مادہ ضَغْثٌ ہے جس کا معنی پریشان ہونا۔ اضافت توصیفی ہے اَحْلَامٍ مضاف الیہ۔ جمع حُلْمٌ کی بمعنی شیطانی خواب۔ اَحلام جمع ہے اور ایک خواب کو احلام اس لئے کہا کہ جمعیت جس طرح کثرتِ افراد پر دلالت کرتی اسی طرح کثرتِ صفات پر دلالت کرتی ہے اسی لئے اضافت میں توصیفی لائی جاتی ہے۔ احلام کے لغوی معنی ہیں بحالت ہیجان وغضب خود کو قابو میں رکھنا۔ اسی سے ہے حلیم یعنی حلم کرنے والا اسی معنی میں واحد وجمع ایک ہی وزن پر ہیں جمع اَحلام بر وزنِ اَقطاب۔ واحد اِحلام اِحرام کے وزن پر ہے۔ حُلُمٌ بھی شیطانی خواب کو کہتے ہیں اسی سے ہے احتلام۔ رویا اچھی خواب کو کہتے ہیں۔ واؤ حالیہ ما نافیہ

نحن ضمیر جمع متکلم مبتدا ہے۔ با جارہ زائدہ تاویل باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اَوْلٌ سے بنا بمعنی مطلب بدل کر بیان کرنا یہاں مراد ہے خواب کی تعبیر دینا الاحلام الف لام استغراقی ہے۔ احلام حُلُمٌ کی جمع ہے بمعنی پریشان خوابیں۔ بِعٰلِمِیْنَ با جارہ زائد ہے عالمین جمع مذکر سالم ہے جمع قلت ہے اس کا واحد عالم ہے عِلْمٌ سے بنا لازم نہیں بمعنی جاننا۔ سمجھنا۔ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ۔ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ واؤ سرجملہ قَالَ فعل اس کا فاعل اَلَّذِیْ اسم موصول مذکر واحد نَجَا فعل ماضی بمعنی بعید دراصل تھا کَانَ نَجَا صلہ ہے اس کا فاعل ھو ضمیر مستتر مِنْ جارہ بعضیت کا ھُمَا ضمیر تثنیہ کا مرجع وہی قیدی دونوں۔ واؤ حالیہ اِدَّكَرَ باب افتعال سے ماضی مطلق بصیغہ واحد مذکر ذِکْرٌ سے بنا بمعنی یاد آنا۔ دراصل تھا اِذْتَكَرَ چونکہ دال ذال تاء کا مخرج ایک ہی نوک زبان ہے اس لئے تاء کو ذال بنایا اور ذال کو دال بنایا اور پھر مشدد کر دیا بَعْدَ اسم ظرف زمانی مضاف ہے اُمَّةٍ بحالت زیر۔ تنوین تنکیری ہے اَمٌّ سے بنا بمعنی اصل۔ یا بمعنی ماں ۳ بمعنی مضبوط سا اُمَّۃٌ تین معنی میں مستعمل ہے ۱ گروہ ۲ امام ۳ ھادی ۴ مدت یہاں بمعنی مدت ہے اَنَا ضمیر متکلم واحد منفصل برائے حصر مبتدا ہے۔ جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ۔ اُنَبِّئُ فعل مضارع بمعنی مستقبل نَبَاٌ سے بنا یعنی خبر دوں گا۔ با جارہ زائدہ۔ تاویل بمعنی تعبیر مضاف ہے ہٖ ضمیر کا مرجع خواب ہے۔ فاء سببیہ اَرْسِلُوْ فعل امر بصیغہ جمع مذکر حاضر اس کا واحد اَرْسِلْ متعدی بنفسہٖ ہے نون وقایہ یاء متکلم محذوف ہوئی تخفیف کے لئے یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ منادیٰ مفرد معرفہ ہے حرف ندا یا پوشیدہ لہٰذا بحالت رفع ہے۔ اَیُّهَا دراصل یا اَیُّهَا تھا یا حذف ہوا بوجہ قرینہ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ منادیٰ ہے بروزنِ فِعِّیْلٌ مبالغہ ہے صِدْقٌ سے بنا بمعنی بہت ہی زیادہ سچ بولنے والا اس لفظ کو بول کر براءت استہلال کا فائدہ ہوا۔ اَفْتِ۔ امر ہے بصیغہ واحد مذکر حاضر فتوٰی سے بنا بمعنی فتویٰ دینا یعنی تسلی بخش مضبوط بادلائل جواب دینا اسی کو فتوٰی دینا کہا جاتا ہے نا ضمیر جمع متکلم مفعول بہ ہے اس کا مرجع اہل دربار مع اس شخص فی جارہ ظرفیہ سَبْعَ اسم عددی بَقَرٰتٍ جمع مونث ہے بَقَرَۃٌ کی سِمَانٍ جمع تکسیر ہے اس کا واحد سَمِیْنٌ موصوف ہے۔ یَاْكُلُهُنَّ یہ جملہ صفت ہے۔ سَبْعٌ اسماء عدد سے عِجَافٌ جمع ہے عَجْفٌ وہ کمزوری جس سے ہڈی میں مینگ نہ رہے واؤ عاطفہ عطف ہے پہلے سبع مجرور پر مضاف میز ہے سُنْبُلٰتٍ جمع ہے سنبل کی تمیز مضاف الیہ اور موصوف ہے خُضْرٍ کا بمعنی سرسبز تروتازہ۔ اخضر کی جمع واؤ عاطفہ ہے سبع سنبلت مجرور اُخَرَ جمع تکسیر اسم تفضیل ہے اُخْرٰی بحالت زیر فتح آیا کیونکہ غیر منصرف ہے میز ہے یٰبِسٰتٍ جمع مونث سالم یابس کی لَعَلِّیْ وا رجع فعل مضارع اِحتمالی بصیغہ واحد متکلم نون وقایہ حذف ہوئی دراصل لَعَلَّنِیْ تھا اس لئے کہ لَعَلَّ تعلیلیہ ہے یہاں حذف نون جائز ہے۔ یا لَعَلَّ بمعنی کے ہے۔ اِلٰی ظرف مکانی کے لئے اَلنَّاسِ الف لام عہد ذھنی ہے ناس جمع مستقل ہے مراد ہیں درباری لوگ اور بادشاہ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ فعل مضارع احتمال یہاں لَعَلَّ میں دو احتمال ہیں یا بمعنی کَیْ یا تعلیلیہ بصیغہ جمع مذکر غائب فاعل ھُمْ ضمیر مستتر کا مرجع درباری ہیں عِلْمٌ سے بنا بمعنی سمجھنا جاننا۔

تفسیر عالمانہ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ سب نجومی اور کاھن حیران و متفکر ہوتے جب کچھ سمجھ نہ آیا تو بولے اے بادشاہ یہ خواب علوم غیبیہ سے تعلق رکھتی ہے جس کو وہی جان سکتا ہے جو علم غیب رکھتا ہو۔ ہم علم غیب نہیں جانتے ہم تو تخمینے قیاسیات اور اپنے ستاروں کے علم سے خوابوں کی تعبیریں بتا سکتے ہیں جو صحیح بھی ہو سکتی ہیں اور غلط بھی اور یا یہ خواب اضغاث ہیں کہ دن کے تفکرات جمع ہو کر رات کو خواب کی شکل میں نظر آجاتے ہیں یا یہ خواب احلام میں سے ہے۔ کہ شیطان طرح طرح کے وسوسے ڈال کر سونے والے کو پریشان کرتا ہے اوّلاً خوابیں تین قسم کی ہوتی ہیں ۱۔ خواب مِنَ اللہ یعنی بشارتِ ربانی ۲۔ خواب مِنَ الشَّیْطَانِ ۳۔ خواب حادثات۔ یہاں مرکب توصیفی بشکلِ اضافی بنا کر دونوں کو ایک درجے میں رکھا تاکہ بادشاہ یہ نہ کہے کہ تم میری الجھنوں کا مذاق اڑا رہے ہو شیطان کی طرف پھیر دیا یعنی یہ شیطانی خوابیں محض الجھاؤ ہیں اور ہم صحیح خوابوں کا تو جواب بتا سکتے ہیں لیکن احلام کی تعبیر جاننے والے ہم نہیں۔ یہ کلام بادشاہ کی تسلی کے لئے تھا کہ تم فکر مند مت ہو ان خوابوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ بادشاہ کے ذھن کو اس طرف اسلئے منتقل کیا جا رہا ہے تاکہ بادشاہ ان کاھنوں کو احمق اور جاہل نہ سمجھے اور کہیں دربار سے نہ نکال دے اور تنخواہیں بند نہ کردے تاریخ شاہد ہے کہ پہلے زمانوں میں شاہی خزانہ یا شاعروں پر لٹایا جاتا تھا یا کاہنوں جادوگروں پر ان کاہنوں کی انتہائی خواہش تھی کہ بادشاہ بس یہیں پر بات ختم کردے کسی اور نجومی کو ... اگر انہوں نے کچھ بتادیا تو ہماری بے عزتی ہوگی اس لئے انہوں نے ایک خواب کو احلام جمع کہا یعنی یہ ایک وسوسہ نہیں بلکہ وسوسوں کا مجموعہ ہے ہم نے خوب غور کر لیا ہے کہ اس خواب کا ہر پہلو وسوسہ شیطانی ہے۔ ہمارے تعبیر نہ بتلانے کی وجہ ہمارے علم کی کمی نہیں بلکہ یہ خواب ہی گڑبڑ ہے۔ نَحْنُ کہہ کر یہ بتایا کہ صرف ہم درباری ہی نہیں بلکہ جتنے بھی ہم جیسے کاھن نجومی ہیں وہ بھی نہیں جانتے ظاہراً ایسی باتیں کر رہے تھے لیکن حقیقت میں وہ بھی متفکر اور اپنی بے علمی و جہالت کے معترف ہو گئے صرف اپنی ساکھ اور عزت قائم رکھنے کے لئے ایسی باتیں بنا رہے تھے ان نجومیوں نے بہت کوشش کی کہ بادشاہ کے دل سے یہ فکر نکل جاتے مگر ؏

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

بادشاہ کو مزید فکر ہونے لگا۔ کبھی سوچتا کہ شاید بڑی خطرناک بات ہے اور یہ مجھ سے چھپا رہے ہیں۔ کبھی کچھ فکر کرتا۔ یہاں تک کہ سارے محل میں یہ بات پھیل گئی کہ بادشاہ نے خواب دیکھا اور اس کی تعبیر کسی کو نہیں آرہی تب وہ ساقی جو دوڑتا ہوا آیا یا پہلے ہی وہاں موجود تھا اور جب ان کاھنوں کو عاجز دیکھا تو سب پچھلے واقعات اس کو یاد آگئے اور فوراً بولا وہی قیدی جو آزاد ہوا تھا نجات پا کر ان دو قیدیوں میں سے اور وہی بات جو بھول گیا تھا جو شیطان نے ذھن سے اتار دی تھی اب اتنی مدت کے بعد اس کو یاد آیا اُمَّۃٍ جمع مقلوبی ہے حِیْنٌ کی جیسے اِمْرَءَۃٌ کی نِسْوَۃٌ جمع تین قسم کی ہوتی ہے ۱۔ فرد کی جمع جس میں زیادہ جمع ہوتے ہیں ۲۔ وصف کی جمع جس میں اوصاف کی کثرت ہوتی ہے ۳۔ جمع زمانی جس میں وقت اور زمانے زیادہ ہیں یہاں امت جمع زمانی ہے۔ اُمَّۃٌ جمع انفرادی بھی ہوتی ہے اور زیادہ

مستعمل ہے امت کا اصلی معنیٰ انسانوں کی جماعت ہے یہاں وقتوں کی جماعت کے معنیٰ میں ہے۔ اس میں دو قرأتیں اور بھی ہیں ۱. اِمَّۃٍ ۲. اَمَہٍ یہ جملہ معترضہ ہے۔ اگلی عبارت مقولہ ہے قول کا اے بادشاہ میں تم کو اس خواب کی تعبیر لا کر دیتا ہوں۔ میں جب جیل میں تھا تو وہاں میری ملاقات ایک بہت ہی عابد زاہد عامل عالم خوش خُلق حسین خوبصورت بزرگ سے ہوئی وہ اس کی تعبیر ضرور بتا دیں گے کیونکہ ہم نے بھی ایک دفعہ جیل میں ان سے خواب کی تعبیر پوچھی تھی تو جیسی تعبیر انہوں نے بتائی ویسا ہی ہوا۔ تم مجھ کو وہاں بھیج دو یعنی جانے کی اجازت دو۔ اس قیدی کو سب کچھ یاد آ گیا اور یہ بھی یاد آ گیا کہ حضرت یوسف نے بادشاہ سے ذکر کرنے کا حکم دیا تھا مگر ڈرتے ہوتے اب نہ بتایا کہیں بادشاہ کو مجھ پر جلال نہ آ جائے اور مروا دے کہ تو دربار میں رہ کر ایسا بھولنے والا ہے۔ کبھی ہمارا نقصان کر بیٹھے گا بعض بڑی ضروری خبریں ہوتی ہیں۔ قیدی ساقی نے کُم ضمیر بھی جمع بولی اور اَرْسِلُوْنِ بھی امر جمع بولا۔ تعظیم کے لئے بعض نے کہا کہ سب درباریوں کو خطاب کیا تھا مگر یہ غلط ہے آداب شاہی کے خلاف ہے شاہوں کے دربار میں صرف بادشاہ کی طرف ہی توجہ کی جاتی ہے۔ بادشاہ نے خوش ہو کر فوراً اجازت دی تب یہ ساقی بھاگتا ہوا جیل میں آیا اور بولا یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ۔ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ۔ آزاد شدہ غلام خدمت عالیہ میں حاضر ہوا پہلے تو بہت معافی مانگی کہ مجھ سے غلطی ہو گئی آپ کی بات میرے ذہن سے بالکل اتر گئی۔ میں بھول گیا حضرت یوسف نے سات سال بعد بھی اس کو پہچان لیا اور کچھ رنجیدگی کا اظہار نہ فرمایا پہلے کچھ باتیں ہوئیں پھر اس ساقی نے خدمت عالی میں عرض کیا اے یوسف یہاں حرفِ ندا یا پوشیدہ ہے دراصل یَا یُوْسُفُ چونکہ یہ قیدی مسلمان بھی آپ کے ہاتھ پر ہوا تھا اور آپ ہی کی برکت آپ ہی کی تعبیر بتلانے سے اس کو نجات ملی تھی آپ سے فیضیاب تھا اور سمجھتا تھا کہ یہ مشکل کشا حاجت روا ہیں۔ اس لئے بڑے ادب و احترام سے معزز القاب سے ندا کی اے صدیق یعنی نہایت ہی سچ کہنے والے کہ اس علاقے میں اس جیسا کوئی سچا نہیں۔ صادق بھی سچے کو کہتے ہیں اور صدیق بھی مگر فرق دونوں میں یہ ہے کہ جیسا واقعہ ہو ویسا ہی وہ کہہ دے وہ صادق ہے اور اگر واقعے میں ایک چیز نہ ہوئی ہو اور اس نیک بندے کی زبان سے نکل جائے تو رب تعالیٰ ویسے ہی کر دے اس کو صدیق کہا جاتا ہے اسی لئے اس قیدی نے حضرت یوسف کو صادق نہ کہا صدیق کہا کیونکہ دیکھ چکا تھا کہ ہم نے جھوٹی خوابیں بنا کر تعبیر پوچھی مگر ان کی زبان سے جو تعبیر نکل گئی وہ ہو کر رہی اور جب تعبیر سن کر ہم نے اپنے فریب کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے تو جھوٹی خوابیں بنائی تھیں تب جواباً آپ نے فرمایا تھا قُضِیَ الْاَمْرُ تمہاری خوابیں غلط ہوں یا صحیح سچی ہوں یا جھوٹی جو میرے منہ سے نکل گیا وہ ہو کر رہے گا۔ یہی واقعہ حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ ہوا کہ مالک بن سنان شہید ہو چکے تھے جنگ احد میں آپ کی والدہ نے صدیق اکبر سے پوچھا میرا بیٹا مالک کہاں ہے آپ کے منہ سے نکل گیا پیچھے آ رہا ہے رب تعالیٰ

مستعمل ہے امت کا اصلی معنیٰ انسانوں کی جماعت ہے یہاں وقتوں کی جماعت کے معنیٰ میں ہے۔ اس میں دو قرأتیں اور بھی ہیں ۱؎ اِمَّۃٍ ۲؎ اَمَہٍ یہ جملہ معترضہ ہے۔ اگلی عبارت مقولہ ہے قول کا اے بادشاہ میں تم کو اس خواب کی تعبیر لا کر دیتا ہوں۔ میں جب جیل میں تھا تو وہاں میری ملاقات ایک بہت ہی عابد زاہد عامل عالم خوش خلق حسین خوبصورت بزرگ سے ہوئی وہ اس کی تعبیر ضرور بتا دیں گے کیونکہ ہم نے بھی ایک دفعہ جیل میں ان سے خواب کی تعبیر پوچھی تھی تو جیسی تعبیر انہوں نے بتائی ویسا ہی ہوا۔ تم مجھ کو وہاں بھیج دو یعنی جانے کی اجازت دو۔ اس قیدی کو سب کچھ یاد آ گیا اور یہ بھی یاد آ گیا کہ حضرت یوسف نے بادشاہ سے ذکر کرنے کا حکم دیا تھا مگر ڈرتے ہوتے اب نہ بتایا کہیں بادشاہ کو مجھ پر جلال نہ آ جائے اور مروا دے کہ تو دربار میں رہ کر ایسا بھولنے والا ہے۔ کبھی ہمارا نقصان کر بیٹھے گا بعض بڑی ضروری خبریں ہوتی ہیں۔ قیدی ساقی نے کُمْ ضمیر بھی جمع بولی اور اَرْسِلُوْنِ بھی امر جمع بولا۔ تعظیم کے لئے بعض نے کہا کہ سب درباریوں کو خطاب کیا تھا مگر یہ غلط ہے آداب شاہی کے خلاف ہے شاہوں کے دربار میں صرف بادشاہ کی طرف ہی توجہ کی جاتی ہے۔ بادشاہ نے خوش ہو کر فوراً اجازت دی تب یہ ساقی بھاگتا ہوا جیل میں آیا اور بولا یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ۔ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ۔ آزاد شدہ غلام خدمت عالیہ میں حاضر ہوا پہلے تو بہت معافی مانگی کہ مجھ سے غلطی ہو گئی آپ کی بات میرے ذہن سے بالکل اتر گئی۔ میں بھول گیا حضرت یوسف نے سات سال بعد بھی اس کو پہچان لیا اور کچھ رنجیدگی کا اظہار نہ فرمایا پہلے کچھ باتیں ہوئیں پھر اس ساقی نے خدمت عالی میں عرض کیا اے یوسف یہاں حرف ندا یا پوشیدہ ہے دراصل یَا یُوْسُفُ چونکہ یہ قیدی مسلمان بھی آپ کے ہاتھ پر ہوا تھا اور آپ ہی کی برکت آپ ہی کی تعبیر بتلانے سے اس کو نجات ملی تھی آپ سے فیضیاب تھا اور سمجھتا تھا کہ یہ مشکل کشا حاجت روا ہیں۔ اس لئے بڑے ادب و احترام سے معزز القاب سے ندا کی اے صدیق یعنی نہایت ہی سچ کہنے والے کہ اس علاقے میں اس جیسا کوئی سچا نہیں۔ صادق بھی سچے کو کہتے ہیں اور صدیق بھی مگر فرق دونوں میں یہ ہے کہ جیسا واقعہ ہو ویسا ہی وہ کہدے وہ صادق ہے اور اگر واقعے میں ایک چیز نہ ہوئی ہو اور اس نیک بندے کی زبان سے نکل جائے تو رب تعالیٰ ویسے ہی کر دے اس کو صدیق کہا جاتا ہے اسی لئے اس قیدی نے حضرت یوسف کو صادق نہ کہا صدیق کہا کیونکہ دیکھ چکا تھا کہ ہم نے جھوٹی خوابیں بنا کر تعبیر پوچھی مگر ان کی زبان سے جو تعبیر نکل گئی وہ ہو کر رہی اور جب تعبیر سن کر ہم نے اپنے فریب کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے تو جھوٹی خوابیں بنائی تھیں تب جواباً آپ نے فرمایا تھا قُضِیَ الْاَمْرُ تمہاری خوابیں غلط ہوں یا صحیح سچی ہوں یا جھوٹی جو میرے منہ سے نکل گیا وہ ہو کر رہے گا۔ یہی واقعہ حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ ہوا کہ مالک بن سنان شہید ہو چکے تھے جنگ احد میں آپ کی والدہ نے صدیق اکبر سے پوچھا میرا بیٹا مالک کہاں ہے آپ کے منہ سے نکل گیا پیچھے آ رہا ہے رب تعالیٰ

نے زندہ کر کے واپس بھیجدیا اس وقت سے آپ کا لقب بھی صدیق ہوگیا اور چونکہ یہ لقب نبی کریم رؤف رحیم نے دیا اس لئے صدیق اکبر لقب ہوا۔ آج حضرت مالک بن سنان کا مزار مقدس مدینہ منورہ کے ایک مکان میں ہے۔ حضرت مالک کا لقب صحابہ کے زمانہ میں زندہ پڑگیا تھا اسی بناء پر پھر آپ کئی سال زندہ رہ کر بغیر شہادت فوت ہوتے۔ آزاد شدہ قیدی نے کہا فتوٰا دیجئے ہم کو یعنی اہل دربار کو متکلم واحد کی ضمیر نہیں بولی نا ہی جمع غائب کی۔ یعنی نہ تو یہ کہا کہ مجھ کو فتوٰی دیجئے نا یہ کہا کہ ان کو فتوٰی دیجئے بلکہ کہا ہم کو یا اس لئے کہ یہ کلام کی فصاحت ہے۔ جمع متکلم کی ضمیر اکثر فصاحت کے لئے بولی جاتی ہے جیسے اِنَّا اَنْزَلْنَا وغیرہ اور یا اس لئے کہ میں تعبیر دینے والا ہوں آپ کے دہن پاک سے اور وہ سب درباری پوچھنے والے ہیں اور ان کو بھی ضرورت بھی ہے اس لئے جامع کلام بولا۔ تاکہ پتہ لگے کہ یہ تعبیر صرف میرے لئے ہی نہیں جیسے کہ پہلے تھا۔ بلکہ اس تعبیر پر سب اہل دربار یا سب اہل حکومت یا سب اہل مصر کی آنکھیں لگی ہوتی ہیں آج سب آپ کی تعبیر کے شدت سے منتظر ہیں۔ بادشاہ نے آج گذشتہ رات خواب دیکھا ہے کہ سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز سٹوں کو گندم کے سات خشک سٹوں نے سکھا کر خراب کر دیا آپ اس کی تعبیر دیں۔ اپنی خواب تو سنا کہ اس نے آج سے سات سال پہلے بہت سچی اور مفید تعبیر لے لی تھی جس سے یہ بہت خوش ہوا تھا۔ لیکن آج ابھی شش و پنج اور دسوسوں میں تھا کہ پتہ نہیں اس خواب کی تعبیر ان کو سمجھ آتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ وہ دیکھ چکا کہ دربار کے اتنے بڑے عمر رسیدہ کاہن نجومی اس کی تعبیر سے عاجز بیٹھے تھے یا یہ خیال آیا کہ اگر تعبیر بتا بھی دیں تو کہیں بہت خطرناک بادشاہ یا ملک کے حق میں بری ہو تو میں کس طرح جا کر بتاؤں گا۔ اس لئے شک کا صیغہ بولا لَعَلِّیْ اَرْجِعُ شاید یہ آپ سے تعبیر سن کر صحیح طرح خوشی خوشی ان لوگوں کے پاس جا سکوں۔ ناس سے مراد یا نجومی ہیں یا سب اہل دربار مع بادشاہ۔ دوسرا تردد اس ساقی کو یہ ہوا کہ اس تعبیر کو سن کر میں تو پسند کر لوں کیونکہ میں پہلے ہی حضرت یوسف کے تقوے طہارت علم و فضل کا قائل ہوں اس لئے کہ مسلمان ہوں اور سب کچھ سابقہ مدت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں لیکن نامعلوم یہ تعبیر سن کر وہ کاہن آپ کے علم و فضل کے قائل ہوتے ہیں یا نہیں اور مرضی اس کی یہی تھی کہ چونکہ بیچ میں میرا واسطہ ہے اور میں نے آپ کی وہاں بہت تعریف کی ہے۔ اس لئے اچھی اور صاف تعبیر فرمائیے لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ شاید کہ وہ آپکے علم و فضل کو جان لیں یا تعبیر سمجھائیں اور جو عمل کرنے والے کام ہوں ان پر عمل کریں بعض نے فرمایا کہ دونوں لَعَلَّ شک کے لئے نہیں بلکہ معنی کئے ہے یعنی تاکہ بعض نے کہا کہ پہلا لَعَلَّ بمعنی کئے ہے اور دوسرا لَعَلَّ بمعنی شاید ہے یعنی اپنے معنی میں ہے۔ یہ جیل خانہ ایک قول کے مطابق محل سے قریب ہی تھا اور وہ ساقی پیدل ہی چلتا گیا مگر روح المعانی نے بروایت ابوحیان فرمایا یہ جیل خانہ سجن عافیت محل سے آٹھ میل دور تھا قیدیوں کے حالات کو دیکھتے ہوتے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہی بات صحیح ہے اولاً اس لئے محل کے قریب کبھی جیل نہیں ہوتی دوم اس لئے اگر قریب ہوتا تو تفتیش میں اتنی دیر نہ لگا کرتی یہ دوری ہی تھی جس کی وجہ سے قیدیوں کا پرسان حال کوئی نہ ہوتا تھا۔ (تفسیر کبیر۔ صاوی

روح البیان - معانی۔)

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** خواب دیکھنے والے کو چاہیئے کہ ہر ایک کو اپنا خواب نہ سناتا پھرے کسی بہت بڑے عالم کو جو تعبیر کا بھی ماہر ہے خواب سناتے اور اگر بڑا عالم نہ ملے یا ماہر تعبیر نہ ملے تو پہلے شرط لگالے کہ اگر تم کو میری خواب کی تعبیر معلوم نہ ہوسکے تو خاموش رہنا کوئی غلط تعبیر نہ دینا اگر یہ شرط لگائی ہوگی تو خواب کی تعبیر اگر غلط بھی دے دی جائے یا خواب برا بھی کہہ دیا جائے تب بھی خواب خراب ہوگی اور نقصان نہ ہوگا یہ فائدہ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ سے حاصل ہوا کہ دیکھو بادشاہ نے پہلے شرط لگا لی کہ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا۔ اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو تب بتانا۔ انہوں نے اپنی جہالت سے خواب کو ہی خراب کہہ دیا مگر خواب غلط نہ ہوئی **دوسرا فائدہ** خواب کی تعبیر میں جلدی نہ کرنی چاہیئے نہ بتانے والا جلدی کرے نہ پوچھنے والا اگر عالم تعبیر کے تلاش کرنے میں کچھ دیر بھی لگ جائے تب بھی کسی اور کو نہ سنائے اور دیر میں کچھ حرج نہیں ہاں جان بوجھ کر دیر نہ لگائے بلکہ حَتَّى الْاِمْكَانِ جلدی جاکر پوچھے یہ فائدہ وَقَالَ الَّذِیْ کی تفسیر سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** دوسرے شخص کو خواب سنانا اگرچہ وہ علم تعبیر سے ناواقف ہو اس لئے جائز ہے کہ وہ کسی سے پوچھ کر بتلائے گا۔ ہاں اس خواب کے سننے والے پر تین طرح احتیاط واجب ہے ایک یہ کہ خود بالکل نہ تعبیر دے بلکہ خاموش رہے دوسری یہ کہ خواب خوب غور سے سنے تیسری یہ کہ جیسے سنے ویسے ہی عالم کو سنادے نہ کچھ زیادتی کرے نہ کمی **چوتھا فائدہ** حضرت یوسف نہ بھولے نہ ہی فَاَنْسٰهُ الشَّيْطٰنُ کا معنی یہ ہوسکتا ہے کہ شیطان نے حضرت یوسف کو بھلادیا۔ بلکہ قیدی بھولا اور شیطان نے قیدی کو بھلایا جن مفسرین نے اَنْسٰهُ کی ضمیر مفعول کا مرجع یوسف علیہ السلام کو قرار دیا ہے وہ غلطی پر ہیں یہ فائدہ وَادَّكَرَ فرمانے سے حاصل ہوا اگر قیدی نہ بھولا تھا تو اب کیا یاد آیا **پانچواں فائدہ** جس سے کچھ علم اور ہدایت حاصل کی اس کی تعظیم کرنا واجب ہے لہٰذا شاگرد استاد کی مرید پیر کی بیٹا باپ کی مقتدی امام کی عوام علماء کی تعظیم کریں اور یہ تعظیم ان پر لازم ہے یہ فائدہ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ سے حاصل ہوا کہ چونکہ اس نجات یافتہ قیدی نے حضرت یوسف سے دینی دنیوی معلومات حاصل کیں تھی اور کچھ دن اسلامی درس پڑھے تھے اس لئے اس نے تعظیم کے الفاظ استعمال کئے **چھٹا فائدہ** ادب کے لئے جمع کا صیغہ بولنا جائز ہے قرآن مجید میں اس کی بہت مثالیں ہیں اگرچہ مخاطب واحد ہی ہو یہ فائدہ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ کی کم ضمیر اور فَاَرْسِلُوْنِ کے امر جمع سے حاصل ہوا لہٰذا سلام میں یا نبی سلام عَلَيْكُمْ کہنا بہتر ہے جہاں تک ہوسکے اشعار میں جمع کا صیغہ اور ضمیر بولیں لیکن ضرورتِ شعری معاف ہے۔ ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کے لئے جمع کے غائب یا جمع مذکر حاضر کے صیغے بولنا منع ہے کہ مشرکین سے مشابہت اور شرک کی بو ہے توحید کے خلاف اس کے لئے عام گفتگو اور دعاؤں میں بھی واحد غائب یا واحد حاضر کا صیغہ استعمال کرو تاکہ عام گفتگو میں توحید کی جھلکیاں نمودار ہوں۔ اس کا ادب یہی ہے کہ اس کی توحید ظاہر ہوتی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام بزرگوں کے لئے تو قرآن

حدیث میں جمع غائب کے صیغے استعمال ہوتے ہیں مگر اللہ کے لئے ایسا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ نبی ولی نے اللہ کریم کو لکَ اور ھُوَ اور ہٗ اور اَنْتَ سے پکارا۔ لیکن نبی کریم کے لئے ظَلَمْتُمْ کا صیغہ قرآن پاک میں موجود ہے اور یہاں بادشاہ کے لئے فارسلو جمع آیا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** خوابوں کی تعبیر کی کیا خصوصیت ہے کہ رب نے اتنے اہتمام سے اس کا علم سکھایا اور ذکر فرمایا کہ اُنَبِّئُکُمْ اور اتنے بڑے نجومی بادشاہ کی ایک خواب سے عاجز رہ گئے۔ **جواب** اس کی وجہ یہ ہے کہ امور متخیلہ کا منتقل کرنا حقیقت عقلیہ اور حقیقت روحانیت کی طرف پہلے ہی بہت مشکل تھا مگر اس میں اختلاط مضطربہ سے یہ کام اور بھی مشکل ہوگیا۔ اس لئے کہ باطن کو ظاہر میں ڈھالنے کا نام خواب کی تعبیر ہے۔ اور یہ ڈھالنا ہر ایک کا کام نہیں کیونکہ باطن اللہ کا ہے تو جب تک وہ خود نہ بتائے اسوقت تک یقینی پتہ نہیں لگ سکتا۔ بدیں وجہ فرمایا عَلَّمَنِیْ مجھ کو میرے رب نے سکھایا **دوسرا اعتراض** اتنے عمر رسیدہ کاھنوں نے اس کی تعبیر سے عاجزی کا اظہار کیوں کیا؟ **جواب** یا اس لئے کہ رب کی قدرت سے ان کا دماغ ماؤف ہوگیا۔ یا اس لئے کہ خواب بڑی مشکل اور عجیب تر تھی۔ ان کو سمجھ نہ آئی کہ یہ خواب کیا راز ہے۔ اور مقصد دماغ بند کرنے کا یا خواب کو مشکل کرنے کا صرف یہ تھا کہ شان یوسف لوگوں کو معلوم ہو۔ اور یہ بتانا مقصود تھا کہ بزرگی از عقل وعلم است نہ بسال قیامت تک عبرت یہ دلانی تھی کہ کوئی شخص کسی عالم کی بات صرف اس لئے نہ ٹھکرا دے کہ وہ عالم عمر میں ہم سے چھوٹا ہے۔ علم رب کی عطا ہے چاہے تو چھوٹوں کو مل جاتے اور بڑے عمر رسیدہ محروم ہی رہ جائیں۔

تفسیر صوفیانہ

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ۔ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ جسد خاکی کے اعضاء وجوارح رؤسا، قالب بولے یہ اشارہ سریۃ وہم محبوب کی عقل شریفہ ہے جو فطور دماغی کے سمجھنے سے قاصر ہیں جہالت والوں کا یہ شروع سے وطیرہ ہے کہ احوال ریاضت کو خرافات کا لقب دیتے ہیں۔ اعضاء وجوارح نے تو اشارہ سریہ کو اضغاث واحلام کہہ کر کنارہ کشی کر لی مگر قید ابتلا سے رہائی پانے والے نفس ملہم کو رسول محبت کا وہ بھولا ہوا پیغام بہت واردات احوال گزرنے کے بعد یاد آیا۔ تو بولا وہ جس نے ان دونوں میں سے نجات پائی تھی۔ روح ملک کے واسطے سے جب یہ یاد آئی۔ کہ میں خبر دوں گا تم کو اس اشارہ خفیہ کی تفصیل وتعبیر کی بس اے شاہ جسدی مجھ کو وحدت سے کثرت کی طرف بھیج دو یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ لَّعَلِّیْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝ قالب انسانی میں قلب کے انوار تجلیات کا مکاشفہ سب سے پہلے نفس ملہم کو ہوتا ہے وہی قلب صنوبری کے استواء حال اور استقامت اعمال سے خبردار ہوتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ خواہشات وہوس ونفسانیات کی ہزاروں آندھیاں چلیں مگر قالب حسین کے حالات وعزائم واعمال اور حسن وجمال میں فرق نہیں آیا۔ اور جس کا باطن وظاہر اس طرح یکساں مصفٰی

ہوری مقامِ صدیقیت پر فائز ہوتا ہے ۔ اسی سے ایقان وعرفان کی عجیب غیبی خبریں مشاہدے میں آتی ہیں ۔ اسی لئے زبانِ حال ولیقین اور عقیدۂ حقیقیہ سے کہتا ہے اے یوسفِ قلب مدارجِ صدیقیت کو طے کرنے والے سات قوت باطنی کے بارے مکاشفہ فرما جو سات طبیعاتِ ضعیفہ کو مقامِ فنا میں لاکر ختم کر رہی ہیں اور چمنِ ایمانی کی وہ سات شاداب و سر سبز بالیاں اور نارِ سموم سے مرجھائی ہوئی دوسری سات کمزوریاں کیا ہیں ۔ اِن اشاراتِ غیبیہ اور وارداتِ سرّیہ کی تعبیر فرما تاکہ میں عالمِ وحدت میں دنیاءِ کثرت کی طرف لوٹ کر مکاشفاتِ قلبی اور مراتب ومدارجِ قلبِ مومن کا سرِ جبروتی سے میدانِ اجسام وجود میں اعلانِ اظہار کردوں اور سب قوا ءِ باطنیہ اور فکر وتدبر کے امراءِ جوارح ۔ صداقت قلب اور اشارہ مخفی اسرارِ بے خودی کو جان لیں ۔ اور افکارِ عالم والے سمجھ جائیں کہ قدرتِ قلب کے سامنے سب قوتیں عاجز ہیں ۔ اور ہر شخص قلب کی درستی وصحت میں مشغول ہوکر قحط الرّجال کی مصیبت سے نجاتِ لاہوتی حاصل کرلے ۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں جہاں لعلی ہوتا ہے وہاں امید ہوتی ہے ۔ جہاں امید ہوتی ہے وہاں خوف بھی ہوتا ہے اور جہاں خوفِ عبدی ہوتا ہے وہاں احسانِ معبودی ہوتا ہے ۔ اور جہاں احسانِ معبودی ہوتا ہے وہاں لذتِ حیاتِ دنیا نہیں رہتی قلبِ مومن شہرِ لافانی ہے ۔ جس کی زمین معرفت ہے ۔ اور چمن ایمان ہے اس کا سورج شوق ہے اس کا آسمان یقین ہے اس کا چاند محبت وعشقِ الٰہی ہے ۔ اس کے ستارے خطراتِ قلبیہ ہیں ۔ زمینِ قلب کی مٹی ہمتِ مردانگی ہے ۔ اس کا بادل فضلِ ربانی ہے ۔ بجلی امید ہے کڑک خوفِ جبّار ہے ۔ وہاں کی بارش رحمتِ غفار ہے ۔ بستیٔ دل کے درخت وبیل بوٹے دفائے ان کے پھل حکمت ودانائی ہے اس شہرِ عجیب کے دریا علومِ ظاہری باطنی ہیں ۔ یہاں کی روشنی فراستِ مومن ہے یہاں کا دن اعمالِ صالحہ ہیں ۔ یہاں کی رات فسق وفجور ہیں ۔ یہاں کا اندھیرا کفر وشرک ہے ۔ وادیٔ دل کے چور منافقت ہے یہاں کے تالے صبر ہیں اور چابی ذکر ومجاہدات ہیں ۔ محلاتِ قلبِ لاہوتی کی چار دیواریں ہیں پہلی دیوار محبت ۲ دیوار توکل ۳ دیوار صدق ۴ دیوار رضا اس کے دروازے بھی چار ہیں ۱ بابِ علم ۲ بابِ حلم ۳ بابِ خلوت ۴ عبادت ور یاضت کہ ان کے بغیر وادیٔ قلب میں کوئی نہیں داخل ہوسکتا ۔ منزلِ شوق کے مسافر ہزاروں ہیں لیکن بارگاہِ لم یزل تک کوئی کوئی رجوع کرسکتا ہے ۔ قلبِ روشن کی علامات مقبول چہروں پر ظاہر ہوجاتی ہیں ۔ بندہ جب تک بارگاہِ قلب میں حاضر ہوکر خالقِ قلب کی معرفت حاصل نہیں کرتا اس وقت تک شہوات کی ہوائیں اس کو اُڑاتے اُڑاتے پھرتی ہیں لیکن جب اپنے مولیٰ کی معرفت اور مشاہدے کی جھلک پا لیتا ہے تو پھر کوئی چیز اس میں اثر نہیں کرتی نہ کوئی شی پایۂ استقامت کو جنبش دے سکتی ہے لیکن بارگاہِ قلب کی حاضری اور حضوریٔ دربارِ الٰہیہ نصیب ہونے کی صورت فقط یہی ہے کہ اپنے جسم کے اعضاءِ ظاہری وباطنی کو غذاءِ حرام ولباسِ خبیثہ سے بچائے اور حرام کی چھوٹی چنگاری کو بھی یہ کہ چنے کے دانے برابر ۔ بغیر مالک کے اجازت کے کھائے یا کسی طرح برتے ۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ حرام خوراک ولباس قلب کا اندھیرا ہے نفسِ ملہم اُسی وقت بارگاہِ قلب میں جا سکتا ہے جب صبر کا تالہ مجاہدہ کی چابی سے

کھول سکے۔ اے منزلِ مراد کے عاشق۔ منزل دور نہیں صرف ہمت کی مٹی اکھیڑ کر توکل فرما۔ محبت و صدق کی چار دیواری بنانے کی بات ہے۔ مالک میرے کریم رحیم ازلی ابدی قدیم رب مجھ کو بھی یہ نعمتیں عطا فرما تاکہ میرے شہرِ قلب کی جگمگاتی کوچہ معرفت میں انوارِ مصطفائی کا ورود ہو (آمین) (عرائس بیان۔ محی الدین ابن عربی۔ امام غزالی)

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ

فرمایا کھیتی کرو گے تم سات سال مسلسل تو جو کاٹو تم پس چھوڑے رکھو اس کو میں بالیوں

کہا تم کھیتی کرو گے سات برس لگاتار تو جو کاٹو

فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾

اسی کی مگر تھوڑا سے جس کھاؤ تم۔ پھر آئیں گے سے بعد ان کے سات قحط کے جو

اسے اس کی بال میں رہنے دو مگر تھوڑا جتنا کھا لو

ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا

کھا ڈالیں گے وہ سب جو پہلے جمع کر رکھا ہوگا تم نے لیے ان کے مگر تھوڑا

پھر اس کے بعد سات کرّے برس آئیں گے کہ کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے

قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ

سے اس جو چھوڑا اٹھو گے تم پھر آئیگا

پہلے جمع کر رکھا تھا مگر تھوڑا جو بچا لو پھر

یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ

سے بعد ان کے موسم بہار میں جس گھٹائیں برسائیں جائیں گے لوگ

ان کے بعد ایک برس آئے گا جس میں لوگوں کو مینھ دیا جائے گا

وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور میں اس رس نچوڑیں گے

اور اس میں رس نچوڑیں گے

تعلق

ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں تعبیر پوچھنے کا ذکر تھا اب یہاں تعبیر بتانے کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت یوسف کی صدیقیت کے لقب دینے کا ذکر ہوا جس کا مطلب تھا بہت درست علم والا اب یہاں یوسف علیہ السلام کے بے مثل علم کا ثبوت موجود ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں ایک ایک لفظ با وضاحت صاف صاف خواب کا بیان کیا گیا اب ان آیات میں ایک ایک لفظ صاف صاف تعبیر کا بیان ہو رہا ہے۔ تاکہ کڑی سے کڑی جڑتی چلی جاتے۔ سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

تفسیر نحوی

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ قَالَ فعل ماضی کا فاعل حضرت یوسف ہیں جملہ قول جوابی ہے۔ تَزْرَعُوْنَ فعل مضارع بصیغہ جمع مذکر حاضر اس کا فاعل ھُمْ ضمیر مستتر ہے اس کا مرجع مصری کسان۔ مراد ذھنی ہے۔ بلحاظ عبارت سابقہ بمعنی مستقبل جملہ خبریہ کیونکہ یہ تعبیر خواب بتانا ہے۔ اور بلحاظ اگلی عبارت کے یہ فعل مضارع بمعنی امر ہے اور جملہ انشائیہ ہے۔ یعنی ایسا کرو گویا یہ عبارت صنعت طباق ہے۔ ذو معنیین سَبْعَ اسماءِ اعداد سے ہے بحالت زبر مفعول فیہ ہے سِنِيْنَ جمع ہے سن کی بمعنی سال تمیز مضاف الیہ ہے۔ بحالتِ زیر۔ دَاَبًا اسم جامد ہے معرب ہے تنوین تنکیری ہے جس نے استمرار کے معنی پیدا کئے اس کے پانچ معنی ہیں۔ حالت۔ طریقہ۔ ملکی رواجی دستور۔ عادت۔ ہمت واجتہاد یہاں آخری دو معنی مناسب ہیں اگر فعل بمعنی امر ہے تو داب کے معنی ہمت اگر مستقبل ہے تو داب بمعنی عادت بحالتِ زبر ہے بوجہ حال ہونے کے تَزْرَعُوْنَ کے فاعل کا یا مفعول مطلق ہے فعل پوشیدہ کا دراصل تھا تَدْاَبُوْنَ دَاَبًا۔ یہ بھی بمطابق سابق جملہ خبریہ یا انشائیہ بنے گا یعنی حسب سابق۔ فاء تعقیبیہ مَا موصولہ حَصَدْتُّمْ جمع مذکر حاضر۔ حَصْدٌ سے بنا بمعنی کھیت کاٹنا متعدی بنفسہٖ۔ اسی سے ہے حَصِيْدٌ بمعنی حصود بروزن مفعول یعنی کٹی کھیتی۔ فا تعقیبیہ ذَرُوْ فعل اَمر بصیغہ جمع مذکر حاضر ذَرْوٌ سے بنا بمعنی پہلی حالت پر رکھنا۔ چھوڑ دینا۔ بکھیر دینا۔ اسی سے ذَارِيَاتٌ ہے بمعنی احکامِ الٰہی بکھیرنے والا۔ مراد مبلغینِ اسلام ہیں۔ یہاں بمعنی چھوڑ دینا فی جارہ ظرفیہ ہے سنبلہ مرکب اضافی سنبل واحد اسم جنسی ہے نہ کہ جنس مراد جمع ہے ہٖ ضمیر کا مرجع ما موصولہ ہے اِلَّا نے ذرو کے امر کو توڑا استثناء متصل ہے قَلِيْلًا بحالت زبر مستثنیٰ ہے۔ قضیہ محصورہ ہے مِنْ جارہ تبعیضیہ مَا موصولہ تَاْكُلُوْنَ اس کا صلہ ہے فعل مضارع بمعنی مستقبل جمع مذکر حاضر مراد اہلِ ملک ہیں ثُمَّ يَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ثُمَّ حرفِ عطف تراخی کے لئے يَاْتِیْ فعل مستقبل واحد غائب اَتْیٌ سے بنا۔ بمعنی آنا۔ مِنْ جارہ زائدہ بَعْدِ اسم ظرفی بحالتِ زیر۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعید کے لئے مشار الیہ سَبْعَ سِنِيْنَ ہے۔ سَبْعٌ فاعل ہے يَاْتِیْ فعل کا شِدَادٌ صفت ہے سَبْعٌ کی بحالتِ رفع۔ جمع ہے شدید کی۔ اس کی جمع شدائد بھی آتی ہے اَشِدَّاءُ بھی آتی ہے شُدُوْدٌ بھی۔ شَدٌّ سے بنا بمعنی سخت۔ تکلیفات سخت ہوں تو جمع شدائد ہو گی طبیعت سخت ہو تو جمع اَشِدَّاء ہو گی۔ الفاظ متشدد ہوں تو شدود ہو گی اور زمانہ یا حالاتِ

زندگی سخت ہو تو جمع شداد ہوگی وہی یہاں مراد ہے بمعنی قحط سالی ۔ یَأْكُلْنَ فعل مضارع مستقبل بصیغہ جمع مونث غائب اَكْلٌ سے بنا ترجمہ ہے کھا لینا اس کا فاعل شِدَادٌ ہے ۔ مجازاً مظروف کی جگہ ظرف رکھا گیا ما موصولہ مفعول بہ قَدَّمْتُمْ فعل ماضی بابِ تفعیل کا بمعنی مستقبل ہے ۔ مگر ماضی کا لانا امر یقینی کے لئے ہے ۔ لَهُنَّ لام جارہ زائدہ ہے هُنَّ ضمیر کا مرجع شِدَادٌ ہے ۔ قَدَّمْتُمْ قَدَمٌ سے بنا بمعنی پہلے ہونا یہاں مراد ہے ذخیرہ گندم اِلَّا استثناء ہے یَأْكُلْنَ کا قَلِيلًا مستثنیٰ ہے ۔ مِنْ جارہ بیانیہ تبعیضیہ ہے ما موصولہ تُحْصِنُونَ فعل مضارع معروف بمعنی مستقبل یا امر بصیغہ جمع مذکر حاضر باب افعال سے ہے متعدی بیک مفعول ہے ۔ حِصْنٌ سے بنا بمعنی حفاظت سے رکھنا ۔ پناہ پکڑنا ۔ پس انداز کرنا یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں ۔ یعنی بیج رکھنا ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ۔ ثُمَّ برائے تراخی یعنی دیر سے ہونا یَاْتِی فعل مستقبل اَتْیٌ سے بنا بمعنی آنا مِنْ زائدہ ذٰلِكَ اسم اشارہ مشار الیہ شِدَادٌ ہے بعدِ ظرفیہ کا مضاف الیہ ہے عَامٌ اسم جامد ہے بحالتِ رفع فاعل ہے یَاْتِی کا تنوین تنکیری ہے ۔ بمعنی مطلق غیر خصوصی زمانہ مراد ہے موسمِ بہار کا سال فی جارہ ظرفیہ هٗ ضمیر کا مرجع عَامٌ ہے عَامٌ ذوالحال يُغَاثُ یہ پورا جملہ حال فعل مجہول مضارع بمعنی مستقبل باب افعال سے ہے غَيْثٌ اجوف یائی سے بنا ۔ اس کا معنی بادل برسایا جاتے گا ۔ اَلنَّاسُ بحالتِ رفع نائب فاعل ہے ۔ مراد تمام انسان اہلِ مصر ۔ واؤ عاطفہ فِيهِ ظرف مقدّم بشکلِ جار مجرور ۔ يَعْصِرُونَ فعل مضارع بصیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل هُمْ ضمیر کا مرجع اہلِ مصر ہے ایک قرأت میں تَعْصِرُونَ جمع مذکر حاضر کے صیغہ سے بلحاظ سابقہ صیغوں کے عَصْرٌ سے بنا تین معنی میں مستعمل ہے ۔ زمانہ گزرنا ۔ نچوڑنا یہاں یہ ہی معنی مناسب ہیں ۔

تفسیر عالمانہ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ۔ ساقی کا سارا بیان سن کر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس طرح تعبیر بیان کرنا شروع فرمائی کہ خداداد علم و حکمت کے دفتر پھیلا دیئے صرف تعبیر ہی نہ بتائی بلکہ نظامِ سلطنت کا پورا قانون سمجھا دیا ۔ وہ حکمت کی باتیں سمجھائیں جو شاید کسی بہت بڑے دانا کو بھی نہ آئیں ۔ کھیت کی وہ باریکیاں بتائیں جو بڑے عمر والے تجربے کار زمیندار کو نہ معلوم ہوں اور ثابت کر دیا کہ نبی اللہ خواہ کسی ماحول میں پلا بڑھا ہو مگر اس کا بے مثل علم اقوامِ عالم کو محیط ہے اور دنیا کے عقلاء پر غالب ہے ۔ فرمایا اے مصر والو کھیتی کرو گے تم ۔ سامنے تو فقط ساقی تھا مگر خطاب سارے مصر والوں کو کیا یہ خطاب کا بہترین طریقہ ہے اسی کو علمِ ادب والے صنعتِ کلام کہتے ہیں تَزْرَعُونَ فعل مضارع بمعنی مستقبل ہے اور یہ غیب کی خبر ہے آئندہ کا حال بیان کیا جا رہا ہے یہ بھی حضرت یوسف کا معجزہ ہے حضرت یوسف کو رب تعالیٰ نے بھائیوں کی تعداد کے مطابق گیارہ معجزے عطا فرمائے تھے ۱ خوش خلقی ۲ کھاری کوئیں کا میٹھا ہونا ۳ پرندوں کا آپ سے کلام کرنا ۴ عزیزِ مصر کے خزانے بھر جانا ۵ زلیخا کے تالے ٹوٹ جانا ۶ شیر خوار بچے کا گواہی دینا ۷ قیدیوں کی بیڑیاں ٹوٹنا اور شکلیں بدلنا ۸ گناہ سے بچنا اور عورتوں کا مکر ٹوٹنا بوجہ عصمت کیونکہ عصمت بھی نبوت کے معجزات میں شمار ہے

(امام غزالی) ۲؎ تعبیر کا علم ۳؎ غیب کی خبریں دینا ۴؎ حسن یوسفی کہ اسی کو دیکھ کر عورتوں نے انگلیاں کاٹ لیں۔ رب تعالیٰ نے چار پیغمبروں کو حسن کا نور عطا فرمایا ۱؎ ابراہیم علیہ السلام کو بالوں اور داڑھی شریف ہیں کہ سب سے پہلے دنیا میں آپ کے بال مبارک مثل نور کے سفید ہوئے اسی حسن بزرگی کے طفیل نار نمرود سے نجات پائی ۲؎ حضرت یوسف ان کے چہرے میں حسن کا نور رکھا انہوں نے اسی حسن کے ذریعہ کوئیں سے نجات پائی ۳؎ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے داہنے ہاتھ میں حسن کا نور عطا فرمایا۔ انہوں اسی حسن کے ذریعہ دریا سے نجات پائی ۴؎ سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبےٰ محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے پشت مبارک میں حسن کا نور رکھا اسی حسن کے ذریعے آپ معراج میں لا مکان تک پہنچے (امام غزالی) اسی حسن کی وجہ سے بار دو عالم کا ذمہ رب نے آپ پر ڈال دیا کہ قرآن کریم جیسی عظیم امانت آپ نے اٹھالی اعلحضرت بریلوی قدس سرہٗ نے فرمایا۔ شعر جس کو بارِ دو عالم کی پرواہ نہیں ؎ ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

تاقیامت آپ کی ہی نسل باقی ہے۔ حسن بھی اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے پھر علم کی ملاحت ساتھ ہو تو کمال شبیہم ہے بعض مفسرین نے فرمایا تَزْرَعُوْنَ فعل مضارع بمعنی امر ہے یعنی تم کھیتی کرو سات سال۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس کی مثالیں بہت ہیں جہاں مضارع بمعنی امر ہے جیسے اَلْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ۔ یَتَرَبَّصْنَ فعل مضارع بمعنی امر ہے۔ اور جیسے تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ یہاں تُؤْمِنُوْنَ فعل مضارع بمعنی امر ہے یعنی ایمان لاؤ اور جیسے وَتُجَاھِدُوْنَ جہاد کرو۔ یہاں بھی مضارع بمعنی امر ہے۔ اسی طرح تزرعون بھی بمعنی امر ہے اور دلیل یہ ہے کہ آگے فرمایا فَذَرُوْہُ یہ فعل امر قرینہ ہے اس معنوی امر کا مگر میں کہتا ہوں کہ یہ مثالیں اپنی جگہ درست ہیں اُن کو بمعنی امر لیا جا سکتا ہے مگر تَزْرَعُوْنَ۔ تعبیرِ خواب ہے جس میں آئندہ کی خبر ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ مضارع امر کے معنی میں نہیں ہو سکتا کیونکہ امر انشاء ہے اور قرینہ بھی نہیں بن سکتا کیونکہ یہ تعبیر ہے وہ جملہ معترضہ کے طور پر ذاتی حکمت و دانائی کا مشورہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ تَزْرَعُوْنَ کے معنی ہیں تم سات سال متواتر اسی طرح کھیتی کرتے رہو گے جس طرح آج کل اور پچھلے زمانوں سے کرتے چلے آرہے ہو۔ ان سات سالوں میں تمہاری کھیتی باڑی کو آسمانی زمینی نہری دریائی کوئی رکاوٹ نہ ہوگی یہ سات سال تعبیر ہے سات موٹی گایوں کی اور یہ سات سال کی کھیتی باڑی تعبیر ہے سات سبز بالیوں کی دَاَبًا یعنی مسلسل پے در پے کھیتی کرو گے خواہ اپنی خوشی سے یا اس عزیز مصر کے حکم سے یا کسی دوسرے عزیز کے حکم سے کیونکہ کار مختار اور اصل حکمران و منتظم ملک عزیز ہی ہوتا تھا۔ دَاَبًا حال ہے تَزْرَعُوْنَ کے فاعل کا یعنی تم اس کھیتی کرنے پر مجبور ہو گے ایک سال بھی چھوڑ نہیں سکتے یا دَاَبًا کا معنی ہے حسبِ معمول جتنی قسم کی کھیتیاں تم اگاتے ہو گندم۔ باجرہ۔ چاول۔ مکئی۔ جوار۔ اور باغات میں پھل انگور انار وغیرہ جو ہر سال لیتے ہو اسی طرح لیتے رہو گے۔ یہ تو تعبیر ہے آگے میرا مشورہ دے دینا کہ پس ہر سال جو تم نے کاٹا۔ یہاں حَصَدْتُّمْ فعل ماضی بمعنی مضارع ہے اور یقین کا ثبوت دینے کے لئے ماضی فرمایا یعنی یہ کاٹنا اتنا یقینی ہے گویا تم نے کاٹ ہی لیا جو کچھ تم کو گندم وغیرہ ملے تم کاٹو گے تو ان کو ان کی بالیوں میں چھوڑ دینا اور اپنے سلطانی گوداموں حکومت

کے قبضے میں جمع کراتے جاؤ یا اگر اپنے گھروں میں گنجائش ہو تو وہیں چھوڑے رکھو اِلَّا قَلِیۡلًا مِّمَّا تَاۡكُلُوۡنَ مگر تھوڑا غلہ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ قَلِیۡلًا کا تعلق فَذَرُوۡهُ سے ہے یعنی سارا چھوڑ دو مگر تھوڑا نہ چھوڑو جتنا تم شہر والے عموماً کھاتے ہو۔ یہاں تَاۡكُلُوۡنَ سے مراد شہر والے ہیں اور تزرعون سے مراد صرف کھیتی باڑی کرنے والے زمیندار اور مزارع اس لئے کہ کھیتی صرف زمین والا جانتا ہے اور کھانے کی حاجت سب کو ہوتی ہے اور اگر سب ہی کھیتی باڑی میں لگ جائیں تو دوسرے ملکی امور کون کرے اور پھر کون بیچے کون خریدے اور پھر اپنی زمین میں دوسرے کو کون گھسنے کھیتی کرنے دیتا ہے پھر ہر ایک کو طریقہ نہیں آتا تو بیج برباد کرنے والی بات ہے۔ لہٰذا تَزۡرَعُوۡنَ اور تَاۡكُلُوۡنَ میں یہ تفسیری اختلاف بہت درست ہے۔ فقیر حقیر خطا کار اقتدار کہتا ہے کہ قلیلاً کا تعلق تَاۡكُلُوۡنَ سے بھی ہو سکتا ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اُگاؤ بہت۔ جمع کرو بہت بالیوں سِٹّوں میں رہنے دو بہت مگر کھاؤ کم جتنا پہلے کھاتے ہو اس سے کم کھانے کی عادت ڈالو۔ اور معنیٰ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ مگر اتنے دانے نکال لو اس غلے سے جو تھوڑے کھاؤ تم قلیلاً مفعول مقدم ہے اور پورا جملہ مستثنا ہے تفسیر جملہ اس طرح ہے مگر جتنا پہلے کھاتے ہو اس سے تھوڑا کھاؤ گے (تب گزارا ہوگا) اس سے تین فائدے ہوں گے ایک یہ کہ غلہ زیادہ جمع ہوگا قحط کے زمانے میں تم بھی کھا سکو گے اور دور دور کے قحط زدہ بھی دوسرا فائدہ تھوڑے کھانے سے تمہاری صحت ٹھیک رہے گی محنت اور صحت سے کھیتی وغیرہ میں زیادہ کام کر سکو گے تیسرا فائدہ یہ کہ بھوک برداشت کرنے کی عادت پڑے گی غریبوں کی محبت کا جذبہ پیدا ہوگا بھوکے کی بھوک کا احساس ہوگا امتحان بڑا سخت آنے والا ہے تیاری بہت کرنی لازم ہے سہولت کے یہ سات سال تو بڑی جلدی گزرتے محسوس ہوں گے۔ قحط کے سال صبر سے گزارو گے تو پتہ چلے گا۔ کتنا عظیم وعظ کتنی مفید نصیحت ہے جو چند لفظوں میں سنا دی جب یہ سمجھ لیا تو ذہن نشین کر لو کہ ثُمَّ يَاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ سَبۡعٌ شِدَادٌ يَّاۡكُلۡنَ مَا قَدَّمۡتُمۡ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّمَّا تُحۡصِنُوۡنَ۔ ثُمَّ يَاۡتِىۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيۡهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيۡهِ يَعۡصِرُوۡنَ۔ پھر آئیں گے ان سات سالوں کے بعد سات سال سخت شدت اور مصیبت والے۔ شداد جمع ہے شدید کی نہ کہ اشد کی۔ یعنی بہت ہی سخت سال۔ کیونکہ بھوک سب مصیبتوں میں بڑی مصیبت ہے۔ قتل اور قید بھی اتنی سخت نہیں۔ قتل و غارت میں صرف کچھ انسانوں کو وقتی تکلیف ہوتی ہے مگر قحط میں سب مخلوق پر مصیبت آتی ہے کہ بادل بند بارش ختم دریا خشک نہریں فنا۔ کھیت تباہ اور باغ اجڑ جاتے ہیں۔ غیر حساس مخلوق پر تو یہ مصیبت ہوتی ہے لیکن حساس مخلوق چرند۔ پرند۔ درند اور انسان سب ہی تڑپتے پھڑکتے ہیں۔ اس لئے دیگر مصیبتیں اشد ہیں مگر یہ شدید ایسی کہ کھا جائیں گی۔ یہ سات سالیں اُن تمام غلوں کو جو تم ملک والوں نے جمع کر رکھا ہوگا ان ہی قحط کی سات سالوں کے لئے قَدَّمۡتُمۡ بھی فعل ماضی بمعنیٰ مستقبل ہے یاۡكُلۡنَ جمع مؤنث کا صیغہ ہے اور ظاہراً یہی معنیٰ بنتے ہیں کہ یہ سالیں کھا جائیں گی مگر حقیقت میں انسان اور جانور کھائیں گے۔ لیکن چونکہ کھانے کا سبب یہ قحط کے سال ہیں اس لئے مسبب کی جگہ سبب بول دیا۔ دو وجہ سے ایک کہ عبارت مختصر

ہوجاتے ورنہ کہنا پڑتا کہ ان سالوں کی وجہ سے تم لوگ یہ جمع شدہ غلہ کھا جاؤ گے مسبب کو سمجھانے کے لئے سبب بولنا ضروری ہوتا ہے لیکن اگر سبب ہی بول دیا جائے تو مسبب خود بخود سمجھ آجاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ۔ یہ عام محاورہ ہے اور محاورے کا استعمال زود اثر ہوتا ہے دن رات کہا جاتا ہے میری دولت بیماری کھا گئی ظاہر ہے ڈاکٹر اور حکیم کھا گئے مزید کریدنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسی طرح یہاں ہے یعنی تم لوگ ہی کھاؤ گے مگر کچھ تھوڑا بچے گا وہ تم نے حفاظت یعنی اپنے قلعوں اور سرکاری گوداموں میں بیج کے لئے سنبھال کے رکھا ہوگا ابھی اس کے کھانے کی باری نہ آئے گی کہ قحط ختم ہوجائے گا یہ سات سال تعبیر ہیں سات دُبلی لاغر گایوں کی اور ان سالوں میں جو غلے تم ان خشک بالیوں سے نکلوا کر کھا جاؤ گے وہ تعبیر ہے سات خشک بالیوں کی جب یہ ساتوں سال اور پچھلے ساتوں سال کا غلہ قریب الختم ہوگا تو پھر وہ زمانہ آئے گا اس کے بعد جس زمانے میں بارش دیئے جائیں گے سب لوگ کھیت والے بھی باغ والے بھی میدانی علاقے والے بھی پہاڑی بھی بیک وقت سارے ملک پر مددگار بارش ہوگی۔ الناس سے مراد ساری مخلوق ہے ایسا نہ ہوگا کہ کہیں بارش ہو رہی ہے کہیں نہیں۔ الف لام استغراقی ہے یُغَاثُ کا نائب فاعل غیث ہے۔ غیث اس بارش کا نام ہے جو ہر طرح ہر وقت مفید ہی ہوتی ہے۔ اسی سے ہے غوث یعنی مدد کرنے والا۔ اور پھر اتنا غلہ اناج پھل فروٹ پیدا ہوگا کہ تم کھا کر نہیں ختم کر سکو گے نہ بیچ کر ہی بلکہ فِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ان دنوں میں تم جوس بنا بنا کر پیو گے نچوڑ نچوڑ کر ان کے شیرے تیل روغنیات ذخیرہ کرو گے جب چیز کم ہوتی ہے تو لوگ اس کو صرف کھاتے ہیں۔ لیکن جب چیز بہت کثرت سے ہو تو کئی طرح نخرے سے استعمال کرتے ہیں کچھ کھاتے ہیں کچھ پھینکتے ہیں مثلاً انگور تھوڑے اور مہنگے ہوں تو خریدار خرید کر چھلکا بھی کھا جاتا ہے۔ اگر کثرت سے ہوں تو نچوڑ کر پانی پی لیتا ہے اور پھوک پھینک دیتا ہے۔ اسی طرح گندم کم ہو تو فقط روٹی بنا کر کھائی جاتی ہے اگر زیادہ تو روٹی۔ دلیہ۔ نشاستہ وغیرہ نہ جانے کیا کیا بنا کر کھایا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کسی کو قحط سے واسطہ نہ ڈالے اگر ذرا سی گندم کی کمی آجاتی ہے تو لوگ روٹی پکانا بھی ترک کر دیتے ہیں گندم اُبال کر یا بھون کر کھاتے ہیں تاکہ بھوسی بھی ضائع نہ ہو۔ پس یَعْصِرُوْنَ کے جملے سے کثرت کا ثبوت ہوا۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے مسلمانوں کو چند سبق اور فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ** باوجود اس کے کہ ہر چیز تقدیرِ الٰہی میں ہے مگر بندے کو تدبیر کرنی اشد ضروری اور مرضیٔ مولیٰ تعالیٰ کے عین مطابق ہے۔ یہ فائدہ فَذَرُوْهُ سے حاصل ہوا۔ ہر وہ تدبیر جو اصلاح کے لئے ہو وہ درست اور قابلِ قبول ہے۔ تقدیر کے منافی نہیں **دوسرا فائدہ** کھانے میں فضول خرچی منع ہے اور فضول خرچی تین قسم کی ہے ۱ ایک وہ جو صحت کو بگاڑے ۲ دوسری وہ جو دولت کو بگاڑے ۳ جو ایمان کو بگاڑے۔ لہٰذا بھوک سے زیادہ کھانا بے دینوں اور بلا مقصد یا دنیوی اغراض یا حصولِ دنیا کے لئے کھلانا یا حرام کمائی کھانا یا ظلم کے لئے کھلانا سب فضول خرچی میں شامل ہے۔ یہ فائدہ

اِلَّا قَلِیۡلًا مِّمَّا تَاۡكُلُوۡنَ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جائز کھانے کی چار قسمیں ہیں ۱۔ زاہدین کا کھانا تین لقمے ۲۔ حریصوں کا کہ نا پیٹ بھر کے ۳۔ صالحین کا کھانا تہائی پیٹ ۴۔ مومن کا کھانا آدھا پیٹ۔ بھوک باقی ہو تو اُٹھ جائے اسی طرح ناجائز کھانے کی بھی تین قسمیں ۱۔ فاسقوں کا کھانا حرام غذائیں ۲۔ حریصوں کا کھانا پیٹ بھر کے ۳۔ مٹاپے کے لئے کھانا جیسے ضدی پنڈت کھاتے ہیں **تیسرا فائدہ** انبیاء کرام دنیوی دینی سب علوم اور تجربے جانتے ہیں اور ہر فن کے رازوں سے واقف ہوتے ہیں دیکھو یوسف علیہ السلام نے کھیتی باڑی زمینداری کے کیسے عجیب راز سمجھائے کہ غلہ اگا دُ پھر اسطرح محفوظ رکھو خراب نہ ہوگا۔ نہ چوہا کیڑا کاٹے کھائے۔ یہ فائدہ وَزَرُوۡهُ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** گندم کو ذخیرہ کرنا جائز ہے جبکہ احتکار یعنی ظلماً نہ ہو یا مہنگا بیچنے کے لئے نہ ہو اور آئندہ کے لئے کچھ سرمایہ جمع کرنا بھی جائز ہے توکل کے خلاف نہیں یہ فائدہ بھی فَذَرُوۡهُ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** کافر کی خواب بھی سچی ہو جاتی ہے اور یہ کہ حالات اور مصیبتوں کی شکلیں ہوتی ہیں جو خوابوں سے نظر آتی ہیں۔ ایسے ہی اعمال کی بھی شکلیں ہیں جو قبر اور قیامت میں نظر آئیں گی یہ فائدہ بَعۡدِ ذٰلِكَ سَبۡعٌ شِدَادٌ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** خواب کی تعبیر تو ختم ہو گئی تھنوں پر پھر آپ نے ثُمَّ یَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ کیوں فرمایا خواب میں اس کا ذکر کوئی نہیں جواب یا اس لئے کہ ان کو اطمینان ہو جائے کہ یہ تکلیف صرف سات سال ہوگی اس کے بعد آرام کا زمانہ ہوگا یا اس لئے کہ وحی الٰہی میں حکم ہو گیا تھا کہ بعد کے حالات کا بھی ذکر کردو اور یا محض اپنے خداداد علم غیب کی بنا پر ان کے سامنے وضاحت فرمائی **دوسرا اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے سنین فرمایا پھر سبع شداد فرمایا پھر عام فرمایا تینوں مدتوں کو مختلف طریقے سے بیان کیوں فرمایا۔ اور عام اور سن کا مطلب کیا ہے یا کہ دونوں ایک چیزیں ہیں جواب سنین جمع ہے سن کی بارہ مہینہ کے مدت کا نام سن کہلاتا ہے۔ اور غیر معین مدت کو عام کہا جاتا ہے۔ خواہ دو ماہ ہوں یا تین یا بارہ ماہ یا دو سال یا تین سال ایک طرح کے موسم کو عام کہا جاتا ہے بدلتے موسم کو سن چونکہ ہر سال میں چار طرح کے موسم آتے ہیں کبھی گرمی کبھی سردی۔ بہار، خزاں۔ اس لئے اس کو سن کہا جاتا ہے۔ تیسرا فرق تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ مشقت اور مصیبت کے دنوں کو سن کہا جاتا ہے اور آرام سہولت کے دنوں کو عام۔ چونکہ پہلے سات سال محنت اور مشقت کے تھے اس لئے ان کو سنین کہا گیا۔ دوسرے سات سال قدرتی مصیبت کے انسانی دخل نہ تھا اس لئے ان کو سَبۡعٌ شِدَادٌ کہا۔ اس کے بعد آرام کا زمانہ تھا اس لئے اس کو عام کہا گیا یا یہ وجہ ہے کہ پہلے وقت مقرر تھے کہ اتنی مدت تم نے محنت کرنی ہے۔ اتنی مدت تم نے قحط دیکھنا ہے یہ دونوں مدتیں مقرر و مکمل تھیں اس لئے سبع اور سنین فرمایا ان چودہ سال کے بعد جو زمانہ آرام آنے والا ہے وہ مقرر نہیں وہ شروع میں تو پندرھواں سال ہے مگر انتہا پر نا معلوم کتنے سال ہو اس لئے عام کہا اگر سن واحد فرماتے تو بارہ مہینے مقرر ہوتے اور تثنیہ فرماتے تو دو سال بنتے اگر جمع فرماتے تو بھی کسی عدد سے معین کرنا پڑتا اور تعیین کا اظہار فضول

تھا اس لئے عامٌ فرمایا اور پہلے سنین تو خواب نے معین کر دیئے تھے **تیسرا اعتراض** یہاں دو جگہ فیہ کیوں فرمایا گیا ما عَامٌ فِيهِ (الخ) (۲) وَفِيهِ يَعْصِرُونَ جواب پہلے رب تعالیٰ کا فعل مذکور ہے یغاث اس میں حصر پیدا کرنے کیلئے فیہ مقدم کیا گیا اور دوسری بار لوگوں کے فعل کا تذکرہ ہے اس میں حصر پیدا کرنے کے لئے دوسرا فیہ لایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَأْكُلُونَ ۝ یوسفِ قلب نے نجات پانے والے نفسِ ملہم کے قیدی سے انوارِ لاھوتی کی زبان میں کہا۔ کہ تاویلِ اشاراتِ خفی میں جسدِ باطنی کی سات قوتیں حیوانیہ ہیں ۱ حرص ۲ بخل ۳ شہوت ۴ حسد ۵ عداوت، ۶ غضب ۷ تکبر۔ یہ قواءِ حیوانیہ شہوانیہ سات عاداتِ رحمانیہ ورحیمیہ سکینیہ پر قحطِ مجاہدات کے زمانے میں غلبہ پالیں گی اور عاداتِ سکینیہ۔ قناعت۔ سخاوت۔ عفت و پاکدامنی۔ شفقت۔ حلم۔ تواضع۔ علم وبصیرت علاقاءِ قالب میں قحط الرجال کے زمانے میں مغلوب رہیں گی۔ جسدِ انسانی میں چار نفس ہیں اور چاروں ہی ترجمانِ قالب ہیں ۱ نفس امارہ ترجمان شیطان مخبر ابلیس ہے ۲ نفس مطمئنہ ترجمانِ عرش، جبروت مخبر فرشِ ناسوت ہے ۳ نفسِ لوامہ حواسِ خمسہ ظاہری اور حواسِ خمسہ باطنی کے درمیان ترجمان ومخبر ہے ۴ نفسِ ملہم قلب وفکر کے درمیان ترجمان ہے۔ نفسِ ملہم ہی ملکوتِ روحانی میں پروازِ جاودانی اور سیرِ جنانی کرتا ہے۔ مشاہداتِ قلب سے بہرہ مند ہوکر قوتِ فکر کی طرف لوٹتا ہے یہی نفس فکرِ مبہوت اور قلبِ ملکوت کے درمیان عظیم رابطہ ہے اور دل کی زبان سمجھتا ہے۔ لسانِ خیال اور لغاتِ فکر سے واقف ہے۔ قلبِ لاھوتی بذریعہ نفسِ ملہم فکرِ مبہوتی کو مشورہ دیتا ہے کہ اشارۂ خفیہ پر عمل اس طرح کرو کہ لطائفِ قدس کے ھفت اقلیم میں بشریت کی سات صفات کی تربیت کے لئے وارداتِ احوال کے سات زمانوں میں مجاہداتِ ذکر اللہ سے زمینِ معرفت میں حصولِ انوار کی کھیتی باڑی کرو اور اخلاقِ حمیدہ سے جو کچھ کشتِ اعمال میں جمع پاؤ تم اس کو خزانۂ ولایتِ کبریٰ میں جمع کر رکھو بجز ان اعمالِ شریعت کے جن کو چھپانا گناہ ہے صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں شریعت غذا ہے جس کے بغیر گذارہ نہیں اس کو بازارِ طلب میں کھلی دکانوں پر بیچو تاکہ ہر طالب کو ہر موسم میں ملے۔ اور طریقت لذتِ عشق کے پھل ہیں جو صرف ایمانی صحت مندوں کو دیئے جاتے ہیں اور صرف زمانۂ موسم میں ملتے ہیں موسم کے بعد چھپالئے جاتے ہیں کیونکہ باسی اور خراب ہونے کا خطرۂ شیطانی ہر وقت لگا ہوا ہے جس طرح بے موسمی پھل کھلانا مضرِ صحت ہیں اسی طرح نااہل کو طریقت کے راز سمجھانا اور شریعت کے بغیر گلستانِ طریقت میں آنا محرومی کا باعث ہے جو شریعت سے دور ہے وہ نااہلِ طریقت ہے طریقت کے پھل ایمان کی پھلیوں میں رکھنا ہی اہلِ سعادت کا عمل صالح ہے ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تُحْصِنُونَ ۝ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ۝ اس مجاہدۂ ھفت اقلیم کے بعد قحطِ حجاب کے ابتلاؤ امتحان کے سات ایسے سخت قبضِ فیض آتے ہیں کہ اگر صاحبِ ولایتِ عظمیٰ نے پہلے سے مجاہدات کے

خزانے جمع نہ کئے ہوں تو وادیٔ حیرت کے سُراب خشک کی تشنگیٔ محبت سے ہلاک ہو جاتے کیونکہ عاشقِ صادق کی بھوک پیاس محض غذاءِ وصل اور لقاءِ معبود ہے جسم کی خوراک غذاءِ رزق ہے روح کی غذا ملاقاتِ محبوب ہے یہ ابتلاءِ عشق کے سات سال ذاتِ وحدت کے سوا سب کو فنا کر دیتے ہیں اس لئے کہ عشق ایسی آگ ہے جو ماسوا اللہ کو جلا کر فنا فی اللہ کر دیتی ہے یہ عشق ہی ہے جس کے ہر شعلے سے لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا ھُوَ کی صدا سنائی دیتی ہے۔ اس ہفت رنگ دریاءِ وحدۃ الوجود کے فنا سے گزرنے کے بعد پھر وارداتِ احوال کا ایک سال ایسا آتے گا کہ حدِ بلاغت قریب ہو گی اور آئینۂ قلب میں نورِ عقل کی بارشیں ہوں گی اور بھولے بھٹکے انسان اِلہامِ حق کے گچھے چنیں گے اور صفاتِ بشریت کے سات سال کی نحوست زائل ہو گی اعضاءِ جوارح عالَمِ اجساد کے چمن سے روحانیت کے انگوروں کی قوتِ لطف سے محبت کی شراب نچوڑیں گے جس کے پینے سے سالکِ معرفت کو منزلِ جذباتِ عنایات مل جاتے گی معاملاتِ شریعت میں بندۂ اسرار کو لذتِ دائمی نصیب ہو گی۔ انانیت کے پردے دور ہوں گے۔ یہی حقیقی کامیابی ہے۔ اطمینانِ روحانی اور امنِ بسط کے نفس و نفوس کو نفع ہوں گے اس طرح کہ کوئی مریدِ شیخ ہوتا ہے اور کوئی مراد بن جاتا ہے جو اہلِ عمل ہیں وہ جنت کے مشتاق اور جو شرابِ عشق نچوڑتے ہیں جنت اُن کی مشتاق ہو جاتی ہے۔ طالبِ محبت کو پہلے فراقِ یار کے سات روزے رکھنے پڑتے ہیں تاکہ قالب سے بیماریٔ گناہ نکل جاتے یہ روزے بڑے کٹھن ہیں۔ لیکن صیامِ لذّات کے بعد ایک گھڑی عیدِ وصل ہے۔ بغیر روزے کے عید نہیں ملا کرتی۔ ریاکار کو آتشِ فراق ہے مخلص کو عیدِ مراد ہے۔ کیونکہ جب سینکڑوں مصیبتوں مشقتوں کے بغیر مخلوق نہیں ملتی تو خالق کا وصل بغیر محنتِ کثیر کس طرح مل سکتا ہے۔ لہٰذا اے طالبانِ حق طلبِ مولیٰ میں اتنی محنت کرو کہ عیدِ حقیقی کے نو صفات نصیب ہو جائیں ۱۔ ملاحت ۲۔ فصاحت ۳۔ صباحت ۴۔ شجاعت ۵۔ مروت ۶۔ قوت ۷۔ دیانت ۸۔ حفاظت ۹۔ امانت یہ قلبِ ربّانی کی نو منزلیں جس کو طے کرنا طالبِ حق پر فرض ہے۔ اِس لئے کہ طالبِ مولیٰ امینِ قلبِ موحِّد ہے اور توحید کا بوجھ سب سے زیادہ ہے۔ بدنصیب وہ جو اس امانت میں خیانت کرے۔ وصلِ ملاقات میں اسی کی باز پُرس ہو گی کہ اے بندے تو نے کس کی محبت کی اور کس کی دشمنی۔ کس کی مانی کس کی توڑی۔ کس کی عزت کی کس کی چھوڑی۔ وہ وقت ریاکاروں کی شرم و ندامت کا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس شرم ندامت سے بچائے۔ (روح البیان۔ عرائس۔ ابن عربی)

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ

اور بولا بادشاہ سے آؤ پاس میرے کو اس پس جب آیا ان کے پاس قاصد
اور بادشاہ بولا کہ انہیں میرے پاس لے آؤ تو جب اس کے پاس ایلچی آیا کہا اپنے رب

قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْــَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ

فرمایا جا لوٹ جا طرف مربی کے اپنے تو پوچھ اس سے کیا کیفیت ہے عورتوں کی

(بادشاہ) کے پاس پلٹ جا پھر اس سے پوچھ کیا حال ہے ان عورتوں کا جنہوں نے

قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ

جنہوں نے کاٹ لیے تھے ہاتھ اپنے بیشک رب میرا کو مکر ان کے خوب جاننے

اپنے ہاتھ کاٹے تھے بیشک میرا رب ان کا فریب جانتا ہے بادشاہ نے کہا

مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ

والا ہے بولا بادشاہ کیا معاملہ تھا تم عورتوں کا جب ورغلایا تم نے یوسف کو بارے

اے عورتو تمہارا کیا کام تھا جب تم نے یوسف کا جی لبھانا چاہا بولیں اللہ کو پاکی

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ

دل اس کے سب بولیں شان ہیں لیئے اللہ کے نہیں جانا ہم نے پر ان کچھ

ہے ہم نے ان میں کوئی بدی نہ پائی

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْــٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ز

برائی بولی بیوی عزیز کی اب کھل گیا بھید کر میں نے ورغلایا ان کو بارے

عزیز کی عورت بولی اب اصلی بات کھل گئی

اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۵۱﴾

میں دل ان کے اور یہ کہ بیشک وہ البتہ سچائی والوں سے ہیں

میں نے ان کا جی لبھانا چاہا تھا اور وہ بے شک سچے ہیں

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ

فرمایا وہ تحقیق اس لیئے ہے کہ وہ جان لے بیشک میں نے نہ خیانت کی اس کی میں غیر موجودگی

یوسف نے کہا یہ میں نے اس لیئے کیا کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس کی

لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

بے شک اللہ نہیں راہ دیتا مکر کو خیانت کرنے والوں کے

خیانت نہ کی اور اللہ دغا بازوں کا مکر نہیں چلنے دیتا

تعلق

ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں تعبیر بتانے کا ذکر تھا اب یہاں بادشاہ مصر کی حیرانی اور خوشی کا ذکر ہے دوسرا تعلق پچھلی آیات میں دوسرے قیدی کے بھولنے اور پھر آپ کے کئی سال تک قید میں رہنے کا ذکر ہوا اب یہاں حضرت یوسف کے صبر حلم اور کمال جرأت مندی اور باوقار طبیعت کا ذکر ہے کہ اب بھی بادشاہ کے پاس جانے قید سے نکلنے میں جلدی نہیں کرتے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیات میں بادشاہ کا مطلب حل کرنے کا ذکر تھا اب یہاں اپنا مسئلہ حل کرانے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر نحوی

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ واو سر جملہ قَالَ فعل ماضی اس کا فاعل اسم ظاہر الملکُ الف لام تخصیصی اِئْتُوْ فعل امر بصیغہ جمع مذکر حاضر اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنی بلانا متعدی ہے۔ نون وقایہ یاءِ متکلم مفعول ہے اِئْتُوْ فعل امر کا باء جارہ مفعولیت کا ہٖ ضمیر واحد مجرور متصل کا مرجع یوسف علیہ السلام ہیں۔ یہ جملہ مقولہ ہے قول کا فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ فاء تعقیبیہ لَمَّا ظرفیہ زمانی ہے جَآءَ فعل ماضی مَجِیْئٌ سے بنا اجوف یائی مہموز لام بمعنی آنا۔ پہنچنا۔ لانا ۔لے کر آنا یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ ہٗ ضمیر مفعول فیہ ظرف مکانی دراصل تھا عِنْدَهٗ الرَّسُوْلُ الف لام عہدی ہے رَسُوْلٌ بروزن فعول اسم مفعول کے معنی میں ہے یعنی بھیجا ہوا اصطلاح میں قاصد کو کہتے ہیں۔ رُسُلٌ سے بنا بمعنی بھیجنا۔ قال فعل کا فاعل یوسف ہیں۔ ارجع فعل امر واحد مذکر حاضر رُجُوْعٌ سے بنا بمعنی لوٹنا اِلٰى جارہ انتہاءِ غایت کے لئے ہے رَبِّ مجرور مُضَافًا بمعنی مُرَبِّی سردار یعنی شاہِ مصر كَ ضمیر مخاطب کا مرجع رسول ہے۔ فاء عاطفہ بمعنی ثُمَّ اِسْئَلْ فعل امر باب فتح سے واحد حاضر کا صیغہ سُؤْلٌ سے بنا بمعنی پوچھنا مَا استفہامیہ یعنی حرف سوال بمعنی کیا۔ بَالُ کا ترجمہ لغوی ۔شان ۔حال اہمیت کے لئے بولا جاتا ہے بَالُ اسم جامد ہے مضاف ہے النِّسْوَةِ۔ الف لام عہد خارجی ہے نِسْوَةٌ لفظاً جمع ہے۔ اَلّٰتِيْ اسم موصولہ جمع مؤنث قَطَّعْنَ فعل ماضی باب تفعیل ہے بصیغۂ جمع مؤنث غائب اس کا فاعل هُنَّ ضمیر جمع غائب اَيْدِيَ جمع ہے يَدٌ کی معنی

ہاتھ اصطلاحًا وشرعًا کندھے تک ہاتھ کو کہتے ہیں یہاں مراد انگلیاں ہیں۔ ھِنَّ ضمیر کا مرجع اَلنِّسْوَۃُ ہے۔ اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِھِنَّ عَلِیْمٌ اِنَّ حرف یقینی رب اسم اِنَّ بمعنٰی مُرَبِّیٓ تب عزیز مصر مراد ہے یا بمعنٰی رب تعالٰی تب اللہ تعالٰی مراد ہے باز ائدہ۔ کید بمعنٰی مکر۔ یا ارادہ۔ سازش مکروہ ہے جس میں اپنا فائدہ مطلوب ہو دوسرے کا نقصان ہو یا نہ ہو سازِش وہ ہے جس میں دوسرے کا نقصان مقصود ہو اپنا فائدہ ہو یا نہ ہو۔ ارادہ عام ہے ہر دو کو یہاں کید بمعنٰی مکر ہے۔ بحالتِ جر ہے۔ مضاف ہے ھِنَّ کی طرف ضمیر جمع مونث غائب کا مرجع نِسْوَۃٌ ہے۔ عَلِیْمٌ مبالغہ کا صیغہ بمعنٰی اسم فاعل یعنی خوب اچھی طرح جاننے والا قَالَ مَاخَطْبُکُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِہٖ ۔ قال ماضی کا قائل شاہِ مصر ہے۔ مَا استفہامیہ خَطْبٌ اسم ہے بمعنٰی فعل تین معنٰی میں مستعمل ہے ۱ بات کلام۔ اسی سے خطبہ ۲ چیز ۳ معاملہ خواہ مال ہو بدنی ہو یا کلامی یہاں مراد کلامی اس میں مبالغہ بھی ہو جاتا ہے یعنی خوب زیادہ باتیں۔ یہاں یہ ہی مراد ہیں۔ کُنَّ ضمیر جمع مونث حاضر کا مرجع زلیخا اور اس کی سب دعوت والی سہیلیاں مراد ہیں اِذْ اسم ظرفی ہے یہ مکمل اس طرح ہوتا ہے حِیْنَ اِذٍ یعنی جس وقت تخفیف کے لئے حِیْنَ حذف کیا گیا رَاوَدْتُّنَّ فعل ماضی مطلق معروف بصیغہ جمع مونث حاضر بمعنٰی مائل کیا یُوْسُفَ مفعول بہ ہے۔ عَنْ جارہ بمعنٰی مِنْ نفس بمعنٰی شخصیت مؤنث لفظی ہے اس کی جمع اَنْفُسٌ بھی ہے نفوس۔ نفس بمعنٰی شخص کی جمع نفوس۔ اور معانی میں جمع انفس ہوتی ہے ہٖ ضمیر کا مرجع یوسف ہیں قُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْہِ مِنْ سُوْٓءٍ۔ قُلْنَ عورتوں کا جوابی قول ہے فعل ماضی۔ حاشا یہ جملہ مقولہ چونکہ حروف استثناء استعمالاً مختلف ہیں۔ اِلَّا افرادی استثناء ہے خَلَا استثناءِ مکانی کے لئے۔ عَدَا عمومًا استثناءِ نوعی کے لئے۔ مگر حاشا کُلّی استثناء کے لئے ہوتا ہے حروفِ استثناء کا کام مستثنٰی دور کرنا۔ بدیں وجہ حاشا اَوَّلاً حرفِ استثناء تھا۔ پھر منتقل کر کے اسم تنزیہی بنایا گیا اور بمعنٰی اسم فعل حاشا ماضی کے معنٰی میں یعنی ہر عیب سے پاکی ہے۔ لِلّٰہِ لام جارہ ملکیت کا یا وصفیت کا۔ لفظِ اللہ مجرور اس کا استعمال بطورِ قسم بھی ہوتا ہے بطورِ تعجب بھی۔ مَا عَلِمْنَا فعل ماضی منفی بصیغہ جمع مونث متکلم۔ علٰی جارہ بمعنٰی فِیْ ظرفیہ ہٖ ضمیر کا مرجع یوسف مِنْ جارہ بیانیہ سُوْٓءٍ بمعنٰی برائی۔ جو ہر گناہ صغیرہ کبیرہ وخطا کو شامل ہوتا ہے قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّہٗ عَنْ نَّفْسِہٖ وَاِنَّہٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۔ قَالَتْ فعل ماضی کا فاعل اِمْرَءَتْ ہے مضاف ہے۔ العزیز کی طرف یعنی زلیخا۔ اَلْئٰنَ اسم ظرفی زمانی مبنی یہ جملہ مقولہ ہے قول کا۔ حَصْحَصَ مضاعف رباعی ہے۔ حَصْحَصَۃٌ سے بنا بمعنٰی ۱ کاٹنا ۲ علیحدہ کرنا۔ چھانٹنا۔ اسی سے ہے حصہ حِصْحِصَۃٌ مخفف کر کے حصہ بنا دیا۔ مراد چھانٹا ہوا جز کُل میں۔ یہاں مراد ہے صاف نکھر گیا ظاہر ہو گیا فعل ماضی ہے اس کا فاعل اَلْحَقُّ ہے الف لام عہد ذہنی۔ اَنَا ضمیر مرفوع منفصل واحد متکلم مبتدا ہے یہ جملہ اسمیہ بیان ہے سابقہ جملہ حَصْحَصَ کا۔ رَاوَدْتُّ ماضی متکلم واحد مونث متکلم مراد زلیخا ہے ہٗ ضمیر کا مرجع یوسف عَنْ جارہ بمعنٰی مِنْ نَفْسٍ بحالت جر بمعنٰی شخص ہٖ کا مرجع یوسف واؤ حالیہ اِنَّ حرف تحقیق ہٗ اسم اِنَّ لام کی مِنْ بعضیت کا الصّٰدِقِیْنَ جمع ہے صادق کی بمعنٰی پاک

بار ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْہُ بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ اسم اشارہ بعیدی مشار الیہ عورتوں کی باتیں اور صفائی بیان کرنا ہے۔ یہ تمام عبارت مقولہ ہے پوشیدہ قول کا حضرت یوسف کا قَالَ پوشیدہ جملہ ہے لِیَعْلَمَ لام تاکیدی یَعْلَمَ فعل مضارع ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل اس کا مرجع یا عزیزِ مصر ہے یا شاہِ مصر اِنَّ حرف تحقیق یاءِ متکلم اسم اِنَّ یہ مفعول بہ ہے لِیَعْلَمَ کا لَمْ اَخُنْ نفی جحد بَلَمْ۔ بصیغۂ واحد متکلم خَوْنٌ سے خَیْنٌ سے بنا بمعنٰی دھوکہ دینا اس کو جس نے اعتبار کیا ہو ۲؎ خیانت کرنا امانت میں ۳؎ عہد شکنی کرنا وعدہ کر کے ۴؎ دغا بازی کرنا اس سے جس نے نفع دیا ہو۔ یہاں پہلے اور آخری معنٰی مناسب ہیں۔ ہٗ ضمیر کا مرجع یا عزیزِ مصر یا شاہِ مصر بالغیب باءِ جارہ بمعنٰی فی ظرفیہ ملابست کی ہے تب لفظِ غیب حال ہے اَخُنْ کے فاعل کا یا مفعول بہ کا۔ یا یہ باءِ جارہ ظرفیہ کی ہے تب لفظ غیب ظرف ہے فعل کا واؤ عاطفہ اَنَّ درمیان کلام ہے اس لئے زبر والا ہوا۔ حرف تحقیق لفظ اللہ اس کا اسم ہے۔ لَا یَھْدِیْ مضارع منفی بلا معنٰی حال۔ ھُدٰیٌ سے بنا بمعنٰی درست راستہ پر لے جانا یا پہنچانا۔ یہاں ہدایت کے مجازی معنٰی مراد ہیں یعنی مطلقًا چلانا کیونکہ مفعول بہ کَیْدَ بمعنٰی مکر ہے۔ اس کے لئے سچا راستہ نہیں ہوتا اَلْخَآئِنِیْنَ الف لام استغراقی ہے۔ خَآئِنِیْنَ جمع ہے خائن کی۔ مراد ہر قسم کا خائن ہے یا صرف دغا باز۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ الْمَلِکُ ائْتُوْنِیْ بِہٖ فَلَمَّا جَآءَہُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَسْئَلْہُ مَا بَالُ النِّسْوَۃِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَھُنَّ اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِھِنَّ عَلِیْمٌ۝ ساقی یہ تعبیر اور نصیحتیں اور خوشخبریاں سن کر دوڑا آیا دربار میں وہاں وہ سب لوگ جمع تھے نجومی کاھن بادشاہ وزراء اُمراء عزیز وغیرہ ساقی نے بڑے اچھے انداز سے سب تقریر کو مکمل طریقے سے سنا دیا سب لوگ حیران و متعجب ہوئے کہ اتنا بڑا عالم فاضل دانشور ہماری قید میں پڑا ہے۔ اور ہمیں خبر نہیں پھر سوچا کہ اتنے سخت آنے والے زمانے کا ہم مقابلہ نہیں کر سکتے لہٰذا ایسے عقل والے انسان کی اور اس کے عظیم مشوروں کی امورِ سلطنت کے لئے سخت ضرورت ہے۔ تب بادشاہ نے اسی ساقی سے کہا کہ جاؤ یہ پروانہ لے جاؤ اور لے آؤ میرے پاس اس بزرگ کو اِئْتُوا فعل امر جمع کا صیغہ ہے جس سے ثابت ہوا کہ اس تعبیر سے بادشاہ اتنا متاثر ہوا کہ پہلے تو صرف ساقی کو تعبیر پوچھنے کے لئے بھیجا تھا مگر اب ساقی کے ساتھ اور معززین کو بھی بھیجا کہ نہایت عزت سے اس کو لے کر آؤ۔ اس جلوس کا سالار وہی ساقی تھا کیونکہ اسی کو معلوم تھا کہ یوسف کہاں ہیں۔ جمع صیغہ لانے کا اور کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔ بادشاہ کو آپ کے علم اور فضل سے آپ کے اعمال کا پتہ چل گیا اس لئے یہ عزت کی۔ پس جبکہ آیا وہ قاصد اس کے پاس۔ اس گمان سے جلدی جلدی آپ کے پاس آیا کہ آپ فورًا تیار ہو جائیں گے۔ آتے ہی کہتا ہے مبارک ہو تم کو بادشاہ نے بلایا ہے۔ ہمیشہ دنیا دار اس بات پر بڑا فخر کرتے ہیں کہ ان کو کوئی وزیر یا افسر بلالے جامے میں پھولے نہیں سماتے اور ایسے دنیا پرستوں کا یہی نظریہ ہوتا ہے کہ شاید یہی سب سے بڑی خوش نصیبی ہے اسی نظریے کے تحت قاصد نے بڑے فخر سے کہا کہ اَجِبِ الْمَلِکَ بادشاہ کا بلاوا قبول فرمائیے۔ آپ نے اس کی گفتگو اور

پیغام سن کر کچھ خوشی کا اظہار نہ فرمایا۔ اور نہ ہی آپ جانے کے لئے تیار ہوتے قاصد بڑا حیران ہوا کہ اتنی بڑی خوشخبری سن کر بھی آپ متاثر نہ ہوتے اسے کیا معلوم تھا کہ نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے۔ آپ نے نہایت بردباری تحمل اور اطمینان سے جواب دیا۔ جا واپس لوٹ جا اپنے مربی بادشاہ کی طرف کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں جیل سے گھبرا کر ایسے ہی ایک پیغام پر چلا جاؤں گا یا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں نے جو تجھ سے اپنے تذکرے کے متعلق پہلے کہا تھا وہ جیل سے گھبرا کر کہا تھا یا میں فقط جیل سے آزاد ہونے کا خواہش مند ہوں۔ ہرگز نہیں بلکہ میں تو اس وقت بھی اب بھی یہ چاہتا ہوں کہ فَسْئَلْهُ بادشاہ سے پوچھ کہ پہلے یہ تفتیش کرلے کہ مَا بَالُ النِّسْوَةِ ان عورتوں کا حال کیا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔ شاہِ مصر شاید عورتوں کے مکر سے ناواقف ہوا درحقیقت حال کو نہ جانتا ہو مگر میرا رب تعالیٰ بے شک ان عورتوں کے مکر کو بخوبی جانتا ہے۔ مفسرین نے فرمایا کہ حضرت یوسف نے یہ نہ فرمایا کہ بادشاہ سے کہو کہ تفتیش کرے بلکہ صرف یہ کہا کہ اے ساقی اے قاصد تو جا کر پوچھ۔ یوسف علیہ السلام کے اس طرح کہنے کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ تفتیش کا کہنے سے بادشاہ کی کسرشان تھی اور شاید وہ اس سے برا مناکر بالکل اس طرف توجہ نہ دیتا۔ دوسری وجہ یہ کہ آپ جانتے تھے کہ بادشاہ کو سب کچھ معلوم ہے۔ کیونکہ شہر کے لوگ واقف ہوگئے تو بادشاہ کے کانوں تک یہ بات کیونکر نہ پہنچی ہوگی۔ مگر اب بادشاہ کو یاد دلاؤ تاکہ بادشاہ کو پتہ لگے کہ جو شخص بارہ سال سے ایک ہی مقدمے میں جیل کاٹ رہا ہے اب باہر کیوں نہیں آتا شخص اس لئے کہ وہ بیگناہ اور مظلوم ہے اپنی بے گناہی کو ملک والوں پر ثابت کرنا چاہتا ہے۔ تفتیش کا مقابلہ یا یاد دہانی کا تذکرہ مجرم نہیں کرسکتا۔ وہ تو واقعے کا بھولنا زیادہ پسند کرتا ہے۔ اس کو تفتیش میں خطرہ ہوتا ہے۔ حضرت یوسف نے عورتوں کا نام لیا مگر زلیخا کا نام نہ لیا ہمارے مفسر کہتے ہیں کہ زلیخا کے ادب و احترام کے لئے۔ میں کہتا ہوں یہ غلط ہے۔ کیونکہ زلیخا اس وقت تک کافرہ بھی تھی اور راودہ اور فاسقہ بھی مجرمہ بھی اور نبی کی شان کے لائق نہیں کہ کافر کا احترام و ادب کریں۔ صرف اس لئے نام نہ لیا کہ یہاں تفتیش میں گواہیوں کی ضرورت تھی زلیخا تو اب مدعیٰ علیہ ہوگی۔ اس کو تو خود ہی حاضر ہونا پڑے گا۔ پوچھا تو عورتوں سے جائے گا کہ تم نے یوسف کو کیسا پایا۔ جب عورتیں ہی حق گواہی دے دیں گی تو زلیخا خود کاذبہ ثابت ہو جائے گی۔ یا اس لئے نام نہ لیا کہ زلیخا اب بھی وارفتہ محبت ہے جیسا کہ جیل میں اطلاعیں ملتی رہتی تھیں جس کا دماغ وارفتہ ہوچکا ہو اس نے کیا ٹھیک بات کرنی ہے۔ اِنَّ رَبِّیْ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ ربّ سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور یہی صحیح ہے دوسرا یہ کہ ربّ سے مراد عزیز مصر ہے کیونکہ اس کو پہلے بھی آپ نے رب کہا ہے۔ مگر لفظِ عَلِیْمٌ سے پتہ لگ رہا ہے کہ یہ دوسرا قول غلط ہے۔ آپ کے اس قول سے آپ کا صبر آپ کا تحمل بردباری خودداری کرم عقل۔ فہم و فراست اور ثابت قدمی بدرجۂ کمال ثابت ہوئی۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ انکسار یوسف علیہ السلام کی عزت بڑھانے کے لئے فرمایا کہ مجھ کو یوسف علیہ السلام کے صبر پر تعجب ہے کہ اتنے سال جیل کاٹ کر بھی نکلنے میں جلد بازی نہیں کرتے اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو نکلنے میں جلدی کرتا بلکہ خواب کی تعبیر بھی اس شرط پر دیتا کہ مجھ کو جیل

سے نکالو۔ یہ محض انکسار اور عزت افزائی ہے جیسے استاد شاگرد کے متعلق کہے کہ وہ تو مجھ سے بھی زیادہ سمجھدار ہے۔ اسی طرح نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیاء کرام کی اقوام عالم کے سامنے عزت افزائی فرمائی قاصد نے واپس جاکر اسی طرح سب کچھ سنا دیا بادشاہ جو پہلے ہی آپ سے متاثر ہو چکا تھا۔ اس تحمل بر داشت خودداری کو سن کر اور بھی متاثر و مرعوب ہوا۔ فوراً ان تمام عورتوں کو بلایا۔ جب آگئیں تب قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ۔ کہا بادشاہ نے اے عورتو تمہارا کیا بیان ہے عدالت کے سامنے اس وقت کے بارے میں جب تم نے زلیخا کے کہنے پر یوسف کو بہلانے پھسلانے کا جال پھیلانا چاہا تھا اُس کے قلب کے بارے یعنی دل میں وسوسہ ڈالنا چاہا تھا کیا تم نے یوسف میں کچھ میلان یا نرمی یا بگاڑ محسوس کیا تھا۔ یک زبان سب بولیں پاک ہے اللہ یا قسم خدا کی قطعاً محسوس نہ کیا ہم نے یوسف پر ذرّہ برائی کا۔ زلیخا وہیں خود آگئی تھی یا اُس کو بھی بلا لیا گیا۔ بہر حال وہ وہاں موجود تھی یا سامنے یا پس پردہ پہلے تو سنتی رہی کہ عدالت کے سامنے یہ عورتیں کیا بیان دیتی ہیں جب سن لیا کہ یہ تو سب میرے خلاف بیان دے گئیں اور اُن کی گواہی مضبوط ہے اُن کی گواہی پر ہی فیصلہ ہو گا اور امید بھی یہی تھی تب سامنے آکر بولی کیونکہ ڈر گئی تھی کہ اب اگر سچی بات نہ کی تو بڑی بے عزتی ہو گی اور ایک وجہ سچ بولنے کی یہ تھی کہ پہلے بھی وہ اقرار کر چکی تھی عورتوں کے سامنے اپنے جرم کا اور حضرت یوسف کی پاکدامنی کا یا اس لئے سچ بولا کہ یوسف کو وہ جھوٹا نہ کر سکتی تھی لہٰذا قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ بولی عزیز مصر کی بیوی کہ الآن یعنی اب جس طرح لفظ حین مطلق وقت کو کہتے ہیں اسی طرح اَلْآن موجودہ حالیہ اور مختصر وقت کو کہتے ہیں۔ اس وقت ظاہر ہو گیا یا ممتاز ہو گیا یا نکھر گیا یا علیحدہ حصہ ہو گیا حق کا۔ بہت سے حق داروں کا حصہ جب تک مخلوط ہے پتہ نہیں لگتا کس کا کتنا اور کون سا حصہ ہے علیحدگی سے پتہ لگتا ایسی طرح حق و باطل مخلوط ہیں تو پتہ نہیں لگتا کون حق ہے کون باطل عورتوں کی گواہی سے دونوں علیحدہ ہو گئے یعنی باطن میں تو زلیخا اور عورتوں کو پہلے ہی پتہ تھا کہ حق کون ہے باطل کون مگر سب کے سامنے اب ایسا ظاہر ہوا ہے کہ چھپایا نہیں جا سکتا اس لئے میں بھی اقرار کرتی ہوں کہ اَنَا رَاوَدتُّہٗ میں نے اس یوسف کو اس کے دل سے پھسلایا تھا اور بے شک یہ یوسف البتہ سچوں میں سے ہے۔ کہ اس نے اس وقت بھی سچ بولا تھا جب کہا تھا رَاوَدَتْنِی اور اس کے بعد بھی ہر موقعے پر سچ ہی سنا گیا۔ اور یہ تفتیش بھی اُسی کے مطالبے پر ہوئی ہے جس نے اس کی سچائی پر قوی دلیل دی۔ اس میں تین قول ہیں کہ اس وقت یوسف علیہ السلام کہاں اور یہ کلام کہاں ہوا۔ یوسف علیہ السلام جیل میں تھے اور کلام بھی جیل میں ہوا بادشاہ نے اپنی کچہری وہیں لگا کر عورتوں کو وہیں بلا لیا تھا مگر یہ ضعیف ہے عقل میں نہیں آتا۔ دوسرا یہ کہ دربار شاہی میں یوسف علیہ السلام آگئے تھے اور ان کے سامنے یہ سب کچھ کلام ہوا تیسرا قول یہ کہ دربار میں سب کلام ہوا مگر یوسف کو یہ کلام سن کر بعد میں بلایا گیا عورتیں ابھی موجود تھیں بادشاہ نے یہ سارے بیان سن کر جیل میں پیغام بھیجا کہ اے یوسف سب عورتوں سے تفتیش کرا لی گئی ہے۔ سب عورتوں اور زلیخا

زلیخا نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا ہے اب آؤ تاکہ تمہارے سامنے سزا سنائی جائے۔ تب حضرت یوسف دربار میں تشریف لائے اس طرح کہ بادشاہ کا بھیجا ہوا شاہی لباس زیب تن تھا ہزاروں کا جلوس پیادہ اور گھوڑ سوار ساتھ تھا۔ خود بادشاہ کے خاص گھوڑے پر سوار تھے مگر شکر الٰہی میں نگاہیں نیچی تشکر کے آنسو رواں ہیں۔ اس وقت عزت و توقیر اور فاتحانہ شان میں آپ کو وہ وقت یاد آیا جب اسی شہر میں بیڑیاں پہنے غلامانہ حیثیت سے اون کے پھٹے لباس کے ساتھ آپ داخل ہوتے تھے اللہ اکبر واہ میرے مولیٰ تیری کبریائی کے قربان اپنے نبیوں کو کتنی عزت عطا فرماتا ہے اور تیرے دربار میں انبیاء کرام کی کتنی عظمت ہے۔ جب محل کے دربار میں داخل ہوئے تو سارا دربار بصد ادب اُٹھ کھڑا ہوا خود بادشاہ بھی جس نے پہلی دفعہ یوسف کو دیکھا تھا اور جو کبھی کسی کے لئے نہ اُٹھا تھا آج جلالِ یوسفی کی تاب نہ لاکر اپنے مُلک کے سارے خزانے قدمِ یوسف پر قربان کرنے کے لئے وہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور تخت کی سیڑھیوں سے نیچے اُتر کر حضرت یوسف کو تخت پر اپنے ساتھ بٹھایا۔ اور بڑی محبت سے درخواست کی کہ مجرم حاضر ہیں جو چاہو سزا دلواؤ عورتیں کانپ رہی ہیں زلیخا گھبرا رہی ہے درباری دیکھ رہے ہیں بادشاہ منتظر ہے آج سب کی نگاہیں چہرہ یوسف کو دیکھ رہی ہیں جنبشِ لب کے انتظار میں عدالت کا قلم رُکا ہوا ہے حضرت یوسف نے کھڑے ہو کر پاکیزہ الفاظ میں فرمایا میں نے اپنے سب مجرموں کو معاف کیا۔ دربار میں نعرہ تحسین بلند ہوا اور تعجب سے بادشاہ نے یوسف کو دیکھا کہ ایسا حوصلہ مند انسان کبھی نہیں دیکھا واقعی عورتوں نے صحیح کہا تھا۔ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ بادشاہ کی حیرانی کو محسوس کرتے ہوئے فرمایا ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآىٕنِیْنَ ۝ ذٰلِکَ تو وہ تفتیش کا مطالبہ جو قاصد کو واپس کر کے کیا تھا میں نے اس لئے نہ کیا تھا کہ کسی کو سزا دلوائی جائے۔ بلکہ میرا مقصد یہ تھا کہ تاکہ یہ بادشاہِ مصر یا عزیز مصر جان لے بیشک میں نے اس عزیز مصر کی امانت زلیخا بیوی اس کی غیر موجودگی میں خیانت نہیں کی ہے۔ یَعْلَمَ کے فاعل میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کا فاعل بادشاہ ہے دوسرا یہ کہ اس کا فاعل عزیز مصر ہے یہ دونوں مناسب ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا فاعل اللہ ہے (معانی) مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ پہلے آ چکا ہے۔ عَلِیْمٌ وہ سب جاننے والا ہے۔ لَمْ اَخُنْهُ کی ہُ ضمیر میں سب کہتے کہ اس کا مرجع عزیز ہے۔ یعنی بادشاہ جان لے کہ میں نے خیانت نہ کی اور یہ جان لے بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے جال اور فریب کو ہدایت کے راہ چلنے نہیں دیتا۔ اگر میں خائن ہوتا تو آج اس طرح بری نہ ہوتا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** اپنے حق اور اپنی عزت کے لئے عدالت میں مقدمہ کرنا جائز ہے دیکھو حضرت یوسف نے بادشاہ کے دربار میں عورتوں اور زلیخا پر ہتکِ عزت کا دعویٰ کیا ثابت ہوا کہ عزت بچانا فرض ہے خاص کر علماء اور مشائخ کے لئے کیونکہ وہ لوگوں کو ہدایت اور تبلیغ کرتے کے لئے ہیں یہ فائدہ اِلٰی رَبِّکَ سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** عدالت اور مفتی اور قاضی پر فرض ہے کہ مقدمہ کی تفتیش ضرور کرے فتویٰ بھی فی زمانہ بغیر چھان بین کے نہ دے اور دورانِ تفتیش صرف ان لوگوں سے پوچھے جو اس مقدمے سے متعلق ہو تاکہ

وقت بھی ضائع نہ ہو اور صحیح حالات کا پتہ لگ سکے اور گواہوں کو بھی لازم ہے کہ بغیر رورعایت سچی بات بتا دیں یہ فائدہ مَا بَالُ اور مَاخَطْبُکُنَّ اور قُلْنَ (الخ) سے حاصل ہوا دیکھو حضرت یوسف نے صرف عورتوں کا نام لیا بادشاہ نے بھی عورتوں کو بلایا اور عورتوں نے بغیر رورعایت سچا بیان سچی گواہی دے دی **تیسرا فائدہ** بعض بت پرست اللہ کو بھی ملنتے ہیں ان میں سے ہی مصر کے لوگ تھے یہ فائدہ حَاشَا لِلّٰہِ سے حاصل ہوا کہ انہوں نے سب کے سامنے اللہ کا ذکر کیا مگر کسی نے روکا ٹوکا نہیں۔ مگر رہے کافر ہی **چوتھا فائدہ** تقویٰ اور صبر اللہ کی بڑی نعمت ہے جس کو اللہ دے دے وہ خوش نصیب ہے صبر کڑوا لگتا ہے مگر اس کا پھل اس کا انجام بہت میٹھا ہوتا ہے یہ فائدہ اِئْتُوْنِیْ و ارْجِعْ سے اور ذَالِکَ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ حضرت یوسف کے تقوے اور صبر نے سب سلطنتِ مصر کو آپ کے مطیع کر دیا کہ بادشاہ بھی آپ کی خوشامد کر رہا ہے کہ حضور والا جیل سے باہر تشریف لے آئیے۔ اور سابقہ کوتاہیوں کو درگذر فرمائیے **پانچواں فائدہ** حضرت زلیخا اب نیک پاک مسلم صحابیہ اور زوجۂ یوسف ہیں ان کو برا نہ کہنا چاہیئے ایسے جوان کو برا کہتا یا لکھتا ہے وہ اپنے نامۂ اعمال سیاہ کرتا ہے اور گستاخانِ صحابہ و اہلِ بیت میں اپنا نام درج کراتا ہے کیونکہ زلیخا نے اپنے گناہ کی توبہ کر لی قرآن پاک نے اس کا اعلان فرما دیا توبہ کرنے والا بے گناہ کے درجہ میں ہوتا ہے۔ اقرارِ جرم کرنے والا توبہ کرنے والا ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑسکتے ہیں **پہلا اعتراض** حضرت یوسف نے کَیْدِھِنَّ کہہ کر کید کو عورتوں کی طرف کیوں نسبت کیا۔ اصل سب کام تو زلیخا کا تھا جواب یا اس لئے کہ عورتوں نے بھی ان ایام میں یوسف علیہ السلام کو بھلانا پھسلانا چاہا تھا۔ اپنے لئے یا زلیخا ہی کے لئے۔ یا اس لئے کہا کہ کسی چیز کے اہتمام کے لئے رواجی طور پر جمع کی ضمیر لگا دیتے ہیں مراد واحد ہی ہوتا ہے جس کی مثالیں پہلے گزریں۔ یہاں بھی مراد زلیخا ہے مگر کید کے اہتمام کے لئے ھُنَّ ضمیر جمع لائی گئیں یعنی وہ اتنا بڑا کید تھا گویا جمعت سولنے کیا۔ **دوسرا اعتراض** یوسف علیہ السلام نے ذَالِکَ سے اپنا کلام شروع کیا ذٰلِکَ دور کے اشارے کے لئے ہوتا ہے۔ حالانکہ تحقیق و تفتیش تو یہیں ہو رہی تھی **جواب** ...... اولاً اس لئے کہ آپ نے ذٰلِکَ سے اپنے اُس قول کی طرف اشارہ کیا جو قاصد کو اِرْجِعْ کہہ کر پہلے جیل ہی میں سنا چکے تھے یعنی میں نے قاصد کو اس لئے لوٹایا تھا اور یہ قول بعید ہوا تھا یا زمانے کے اعتبار سے یا مکان کے لحاظ سے اس لئے ذٰلِکَ بالکل درست ہے اور یا اس لئے کہ اب تفتیش بھی ہو چکی ہے جو کام ہو چکے وہ بعید ہو جاتا ہے **تیسرا اعتراض** لِیَعْلَمَ کی ضمیر فاعل بادشاہ کی لوٹتی ہے حالانکہ تسلّی تو عزیز کی کرانی تھی کیونکہ عیب اُس کی بیوی سے لگا تھا۔ آپ نے یہ کیوں کہا کہ بادشاہ جان لے۔ **جواب** عزیزِ مصر کو پہلے ہی تسلّی تھی اس نے بہت سی علامات اور خدائی گواہیاں پالی تھیں جس سے زلیخا کا جرم اور حضرت یوسف کی براءت ثابت ہو گئی چونکہ بادشاہ نے یہ جیل کروائی تھی اس لئے لِیَعْلَمَ کہا یعنی بادشاہ جان لے اور بادشاہ کو پتہ تھا کہ کون سی عورتیں اس میں ملوث ہیں سب سے خبردار تھا ورنہ جب عورتوں کا پھنسایا تھا تو فوراً بادشاہ نہ بلوا سکتا بلکہ پہلے پوچھتا کہ کون سی عورتیں۔ **چوتھا اعتراض** حضرت یوسف نے سزا کیوں نہ دلوائی اور سزا رکوا دی یہ عدالتی قانون میں

دخل اندازی ہے اپنے اثر ورسوخ سے عدالت کے قلم کو روکنا یہ خود جرم ہے جواب۔ یہ دعوئی ہتک عزت کا تھا جو خالصۃً حق العبد ہے اور عدالت خود اختیار دے رہی ہے لہٰذا سزا کروانا آپ کا اپنا حق تھا آپ نے انتہائی کرم کا ثبوت دیتے ہوئے معافی کا اعلان فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ۞ اور کہا شاہِ فکر نے نفسِ ملہم کو یوسف قلب کو میرے پاس بلا کر لا۔ پس جب قاصدِ فکر قلب ربانی کی بارگاہ میں آیا تو قلبِ منور نے کہا اپنے مربی باطنی کے پاس لوٹ جا بس پوچھ اس سے کہ ان فریبِ بشریت مکرِ نفسانیت دھوکۂ بہیمیت وسواسِ شیطانیت کے اب کیا خیالات ہیں جنہوں نے جمالِ قلب دیکھ کر سکینِ ذکر خنجرِ الفت سے ماسوا اللہ کے تعلق کی انگلیاں کاٹ لیں۔ اے نفسِ ملہم تیرا رب جس کو خود تو نے اپنا رب بنا لیا وہ تو حقیقتِ حال سے بے خبر و بے علم ہے اگرچہ فکرِ کثیر کا حامل ہے مگر حجاباتِ جہالت کا محجوب ہے۔ لیکن میرا رب جس کو میں نے رب کہا ہے اس دنیاءِ ذمیم کے مکر اور دامِ فریب کو جاننے والا ہے ازل سے ابد تک۔ اس خطبۂ قلبی کو سن کر نفسِ ملہم حیرت کرتا ہے اور حلمِ دل صبرِ قلب کو آفریں کہتا ہے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں تہمت گناہ ملامتِ دینی سے بچنا ہر مسلمان پر خصوصاً علماء اولیاء کو بچنا فرض ہے دنیوی جاہ وعظمت کی پرواہ نہ کرے ہاں دینی عزت کو نہ جانے دے اس لئے دینی جاہ مرتبے میں عیشِ اخروی دائمی ہے اور دنیوی عزت وجاہ میں آرام فانی و عارضی ہے۔ عارضی کے حصول میں دائمی کو فنا نہ کرے۔ فی زمانہ صوفیا کا ملامتی فرقہ عجیب حماقت میں ہے کہ دنیوی شان و شوکت پیری مریدی زیب و زینت پہ آنچ نہیں آنے دیتا۔ لیکن شریعت کے معاملے میں ہر طرح مخالفِ شریعت بن جاتا ہے۔ یہ طریقۂ ملامت نہیں بلکہ رذالتِ دینی ہے صحیح طریقہ یہ ہے کہ دنیوی مصیبتوں کو دین کی عزت کے لئے پسند کر دے یہی قلبِ ایمانی کا اٹل فیصلہ ہے۔ دنیوی عیش و آرام کو حمایتِ دین اور مصائب و ابتلاءِ ایمانی اور امتحانِ رحمانی کی کامیابی پر قربان کر دو یہی وہ درسِ یزدانی ہے جو قلبِ ربانی ہر نفسِ ملہم کو عطا فرماتا ہے تب نفسِ ملہم شاہِ فکر کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ مصرِ قالب کے شاہِ فکر نے قواءِ حیوانیہ اور قوتِ نفسانیہ سے کہا کیا جواب دعوئی ہے تمہارا ان واقعاتِ اسراریہ خفیہ کے بارے میں جب تم نے دنیا کا ورغلانا دیکھا تھا اور تم نے دنیاءِ مکر و فریب کے ساتھ مل کر قلب کو پھسلانا چاہا تھا۔ کیا تم نے قلبِ منور میں بھی کچھ میلانِ دنیا دیکھا تھا؟ قوتِ حیوانیہ و شہوانیہ نے کہا قسم ہے خالقِ قلب و جگر کی قلبِ نورانی میں ہم نے کوئی رذالت نہ دیکھی۔ وہ قواءِ نفسانیہ جن پر دنیاءِ رذیل کو بھروسہ اور حمایت کا اعتماد تھا انہوں نے تزکیۂ قلب سے متاثر ہو کر دنیا کی مخالفت اور قلب کی حمایت کی مگر قلبِ حلیم نے باوجود عداوتِ دنیا کے اور مصائب و آلامِ مکرِ دنیوی کے پھر بھی دنیا کی مخالفت نہ کی۔ یہی اہل اللہ کا طریقۂ حلم ہے۔ قلب کی منزلیں اور مقامِ جبروتی کمالِ لاہوتی اسی

دنیا کے طفیل ہے۔ اصل سعادت۔ مخلوقِ خدا کا دل نہیں دُکھاتے۔ اپنے جسم پر مصیبتوں کے پہاڑ برداشت کر لیتے ہیں اور کمالِ شہود پا کر شہنشاہیتِ قالب کے تخت پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ ان سب مدارجِ قلبیہ کا وسیلہ اور سبب دنیا و مصائبِ دنیا ہے۔ اس لئے اہلِ حق دنیا کی برائی نہیں کرتے بلکہ حیاتِ دنیا کو بھی غنیمت و نعمت سمجھ کر شکرِ رحمانی بجا لاتے ہیں۔ دنیاء ناسوت قلب کی اسی عزت افزائی اور قواءِ نفسانیہ کی مخالفت کی بنا پر اقرارِ جرم کر کے یوسفِ قلب کو ظلماتِ عقل اور جرائم فکر سے بری کر دیتی ہے۔ صفائیٔ قلب کا بیان دیتے ہوئے کہتی ہے کہ اب قدسیوں کی سچائی ظاہر ہو گئی میں نے ہی قلبِ پاکیزہ کو آلائشِ ابلیسیہ سے بہکانے پھسلانے کی کوشش کی تھی قلبِ مومن فوادِ اولیاء۔ دلِ اصفیا باطنِ عشاق تو ازل سے ہی سچوں میں سے ہے۔ میری استغفار ہی نامقبول تھی قلب کے اعمالِ صدق تو پہلے ہی رضاءِ الٰہی کے موافق تھے۔ اغراضِ ذمیمہ سے خالی اور صفاتِ نفسانیہ سے پاک تھے جب صدق میں کمال ہوتا ہے تو ذنب میں اعتراف آ جاتا ہے اور جب صدق میں اطمینان ہوتا ہے تو ذنب میں استغفار کی توفیق آ جاتی ہے کہ جب ذنبِ دنیا اعترافِ جرم کر لیتی ہے تو قلبِ صادق کہتا ہے ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ یوسفِ قلب نے فرمایا اہلِ ھوا کے بھرے دربار میں کہ اے قالبِ مصر کے اعضاء و جوارح نفوس و عقول فکر و تدبر۔ تقدیرِ قلب کا یہ مکالمہ صرف اسی لئے ہے کہ مخالفینِ ارواح کو پتہ لگ جائے کہ قلبِ ربانی نے غیر اللہ کی محبت کا میلان کر کے اپنے مربی کی خیانت نہیں کی۔ قلب اور اہلِ قلب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خیانتِ اسرارِ الٰہیہ والوں کو منزلِ مرادِ عشق کی ہدایت نہیں دیتا۔ کیونکہ خائنِ باطنی مرادِ طلب کے پانے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا جس شقی کی طبیعتِ لئیم میں خیانت ہو وہ معرفت و مشاہداتِ محبت کی راہ نہیں پا سکتا۔ نہ مکاشفۂ اسرار کا لائق بنتا ہے خیانت مکرِ ابلیس کا جال ہے جو سالکینِ راہ کو بھٹکانے کے لئے ہے۔ بجز ربِ قدیر کے کوئی خائنین کے خفیہ جال کو نہیں توڑ سکتا۔ مسافرینِ راہِ طریقت کو چاہیئے کہ امانتِ حیاتِ دنیا میں گناہ و فسق لغزش و خطا کی خیانت نہ کریں۔ جیسے کہ امانتِ خصلتِ محمودہ ہے اسی طرح خیانتِ خصلتِ ذمیمہ ہے اور بد دیانتی عادتِ رذیلہ ہے۔ خزانۂ قلب میں شریعت کی نو امانتیں ہیں نماز، روزہ۔ ناپ۔ تول۔ بندگی۔ ودیعت۔ امامت۔ خطابت۔ زکوٰۃ و خیرات اور طریقت کی پانچ امانتیں ہیں۔ سمع بصر۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ پیٹ۔ قلب کا کام ہے کہ ان امانتوں کو الفتِ مولیٰ اور نظامِ کائنات میں لگاتے اور ماسوا اللہ کی محبت سے بچاتے بارگاہِ قدس میں پہنچاتے۔ اسی قالب میں نفسِ امارہ ہے جو خیانت و قباحت کا مرکز ہے۔ قلبِ ربانی خطا کر سکتا ہے سرکشی نہیں کرتا لیکن نفسِ خبیث سرکشی کرتا ہے اس لئے قلب کا عیب ظاہر نہیں کیا جاتا جب مخلوق میں محبوب اپنے حبیب کا گناہ و عیب ظاہر نہیں ہونے دیتا پردہ ڈالتا ہے تو رب تعالیٰ بھی عیبِ گناہ پر پردہ ڈالتا ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ قلبِ منور نفسِ امارہ کو تلقین کرتا ہے کہ اے مردودِ ازلی ساری عمر گناہوں میں بسر ہو گئی اب وقتِ اخیر تو سنبھل جا اور توبہ کر لے۔ بندہ راہِ حق میں جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ اسی حق تعالیٰ کا ہے مگر اس کے باوجود اس کو بدلہ مل جاتا

ہے ۔بدنصیب ہے وہ جو حق سے انعام نہ پا سکا ۔ مقامِ ولایت کے قریب جاکر محروم رہا ۔ قالب کی سب امانتیں اعضاء و جوارح کے لئے ہیں مگر خود قلب اپنے خالقِ کریم کے لئے ہے ۔ یہ فروخت نہیں ہو سکتا ۔ اس کا خریدار فقط اللہ تعالیٰ ہے ۔ اسی قلب کی حفاظت کے لئے ملائکہ اجسامِ انسانی کی حفاظت کرتے ہیں ۔ تمام مخلوق میں قلبِ انسانی کا درجہ اس لئے بلند ہے کہ اس میں معرفت کی امانت ہے ۔ دل مومن کے چھ نام ہیں ۱ زجاج ۲ طاق ۳ چراغ ۴ قندیل ۵ آئینہ ۶ شعاع ۔ قالبِ مومن مثلِ مکان ہے ۔ زجاج مثلِ ایمان ہے ۔ طاق مثلِ شریعت ہے ۔ چراغ مثلِ معرفت ہے قندیل مثلِ توحید ہے آئینہ مثلِ نور ہے ۔ اور شعاع مثلِ اعمال ہے ۔ بندۂ اصلیت وہ ہے جو شیطان سے بھاگے رحمان کی طرف ۔ تاکہ حفاظتِ خدا کو پالے جو بندہ جستجوءِ خدا سے چمٹا رہتا ہے ۔ وہ کبھی نہ کبھی خدا کو پالیتا ہے

آج مورخہ دس ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ مطابق سولہ فروری ۱۹۸۱ء بروز پیر بعد نماز عصر بارھویں سپارے کی تفسیر صوفیانہ مکمل ہوئی اس طرح بارھواں حصہ تفسیر نعیمی کا مکمل ہوا ۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا يَا مَوْلَانَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ شکر ہے ربِّ کائنات کا کہ تفسیر صوفیاء و اولیاء عین اس وقت مکمل ہوئی جبکہ پندرھویں صدی ہجری کی پہلی بڑی گیارھویں شریف حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا یومِ وصال اور حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جاری کردہ محفلِ ختمِ غوث پاک کی تیاریاں ہورہی ہیں غوث پاک کے عاشق مخلص حضرت مولانا قاری علی اکبر صاحب خطیب کوٹلہ جناب قاری ہدایت اللہ صاحب خطیب آزاد کشمیر ۔ اور مشہور بلبلِ پاکستان نعت خوانِ عظیم جناب عبدالستار خان نیازی فیصل آباد کی آمد آمد کا حسین انتظار ہے ۔ اے میرے کریم رحیم علیم و خبیر خالق رازق مالک آج اس راتِ ولایت کے طفیل سے میرے دل کو کھول دے دن بنا دے ۔ اے مولیٰ سب آنکھیں سو رہی ہیں اور تارے بھی چھپ گئے ہیں مگر تو جاگ رہا ہے تیرے لطف ظاہر ہیں سب بادشاہوں نے دروازے بند کر لئے ہیں اور دروازوں پر چوکیدار اور دربان کھڑے کر دیئے ہیں اور ہر دوست اپنے دوست سے علیحدہ ہے مگر تیرا دروازہ مانگنے والوں کے لئے کھلا ہے ۔ یا اللہ میں سائل ہوں تیرے در پر حاضر ہوں ۔ گنہگار محتاج خطاوار مسکین ہوں ۔ تیرے دروازے پہ کھڑا ہوا ہوں ۔ تیرے ہی دست پہ آیا ہوں ۔ اے رحیم تیری رحمت کا امیدوار ہوں ۔ اے کریم اے ارحم الراحمین آستانے پر آیا ہوں تاکہ تو نگاہِ لطف سے میری طرف دیکھے ۔ اے رات کے اندھیرے میں مجھ حاجتمند اور بیقرار کی دعا قبول کرنے والے ۔ اے مرض کی حالت میں نقصان اور مصیبت کو دفع کرنے والے ۔ جو لوگ تیرے قرب میں آتے وہ گردِ کعبۂ عشق میں سوتے اور صبح محبت کی حطیم میں بیدار ہوتے ۔ اے قیوم تیری سخاوت کی آنکھ نہیں سوتی ۔ اگر نیکوں کے سوا تیری عطا کا کوئی امیدوار نہیں تو مجھ جیسے گنہگار پر کون بخشش کرے گا ۔ اے رب اے مولا ۔ کعبۂ حرم کے حق کے صدقے میرے رونے پر رحم کر تو غفور ہے میرے گناہ بخش دے اور کرم سے معاف فرما دے ۔ معافی کا انعام محض کرم سے عطا فرما ۔ اے کریم مولیٰ اگرچہ علم اور

معرفت کے ساتھ تیری اطاعت کروں گا تو تیرے ہی لئے شکر اور حمد ہے اور مجھ پر تیرا احسان ہے۔ اور اگر میں نے تیری نافرمانی کی تو تیری سزا مجھ پر قائم ہے۔ اے اچھے اللہ مجھ پر رحم کر کے میرے سب گناہ بخش دے اور میرے اعمال کو میرے آقا کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنا صلے اللہ علیہ وسلم اپنے حبیب مقبول بارگاہِ ازلی کے دیدار کے شرف سے مجھ کو محروم نہ رکھ۔ اے عالمین کے رب میں ساری مخلوق کو چھوڑ کر قصد کر کے تیرے پاس آیا ہوں تیری بخششوں کے دروازے پر آیا ہوں تو گنہگاروں کی پناہ ہے۔ اپنے فضل سے مجھ پر رحم کر۔ اے میرے رب حقیقت میں تو ہی صاحبِ فضل واحسان ہے۔ اور وادیٔ گناہ کی دہشت زدہ لوگوں کا مونس ہے اے رحیم کریم دنیا وآخرت تیرے بغیر اچھی نہیں۔ اے غفور کائنات نیکیوں سے تجھے کچھ فائدہ نہیں اور بدیوں سے تجھے کچھ نقصان نہیں۔ میں گناہوں کا ذخیرہ ہوں اگر تو معاف فرمادے تو میرا فائدہ ہے اگر معاف نہ فرمائے تو میرا نقصان ہے میں حقیر تیرا ہی بندہ ہوں تو حقیروں کم عقلوں سے پیار فرمانے والا ہے۔ اے میری حفاظت کرنے والے مجھے ہر وقت تجھ سے حاجت اور امید ہے۔ میں نے اپنی مصیبت کی شکایت تجھ سے کی اے امیدوں کو پورا کرنے والے تو ہی میری مصیبت کو دور کرنے والا ہے میرے سب گناہ بخش دے اور میری حاجت پوری کر میرا توشہ کم ہے۔ میں جانتا ہوں مجھ کو منزل تک نہیں پہنچا سکتا۔ منزل دور ہے توشہ کم ہے اس لئے میرے ساتھ اگر تیری امداد نہ ہو تو میرے لئے رونا ہی رونا ہے۔ میں نے نہایت برے عمل کئے بدعملی نے مجھ کو ذلیل اور خوار کیا۔ دنیا میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس گناہ نہیں۔ مجھ جیسا بدکار کوئی نہیں تجھ جیسا ستار کوئی نہیں۔ میں مسافر ہوں تنہا کم لشکر ہوں رات اندھیری ہے راستہ پھسلن ہے۔ تو نے ہمیشہ مجھ کو میری رغبت سے پہلے دیا۔ اے آسمانوں کے رب اپنی بخشش کو پورا کر کے مجھے جلدی آرام پہنچا۔ تو ہی فریادیوں کی فریاد کو پہنچنے والا۔ تجھے واسطہ ہے میرے پیرومرشد کربلا کے آخری مسافر امام علی اوسط امام زین العابدین امام التائبین مقتداءِ عاشقین منتہاءِ سالکین غمزدوں کے تاجدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا میرے بھی سینۂ کربلا میں نفسِ امارہ کا شمر خنجرِ شیطانی سے قلبِ حسین کو شہید کرنے کے درپے ہے۔ میرے قلبِ پریشان کی حفاظت قربِ جمال فرما اور شہادت گاہِ ذوق میں شہیدِ الفت کا درجہ عطا فرما۔ اس دن مجھے اللہ تعالےٰ کے سامنے کیا شرمندگی ہوگی جس وقت اللہ تعالیٰ مجھ سے فرماتے گا اے بندے میں نے تجھے پیدا کیا اور اچھے دین کے ساتھ تجھے بزرگی دی اور رکوع اور سجدے کے ذریعے تجھ کو اپنا قرب دیا اور تیرے دل کو معرفت اور سخاوت عطا کی مگر تیرے نفسِ ریاکار نے تیرے سامنے دین کے بدلے دنیا کو آراستہ کیا۔ اے بندے تو مجھ سے ہی بھاگا میری ہی مخالفت کی کیا مجھ جیسا کریم رب تجھ کو کہیں مل سکتا ہے اے میرے کریم اب ضعیفی اور عاجزی کے وقت تو نے مجھ پر مہربانی کی اور راتوں کی تاریک جنگلوں میں میری مدد کی اپنے ولیوں کے ذریعے تو نے میرا حال اچھا کر دیا۔ تو نے مجھ کو خونخوار دشمنوں کے مکر سے بچایا۔ تیرے ہی لئے حمد وثنا ہے۔ اولیاء اللہ نے فرمایا جو اخلاص کے ساتھ رب کریم کی معرفت میں قائم ہوتا ہے۔ سب چیزیں اس کے قبضہ واختیار میں ہو جاتی ہیں مگر مومن پھر بھی اس دنیا کو قید خانہ سمجھتا ہے۔ رب تعالےٰ جب دنیا سے بندے کو نکالتا ہے تو یہ انتہاء اکرام فرماتا

ہے۔ اسی لئے بندۂ مومن دنیا میں آنا نہیں چاہتا۔ اور کافر واپسی کے لئے مچلتا ہے۔ کافر دنیا کا خواہش مند مگر مومن متقی وہ ہے جو نفس کو خواہشوں سے دل کو ہر غفلت سے۔ حلق کو ہر ایک لذت سے۔ اعضاء کو ہر گناہ سے باطن کو ہر آفت سے بچاتے جب یہ سعادت نصیب ہو تو رب تک مقامِ وصل کی امید ہے۔ جس کا ظاہر و باطن خوفِ خدا میں لرزاں ہوں وہ متقی ہے۔ ہر شخص کو جاننا چاہیئے کہ اجر دو قسم کے ہیں ۱؎ اجرِ دنیا ۲؎ اجرِ آخرت دنیا کا اجر فنا اور مشقت سے ہے اور آخرت کا اجر شفقت و الفت سے ملتا ہے اسی لئے اس کا نام جنت ہے۔ جس کا معنٰی ہے چھپا ہوا یہ اُس کا اجر ہے جو نیکی کو اِس طرح چھپاتے جس طرح بدی کو چھپایا جاتا ہے۔ بندوں کو دنیا میں چار زمانے اور چار وقت عبادت و مجاہدات کے ملے ہیں ۱؎ قبل بلوغت ۲؎ بعد بلوغت ۳؎ جوانی ۴؎ بڑھاپا اور چار وقت دن رات۔ صبح۔ شام۔ ان کے اجر میں جو جنت ملے گی اس میں چار باغ۔ چار مکان۔ چار شرابیں۔ چار جوڑے ہیں۔ چار باغ۔ عدن۔ فردوس۔ نعیم۔ ماوٰی۔ چار مکان۔ دارُ الخلد۔ دارُ السلام۔ دارُ المقامہ۔ دارُ الحیات۔ چار شرابیں۔ پانی دودھ۔ شہد۔ طہور۔ چار جوڑے۔ لباسِ عطا۔ لباسِ بقا۔ لباسِ رضا۔ لباسِ لقا عامل کو یہ اجر آخرت میں ملتا ہے مگر عارف کو ہر وقت کیونکہ اُس کی نظر جب اِن انعاموں کے خالق کی طرف لگتی ہے تو بجز خدا تعالیٰ سب کچھ بھول جاتا ہے۔ جو بندہ خلوص سے رب کی طرف دیکھتا ہے سب دنیا اُس کی غلام بن جاتی ہے اور دونوں جہان کی عزت پاتا ہے جب تک بندہ دنیا کی طرف دیکھے دنیا اس کو ذلت کی حقیر قیمت سے اس کو بیچ دیتی ہے۔ مخلص بندے کی نشانی یہ ہے۔ راہ خدا میں الفتِ مصطفٰے میں ہزار مصیبتیں اٹھانی پڑیں مگر محبت سے منہ نہ پھیرے۔ عارفوں کی یہی نشانی ہے۔ اے میرے کریم یہ عارفوں کی شان ہے میرے پاس کیا ہے جو تیرے حضور پیش کروں۔ نہ میرا قیام نہ میرا رکوع سجود۔ نہ عبادت۔ نہ علم نہ زُھد اس لائق کہ تیرے تحفے بناتے جاسکیں۔ اے کریم میں اندھا مقامِ حیرت میں کھڑا رو رہا ہوں اپنے بندوں کو میری طرف پھیر دے اور مجھ کو توفیق عطا فرما کہ تیری طرف پیدل چلوں اور تیری وصل کی راہ میں ہمت و کوشش خرچ کروں۔ میں صرف تجھ کو ہی دیکھتا ہوں کیونکہ تجھ سے زیادہ کوئی حسین اور اچھا نہیں۔ اے میرے کریم میں تیرے ولیوں کو اس لئے دیکھتا ہوں کہ ان میں تیرا ہی جلوہ آشکارا ہے اے میرے کریم رب میں سجدوں میں تیری رحمت کا منتظر ہوں۔ تو پُل صراط پر میری نجات کا منتظر ہو جا۔ بندے کا دین کامل ہو تو ملے جلے عمل بھی منظور ہو جاتے ہیں۔ اے رب میرا دین خالص ہے مگر میرے عمل خالص نہیں اپنے کرم سے بخش دے۔ اے ساتھیو۔ قبر میں صرف دینیات کا سوال ہوگا۔ مگر قیامت میں اعمال کا آسمان کے نیچے زمین کے اوپر جلدی جلدی کچھ کر لو یہ سب کچھ تمہارے لئے ہے جب تم سب دنیا سے چلے جاؤ گے تو آسمان اور زمین توڑ دیئے جائیں گے۔ چاند سورج ستارے نیست و نابود کر دیئے جائیں گے۔ علماءِ کرام کی زبان میں مادیات کا نام آسمان زمین چاند سورج ستارے ہیں۔ لیکن صوفیا کی اصطلاح میں آسمان عاملِ شریعت ہے اور زمین عارفِ صالح ہے اور اُن کا نور باری تعالیٰ ہے۔ پچھلی امتوں کو تین نصیحتیں توریت میں تین زبور میں ملیں اور تین انجیل میں۔ توریت کی

باتیں یہ ہیں کہ ۱ اللہ تعالیٰ ہر غمگین کو دوست بناتا ہے ۲ صدقہ دینے والوں کو اجر دیتا ہے ۳ موٹے کو پسند نہیں کرتا زبور کے لفظ یہ ہیں ۱ قناعت والا ہی سیر ہے ۲ جو صابر ہوا وہ کامیاب ہے ۳ گوشہ نشین بچ گیا انجیل کے اقوال یہ ہیں ۱ اصل دولت قناعت ہے ۲ ترکِ خواہشات عزت ہے ۳ عزت میں سلامتی ہے ان سب کا خلاصہ اور حصول قرآن مجید کی تین نصیحتوں میں ہے ۱ کہ متقی کا ہی صدقہ قبول ہوتا ہے ۲ متقی اور محبوب توبہ کرنے والا ہے ۳ اللہ تعالیٰ عارفوں عالموں مومنوں کا نور ہے۔ کامل وہ ہے جو عامل ہو پھر رب تعالیٰ اس کو عارف بنائے عامل کی تشبیہی نشان پچیس ہیں۔ عامل مثلِ پانی ۱ ہے۔ مثلِ مٹی ۲ ہے۔ مثلِ سونا ۳ ہے۔ مثلِ چاندی ۴۔ جوہر ۵ ہے۔ یاقوت ۶ ہے موتی آبدار ۷ ہے۔ مشک تابدار ۸ ہے۔ عنبر ۹ ہے۔ کافور ۱۰ ہے۔ ریحان ۱۱ ہے۔ شقایق ۱۲ ہے۔ مومن ۱۳ مثلِ کشتی ہے۔ براق ۱۴ ہے معراج ۱۵ ہے۔ پہاڑ ۱۶ ہے۔ آگِ عشق ۱۷ ہے۔ آندھی ۱۸ ہے۔ سورج ۱۹ ہے۔ چاند ۲۰ ہے۔ ستارہ ۲۱ ہے۔ دریا ۲۲ ہے۔ گلستان ۲۳ ہے۔ گلِ نرگس ۲۴ ہے۔ شہدِ خالص ۲۵ ہے۔ عمل راستہ ہے معرفت اس کی منزل جب عامل کے عمل بارگاہِ معبود میں قبول ہو جاتے ہیں تو اس کو چودہ مقامِ قرب نصیب ہوتے ہیں ۱ عارف مثلِ مشک و عطر ہے ۲ معرفت مثلِ عنبر عقل بڑھاتی ہے ۳ معرفت مثلِ کافور ہے کہ قلبِ مومن ٹھنڈا ہوتا ہے ۴ معرفت مثلِ ریحان چمنِ قلب کو مزین کرتی ہے ۵ مثل کشتی ہے کہ نور اور دین اس میں بھرا ہے کشتیِ معرفت میں آٹھ مسافر ہیں۔ توحید ۱۔ اخلاص ۲۔ یقین ۳۔ توکل ۴۔ رضا ۵۔ تسلیم ۶۔ ذکر ۷۔ شکر ۸ ۶ معرفت مثلِ براق ہے کہ بندۂ عارف کو خدا سے ملا دیتی ہے اور وصل کے عرش تک لے جاتی ہے ۷ معرفت مثلِ کیل ہے کہ دینِ حق کو عارف سے جوڑ دیتی ہے اور سکون پیدا کرتی ہے ۸ مثل آتشِ ہر مخالفت و گناہ کو جلا کر فنا کر دیتی ہے ۹ مثلِ آندھی ہے کہ حرص ہوس کے کیڑے کو اڑا پھینکتی ہے ۱۰ معرفت مثلِ سرسبز گھاس ہے کہ زمانے کی تبدیلی عارف کو بگاڑ نہیں سکتی ۱۱ مثلِ نرگس عارف ہمیشہ سجدہ ریز ہوتا ہے ۱۲ مثلِ دریا ہے کہ گناہوں سے ناپاک نہیں ہوتا ۱۳ مثلِ جنت معرفت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے ۱۴ معرفت مثل سورج۔ چاند۔ ستارہ ہے کہ مسافرِ راہِ سلوک راہِ روِ منزلِ وصل کو اسی کے ذریعہ نشاناتِ راہ کا پتہ چلتا ہے۔ یہی بھٹکتے عاشقوں کو ہدایتِ مقصود دیتی ہے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت دو قسم کی ہے ۱ ہدایتِ توفیق یہ ابتداءِ معرفت ہے ۲ ہدایتِ وصل الی المطلوب یہ معرفت کی انتہا ہے۔ درمیان میں چار ہدایتیں ہیں۔ پہلی ہدایت انبیاءِ کرام ہے یہ ہدایت مثلِ چراغ ہے۔ دوسری ہدایت احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ وَسَلَّمَ یہ دستگیری ہے اس کے بغیر اللہ کی ہدایتیں بھی نہیں مل سکتیں۔ دامنِ عشقِ مصطفےٰ سب تالوں کی چابی ہے۔ کسی نے صدیق اکبر سے پوچھا کہ تجھ کو ہدایت کس نے دی۔ فرمایا کہ صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ وسلم محبوبِ کردگار نے ہی وصل کی لذتوں سے آشنا کر کے معراجِ عرش تک راہنمائی فرمائی۔ سائل نے پوچھا کہ کیا تجھ کو اللہ نے ہدایت نہیں کی۔ فرمایا بڑا احمق ہے تفریق کی راہیں نکالتا ہے رب کی ہدایت یہ ہے کہ اس نے اپنے رسولِ حبیب کو خزانۂ معرفت دے کر بھیجا۔ اور طالب کے دل میں شوقِ وصل پیدا کیا۔ اور دامنِ یار میں منتظر بیٹھنے والوں کو وصل کی طرف کھینچا۔ تیسری ہدایت

ایمان۔ چوتھی ہدایت قرآن ومجاہداتِ نفس۔ اس ہدایت سے کمزوروں کو قوت ملتی ہے جس سے بارگاہِ قدس تک پہنچنے کے قابل ہوجاتے ہیں اور اُن کے چہروں پر حاضریِ بارگاہ کے انوار کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ اے میرے رب مجھ کو بھی دامنِ مصطفٰے میں جگہ عطا فرما تاکہ خزانۂ معرفت سے حصہ پالوں۔ اے میرے کہنے پر چلنے والے ساتھیو دنیا اُسی کی ہے جس نے اعمالِ صالحہ سے خزانۂ معرفت کا انعام پالیا۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ وَزِیْنَۃِ فَرْشِہٖ سَیِّدِنَا مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَبْنَائِہٖ وَبَنَاتِہٖ وَاٰبَائِہٖ وَبَارِکْ وَسَلَّمْ۔ فقیر حقیر طالب رب قدیر۔ اقتدار بدایونی نعیمی۔ قادری۔ رضوی۔ حال گجرات پاکستان ۸۱-۲-۱۶

تمت بالخیر

نقل

سرٹیفکیٹ برائے تصحیح پروف ریڈر میں تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے تفسیر نعیمی پارہ بارہواں کی تصحیح کی ہے اور بنظر غور تمام عربی عبارات وآیاتِ قرآنیہ کی صحت کردی ہے۔

اب بحمد اللہ تعالٰی اس تفسیر نعیمی پارہ ۱۲ میں کوئی عربی غلطی نہیں ہے اور تصحیح و باہمہ سرٹیفکیٹ ادارہ نعیمی کو دیدیا ہے۔

دستخط حافظ محمد صدیق کوثر پروف ریڈر منظور شدہ حکومت پاکستان
ساکن یارموسیٰ۔ تحصیل پھالیہ ضلع گجرات

نوٹ:۔ اصل سرٹیفکیٹ ادارے کے دفتر میں موجود ہے۔